خدا بخش لائبریری

جرنل

پٹنہ

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر ۳۳۴۲۴/۷۷

۱۹۸۵ء

بتیسواں شمارہ

قیمت فی پرچہ: ۱۵ روپے
سالانہ: ۶۰ ،، (ہند)
: ۱۲ ڈالر (ایشیا)
: ۲۴ ،، (دیگر ممالک)

فہرست

محبوب حسین نے اردو حصہ مطبع لیتھو پریس رومنا الین پٹنہ سے اور انگریزی حصہ لبرٹی آرٹ پریس دہلی سے چھپوا کر خدا بخش لائبریری سے شائع کیا

ایڈیٹر: عابد رضا بیدار

پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی
خدا بخش لائبریری، پٹنہ

رام چند فرحت عظیم آبادی

آج سے تقریباً ڈیڑھ، دو سو سال پہلے ہر پڑھا لکھا گھرانا فارسی زبان سے آشنا تھا۔ مسلمان تو مسلمان اونچے طبقے کے ہندو بھی نہ صرف فارسی زبان سے واقف تھے، بلکہ اس زبان میں صاحبِ تصنیف بھی ہوئے ہیں اور دادِ سخن بھی دی ہے۔ عظیم آباد ہی میں اہلِ ہنود فارسی زبان کے اہلِ قلم تھے۔ راجہ پیارے لال الفتی، کنور ہیرا لال ضمیر اور نہ جانے کتنے، راجہ شتاب رائے کے متوسلین، اور پھر بہار کے صوبہ دار راجہ رام نرائن لال موزوں فارسی زبان کے مستند شاعر سمجھے جاتے تھے۔

بہار اور اطراف بہار کے ان ہندو شعرائے فارسی کا کوئی تذکرہ مرتب نہیں ہوا۔ مختلف تذکروں میں جستہ جستہ کچھ نام اور مختصر حالات ملتے ہیں۔ اس مضمون میں عظیم آباد کے ایک غیر معروف مگر پُرگو اور قابلِ ذکر شاعر، اور خدا بخش میں محفوظ اس کے شعری کارناموں کا تعارف مقصود ہے۔

فرحت عظیم آبادی کا وطن عظیم آباد تھا اور وہ محلہ عالم گنج میں رہتے تھے۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ راجہ مترجیت والیِ بنارس سے خصوصی وابستگی رکھتے تھے۔ راجہ موصوف سے متعلق بہتیرے قطعاتِ تاریخ مثلاً ورود در بنارس، ورود در لکھنؤ، و تاریخ تہنیت خطاب بہادری، تاریخ رفتن کلکتہ وغیرہ ملتے ہیں ان قطعات سے جو سنین ظاہر کیے گئے ہیں وہ ۱۱۹۹ھ تا ۱۲۰۲ھ ہیں۔ پھر یہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ فرحت کی وابستگی راجہ صاحب سے غالباً انہی ایام کی ہے۔ شاعر نے ۱۲۰۲ھ میں اپنی مثنوی "گنج شایگاں" عرف حاتم نامہ بخط خود راجہ صاحب کی فہمایش سے مرتب کیا جو مثنوی ہٰذا کے ترقیمہ سے ظاہر ہے۔

فرحت فارسی زبان پر قدرت رکھتا ہے۔ اس نے قصاید بھی لکھے ہیں اور رباعیاں بھی۔ غزلوں کا بھی دیوان مرتب کیا۔ تاریخ گوئی پر اس کو عبور حاصل ہے اور قدرت بھی ہے۔ صوری و معنوی دونوں طرح کی تاریخیں لکھی ہیں۔ اس میں صنعت کو بھی دخل ہے۔ مثلاً اسی مثنوی گنج شایگاں کی تاریخ اتمام ۱۱۸۸ھ نکالی ہے اور صنعت یہ رکھی ہے کہ عقل نے "دو انگلیاں سیدھی اور دو انگلیاں خم" کر کے دکھلائیں یعنی ۱۱۸۸ھ۔

مرزا مظہر جانجاناں کی تاریخ شہادت لکھی ہے : " آہ کجا بی مظہر " (۱۱۹۵ھ) - غلام علی آزاد کی تاریخ وفات ہے : " جنت از بہر بندہ آزاد است " (۱۲۰۳ھ) -

تفصیل کلامِ فرحت : (۱) کلّیاتِ فرحت ـ اس کا قلمی نسخہ خدا بخش میں ہے (نمبر ۲۶۶۳۰) اس میں حسب ذیل کلام ہے (الف) قصاید ۱۳۱ ورق (اس میں قطعات تاریخ بھی ہیں) (ب) مثنوی گنج شایگاں عرف حاتم نامہ ، دفتر اوّل ۔ یہ ایک طویل مثنوی ، مثنوی معنوی کی بحر میں ہے اور اس میں حاتم طائی کا قصہ منظوم ہوا ہے ۔ سال تالیف ۱۱۸۸ھ ہے ۔ اشعار کی تعداد ۳۵۷۵ بتایا ہے ۔ تعداد اوراق ۳۵ ۔ (ج) غزلیات بطور حروف تہجی ۔ تعداد اوراق ۳۱ ۔ یہ نسخہ ولایت علی خان رئیس پٹنہ کے کتبخانہ میں تھا ، پھر خورشید نواب کے کتبخانہ میں رہا ۔ اب خدا بخش لائبریری میں ہے ۔ ان تمام کتابوں کی مہریں موجود ہیں ۔

(۲) **مثنوی گنج شایگاں** مذکور کا ایک اور نسخہ قلمی ذخیرہ شوق نیموی کا موجود ہے جس کی کتابت ۱۱۸۸ھ کی ہے اور اس میں شوق نیموی کا قطعۂ تاریخ کتابت موجود ہے ۔ مگر اس میں جو تعداد اشعار مثنوی بتائی گئی ہے وہ ہے ۳۶۱۰ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کسی اور نسخے سے نقل کیا گیا ہے یہ نسخہ جو مصرعی ہے ۔ اوراق کی تعداد ۳۵ ہے ۔ (خدا بخش نمبر ۳۳۲۶)

ابتدا میں شوق نیموی کے فرزند مولوی عبدالرشید کی تحریر ہے ، جو " یادگار وطن " سے ماخوذ ہے اور اس میں فرحت کی مثنوی کے بارے میں اطلاع ہے ۔ حالات پر روشنی نہیں پڑتی ۔

(۳) **مثنوی گنج بادآورد** : یہ حاتم نامہ مذکور کا دوسرا دفتر ہے ۔ اوراق کی تعداد ۲۲ (خدا بخش نمبر ۳۳۲۷) یہ نسخہ بھی شوق نیموی کے کتبخانہ کا ہے ۔ یہ ۱۲۲۰ھ کا مکتوبہ ہے ۔ یہ تینوں نسخے اب تک غیر مطبوعہ ہیں اور بہ قرینہ غالب کہ ان کا کوئی اور نسخہ کہیں دستیاب نہیں ۔

●●

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن
اسسٹنٹ لائبریرین خدابخش لائبریری پٹنہ

اکتفاء القنوع بما ھو مطبوع

یہ عربی مطبوعات کے بارے میں ایک نہایت مفید اور معلوماتی کتاب ہے جو ۶۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب ایڈورڈ فنڈیک ہیں جنھوں نے اپنے خرچ سے یہ کتاب ۱۸۹۶ء میں مطبع الہلال (قاہرہ) سے چھپوائی ہے۔

مرتب نے ۱۹ویں صدی عیسوی کے اواخر تک ایشیا اور یورپ کے مطابع سے عربی زبان میں جو قدیم اور اہم کتابیں چھپ چکی تھیں ان سب کا مختصر تعارف، سال طباعت، مطبع، ان کے مصنفین و مولفین اور ان پر تحقیقی کام کرنے والے محققین کے حالات، نہایت جامع انداز میں تحریر کر دیے ہیں۔ اس طرح تقریباً سوا دو ہزار سے زائد کتابوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

مرتب نے سب سے پہلے ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں سب سے پہلے اسپین، جرمنی، فرانس، برطانیہ، اٹلی، ہالینڈ، ڈنمارک، ترکی، مصر، شام، تونس کے ۲۰ ایسے کتب خانوں کے نام گنوائے ہیں جہاں عربی زبان کی لکھی ہوئی شدہ یا قلمی کتابیں محفوظ ہیں اور پھر لکھا ہے کہ یہ زیادہ تر غیر مطبوعہ کتابیں تھیں۔ لیکن تقریباً چار سو سال سے یورپ کے مستشرقین تصحیح و اضافہ اور تراجم و شروح کے ساتھ ان کی طباعت کرا رہے ہیں۔ اسی بنا پر اب کافی کتابیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

مرتب نے لکھا ہے کہ جس اہل علم کے لئے کشف الظنون (حاجی خلیفہ)، الفہرست (ابن ندیم)، فہرست کتابخانہ دساسی (DE SACY) اور فہرست مکتبہ مشرقیہ (BIBLIOTHICA ORIENTALIA) جیسی ضخیم اور معلوماتی کتابیں جمع کرنا ممکن نہ ہو تو صرف یہ کتاب (اکتفاء القنوع بما ھو مطبوع) حاصل کر لے تو یہ بلاشبہ ان تمام کتابوں سے مستغنی کر دے گی۔

مقدمہ کے بعد باب اوّل کے تحت مرتب نے "اعتناء الافرنج باللغۃ العربیۃ" کے عنوان سے ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس ضمن میں یہ دکھایا ہے کہ عربی زبان جزیرہ عرب سے نکل کر یورپ کے ممالک میں کس طرح پہنچی، چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ اہل یورپ نے ۱۶ویں صدی عیسوی سے عربی زبان سیکھنی شروع کی — ۱۷ویں صدی عیسوی میں عربی زبان کی نشر و اشاعت کے لئے روم میں ایک ادارہ قائم کیا جہاں عربی

زبان کے ساتھ سریانی زبان کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ عربی زبان کے ساتھ اہل یورپ کی دلچسپی بڑھتی گئی اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے قواعد و لغت عربی پر بے شمار کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ آخر میں ان کتابوں کی ایک فہرست بھی پیش کی گئی ہے۔

اس کے بعد مرتب نے مزید تین ابواب کے تحت مختلف فصلیں قائم کر کے مسلمانوں کے عہد بعہد علمی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ ہر عہد کے اہم مصنفین و مؤلفین کے حالات لکھے ہیں اور پھر ان کی طبع شدہ کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے علاوہ کون سا نسخہ کہاں ہے اور کس نے کس کتاب کو ایڈیٹ کیا ہے اور کب کیا ہے؟ ان تمام باتوں کی پوری طرح وضاحت کی ہے۔

اس طرح یہ کتاب نہ صرف طبع شدہ کتابوں کے لئے مرجع و ماخذ ہے، بلکہ اسلامیات کے طالب علم کے لئے ایک معلوماتی خزانہ بھی ہے۔ جس کے مطالعہ سے وہ تاریخ علوم اسلامی سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، شعر و ادب، تاریخ، جغرافیا، طب، فلسفہ، منطق اور سائنسی علوم و فنون پر مفید معلومات موجود ہیں۔

جناب سلیم الدین احمد
اسسٹنٹ لائبریرین
خدا بخش لائبریری پٹنہ

ملا علی القاری اور ان کی طبقات الحنفیہ

نور الدین علی بن سلطان محمد القاری الہروی، معروف بہ مُلّا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ)[1] اپنے عہد کے ایک جیّد عالم اور معروف فقیہ تھے۔ علم فقہ کے علاوہ حدیث، تفسیر، کلام، منطق اور فلسفہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ادب، انشا اور نحو میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف کی کوئی تعداد متعین نہیں کی جا سکتی۔ تاہم مشہور تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچتی ہے[2]۔ صاحب ہدیۃ العارفین نے آپ کی کل ۱۰۷ مشہور تصنیفات کا حوالہ دیا ہے۔ خدا بخش لائبریری میں مخطوطات کی شکل میں آپ کی ۶۹ تصنیفات محفوظ ہیں جن میں متعدد ایسے مخطوطات بھی ہیں، جو اب تک طبع نہیں ہو پائے ہیں۔ انھیں میں سے ایک طبقات الحنفیہ پر آپ کی تصنیف "الاثمار الجنیہ فی اسماء الحنفیہ" بھی ہے۔

آپ ہرات کے ایک گاؤں قارہ میں پیدا ہوئے، قاری اسی گاؤں کی طرف نسبت ہے۔

سال ولادت نامعلوم ہے۔ ابتدائی تعلیم ہرات ہی میں حاصل کی، پھر مکہ تشریف لے گئے اور مستقل طور پر وہیں

---

[1] ہدیۃ العارفین جلد ۱، ص ص ۷۵۱ - ۷۵۲، عقد الجواہر ص ۲۶۴، تاج الطبقات (مخطوطہ مخزونہ خدا بخش لائبریری) جلد ۱۱، ص ۵۹، الفوائد البہیہ ص ۱۰، خلاصۃ الاثر جلد ۳، ص ص ۱۸۵ - ۱۸۶، حدائق الحنفیہ (مرتبہ خورشید احمد خاں لاہور) ص ۴۲۱ - ۴۲۲، التاج المکلل ص ۲۹۸۔ لیکن صاحب کشف الظنون نے تاریخ وفات ۱۰۱۶ھ بتلائی ہے، جلد ۴ ص ۷۰، اور یہی اتحاف النبلاء کے مصنف کا خیال ہے (ص ۵۹ اور ۷۱ صفحہ ۱۲ پر سن وفات ۱۰۴۴ھ لکھا ہے، جو ظاہر ہے کتابت کی غلطی ہے)

[2] خدا بخش لائبریری میں محفوظ ایک مخطوطہ نمبر ۲۵۶۹ کے ورق ۶۰ الف پر ملا علی قاری کے بارے میں ایک مختصر سوانحی نوٹ درج ہے، جو کسی نامعلوم شخص کا لکھا ہوا ہے، جس میں آپ کی چند تصانیف کا بھی تذکرہ ہے۔ اور آخیر میں لکھا ہے کہ "سمع من حفیدہ فی المکۃ المکرمۃ قال لجہ نا ثلاثمائۃ مؤلفات وانہ وقف لاولادہ وشرطان لا یمنع من الاستنساخ والیوم النوبۃ عندی لا امنع ممن طلب"

مقیم ہو گئے۔ مکہ میں شہاب الدین ابن حجر الہیثمی (م ۹۷۴ھ)، شیخ قطب الدین محمود بن محمد الحنفی المکی، شیخ علی متقی (م ۹۷۵ھ)، ابو الحسن البکری (م ۹۹۳ھ)، اور شیخ عبداللہ السندی (م ۹۹۶ھ) جیسے علماء وقت سے تفسیر، حدیث، فقہ، اور دیگر علوم متداولہ کا درس لیا۔

ایک فقیہ اور ایک متبحر عالم کی حیثیت سے آپ کی شہرت اس قدر بڑھی کہ آپ اپنے عہد کے ... سمجھے جانے لگے[1] " اور آپ کی تصنیفات نے آپ کو " دسویں صدی کے مجدد ہونے کے درجہ تک پہنچا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ہر سال ایک طرز قرأت پر قرآن کی کتابت کرتے تھے اور اس کے عوض جو آمدنی ہوتی تھی، اسی سے سال بھر گزارہ کرتے[2]۔ آپ کی وفات شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ میں ہوئی۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ کی وفات کی خبر پھیلی، تو جامع ازہر میں آپ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں چار ہزار علما نے شرکت کی[3]۔

آپ کی تصنیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ :

" از تصانیف او قریب چہل رسالہ بخط وی در فقہ و حدیث نزد فقیر ست و شرح فقہ اکبر و حزب اعظم اشہر مؤلفات اوست : ہمہ تو الیفش مقبول است و در اہل علم متداول، پس نمودن نور علم بر ان یعنی چہ بلکہ در فقہای حنفیہ کم کسی مثل او منصف مزاج، تحقیق طبع درین دور برخاستہ ... از ہر کتاب او رتبۂ تحقیق نمایاں است، و دستگاہ او در ان علم عیان و اعتراض او بر ارسال مالک و اصحاب شافعی در بعض مسائل نہ از راہ عصبیت و ہواست، بلکہ بر وضوح ادلہ بر خلاف آن و این قسم اختلاف در جمیع اصناف علما قدیما و حدیثا موجود داشت، مخصوص بوی نیست[4] "

علامہ فرنگی محلی نے آپ کی تصنیفات کے بارے میں لکھا ہے : " کلہا نفیسۃ فی بابہا فریدۃ[5] "۔ صاحب خلاصۃ الاثر لکھتے ہیں : " ... و اشتہرت مؤلفاتہ بجہت ملأت الدنیا لکثرۃ فوائدہا وحسنہا[6] "۔

مخطوطات کی شکل میں خدا بخش لائبریری میں محفوظ آپ کی ۶۹ تصنیفات میں

---

[1] التعلیقات السنیہ ص ۱۰ [2] الاعلام جلد ۵ ص ۱۲۷ [3] تاج الطبقات جلد ص ۵۹، معجم المطبوعات ص ۱۷۹۱ - ۱۷۹۴ [4] اتحاف النبلا، ص ۳۲۵ - ۳۲۶

[5] الفوائد البھیۃ ص ۱۰ [6] خلاصۃ الاثر جلد ۳، ص ۱۸۶

طبع ہو چکی ہیں[۱] بقیہ ۵۵ مخطوطات کے اب تک طبع ہونے کی کوئی اطلاع

نہیں ہے[۲]۔ ۵۵ مخطوطات میں سے ۲۵ مخطوطات دو دو، چار چار اوراق

- ۵ مخطوطات جو طبع ہو چکے ہیں:- (۱) شرح فقہ اکبر (۲) الاربعین (۳) الحرز الثمین الحصن الحصین (۴) الحزب الأعظم والورد الأفخم (۵) اللمعة المضیئة فی زیارة المصطفویة الرضیة۔ ...ح عین العلم (۷) شرح الشفا (۸) ضوء المعالی شرح قصیدہ بدء الامالی (۹) المبین المعین لفہم الأربعین ...قاۃ المفاتیح (چار جلدوں میں) (۱۱) المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط (۱۲) المنح الفکریة ...رح المقدمة الجزریة (۱۳) الذخیرة الکثیرة فی رجاء معرفة الکبیرة (۱۴) الموضوعات الکبیرة ...بات فی تبیین احادیث الموضوعات)۔

- ۵ مخطوطات جو طبع نہ ہو سکے:- (۱) فیض الفائض فی شرح الروض الرائض ۳۷ ورق الأثمار الجنیة فی اسماء الحنفیة ۱۷۷ ورق (۳) شرح مغنی اللبیب ۱۵۷ ورق (۴) الادب فی ... ۵ ورق (۵) الاستدعاء فی الاستسقاء ۵ ورق (۶) الاعتناء بالغناء ۸ ورق (۷) اعراب القاری ...ل باب صحیح البخاری ۵ ورق (۸) بدایة المسالک فی نہایة المسالک شرح مختصر فی المناسک ...ق (۹) البینات فی تباین بعض الآیات ۲ ورق (۱۰) تبعید العلماء عن تقریب الامراء ۲۸ ورق ...ین العبارة فی تحقیق العبارة ——— (۱۲) تزئین العبارة فی تحسین الاشارة ۷ ورق (۱۳) ... فی شرح التشریح ۶ ورق (۱۴) حاشیہ علی حرز الامانی ۱۰ ورق (۱۵) حزب البحر (۱۶) ذیل مرتبة الوجود فی نیل مسالة الشہود ۹ ورق (۱۷) الرسالة المتعلقة بالحجر الاسود ۵ ورق ...سالہ فی الحدیث (۱۹) صلات الجوائز فی صلاة الجنائز ۸ ورق (۲۰) طرفة العیان فی تحفة العیان (۲۱) فصول المہمة فی حصول المتمة ۹ ورق (۲۲) لسان الاقتدا فی بیان الاقتدا ۸ ورق (۲۳) ...روی فی مولد النبوی ۲۰ ورق (۲۴) کشف الحذر عن امر ۱۱ ورق (۲۵) المعدن العدنی فی فضائل ...ت القرنی ۵ ورق (۲۶) المقالات العذبة فی العمامة والعذبة ۸ ورق (۲۷) المصنوع فی معرفة الموضوع ...رق (۲۸) النزهة الزهیة فی احکام الحمام الشرعیة (۲۹) تشییع فقہاء الحنفیة لتشنیع سفہاء الشافعیة ...رق (۳۰) الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة فی الحدیث ۱۱۸ ورق۔

پرمشتمل مختصر رسالے ہیں۔

آپ کی مشہور تصنیف الاثمار الجنیہ فی اسماء الحنفیہ، جس کا یہاں ایک مختصر تعارف مقصود ہے، تقریباً ساڑھے سات سو حنفی فقہا کا ایک مختصر مگر جامع تذکرہ ہے، جو آج تک طبع نہیں ہو سکا ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ نیشنل لائبریری (کلکتہ) کے بوہار کلکشن میں بھی محفوظ ہے۔

طبقات فقہا پر دو زاویوں سے کتابیں تالیف کی گئیں۔ کچھ کتابیں عام فقہ سے متعلق ہیں، خواہ وہ کسی بھی فقہی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہوں، جبکہ دوسری قسم ایک متعین فقہی مسلک کے فقہا کے طبقات پر ہے۔ اول الذکر میں ایسی تالیفات شامل ہیں جو مشہور فقہی مسالک کے ائمہ کے قریبی عہد میں مدون کی گئیں اور ان کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی متعین فقہی مسلک کے فقہا پر نہیں تھیں۔ ان میں ابو عبد الرحمٰن الهيثم بن عدی الثعالبی (م ۲۰۷ھ) کی طبقات الفقہاء والمحدثین اور عبد الملک بن حبیب السلمی (م ۲۳۸ھ) کی طبقات الفقہاء و

۱۔ **مختصر رسالے** : (۳۱) استیناس الناس لفضائل ابن عباس ۲ ورق (۳۲) الاخبار بان الفصاحۃ من سنن الانبیاء ا ورق (۳۳) ایصال (اشتفاء) السالک الی ارسال مالک ۲ ورق (۳۴) البرۃ فی حب الهرۃ [؟] (۳۵) بیان فعل الخیر اذا دخل مکۃ من حج عن الغیر ۳ ورق (۳۶) تحقیق الاحتساب فی تدقیق الانساب ۳ ورق (۳۷) التجرید فی اعراب کلمۃ التوحید ۳ ورق (۳۸) الحظ الاوفر فی الحج الاکبر ۲ ورق (۳۹) الرسالۃ العطائیہ ۲ ورق (۴۰) رسالۃ فی حق وضع الید فی الطواف (۴۱) رسالۃ الاصطناع فی الاضطباع ۲ ورق (۴۲) رسالۃ فی اولاده وازواجہ صلعم ۳ ورق (۴۳) رسالۃ فی النکاح ا ورق (۴۴) رسالۃ فی بیان حکم افراد الصلاۃ عن السلام ۲ ورق (۴۵) رفع الجناح وخفض الجناح باربعین حدیثا ۳ ورق (۴۶) السلالۃ فی ذم الروافض من اہل الضلالۃ ۲ ورق (۴۷) الصبغۃ فی تحقیق البقعۃ المنیعہ ۲ ورق (۴۸) الفضل المعول فی الصف الاول ۳ ورق (۴۹) المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمۃ ۴ ورق (۵۰) معرفۃ النساک فی معرفۃ المسواک ۲ ورق (۵۱) المسألۃ فی البسملۃ ۲ ورق (۵۲) المشرب الوردی للمعرفۃ والمحبۃ ۴ ورق (۵۳) تطہیر الطویۃ فی تحسین النیۃ (۵۴) رسالۃ فی اعراب حدیث البراء ا ورق (۵۵) تذییل رسالۃ تشییع فقہاء الحنفیہ ۲ ورق۔

التابعین کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ محمد بن خالد (م ۲۲۰ھ) کی طبقات الفقہاء، ابو اسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی (م ۴۷۶ھ) کی فرق العلماء اور ابو محمد عبد الوہاب بن محمد الشیرازی (م ۵۰۰ھ) کی تاریخ الفقہاء، اس زمرے میں آتی ہیں۔ مؤخر الذکر تالیفات میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی مسالک کے فقہاء کے طبقات پر الگ الگ کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ شافعی طبقات پر سب سے پہلے امام ابو حفص عمر بن علی المطوعی المحدث الادیب (م ۰۰۰) نے قلم اٹھایا[1]۔ پھر متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے سہل بن محمد بن سلیمان الصعلوکی (م ۴۰۴ھ) کی "المذھب فی ذکر شیوخ المذاھب" اور تاج الدین علی بن انجب الساعی البغدادی الشاعر (م ۶۷۴ھ) کی طبقات الشافعیہ (سات جلدوں میں)، کافی شہرت کی حامل ہیں۔ حنبلی طبقات پر قاضی ابو الحسین محمد بن محمد ابن الحسین ابی یعلی الحنبلی الشہید (۵۲۶ھ) کی المجرد فی مناقب الامام احمد اور مالکی طبقات پر ابن فرحون (برھان الدین ابراہیم بن علی بن محمد المدنی (م ۷۹۹ھ) کی الدیباج المذھب فی علماء المذھب قابل ذکر ہیں۔ حنفی طبقات پر بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں شیخ عبد القادر القرشی (م ۷۷۵ھ) کی الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، حسین بن علی بن محمد بن جعفر الصیمری (۴۳۶ھ) کی طبقات الحنفیہ، مجد الدین ابو طاہر فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کی المرقاۃ الوفیہ، نجم الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی (م ۷۵۸ھ) کی وفیات الاعیان فی مذہب النعمان اور تقی الدین بن عبد القادر المصری (م ۱۰۰۵ھ) کی "طبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ" بے مثال شہرت کی حامل ہیں۔ ڈاکٹر عبد الرشید نے اپنے مقالہ "طبقات الحنفیہ و مؤلفوھا"[2] میں حنفی طبقات پر لکھی گئی کتابوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

ملا علی قاری کی اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے، صرف ان منتخب اور اہم فقہاء کا تذکرہ ہے جو فقہ حنفی میں ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کتاب کا ایک چوتھائی حصہ امام ابو حنیفہ کے مناقب کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، جو اس کتاب کی دوسری اہم خصوصیت ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ: "انی لما وفقنی اللہ سبحانہ بلطفہ الخفی وتوفیقہ الوفی علی کتابۃ سند الانام شرح مسند الامام، احببت ان اذکر بعض مناقبہ واشھر نبذۃ مع مراتبہ تنبیھا للجاھلین بمقامہ والغافلین عن دقائق مرامہ واذیلہ بذکر اصحابہ العلیا المشاھیر من طبقات الحنفیۃ وما لھم من اللطائف الخفیۃ والعوارف

---

[1] کشف الظنون ص ۱۱۰۰
[2] خدا بخش لائبریری جرنل شمارہ ۱

الجلية والمعارف السنية رجاءً ان اخان بفوايد اخلاقهم واتوزق من موايد ارزاقهم فعند ذكر الصالحين تنزل الرحمة وبركاتهم تحصل النعمة وتزول النقمة"

یہ کتاب دراصل شیخ عبدالقادر القرشی الحنفی کی مشہور تصنیف "الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ" کا ایک خلاصہ ہے۔ خود ملا علی قاری نے اس کتاب کے صفحہ ۸۹ (ورق نہیں) پر اس بات کی وضاحت اس طرح کردی ہے: "وله الجواهر المضيه فی طبقات الحنفيه ومنها اختصرت هذه القطعة المجنية واللمعة الرضية"

کتاب خط نسخ میں ۱۷۷ اوراق پر مشتمل ہے جس کی کتابت عبدالرحیم بن صالح نے کی ہے سن کتابت ۱۰۷۶ھ درج ہے۔ کتابت میں صحت کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ کثرت سے غلطیاں ہیں۔ آغاز کے ۹م اوراق میں امام ابوحنیفہ کے مناقب درج ہیں۔ اس کے بعد حنفی فقہا کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن میں ۶۸۰ فقہا کے حالات جمع کئے گئے ہیں جن کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ ورق ۱۵۳ سے باب الکنی شروع ہوتا ہے جس میں ان فقہاء کا تذکرہ ہے جو اپنی کنیتوں سے مشہور ہیں۔ انکی ترتیب بھی حروف تہجی کے اعتبار سے ہے۔ اس باب کے تحت تقریباً ۶۰ فقہا کے حالات درج ہیں۔ اس کے بعد کتاب النساء کے تحت ۵ فقیہ عورتوں کا تذکرہ ہے۔ پھر کتاب الانساب ہے جس میں تقریباً ۱۲۰ انساب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد کتاب الجامع ہے جو ورق ۱۶۶ سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب کے تحت مختلف قسم کے فوائد بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں: "وهذا عادة علماء المدينة فی ضم تصانيفهم بالجامع لفوائد جمة ونفائس مهمة نسئال الله حسن الخاتمة"

کتاب کا اختتام ایک فصل پر ہوتا ہے جس میں علی بن الحسن الخزرجی الیمنی الشافعی (م ۸۱۲ھ) کی "طراز اعلام الزمان فی طبقات اعیان الیمن" سے حنفی علما کو منتخب کر کے ان کے حالات درج کئے گئے ہیں جیسا کہ وضاحت کی ہے کہ: "هذه اسماء علماء الحنفية من الفضلة اليمنية ملتقط من طبقات العلامة علی بن الحسن الخزرجی اليمنی الشافعی" (ورق ۱۷۵)۔

جناب محمد عارف
ریسرچ فیلو، خدابخش لائبریری

"دستور الاعلام" اور اس کا مؤلف : ایک جائزہ

خدابخش لائبریری، پٹنہ میں ابن عزم کی تالیف "دستور الاعلام بمعارف الاعلام" کا ایک نسخہ ہے۔ ۱۱۲۳ھ میں محمد بن عبداللطیف نے اس کی کتابت کی۔ مخطوطہ ۱۵۸ اوراق پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ ۲۹ سطروں پر محیط ہے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک تذکرہ ہے جس میں امتِ مسلمہ کے مشاہیر کے حالات اختصار کے ساتھ بطور اشاریہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ جو لوگ مفصل معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ اس اشاریے کی مدد سے بسہولت اپنا منشا پورا کر سکیں۔ گویا یہ مشاہیرِ امت کی ایک ڈائرکٹری (DIRECTORY) ہے۔ سطور ذیل میں ہم اس نسخے کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے۔ لیکن اس سے قبل مؤلفِ کتاب کا تعارف پیش کرنا مناسب ہوگا، جو نسخۂ زیرِ بحث کی تفہیم میں معاون بھی ہوگا۔

دستور الاعلام ابن عزم کی تالیف ہے ——— ابن عزم کے متعلق کتبِ تاریخ اور دیگر تذکروں میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ السخاوی نے البتہ اپنی مشہور تالیف الضوء اللامع میں نسبتاً طویل تعارف نامہ لکھا ہے۔ شاید اس لئے کہ السخاوی، ابن عزم کے ہمعصر تھے اور ہم مجلس بھی۔ چنانچہ ان کے پیش کردہ تعارف کے مطابق ابن عزم کا پورا نام محمد بن عمر بن احمد بن عزم شمس الدین تھا اور ابو عبداللہ کنیت۔ معجم المؤلفین (ج ۱۱، ص ۹) اور الاعلام (الزرکلی) وغیرہ میں بھی یہی نام ملتا ہے۔ لیکن بروکلمان نے ان کا نام جمال الدین بھی دیا ہے۔[۱] "دستور الاعلام" کے پیشِ نظر نسخے میں بھی جمال الدین ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"کتاب دستور الاعلام بمعارف الاعلام جمع الشیخ الفاضل المحدث المؤرخ جمال الدین محمد بن عزم المغربی التونسی نزیل مکۃ المشرفۃ ..." (ق نمبر ۲)

لیکن چند سطور کے بعد الضوء اللامع کے حوالے سے شمس الدین محمد بن عمر بن محمد بن احمد بن عزم بھی مندرج ہے۔[۲] نسخۂ خدابخش کے علاوہ نسخۂ احقاف، حضرموت میں بھی جمال الدین ہی ملتا ہے۔

ابن عزم ۸۱۶ھ میں تیونس میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی اور ابتدائی تعلیم حاصل کی، سب سے پہلے

رواجِ عام کے مطابق قرآن حفظ کیا۔ پھر دیگر علوم کی کتابیں رائیہ، اجرومیہ، ارجوزۃ الولدان معروف بہ قرطبیہ اور معظم الشاطبیہ وغیرہ پڑھیں، ان میں سے کچھ کتابیں ٹیونس میں ہی ابوالقاسم بن کنانی سے پڑھیں اور بعض کتب کے لئے دیگر علماء وقت کی طرف رجوع کیا۔ اس مقصد کے لئے باربار مختلف ممالک کا سفر کیا۔ اسکندریہ گئے، قاہرہ گئے، مکہ پہنچے، مدینہ آئے، شام کا سفر کیا اور دیگر کئی شہروں میں جاکر جید علماء سے استفادہ کیا۔ اسکندریہ میں عمر البسلقونی کو سُنا، مدینے میں جمال گازرونی کی مجلس میں شریک ہوئے۔ جدہ میں موفق الابی سے فیض اٹھایا۔ مکہ میں ابوالفتح المراغی سے سماعت کی اور النجم بن فہد سے استفادہ کیا۔ اس دوران کتب نویسی اور جلد سازی بھی کرتے رہے۔ یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔

اس طرح زندگی بھر حصولِ علم کے لئے سرگرداں رہے۔ کافی مشقتیں برداشت کیں، مصائب جھیلے۔ ان کو انھیں فائدہ بھی ملا، لیکن [illegible] نظم [illegible] پر فی الحال بھی ترتیب ہوئے اور [illegible] پورا فائدہ [illegible] قوت فیصلہ ہی زائل سی ہو کر رہ گئی۔ زندگی میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ وہ بڑی تیزی سے ابنِ عربی کے نظریات سے متاثر ہوئے۔ تلاش کر کر کے ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا اور ان کا فروغ مبلغ بن گئے۔ کچھ خیرخواہوں نے سمجھایا۔ باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ سودا سر سے نہیں گیا۔ عمر کے آخری حصے میں کافی کمزوری آگئی تھی۔ سہارے کے محتاج ہو کر رہ گئے تھے۔ اس لئے عصا استعمال کرنے لگے۔ [illegible] زمانہ اور اہلِ زمانہ کی شکایت اور ملامت ہی کرتے تھے۔ اسی عالم میں جمعہ کی شب ۹ ربیع الآخر ۸۹۱ھ کو انتقال ہوا۔ دو کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ ایک تو یہی "دستور الاعلام بمعارف الاعلام"، دوسری "[illegible] فی شرح اسماء الذہب"۔ شاعری کا بھی ذوق تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار انھوں نے النجم بن فہد [illegible] کہے تھے۔

یا ابن فهد یا عمر   جاد [illegible] الفتح وَدَر
انما الناس نجوم   بينهم انت قمر

ان دو اشعار کی نسبت بھی ان کی طرف کی جاتی ہے:

[illegible] وفقري وهم [illegible]   [illegible] بن ال[illegible] ترحمهم
حاشا يخيبون ان دعوتهم   ثلاثة لا ترد دعوتهم

(الضوء اللامع الجلد الثامن، ص ۲۵۶)

دستورالاعلام کا مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلے مندرجہ ذیل جملوں پر ہماری نظر پڑتی ہے :

"هذا الكتاب تاليف ابراهيم الجينيني الحنفي فيه بدستور الاعلام بمعارف الاعلام ما زاد نفسه عليه وما زاده القطب المكي ومحمد البصروي وابن حمزة واشار الى الزيادات بحروف فى هذه ه، ق، ز، هب"

(دستورالاعلام نسخہ خدابخش ورق نمبر ۱)

(۲) عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دستورالاعلام کا پیش نظر نسخہ اصل نسخہ نہیں ہے۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ یہ اس ترتیب کے مطابق نہیں، جو ابن عزم نے دستورالاعلام کے لئے روا رکھی تھی۔ بلکہ یہ ابراہیم[۵] جینینی کا ترتیب دیا ہوا دوسرا نسخہ ہے جس میں خود انھوں نے کچھ اضافے کیے اور اپنے سے قبل کے لوگوں قطب الدین محمد مکی[۶]، زین الدین[۸] محمد بصروی اور ابن حمزہ[۹] کے اضافوں کو بھی ترتیب میں شامل رکھا ہے۔ یہ اضافے 'ہ' 'ق' 'ز' اور 'هب' کی علامتوں کے ذریعہ ظاہر کیے گئے ہیں۔ القطب المکی کے اضافوں کے سامنے حاشیۂ کتاب میں 'ق' لکھ دیا گیا ہے۔ خود ابراہیم جینینی کے اضافے 'ہ' لکھ کر ظاہر کیے گئے ہیں۔ محمد البصروی کے اضافوں کے لئے 'ز' بطور علامت استعمال کی گئی ہے۔ اور ابن حمزہ کے اضافوں کے سامنے 'هب' مندرج ہے[۱۰]۔

دستورالاعلام میں جن مشاہیر کے مختصر حالات یکجا کیے گئے ہیں، ان کی تعداد تقریباً ۳۶۰۰ نفوس تک پہنچتی ہے۔ ان ۳۶ سو افراد میں تقریباً ۲۸۶۱ سوانح خود ابن عزم نے اکٹھا کرکے مرتب کیے ہیں اور بقیہ ۷۳۹ افراد کی سوانح ابراہیم الجینینی، القطب المکی، محمد البصروی اور ابن حمزہ کی اضافہ کردہ ہیں۔ ان میں ۶۲۰ سوانح کا ابراہیم الجینینی نے اضافہ کیا ہے۔ [illegible] سو سوانحات القطب المکی کا اضافہ ہیں۔ ۴۳ سوانح زین الدین محمد البصروی نے بڑھائی ہیں۔ اور ۸ افراد کی سوانح کا ابن حمزہ نے اضافہ کیا ہے۔ یہ اعداد و شمار اگرچہ احتیاط کے ساتھ متعین کیے گئے ہیں۔ پھر بھی ان کی مکمل صحت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ دستورالاعلام کے ایک درمیانی ورق کا نصف حصہ غائب ہے۔ نہ جانے اس پر ہر دو جانب کتنے سوانح مندرج رہی ہوں۔ دوسرے یہ کہ دستورالاعلام کے اکثر حواشی جلدبندی کی زد میں آگئے ہیں اور بیشتر جگہوں پر اضافوں سے متعلق جو وضاحتیں لکھی گئی ہیں وہ بھی اس کا شکار ہوئی ہیں۔ اس لئے قطعیت کے ساتھ یہ کہنا کہ مندرجہ بالا اعداد و شمار صحیح ہیں، دشوار ہے۔ البتہ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ یہ تعداد صحت سے قریب ہے۔

ابن عزم کا انتقال ۸۹۱ھ میں ہو گیا تھا، لیکن پیش نظر نسخہ میں بارھویں صدی ہجری تک کے مشاہیر کی

سوانح ملتی ہیں، ازمنحظ جو ابن المنلا الحصکفی ...۱۰۰۰ھ ق ۱۰۰۴ھ، العلامہ عمر بن محمد ۱۰۱۰ھ ق ۱۰۰۰، محمد البصروی ۱۰۰۲ھ (ق ۲) وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ دسویں، گیارہویں اور بارہویں صدی سے جو لوگ تعلق رکھتے ہیں، ان کی سوانح ان ہی اشخاص ثلاثہ کی اضافہ کردہ ہیں۔ لیکن، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان تینوں حضرات نے اپنی کاوشوں کو دسویں، گیارہویں اور بارہویں صدیوں تک ہی محدود رکھا ہے۔ بلکہ پچھلی صدیوں میں جو مشاہیر کسی سبب سے ابن عزم کے دائرۂ علم میں نہیں آسکے تھے۔ ان لوگوں نے ان کا بھی احاطہ کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نسخہ اصل نسخے سے زیادہ وقیع اور اہم ہوگیا ہے۔

تیسرے ورق سے اصل عبارت کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتدا میں تمہیدی کلمات ہیں، ان کلمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ تو وہ ہے جس کے ذریعہ ابن عزم نے 'دستور الاعلام' کی نوعیت، غرض وغایت، اہمیت اور اپنے طریق کار کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس راہ میں پیش آمدہ مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ ابن عزم کے بقول انھوں نے یہ کتاب اپنے لئے اور اُن لوگوں کے لئے تالیف کی ہے جو امت مسلمہ کے مشاہیر ارباب تصانیف، شعرا، فلاسفہ، حکما اور خلفا وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں۔ مؤلف نے ایسے مشاہیر کی سوانح اختصار کے ساتھ مرتب کر دی ہیں تاکہ ان اشاروں کی بنیاد پر تاریخ کی مفصل اور سنین کے اعتبار سے مرتب کی ہوئی کتابوں سے ان کے متعلق معلومات کے حصول میں دشواری نہ ہو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شخص مطلوب کا نام، سال رحلت، آبا و اجداد کے نام اور دلچسپیوں کا علم نہ ہونے کی بنا پر ضرورت مندوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مؤلف نے یہ تذکرہ ان ہی امور کو ذہن میں رکھ کر مرتب کیا ہے اور اسی لئے اس کو 'دستور الاعلام بمعارف الاعلام' کا نام دیا ہے:

فخذه یا طالب هذه المعرفة من منقولها المستفید منها ترجمة كاملة
كافية مختصرة فی سطر واحد تحتوی علی اسم ذالك المطلوب واسم
ابیه [illegible] جده والسنة التی مات فیها بالتقریب [illegible] وبلده ومحله
من العلم او المعرفة واشهر تصانیفه ———— او
انه صاحب التصانیف او [illegible] وصدر [illegible] او مسند الدنیا
او مسند الآفاق الی غیر ذالك مما یناسب التعریف به. فان
[illegible] بذالك والا فتستفید منه المدخل الی التواریخ الكبار

المطولة ولهذا اسمیته بدستور الاعلام بمعارف الاعلام " (ق نمبر ۳)

یہ عبارت کسی قدر طویل ضرور ہے۔ لیکن اس اعتبار سے کافی اہم ہے کہ اس سے نہ صرف کتاب کی وجہ تسمیہ پر روشنی پڑتی ہے بلکہ یہ مقصد تالیف کی بھی وضاحت کرتی ہے۔ ابن عزم کی تحریر کے مطابق ہر ایک فرد کی سوانح ایک ہی سطر تک محدود ہے۔ معجم المؤلفین کے مرتب نے تین سطور کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عمومیت کے اعتبار سے تو یہ باتیں صحیح ہیں اور ابن عزم نے اس طریق پر کاربند رہنے کی کوشش کی ہے لیکن خصوصی حیثیت میں وہ اس سے صرف نظر کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں۔ "دستور الاعلام" میں پچاسوں لوگوں کی سوانح ایسی مل جاتی ہیں، جو ایک دو تین سطروں سے متجاوز ہو کر زائد سطور تک پہنچ گئی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ (۱۳ سطور) الابیاری (۱۸ سطور)، الحصنی (۹ سطور) سید حمزہ (۸ سطور) اور الحلاج (۶ سطور) جیسے مشاہیر کی سوانح، اسی ذیل میں آتی ہیں۔

تمہیدی کلمات کا دوسرا حصہ وہ ہے، جو "یقول الفقیر ابراھیم" سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ابراھیم الجنینی کی عبارت معلوم ہوتی ہے اور اصل کتاب پر کئے گئے اضافوں کی توضیحات پر مشتمل ہے، جن کا ہم پہلے ہی ذکر کر آئے ہیں۔

دستور الاعلام کو مؤلف نے حروف تہجی کی مناسبت سے مرتب کیا ہے اور ہر حرف کی پانچ اعتبار سے تقسیم کی ہے۔ پہلی قسم ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو ان کے ناموں سے شہرت ملی۔ جیسے ابراھیم بن مہدی (ق ۴)، بشر بن الحارث (ق ۱۷)، تمیم بن المعز (ق ۲۷)، ثابت بن قرۃ (ق ۲۹)، جابر بن حیان (ق ۲۹)، حسان بن ثابت (ق ۳۴) اور خارجہ بن زید (ق ۴۱) وغیرہ۔

دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنی کنیتوں سے مشہور ہوئے۔ جیسے ابوایوب انصاری (ق ۵)، ابوبلال (ق ۱۸)، ابوتمام (ق ۲۷)، ابوثور (ق ۲۹)، ابوالجولین (ق ۳۰)، ابوحنیفہ (ق ۳۵)، ابوخثیمہ (ق ۴۲) وغیرہ۔

تیسری قسم ایسے حضرات پر مشتمل ہے، جو القاب و انساب یا کسی دیگر سبب سے شہرت کے حقدار پائے، جیسے الاخشید الفرغانی (ق ۷)، البغوی (ق ۲۱)، الترمذی (ق ۲۸)، الثوالبی (ق ۲۹)، الجاحظ (ق ۳۰)، الحلاج (ق ۳۷)، اور الجندی (ق ۴۲) وغیرہ۔

چوتھی قسم میں ان لوگوں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن کی شہرت کی ضامن ان کی ابنیت (ابن) بنی جیسے: ابن الاعرابی (ق ۱۵)، ابن بشکوال (ق ۲۵)، ابن تومرت (ق ۲۸)، ابن ثوابہ (ق ۲۹)، ابن جزلہ (ق ۳۲)

ابن حزم (ق ۴۰) اور ابن خلدون (ق ۴۶) وغیرہ۔

پانچویں اور آخری قسم ان مشاہیر کے سلسلے میں ہے جن کی صاحبیت (کسی شئے یا مقام کی طرف نسبت) پر ان کی شہرت کے مینار کھڑے ہوئے جیسے: صاحب الانوار، نور الدین بن فرج (ق ۱۷)، صاحب البیان یحییٰ بن اسعد (ق ۲۶)، صاحب التحصیل سراج الدین (ق ۲۸)، صاحب الجرومیہ محمد بن محمد (ق ۳۳)، صاحب حیاۃ الحیوان کمال الدین (ق ۴۱)، صاحب خلاصۃ الفتوی طاہر بن احمد وغیرہ۔

ان مثالوں سے یہ ظاہر ہے کہ مرتب نے پانچوں اقسام کی ترتیب میں حروف تہجی کو مد نظر رکھا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے الف سے شروع ہونے والے اسماء مع مختصر سوانح لکھے گئے ہیں۔ پھر الف سے شروع ہونے والے اسماء کی کنیات سوانح کے ساتھ مندرج ہیں۔ پھر الف ہی سے شروع ہونے والے القاب و انساب کی سوانح مندرج ہیں۔ اس کے بعد الف سے شروع ہونے والے ابناء کی سوانح دی گئی ہیں اور آخری قسم کے تحت ان اصحاب کی فہرست سوانح کے ساتھ تحریر ہے جن کی صاحبیت اور اسباب شہرت کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر حرف کے مطابق مشاہیر کے حالات مہیا کرتے ہوئے یہ کتاب اختتام کو پہنچتی ہے۔ ذیل میں اسماء، کنیات، انساب و القاب، ابناء اور اصحاب سے متعلق مثالیں پیش کی جا رہی ہیں تاکہ مؤلف کا طریق کار پوری طرح سمجھ میں آسکے۔

(الف)

اسم: "ابراہیم بن المہدی (۲۲۴-۱۶۲) محمد بن المنصور ابی جعفر عبد اللہ بن محمد بن علی ابو اسحق العباسی الاسود اللون وکان فصیحاً ادیباً شاعراً محسناً" (ق نمبر ۴)

کنیت: "ابو ایوب الانصاری (۵۵) الشوالی المشہور خالد بن زید بن کلیب توفی بدار القسطنطینیۃ وکان فی غزوۃ مع یزید بن معاویۃ وکان رضی اللہ عنہ عازماً للغزو" (ق نمبر ۵)

لقب: "الاخطل (۱۰۰ھ) النصرانی التغلبی شاعر بنی امیۃ وصاحب الدیوان المشہور غیاث بن غوث بن الصلت" (ق نمبر ۶)

ابن: "ابن آدم (۲۰۳) الکوفی الفقیہ المقری الحافظ صاحب التصانیف ابو زکریا یحییٰ بن آدم بن سلیمان" (ق نمبر ۱۴)

صاحب: "صاحب کتاب الاغانی (۳۵۶) ھو ابو الفرج الاصفہانی مؤلف کتاب الاغانی وغیرہ ابو الفرج علی بن الحسین بن محمد" (دستور الاعلام ورق نمبر ۱۷)

مندرجہ بالا امثلہ جیسا کہ ظاہر ہے حرف الف سے متعلق ہیں اور ایک خاص ترتیب کے ساتھ ہیں چنانچہ دستور الاعلام میں الف تا ی اسی ترتیب کے ساتھ مشاہیر کی سوانحات مرتب کی گئی ہیں۔ کچھ مزید متفرق مثالیں ملاحظہ ہوں۔

"... النوی ۷۴۵ھ، الفقیہ الشافعی احد الاذکیاء واساطین المذہب القاضی شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ابراہیم کان عفیفاً ورعاً" (ق نمبر ۱۴۹)

خدابخش لائبریری کے علاوہ دیگر کئی کتب خانوں میں اس تالیف کے نسخے موجود ہیں۔ دستور الاعلام کا ایک نسخہ پاکستان میں بھی موجود ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں صرف اتنی اطلاع ہے کہ وہاں اس کی تدوین کا کام ہو رہا ہے اور اس کی اشاعت کا پروگرام بھی زیر غور ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو یہ ایک اچھا نام ہوگا۔ دوسرا نسخہ[13] مکتبہ الاحقاف حضرموت (یمن) کی ملکیت ہے۔ اس پر مؤلف کا نام جمال الدین محمد بن عزم المغربی التونسی دیا گیا ہے۔ قطب الدین محمد بن احمد مکی اور ابراہیم الجنینی کے اضافات بھی ہیں۔ اوراق کی تعداد ۱۹۷ ہے اور ۱۰۹۱ھ میں خود ابراہیم الجنینی نے اس کی کتابت کی ہے۔

حواشی و حوالہ جات | ۱؎ دستور الاعلام، نسخہ خدابخش ورق نمبر ۱۵۸ ۲؎ بروکلمان جلد ۲ ص ۱۷۳

۳؎ دستور الاعلام ورق نمبر ۵ ۴؎ الضوء اللامع المجلد الثامن ص ۲۵۵ ۵؎ " " "

۶؎ ان کا پورا نام ابراہیم بن سلیمان بن محمد بن عبد العزیز ہے۔

الجنینی الدمشقی نسبتیں ہیں۔ یہ حنفی المسلک تھے اور مشہور عالم اور ادیب تھے۔ خیر الدین الرملی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ابن عزم کی تالیف دستور الاعلام کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ کچھ اور تاریخی رسائل بھی تالیف کیے۔ ۱۰۴۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۰۸ھ میں انتقال ہوا۔ (معجم المؤلفین ج اول ص ۳۶)

۷؎ قطب الدین محمد بن احمد المکی النہروانی متوفی ۹۹۰ھ

۸؎ ان کا پورا نام زین الدین بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن ادریس نصروی ہے۔ فقہ شافعی کے پیرو تھے اور فتوے بھی دیا کرتے تھے۔ بلاد روم میں ۱۰۰۲ھ میں ان کی رحلت ہوئی۔ انھوں نے بھی دستور الاعلام پر اضافے کیے تھے۔ (دستور الاعلام، ورق ۲)

۹؎ کوشش کے باوجود ابن حمزہ سے متعلق تعارفی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ صاحب معجم المؤلفین نے اس ابنیت کے تحت کئی اشخاص کا تعارف کرایا ہے، لیکن ایسا کوئی قرینہ نہیں مل سکا جس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا کہ ان میں سے دستور الاعلام پر اضافہ کرنے والے ابن حمزہ کون سے ہیں۔

۱۰؎ دستور الاعلام نسخہ خدابخش ورق نمبر ۳ ۱۱؎ ایضاً ورق نمبر ۳ ۱۲؎ ایضاً ورق نمبر ۲

۱۳؎ مجلۃ معہد المخطوطات العربیۃ الجزء الثانی ۱۳۸۳ھ، ص ۲۰۴

ب وہاج الدین علوی
خدابخش فیلو پٹنہ

مولوی عبدالحق کا ماخذ

دستور اُردو زبان

اس مختصر مضمون میں موضوع بحث وہ کتاب ہے، جس کی بنیاد پر مولوی عبدالحق نے اپنی قواعد اُردو تحریر کی ہے۔ خدابخش لائبریری میں عبدالرحیم گورکھپوری کی تصنیف کردہ قواعد "دستور اُردو زبان" کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس مخطوطہ کا نمبر شمار ۱۴۷ ہے۔ یہ رسالہ فیروزی رنگ کے دبیز کاغذ پر ۱۶ سطری تحریر ہے۔ اس کا سائز ۱۶ × ۱۲ سینٹی میٹر ہے۔ عبدالرحیم گورکھپوری اپنے عہد کی جامع العلوم شخصیت تھے۔ ان کی زبان دانی اور نکتہ سنجی ضرب المثل تھی۔ علوم فنون میں وہ اپنے عہد کے مانے ہوئے ادیب تھے۔ دیگر ادبی اور علمی کارناموں کی طرح لسانیات کے میدان میں بھی انھوں نے

۔ عبدالرحیم گورکھپوری، مضافات گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام مصاحب علی تھا۔ خاندانی پیشہ کپڑے بننا تھا۔ عبدالرحیم گورکھپوری کی پیدائش گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں یا تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی تھی۔ تحصیل علم کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ اسی شوق نے گھر سے فرار ہونے پر مجبور کیا۔ اولاً گورکھپور سے لکھنؤ پہنچے۔ یہاں تحصیل علم کے بعد دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ دہلی میں ان دنوں حضرت عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا مدرسہ بغداد و مصر کے مدارس کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ چنانچہ محدث دہلوی کے مدرسہ سے عبدالرحیم نے علوم شرعیہ، فلسفہ، منطق اور عربی و فارسی میں مہارت حاصل کی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے تھے کہ عبدالرحیم کی ذہانت کے پیچھے مجھے دہریت کھڑی نظر آتی ہے۔ علوم مشرقیہ سے فارغ ہو کر عبدالرحیم کلکتہ پہنچے، جو ان دنوں فردوس البلاد بنا ہوا تھا۔ یہاں انھوں نے انگریزوں سے انگریزی، لاطینی اور دیگر علوم سیکھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ چار زبانیں اہل زبان کی طرح بولتے اور سمجھتے تھے۔ کلکتہ ہی میں ان کی دہریت کا چرچا ہوا اور ان کے نام کے ساتھ دہری کا لاحقہ جڑ گیا۔ اور اب وہ صرف عبدالرحیم نہیں، بلکہ عبدالرحیم دہری کے نام سے مشہور ہوگئے۔ اکثر اپنی تصنیفات میں انھوں نے اپنا نام "عبدہ" تحریر کیا ہے۔ عبدالرحیم نے تاریخ، سائنس، ریاضی اور فلسفہ و ادب پر ضخیم کتابیں تحریر کی ہیں۔ چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں: کارنامۂ حیدری، شنگرف بیان۔ الانوار المشرقیہ فی الاسرار المنطقیہ۔ علم ریاضی اور سائنس پر پانچ جلدیں۔ اور انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کا ترجمہ ان کتابوں میں شامل ہے۔ عبدالرحیم گورکھپوری کا انتقال دوشنبہ کے دن ۲۹ دسمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲ جمادی الاول ۱۲۷۳ھ کو کلکتہ میں ہوا، اور اپنے مکان میں دفن ہوئے۔ ماخذ: شنگرف بیان مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی۔ کلکتہ کے قدیم اردو مطابع اور ان کی مطبوعات۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷۔ کرزن کیٹلاگ۔ آزادی کی کہانی۔ اخبار بہار ۱۶ جون ۱۸۵۷ء

طبع آزمائی کی۔ چنانچہ رسالہ کی غرض و غایت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے :

"اگرچہ قریب سو برس سے اس زبان میں رسم شاعری کی جاری ہوئی ہے۔ چونکہ اکثر یہ زبان جاہلوں کے استعمال میں رہی ہے ہنوز اس میں وہ تہذیب اور درستی اور افزائش و چستی کہ چاہیے پیدا نہ ہوئی اور صرف و نحو اس کی اب تک ضبط و ربط کے ساتھ لکھی نہ گئی۔ اسی جہت اگرچہ اس ملک کے لوگ اس زبان میں دو چار شعر حسب دلخواہ کہہ سکتے ہیں، پر نثر لکھنا کچھ نہیں جانتے اور جو کوئی دو چار سطریں لکھتے ہیں تو طرز اسلوب پارسی ترکیبوں سے اس قدر بھر دیتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو اس سے نفرت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بیت المال عبارت نہ پارسی ہے نہ ہندی۔ تھوڑے دنوں سے بدولت حضرات برطانیہ کے نثر نویسی کی رسم اس زبان میں پیدا ہوئی۔ افسوس بڑے تعجب اور شگفتہ کا مقام ہے کہ ہماری زبان و تواریخ وغیرہ کو بیگانے سکھلاویں، جن کو چاہیے تھا کہ ہم سے سیکھتے۔"

اس اقتباس کی روشنی میں رسالہ کے زمانۂ تصنیف کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مخطوطہ میں سنہ تصنیف اور ترقیمہ کی عبارت نہیں ہے۔ لیکن اندرونی شواہد کی بنا پر اس کی قدامت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس زبان کی صرف و نحو ربط و ضبط سے نہیں لکھی گئی۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اس طرف سب سے پہلے توجہ کی۔ لیکن گلکرسٹ کی گرامر (۱۸۰۹ء) اور انشاء اللہ خاں کی دریائے لطافت (۱۸۰۸ء) اس عہد میں تصنیف کی جا چکی تھیں۔ عبدالرحیم ایسے دانشمند سے یہ امر بعید از قیاس ہے کہ انھوں نے ان کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں دو باتوں کی طرف دھیان جاتا ہے۔ اوّل یہ ہے کہ عبدالرحیم نے اپنی قواعد ان دونوں سے پہلے لکھی، دوسرے یہ کہ دریائے لطافت اور گلکرسٹ کی گرامر کو مصنف نے "ضبط و ربط" کے دائرے سے خارج کر دیا ہے۔ دوسری جگہ اسی عبارت میں تحریر کرتے ہیں "تھوڑے دنوں سے بدولت حضرات برطانیہ نثر نویسی کی رسم اس زبان میں پیدا ہوئی" اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کی تصانیف وجود میں آ چکی تھیں۔ ان شواہد کی بنا پر اندازہ اس رسالہ کا زمانۂ تصنیف ۱۸۰۵ء سے لے کر ۱۸۱۰ء کے بیچ ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس مخطوطہ پر کوئی سنہ درج نہیں ہے اس لئے حتمی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا سنہ تصنیف کیا ہے۔ لیکن یہ قطعی کہا جا سکتا ہے کہ قواعد کی چند قدیم کتابوں میں اس رسالہ کا مقام منفرد اور ممتاز ہے۔ گلکرسٹ اور انشاء اللہ خاں کی قواعد کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ گورکھپوری نے جس سائنسی تکنیک اور ژرف نگاہی سے صرف و نحو کی تشریح کی ہے وہ ان حضرات کے یہاں مفقود ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ اُردو میں پہلی بار

لسانیات کے اصول وضع کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ عبدالرحیم نے حروف کو اصوات کے لحاظ سے مصوتوں اور مصمتوں میں بانٹا ہے اور ان کے ذیلی اقسام کیے ہیں۔ تمہید اور اختتامیہ کے ابواب کو چھوڑ کر اس رسالہ میں کل آٹھ ابواب ہیں۔

ابتدائی باب میں اردو کی مختصر تاریخ، حروف، اصوات اور لسانیات کے بعض اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لائق مصنف نے اردو حروف تہجی میں چوڈہ اصوات کو شامل کیا ہے اور اس طرح ان کے نزدیک اردو میں ۱۴ حروف تہجی ہیں۔ اردو کی ہائیہ وازوں کو سب سے پہلے عبدالرحیم نے ہی حروف کی شکل میں قبول کیا ہے۔ بہت بعد میں ۱۹۲۵ء میں ایشس چندر سین نے یہی خیال پیش کیا۔ عبدالرحیم گورکھپوری نے مصوتوں کو مدہ اور مصمتوں کو حرف صحیح کا نام دیا ہے۔ انھوں نے مصوتوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس طرح زبر کو تاہ "الف" زیر کوتاہ "ے" اور پیش کوتاہ "واؤ" ہے۔ مدہ میانہ ہ، ی، و کو ہائے سکتہ یا الف میانہ، واؤ کو واؤ معروف یا میانہ اور "ی" کو یائے معروف یا میانہ کہتے ہیں۔ ان تین مدہ دراز کو بنام الف دراز، یائے دراز اور واؤ کو مجہول یا دراز کے نام سے تحریر کیا ہے۔ یہی نہیں کہ صرف ان کی درجہ بندی پر اکتفا کیا ہو، بلکہ انتہائی باریک بینی اور نکتہ سنجی سے ان کے استعمال کو بھی واضح کیا ہے۔ چنانچہ ہائے خفی کے محل استعمال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ (ہ) حرف علت ہے جسے ہائے خفی اور ہائے سکتہ بھی کہتے ہیں۔ اردو میں کئی تلفظ رکھتا ہے کبھی اس کو آواز الف کی دیتے ہیں۔ چنانچہ مصرع رفیع سودا: بندہ ہے کسی کا و پرستار کسی کا۔
> اور کبھی آواز زبر کی جیسے :- جہاں دار کس لالہ رو پر موا = جگر میں جسے داغ کالے ترے
> اور بر سبیل ندرت آواز زیر کی چنانچہ اس بیت میں:
>
> اگر آنسو بھر آئے پی گئے ہم ∴ کہ مد نظر آبرو تھی کسی کی

موجودہ علم لسانیات کی رو سے ی (Y) اور واؤ (V) اکثر نیم مصوتوں کا کام کرتے ہیں۔ ان نیم مصوتوں کو عبدالرحیم نے "دوگانے" کا نام دیا ہے۔ دوگانے سے مراد ان الفاظ سے ہے جن میں دو مصوتے ہوتے ہیں۔ جیسے - کھائیے۔ ہائے۔ بھاؤ۔ تاؤ۔ نیارا۔ جیئے۔ روئے وغیرہ ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ ان میں آخر میں آنے والے مصوتے غیر مسموع ہیں۔ اس لئے انھیں نیم مصوتوں کا نام دیا گیا ہے۔ امر حیرت ہے کہ اب سے ڈیڑھ سو برس قبل جبکہ مشرق تو کیا مغرب بھی علم لسانیات سے کم ہی واقف تھا، یہ معلومات اور زبان کی نبض شناسی عبدالرحیم کے حصے میں کہاں سے آئی : ع درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

پہلے باب میں اسم کی تعریف اور اس کی اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب میں اسم کے متعلق

وہ سارے نکات اور مباحث زیر بحث آئے ہیں، جو آج بھی مروّج ہیں۔ دوسرا باب نائب کے بیان میں ہے۔ اس باب کے تحت ضمیر۔ موصول۔ اشارت۔ کنایت وغیرہ کی تشریح اور محلِ استعمال پر بحث کی گئی ہے۔ تیسرا باب فعل کی تعریف، تفصیل اور اقسام پر مبنی ہے۔ چوتھے باب میں "رنگ آمیزی" (رنگ آمیزی کا لفظ صفت کے لئے استعمال کیا ہے) کی تفصیل اور اقسام بیان کی گئی ہیں۔ پانچواں باب رابطہ کلمی کی تفصیل میں ہے۔ چھٹا باب رابطہ جملی کی تفصیل میں ہے۔ ساتواں باب حروف کی تعریف اور اہلِ زبان کے استعمال پر مبنی ہے۔ آٹھواں باب نحو کی تعریف میں ہے۔ اور آخری باب "دستور اُردو زبان ہندی" اشعار کے بیان پر مشتمل ہے۔

"قواعدِ اردو زبان" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالرحیم کے مخاطب خواص تھے۔ انھوں نے اس بات کا اعادہ بار بار کیا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر مصنّف نے اہلِ زبان اور اہلِ علم کے طرز تحریر و تقریر کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اپنے عہد کی نثر نگاری کے عیوب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اکثر اہلِ زبان موصولہ جو کے بعد کہ بڑھا کر یوں کہتے ہیں کہ وہ جو کہ آیا تھا۔ جس نے کہ ملا تھا۔ جس پر کہ میرا گمان ہے؛ بجائے اسکی: وہ جو کہ آیا تھا جس نے مارا تھا۔ اس تکرار موصولے کو نستعلیق اس زبان کے بے مزہ سرائی کے قبیل سے گنیں گے۔ امید کہ کر کرا اپن اس لہجہ کا فصیحوں کو زبان کے نہ بھائے گا اور کہنا بر طرف سننا بھی خوش نہ آئے گا۔"

اسی طرح نثر میں فارسی تراکیبِ اضافی اور ناموس الفاظ سے احتراز کی تاکید کی ہے۔ عبدالرحیم نے زبان کی سادگی، سہتی اور ہندوستانیت پر خاص زور دیا ہے۔ اس ضمن میں وہ پہلے ہندوستانی ہیں، جنھوں نے عربی الفاظ کو اُردو جامہ پہنانے پر اصرار کیا اور عربی و فارسی کے الفاظ بغیر کسی تغیر کے اُردو زبان میں استعمال کرنے کو ناتراشیدگی قرار دیا ہے۔ ایسے عربی الفاظ کی ایک مختصر فہرست بھی دی ہے، جو اُردو میں اپنے اصل تلفّظ سے نہیں پڑھے جاتے۔ اسی طرح انھوں نے ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ق وغیرہ عربی حروف کو عربی مخارج کے ساتھ ادا کرنے سے تاکیداً منع کیا ہے اور ان کو عربی لہجہ میں ادا کرنا شریعت فصاحت میں گناہ کبیرہ ٹھہرایا ہے۔

"دستور زبان اُردو" کے اس جائزہ کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان کے قواعد نویسوں میں عبدالرحیم گورکھپوری، ایک اعلیٰ اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ وہ پہلے ہندوستانی ہیں بلکہ پہلے اُردو داں ہیں، جنھوں نے زبان کا لسانی نکتہ نظر سے مطالعہ کیا اور نثر نویسی کے بعض اہم اصول وضع کیے۔

(۲)

مولوی عبدالحق نے قواعد اُردو کے دیباچے میں اُردو قواعد نویسی کی جامع تاریخ پیش کی ہے :

اس فہرست میں جان جوشو کٹلر ۔ گلکرسٹ ۔ جان شیکسپیئر ۔ انشاء اللہ خاں ۔ سر سید احمد خاں ۔ مولانا امام بخش صہبائی اور دیگر نام شامل ہیں ۔ لیکن کہیں اشارۃً بھی عبدالرحیم گورکھپوری یا ان کی قواعد کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرے سے وہ اس قواعد کے وجود سے آگاہ ہی نہیں ہیں ۔ بلکہ انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اُردو میں قواعد نویسی کو تحقیقی رنگ میں پیش کرنے کا سہرا انھیں کے سر ہے چنانچہ تحریر کرتے ہیں:

" میں نے اس کتاب کے لکھنے میں اس خیال کو مدنظر رکھا ہے اور صرف طلبائے مدارس کی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا ہے بلکہ زیادہ تر یہ کتاب ان حضرات کے لئے ہے جو زبان کو نظرِ تحقیق سے دیکھنا چاہتے ہیں۔"[1]

محولہ بالا اقتباس کی روشنی میں مولوی صاحب کی نیک نیتی اور راست گوئی پر شک نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن عبدالرحیم کی "دستور اردو زبان" اور مولوی عبدالحق کی " قواعد اُردو " میں اس قدر مماثلت ہے کہ ہم ان کے بیان پر شبہ کرنے پر مجبور ہیں ۔ مولوی عبدالرحیم گورکھپوری نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے "ضبط و ربط" کے ساتھ اپنی کتاب اہلِ زبان کے لئے تحریر کی ہے اور مولوی صاحب بھی اس کے مدعی ہیں ۔ لیکن کیا کیا جائے کہ تقدیم زمانہ نے مولوی صاحب کے دعوٰی کو دعوٰی ثانی کر ڈالا ۔ بہرکیف پوری کتاب کا تقابلی مطالعہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ۔ لیکن چند مماثلیں نمونہ از خروارے کے مصداق پیش کی جاتی ہیں تاکہ بات واضح ہو سکے ۔

فعل کی تعریف دونوں حضرات نے بیان کی ہے اور اس کی اقسام پر روشنی بھی ڈالی ہے ۔ یہاں دونوں حضرات کی تعریف درج کی جاتی ہے :۔

عبدالرحیم گورکھپوری	مولوی عبدالحق
۱ ۔ فعل وہ کلمہ ہے جس سے ہم ہونا، کرنا یا کیا جانا سمجھتے ہیں، جیسے : فیروز ہے ۔ خط لکھا جاتا ہے ۔	۱ ۔ فعل وہ ہے کہ جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا ظاہر ہوتا ہے ۔ جیسے : تماشہ ہوا ۔ اس نے خط لکھا ۔
۲ ۔ فعل متعدی جس کے معنی مفعول بھی چاہتے ہیں ۔ جیسے : رستم نے خط لکھا	۲ ۔ فعل متعدی وہ ہے جس کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول تک پہنچے ۔ جیسے : احمد نے خط لکھا ۔

ان دونوں مثالوں میں صرف الفاظ کا ردوبدل ہے ۔ باقی جملے کی ساخت اور مثالیں یکساں اور ایک ہی مادہ سے مشتق ہیں ۔ پہلے جملہ میں مجہول کو معروف کر دیا ہے اور دوسرے جملہ میں فاعل کا نام بدل دیا گیا ہے ۔

---

۱ ۔ قواعد اردو لکھنؤ ۔ الناظر پریس ۱۹۱۴ء ۔ طبع اوّل ص ۱۸

اسی طرح مؤنث اور مذکر کے بیان میں مولوی صاحب نے فنی چابکدستی سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ فارسی حاصل مصدر یا اسم حالت جس کے آخر میں شین زائد ہو، جیسے جس مصدر میں آتی ہے نکوہش، دانش، خواہش، مؤنث ہیں۔	۱۔ تمام فارسی حاصل مصدر جن کے آخر میں شین ہے مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے: دانش، خواہش، بخشش وغیرہ۔
۲۔ حروف تہجی سے یہ حروف مؤنث ہیں۔ ب۔ بھ۔ پ۔ پھ۔ ت۔ تھ۔ ٹ۔ ٹھ۔ ج چ خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ ط ظ۔ ف ہ ی اور باقی مذکر۔	۲۔ حروف تہجی میں ب، پ، ت ج چ ح خ د ذ ر ز ژ ط ظ ف ہ و ی۔ مؤنث ہیں۔
۳۔ اکثر عربی مصادر ان اوزان کے: افتعال، انفعال، تفعّل، تفاعل، افعال، تفعیل؛ جیسے اضطراب، اختیار، احترام، تناسل، تنزل، اسلام، ایمان وغیرہ مذکر ہیں۔	۳۔ جو عربی الفاظ۔ افعال، افتعال، انفعال، استفعال، تفعّل، تفاعیل اور تفعلہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ مذکر ہیں جیسے: اکرام، احسان، انعام، اختیار، اضطراب۔

مندرجہ بالا مثالیں اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مولوی صاحب نے مندرجہ بالا دونوں نکات اسی ترتیب سے تحریر کئے ہیں جس ترتیب سے عبدالرحیم گورکھپوری نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ مولوی صاحب نے نمبر ۲ کو نمبر ۲۳ اور نمبر ۳ کو نمبر ۲۴ لکھا ہے۔ عبدالرحیم گورکھپوری نے ان نکات کو نمبر ۸ اور ۹ کی ترتیب دی ہے۔ یعنی نہ صرف مواد اور الفاظ یکساں ہیں، بلکہ ترتیب بھی نہیں بدلی گئی ہے۔ چند مثالیں اور بھی پیش کی جاتی ہیں تاکہ مولوی عبدالحق کی قواعد کے منبع پر مزید روشنی پڑ سکے۔

حروف کی تعریف اور ان کے محل استعمال پر دونوں ہی قواعد نویسوں نے خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں:

عبد الرحیم گورکھپوری	مولوی عبد الحق
۱۔ رابطہ کلمہ وہ کلمہ ہے جو دو لفظوں کے باہم کسی طرح کا ارتباط دیتا ہے، جیسے: پانی کوزے میں، احمد کا گھر، قلم سے لکھا۔	۱۔ حروف ربط وہ ہیں، جو ایک لفظ کا علاقہ کسی دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ کا، کے، کی، سے، میں، تئیں۔
۲۔ جنھیں انسان اضطرار کی وجہ سے بول اٹھتا ہے	۲۔ وہ الفاظ جو جوش یا جذبے میں بے تحاشا زبان سے

یا جو باقتضائے طبیعت بولے جاتے ہیں جیسے :
آہ، ہائے، واہ واہ، الغیاث وغیرہ حروف فجائیہ ہیں
۳- یہ چھوٹا لفظ "ہی" بڑے کام آتا ہے اور بلیغوں کے روزمرے میں اکثر بولا جاتا ہے۔ جیسے : وہ میرا ہی دشمن ہے۔ میرے لیے ہی آیا۔ اس وضع کی ترکیب : مار ہی مار کاٹا ہی کاٹا۔ ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں کہ فاعل کسی کام میں بے حد مشغول ہو اور کسی مانع و مزاحم سے باز نہ رہے۔
لفظ "تو" کو مختلف مقام میں استعمال کرتے ہیں۔ اکثر جملہ میں جزائیہ کے لاتے ہیں ؎

جو تم آؤ تو پیارے پھر ہیں ہمارے دن

اور بعض حالات صاحبی کے بھی تزئین کلام کے لئے لاتے ہیں جیسے : تو نے، اس نے، احمد نے وغیرہ

نکل جاتے ہیں جیسے، او- ہائے- ماشاء اللہ وغیرہ حروف فجائیہ ہیں۔
۳- حروف تخصیص - حروف تخصیص جب کسی اسم یا فعل کے ساتھ آتے ہیں تو ایک خصوصیت یا حصر پیدا کر دیتے ہیں جیسے : ہی- تو- بھی- ہر ؎

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

فعل کے ساتھ بھی یہ حروف استعمال ہوتے ہیں :

مصرع کسی نے ان کو سمجھایا تو ہوتا

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولوی عبدالحق کی "قواعد اردو" کی اساس عبدالرحیم کی "دستور اردو زبان" پر ہے۔ کیونکہ اردو کی دوسری مطبوعہ کتابوں میں قواعد کے اصول و ضوابط بہ انداز دیگر تحریر کیے گئے ہیں۔ یہاں بحث مواد کی یکسانیت سے نہیں ہے، بلکہ اسلوب تحریر، دلائل اور مثالوں کی یکسانیت سے ہے۔ اس میں دو رائیں نہیں کہ مولوی عبدالحق نے اپنی "قواعد اردو" کو زیادہ تفصیل اور بہتر ترتیب کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ مولوی صاحب کی "قواعد اردو" زبان اور اسلوب کے لحاظ سے عبدالرحیم گورکھپوری کی "دستور اردو زبان" سے بہتر اور اہم ہے لیکن زباندانی اور سخن فہمی کے نکات عبدالرحیم گورکھپوری کی قواعد کا خاص وصف ہیں۔ کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے مولوی صاحب کی "قواعد اردو" عبدالرحیم کے رسالہ کی نئی تدوین (REVISED EDITION) لگتی ہے۔

ان شواہد کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مولوی عبدالحق نے اپنی "قواعد اردو" میں زبان کے جو نکات پیش کیے ہیں اور لسانیات کے جو اصول وضع کیے ہیں ان کا سرچشمہ یہی غیر مطبوعہ رسالہ ہے اور یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ "قواعد اردو" کی تالیف کے وقت ان کے پیش نظر یہ مخطوطہ ضرور رہا ہے اور انھوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

●●

مراسلات :

یلدرم کے بارے میں

خدا بخش جرنل مل گئے۔ یلدرم والے مضمون میں ایک غلطی ہے۔ یلدرم کی تاریخ وفات ۱۱ اپریل ۱۹۴۳ء ہے، ۱۲ اپریل ۱۹۴۳ء نہیں جو مضمون میں چھپی ہے (ص۱۱۱، جرنل ۲۸) آیندہ اشاعت میں تصحیح کروا دیجیے گا

(قرۃ العین حیدر)
۵ جولائی ۱۹۸۵ء

○

بہار اردو لغت کے بارے میں

"بہار اردو لغت" بہت خوب ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ بعض ایسے الفاظ اس میں موجود ہیں جو پنجابی زبان میں انہی معنوں میں مستعمل ہیں۔ سرسری مطالعہ کے بعد چند الفاظ درج کرتا ہوں۔ ممکن ہے مزید چھان بین کے بعد ان کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو سکے۔

ص۳۶ دلّا۔ دورا۔ ص۶۸ لار۔ ص۶۹ لسّی (دہی کا شربت) کسوڑا۔ ص۷۰ گھکانا ککڑ دادا۔ گُکنا۔ ص۷۱ لولہا۔ ص۷۱ ماڑا۔ ص۷۲ مُنڈھ۔ ص۷۷ نیول ص۶۲ گندھی یا گاندھی عطر فروش کے لئے۔ ص۶۶ گجی، نیائن کے معنوں میں سندھ میں بولا جاتا ہے۔ ص۳۰ پر "ملتان (بلوچستان)" اگر کاتب کی غلطی نہیں تو عرض ہے کہ ملتان، پنجاب میں ہے، بلوچستان میں نہیں۔ اگر یوں ہوتا کہ "کوئٹہ (بلوچستان) میں بولی جاتی ہے" تو درست ہوتا۔"

(خورشید احمد خاں، لاہور)
یکم جنوری ۱۹۸۶ء

ناب رشید حسن خاں
شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

کچھ "بہار اُردو لغت" کے بارے میں

"جرنل" کا شمارہ ۲۸ ملا تھا۔ یہ آپ نے بڑا کام کیا کہ اس شمارے میں اُس لغت کو شائع کر دیا۔ یہ پڑھ کر مزید خوشی ہوئی کہ ایک مکمل لغت بھی اس سلسلے کا مرتب کیا جا رہا ہے۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ جب تک (۱) علاقائی سطح پر زبان اور ادب کی تاریخیں مرتب نہیں کی جائیں گی، اس وقت تک کوئی مکمل تاریخ ادب اور تاریخ زبان صحیح معنی میں مرتب نہیں ہو سکتی۔ (۲) اسی طرح جب تک علاقائی بول چال پر مشتمل ضمنی فرہنگیں مرتب نہیں ہوں گی، اس وقت تک مکمل لغت بھی تکمیل کو نہیں پہنچے گا اور علاقائی ادب کے مختلف عوامی اجزا کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکے گا۔ جو کچھ آپ نے اِس شمارے میں شائع کیا ہے، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علاقائی بولی کا سرمایہ کیسا ہوتا ہے، کس قدر ہو سکتا ہے اور اُس کی ترتیب کی کیوں ضرورت ہے۔

چوں کہ ایک مکمل لغت زیر ترتیب ہے آپ کے یہاں، اس لیے جی چاہا کہ اس مطبوعہ حصّے سے متعلق بعض امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں، تاکہ اُس لغت میں یہ صورت پیدا نہ ہو۔ چوں کہ آپ نے اِس حصّے کو مرتّب نہیں کرایا ہے، صرف دوبارہ چھاپا ہے، اس لیے آپ اِس حصّے میں کچھ نہیں کر سکتے تھے اور اصولاً ترمیم و تنسیخ کرنا بھی نہیں چاہیے تھی، مقصد صرف یہ ہے کہ جس لغت کو آپ مرتب کرا رہے ہیں، اُس میں کوئی محلّی نظریات رہ نہ جائے اور بہار سے باہر رہنے والوں کو استفادہ کرنے میں دقّت پیش نہ آئے۔

(۱) اِس حصّے میں متعدّد مقامات پر ایسے اندراجات ہیں جو علاقائی نہیں، عام ہیں۔ ایسا کوئی اندراج اُس لغت میں نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اُس میں کسی طرح کی تبدیلی ہو معنی مفہوم کی یا الفاظ کی، تب ٹھیک ہے۔ مثلاً "آرسی" معنی ۲۰ میں عام لفظ ہے۔ "ارئی" یہ بھی عام لفظ ہے۔ مشہور مثل ہے کہ چلتے بیل کی ... میں ارئی کرنا۔ بھکوا" یہ بھی عام لفظ ہے یا "گندھی" عطر فروش کے معنی میں، یا "گودی" گود کے معنی میں، یا "آپا" بڑی بہن کے معنی، یا "دو بہ دو" منھ در منھ کے معنی میں، یا "دولائی" "دوشالہ" "دفنانا" "پہل کنجی کا کٹورا" (یہ فسانۂ عجائب میں بھی آیا ہے)، "چھیلا"، "چسنا" (یہ تو بہت پُرانا لفظ ہے اور میر و سودا کے یہاں کئی جگہ ملے گا)، "چاند تارا"، "جھونٹا"، "جھرا جھر"، "جھپٹا مارنا"، "ٹھڈی"، "ٹنگری" (ٹنگڑی تلے سے عرفی و قدسی نکل چلے "مرزا عظیم بیگ")، "ٹنڈا"، "ٹہنی"، "ترّیرا"

"پنی کھوڑ"، "پریشان حواس"، "پار کرنا"، "جھنجھوڑنا"، "بھرتا" (شاہ جہاں پور میں "بھرتا" ہی کہتے ہیں، دہلی میں "بھرتا" بھی سنا ہے)۔ یہ مکمل فہرست نہیں۔

(۲) ایک بڑا مسئلہ تلفظ کا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بہار سے باہر رہنے والے افراد ان خاص لفظوں کے تلفظ سے کماحقہ واقف نہیں ہوں گے، اور جب تک خاص لفظوں پر مکمل اعراب ثبت نہیں ہوں، اُس وقت تک وہ ان کا تلفظ صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ اس مطبوعہ حصّے میں لفظوں پر اعراب لگائے گئے ہیں، مگر ان کی پابندی نہیں کی گئی ہے اور بہت سے لفظ اس سے خالی ہیں، یا لفظوں کے ایسے حرفوں پر اعراب موجود نہیں، جن پر لازماً ہونا چاہیے تھے۔ یہی حال معروف و مجہول آوازوں کی علامتوں کا ہے۔ مثلاً: "ادھکی" (تلفظ؟)، "اکھوت" "اکھونا (واو معروف ہے یا مجہول؟)" "اِک بگّا" (ب مکسور ہے یا مفتوح یا مضموم؟) "اُکرنا" (واو معروف ہے یا مجہول؟) "اُکھیٹا" (یائے معروف ہے یا مجہول ——— ؟)، "اُکیل بکیل" (ایضاً)، "اُکین" (ایضاً)، "الکوسی" (واو؟)، "اموری" (ایضاً)، "اینٹا" (یائے معروف ہے یا مجہول؟) غرض کہ ایسی مثالیں ہر صفحے سے کئی ایک پیش کی جاسکتی ہیں۔ آپ کے نئے لُغت میں اعراب اور علامت کا مکمل التزام ہونا چاہیے۔

(۳) اس مطبوعہ حصّے میں تشریحات کے ذیل میں بے تکلّف ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کے معنی سے دوسرے لوگ واقف نہیں ہوں گے اور اس طرح اُس تشریح کو پوری طرح سمجھ نہیں پائیں گے۔ میں تو بہت سے مقامات پر مفہوم کو نہیں سمجھ سکا۔ میں نے قیاس کر لیا ہے کہ دوسروں کا احوال بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ مثلاً:

"اُلن" "پیال کے ٹکڑوں کا موٹا سفوف جو گلابے میں ملاتے ہیں"۔ میں "گلابے" سے واقف نہیں اور خود اس فرہنگ میں لفظ موجود نہیں۔ (اردو کے دیگر لغات میں یہ ہے یا نہیں، یہاں اس سے بحث نہیں)۔ "آنگی ..... جس سے میدا چالا جاتا ہے"۔ میں نے قیاساً یہ مان لیا ہے کہ "چالا جانا" چھاننے کے معنی میں وہاں مستعمل ہوگا۔ "اُترا چال" "اُچلا چال (دیٹنہ)۔ مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔" "اُترنگا۔ اُترنگی: اترالا بارانی ہوا کے لیے بولتے ہیں"۔ (ایضاً)۔ "اِڈکورا: اینٹ کا ڈھیلا"۔ "اینٹ کا ڈھیلا" میرے لیے اجنبی ہے۔ "اڑاس: کنویں پر لکڑی یا پتھر جس پر کھڑے ہو کر لاٹھا چلاتے ہیں۔ یا وہ جگہ جہاں کھڑے ہو کر کرینگ چلاتے ہیں"۔ لاٹھا اور کرینگ، دونوں سے میں واقف نہیں۔ شاید کچھ

اور لوگوں کے لیے بھی یہ اجنبی لفظ ہوں۔

"بھکندر۔ بھگندھر" مطلب واضح نہیں ہوا ـــــ "ڈابر: ایک گِل اندازی کے اندر کے کھیتوں کا مجموعہ"۔ خط کشیدہ اصطلاحی لفظ بجائے خود تشریح طلب ہے۔ مطلب مبہم رہ گیا ـــــ "ڈادن ڈدئیا: شادی کی ایک رسم"۔ کون سی رسم؟ "جھڑا کی بارش مٹی کی طاقت کو برباد کر دیتی ہے" (ص ۹۳) "جھڑا" دوسروں کے لیے خود تشریح طلب ہے۔ "گھر جر بہیں گھر بناؤ: گھر جلتا ہے اور گھر بناتا ہے..." (ص ۱۰۳) مطلب کیا ہوا؟ ایسی مثالیں اِس حصّے میں اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔

(۴) ایک خاص احتیاط طلب معاملہ زبان کا ہے۔ تشریح کے ذیل میں مَیں اس کی طرف دو مثالوں پر اکتفا کروں گا۔ (۱) "لوٹا... جس پر تِل چھڑکی ہوتی ہے"۔ معیاری زبان میں "تِل" مذکر ہے۔ (۲) "گندھی.... ایک قسم کا بدبو پروانہ"۔ "بدبو" کا یہ استعمال اب متروک ہو چکا ہے۔ ـــــ بس ایک اور مثال: "پٹنہ کے دیوالہ مارنے والے..." (ص ۸۵) یہ مقامی املاء بیان ہے۔

میری درخواست ہے کہ اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اُسے اعتراض کے ذیل میں نہ رکھا جائے۔ مقصد محض یہ ہے کہ نئے لغت کے سلسلے میں احتیاط کے تقاضوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے۔ بلجی مرحوم نے بہت محنت کی ہے اور بڑا کام کیا ہے۔ اِس کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اُنھیں اوّلیت کا شرف ہمیشہ حاصل رہے گا۔ اور یہ شرف معمولی نہیں ہوتا اور ہر شخص کو حاصل نہیں ہو پاتا۔

اور ہاں، ایک بڑا مسئلہ ہے اِملا کا، لیکن اِس سے متعلق یوں کچھ نہیں لکھا کہ آپ خود اِس مسئلے سے بہ خوبی آشنا ہیں، محتاط ہیں اور دیکھ بھال رکھیں گے۔ دوسرے لوگ اِس بنیادی مسئلے کو درخورِ توجہ نہیں سمجھتے۔ اور ایسا عموماً اِس لئے ہوتا ہے کہ یہ حضرات اِس موضوع سے کما حقّہٗ واقف نہیں ہوتے۔ طولِ کلام پر معذرت طلب ہوں۔

رشید حسن خاں

سجنوری ۱۹۸۵ء

(ایک خط سے اقتباس)

بیان ملکیت سہ ماہی خدا بخش لائبریری جرنل اور دیگر تفصیلات

مطابق فارم نمبر ۴ قاعدہ نمبر ۸

۱- مقام اشاعت	:	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
۲- وقفہ اشاعت	:	سہ ماہی
۳، ۴- پرنٹر و پبلشر کا نام	:	محبوب حسین
قومیت	:	ہندستانی
پتا	:	رمنا روڈ، پٹنہ ۴
۵- ایڈیٹر کا نام	:	عابد رضا بیدار
قومیت	:	ہندستانی
پتا	:	ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴
۶- ملکیت	:	خدا بخش لائبریری، پٹنہ

میں محبوب حسین اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

دستخط پبلشر : محبوب حسین

۲۸ فروری ۱۹۸۵ء

پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی
(پٹنہ)

تصحیح و اضافہ

مسامحات مرآۃ العلوم، جلد سوم
(مسلسل)

(۲۰۸) صفحہ ۱۰۹، کتاب نمبر ۳۳۲۶۔ نام کتاب گنج شائگان (مثنوی حاتم نامہ جلد اول)، مصنفہ لالہ رام چند فرحت۔ فہرست میں کتاب کی تاریخ ۱۱۸۸ھ بتائی ہے۔ حالانکہ یہ تصنیف مثنوی کی تاریخ ہے۔ خود مصنف نے اس کی تاریخ تصنیف یوں بتائی ہے کہ دو انگلیوں کو سیدھی رکھیے اور دو کو خم کر دیجیے تو ۱۱۸۸ھ صاف نظر آ جائے گا (اس ۱۱)، کتابت ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔ شوق نیموی نے اس کی تاریخ کتابت کا قطعہ لکھا ہے، جو اسی کتاب میں منقول ہے۔

(۲۰۹) صفحہ ۱۳۲، کتاب نمبر ۳۵۶۱۔ نام کتاب تجنیس اللغات۔ فہرست میں اس کے اوراق کی تعداد ۱۲ بتائی گئی ہے۔ دراصل یہ کتاب صرف ۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس مجلد میں ایک دوسرا رسالہ الگ سے ہے جس کا نام 'نصاب مثلث' ہے اور اس کا مصنف بدیعی ہے۔ یہ بھی ۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ فہرست نگار نے دونوں کتابوں کو ایک تصور کر کے اوراق کی تعداد ۱۲ کر دی۔ دوسری کتاب کا اندراج الگ سے صفحہ ۱۳۵ پر ہونا چاہیے تھا۔

(۲۱۰) صفحہ ۱۳۲، کتاب نمبر ۳۰۴۱۔ نام کتاب 'ریاض الحروف'، نام مصنف وزیر علی عبرتی عظیم آبادی۔ اس کتاب کا اندراج فہرست میں 'لغات و فرہنگ' کے تحت ہوا۔ پھر صفحہ ۱۲۵ میں اسی کتاب کے دو دیگر نسخوں کا اندراج صرف و نحو کے تحت میں ہے۔ حالانکہ تینوں نسخے ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ایک ہی مصنف کے ہیں۔ اس تقسیم سے اشتباہ ہو سکتا ہے کہ یا تو مصنف الگ الگ ہیں یا کتابوں کا موضوع مختلف ہے۔

(۲۱۱) صفحہ ۱۳۳، کتاب نمبر ۲۷۵۵۔ نام کتاب 'شرح نصاب الصبیان'، فہرست نگار نے مصنف کا نام

نہیں لکھا ہے۔ مصنف کا نام حاجی محمد بن فصیح محمد مدعو بہ کریم الدین دشت بیاضی ہے۔

(۲۱۲) صفحہ ۱۳۶، کتاب نمبر ۳۱۱۲ - نام کتاب 'تعییب الاخوان' فہرست میں مصنف کا نام مولانا مظہر لکھا ہے
اصل نام مطہرؔ (بدون نقطہ)۔ اس کا ایک مخطوطہ کراچی میوزیم میں ہے۔ مصنف نے اپنا نام ایک مصرع
میں ظاہر کیا ہے: ع 'کز مطہرؔ چو ماہ گشت عیاں' مظہر نام ہوتا تو مصرع ناموزوں ہو
جاتا۔ مقالات محمد شفیع میں اس کتاب کو مطہرؔ کڑا سے منسوب کیا گیا ہے۔

(۲۱۳) صفحہ ۱۵۵، نام کتاب 'بہارستان' کاتب کا نام فہرست میں مندرج نہیں۔ کاتب کا نام
اودھی لال۔ کیفیت کے خانہ میں ناقص الاوّل کا اضافہ چاہیئے۔

(۲۱۴) صفحہ ۱۶۱، نمبر کتاب ۳۹۶۶/۲ کاتب کا نام نہیں لکھا، اس کا نام بھوکن لال ہے۔

(۲۱۵) صفحہ ۲۱۱، نمبر کتاب ۲۸۱۸ - نام کتاب 'اسرار الشہود'۔ فن تصوف کے تحت اس کا اندراج
اشتباہ پیدا کر سکتا ہے کہ یہ خواجہ فریدالدین عطار کی کسی نثری تصنیف کا نام ہے۔ حالانکہ یہ ان کی
ایک منظوم مثنوی ہے۔ اس کا اندراج منظومات اور متقدمین میں ہونا چاہیے تھا۔ تصوف کی نثری
کتابوں میں اس کا صحیح مقام نہیں۔

(۲۱۶) صفحہ ۲۱۶، نمبر کتاب ۳۰۶۴ و ۳۰۶۵ - یہ دونوں کتابیں ایک ساتھ مجلد ہیں۔ ان کے نام فہرست
میں 'ارشاد الطالبین' اور 'ارشاد السالکین' علی الترتیب لکھا ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان
ایک کتاب اور دبی پڑی رہ گئی۔ اس کا نام رسالہ شاہ برہان الدین ہے جو فہرست سے خارج ہے۔
پہلی کتاب ارشاد الطالبین کے مصنف کا نام جلال الدین بن محمود تھانیسری لکھا ہے۔ حالانکہ نام صرف
جلال بن محمد ہے۔ اس کے اوراق کی تعداد ۳۵ بتائی ہے جو حقیقتاً ۲۹ ہے۔ درمیانی جو رسالہ
برہان الدین ہے اس کے اوراق کی تعداد ۶ ہے جو غلطی سے اوّل الذکر کتاب کے اوراق میں شامل ہے۔
تیسری کتاب (ارشاد السالکین) کے کاتب کے کالم میں "ایضاً" مطبوعہ ہے وہ مذکورہ بالا
کاتب محمد دائم صدیقی کی تحریر نہیں معلوم ہوتی، اس کا کاتب کوئی دوسرا ہے جس کا نام معلوم نہیں۔
سطور کی تعداد بھی بجائے ۱۵ کے صرف ۱۱ ہے۔ اس کتاب کا ایک دوسرا نسخہ اسی فہرست کے
صفحہ ۲۲۱ پر موجود ہے اس کی اطلاع کیفیت کے خانہ میں ظاہر کرنا تھی۔

(۲۱۷) صفحہ ۲۱۹، نمبر کتاب ۳۶۲ - نام کتاب 'آداب المریدین' فہرست نگار نے اس کو اصل کتاب

سمجھ کر مصنف کے نام کے تحت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی درج کیا ہے۔ حالانکہ یہ آداب المریدین نہیں بلکہ اس کی شرح ہے اور کتاب پر اس کا نام "مطالب الطالب الشرف" لکھا ہے۔ ترقیمہ میں اس کے مؤلف کا نام حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیری لکھا ہے۔

(۲۱۸) صفحہ ۲۱۷، کتاب نمبر ۲۴۶۹- نام کتاب 'انیس العشاق' ہے۔ اس کے مصنف کا نام شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری لکھا ہے۔ یہ مندرجہ ناقابل قبول ہے۔ یہ کتاب نہ حضرت منیری کی تصنیف ہے اور نہ اس کا تعلق تصوف سے ہے۔ نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب عشاق مجازی کے محبوب کے اعضا وجوارح کی تعریف و توصیف اور اشغال کے ذریعہ ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ فن انشا یا اسی قسم کی کسی صنف سے متعلق ہو سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ فہرست نگار نے اس کو تصوف میں کیسے شامل کر لیا۔

(۲۱۹) صفحہ ۲۱۷، نمبر کتاب ۲۹۳۹- نام کتاب 'انیس العشاق'۔ یہ کتاب بھی مذکورہ بالا کتاب کا ایک دوسرا نسخہ ہے۔ اس کے متعلق بھی جو وہی سابقہ اطلاع فہرست میں ہے جو سرے سے غلط ہے۔

(۲۲۰) صفحہ ۲۱۷، نمبر کتاب ۲۸۸۲- اس نمبر کے تحت فہرست میں چار کتابوں کا اندراج ہے۔ حالانکہ اس مجلد میں ۵ کتابیں بایں تفصیل ہیں: (۱) انیس الارواح؛ (۲) دلیل العارفین؛ (۳) فوائد السالکین؛ (۴) راحت القلوب؛ (۵) افضل الفوائد (دلیل العارفین کا اندراج غلطی سے رہ گیا ہے)۔ اب ان کتابوں سے متعلق چند مسامحات جو مندرج ہو گئیں ان کی نشاندہی ضروری ہے:

(۱) انیس الارواح کے مصنف کا نام معین الدین حسن سنجری لکھا ہے۔ اوّل تو یہ انتساب مشکوک ہے۔ اس کی بحث مفصل فہرست میں ہوگی۔ لفظ سنجری غلط طور پر مستعمل ہے۔ اصل لفظ سجزی ہے (س ج زی)۔ صفحات کی تعداد ۳۲ بتائی ہے، حالانکہ صرف ۱۷ ہے۔ کاتب کا نام مخطوط میں مبہم لکھا ہوا ہے۔ سنہ کتابت بھی غیر متعین ہے۔

(۲) دلیل العارفین۔ اس کتاب کا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اندراج نہیں ہوا۔ اس کے مرتب حضرت قطب الدین بختیار کاکی ہیں، جو ملفوظات حضرت معین الدین چشتی پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ نمبر کتاب ۳۶۱۳ ہے۔ کاتب اور سنہ کتابت ندارد۔

(۳) فوائد السالکین۔ مصنف کا نام قطب الدین بختیار لکھا ہے۔ حالانکہ یہ حضرت کاکیؒ کے

ملفوظات ہیں۔ اس کے مرتب حضرت بابا فرید شکر گنج ہیں۔

(۴) راحت القلوب: مؤلف کا مشہور نام حضرت نظام الدین اولیا ہے۔ اسکا ایک نسخہ نمبر کتاب ۲۶۴۴) موجود ہے۔ اس کی اطلاع بھی کیفیت کے کالم میں دی جانی چاہیئے تھی۔

(۵) "افضل الفوائد" مؤلف کا نام نہیں لکھا۔ اس کے مؤلف حضرت امیر خسرو ہیں۔

(۲۲۱) صفحہ ۲۱۸، نمبر کتاب ۲۵۹۲، نام کتاب "خوان پر نعمت" فہرست میں کاتب کا نام نہیں لکھا، مگر ابتدائی ورق پر ایک کاغذ چسپاں ہے جس پر کاتب کا نام نور قطب عالم لکھا ہے۔ یہ ایک اہم اطلاع ہے۔ کاتب کا زمانہ صاحب ملفوظ (مخدوم بہاری) کے قریب العہد ہے۔ کتابت کا انداز بھی قدیم ہے۔ فہرست میں کتابت کا زمانہ بارہویں صدی ہجری قرار دیا گیا ہے کتابت کی تاریخ کا زمانہ نویں صدی ہجری قرار دیا جانا چاہیئے۔ اس نسخہ کا پہلا اور آخری ورق کسی اور کاتب کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیفیت کے کالم میں یہ اطلاع ضروری تھی کہ اس کتاب کا ایک نسخہ (نمبر ۱۳۸۸) یہاں موجود ہے، جو غلط فہمی کی بنا پر فہرست جلد اوّل صفحہ ۲۲۷ پر بنام معدن المعانی درج ہو گیا ہے، نیز فہرست انگریزی میں بھی یہی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ (نمبر ۱۳۶۰۔ جلد ۱۶)۔ خوان پر نعمت معدن المعانی کا دوسرا حصّہ ہے۔

(۲۲۲) صفحہ ۲۱۹۔ نمبر کتاب ۱۹۴۰، اور ۱۹۴۱۔ دونوں کتابیں فہرست میں بنام خوان پر نعمت مندرج ہیں۔ دونوں کتابوں کا کاتب ایک ہی ہے۔ پہلی کتاب کے ورق ۳۱ تک عبارت خوان پر نعمت کی ہے۔ ورق ۳۲ تا ۳۹ (ختم کتاب) ایک دوسرے مخطوطہ کے اوراق ہیں۔ کتاب نمبر ۱۹۴۱ کے چند اوراق کے بعد ورق ۵۹ سے خوان پر نعمت کا سلسلہ ملتا ہے اس میں بھی ورق ۶۳ غیر متعلق ہے۔

جو اوراق "خوان پر نعمت" سے غیر متعلق ہیں، ان کے متعلق یہ اطلاع کتاب سے ظاہر ہوتی ہے کہ یہ دوسرا مجموعہ ملفوظات ہے جس کا نام ملفوظ المبارک ہے یہ بھی حضرت مخدوم بہاری کے ملفوظات ہیں۔

ضرورت ہے کہ دونوں مجلدات کی از سر نو ترتیب کر دی جائے اور الگ الگ جلدیں کر دی جائیں موجودہ صورت میں قارئین دشواری کے علاوہ غلط فہمی کے شکار ہو جا سکتے ہیں۔

(۲۲) صفحہ ۲۲۰، نمبر کتاب ۳۴۴۲۶۔ نام کتاب راحت القلوب، کتابت کی تاریخ فہرست میں ۱۲۸۷ھ لکھا ہے، اس کو ۱۲۷۸ھ ہونا چاہیے۔ یہ اطلاع بھی ضروری تھی کہ یہ نسخہ ایک مطبوعہ نسخہ سے منقول ہے۔

(۲۴) صفحہ ۲۲۰۔ نمبر کتاب ۳۳۵۱۔ نام کتاب رسالہ ابوالعلاؒ، الہامات صوفیہ۔ فہرست نگار نے دونوں رسالوں کو ایک ہی سمجھا ہے۔ حالانکہ دونوں رسالے الگ الگ ہیں۔ پہلا رسالہ حضرت ابوالعلا کا ہے جو صرف ۵ اوراق کو محیط ہے۔ یہ رسالہ مراتب فنا پر مشتمل ہے۔ دوسرا رسالہ "الہامات منعمی" ہے جبکہ فہرست نگاراں نے الہامات صوفیہ لکھا ہے۔ اس کے نسخے اسی کتب خانے میں اور بھی موجود ہیں (نمبر ۳۷-۱۳۳۶)، مذکورہ بالا کتاب کا سنہ کتابت بھی ۱۲۴۶ھ نہ جانے کہاں سے اخذ کیا ہے۔ اس پر کوئی سنہ کتابت نہیں۔ مزید برآں اس کتاب کے ساتھ ایک اور رسالہ بھی مجلد ہے، جس کا اندراج صفحہ ۲۴۰ پر بنام وصایا شیخ الاسلام بتایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ وصایا شیخ الاسلام نہیں بلکہ وصایے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ہے۔ اس کے مرتب زین بدر عربی ہیں جن کا نام رسالہ کی پہلی ہی سطر میں موجود ہے۔ اوراق کی تعداد ۱۳ نہیں بلکہ ۱۲ ہے۔ تیرھواں ورق خلفائے حضرت ابوالعلا اور ان کے بعد کے خلفا کا ہے، جس کا تعلق کسی رسالہ سے نہیں۔ اس آخری رسالہ کا سال کتابت بھی فہرست میں ۱۲۴۶ قرار دیا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کیفیت میں اطلاع دینی تھی کہ یہ رسالہ ۱۳۵۱ کے ساتھ مجلد ہے۔

(۲۵) صفحہ ۲۲۰، نمبر کتاب ۳۶۱۳، نام کتاب دلیل العارفین، کیفیت کے خانہ میں یہ اطلاع دینا تھی کہ نسخہ دیگر ۲۸۸۲ ہے۔

(۲۶) صفحہ ۲۲۰، نمبر کتاب ۳۴۳۹۔ نام کتاب رسالہ حق نما۔ فہرست میں اوراق کی تعداد ۲۷ بتائی ہے، صرف ۱۷ ہونا چاہیے۔ فہرست نگار نے آخر کے ۱۰ اوراق کو بھی کتاب کا جز قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ غیر متعلق تحریریں ہیں جو چند ادعیہ و اوراد پر مشتمل ہیں، جن کا تعلق اصل کتاب سے نہیں ہے۔

(۲۷) صفحہ ۲۲۲، نمبر کتاب ۳۰۷۱۔ اس نمبر کے تحت فہرست میں کتاب کے صرف دو نام مندرج ہیں: (۱) رسالہ مراتب وجود۔ (۲) مکتوب مخدوم الملک — دراصل ان دونوں کتابوں کے درمیان ایک اور رسالہ بنام رسالہ وحدت وجود کا وجود پایا جاتا ہے۔ رسالہ وحدت وجود کے

مصنف کا نام میر سید نظام الدین بہاری ہے۔ اوراق ۱۵۔ سطور ۱۵۔ اس کے کاتب بھی دائم صدیقی ہی ہیں اور کتابت کی تاریخ بھی ۱۱۶۳ھ۔

مکتوب مخدوم الملک کے نام سے جو رسالہ ہے، وہ درحقیقت مکتوب بست و ہشت ہے اس کے اوراق فہرست میں ۵۵ بتائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان کی تعداد صرف ۴۰ ہے۔ فہرست نگار نے مذکورہ بالا رسالہ 'وحدت وجود' کے اوراق کو بھی غلطی سے اس میں شامل کر دیا ہے اور اس کتاب کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے۔

(۲۲۸) صفحہ ۲۳۶۔ نمبر کتاب ۲۹۶۲، نام کتاب 'مکتوبات صدی' کیفیت کے خانہ میں بتایا ہے کہ اس کتاب کے دیگر نسخے ۱۳۹۱ تا ۱۳۹۶ ہیں۔ یہ اطلاع غلط ہے۔ کتاب نمبر ۱۳۹۱ کا نام حقیقتاً 'خوان پر نعمت' ہے (جو غلطی سے 'معدن المعانی' سمجھا گیا ہے) ۱۳۹۴ اور ۱۳۹۳ البتہ مکتوبات صدی کے نسخے ہیں۔ ۱۳۹۴ تا ۱۳۹۶ مکتوبات صدی نہیں، بلکہ مکتوبات دو صدی ہیں۔

(۲۲۹) صفحہ ۲۳۶، نمبر کتاب ۲۴۶۳، کتاب کا نام فہرست میں مکتوبات صدی لکھا ہے، مگر کیفیت میں یہ بتایا ہے کہ اس میں ۱۹۷ مکاتب ہیں اس لئے ان کو مکتوبات دو صدی بھی کہا جاتا ہے۔ مکتوبات صدی اور دو صدی دو مختلف مجموعے ہیں اس لئے اس کتاب کا نام بجائے صدی کے دو صدی ہی لکھنا چاہیے تھا۔

(۲۳۰) صفحہ ۲۳۸، نمبر کتاب ۲۱۷۳۔ نام کتاب "نالۂ عندلیب" فہرست میں اس کتاب کا اندراج تصوف کے فن کے تحت کیا ہے۔ اس کا تعلق قصص و حکایات سے ہے۔ خود فہرست نگار اسی کتاب کے متعلق اسی فہرست کے صفحہ ۱۲۲ پر ایک دوسرے نسخہ (نمبر کتاب ۲۴۴۴) کا اندراج قصص و حکایات کے تحت کر چکے ہیں۔ خود فہرست نگار نے یہ اطلاع دی ہے کہ اس کا ایک اور نسخہ (نمبر کتاب ۴۴۷) فہرست جلد اول مرتبہ خان بہادر عبدالقادر میں متعارف ہوا اور انھوں نے بھی اس کو قصص و حکایات میں داخل کیا ہے۔ کیفیت میں یہ درج ہے کہ یہ دراصل ایک تمثیلی قصہ ہے جس میں حقائق و معارف کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

(۲۳۱) صفحہ ۲۳۸، نمبر کتاب ۲۵۱۵۔ نام کتاب انتخاب نفحات الانس۔ مصنف کا نام فہرست میں نہیں۔ نفحات الانس نورالدین عبدالرحمن جامی کی تصنیف ہے۔ اس انتخاب کے مرتب کا نام معلوم نہیں۔

(۲۳۲) صفحہ ۲۳۸، نمبر کتاب ۲۸۸۵، نام کتاب "نزہۃ الارواح"۔ کاتب کا نام احمد اسمٰعیل لکھا ہے
پورا نام حامد احمد اسمٰعیل ہے۔ اس کا خط نستعلیق نہیں بلکہ نسخ ہے۔

(۲۳۳) صفحہ ۲۳۹، نمبر کتاب ۲۸۲۳، نام کتاب "نفحات الانس"، کیفیت میں یہ اطلاع ہے کہ
صفحہ آخر پر ایک مہر ہے۔ حالانکہ نہ صرف آخری صفحہ بلکہ اوّل صفحہ پر بھی مہر واقع ہے۔

(۲۳۴) صفحہ ۲۳۹، نمبر کتاب ۲۹۰۳، نام کتاب "نفحات الانس"۔ فہرست میں سال کتابت ۱۱ویں صدی بتایا گیا ہے
یہ صحیح تو ہے مگر کتاب میں صحیح تاریخ ۱۰۱۴ھ مندرج ہے۔ کتابت بھی نستعلیق نہیں، بلکہ خط نسخ ہے۔

(۲۳۵) صفحہ ۲۴۰، نمبر کتاب ۳۷۱۹، نام کتاب "واردات"، اوراق کی تعداد بجائے ۲۴۴،
۲۵۱ ہے۔ کیفیت میں نسخہ دیگر کا حوالہ کتاب نمبر ۱۴۱۲ دینا چاہیے تھا۔

(۲۳۶) صفحہ ۲۴۰، نمبر کتاب ۲۴۶۲/۱، نام کتاب "خوان پُر نعمت"، کیفیت کے خانے میں دینا تھا۔
نسخہ دیگر ۱۳۸۸، ۲۵۹۲، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱۔

(۲۳۷) صفحہ ۲۴۰، نمبر کتاب ۲۶۵/۱، نام کتاب ترجمہ منظومہ الشہادتین۔ اس کا تعلق
بھی فن تصوف سے نہیں۔

(۲۳۸) صفحہ ۲۴۰، نمبر کتاب ۲۹۵۴/۵، فہرست نگار نے اس کتاب کو تصوف کی کتاب سمجھا ہے۔
حالانکہ یہ عربی قصیدہ نعتیہ کا ترجمہ ہے۔ اس کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ فہرست نگار
جلد اوّل نے اس قصیدہ کی جو چند شرحیں ہیں ان کو ادب، فلسفہ اخلاق و موعظت کے
فن میں شامل کیا ہے (جلد اوّل مرآۃ العلوم صفحہ ۱۳۵-۱۳۶)

(۲۳۹) صفحہ ۲۴۲، نمبر کتاب ۲۹۵۴/۹، کتاب کا نام رسالہ معین الدین چشتی، اوراق کی تعداد
بجائے نو کے ۱۲ ہے۔ تاریخ کتابت ۱۱۸۳ ہجری نہیں بلکہ فصلی ہے۔

(۲۴۰) صفحہ ۲۴۲، نمبر کتاب ۳۹۴۲/۱، نام کتاب رسالہ معین الدین چشتی۔ کاتب کا نام نہیں
لکھا۔ اس کا نام بشارت حسین ہے۔ اوراق کتاب کی تعداد بھی بجائے ۵ کے صرف ۴ ہے۔

(۲۴۱) صفحہ ۲۴۳، نمبر کتاب ۱۴۴۹/۱، نام کتاب فوائد المریدین، کیفیت میں اضافہ کیجیے: برائے
نسخہ دیگر ۲۵۹۱۔

(۲۴۲) صفحہ ۲۴۴، نمبر کتاب ۲۷۷۷/۴، نام کتاب "نان و حلوا"، اس کا اندراج تصوف کے تحت

درج ہے۔ یہ منظوم رسالہ ہے۔ اس کا ایک دوسرا نسخہ مرآۃ العلوم جلد اوّل صفحہ ۱۱۱ پر کتاب نمبر ۹۸
کے تحت مندرج ہے اور کتب منظومہ میں شامل ہے۔

(۲۴۳) صفحہ ۲۴۴، نمبر کتاب ۱۱۳۷۱/۵، نام کتاب مکتوبات شیخ شرف الدین احمد بہاری۔ مصنف کے
کالم میں زین بدر عربی لکھا ہے۔ یہ مصنف نہ تھے بلکہ مرتب تھے۔ تعداد اوراق فہرست میں ۸
بتائی گئی ہے، حالانکہ صرف ۴½ ہے۔ کتاب کے صرف ابتدائی اوراق ہیں اور مکتوبات صدی کے ہیں۔

(۲۴۴) صفحہ ۲۶۴، نمبر کتاب ۲۵۲۶، دیوان سنائی آصفی، عرفی اور شوکت۔ اس مجموعہ
میں دیوان آصفی کا جو انتخاب ہے اس کے صفحات فہرست میں ۱۵ بتلائے گئے ہیں۔ مگر درحقیقت
۲۲ ہیں۔ اسی طرح اس میں دیوان عرفی کے صفحات ۱۴ بتائے گئے ہیں۔ حالانکہ صفحات کی
تعداد صرف ۹ ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل انتخابات دواوین دیگر شعراء بھی ہیں، اگرچہ
بہت مختصر ہیں۔ مثلاً انتخاب دیوان وحشی (تین ورق) انتخاب دیوان شفائی (۴ ورق)
انتخاب دیوان عالی (۳ ورق)، انتخاب دیوان نجات (۴ ورق)۔ یہ مجلد بہت بوسیدہ ہے
اور مرمت شدہ نہیں۔ اس میں چند مہریں بھی ہیں جو غیر واضح ہیں۔

(۲۴۵) صفحہ ۲۶۴، نمبر کتاب ۲۵۲۷، نام کتاب قصاید ثنائی و قصاید فاریابی۔ فہرست میں
قصاید ثنائی لکھا ہے۔ حالانکہ اس میں قصاید کے علاوہ قطعات و رباعیات بھی ہیں۔ دوسری کتاب
اسی جلد میں مجلد ہے، اس کا نام قصاید فاریابی لکھا ہے؛ اس میں صرف قصاید نہیں بلکہ اور منظومات
بھی ہیں۔ اس کو لکھنا چاہیے تھا۔ کیفیت میں یہ اطلاع بھی ضروری تھی کہ دونوں مجموعے بہت
خستہ اور بوسیدہ ہیں۔

(۲۴۶) صفحہ ۲۶۶، نمبر کتاب ۲۷۴۵/۵، ناقص الآخر۔

(۲۴۷) صفحہ ۲۶۷، نمبر کتاب ۲۷۶۲/۱، نام کتاب بہار عرض جوہر۔ فہرست میں مصنف کا نام نہیں لکھا ہے۔ مصنف کا
نام رشید الدین خاں دہلوی ہے۔ سطروں کی تعداد فی صفحہ ۱۰ لکھا ہے، حالانکہ مختلف تعداد سطور ہے۔
صفحہ ۲۶۷، نمبر کتاب ۲۷۶۲/۴، نام کتاب 'گوہر منظوم'۔ مصنف کا نام فہرست میں نہیں لکھا۔
نام مصنف ابراہیم حسین ہے۔ کاتب کا نام نہیں لکھا۔ کاتب خود مصنف ہے، تعداد اوراق
۲۱ بتائی ہے۔ ۱۱ ہونا چاہیے۔ سطور بھی ۱۰ نہیں، بلکہ ۱۳ ہیں۔

●●

تحائفِ موصولہ

ابوسلمان شاہجہان پوری : ۹/۱ علیگڑھ کالونی، کراچی ۴۱

(۱) مولانا محمد علی اور ان کی صحافت (صفحہ ۴۵۵): بڑا وقیع کام ہے۔ اخبارات کے آغاز و انجام وغیرہ کے ساتھ ادارتی عملے کے بارے میں تحقیق، اور پھر ہمدرد کے مشتملات اور اس کے اداریوں کا فقتا بیہ تیار کر کے بہت سے آشارہ کام کرنے والوں پر بڑا احسان کر گئے ہیں۔ اشاریہ ... سائینٹفک ہے۔

(۲) ابوالکلام آزاد بحیثیت مفسر و محدث (صفحہ ۸۰) اس میں ابوسلمان صاحب کے اپنے علاوہ سعید احمد اکبرآبادی، سید سلیمان ندوی، محمد حنیف ندوی، ڈاکٹر سید عبداللطیف، غلام رسول مہر اور محمد شعیب عمری کے مضامین بھی شامل ہیں۔

(۳) افاداتِ آزاد (صفحات ۱۸۰): دینی اور ادبی موضوعات پر مختلف حضرات کے استفسارات کے جواب میں مولانا نے جو خطوط لکھے، یہ نکات موضوع وار ان خطوط سے مرتب کیے گئے ہیں۔

(۴) تاریخ و تحریکِ پاکستان (نمودِ سحر سے طلوعِ صبح تک): مرتبین: ڈاکٹر انصار زاہد، پروفیسر فصیح الدین صدیقی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری۔ (صفحات ۱۸۲)؛ مجلہ علم و آگہی، گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کا خصوصی شمارہ۔

مشتملات :- تاریخ و نظریۂ پاکستان کا مطالعہ۔ ایک قومی ضرورت (پروفیسر سید امتیاز حسین)، پاکستان اور تحریک پاکستان (پروفیسر حسین کاظمی)، تحریک پاکستان (پروفیسر مکرم علی خان شیروانی)، پاکستان کے دھندلے تصور سے پاکستان کے نقش جمیل تک (عرشیہ شفقت رضوی)، تحریک پاکستان اور طلبہ (رضوان احمد)؛ نواب بہادر یار جنگ اور تحریک پاکستان (محمد عبدالہادی صدیقی)، اقبال اور نظریۂ پاکستان۔ (ڈاکٹر شفیق علی خان)، دو قومی نظریہ : تاریخ و تحریک (ڈاکٹر شفیق علی خان)، دو قومی نظریہ : [illegible] اعظم (پروفیسر کوثر اقبال)، دو قومی نظریہ (زاہد [illegible]) [illegible] وکیٹوریہ کا مجسمہ (ڈاکٹر محمد عبدالعزیز)، سرسید احمد خان کا دورۂ پنجاب (پروفیسر اکرام نبی ملک)، نئی گروہ تحریک کا مذہبی پہلو۔ (محمد عبدالہادی صدیقی)، قائد اعظم اور مسلم لیگ

کی تنظیم نو (ڈاکٹر انصار زاہد)، حاجی شریعت اللہ (مبارک احمد صدیقی)۔

⑤ تحریکاتِ ملّی : ——— تحریکات کے آئینے میں: مسلمانانِ پاک و ہند کی سیاسی جدوجہد کی سرگزشت

مرتبین : ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری، پروفیسر ڈاکٹر انصار زاہد، پروفیسر فصیح الدین صدیقی (صفحات ..

مشتملات : پیش لفظ (پروفیسر سید امتیاز حسین)، تحریک اصلاح و جہاد (سید حسین حسنی) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (ڈاکٹر محمد ایوب قادری)، فتویٰ جہاد (شاہد حسین خاں)، جاں نثاران جنگ آزادی (سعید حسن قادری)، مہاجرین کابل و یاغستان: بسلسلۂ تحریک آزادی (پروفیسر جمال الدین شیخ)، تحریک خدام کعبہ (ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری)، تحریک خدام کعبہ کی کہانی: شیدائی کعبہ کی زبانی (محمد اقبال شیدائی)، خدمت کعبہ - ایک نایاب نظم (علامہ شبلی) • دستور العمل انجمن خدام کعبہ • تحریک ریشمی رومال • چند ریشمی خطوط (عکس)، تحریک ہجرت: (ڈاکٹر معین الدین عقیل)، رسالۂ ہجرت (مولانا عبدالباری فرنگی محلی) (ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری) • تحریک خلافت • مسئلۂ خلافت • خلافت • ترک موالات - فلسفہ اور عقیدہ یا حکمت عملی • ترک موالات کے پروگرام پر عمل • خلافت کانفرنسیں اور دیگر اہم واقعات • تحریک خلافت اور تعلیمی ادارے (ڈاکٹر انصار زاہد) • تعلیم اور ترک موالات • ترک موالات کا خاتمہ • اجمالی فہرست تارکین عہدہ و مناصب و اعزازات • جمعیت مرکزیہ خلافت ہند - تاریخ قیام و مقاصد • دستور اساسی جمعیت خلافت ہند (ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری)، ترک موالات پر علما کے فتاویٰ (مولانا عبدالماجد قادری بدایونی)، متفقہ فتویٰ علمائے ہند (مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد)۔

اپنے موضوع پر یہ بڑی وزنی کتاب ہے جو حوالے ... استعمال ہو سکے گی۔

⑥ مولانا ابوالکلام آزاد (بحیثیت مفسر و محدث) از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری (صفحات ۱۴۸)

• نظیر صدیقی (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد (پاکستان)

① اردو ادب کے مغربی دریچے (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) صفحات ۲۲۲، ۱۹۸۳ء

مشتملات : حرف اوّل۔ اظہار یا ابلاغ — اردو ادب اور شعبۂ اردو - جدید شاعری کی جدید ترین شکلیں - جدید شاعری کا برطانوی رُخ، کولین ولسن - ایک تعارف - جون ڈن

② تفہیم و تعبیر (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) صفحات ۲۸۷، ۱۹۸۳ء

مشتملات :- گزارشِ احوال واقعی - غالب کی فن کارانہ ہمہ گیری - غالب کے رد کردہ اشعار،

لام غالب کے نکتہ چین ، اقبال کی شاعری میں انسانی عظمت کا تصور ، اقبال ایک شاعر ، مصطفیٰ
یدی کی شاعری جمیل مظہری آواز دوست۔ پروین شاکر ، زخم جگر سے نقش ہنر تک کا ایک سفر،
دب ، امن اور جنگ ، فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے۔ ثقافت اور اس کے عوامل بیرونی اثرات۔

(۳) میرے خیال میں (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) صفحے ۳۶۲ ، ۱۹۶۸ء

مشتملات :- برسبیل تذکرہ - اظہار یا ابلاغ ، اردو غزل کدھر۔ اردو ادب اور شعبۂ اردو۔
اردو تنقید میں نئی اخلاقیات کی ضرورت۔ میتھیو ، ماضی سے مستقبل تک ۔ اقبال پر چند خیالات۔
نیاز فتحپوری ۔ فراق گورکھپوری ۔حسن عسکری۔ محبوب خزاں ۔ مشتاق احمد یوسفی ۔ ضیا جالندھری ؛
نارسا کی روشنی میں۔ نئی نظم اور پورا آدمی ۔سلیم احمد کی بیاض ۔ چند مضامین اس میں اور مغربی ادیبوں پر بھی شریک ہیں۔

(۴) تاثرات و تعصبات (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) صفحے ۳۹۰ ۱۹۷۶ء

مشتملات :- اعترافات - یگانہ چنگیزی۔ فراق گورکھپوری ۔ فیض احمد فیض ۔ جمیل الدین عالی ۔ اجتبیٰ رضوی۔
جگر مرادآبادی۔ کہتی ہے ان کو خلق خدا غائبانہ کیا۔ رشید احمد صدیقی۔ گنجے فرشتے ۔ کچھ اپنی صفائی میں۔

( ) سرسید کی کہانی ان کی اپنی زبانی : صفحات ۱۰۵ ، از ضیاء الدین لاہوری

ضیاء الدین لاہوری کا کتابچہ سرسید کے بارے میں دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ ۔۔۔ تک
ابو سلمان شاہجہانپوری کا مقدمہ ہے اور بقیہ کتاب کا متن ہے۔ مقدمہ اہم ہے ، اس لئے کہ یہ بھی
ابوسلمان صاحب کی تحریروں کے ذہن میں رکھا گیا ہے ۔ یہ مقدمہ اس لئے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے
کہ اس میں روایت سے یکسر انحراف کرتے ہوئے بالکل نئے زاویۂ نظر سے سرسید کی شخصیت اور ان کے
کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ کتاب کے "پیش لفظ" میں مؤلف موصوف نے اس مقدمہ پر رائے زنی
کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ : " یہ بات یقینی ہے کہ ان کے بیان کردہ جملہ حقائق سرسید کے شیدائیوں
کے لئے کسی صورت قابل قبول نہیں ہو سکتے ۔ کیونکہ انشا پردازی کے شوق میں لکھے گئے مضامین
کی پُر فریب تحریریں ان حضرات کے ذہنوں پر اس قدر مسلط ہو چکی ہیں کہ حقائق کو تسلیم کرنا ان کے بس کا
روگ نہیں رہا۔"

جناب زید ابوالحسن فاروقی کی تصنیفات

(پتہ: خانقاہ ابوالخیر، ابوالخیر مارگ چتلی قبر دہلی)

(۱) حضرت مجدد اور ان کے ناقدین) حضرت مجدد اینڈ ہز کریٹکس - اردو سے ترجمہ از میرزا ہد علی کامل ۱۹۸۲ء صفحات ۲۹۰ — یہ کتاب اردو میں کئی سال قبل شائع ہوئی تھی۔ اس میں خصوصی طور سے ڈاکٹر اطہر عباس رضوی اور پروفیسر محمد مجیب کی تنقیدوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(۲) علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علما - ۱۹۸۱ء صفحات ۱۳۲ — پہلی بار یہ کتاب ۱۹۱۷ء میں تصنیف ہوئی اور ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے۔

(۳) - مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان صفحات ۱۲۰۔ ۱۹۸۲ء

(۴) - "اسلام اور فیملی پلاننگ (مسئلہ ضبط ولادت)" صفحات ۹۶، ۱۹۷۶ء تیسرا ایڈیشن:۔
— از روئے شرع، ضبط ولادت کی اجازت ہے یا نہیں؟ یہ کتاب اسی استفتاء کے جواب میں ہے اور مصنف کی رائے اس کے حق میں ہے۔

(۵) "منہج الاولیاء فی السلام علی الانبیاء والرضا عن الاولیاء" صفحات ...
انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے حضرات کے لئے صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ۔

(۶) - "مقامات خیر" صفحات ۸۰۰ — حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین فاروقی مجددی دہلوی قدس سرہٗ کے مبارک احوال اور آپ کے علم و فضل و کمال و ذوق سخن کا تفصیلی تذکرہ۔ شروع میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تک آپ کے آباء کرام کا اور آخیر میں آپ کے خلفا اور اولاد کا مختصر بیان۔

— اردو ہی نہیں، کسی بھی زبان میں ان موضوعات پر ان سے بہتر کتابیں ابھی لکھی جانی باقی ہیں۔ کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے موضوع کا سیر حاصل مطالعہ کر کے سارے گوشوں کا احاطہ کرنے کے بعد ہی مصنف قلم اٹھاتے ہیں۔ اب آپ ان کے نقطۂ نظر سے اتفاق کریں یا اختلاف، لیکن یہ کتابیں پڑھ کر آپ ان کے [illegible] مضبوطی [illegible] ضرور ہو جائیں گے۔

• خدابخش لائبریری جرنل (سہ ماہی تحقیقی مجلہ) ۱۹۷۷ء سے جاری: اب تک ۱۳۰ شمارے چھپ چکے ہیں۔ فی شمارہ ۵۰ روپے۔
• مخطوطات کیٹلاگ (خدابخش کے عربی، فارسی مخطوطات کی توضیحی فہرست انگریزی میں): شعر فارسی، تاریخ ہند، طب، فقہ اسلامی، قرآنیات، حدیث، تذکرہ = ۱۲ جلدیں۔ فی جلد ۵۰ روپے۔
• خدابخش مخطوطات کی مجمل فہرستیں (فارسی ۳ حصے، عربی ۳ حصے، اردو ۱ حصہ) مجموعی قیمت ۷۰ روپے
• شمس البیان فی مصطلحات الہندوستان (شاہ عالم کے عہد میں مرزا جان طپش دہلوی کی لکھی محاورات اردو کی لغت): ۱۰ روپے
• تصویر محبت (شمس الدین فقیر کی فارسی مثنوی، جو میر کی شعلۂ عشق کا ماخذ بنی): ۱۰ روپے
• بارھویں صدی کے شعرائے فارسی کے معاصر تذکرے: □ خان آرزو کا مجمع النفائس □ نقش علی کا باغ معانی □ علی ابراہیم خلیل کا صحف ابراہیم ہر ایک ۱۰ روپے۔
• خدابخش خطبات: فارسی اور ہندوستان (نذیر احمد) • میری تنقید: ایک بازدید (کلیم الدین احمد): ہر ایک ۱۰ روپے • افکار رومی (عبدالسلام خاں مکتبۂ جامعہ) ۴۰ روپے
• خدابخش خطبات (انگریزی): عہد نبوی کی تقویم کی تشکیل نو (ہاشم امیر علی) • صوفی لٹریچر عہد سلطنت میں (بروس لارنس) • صوفیہ کے مکتوبات و ملفوظات: سماجی، سیاسی تاریخ کا ایک اہم ماخذ: (سید حسن عسکری) • فارسی ادبیات میں ہندوستان کا حصہ: جدید تحقیقات کی روشنی میں (امیر حسن عابدی) • اسلام کی چودہ صدیاں پوری ہونے پر چند خیالات: ہندو مسلم مسئلہ اور اسلام و عصر جدید کے بارے میں: (بدرالدین طیب جی) • افکار اسلامی: بدلتی دنیا میں۔ ہر ایک ۱۰ روپے
• خدابخش: صلاح الدین خدابخش، سچیدانند سنہا اور جادو ناتھ سرکار کے قلم سے۔ ۱۰ روپے
• خدابخش لائبریری: ایک تعارف (اسکاٹ او کونر کے قلم سے) ۱۰ روپے
• تاریخ پیدائش و وفات: شمس العلماء محمد سعید حسرت عظیم آبادی (م ۱۳۴۴ھ) کے قلم سے) ۱۰ روپے
• کنز تواریخ: (شاہ غلام یحییٰ عظیم آبادی)، ۱۰ روپے
• یوپی کانگریس کے پہلے اجلاس کا خطبۂ صدارت (موتی لال نہرو)، ۱۰ روپے
• فرہنگ آصفیہ: ایک جائزہ (قاضی عبدالودود)، ۱۰ روپے
• بہار اردو لغت جلد اول (فرہنگ بلخی) از یوسف الدین احمد بلخی، ۱۵ روپے۔
• رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت: پہلی جلد ادیب (الٰہ آباد)؛ دوسری جلد العصر؛ تیسری جلد صبح امید؛ چوتھی جلد معیار ہر ایک ۴۵ روپے
• تدوین متن کے مسائل (خدابخش سیمینار)، ۱۵ روپے
• جدید غزلگو: ۱۹۴۱ء کی ایک اہم دستاویز، ۳۵ روپے

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

کتاب شناسی

مجموعۂ مقالات

ایک عرصہ سے کتاب دوست حلقے میں یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ یہاں مستقل اور مدون صورت میں علمی اور تحقیقی سطح پر کتاب شناسی پر مواد شائع نہیں ہوتا ہے۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے کتاب شناسی کے نام سے ایک مجموعۂ مقالات کی اشاعت پیش نظر ہے جس میں ہر سال کتاب سے متعلق تین بڑے موضوعات پر کتاب شناسوں کے تحقیقی مضامین شائع ہوا کریں گے۔ موضوعات کی تقسیم اور تفصیل یہ ہے :-

(۱) کتاب سازی :

تصنیف، تالیف، تدوین، تصحیح، ترجمہ، رسم الخط، خطاطی، املا، قلم تراشی، تذہیب، روشنائی سازی، کاغذ سازی، جلد بندی اور چھپائی وغیرہ پر مباحث۔

(۲) کتاب شناسی :

(الف) مخطوطات شناسی : موجودہ کمیاب اہم مخطوطات کا مفصل تعارف۔

(ب) مطبوعات شناسی : برصغیر پاک و ہند سے متعلق تاریخ، تذکرۂ اسلامی تصوف، ثقافت اور کتاب شناسی پر چھپنے والی کتابوں کا مختصر تعارف اور ان میں سے منتخب کتابوں پر مفصل تبصرہ

(۳) کتاب داری :

(الف) کتب کی حفاظت اور استفادہ کے مسائل۔

(ب) ذاتی کتب خانے اور ان کی تخصیص۔

چونکہ آپ کتابی مسائل پر صاحب نظر ہیں اس لئے مجوزہ منصوبہ پر آپ کی صائب رائے ہمارے لئے مفید ثابت ہوگی۔ ہم آپ کو کسی ایک موضوع پر لکھنے کی زحمت بھی دیں گے۔

رابطہ کے لئے :- (۱) اختر راہی۔ لوسر شرفو۔ براہ واہ چھاؤنی ضلع راولپنڈی

(۲) سید عارف نوشاہی۔ ۶-۴ ۔ اے سیٹلائٹ ٹاؤن۔ راولپنڈی

ٹیلیفون ۸۴۳۲۶۸ ۸۴۲۵۳۰۱

and to commit every species of enormity against their fellow subjects. Upon this I directed Mohaubet Khaun, a mûnsebdaur (or dignitary) of my court of the order of five thousand, to proceed immediately to that quarter, with twenty thousand horse of various descriptions, ten thousand camel-mounted matchlockmen, and two hundred elephants of the fiercest class. The origin of this mischief was Allahdaud Khaun, formerly mentioned, a personage of the first distinction among the Afghan tribes, who had withdrawn from my court without the slightest cause, and had now made his appearance in the neighbourhood of Kabûl. My instructions to Mohaubet Khaun, therefore, were, in the event of his being able to lay hold of this person, to send him at all hazard alive to court, in order that he might receive in my very presence the chastisement due to his ingratitude, and thus furnish to the world an example that none would be permitted with impunity to abscond from my presence on every vague and frivolous pretence.

Thus abruptly terminates the Imperial auto-biographer's Memoirs.

me the next morning that nearly ten thousand elephants, camels, and horses had perished during the night, belonging to the imperial stables alone, independently of what belonged to the army in general. Blessed be God, for the greatest heats of the dry season! for never, in the very hottest temperature, was there an instance of such extensive destruction at one time. The oldest and most experienced men present united in declaring, that in all they had seen at different times, and in every variety of season, it did not occur to them ever to have witnessed such severity of cold as that which this year had proved so destructive, on hill and plain, to so many animals of every description.

At the foot of the mountains of Kashmeir the snow fell without intermission for seven days and seven nights, and fuel of any description was not to be procured. The army was accompanied by fakeirs, or religious mendicants, in extraordinary numbers, and as they must have perished if not preserved by some immediate intervention, I ordered a lak of camels belonging to the imperial equipment to be employed forthwith in conveying such fuel as could be procured at a distance, to camp, and these fakeirs to be supplied from the very first convoy, otherwise their destruction would have been inevitable. I further directed that each mendicant should be furnished on the occasion with a vest stuffed with cotton, and a sheep-skin cloak.

As soon as the snowy weather had abated, I gave permission to such of the dignitaries and private stipendiaries as were so inclined, to return to Lahour; for it suited but little with my views to expose my people on any occasion to unrequired hardship. Then with such of my store department and artificers, and three hundred of those who usually attended my person, and who indeed were never separated from me, I continued my journey toward Kashmeir, the cold abating in a considerable degree as soon as we had passed the mountain frontier. There, among its saffron plains, I proceeded to amuse myself in hunting and shooting, and in excursions to different parts of this delightful valley, for the period of a month, at the expiration of which I adopted the resolution of returning to Lahour, which I was desirous of revisiting on my way to the metropolis. Seven years had now elapsed since I last left that city; and I had then given orders to throw down the principal towers, and to rebuild them of red hewn stone, in great part sculptured with the figures of different animals. I had moreover directed a four-walled garden to be completed on the banks of the Rauvy, in the neighbourhood of the town.

When I had, however, proceeded a day's journey from Kashmeir, intelligence arrived from Kabûl, stating that the turbulent and factious natives of that province had again thrown off restraint, and were beginning to infest the road

"Deprived of the roses of thy countenance, how deep, alas, the anguish of my soul!—Thy cruel loss has planted a thousand thorns in my bosom! Whilst thou wert present, the cheerful earth was like a garden of tulips; but the wounds of separation have transferred to my heart the blood-drop tints of that flower. For ever hidden from mine eyes is the dimple of that cheek: those eyes, the lustre of which has been so sadly dimmed with tears. How has the happiness which I enjoyed in thy society been changed to sorrow and sleepless anguish! Torn as thou hast been from my presence, whom have I left to share in my thoughts! Alas! none but the silent tear which lodges in my bosom. Directed by the hand of Destiny, the death-shaft has transfixed thee; but the wound inflicted by the same hath not left me unharmed. What rose in the garden was so blooming as thyself? Alas, that the death-blow should have so early scattered its leaves!—Far more dearly cherished than Joseph by his father; alas, that thou shouldest have thus early become the prey of the all-devouring monster! For the beauty that beamed on thy brows, an hundred and an hundred times, alas!—for thy kind and gentle manners, a thousand times, alas! The spring is come—in the garden buds the rose: to me, alas! the spring has only brought the plant of sorrow—the tree of mourning. The image of thy perfections is for ever stamped within my breast; the lustre of thy beauty will never be lost to mine eyes. Thy life was only budding from the germ; alas! that it should have been so prematurely blighted by the hand of death!—Alas, for thy love, thou star of the meridian of affection!—Alas, for thy blooming youth. thou cypress with the cheek of the rose!—Alas, that the narcissus in thine eye should have been so early quenched in death; that thy glowing cheek should have been so unseasonably lost in the clouds of everlasting night!"*

Without enlarging further on a subject to me so painful, I sent nearly a thousand of the best swimmers into the river, in the hope of recovering the lifeless body of the young Mirza, in order to give it the last mournful proofs of my affection; but all search proved in vain. What became of his poor remains was never discovered. But this is not all that I have to record of this fatal river. Impatient of restraint, the unreflecting multitude plunged in heedless throngs into the stream, and perished to the number of fifty thousand persons, not having the common sense to wait until the waters should have subsided. The cold on the banks of the river was, moreover, so severe, that it was reported to

 me

* These lines within the inverted commas might be safely omitted without embarrassing the subject; because, though pathetic enough in the original, they have rather a grotesque character in English.

and baggage to the opposite side; and others, who possessed horses of sufficient strength nd activity, cast themselves into the stream without reflection.

Thus it was that the son of Mirza Rûstum, a little boy scarcely out of his childhood. mistaking the ford, cast himself, with ten of his attendants on horseback, into the river, where the water was two spears length deep, and the current so impetuous as to overthrow the strongest elephants. In the middle of the stream the boy was thrown from his horse, and carried away by the torrent; and although every exertion was made by his attendants to rescue him from his watery grave, all was in vain, the poor child perished irrecoverably. The young Mirza had not the slightest knowledge of swimming; but even though he had possessed the greatest skill in the exercise, the force of the stream was such that it would have been unavailing. The ten men who endeavoured to save him also perished.

When the melancholy circumstance was made known to me, I can scarcely describe how deeply I became affected by it. The whole of that night I neither ate, nor drank, nor slept; for my regard for the poor child surpassed all ordinary measure of kindness. Most commonly, when I mounted my elephant, he was my companion, and, seated before me with the keeper's hook in his hand, usually guided the animal in his course. He was, indeed, endowed in every respect with a capacity far beyond his years. A period of six months only had elapsed, since I had married him to a daughter of Ettemaud-ud-Doulah,* with a marriage portion, amounting, in different articles, to the value of twenty laks of five methkaly ashrefies.† He seemed, in every respect, the reverse of his father, brother, and other relatives; and I had recently adopted him as a child of my own. In the severest terms I could express, I reproached his improvident father, for having suffered the child to enter the river on horseback; for which there did not appear the slightest apology, since he had an equipment of fifty or a hundred elephants in his own train. But there seemed to exist some fatal necessity that demanded a victim to be sacrificed of such surpassing purity and excellence. Doubtless this poor child might be justly said to be a second Joseph. Never have I mourned so deeply for the death of any one, as for that of the son of Mirza Rûstum. The following lines may furnish some faint idea of what I endured on the occasion:

"Deprived

* A half-sister, probably, of Nour Jahaun.

† At nine rupees to the ashrefy, this would be one krour and eighty laks of rupees; at fifteen rupees to the same, it would amount to three krour of rupees, or three millions sterling. I have not been able finally to determine which of these valuations is to be assigned to the ashrefy. The name would be exactly rendered in English by the word *noble*; a name not unknown to the English mint.

of gold and silver ashrefies and rupees among the people, to the amount of ten laks of rupees in silver, equivalent to thirty thousand tomauns of Irâk, and of two laks of ashrefies of five methkels, equal to one hundred thousand tomauns in gold.*

In this splendid array it was that Shahzadah Khoorum proceeded to the banks of the Rauvy, where a superb display of tents had been set up for his reception; and there he remained for the space of three days, distributing to the minstrels, the sons of song and music, and others who repaired to visit him, and to all according to merit, the most liberal marks of his bounty. On the fourth day he quitted Lahour, in order to return to my presence.

From Lahour to Hussun Abdal, where I lay encamped to await his return, is a distance of five ordinary days' journey.† This, by stationing relays of fresh horses, he performed in one day and a night, thus presenting himself to me within the ten days' absence which he had obtained for his excursion. On this occasion, when he had performed his kornesh (or salutation of homage) before me, his present consisted of jewels to the value of twenty laks of rupees, with three hundred horses of Arabia and Irâk, one thousand despatch camels, and five of the noblest class of elephants, each of the value of three laks of rupees. In return, I raised him from the order of forty thousand, of which he was already in possession, to that of forty-five thousand. I remained at Hussun Abdal for a week, during which, at an entertainment, I presented Shahzadah Khoorum with a chaplet of pearl, which had cost in the purchase the sum of eight and forty laks of rupees.‡

When I gave orders for the march from Hussun Abdal a heavy fall of rain occurred, which continued without intermission for three days and three nights; at the termination of which the rain ceasing, we proceeded to Kalanour, where, however, the river was so greatly swelled by the rain, that the passage of the imperial troops was found impracticable. The next day I gave orders that all classes on their arrival should remain stationary until the flood in the river should abate, when they might proceed to cross without hazard. Nevertheless, all who were in possession of the largest sized elephants ventured to pass their people

T and

* If this statement be correct, two laks of ashrefies would be equal to Rupees 3,333,333⅓, the half of which being rupees 1,666,666⅔, would give something more than sixteen rupees to the ashrefy. I had been told in India, that the ashrefy and the gold mohr were the same thing.

† Hussun Abdal is a considerable distance to the west of Kalanour, and the Emperor must have gone far out of his way, and then returned to the latter place, which is more in the direct road to the pass of Bember.

‡ Nearly half a million sterling.

since he last saw the place, and he was desirous of embracing the opportunit to view the progress of the new gardens, buildings, and other improvement which I had ordered for its embellishment. He engaged at the same time t rejoin me on the march before I should have entered the mountain passes.

As I could have no objection to grant such a request, and I was desirous tha his visit should be conducted with sufficient splendor, the prince was directed t take with him two hundred camels loaded with enriched caparisons, girdles kreisses, swords, and head-pieces, minns,* and amberstands, and a variety o other articles, all enriched with pearl and precious stones; all of which, on hi arrival within a certain distance of the city, he was to deliver to the kotewaul, o civil governor of the place, together with as much as loaded a thousand camel more in cloth of gold of Khorassaun, velvets from Gújerat and Kashaun, an piece-goods of the most delicate fabric, all taken immediately from my ow equipment stores. The inhabitants of Lahour were directed to afford ever assistance towards rendering the reception of the prince on this occasion as mag nificent as possible, by decorating the streets and bazars with gold woven carpets figured draperies or tapestry, both European and Chinese, and canopies also o cloth of gold, both within and without the city, to the distance of nearl four kôsse. All this the kotewaul was to keep in readiness for the space of four o five days.

From Allumgunje, which is at the entrance of Lahour, and where Súlta Khoorum was to mount his elephant, he was to be preceded by three thousan elephants of his own train, all arrayed in trappings of gold and velvet empow dered with pearl, the gold alone on each elephant being of the weight of fiv maunns of Hindûstaun; next were fifteen hundred horses of the breed of Arabi Irák, and Badakhshaun, all in similar rich and sumptuous caparisons, and eac led by a separate groom. Behind the prince were to follow forty elephants bea ing the nuggaurah khaunah, or band of kettle-drums, and immediately befo him were to be eighty horns and fifty trumpets, rending the air with the din martial music; the whole being closed by a column of twenty thousand hors clad in quilted mail, with silken tassels at the end of their lances, and all the horses with ornamental breast-pieces, housings of panther and tyger skins, a tails of the sea-cow suspended to their necks; and in this splendid array was be the procession through the streets and market-places of the city. The wh of the way by which the dûltaor passed accordingly, for the distance of f kôsse, from bags of money deposited in the howdah of the elephant on which rode, he continued to scatter, every now and then, on each side of him, hands

* Tchaur ayenah, perhaps glass lanterns.

fourteen years past, has remitted the impost of the zekkaut, dared to insinuate the advantage of renewing such a tax, and thus bringing upon the benefactor of his people afresh the odium of being their oppressor. Let this be an example to deter the evil counsellor from communicating the slightest hint to give the thoughts of the sovereign a direction so replete with evil to the subject and dishonour to himself.*

It must indeed be considered fortunate, that in this age few men can be found so sordid in principle and expectation, as from the prospect of advantage to themselves, to implicate the sovereign under such a load of guilt and responsibility, from whom alone, on the awful day of reckoning, the account will be required. And what in gold or jewels, or property of any description, have I lost, that I should venture to reimburse myself in the earnings of the abstinent and industrious merchant—earnings accumulated through a thousand risks, and by so many distant and toilsome journies? An act of such crying injustice could the everlasting God suffer to pass unpunished? Leaving the issue to God," says the maxim, "be thou the shepherd of his people." There are two faculties of which the Macedonian himself was scarcely master:—"Discard the absurdities of human vanity; this is the ark of knowledge.—Study the knowledge of thy kind; not the patchwork mantle of the devotee.—In a life so transient, suffer not thine exertions to sleep.—Let thy time be so devoted, as to insure the approbation of thy Maker.—Humanity is the essential science, united with valour and beneficence.—If thou hast not these, thou art no more than a statue in the shape of a man.—Thou hast not put in practice the hundredth part of the dictates of science.—If in the study of philosophy thou hast neglected the duties of thy kind, thou art nothing better than a barren branch.—With much labour and exertion only can a man arrive at distinction.—How canst thou obtain the palm of virtue, if thou art the slave of sensuality.—If thou art desirous of the elixir of eternal happiness, know thine own merit; this is the true red sulphur—the powder of transmutation."

When I had passed a week in every species of enjoyment in these gardens, I sent for Khojah Weissy, and with one of my own dresses presented him with thirty thousand rupees in money. I then quitted Sehrind, and proceeded on my way towards Kashmeir, the saffron meads of which I so ardently longed to visit. Having arrived within three days' journey of the city of Lahour, my son Khoorum communicated a request, that he might be allowed an absence of ten days, for the purpose of visiting that noble city, a period of two years having elapsed since

* As the exemption from zekkaut took place either at or soon after the accession of Jahangueir, the excursion to Kashmeir is clearly fixed to the fourteeth year of his reign.

inhabitants of Sehrind, quitted my presence accordingly; and shortly afterwards re-appeared, bringing with him the whole of the gold, loaded on five hundred camels, each load in wrappers of the finest scarlet of Irák. I ordered ten of the loads to be indiscriminately distributed among those who were present, and the remainder to be lodged in the treasury; after which I desired him to withdraw for the present, and to appear before me again on the ensuing morning, when the patent of his appointment would be delivered to him.

The next morning, before the sun was well up, the collector, arrayed in his gayest apparel, with a chaplet of pearl about his neck of the value of a lak of rupees, and his bosom full of hope and expectation, came to do homage for his appointment. I requested to know whether the whole of the gold which he had placed at my disposal, as the purchase of his office, was exclusively his own property, or whether it belonged in part to other Hindûs, who would have a share in the profits of his employment. He explained to me in answer, that while in the agonies of death, his father had disclosed to him that in a certain secret place under ground he had concealed in large jars a mass of treasure, which in the hour of distress he might employ to relieve himself. "Sire," said he, "than what I have paid into your highness's treasury for my appointment, there is still left in the subterranean more than double the quantity, and there was therefore not the smallest necessity for bringing discredit on my name by borrowing.' I could scarcely believe what I heard, and I bluntly told him that I thought he had advanced a falsehood; but if what he said was really true, he could have no objection to point out the spot where this treasure was concealed to Saadek Mahommed Khaun, one of my bukhshies. Without a moment's hesitation he conducted Saadek Mahommed to the place where this enormous treasure lay in deposit: and having so done, both returned to my presence. I considered that I was warranted in retaining for my own use what he had voluntarily placed at my disposal; but it would have been an act of unjust violence if I had taken possession of that which remained in the excavation beneath his house, to the manifest injury of his children.

In these circumstances, I ordered a camel to be brought to my presence, and sending for Nour-ud-dein Kûly, I told him that the dress of the Hindû, with the valuable chaplet of pearl which encircled his neck, was all his own. But he was to conduct the unhappy man to the outside of the town, where he was to cause his bowels to be cut open, after which he was to be fastened to the side of the camel, and so carried round the camp, while a proclamation was made to the following purpose: "Such is the punishment to which that man is doomed, who when his sovereign, from a paternal regard to the welfare of his people for a period of fourteen

that on entering the garden I found myself immediately in a covered avenue, planted on each side with scarlet roses, and beyond them arose groves of cypress, fir, plane, and evergreens, variously disposed; but, what is scarcely credible, all this had been completed in the short space of forty days. Passing through these, we entered what was in reality the garden, which now exhibited a variegated parterre, ornamented with flowers of the utmost brilliancy of colours, and of the choicest kind. In the midst of this open parterre was a noble basin or reservoir of water, and in the centre of this piece of water was an elegant and lofty pavilion, of eight sides, capable of accommodating two hundred persons with convenient sitting-room, and surrounded by a beautiful colonnade. It was, moreover, two stories high, and painted all over within with every description of figure delightful to the eye. The reservoir was faced all round with hewn stone, and nearly two thousand water-fowl sported on its bosom. The infinite variety of flowers and flowering shrubs which bloomed on the parterre was not less delightful to the sight than bewitching to the smell: and as some acknowledgment of the gratification which I had experienced, I raised the same Khojah Weissy, on the spot, from the order of seven hundred to that of one thousand horse.

The day after my visit to these gardens, a circumstance occurred which I cannot pass without notice. It was stated to me that the collector of Sehrind had in his hands a petition which he was anxious to present to me, and I directed that he might be immediately sent for. The petition expressed that this collector did not entertain the design of interfering in any way with the property of the Moslems; on the contrary, his object was confined to the fixing of a fair and equitable assessment upon the wealth of the opulent Hindûs. For this purpose, if I could be prevailed upon to issue an ordinance in conformity with his views, he would engage to make good to the imperial treasury the zekkaut of the empire, such as it was in the time of my father Akbar, to the amount of three maunns of gold a day; and, moreover, that he would pay in advance the assessment of three whole years, amounting to not less than thirteeen hundred maunns of gold.* When I had heard with attention what he had further to say on the subject, I desired him to go and bring me the money, in order that I might bestow upon him the employment for which he seemed disposed to make such enormous sacrifice. The collector, who was known to be among the most opulent of the inhabitants

* One lunar year's assessment, at three hundred maunns a day, would be 1,062 maunns; and an assessment of three years would amount to 3,186 maunns of gold, or about forty-four tons and six hundred-weight. Three hundred camels, with a load of three hundred each, would bring forty-five tons, which at sixty-three guineas to the pound-weight of gold, would be equal to 5,670,000 guineas.

from the camp of Abdullah Khaun above-mentioned, that commander had neglected to pay him that visit of respect, to which as my son he considered himself entitled. I informed him, however, in reply, that in omitting to throw himself in the way for the mere purpose of flattering his vanity, Abdullah Khaun had acted in strict conformity with his allegiance as a dutiful subject: for had he done otherwise, most assuredly he would have been sent to atone for his officiousness and folly by an imprisonment of thirty good years in the castle of Gualiar. Neither can I omit to observe that, however Shahzadah Parveiz may have been offended, there was nothing in the mere gratification of a childish vanity to justify the smallest delay in the march of Abdullah Khaun, whose conduct was governed by the strictest propriety.

While I remained in the precincts of Dehly, at the period to which I shall now return, they described to me a species of feathered game, with tails of a particular description, and the flesh of which was of a flavour in the highest degree delicious. But what more particularly attracted my curiosity was, that they spoke a language known to none but to the natives of Kashmeir, who, by using a sort of note or call, took from them the power of flight; and who were thus able to catch them by thousands at a time. On a plain in the neighbourhood, frequented by thousands of these birds in a flock, by way of experiment, I employed about a thousand of the Kashmeirians accustomed to the business, to give me a proof of their skill, and I attended in person to view the sport. As had been represented to me, about twenty of the Kashmeirians collected together, and produced a sort of murmuring sound, which attracting the attention of these birds, they were drawn by degrees within such a distance of the men, that they were taken in entire flocks. My pity was greatly moved by the reflection that these harmless birds should have fallen victims to this sort of treachery; that they should have been betrayed into the hands of the destroyer by their irresistible love of harmonious sounds, and that I should be found capable of consigning them to slaughter from a mere idle and vicious curiosity; the next day, therefore, I caused the whole, to the number of twenty thousand birds which had been taken on the occasion, to be set at liberty. My object was obtained in witnessing the fact, but to have seen them slaughtered would have bespoken a want of compassion foreign to my nature.

On my arrival at Sehrind, I visited the gardens of Khojah Weissy, constructed some time before by my directions. This person, distinguished not less for his skill in architecture than for his taste in laying out gardens and ornamental grounds, had indeed, in the present instance, exercised his judgment with such complete success, as to afford me the utmost delight. In particular I must describe

tha

whose abode was at Dehly. Upon this proof of the faculty which he possessed of diving into the minds of man, my faith in his piety was increased an hundred-fold. I turned round on the spot towards the cell of the recluse, and prostrate on the earth, besought the influence of his sacred character, to strengthen my energies for future exertion.

One circumstance more and I shall dismiss this subject altogether. When I returned to the imperial encampment, after quitting the abode of the recluse, it was communicated to me that the son of Khaun-e-Douraun had dared to turn into ridicule my conduct on this occasion. "How childish," said he, "in the emperor, to be magic-blinded by his visit to this canting derweish!" I must here observe, that if I had not received the proof to which I have referred of his power of penetrating into the secrets of the mind, the miracle of the golden shower would have found but little credit with me; but the disrespectful language in which this person presumed to express himself could not be entirely overlooked: I therefore commanded that one side of his head and face should be flayed of the skin, and in that state he was led round the encampment, proclamation being made at the same time that such was the punishment which awaited those who dared to apply disrespectful language to him, who was at once their sovereign and benefactor. My severity on this occasion seemed to be further warranted by the fact, that this same son of Khaun-e-Douraun, on a previous visit to the derweish, had demeaned himself very contemptuously; and the derweish resenting such conduct, ventured to tell him that he should not go so far as to take his head, his youth and rashness being beneath his notice, "but," said he, "I will have thee scalped." And thus was the saying of the derweish pointedly fulfilled. In truth, persons of this description have at all times a claim to our respect; for although devout and pious men possess no claim to be considered as divinities, yet are they not very far apart from the Deity.

At Muttra my son Parveiz separated from the imperial army, and proceeded by my orders to his government of Allahabad. At first, as in the case of others, he had been invested with the order of two thousand, but I had finally advanced him to the commandery of twenty thousand horse: and here I think it no more than strict justice to record, that whether present or absent, never on any occasion have I experienced from him the slightest cause of offence; and I cannot therefore but express my earnest hope, that in all his pursuits he may experience the full attainment of all his wishes. One very trifling exception I may be allowed to introduce. Soon after his departure on this occasion, he conveyed a complaint to me, that having arrived at the distance of two marches

which consumes the broken-hearted. Be not at one time a trifler, at another grave. Art thou full? give not words of wind. Be not evil-minded lest thy words be evil; be not slanderous if thou wouldst avoid a name of reproach." When he had concluded his recital he said, "let thy treatment of thine eldest son be something better than he has recently experienced, for he is destined to be thy successor."*

In about an hour afterwards the evening closed in upon us, and one of the derweishes in attendance gave the call to prayer. Some tapers were lighted up, and the venerable recluse proceeded to the performance of his devotions, bending his body at intervals eight times to the earth. Immediately afterwards five of the ministering derweishes entered, and stood in an erect posture before their principal. The latter raised his hands towards heaven, and he had scarcely commenced this act of adoration, when all at once a shower of gold from the sky, in laminæ† of about one methkal in weight, fell upon his head which when collected together amounted in the whole to the value of seven hundred ashrefies. This he divided into two equal parts; one of which he presented to me, with the desire that for a blessing upon my treasury it might be distributed among my officers of revenue; the other he shared among the derweishes present at our conference. Having attentively witnessed all that passed, I did not omit to apprize the recluse, that I should endow his cloister with the assignment of a village producing an annual revenue of fifty thousand rupees, for the subsistence of the devout men who attended upon him. "Apply this money," said he, "to the support of those whose reliance is upon human charity; I need it not, for the things of this life are no longer objects either of care or anxiety to me."‡

Without enlarging further on the subject, I took leave of the recluse; but when I had proceeded a short distance from the cave (or perhaps grotto) in which he resided, the thought occurred to me that I ought to have kissed his hand on departure: and at the very instant the idea was crossing my mind, one of the attendant derweishes came from his principal, with his salutation of peace to say that he was aware of my thoughts; that he had accepted of the will for the deed, and that it would be inauspicious to return upon my steps after proceeding so far. He had only one further request to make, that for his sake I would extend my particular protection to a certain derweish of his acquaintance whose

* The derweish proved a false prophet: the elder son, Khossrou, was assassinated by his brother Khoorum, afterwards Shah Jehan.

† Mûtellees is the word in the original: 'flattened pieces or flakes.'

‡ This passage is given in a great measure from conjecture, for the manuscript here, as well as elsewhere in many parts, is written with great negligence and obscurity.

that part of my harram left in the metropolis. His son-in-law, Baba Meiret, a brave old man, who had eminently signalized his courage on many occasions, but particularly on the frontiers of Kabul, where he received ten separate wounds, although not before he had contrived to strike off forty of the enemy's heads, was now selected by me to discharge the duties of kotewaul (or prefect of police) of the city of Agrah.

In quitting the metropolis on the present occasion, on board of my flotilla on the Jumnah, I was accompanied by four hundred of the inmates of my harram. Occasionally we came to a spot which furnished game and sport of different kinds, and here I usually disembarked to amuse myself in hunting or shooting; the army which was to accompany us into Kashmeir proceeding all the while on a parallel line, at the distance of three farsangs from the banks of the river.

In our voyage up the Jumnah, when we reached Muttra, which is a celebrated sanctuary of the Hindûs, it was reported to me that there lived in the neighbourhood, where he had resided for twenty years, a noted derweish, or recluse, on whose head, it was stated, there fell every Friday evening throughout the year, from the skies, a shower of gold of coined ashrefies of two methkals each, to the number of five hundred ashrefies. As this was a miracle to which I could not immediately give credit, I determined to ascertain the truth, and for that purpose proceeded to visit the derweish. When I approached the hermitage or cell where he had taken up his abode, I found about four hundred of his disciples clothed in skins, and seated in ranks round the entrance. One of them had previously announced my approach. When I entered the abode of the recluse, which appears to have been a sort of cavern, he did not attempt to move, neither did he offer me the usual salutation, nor the slightest mark of respect in any way whatever. Having, however, made my salaam to him, and otherwise testified my humble respect, I endeavoured by all the mildness I could assume to bring him into conversation. At last he condescended to open his mouth, and his first words were these: "I serve that king who sustains, rambling about the earth, many such kings as thou art." To this observation I replied by a request that he would favour me with something that might remind me of the admonitions of the wise and good. "Strive for the repose of God's creatures committed to thy care," said he, "and do thy pleasure, for the virtue of this will be a cover to thy sins. Be not offensive. In the agents whom thou mayest employ in the different provinces of the empire, be it thy study to reject such as are tyrannical and rapacious. Whilst thou hast power, cherish and respect the grey beard and the derweish.' He then recited six lines of poetry of which the following may be the substance: "Scoff not at the aged man weighed down by the hand of affliction; kindle not the flame

S which

placed at his disposal was thus completed to thirty thousand cavalry of the four-horse class, and ten thousand camel-mounted gunners.

It was not long before Abdullah Khaun found himself in presence of the rebels; who with apparent resolution, and a force little less than one hundred thousand horse and foot. of every description, prepared to give him battle. The advanced parties commenced the action by a discharge of rockets and matchlocks; while Abdullah Khaun, having detached his brother to make an attack from an unexpected quarter, with his own division charged the enemy in full career directly in front. Twenty thousand of the rebels fell in this charge; and the remainder taking flight in dismay, crowded into one of their forts (probably that of Kanouje), from the walls and towers of which they opened a fire of artillery and musketry upon their pursuers. Without regarding the briskness of the fire thus kept up by the enemy, Abdullah Khaun with equal gallantry and presence of mind determined to storm the place; and the cavalry emulating the courage of their general, each horseman alternately springing forward, with invincible resolution, to take the place of his comrade as he fell, the principal gateway was at last carried; and ten thousand more of the rebels falling in the defence, their commander fell alive into the hands of the assailants.

The cap, or tiara, of the chief, containing jewels to the value of twenty laks of rupees, and ten thousand of the heads of the rebels, fixed on spears, with all the commanders who were taken alive, were conveyed to my presence, Abdullah Khaun remaining in full possession of the subjugated districts. To deter others from the commission of similar acts of rebellion towards their sovereign, and of ungrateful perfidy towards their benefactor, I directed the bodies of the slain who fell in the defence of Kanouje, to the number of ten thousand, to be suspended from trees with their heads downwards, on the different high roads in the vicinity. And here I am compelled to observe, with whatever regret, that notwithstanding the frequent and sanguinary executions which have been dealt among the people of Hindûstaun, the number of the turbulent and disaffected never seems to diminish; for what with the examples made during the reign of my father, and subsequently of my own, there is scarcely a province in the empire in which, either in battle or by the sword of the executioner, five and six hundred thousand human beings have not, at various periods, fallen victims to this fatal disposition to discontent and turbulence. Ever and anon, in one quarter or another, will some accursed miscreant spring up to unfurl the standard of rebellion; so that in Hindûstaun never has there existed a period of complete repose.

At the period of which I am speaking, I appointed Lushker Khaun to the government of Agrah, and the superintendence of its castles, together with that

exterminated root and branch. Moreover, it was understood that the territory of the Mugs was the resort of great numbers of the very finest elephants, of which as many as could be laid hold of, they were instructed to convey to my presence.

In one month after my departure from Agrah I entered Dehly; and here it was my lot to receive information from Kanouje, that certain of the misguided people in that neighbourhood had raised the standard of rebellion, expelled the officers of my government from several of the purgunnahs or townships in that quarter, and evinced in other respects the most turbulent, refractory, and hostile designs. One of the ablest and bravest men about my court was Abdullah Khaun, and him I now determined to employ, in order to reduce these insolent rebels to their duty. In passing his troops in review before me, it was however observed that he had no elephants suited to the services of a campaign, and I therefore presented him with five of the largest class. I added to these three horses of the breed of Irâk, together with two thousand camels of the fleetest kind, and a donation of ten laks of rupees, all of which to give him a competent equipment, and enable him with the greater confidence to proceed against the insurgents.

We are told by a maxim founded on experience, to beware, when in the season of action you send your generals to the jaws of danger, that you distribute to them liberally the marks of your bounty, in gold and horses, and the other appendages of grandeur, so that nothing may be wanting to encourage them to prosecute the services of the state with vigour and devotion. It happens too frequently that the agents of government shall waste the resources of the districts intrusted to their care in improvident extravagance and luxurious indulgence; and hence it comes to pass, that when the hour of trial arrives they are equally lost to themselves and to their duty. If then at the very crisis of danger I should be induced to withhold my bounty, the manifold evils that must befal the people, whom I may unfortunately have placed at their discretion, in every species of tyranny and misgovernment, would be beyond all endurance; and at the awful day of retribution what a dreadful responsibility would rest upon my shoulders! When therefore emergencies of danger arrive, there is but one alternative—you must disburse your treasure, though it require a houseful of gold.

The next time that Abdullah Khaun passed in review, he communicated the request that his brother might be permitted to join him; considering, as he alleged, should the enemy assail him with a force so superior as to risk some disastrous failure, that the support of so near a relative would be of the utmost consequence. His brother was a commander of the order three thousand, and a request so reasonable could not well be resisted; and the force which was placed

ment had come upon Kaussem Khaun when he was totally unprepared; that his exertions to assemble a fleet and army had been anticipated by this king of the Mugs, by whom he had been surrounded on every side; and that having been severely wounded in four places, he had been defeated with great loss, and finally compelled to abandon his troops to their fate. He had however contrived to throw himself into one of the fortified towns of the province, which he was determined not to surrender to the enemy.

On receipt of this untoward piece of information I directed Mokurreb Khaun, Vezzeir Khaun, and Shujayet Khaun, each of them dignitaries of seven thousand, and each of them victor in a variety of sanguinary conflicts, with sixty thousand veteran Ouzbek horse, which I placed under their orders, three hundred pieces of artillery, and twenty thousand matchlockmen on foot, to proceed immediately to the relief of Kaussem Khaun. The three commanders had my instructions, should the force of the enemy on their arrival in Bengal appear beyond all proportion superior, to apprize me without delay of the fact; and that my son Parveiz should, if necessary, hasten to their support, with one hundred thousand cavalry placed at his disposal.

Before they reached Mauldah, however, the three commanders received intelligence, that having at last assembled the ameirs from every quarter of the province, a circuit of six months' journey in extent, Kaussem Khaun with one hundred thousand horse and foot, all with fire-arms and inured to battle, had attacked the enemy, elated as they were with success, on four sides at once; and that having killed thirty thousand of these ferocious invaders, the rest had taken to flight, eagerly pursued by the conquerors. The latter followed the enemy into their own territories, where they made captive forty thousand boys and girls, the children of the fugitives; and these, together with the heads of the thirty thousand slain, were forwarded to my presence in the course of time. In acknowledgment of this eminent piece of service, I advanced the dignity of Kaussem Khaun by the addition of a thousand horse, conveying to him, at the same time a girdle, sword, and jeighah, set with precious stones, a charger with enriched caparison, and an elephant which had been purchased for my own imperial train at the price of not less than four laks of rupees.* I sent him, moreover, a complete dress taken from my own private wardrobe.

The three detached khauns having proceeded so far to the support of Kaussem Khaun, they were now further directed to enter the country of the Mugs with their united force, and I entertained but little doubt that, with God's grace and the influence of my victorious destiny, the power of the enemy would soon be exterminated

* £40,000 appears an enormous sum to be paid for an elephant; this must, therefore, have been a gross error in the copyist.

the natives of that province. The four brothers passed the goblet round accordingly, and in the height of exhilaration began to embrace and kiss each other. However, in conclusion, throwing himself at my feet, Parveiz acknowledged the unspeakable gratification of the moment; but he said there was still one thing wanting to render their happiness complete. He and two of his brothers, he said, were in possession of the several dignities of forty, thirty, and twenty thousand horse. and if a corresponding dignity were bestowed upon their elder brother, every remnant of regret would be effectually removed. The fraternal intreaties of Parveiz finally prevailed, and I granted to Khossrou the patent of an ameir of twenty thousand. In this I could not but consider, that after me the imperial dignity must of right devolve upon Shahzadah Khossrou, it being a maxim in the Teymûrian family, that while the eldest born is living, the monarchy shall never pass to a junior. Under every consideration, I therefore gave him full pardon for his offences, and restored to him all his honours, allowing him the range of ten and twenty days' journey round the metropolis, for his hunting parties and other excursions of amusement. Upon a wholesome male progeny, indeed, rest the sure permanence and stability of sovereign power; and an opposite treatment would have been as inconsistent with sound policy, as it would be unworthy of the authority which I hold.

About the period of which I have been speaking, the design of visiting Kashmeir and its blooming saffron meads took possession of my mind, and I issued orders for the construction of four hundred vessels such as are employed on the Ganges and Jumnah, it being my intention to proceed by water, at least to the foot of the mountains. In the course of two months these were completed, all with awnings and curtains of elegant materials and workmanship. A sum of ten laks of rupees was also advanced to Nour-ud-dein Kûly Beg, for the purpose of being applied to the clearing away the forest thickets, and to the erection of bridges across the rivers, where necessary, to facilitate the passage of the imperial armies.

My residence at Agrah had now continued for several months without interruption, and I had proceeded thence the distance of a day's journey along the river Jumnah upwards, on my way to Dehly, when intelligence was brought to me that the king of the Mugs,* with an army of two hundred thousand men, all of them carrying fire-arms, had landed in Bengal from the seaward, and unexpectedly attacked Kaussem Khaun, who commanded in the province as the lieutenant-general of my son Sûltan Bukht. The report, moreover, added that the enemy had in his fleet of ghraabs a formidable train of heavy artillery, and implements of combustion beyond all calculation; that this formidable armament

with diamonds, a horse with enriched caparison, and the elephant Kohpârah, for which my father had paid no less a sum than four laks of rupees, and which had hitherto always belonged to my imperial retinue, with a seat or houdah fitted to its back at the expense of nearly thirty laks of rupees,* equal to ninety thousand tomauns of Irák.

In order to complete what was requisite to support the splendour of his rank as a prince of the blood, I conveyed to him, moreover, two hundred and three horses of the best breed in the imperial stables, and I directed that the ameirs of every rank that might be disposed to pay him their respects, should not approach him without a suitable present; and all were commanded to attend him on foot, from the place of his confinement to the Dohrrah Bâgh, the distance of a quarter of a farsang, with the exception, as in the case of Sûltan Parveiz, of Ettemaud-ud-Doulah. Such was the display of magnificence and returning royal favour with which, after he had been discarded from my presence for a period of fifteen years,† I admitted Khossrou to do homage to my person.

When he approached the audience-chamber, and appeared in sight at some distance from the throne, he burst into a flood of tears, and repeatedly prostrating himself on the floor, so continued to do until he came close up, when placing his head at my feet, he there remained, without attempting to raise it up, for a full hour, although frequently importuned by me to look up. "With what face," he exclaimed, "can I raise mine eyes to my royal father's countenance? For an offence so heinous as that of which I have been guilty, how can I presume to ask forgiveness?" After shedding a profusion of tears, however, he at last arose, and in some verses expressive of his deep distress, implored my clemency for the past, and my indulgence for the future. Having so far testified his bitter remorse, he again bowed himself to the earth, and then, in an attitude of the utmost humility, standing before me with his hands across his bosom, he repeated, that he could never sufficiently atone or abate his sense of shame for his conduct, though night and day were consumed in endless regret in my presence.

I now ordered a jar of wine, and a goblet inlaid with precious stones, to be brought in, and directing my four sons, Khossrou, Khoorum, Parveiz, and Sheheryaun to seat themselves together, called upon them to circulate the goblet one to the other, while I looked on aloof, to witness this new scene of harmony and reconciliation. My fifth and remaining son, Sûltan Bukht, was at this time absent in Bengal, employed in suppressing the turbulent and disaffected among the

* £300,000. But £40,000 for an elephant must surely be an exaggeration.

† This fixes the date to the sixteenth of the reign of Jahangueir, about A. D. 1621 or 1622.

nature of the articles which composed his superb present to me. Eighty trained elephants of the highest value; two hundred horses of the best breed of Irâk, with their caparisons wrought in gold; one thousand camels of the dromedary sort, chosen for their speed; a number of the large white oxen of Gûjerat; four hundred trays of gold brocade, velvet, satin, and other pieces of manufacture of the rarest fabric; and twelve trays of jewels, consisting of diamonds, rubies, pearls, and turquoises; altogether, according to the schedule, being equivalent to the magnificent sum of four hundred laks of rupees.* On my part, throwing round his neck a chaplet of pearl of the value of ten laks of rupees, I raised him at once from the order of ten thousand to that of thirty thousand horse.

About a month subsequent to his arrival at Agrah on this occasion, Parveiz surprised me one day, by appearing before me with a napkin fastened round his neck, and casting himself at my feet, breaking out into the bitterest expressions of sorrow. Something astonished, I demanded with paternal solicitude what it was that he would ask—what was the cause of this paroxysm of grief, and what it was that he had to complain of? He replied, that it was beyond his endurance longer to reflect, that himself and his three brothers should be passing their lives in hunting, and in every species of amusement, indulgence, and ease, while one brother, the eldest of all, was condemned now for the fifteenth year to drag on a wretched existence in the solitude of a prison: it was not the lot of humanity to be entirely blameless; but in all circumstances, clemency was the peculiar and most becoming attribute of kings. His humble prayer therefore was, that I would at length grant to this brother my full pardon, release him from his melancholy confinement, and restore him to an exalted place in my royal favour. I found it no easy matter to parry this very urgent supplication, and I therefore demanded if he was prepared to be responsible that the unhappy Khossrou would never again commit himself by the same disloyal and refractory conduct; in which case alone I might, perhaps, be persuaded to set him once more at large. Parveiz immediately committed to paper a few lines, in the nature of a surety bond, and I accordingly signified my assent to the release of Khossrou.

That this might be done with all due formality, I directed a grand entertainment to be prepared in the Dohrrah Bâgh, formerly mentioned; whither on a day appointed I repaired from my palace at Agrah, and from thence I despatched Assof Khaun and Khaun-e-Jahaun with instructions, after giving him some requisite admonition, to bring Khossrou out of his prison. In the mean time I sent him from my own wardrobe a complete dress, with girdle and jeighah set

 with

* £4,000,000, at a moderate computation of two shillings to the rupee.

Ettamaud-ud-Doulah, who, after paying his respects on foot, was to remount without further ceremony. Thus not much less than twenty thousand of the most distinguished individuals of my court and army were sent to conduct the prince to my presence, with orders to lodge him on the evening of his arrival in the Gûlafshaun garden (the rose-shedding).

On the ensuing day I gave directions, that between the castle of Agrah and the garden where the prince had taken up his residence for the night, and which is at the distance of half a farsang from the castle, there should be stationed at regular intervals twenty nuggarahs or bands of music, to sound the strains of triumph at his approach. At the same time the greater part of the inhabitants of the city, both male and female, in their gayest apparel, proceeded to meet the Shahzadah. Three thousand of my finest elephants, in their richest caparisons of pearl and gold, were drawn out on the road by which he was to approach. Lastly, I sent him a dress of honour from my own wardrobe, with the cincture set with diamonds from my own waist, of the value of four laks of rupees; the diamond jeigha, or aigrette, from my own turban, of the value of one lak, and a chaplet of pearl of the value of five laks of rupees. But this was not all: I intimated that every individual person of my court, of whatever degree, desirous of evincing his attachment to me, each according to his ability, should make a present of some value to the Shahzadah; and by an account subsequently laid before me, it appeared that he received on this occasion, in consequence of such intimation, in gold and jewels, horses and elephants, what amounted in the whole to the value of two hundred laks of rupees.*

In the course of the day they conducted Parveiz across the Jumnah into the castle of Agrah, where he was led immediately into my presence. The moment he came in sight of me, and yet at some distance off, he laid his forehead to the floor, and thus seven times repeated his prostrations until he nearly approached my person. After the seventh he stood erect before me, with his hands crossed upon his bosom. It was now that I directed Saadek Mahommed Khaun and Khojah Abûl Hussun, one of my Bukhshies, to support him, one at each shoulder, up the throne, in order to kiss my feet; and this done, I desired him to take his seat at my right hand, my son Khoorum being on this occasion seated on my left. I then gave orders that the palace of Mohaubet Khaun should be cleared for his reception: that chief being absent at the time employed in quelling some disturbances on the frontiers of Kabûl, and his family being by my directions removed to another place of residence.

On the day following Parveiz came to pay the ceremonial visit of homage, on which occasion the following enumeration will exhibit a tolerable view of the nature

* Equal to £2,000,000.

is formed into the shape of a dome, and is also covered with squares of solid gold, the ceiling of the dome within being decorated with the most elaborate figures of the richest materials and most exquisite workmanship. The adjoining tower is a structure of four stories, all decorated in the same costly manner as I have just described, and is from top to bottom of an octagonal shape. Annexed to this latter structure is a small gallery overlooking the Jumnah, from whence, when so disposed, I have been accustomed to view the combats of elephants, neilahgaos, antelopes, and other wild animals. In another story in this building, more on a level with the river, I occasionally distribute to the ameirs of my court, in social communion, wine from my own goblet; and in this same gallery it is that those entitled to particular privileges are admitted to a seat in my presence.

There is, however, another saloon of general audience, to which all classes of the people, high and low, without exception, are admitted to my presence; but in this a recess is parted off by a lattice-work of gold; and at the front of the hall is formed an area, in which is erected a mohidjer (or balustrated stage perhaps) of the height of a man from the ground, also of gold, where the most distinguished members of my court, princes of the blood, and nobility from the rank of one thousand to that of five thousand, are appointed to take their stand on occasions of state and ceremony. The area is covered all over with carpets of thirty and forty cubits, and above is a triple canopy of velvet wrought with gold, as a protection against the rays of a meridian sun. The lattice-work and platform are both of solid gold, and so contrived as to be easily taken to pieces, for removal from place to place, always forming a part of the imperial equipage or equipment, ready to be set up whenever necessary. I shall only add, that the quantity of three thousand maunns of gold* was expended in the fabrication of this article of the imperial appointments.

Having now taken up my abode at Agrah for a permanence, I despatched a message to Allahabad, requiring the presence of my son Sûltan Parveiz, whose head-quarters were at that station. Accordingly, when information reached me that he was arrived within a day's journey of Agrah, I commanded the whole of the ameirs and dignitaries of the empire to quit the city, and proceed to meet him, in order to form his escort to my presence. The instructions of ceremony which I gave them on this occasion were as follows:—when they came within the distance of a bow-shot of the prince and his retinue, they were to dismount from their horses and to salute him on foot, and so continue until they had his permission to remount: but from this an exemption was made in favour of

 Ettamaud-

* At twenty-eight pounds to the maunn only, this would make the trifling quantity of forty-two tons of gold!

four lofty arches, terminating in a circular dome, the whole one hundred and twenty cubits high, divided into six stories, and decorated and inlaid with gold and lapis lazuli from roof to basement. This superb portico, as it may be called, has also on each of its four sides (angles probably) a minaret of hewn stone three stories or stages in height. From the entrance to the building in which reposes all that is earthly of my royal father, is a distance of nearly a quarter of a farsang, the approach being under a colonnade floored with red stone finely polished, five cubits wide. On each side of the colonnade is a garden planted with cypresses, wild pine, plane, and sûpaury trees (the betel-nut tree, or arek), in great number; and in the gardens on each side, and at the distance of a bow-shot from each other, are reservoirs of water, from each of which issues a fountain or *jet d'eau*, rising to the height of ten cubits; so that from the grand entrance to within a short distance of the shrine, we pass between twenty of these fountains. Above the tomb itself is erected a pavilion of seven stories, gradually lessening to the top, and the seventh terminating in a dome or cupola; which, together with the other buildings connected with it in every part of the enclosure, is all of polished marble throughout; and all completed, from first to last, at the expense of one hundred and eighty lacs of rupees.* In addition to this I have provided that a supply of two hundred measures or services of food, and two hundred of confectionery, should be daily distributed to the poor from the sacred edifice, and that no strangers should ever be required to dress their own meals, though their number should amount to a thousand horse.

When I entered on this occasion the fabric which enclosed my father's remains, such were my impressions, that I could have affirmed the departed monarch was still alive, and seated on his throne, and that I was come to offer my usual salutation of homage and filial duty. I prostrated myself, however, at the foot of the tomb, and bathed it with the tears of regret and sincerity. On leaving the venerated spot, and in propitiation of the pure spirit which reposed there, I distributed the sum of fifty thousand rupees among the resident poor. I then mounted my horse and proceeded into the castle of Agrah, to the saloon, or palace, which I had ordered to be there built for my own residence.

This pavilion, or rather saloon, rests upon the gate which opens on the river Jumnah, and is supported by twenty-five pillars, all covered with plates of gold, and all over inlaid with rubies, turquoises, and pearl. The roof on the outside is

* About £1,800,000. That the imperial biographer does not here exaggerate, we have the evidence of the lamented and excellent Bishop Heber, who visited the tomb of Akbar, about three kôsse from Agrah, in his journey through upper India during 1824-25. It is also satisfactory to observe, that the British Government has taken this beautiful mausoleum under its protection.

to stipulate, in her richest ornaments, proceeded to the place of assignation accompanied by a groom and female attendant, and, according to appointment, found the Moghûl expecting her arrival. After entertaining the unhappy woman until midnight, he then made her drunk with liquor; and having murdered both the groom and her attendant, returned, and putting a bow-string about her neck, finally strangled her; and having thus consummated his atrocious design, repaired with his blood-stained spoil to his own abode.

His villany, by some means or other, was at last detected, and the diabolical ruffian, together with the body of the woman he had murdered, and the ornaments of which he had stripped her, were brought before me. I ordered the kotewaul, or lieutenant of Kleir, to make search in the house of the murderer, conceiving that something more might be discovered of the property of his unhappy victims. As I suspected, they brought from thence two chests or boxes, which on being opened in my presence, proved to contain not less than seven hundred sets of female ornaments, all of gold, taken from the unfortunates whom he had thus immolated in the gratification of his detestable avarice. As soon as this circumstance was made public, the relatives of the deceased laid claim to and received the property: and I commanded that the perpetrator of this horrible villany should be immediately led to the great plain, where, as an awful example, he was torn piece-meal with red-hot pincers.

From Oujein, I now proceeded on my return towards Agrah, and in due course reached Futtahpour, where I remained for the space of four months, an alarming mortality then prevailing at Agrah. When, however, the mortality ceased, and the air began to be restored to its purity, I quitted Futtahpour, and took up my residence in the Dohrrah gardens, situated in the outskirts of the metropolis. These gardens had been formed by my father in the early part of his reign, and they contain within their precincts four separate pieces of water, each of them a quarter of a farsang, or about a thousand paces, in length and breadth, and each having on its bank a lofty and elegant pavilion. The gardens are, moreover, remarkable for a great many ancient cypress trees of extraordinary size; and it contains also fruit-bearing trees in the greatest number and variety.

Before I quitted these gardens for my final entry into Agrah, I considered it a sacred duty to visit the tomb of my father at Secundera, over which the buildings which I had long since ordered had been now completed, and, in truth, it exhibited to the view in all its parts an object of infinite gratification and delight. In the first place, it was surrounded by an enclosure or colonnade, which afforded standing for eight thousand elephants, and a proportion of horses, the whole being built on arches, and divided into chambers. The principal gate by which you enter is thirty cubits wide, by as many in height, with a tower erected on four

Khaun to furnish himself with what sums of money he might require from the treasury, and through the forest tract on that side prepare a passage for the imperial armies; and that officer, with twenty thousand pioneers, succeeded in a short time, with their saws and hatchets, in cutting a road a bow-shot wide across the whole line of forest, through which we passed with perfect ease and safety.

From Ahmedabad to the sea-coast is a distance of three days' journey; and as I had long wished to view the wonders of the deep, I now proceeded to Khambaït, or Cambay, at the head of the gulf of that name. Here I caused to be constructed on piles, to the distance of a league within the sea, a large stage or pier, which I secured against the impulse of the waves by anchors of a thousand and two thousand maunns' weight. From this, for seven days and as many nights, embarking on board of the ghraubs, or prowed vessels employed on these coasts, I enjoyed in all its perfection the amusement of fishing.

Leaving Cambay and its sea-beaten shore, I directed my course next towards the city of Oujein, one of the most ancient in the whole territory of Hindûstaun. On the banks of a large lake of fresh water near the city, and which washes the foot of the castle walls, I caused on my arrival to be erected, for my accommodation, a pavilion of the largest size, and of the best architecture of the country; and here I remained, hunting and making excursions to various parts of the neighbourhood, for the space of forty days.

While I remained at Oujein on this occasion, an instance of atrocious and sanguinary turpitude occurred, of which the history of crime happily furnishes but few examples.

A certain Moghûl had resided for some time in the place, employed, as was supposed, in the pursuit of some commercial concern; and he was, it seems, in the habit of inviting such females as he observed to be addicted to liquor, to meet him in some of the gardens in the vicinity, where he told them they would find and experience from him such a reception as would surpass their most luxurious expectations.

The women thus invited usually arrayed themselves in their richest ornaments, and thus repaired to the place of appointment; where, as it afterwards appeared, it was the practice of the villain first to reduce them to a state of intoxication, and then to murder and strip them of their ornaments, with which he returned to his own residence. This he was permitted to continue for many a week, until he had by these nefarious means contrived to amass treasure to the amount of five-and-forty thousand tomauns.*

At last one of the women thus invited, after arraying herself, as was his rule to

* At thirty-three rupees to the tomaun, this would be about fourteen lacs and eighty-five thousand rupees, or about £150,000.

When I at last entered the metropolis of Gûjerat on this occasion, I caused
:he buildings erected by my father for the greatest part, such at least as in my
:yes appeared unworthy of his memory, to be demolished, and others of greater
nagnificence to be erected in their stead. I remained in the province for a pe-
iod of five months, amusing myself in the sports of the field, and making ex-
ursions to view the different parts of the country. It is but justice to say, that
:s chief city, Ahmedabad, must be considered among the most renowned in
Iindûstaun, when it is remembered, that during the time of the refractory
Iirzas, who furnished so much employment to the armies of my father, an im-
erial nuggaurah, or noubet, sounded from five different quarters of the place,
ıdicating the residence of as many independent sovereigns; and its magnitude
ıay be further estimated by the fact, that it is surrounded by sixty-one suburbs,
ach separately as large as a moderate-sized town, and each governed by its own
eparate magistrate. There were moreover, at the time, in the different bazars
f the city, not less than five thousand bankers' or money-changers' shops: from
ll which circumstances taken together, we might with a single glance of the
ye, conclude as to the greatness and opulence of this very magnificent city.

In the midst of its numerous population it contains, however, an extraordi-
ıary proportion of thieves and vagabonds of every description, so inured to
obberies and violence, as not to be deterred from their profligate habits of life
y the severest measures that I could devise; not even though I have occa-
ionally ordered two and three hundred a day to be cut off by various modes of
xecution. From these circumstances, so notorious has been the insecurity of
he roads in Gûjerat, and so much have travellers of every class and description
een exposed to inconvenience and danger, that a native of that seat of the
nuses, Shirauz, on one occasion, on his arrival at Agrah gave vent to his feel-
ngs in these four lines: "I have traversed, through the blessing of Him who to
one is accountable, roads of which the soil is saturated with human blood.
Vell may he be said to have obtained a renewal of life, who had escaped a living
ıan from the perils of Gûjerat."*

To conclude my observations on Gûjerat, I shall here add, that the province
altogether a month's journey in compass, the frontiers covered with tracts of
rest and woody hills, not to be traversed by man without the greatest difficulty,
ese being the haunts of wild beasts, and animals of many strange and
ncommon varieties. At the period I was about to enter the province from
Iandou, on the occasion recently referred to, I directed Nour-ud-dein Kûly
Khaun

* There is little doubt that these statements relate to the depredations of the Bheils and Graus-
s, who long proscribed from the pale of human protection, are by this time, I trust, through the
er mildness of the British Government, restored to the common benefits of civilized society.

In the course of five days, by employing various artificers of Ahmedabad, t the number of four hundred individuals, in different branches of decoration, sh had so effectually changed the appearance of the gardens, by making use o coloured paper and wax, that every tree and shrub seemed as abundantly fur nished with leaf, and flower, and fruit, as if in the very freshness and bloom o spring and summer. These included the orange, lemon, peach, pomegranate and apple; and among flowering shrubs, of every species of rose, and othe garden flowers of every description. So perfect, indeed, was the deceptio produced, that when I first entered the garden it entirely escaped my recollec tion that it was no longer the spring of the year, nor the season for fruit, an I unwittingly began to pluck at the fruit and flowers, the artificers having copie the beauties of nature with such surprising truth and accuracy. You migh have said, without contradiction, that it was the very fruit and flower you saw in all its bloom and freshness. The different avenues throughout the garde were at the same time furnished with a variety of tents and canopies, of velve of the deepest green; so that these, together with the verdure of the sod, con trasted with the variegated and lively tints of the rose and an infinity of othe flowers, left altogether such an impression on my mind, as that in the very seaso of the rose I never contemplated in any place, garden, or otherwise, any thing that afforded equal delight to the senses.

From this scene of fascination and enchantment I was not permitted to with- draw myself for three days and as many nights; during which, independently of the delicious repasts on which we feasted, the females of my harram by whom I was accompanied, to the number of four hundred, were each of them pre- sented with a tray of four pieces of cloth of gold of the manufacture of Khoras- saun, and an ambertchei, or perfume-stand, of elaborate workmanship and consi- derable value; none of which presents could have been estimated separately at a less sum than three hundred tomauns.* What the begum presented to myself on the occasion, in jewels, pieces of the richest fabric for my wardrobe, and horses of the highest value for temper and speed, could not have amounted to a less sum than four laks of rupees. In return, I presented her with a chaplet of pearl of the value of five laks of rupees, which had been purchased for my own use, and a bulse of rubies worth three laks more: I also added one thousand horse to the dignity already possessed by her father. In conclusion, what was thus exhibited in one short week, and in the very depth of winter, for my recre- ation, by the daughter of Khaun Khanan alone, could scarcely have been accom- plished by the united genius and skill of any hundred individuals of the other sex, chuse them where you may.

When

* 9,900 rupees, which multiplied by 400 would make no inconsiderable sum.

or his folly, for Auddal Khaun had formerly driven him from his capital for a similar instance of insatiate avarice.

While my court continued at Mandou on this occasion, it came to my knowledge that Mirza Rûstum had, in some way or other, accumulated debts to the amount of four thousand tomauns,* and his creditors were become extremely clamorous in their demands for payment, notwithstanding that he derived from his dignity of a commander of five thousand, an annual income of nearly thirty-two laks of rupees, independently of occasional presents, and other proofs of my bounty. This was a debt, however contracted, whether through extravagant habits or improvident management, from which there was no great probability that he would ever be able to relieve himself. As I could never discover that he was at any time devoted to singers, or that description of persons, I could not avoid suspecting that those whom he employed had taken a dishonest advantage of his indolence. Considering, therefore, that his energies would have been altogether extinguished under such a load of debt, I summoned the creditors to my presence, and immediately discharged the whole of it; at the same time desiring it to be understood, that, for the future, whoever gave credit to Mirza Rûstum, under any circumstances, would be subject to a penalty to the full amount of the debt, be it great or be it small.

As a considerable period had elapsed since I had an opportunity of visiting the province of Gûjerat, I felt a desire now I was in the neighbourhood to view it in its present state, and I accordingly quitted Mandou, after making the necessary preparations, and proceeded in that direction. When my father had completed the subjugation of the province, he had particularly enjoined every member of his court to erect at different stations on the frontiers convenient buildings, with gardens attached, and every requisite whether for repose or recreation. Now when we approached the capital of the province, the first place at which I encamped happened to be the villa and gardens of Khaun Khanan, close to the suburbs of Ahmedabad. Kheyr-ul-Nessa Begum, the daughter of that nobleman, who was present among the inmates of my harram, now came to me, and stating her wish to entertain me in these gardens of her father, requested that I would remain upon the spot for a few days, while she expedited the necessary arrangements for my reception. With a request which had its source in such motives of kindness I could not refuse to comply, and I accordingly continued encamped in the neighbourhood. I must not omit to observe by the way, that it was during that season of the year in which, from the effects of the cold weather, most trees and shrubs usually shed their foliage, and are equally bare of leaf, and fruit, and blossom.

* About 605,000 rupees, at thirty-three to the tomaun.

of discomfiture. In fact, I restored great part of the territory subjugated my armies in the field, reserving to myself only the honours of the coinage a khotbah, or invocation from the pulpits. At the same time I consigned t government of the conquered countries, with unlimited powers, to Kha Khanan, whom I have long since learnt to regard as if he were mine own s or brother.

At the period when Sûltan Khoorum came to visit me from Bûrhanpour, h brought with him Oustaud Mahommed Nâë (the piper), whom he introduced me as the most skilful musician of the age, adding moreover, that he had co posed a particular melody which he had dignified with my name.* But beyo all, he was particularly celebrated for his unrivalled performance, as his nam implied, upon the flageolet. In truth, when he proceeded to exhibit the prowe of his superior skill in my presence, he produced from his instruments suc exquisite strains as absolutely burst upon the ear, so surprising were the effec of his performance. I experienced at all events such delight on the occasio that I commanded a pair of scales to be brought before me, in order that might reward him with his weight in gold. Without uttering a syllable the ma abruptly quitted my presence; but immediately afterwards returning, h appeared with the piece of music fixed to one arm, and a little girl of about si years of age on the other; and he stated in explanation, that when he compose the melody this his little daughter was in his arms, and he therefore could no persuade himself that she was not entitled to share in my bounty. I nodde assent. He was placed in one of the scales and a quantity of gold in the other and his weight was found to be five maunns Hindy. I ordered him to b weighed the second time, and the weight in gold to be given to the daughter.

Such, however, was the rapacious avarice and absence of all sense of pro priety in this man, that in spite of the expostulations of the treasurers, he wa not to be restrained from the most ludicrous attempts to increase the weight o gold; and his disrespect and want of decorum became so glaring that it wa rot to be overlooked, and I at last ordered him to be turned out of my camp. Before I proceeded to this extremity he had, however, had the assurance to demand that I should order him the daily supply of a camel-load of water, which further convinced me that there were no bounds to the man's insolence; and thus was the merit he possessed completely marred by the sordid spirit of avarice. Neither is it to be forgotten, that there are few defects among mankind of a more pernicious tendency than that want of sober respect, which is always due to those invested with the functions of sovereign authority. It subsequently appeared, however, that this was not the first time the man had been punished fo

* Sout-e-Jahângueiry.

I continued to reside there for one whole year, during which I laid out, moreover, several fine gardens, with beautiful water-works and cascades; and the members of my court and camp, actively emulating the example of their sovereign, soon filled the place in every part with palaces and gardens, of similar beauty and description.

My favourite son Khoorum had concluded a treaty with Auddel Khaun and the princes of the Dekkan, by which it was agreed to put my lieutenants in possession of the best and most flourishing parts of the country, and among others of the city or town of Puttun,* celebrated for its manufacture of cloth of gold, such as is not to be met with elsewhere in all India. Often had my father declared, that whenever this place should come into his possession, he would build the walls with alternate wedges of gold and silver; and in very truth the place is not unworthy of such a cincture, however gorgeous and costly. Another of the towns ceded by the same treaty was Ahmednuggur, the metropolis of Husseyne Nizam Shah; and we shall add Khânapour, a district which for verdure of landscape and deliciousness of climate has not any where its equal. Another of the acquisitions derived from this treaty was the province of Berâr, of a month's journey in compass, and for its numerous towns and flourishing population equal to any part of Hindûstaun. All these were now transferred to my sovereign authority, together with a train of elephants four hundred in number, of the highest value for size and courage; these were furnished with caparisons, chains, neck-fastenings, and bells, all of gold, each of them bearing on its equipments not less than five maunns Hindy, equal to fifty maunns of Irâk of gold.† The velvet housings of the elephants had on them, moreover, the figures of various kinds of animals embroidered in pearl; and among the peishkesh, or presents of homage, conveyed to me on this occasion, were three chaplets of pearl, each chaplet moderately valued at sixty thousand rupees; and of every kind of precious stone, diamonds, rubies, and emeralds, and other articles of the most costly description, such a quantity was conveyed to my treasury and wardrobe as it would be unnecessarily tedious to enumerate.

At the intercession of Khoorum, after all, through whom their prayer was conveyed on the occasion, I gave up to the vanquished chiefs several districts or townships, as well for the maintenance of some degree of state, as from my royal disposition to forget the past, and as far as possible to heal the wounds

Q of

* This is the celebrated Sidpoor Puttun, founded in the twelfth century by Sidraj Jey Sing, sovereign of Anhulwarra Puttun,—the Nehrwala of European geographers. They are about twenty miles apart, and both on the Sarasvati.

† At twenty-eight pounds to the maunn this would give one hundred and forty pounds weight of gold; which at sixty-three guineas to the pound, would make eight thousand eight hundred and twenty guineas four hundred times repeated!

conceived in the following terms: "The article which I sent thee by m
daughter, and of which thou hadst not the common sense to understand th
value, would have produced thee every day gold by the horse-load. Hast tho
had the folly to cast it into the Nerbuddah, from whence it can never more b
recovered?" It is needless to expatiate upon the regret and remorse of the kin
of Bûrhanpour, when on receipt of this epistle he came to understand the exten
of his error: and although he employed every exertion and expedient to searc
the bed of the river, not a vestige of this most precious of stones was ever found

Ages afterwards, when my father Akbar set on foot his expedition against a
subsequent monarch of Bûrhanpour, one of the elephants in the imperial trai
from its furious and intractable temper had a ponderous iron chain* attached t
one of its legs. In passing this same river, the Nerbuddah, the chain came i
contact with this long-lost and mysterious pebble, and when seen on the opposit
side of the ford, was discovered to have been transmuted into solid gold.† Th
circumstance was immediately made known to my father, and a number of peopl
was forthwith employed to search the ford, in the hope that something might b
discovered of this miraculous substance; but entirely without success, and th
search was of course abandoned in despair.

Of this celebrated fortress of Mandou it remains to add, that notwithstanding every advantage of strength and situation, my father, after a siege of six months, made himself master of the place; when he caused the gateways, towers, and ramparts, together with the city within, to be entirely dismantled and laid in ruins, for the possession of this formidable strong-hold had but too frequently led its possessors into rebellion against their sovereign. The dependencies, lands, and inhabitants of the province, continued however as flourishing, if not more so, than ever, notwithstanding the destruction of Mandou.

I have yet further to observe, that at the period when I found it necessary to erect my victorious standard for the purpose of chastising the refractory rulers of the south of India, I came to the vicinity of this celebrated place, and ascended to view its stupendous ruins. I found the walls only demolished in part, and I became so highly delighted with the freshness and salubrity of the air and climate, that I determined to restore the town. For this purpose I accordingly ordered the foundation to be marked out, among the ruins of the ancient city, of a variety of spacious and lofty structures of every description, which were carried to a completion in a much shorter time than might have been expected.
I continued

* Seven hundred mauns, at twenty-eight pounds to the maun, would be ten tons lacking four hundred-weight, which is incredible!

† It cannot be denied that the imperial biographer has here taxed the credulity of his readers to the utmost limits: ten tons of gold would make 1,260,000 guineas.

seemed, he would not have taken a thousand tomauns of gold; nevertheless, from the excess of his affection to his child, he had resigned to her this inestimable jewel. At the same time he explained to her the miraculous properties of the stone; conceiving that from his simple statement alone of its extraordinary value, without further particulars, the monarch of Bûrhanpour would be led to conclude that there was something very wonderful connected with this stone, and that it must contain some very mysterious latent property.

Under the care of the ambassador, who was also hâjeb, or lord chamberlain of his court, the princess of Mandou, accompanied by a suitable retinue of her father's people, set off for Bûrhanpour, the well known city of that name on the river Tapty, and having proceeded to a river, (without doubt the Nerbuddah), within four days journey from that city, she was there met by the Bûrhanpourian with a numerous escort of his nobles, an imperial and sumptuous suit of tents having been set up for her reception on the banks of the river. Having bestowed upon the princess and her retinue the usual marks of royal bounty, in khelaats, and gold, and beautiful horses, and in other respects liberally discharged the duties of hospitality, he was a little disappointed when, viewing her equipment, he could discover nothing that bespoke the splendour of a royal bride; and he could not forbear observing that as her father did not appear to have sent with her immediately any part of her marriage portion, peradventure it was his intention to supply this defect at a future opportunity.

The daughter of the royal blacksmith now thought fit to apprize the monarch of Bûrhanpour, that on taking leave, her father had presented her with a bag of gold brocade containing a jewel, the weight of a methkal of which was equal in value to the revenue of a hundred provinces: at the same time she had been instructed, when inquiry should be made as to the jewels and other appendages of royal splendour which were expected to accompany her, to present to the Bûrhanpourian monarch that same bag of brocade; with which, the princess laid the bag on the floor, before her intended father-in-law. The prince of Bûrhanpour on disclosing the bag, and perceiving nought but the stone, which in appearance exhibited nothing very remarkable, expressed considerable displeasure; and suspecting that the *brocaded purse* with its *stone contents* had been transmitted with no other view than to indicate the opinion entertained of his character, he indignantly snatched the stone from the hands of the princess, and threw it into the middle of the river. From the same spot, without further ceremony, he dismissed the princess and sent her back to Mandou to the presence of her father.

The chief of Mandou, on the return of his daughter thus dishonoured, took no further notice of the insult than by transmitting a letter to the Bûrhanpourian

conceived

pleted, extended to little less than fourteen farsangs in circumference;* and as t the expense incurred in the execution of such an undertaking, it would surpa the power of words or writing to form an estimate.

In order to facilitate the communications with the exterior, the fortress con tained ten large gateways and four sally-ports in different directions; and fro each of the gateways, which were erected on lofty eminences,† a flight of ste cut in the solid rock led from top to bottom of the mountain, making altogeth fifty thousand steps; that is, properly speaking, a staircase of five thousand ste to every principal gateway. He built, moreover, within the fortifications a loft and spacious mosque, containing one thousand chambers, or perhaps cloister each chamber or *seffah* containing a pulpit for the recitation of the khotbah an other services of religion on Fridays; and such in a short time was the multitud of human beings accumulated within the circuit of this stupendous fortress, th on occasions of public worship the whole of the thousand and one oratories wer completely crowded. Parallel with the mosque, or contiguous to it, he built als an extensive karavanserâi, and a lofty dome or rotunda; this latter to serve a the burial-place of his family. In this dome it is moreover described that the introduced four warm-water springs, the contents of which being made to dro slowly, drop by drop, gradually formed a petrified mass of such solidity and mag nitude, as to supply for his children, and others bound to him by the ties o affection, a material for their tombs, superior to, and more delicate than the fines marble.

To bring the matter within as short a compass as possible, when this sump tuous place of worship and its appurtenances had been completed, and the countr round for the space of a month's journey in circuit had been subjugated to th authority of our fortunate blacksmith, an ambassador from the monarch of Bûr hanpour arrived at Mandou, to solicit the hand of his daughter for the son o that monarch, the prince of Bûrhanpour. Having signified his assent to thi arrangement, he took some time to prepare the suitable equipments, and th requisite paraphernalia for the bride: after which she was formally delivered t the ambassador to be conducted to Bûrhanpour. On the departure of hi daughter, however, the royal blacksmith deposited in her palanquin, and seale up in a purse of cloth of gold, this inestimable gold-creating stone: and she wa instructed to acquaint the monarch that on parting with her, her father should have said that for a single methkal, or scruple of that stone, worthless as i seemed

* The fortifications of Mandou were doubtless of great extent; but probably fourteen kôsse woul be nearer the truth than fourteen farsangs: twenty-one, instead of forty-two miles.

† For greater convenience and cover, the gateways would be better placed in the hollows betwee the hills. The towers usually erected to defend the gateway have however a lofty appearance.

folly the woodman again took his hatchet to the smith. "This is a pretty sort of job," said he, "that you have done by my hatchet, the edge is not only destroyed but the instrument by which I earned my bread is turned into copper." The smith, being much better informed than his customer, told him that certainly his hatchet was now not worth repairing, and that if he chose, as it was but just that he should make good the injury, he would give him a new one in its stead. But come," said he, "Shew us the stone which has spoilt your hatchet by turning it into copper." The silly rustic took him to the spot without hesitation, and pointed out the stone, which, with a joy not difficult to imagine the wary smith instantly conveyed home, where without divulging the secret of his precious deposit to wife or child or any one else, he locked it up most carefully in his chest. He did not, however, dismiss the poor wood-cutter without giving him an excellent new hatchet according to promise.

The fortunate blacksmith now proceeded by degrees to turn every bit of iron in his possession into gold. In process of time he built for himself a sumptuous palace. He entertained in his service numbers of armed men, all clad in coats of mail, and all experienced in the trade of war, to many or most of whom he assigned yearly stipends of from two to three hundred tomauns * a man. In short, the fame of his bounty and liberal encouragement to those who enrolled themselves under his standard extended to all parts of the world, and men of talent and courage from every region flocked to his presence, and were sure of a kind and generous reception.

This, as may well be imagined, could make but little impression on a treasury, which derived its means from a source so inexhaustible. He became however anxious to secure for himself and treasures some place of strength, to resist any attempt of superior power which on any future occasion might be disposed to assail him. He accordingly selected for his purpose four lofty contiguous hills, which, lifting their summits to the skies, contained within their precincts a spacious and extensive plain; and these he determined to fortify by all the means to be derived from the art of war and the science of defence.

In short he commenced his operations without further delay, by setting twenty thousand masons and pioneers, under his own directions, to carry on the works on one side of the position which he had fixed upon, while his son with an equal number of workmen was similarly employed on the opposite side; until at the termination of thirty years,† father and son met together, and the two extremities of the stupendous work became thus united. The fortifications thus completed

* From 6,600 to 9,900 rupees.

† This should probably be three, as thirty years would be rather too large a proportion of the smith's life.

The instant he perceived me about to pass he drew his sword, and made a furiou
cut at me. I endeavoured to avoid the stroke by suddenly starting aside, bu
in vain; the blow took effect, and my right arm dropped from the shoulder
joint. Thus wounded and bleeding, I rushed from this deposit of treasure an
horror, and at the entrance above found the physician and his associates, wh
had so mysteriously determined the destiny of my unhappy brother. Some o
them went below and brought away my mutilated arm; and having closed u
the entrance with stone and mortar, conducted me, together with my arm al
bleeding as I was, to the presence of the Portuguese governor, men and women
and children, flocking to the doors to behold the extraordinary spectacle.

"The wound in my shoulder continued to bleed; but having received fro
the governor a compensation of three thousand tomauns, a horse with jewelle
caparison, a number of beautiful female slaves, and many males, with th
promise of future favour in reserve, the Portuguese physician was ordered t
send for me, and applying some styptic preparation to the wound it quickl
healed, and so perfectly, that it might be said I was thus armless from m
birth. I was then dismissed, and having shortly afterwards obtained a passag
in another ship, in about a month from my departure reached the port fo
which I was destined."*

On the above relation, continues our imperial memorialist, I have to observe
that in all probability the extraordinary circumstances to which it refers wer
effected through the operations of chimia ('alchemy'), known to be extensivel
practised among the Franks, and in which the jugglers from Bengal appear t
have been very well instructed.

Another marvellous relation which I am led to introduce into my narrative, i
that which refers to the origin of the stupendous fortress of Mandou, one of th
most celebrated in Hindûstaun, and which we are taught to believe derived it
existence from the following circumstances.

A poor inhabitant of one of the cities in Hindûstaun, by repairing with his ax
to one of the neighbouring woody hills every day, and bringing to town at nigh
such fuel as he was able to collect, contrived with the produce to provide th
scanty means of subsistence for his family. Occasionally, as necessity require
it, he was in the habit of taking his axe to a smith for the purpose of getting th
edge restored: but on one occasion his hatchet glancing aside from a billet o
wood struck a stone, which stone happened to be that which possesses the qu
lity of changing iron into gold: the effect was that the woodman's hatchet w
immediately transmuted into a wedge of gold. In the extreme of ignorance an
foll

* The story of the Arab would make a respectable addition to the voyages of Sinbad in the Arabi
Nights.

oil became completely amalgamated. Will it be believed, that after this they took the head and again fixing it exactly to the body, they continued to rub the adjoining parts with the mixture of blood and oil until the whole had been applied. They left my brother in this state, closed the door, and went their way.

"At the expiration of three days from this, they sent for me from my place of confinement, and telling me that they had obtained at my brother's expense all that was necessary to their purpose, they pointed out to me the entrance to a place under ground, which they said was the repository of gold and jewels to an incalculable amount. Thither they informed me I was to descend, and that I might bring away for myself as much of the contents as I had strength to carry. At first I refused all belief to their assertions, conceiving that doubtless they were about to send me where I was to be exposed to some tremendous trial; but as their importunities were too well enforced, I had no alternative but submission.

"I entered the opening which led to the passage, and having descended a flight of stairs about fifty steps, I discovered four separate chambers. In the first chamber, to my utter surprise, I beheld my brother apparently restored to perfect health. He wore the dress and habiliments of the Ferenguies, or Portuguese, had on his head a cap of the same people, profusely ornamented with pearl and precious stones, a sword set with diamonds by his side, and a staff imilarly enriched under his arm. My surprise was not diminished when the noment he observed me I saw him turn away from me, as if under feelings of he utmost disgust and disdain. I became so alarmed at a reception so strange nd unaccountable, that although I saw that it was my own brother, the very narrow in my bones seemed to have been turned into cold water. I ventured, owever, to look into the second chamber, and there I beheld heaps upon heaps f diamonds and rubies, and pearl and emeralds, and every other description f precious stones, thrown one on the other in astonishing profusion. The hird chamber into which I looked contained in similar heaps an immense profu- ion of gold; and the fourth chamber was strewed middle deep with silver.

"I had some difficulty in determining to which of these glittering deposits I ould give the preference. At last I recollected that a single diamond was of greater alue than all the gold I could gather into my robe, and I accordingly decided n tucking up my skirts and filling them with jewels. I put out my hand in der to take up some of these glittering articles, when from some invisible agent, rhaps it was the effect of some overpowering effluvia, I received a blow so unning, that I found it impossible to stand in the place any longer. In my treat, it was necessary to pass the chamber in which I had seen my brother.

 The

naked, one of their hakeims, or physicians, proceeded to make the minutest examination of our bodies, in every muscle, vein, and limb, telling each respectively after undergoing such examination, that he was at liberty to go about his business. This they continued to do until it came to the turn of myself and a brother who was with us; and what was our dismay and horror when, after the described examination, the hakeim delivered us into the custody of some of the people in attendance, with orders to place us behind the curtain; that is, where we should not be open to human intercourse. With the exception of my brother and myself, the whole of the ship's company, on whose bodies they failed to discover the marks of which they were in search, were now dismissed. Neither could my father either by tears or remonstrances succeed in diverting them from their purpose; to his repeated demands to know in what his sons could have offended, that out of a ship's company of twelve hundred persons they alone should be detained, they replied only by a frown, utterly disregarding every intreaty.

"They now conveyed my brother and myself to a part of the place where they lodged us in separate chambers, opposite however to each other. Every morning they brought us for food fowl kabaubs, honey, and white bread, and this continued for the space of ten days. At the expiration of that period the naokhoda (or commander of the ship), demanded permission to proceed on his voyage. My father implored that he would delay his departure, if it were only for two or three days longer, when peradventure the Portuguese might be induced to give up his sons. He presented himself to the ruler of the port, and again by the most humble intreaties endeavoured to obtain our release, but in vain.

"The same medical person on whose report we were detained now came with ten other Franks to the house or chamber where my brother was confined, and again stripping him naked, they laid him on his back on a board or table, where he was exposed to the same manual examination as before. They then left him and came to me, and stretching me out on a board in the same manner and plight, again examined my body in every part as before. Again they returned to my brother; for from the situation of our prisons, the doors being exactly opposite, I could distinctly observe all that passed. They sent for a large bowl and a knife, and placing my brother with his head over the bowl, and his cries and supplications all in vain, they struck him over the mouth, and with the knife actually severed his head from the body, both the head and his blood being received in the bowl. When the bleeding had ceased they took away the bowl of blood, which they immediately poured into a pot of boiling oil brought for the purpose, stirring the whole together with a ladle until both blood and oil

that there could exist no reason for concealment compatible with what he owed me for my protection, he finally relented, and related what follows.

"When I was about the age of fifteen, it happened to me to accompany my father on a voyage to India; and at the expiration of about sixty days, during which we had wandered in different directions through the ocean, we were assailed by a storm so dreadful, as to be for ever impressed upon my recollection. For three days and three nights successively it raged with such indescribable fury, the sea rose in such tremendous surges, the rain descended in such torrents, and the peals of thunder accompanied by lightning so incessant, as to be terrific in the utmost degree. To complete the horrors of our situation, the ship's mast, which was as large in compass as two men with arms extended could encircle, snapped in the middle, and falling upon the deck, destroyed many of the crew. The vessel was therefore on the very verge of foundering; but the tempest subsiding at the close of the third day, we were for the present preserved from destruction, although we were driven far from the course which led to the port of our destination.

"When, however, the ship had for some days been pursuing this uncertain course, we came in sight unexpectedly of what appeared to be a lofty mountain in the midst of the ocean; and as we neared the spot it was soon ascertained to be an island, covered with numerous buildings, and interspersed with trees and river streams in most agreeable variety. Our stock of water in the ship was nearly exhausted, and we therefore steered close in land; and from certain fishermen who were out in their boats we now learnt that the island was in possession of the Portuguese Franks; that it was extremely populous, and that there were no Mussulmen inhabitants; moreover, that they had no intercourse with strangers.

"To be as brief as possible: as soon as the ship had reached the anchoring ground and dropped her anchor, a Portuguese captain and another officer came on board; and instantly, without leaving even an infant child to take care of the ship, conveyed the whole of the ship's company, passengers and all, in boats to the shore; desiring, at the same time, that we might not be under any apprehensions, for that as soon as it could be discovered that there was among us a person that suited a particular purpose, which they did not chuse to explain, that one alone would be detained, and the others dismissed without injury. The port being theirs, and ourselves entirely at their mercy, we were compelled to submit to all they said; and accordingly the whole ship's company, merchants, slaves, and mariners, to the number of twelve hundred persons, were all crowded into one house.

"From thence they sent for us one by one alternately, and stripping us stark-

roses, and other flowering shrubs in full bloom, and in the midst of the garden an elegant pavilion. The next change exhibited a leaf of orange in the same manner powdered with gold, on which the painter had delineated the representation of a great battle, in which two adverse kings were seen engaged in the struggles of a mortal conflict. In short, at every turn of the leaf a different colour, scene, and action, was exhibited, such as was indeed most pleasing to behold. But of all the performances, this latter of the volume of paper, was that which afforded me the greatest delight, so many beautiful pictures and extraordinary changes having been brought under view, that I must confess my utter inability to do justice in the description. I can only add, that although I had frequently in my father's court witnessed such performances, never did I see or hear of any thing in execution so wonderfully strange, as was exhibited with apparent facility by these seven jugglers. I dismissed them finally with a donation of fifty thousand rupees, with the intimation that all the ameirs of my court, from the order of one thousand upwards, should each contribute something in proportion.

In very truth, however we may have bestowed upon these performances the character of trick or juggle, they very evidently partake of the nature of something beyond the exertion of human energy; at all events, such performances were executed with inimitable skill, and if there were in the execution any thing of facility, what should prevent their accomplishment by any man of ordinary capacity? I have heard it stated that the art has been called the Semnanian (perhaps *asmaunian*, 'celestial'), and I am informed that it is also known and practised to a considerable extent among the nations of Europe. It may be said, indeed, that there exists in some men a peculiar and essential faculty which enables them to accomplish things far beyond the ordinary scope of human exertion, such as frequently to baffle the utmost subtilty of the understanding to penetrate.*

I shall here take upon me to relate, that once upon a time a native of Arabia, who had passed the age of forty, was brought to the metropolis for the purpose of being presented to me. When introduced to my presence, I observed that he had lost his arm close to the shoulder, and it occurred to me to ask him whether this was his condition from his birth, or whether it was an injury which he had received in battle. He seemed considerably embarrassed by the question; but stated that the accident which had deprived him of his arm was attended with circumstances so very extraordinary, as to be rather beyond credibility, and might perhaps expose him to some degree of ridicule: he had therefore made a vow never to describe it. On my importuning him further, however, and urging that

* The latter part of this passage is one among the many that, through the unaccountable ignorance of the person who copied the Persian memoir, I have found no small difficulty in rendering into common sense.

and other dried fruits and aromatic herbs. [The third remove is indicated in a hand-writing so totally unintelligible in the Persian copy, that I have not attempted to render it.] In short, at every alternate removal of the basket-lid, though an hundred times repeated, a fresh display of delicacies would be presented to the spectator, to our great admiration and surprise.

Twenty-fifth. They caused to be set before me a large covered basin, which they filled with water. They took off the cover to shew that it contained nothing but water; it was now replaced,, but being again removed, there appeared in the water ten or a dozen green leaves. The basket was again closed, and, on being re-opened, there appeared three or four large snakes coiled together in the water. Another covering and removal, and there appeared in the water five or six koully khaur.* At the last uncovering of the vessel it was found to contain neither water nor any thing else, but was entirely empty.

Twenty-sixth. One of the men in my presence displayed on his little finger a ruby ring; he removed the ring to another finger, and the gem had taken the colour of an emerald; removed to another finger, and the emerald became a diamond; again removed, and the diamond became a turquoise: and this repeated for any number of times, terminated in the same result, every change producing a gem of a different colour and kind.

Twenty-seventh. A two-edged sword was set up, with the hilt strongly fastened in the earth, and one of the men brought his naked side to bear upon it in such a manner, as to excite the utmost surprise that he should have received no bodily injury from having brought himself into such contact with so keen a weapon. [This passage is so extremely ill written in the Persian copy, that it has been hardly possible to obtain the precise meaning.]

Twenty-eighth. They produced a blank volume of the purest white paper, which was placed in my hands, to shew that it contained neither figures nor coloured pages whatever, of which I satisfied myself and all around. One of the men took the volume in hand, and the first opening exhibited a page of bright red sprinkled with gold, forming a blank tablet splendidly elaborate. The next turn presented a leaf of beautiful azure, sprinkled in the same manner, and exhibiting on the margins numbers of men and women in various attitudes. The juggler then turned to another leaf, which appeared of a Chinese colour and fabric, and sprinkled in the same manner with gold; but on it were delineated herds of cattle and lions, the latter seizing upon the kine in a manner that I never observed in any other paintings. The next leaf exhibited was of a beautiful green, similarly powdered with gold, on which was represented in lively colours a garden, with numerous cypresses, roses,

* Possibly cranes, or some large bird of the kind.

other flower of any colour at will. They held the flower for an instant behind the mirror, and bringing it forward again, it had assumed a different colour. Thus it became alternately changed by this sort of sleight, to green, and red, and orange, and violet, and black and white: very curious to behold.

Twenty-first. They arranged in my presence ten empty porcelain jars, all in attendance having witnessed that they were actually and entirely empty. In about half an hour they uncovered the jars, when, to our surprise, one was found to be full of wheat, another of preserves, another of sugar-candy, another of different sorts of pickles, another of ladies'-legs,* another of citron, and another of tamarind. In short, every one of the jars contained a different eatable of some kind or other, which was presented to me, and tasted by most of those who were in attendance. After a little space they uncovered the jars for the last time, and they were seen to be completely empty, and as clean as if they had been an hundred times washed in the purest spring water. This also was considered something strange and surprising.

Twenty-second. They brought the Koulliaût-e-Saady, or works of Saady, and in my presence deposited it in a small bag, of course previously examined. They drew out the book, and it had been transformed into the Diwaun of Hafez; and the latter being replaced in the bag, it was drawn out again as the Diwaun of Súliman. This was repeated many times, and every time a work was drawn out different from that which was last returned into the bag.

Twenty-third. They produced a chain of fifty cubits in length, and in my presence threw one end of it towards the sky, where it remained as if fastened to something in the air. A dog was then brought forward, and being placed at the lower end of the chain, immediately ran up, and reaching the other end, immediately disappeared in the air. In the same manner a hog, a panther, a lion, and a tiger, were alternately sent up the chain, and all equally disappeared at the upper end of the chain. At last they took down the chain and put it into a bag, no one even discovering in what way the different animals were made to vanish into the air in the mysterious manner above described. This, I may venture to affirm, was beyond measure strange and surprising.

Twenty-fourth. They placed before me a large covered basket,† having first shewn to my satisfaction that it was quite empty. Having claimed my attention, they now took up the cover, and the basket appeared brimful of the choicest viands, most delicious to the taste. They put on the cover, and again in a few minutes lifting it up, the basket now appeared full of fellouny,‡ raisins, almonds, and

* I have no idea what this refers to. We certainly have a pear to which is sometimes given the name of *Cuisse Madame.*

† Lungry: if not a basket, I know not what it was.

‡ What this is I cannot tell, unless it refers to the following article, raisins; in which case it might

different kind and colour. They then plunged a skein of white thread into the vessel, and brought it first of a red, then of a yellow colour, and so of a different colour a hundred times repeated, if required so to do.

Fifteenth. They produced a bird-cage, of which the side that appeared next to me exhibited a pair of sweet-singing nightingales. They gave the cage a turn, and though there was no partition to divide it, there now appeared a couple of beautiful green parrots. Another turn of the cage, and they shewed us another sort of speaking bird of a scarlet colour: another, and we saw a brace of partridges beautifully mottled and coloured, and, what appears extraordinary, of most melodious song. Thus at every change of the four sides of the cage, there appeared a different kind of bird at every change, and the like if repeated a hundred times. This must, I think, have been attended with the greatest difficulty in the performance.

Sixteenth. They spread out a carpet of twenty cubits in length, and of very beautiful colours and pattern. They turned it upside downwards, and displayed a pattern and colours entirely different; and in like manner at every turn, if an hundred times repeated, the carpet would exhibit patterns and colours entirely different, *ad infinitum.*

Seventeenth. They brought a large ewer, which in my presence they filled full of water. They reversed the ewer with its face downwards, spilling the water to the last drop: they turned the vessel with its face upwards, and it appeared as full of water as at first. And this they could have repeated an hundred times over with the same effect; which I could not but consider equally curious and unaccountable.

Eighteenth. They produced a large sack, open at both ends. At one end of this they introduced a melon, which at the other end was brought out a cucumber. Then the cucumber at one end came out at the other a noble bunch the finest grapes. Again, they introduced the grapes at one end, and at the other out came a bag of apples, of the true abbas sort: and thus, in an hundred instances, if required, they would in each instance exhibit a similar change: all which could not but appear extraordinary to the eye.

Nineteenth. One of the seven men stood up before me, and setting open his mouth, immediately out came the head of a snake. Another of the men seized the snake by the neck, and drew it out to the length of four cubits. This being disposed of by casting it to the ground, another followed in the same manner, and so on to the number of eight, none of them less than four or five cubits in length. These being all cast loose upon the ground, were immediately seen writhing in the folds of each other, and tearing one another with the greatest apparent fury: a spectacle not less strange than frightful.

Twentieth. They took a looking-glass in one hand, and in the other a rose, or

other

was drawn across the place, and being again removed, every vestige of ice, and even moisture of any sort, had completely disappeared.

Twelfth. They caused two tents to be set up at the distance of a bow-shot the one from the other, the doors or entrances being placed exactly opposite; they raised the tent walls all around, and desired that it might be particularly observed that they were entirely empty. Then fixing the tent walls to the ground, two of the seven men entered, one into each tent, none other of the seven entering either of the tents. Thus prepared, they said they would undertake to bring out of the tents any animal we chose to mention, whether bird or beast, and set them in conflict with each other. Khaun-e-Jahaun, with a smile of incredulity, required them to shew us a battle between two ostriches. In a few minutes two ostriches of the largest size issued, one from either tent, and attacked each other with such fury that the blood was seen streaming from their heads; they were at the same time so equally matched, that neither could get the better of the other and they were therefore separated by the men, and conveyed within the tents. My son Khoorum then called for the neilahgâo, and immediately were seen to issue from the tents two of those untameable animals, equally large, fat, and fierce, which likewise commenced a furious combat, seizing each other by the neck, and alternately forcing one another backwards and forwards for the space of nearly two guhrries of time, after which they were also separated, and withdrawn into the tents. In short, they continued to produce from either tent whatever animal we chose to name, and before our eyes set them to fight in the manner I have attempted to describe; and although I have exerted my utmost invention to discover the secret of the contrivance, it has hitherto been entirely without success.

Thirteenth. They were furnished with a bow and about fifty steel-pointed arrows. One of the seven men took the bow in hand, and shooting an arrow into the air, the shaft stood fixed at a considerable height; he shot a second arrow, which flew straight to the first, to which it became attached, and so with every one of the remaining arrows to the last of all, which striking the united sheaf suspended in the air, the whole immediately broke asunder, and came at once to the earth. This also it would be difficult to explain.

Fourteenth. They filled a large vessel full of water perfectly transparent, and placed it on the floor before me. One of them held in his hand a red rose, which he said, by giving it a dip into the water, he would bring out of any colour I chose to mention. Accordingly he gave the rose a plunge, and out it came of a bright yellow; and thus at every dip he brought it out of a different kind and colour; at one time a gûlaul, at another an orange blossom. In short, a hundred times repeated he would have produced at each a flower of a different

by the hips from behind, and so on to the number of forty men, each laying hold the one of the other by the hips in the same manner. The first man put forth his strength, and contrived to force the whole of the others in train along the field for some time: a degree of bodily strength which could not be witnessed without considerable astonishment.

Ninth. They produced a man whom they divided limb from limb, actually severing his head from the body. They scattered these mutilated members along the ground, and in this state they lay for some time. They then extended a sheet or curtain over the spot, and one of the men putting himself under the sheet, in a few minutes came from below, followed by the individual supposed to have been cut into joints, in perfect health and condition, and one might have safely sworn that he had never received wound or injury whatever.

Tenth. They took a small bag, and having first shewn that it was entirely empty, one of them put his hand into the bag; on withdrawing his hand again, out came two game cocks of the largest size and great beauty, which immediately assailing each other, fought with such force and fury, that their wings emitted sparks of fire at every stroke. This continued for the full space of an astronomical hour, when they put an end to the combat by throwing a sheet over the animals. Again they withdrew the sheet, and there appeared a brace of partridges with the most beautiful and brilliant plumage, which immediately began to tune their throats as if there were nothing human present; pecking at worms with the same sort of chuckle (*kakkah*) as they are heard to use on the hill side. The sheet was now thrown, as in the other instance, over the partridges, and when again withdrawn, instead of those beautiful birds there appeared two frightful black snakes, with flat heads and crimson bellies, which, with open mouth and head erect, and coiled together, attacked each other with the greatest fury, and so continued to do, until, as it appeared, they became quite exhausted, when they fell asunder. The sheet was thrown over as before, and when finally withdrawn, there appeared not a vestige of the snakes or of any thing else.

Eleventh. They made an excavation in the earth in the shape of a tank or reservoir, of considerable dimensions, which they requested us to fill with water. When this was done they spread a covering over the place, and after a short interval having removed the cover, the water appeared to be one complete sheet of ice, and they desired that some of the elephant keepers might be directed to lead their elephants across. Accordingly one of the men set his elephant upon the ice, and the animal walked over with as much ease and safety as if it were a platform of solid rock, remaining for some time on the surface of the frozen pond without occasioning the slightest fracture in the ice. As usual, the sheet

was

Thirdly. The seven men stood close together in a group, and without moving either lips or tongue, produced between them such harmony and sweetness of modulation, as if the whole seven had but one voice, and that forming the most delightful unison. It was at the same time distinctly ascertained that the mouth and tongue had not the slightest share in the operation.* This also afforded subject of admiration.

Fourthly. They made for themselves about an hundred air-bolts † *(teir-e-hawah)*, which they placed on an elevated spot at two bow-shot distance from the spot on which they stood, informing me that they would cause any one, or as many of them as I chose to order, to explode or take fire, without stirring from their place, in my presence. This they accordingly did, and I do not question that they would have set fire to ten at once if I had thought fit.

Fifth. They placed in my presence a large seething-pot or cauldron, and filling it partly with water, they threw into it eight of the smaller maunns of Irâk of rice; when without the application of the smallest spark of fire the cauldron forthwith began to boil; in a little time they took off the lid, and drew from it near a hundred platters full,‡ each with a stewed fowl at top. This also may be considered among things extraordinary.

Sixth. On a dry spot of ground they placed a particular flower, and having danced round it three times successively, an ebullition of water shot up from the flower, and instantly a shower of roses fell on all below, while not a drop of moisture touched the ground. When this miraculous fountain had continued to play for more than an hour they removed the rose, or whatever else it might have been, and not a vestige of any thing humid appeared on the spot where it had been placed. Again: they placed the same flower on the ground, and it threw up at this time, alternately, water and flower-shedding fire, and this for nearly two parts of a watch of the day.

Seventh. One of the seven men stood upright before us, a second passed upwards along his body, and head to head, placed his feet upwards in the air. A third managed to climb up in the same manner, and planting his feet to those of the second, stood with his head upwards, and so alternately to the seventh, who crowned this extraordinary human pillar with his head uppermost; and what excited an extraordinary clamour of surprise, was to observe the first man, who thus supported on the crown of his head the whole of the other six, lift one foot as high as the shoulder, standing thus upon one leg, and exhibiting a degree of strength and steadiness not exactly within the scope of my comprehension.

Eighth. One of the men stood upright as before; another took hold of him by

* This doubtless was the effect of ventriloquism.

† Query, rockets or squibs.

‡ Lungry, or perhaps pungry.

an almond, a walnut, and many more trees, and this without any attempt at concealment in the operation; but open to the observation of all present, the trees were perceived gradually and slowly springing from the earth, to the height of one, or perhaps of two cubits, when they shot forth leaves and branches; the apple tree in particular producing fruit, which fruit was brought to me, and I can attest to its fragrance.

The fact was not however confined to the apple tree alone, for having made the other trees appear in the manner above described, they said that if I thought fit to order it, I should taste of the fruit of every tree, which did not fail to increase the astonishment already excited. Then making a sort of procession round the trees as they stood, and invoking certain names, in a moment there appeared on the respective trees a sweet mango without the *rind*, an almond fresh and ripe, a large fig of the most delicious kind, and so with the pine, and every other tree of which they had set the seed, the fruit being pulled in my presence and brought to me, and every one present was allowed to taste of it. This, however, was not all; before the trees were removed there appeared among the foliage birds of such surprising beauty, in colour, and shape, and melody of song, as the world never saw before; and the more to confirm us in the reality, the birds were observed to whisper to each other, and to flutter, and contend with each other in playful indifference among the branches. At the close of the operation the foliage, as in autumn, was seen to put on its variegated tints, and the trees gradually disappeared into the earth from which they had been made to spring. I can only further observe, that if the circumstances which I have now described had not happened in my own presence, I could never have believed that they had any existence in reality.*

Secondly. One night, and in the very middle of the night, when half this globe was wrapped in darkness, one of these seven men stripped himself almost naked, and having spun himself swiftly round several times, he took a sheet with which he covered himself, and from beneath the sheet drew out a resplendent mirror, by the radiance of which a light so powerful was produced, as to have illuminated the hemisphere to an incredible distance round; to such a distance indeed, that we have the attestation of travellers to the fact, who declared that on a particular night, the same night on which the exhibition took place, and at the distance of ten days' journey, they saw the atmosphere so powerfully illuminated, as to exceed the brightness of the brightest day that they had ever seen. This also may be considered, I think, among the extraordinary things of the age.

O Thirdly.

* I have myself been witness to the mango operation, on the western side of India, but a sheet was employed to cover the process. I have, however, no conception of the means by which it was accomplished, unless the jugglers had the trees about them, in every stage, from the seedling to the fruit.

an eye shall we see the enchantress which enslaves the world and its votaries, seize the throat of another and another victim; and so exposed is man to be trodden down by the calamities of life, that one might be almost persuaded to affirm that he never had existence. "That world, the end of which is destined to be thus miserable, can scarcely be worth the risk of so much useless violence."

If indeed, in contemplation of future contingencies, I have been sometimes led to deal with thieves and robbers with indiscriminate severity, whether during my minority or since my accession to the throne, never have I been actuated by motives of private interest or general ambition. The treachery and inconstancy of the world are to me as clear as the light of day. Of all that could be thought necessary to the enjoyment of life I have been singularly fortunate in the possession. In gold, and jewels, and sumptuous wardrobes, and in the choicest beauties the sun ever shone upon, what man has ever surpassed me? And had I then conducted myself without the strictest regard to the honour and happiness of God's creatures consigned to my care, I should have been the basest of oppressors.

But to descend to matters of less serious importance. At the period of which I am about to speak there were to be found in the province of Bengal performers in slight of hand, or jugglers,* of such unrivalled skill in their art, that I have thought a few instances of their extraordinary dexterity not unworthy of a place in these memorials. On one occasion in particular, there came to my court *seven* of these men, who confidently boasted that they were capable of producing effects so strange as far to surpass the scope of the human understanding: and most certainly when they proceeded to their operations, they exhibited in their performances things of so extraordinary a nature, as without the actual demonstration the world would not have conceived possible; such indeed as cannot but be considered among the most surprising circumstances of the age in which we live.

First. They stated that of any tree that should be named they would set the seed in the earth, and that I should immediately witness the extraordinary result. Khaun-e-Jahaun, one of the nobles present, observed that if they spoke truly, he should wish them to produce for his conviction a mulberry tree. The men arose without hesitation, and having in ten separate spots set some seed in the ground, they recited among themselves, in cabalistical language unintelligible to the standers-by, when instantly a plant was seen springing from each of the ten places, and each proved the tree required by Khaun-e-Jahaun. In the same manner they produced a mango, an apple tree, a cypress, a pine-apple, a fig tree, an

* Bauzigurs.

The intercourse with Kabûl, so long interrupted by the atrocities of these robbers, was now by the effect of Lushker Khaun's victory completely re-established, and the communication so well secured, that every description of fruit the produce of that province may at present be procured at Lahour every other day, although neither very cheap nor in great abundance. The shedding of so much human blood must ever be extremely painful; but until some other resource is discovered, it is unavoidable. Unhappily the functions of government cannot be carried on without severity, and occasional extinction of human life: for without something of the kind, some species of coercion and chastisement, the world would soon exhibit the horrible spectacle of mankind, like wild beasts, worrying each other to death with no other motive than rapacity and revenge. *God* is witness that there is no repose for crowned heads. There is no pain or anxiety equal to that which attends the possession of sovereign power, for to the possessor there is not in this world a moment's rest. Care and anxiety must ever be the lot of kings, for of an instant's inattention to the duties of their trust a thousand evils may be the result. Even sleep itself furnishes no repose for monarchs, the adversary being ever at work for the accomplishment of his designs. It has indeed been said that kings will find enemies in the very hair of their own bodies. "Let this my counsel be suspended like a jewel to thine ear. Hath heaven deposited in thine hands the power supreme—keep always well with the people subject to thy sway. Better that a man leave behind him a good name, than to leave behind him a palace of burnished gold."

While I am upon the subject, I cannot but consider that he to whom God hath assigned the pomp and splendour of imperial power, with a sacred and awful character in the eyes of his creatures, must, as he hopes for stability to his throne and length of days, in no way suffer oppression to approach the people intrusted to his care. For my own part I can with truth assert, that I have never so far lent myself to the indulgence of the world's pleasures as to forget that, however sweet to the appetite, they are more bitter in the issue than the most deadly poisons. Alas! for the jewels of this world which have been poured in such profusion upon my head: they bear no longer any value in my sight, neither do I any longer feel the slightest inclination to possess them. Have I ever contemplated with delight the graces of youth and beauty? The gratification is extinguished, it no longer exists in my nature. The enjoyments of hunting, and of social mirth, have too frequently been the source of pain and regret. The finger of old age has been held out to indicate that retirement must be my greatest solace, my surest resource, and from thence must be derived my highest advantages. In short, there neither is nor can be in this world any permanent state of repose or happiness; all is fleeting, vain, and perishable. In the twinkling of

an

the sister's daughter of Nourjahaun Begum, in consequence of which union he became to me as a son of my own.

It had been made known to me that the roads about Kandahar were grievously infested by the Afghans, who by their vexatious exactions rendered the communications in that quarter extremely unsafe for travellers of every description. had it therefore in contemplation to employ a competent force for the extirpation of these lawless marauders. But while I was yet deliberating on the subject, an individual of the nation of distinguished eminence in his tribe, and who now enjoys in my court the title of Allahdaud Khaun, communicated to me such convincing reasons, that I determined to appoint an imperial foujdaur for the province, under whose management, should they again set at nought the imperial authority, they might then be exterminated without further caution. I did not hesitate to vest the appointment in himself, and he still retains the offic under my authority.

Another arrangement in the same quarter was not accomplished with quite a little difficulty. Lushker Khaun, who originally bore the name of Khauja Abûl Hussun, and who had from an early period been attached to the servic of the house of Teymûr, had recently been dignified with his title, and was despatched by my orders towards Kabûl for the purpose of clearing the roads i that direction, which had been also rendered unsafe by the outrages of a licentious banditti. It so happened that when this commander had nearly reache the point for which he was destined he found opposed to him a body of mountaineers, in manners and intellect not much better than wild beasts or devils, wh had assembled to the number of forty thousand, horse and foot and matchlock men, had shut up the approaches against him, and prevented his further advanc Confiding, nevertheless, in the goodness of God and my unwaning fortune, h did not hesitate, with whatever disparity of force, to precipitate himself upon suc superior numbers. A conflict thus commenced, which continued with unabate obstinacy from dawn of day until nearly sunset. The enemy were howeve finally defeated, with the loss of seventeen thousand killed, a number take prisoners, and a still greater proportion escaping to their hiding-places among th mountains. The prisoners were conducted to my presence yoked together, wit the heads of the seventeen thousand slain in the battle suspended from the necks. *After some deliberation as to the destiny of these captives, I resolved th their lives should be spared, and that they should be employed in bringing forage f my elephants.**

Th

* The passage in italics has been rendered for the most part by conjecture, the original being completely unintelligible as to bid defiance to all research. From the words Nerd bakhteny, it might b conceived that the fate of these captives was decided by lot.

force and skill that the head flew off to a considerable distance, exciting the clamorous applause of the whole assembly. I made him on the spot a present of thirty thousand rupees, and conferred upon him the title of Mirza Mahmoud Sheir-be-dou-neim (the lion-halver).

On another occasion a bow of remarkable excellence had been sent to me from Gujerat by Mirza Shumsy, the son of Mirza Koukah my father's foster-brother, which the strongest men had been unable to bend with the utmost exertion of bodily strength. The same Mirza Mahmoud again besought, and having obtained my permission to try his skill, took up the bow, and with little apparent difficulty brought the horns so far round as nearly to snap it in the middle, and this to the surprise of the bystanders. This afforded me another opportunity for the exertion of my bounty, and I advanced him from the order of one thousand to that of fifteen hundred, with the new title of Mirza Mahmoud Peitch-kemmaun (the bow-bender). Having subsequently received from me the appointment of foujdaur (or lord marcher) on the frontiers of Lahour, he became engaged in hostilities with a powerful Râjah in that quarter, whom he finally subjugated; and I then presented him with one of my finest elephants, with the title of Tehower Khaun, bestowing upon him at the same time in wedlock one of the female inmates of my own imperial palace.

Another of the ameirs of my court distinguished for courage and skill was Bauker Noodjum Thauni, who had not in the world his equal in the use of the bow As an instance of the surprising perfection to which he had carried his practice it will be sufficient to relate, that one evening in my presence they placed before him a transparent glass bottle, or vessel of some kind or other, a torch or flambeaux being held at some distance behind the vessel; they then made of wax something in the shape of a fly, which they fixed to the side of the bottle, which was of the most delicate fabric: on the top of this piece of wax they set a grain of rice and a peppercorn. His first arrow struck the peppercorn, his second carried off the grain of rice, and the third struck the diminutive wax figure, without in the slightest degree touching or injuring the glass vessel, which was, as I have before observed, of the very lightest and most delicate material. This was a degree of skill in the bowman's art* amazing beyond all amazement; and it might be safely alleged that such an instance of perfection in the craft has never been exhibited in any age or nation. As a proof of my admiration I immediately advanced him from the order of one thousand to that of two thousand horse; and I bestowed upon him, moreover, under a contract of marriage, the

* Before we arrive at the sequel I think it will be acknowledged, that our imperial archer was himself the *boldest bowman* in all his dominions.

a lion hunt in the neighbourhood of Lahour, and had gone out attended by a body of four thousand matchlocks. Mounted on his elephant, he had entered the jungle or forest, which was known to be infested by these fierce and ferocious quadrupeds to the number of twenty, male and female. Most unexpectedly three of these, all females, at once attacked the elephant, and one of them making an astonishing spring, fastened on my father's thigh. Providentially Moussâheb Khaun, mounted on his horse Kohpârah (*montipars*), which feared neither lion nor elephant, came up at the moment, and instantly darting forward to the relief of his master, contrived to seize the lion by the back of the neck with one hand, while with the other he buried his khanjer, or knife, in the flank of the furious animal. Thus assailed, the latter fortunately quitted its hold without further injury. But this was not all; at the very crisis of peril the two lions together rushed upon Moussâheb Khaun, when, it will scarcely be thought credible, seizing both animals by the neck with either hand, he beat their heads together with such force that their brains issued from their mouths and nostrils. For these and other deeds of distinguished valour he has been most deservedly elevated to the title of Sereffrauz Khaun; neither is he less renowned for experience in war than for undaunted courage.

Another chief renowned for his courage was Mirza Mahmoud, of a distinguished family of Seyeds at Mûsh-hed, who possessed under my father the rank of five hundred, and whom I early promoted to that of an ameir of one thousand. It happened one day that a lion of enormous size, which had been wounded in a neighbouring forest by a musquet-shot, was brought to my presence, and lingered for some days before it finally expired. A doubt having been expressed by me whether it were possible with the single stroke of a scymitar to sever the head of this animal from the body, some of those in attendance seemed to agree that the thickness of the mane* at the back of the neck rendered this impossible. A certain Raujpout, however, who claimed relationship with Râjah Maun Sing and remarkable for bodily strength as well as bravery, stepped forward and pledged himself, if I would give him permission, to strike off the head at a single stroke. Accordingly, drawing his sword, and with his utmost force making a stroke at the dead lion's neck, the only effect was the separation of a few hairs from the mane. Seeing this, Mirza Mahmoud approached, and also requested my permission to try his strength upon the lion's neck. "In the name of God," said I, "let us see what thou canst do." He accordingly advanced and raising his sword on high, made it descend on the lion's neck with such force

* It has frequently been considered a matter of doubt whether the animal so often referred to under the denomination of *sheir* in these countries was not a tiger; but the circumstance of the mane sets the matter at rest, and hundreds of lions have been killed by our countrymen about Hisar.

*f foresight combined with humility in individuals of the stock of Adam, while the nind is so polluted with worldly gratifications, that not a methkal of gold or silver an be extracted for the purpose of being devoted to religious uses or the cause of God.**

With regard to the maxims which should govern the policy of sovereign rinces, it has been said, that to resolve without the concurrence of men of expe-ience is the most fallacious of proceedings; but I contend, nevertheless, that here is no safety in council, unless founded in rectitude of mind. I maintain, hat if we intrust the concerns of the state to the opinions of another, we give to he Almighty an associate in the secrets of the heart. "We may pierce the sun tself with the diamond which points our vision; we may even penetrate the tars in their orbits by the same faculty; we may repose with safety in the aws of the dragon; but we may not confide to any man the anxieties of the mind." He that conducts the destinies of his country by the judgment of nother, must not forget that he will nevertheless be himself responsible, at the wful day of account, for all the exactions, the tyranny, the unjust decisions, violence, and oppression, to which the people may have been exposed, through such imprudent delegation. It is from the reigning sovereign that the awful reckoning will be required; not from those who have been his advisers. How much does it then behove the man who holds the crown and sceptre, in every clime, to make himself, by a personal investigation, immediately acquainted with the grievances of his people, so that assured redress may be always attainable, that no one should be within the grasp of oppression in any shape! I shall now recur to other matters.

Moussâheb Khaun, the Ouzbek, was distinguished for his bravery among the bravest of the age, and had attained, in the time of my father, to the rank of an meir of three thousand. I now advanced him to the order of five thousand, ssigning to him at the same time the foujdaury, or command of the armed force n Gûjerat. Some of the exploits of this intrepid man were worthy of the heroic Rûstum in the brightest periods of his career. The frontier districts of Gûjerat, previously an uncultivated and mountainous wilderness, overrun on every side ith briars, thorn, and thistle, were under his management so cleared and im-roved, that a single person might traverse the country from one end to the ther without difficulty or molestation. It was at the same period that he received from me the title of Khaun.

As an instance of the fearless courage and presence of mind of this brave sol-ier, I cannot forbear to relate, that on one occasion my father was engaged on

N 2 a lion

* The passage in italics is so obscurely written in the Persian copy, that it has been impossible to e it any other sense than the above.

of the different fortresses, great cities, and other places, throughout the empire, which do not fall far short of thirty lacs, or three millions of men similarly armed; not including ordnance on the works of the numerous fortifications, some of which latter pieces require a charge of fifty and sixty maunns Hindûstauny of powder and ball.

At the period when I took my departure from Lahour for Agrah, on the occasion recently described, it happily occurred to me to direct that the different zemindaurs (or landholders) on that route, should plant at every town and village, and every stage and halting-place, all the way from Lahour to Agrah, mulberry, and other large and lofty trees affording shade, but particularly those with broad leaves and wide-spreading branches, in order that to all time to come the way-worn and weary traveller might find under their shadow repose and shelter from the scorching rays of the sun during the summer heats. I ordered, moreover, that spacious serrâis, choultrics, or places of rest and refreshment, substantially built of brick or stone, so as to be secure against early decay, should be erected at the termination of every eight kôsse,* for the whole distance, all provided with baths, and to every one a tank or reservoir of fresh water: a certain number of attendants was also allotted to every serrâi, for the purpose of sweeping and keeping clean, and in other respects to take care of them. And, lastly, at the passage of every river, whether large or small, convenient bridges were erected, so that the industrious traveller might be enabled to pursue his objects without obstruction or delay.

In the same manner, all the way from Agrah to Bengal, a distance altogethe of six months' journey, at similar intervals trees have been planted and serrâi erected, the former of which have already grown to such a size as to affor abundant shade. And more than this, many benevolent individuals, emulous o evincing their zeal in promoting my views, have at different stages laid ou spacious gardens and plantations, containing every description of fruit tree; s that at the period at which I am writing, any one desirous of travelling to an quarter of my dominions, will find at convenient distances spacious buildings fo his accommodation, and a refreshing supply of fruit and vegetables for his recrea tion; in so much, indeed, that he might be led to declare that he is a strange to the fatigues of travelling.

Of a surety, these are the things of which the effects will be found beneficia both now and hereafter. Acts of this kind will sanctify our descent into th silent grave; will constitute our memorial in the world of the benefits derive from us to our fellow-creatures. *But with all this, we are not to exalt ourselve with the thought that the germ of vigilance is inherent in our nature, nor that facult*

* At one mile and a half to the kôsse, this would be at the end of every twelve miles.

Khossrou neither eat nor drank for the space of three days and three nights, which ıe consumed in tears and groans, hunger and thirst, and all those tokens of deep epentance, peculiar only to those on earth who have sustained the character of rophets and saints, but who have nevertheless found that a slight daily repast vas still necessary to the support of life. It may be superfluous to remark, that n abstinence carried to the extremity of an entire fast for three days and three ights together, would inevitably have sent them on the fourth day to the bosom f mercy.*

[Of a certain Kalujen or Kumbujen, it is impossible to ascertain which, the mperial narrator proceeds to state as follows:]

In zeal, and diligence, and attention to the duties of his trust, he far surpassed is father. By night and by day he was unremitting in his attendance; wet or ry, rain or fair, leaning upon his staff, he would continue to read to me from ight to morn. Neither did he discontinue his practice even when forming one f the suite on my hunting parties. For these services I had previous to my ccession conferred upon him the order of one thousand horse, and I subsequently dvanced him to that of two thousand. He is now, however, from his increasing orpulence, become in a great degree incapable of discharging the duties of his ffice with the activity which formerly distinguished him. I shall here remark, n passing, that kings do not look so much to the persons of men as to their ser-ices; and exactly in proportion as these latter improve in merit, so will be the dvancement in favour, wealth, and dignity.

On the first day of every month, it was the rule with my father to set the ex-mple to his ameirs by discharging his musket, and this was followed by the hole train, from the highest dignitary to the lowest stipendiary enrolled in the rvice of the state, whether cannonier or matchlockman. But this discharge of tillery and musquetry never occurred but on that single occasion; unless, of urse, in battle. In imitation of the same example I have continued the prac-ce, a shot from my gun Droostandauz being followed by one from every indi-dual in my armies, high or low. In short, the teffung, or matchlock-gun, is a eapon so unerring in its effects, has cost so much thought and skill in the inven-on, that an army preceded by fifty thousand camels, mounted by a force of this escription, may be considered equal to the achievement of any undertaking hatever. I shall here further observe, that there are at present employed in e pay of the state, either immediately about my person, or that may be assem-ed at the very shortest notice, nearly five hundred thousand matchlockmen, ther on foot or mounted on camels, independently of those engaged in defence

N of

* The whole of this passage, from some omission on the part of the transcriber, it has been difficult translate into common sense.

very commencement of the action. Nearly four hundred heads of tribes, Owimauk, were sent to perdition in the conflict, and about seven hundred were brought from different quarters prisoners to my presence. The jewel-chest of Khossrou, containing jewels to the value of nearly two krour of five-methkaly ashrefies,* fell into the hands of some persons who were never discovered.

In the course of the same Thursday I entered the castle of Lahour, where I took up my abode in the royal pavilion built by my father on this principal tower, from which to view the combats of elephants. Seated in the pavilion, having directed a number of sharp stakes to be set up in the bed of the Rauvy, I caused the seven hundred traitors who had conspired with Khossrou against my authority to be impaled alive upon them. Than this there cannot exist a more excruciating punishment, since the wretches exposed frequently linger a long time in the most agonizing torture, before the hand of death relieves them; and the spectacle of such frightful agonies must, if any thing can, operate as a due example to deter others from similar acts of perfidy and treason towards their benefactors.

As the imperial treasury remained at Agrah, and it seemed inconsistent with good policy, in so early a stage of my authority, to continue long among the disaffected hypocrites at Lahour, I now quitted that place on my return to the metropolis, leaving the unhappy Khossrou a prey to the visitations of shame and remorse, in the custody of Dillawer Khaun, who had instructions to watch over him with unremitting vigilance. A son ought, indeed, always to be considered as the stay of monarchy; to continue therefore in a state of disunion and hostility with such would be to sap the foundations of its prosperity. Never have I permitted myself, either in this or any other instance, to be misled by injudicious counsels; my proceedings, as far as they were under my control, being ever governed by the dictates of my own reason and my own experience; constantly have I borne in mind the observation of that best of guides, my father, that there were two things of permanent utility to the sons of sovereign princes, prudence and fidelity in availing yourself of opportunities; the one indispensable to the preservation of sovereign power, and the other to the maintenance of a course of good fortune. But, too frequently, felicity in promoting a career of prosperity is found extremely inconstant; after a very limited period it slips through our fingers never to return.

But to resume the narrative. On the twenty-sixth of the month of Suffur, of the year one thousand and fifteen,† I returned to the metropolis of Agrah. I cannot omit to describe that, in sorrow for his past misconduct, the unhappy Khossrou

* Eighteen krour of rupees, or eighteen millions sterling, a sum too enormous for credibility.

† 15th of June, A.D. 1666, fifty Sundays after the battle with Khossrou.

God and the fortune of the empire being on my side, the result was a triumphant day for me: for when thirty thousand of the enemy had bitten the dust, the remainder discontinued all resistance and quitted the field in dismay.

Bahauder Khaun came, as it happened, to the very spot where Khossrou, having dismounted from his horse, had seated himself on a litter, conceiving that in the tumult and confusion of the pursuit he might possibly be able to escape without being known. Bahauder Khaun caused him however to be immediately surrounded by his troops, and Sheikh Fereid arriving also on the spot, Khossrou no longer perceiving the smallest outlet for escape, and that he must be overtaken without alternative, quitted the singhassun (or covered litter) in which he lay concealed, and announced to Sheikh Fereid that all further force was unnecessary, as he was, of his own accord, on the way to throw himself at his father's feet.

I call God to witness, that while at Goundwaul, at this perilous crisis, I experienced some strong forebodings that Khossrou was coming to my presence; but Jummaul-ud-dein Hûsseyne did not hesitate to express considerable doubt that Sheikh Fereid would that night be able to repulse the enemy, since, as he said, he had with his own eyes ascertained that Khossrou had with him a force of more than two hundred thousand fighting men. In this sort of discussion we were engaged when it was announced that Sheikh Fereid was victorious, and that Khossrou was his prisoner. Still incredulous of the joyful event, Jummaul-ud-dein dismounted from his horse, and throwing himself at my feet, persisted in the declaration, that although my imperial fortune indicated all that was propitious, still he could not yet give credit to the report. Every doubt was removed, however, a little afterwards, when Khossrou on his litter, accompanied by his general of artillery, was conducted into my presence.

Both Sheikh Fereid and Bahauder Khaun had conducted themselves on this trying occasion with distinguished ability and valour, and I immediately advanced the latter to the order of five thousaud, with the insignia of the drum and standard, and a present of horses with enriched caparisons, conferring upon him, moreover, the government of Kandahaur. Sheikh Fereid had previously possessed the rank of an Ameir of two thousand, and I now promoted him to that of four thousand. Seyf Khaun, the son of Seyed Mahmoud, had also greatly distinguished himself, having received not less than seventeen wounds in different parts of the body. Seyed Jullaul received a mortal wound in the upper region of the heart, of which he died a few days afterwards. He was of a distinguished family among the Afghans.

Seyed Hullaul and his brother, two of Khossrou's generals, terror-stricken by the din of the imperial kettle-drums, fled in consternation from the field at the very

and that he was actually engaged with the troops of Khossrou. Having swal lowed a single mouthful for good luck, I instantly called for and mounted m horse, and consigning myself entirely to the protection of God's providence without suffering myself to be delayed by any concern for an array of battle, o being able to furnish myself at the moment with any other arms than my swor and a javelin, I gave the reins to my horse, and hastened towards the scene o the conflict. I had however about my person more than ten thousand horse although none were apprised that they were that day to be led to battle. Neithe was it indeed in strict conformity with the rules of military discipline, to engag in conflict with numbers so inferior, however favoured by Providence, th troops being, in fact, much disheartened by the contemplation of their manifes disparity. I endeavoured to remove these impressions, by directing the Bukh shies to order the whole army forward to our support without delay, and makin generally known the crisis at which we were arrived. By the time I reache Goundwaul, accordingly, my force had amounted to twenty thousand horse an fifty thousand camel-mounted gunners or matchlockmen, all of whom I now for warded to the support of Sheikh Fereid.

Things were at this perilous crisis when I thought it advisable to despatc Meir Jummaul-ud-dein Hûsseyne with a message to Khossrou, intreating tha he would retrace his steps in time, and to beware of the awful responsibility t which he was exposing himself for the blood of such untold thousands of God creatures. From this, though himself well-inclined to repair to my presenc he was however withheld by the counsels of the desperate and turbulent profl gates by whom he was surrounded; and the reply which he conveyed to m through Jummaul-ud-dein imported, that having proceeded so far, there was n alternative but the sword; and that God Almighty would doubtless give th crown to that head which he knew to be most worthy of the empire.

When this presumptuous reply from Khossrou was communicated to me b Meir Jummaul-ud-dein, I sent to announce to Sheikh Fereid that there was n longer room for deliberation, and that he was at once to attack the main bo of the rebels. These orders were carried into execution without a momen delay. The attack commenced on one side from Bahauder Khaun the Ouzbe at the head of thirty thousand horse in cotton mail, and twenty thousand came mounted matchlockmen; while Sheikh Fereid with a body-guard of chose warriors rushed upon the enemy on the other. The army of Khossrou, on th occasion, consisted altogether of two hundred thousand horse and camel-mount matchlockmen; the former clad in the same description of quilted mail worn by the troops of Bahauder Khaun. The battle commenced at the c of the second watch of the day, and continued until sunset. The providen

minate pillage, the children of the wealthy inhabitants being seized on as hostages, and cast into prison.

The blood-stained banditti now set fire to one of the gates of the castle, which, it is here observed, together with the town is entered by twelve principal gates and four sally-ports. In the mean time Dillawer Khaun, with Hûsseyne Beg, who at present holds an employment in my household, Nour-ud-dein Kûly, the Kotwaul (or prefect of police), and others engaged in his support, hastened to defend the gate from within, the enemy not yet having succeeded in setting it on fire, the people from the inside incessantly pouring water upon it. By these means the wood-work of the gate being prevented from taking fire, the confidence of the enemy began to droop; and Nour-ud-dein Kûly, ascending the ramparts of the citadel, opened such a discharge of artillery and rockets from the walls and towers, as must have rendered the situation of the plunderers both hazardous and irksome in a very great degree.

The generals of Khossrou, not less than his troops, now despairing of the capture of the castle, and assailed by accumulating rumours of the approach of the imperial armies, began to perceive the folly of the treasons by which they had so deeply committed themselves; neither could they venture to foresee the moment at which, instead of laying siege to others, they should not be themselves besieged. All was now consternation, in which, nevertheless, setting their minds on battle and death, it was resolved, with one hundred and twelve thousand horse, which they had contrived to collect together, to make at night a bold and simultaneous attack upon my camp.

With this magnificent design in view, on Tuesday the 24th of Zilhudje, between the hours of evening prayer and supper-time, they abandoned the siege of the castle of Lahour, and withdrew from before the city altogether. On the evening of Thursday the 26th,* while at the serâi of Rhaujush Ally, intelligence was brought to me, that after raising the siege of Lahour, Khossrou, with about twenty thousand men, had gone off no one knew whither; and this awakening the greatest anxiety lest he might, after all, be able to elude my pursuit, I instantly gave orders to march, although there was at the time a heavy and incessant fall of rain. The same day I crossed the river of Goundwaul, and encamped at Dowaul.

It was on Thursday the 26th, about noon, that Sheikh Fereid succeeded in interrupting the march of Khossrou, and thus found himself at last in presence of the enemy. At this moment, at Sûltanpour, I had just seated myself, and was about to eat of some parched wheat, which was brought me by Moezz-ul-moulk, when intelligence was communicated to me of the situation of Sheikh Fereid, and

* 18th of April.

of ten laks of rupees,* equivalent to three thousand tomauns of Irâk, in order to defray his expenses in entertaining the same Bahauder Khaun, together with Jemmeil Beg the Badakhshanian, Shereif Ammole, and the other dignitaries; thus encouraging them, with an united object in view, to press vigorously upon the rebels, and accelerate those reports of success and victory which they were to transmit to my presence.

On the 24th of the month,† having obtained information that my triumphant banners had made their appearance in pursuit, certain of the most determined of Khossrou's generals received his permission to give battle. Sheikh Fereid on his part also bravely advanced his standard, at the foot of which he stood prepared for the attack. Bahauder Khaun above mentioned, to whom with my own hand I had devolved the sovereignty of Badakhshaun, and whom I knew to be a veteran and experienced soldier, proceeded to draw out his troops in order of battle; and having formed his army in three columns or divisions, with one of these he advanced directly upon the front of the enemy, while the two other divisions assailed them in flank. The action then commenced, and continued with sufficient obstinacy and considerable slaughter on both sides, until, of Khossrou's four principal generals, two betook themselves to flight, and the two others, with a thousand prisoners, were delivered alive into my hands. These I condemned to various punishments: some to be flayed alive, some to carry wooden yokes about their necks, others to be drawn through the river, and others to be trampled to death by my elephants. Those who escaped from the field wounded, conveyed themselves, heart-broken and harassed with dismay and terror, to the presence of Khossrou.

This same day reports repeatedly came in regarding the siege of the castle of Lahour, from which it became known that the garrison and the people of the town had embraced the same interest, and entered into engagements of mutual support. In these circumstances Hussun Beg Badakhshany represented to Khossrou that the people of Lahour were throwing open the doors of the imperial treasury, and were squandering the contents by extravagant donatives to the gunners who had made successful use of their pieces, independently of what was due to them as their regular pay; it being the design of this man, by persuading Khossrou to the pillage of Lahour, to involve him in irrevocable hostility, the city being indeed inhabited by men abounding in wealth and property of every description. Too easily misled by these insidious suggestions, and buoyed up by his expectations, that the plunder of the place would give him a treasury full to the skies, Khossrou gave instant orders that the gates should be closed; and the unhappy city was thus, for seven days, delivered up to ruthless and indiscriminate

* £100,000 sterling. † 16th of April.

description, whether as journalists, or otherwise employed, I had as my wards or disciples not less than sixty-six in number. All of these were instructed to be governed implicitly by certain rules of duty arranged for their observation. Of these we shall particularize the following:

In the disposal of their time they were never to be the dupes of their adversaries. Always to put their trust in the author of existence; always to commit themselves to the shield and protection of their Creator. Never with their own hands to be the death of any having life, excepting in the field of battle or the chase. Always to reverence the light as the abode of the glory and power of the Supreme Being. To consider all nature as bearing the impression of his Omnipotent Divinity. Always to keep in check the faculties of the mind. Never for a moment to be unmindful of God. In all undertakings to be governed by this impression—to do nothing without having him in remembrance.

In these maxims of mental discipline, my father, whose abode is now in paradise, and who in every thing has been my example and instructor, was pre-eminently perfect, making them ever the stedfast rules of his conduct, whether in his closet or his court. Neither am I myself less persuaded, that to have a sincere remembrance, and a just reliance on him who is the friend of all who serve him, is better than the professional sacrifices made in pretended devotion to him, while the imagination is intoxicated with the absurd vanities of this changeful world. Such, indeed, was the unwearied piety of that excellent prince, that I do not think the world ever furnished the example of its like; for from night to morning he was ever engaged, for the greater part, in meditation on the goodness of his Creator; in telling his praises by his revolving beads, and in prostrations before the throne of his eternal power. In his instructions, also, he never failed to inculcate, that if I were desirous of surmounting the difficulties of life, with ease to myself and satisfaction to others, I would neither rejoice nor place any reliance on any other than Him,* who is the cherishing principle of all creation. [The couplets are omitted which he describes as often repeated to him by his father.]

On Saturday the 21st of Zelhudje,† I encamped at the station of Anwund (or perhaps Anund), where I conferred upon Aeil Beg the Ouzbek the title of Bahauder Khaun, and thence despatched him with fifty-seven Ameirs and Mûnsebdaurs, from the order of one thousand to five thousand inclusive, to the support of Sheikh Fereid, who, with the advanced division, continued to precede us some distance in front. At the same time, I remitted to Sheikh Fereid the sum

of

* One would scarcely credit that the man who recorded these sentiments was the same that employed his ruffians to murder the learned and enlightened Abûl Fazzel, and sent the intrepid Sheir Afkunn, the first husband of his wife, to perish, like Uriah, by the sword of the enemy.

† 13th April, 1606.

of numerous armies; where instances have frequently occurred, in which men who on ordinary occasions could scarcely be satisfied to drink of the crysta spring, have been known to swallow deep draughts impregnated with the mos loathsome impurities, with as much satisfaction as if it were the very water o life. Nay, to the proudest monarchs on earth occasions have occurred, in whic the weight in diamonds has been offered in vain for a draught of the preciou beverage.

I can, in fact, adduce an instance in point which occurred immediately t myself, and it happened the first time in which I accompanied my father Akba on one of his excursions into the valley of Kashmeir. Delighted with scenes o verdure and beauty not to be met with in the plains of Hindustaun, we had en tered the mountain pass of Peirentehaul, when I lost sight of my attendants at moment when I experienced the pressure of hunger in the extreme. In vain sought for food or fruit, or drink—neither groom, nor cup-bearer, nor slave o any description was to be found in the midst of the multitude which thronge the narrow passes almost to suffocation.

I was, as I have said, labouring under the pressure of extreme hunger, an had made my way through the throng for a short distance, when I observed few sheep which belonged to Assof Khaun. Instantly dismounting I seized on of the animals by the throat, and causing it to be slaughtered, desired that kabaub (or fry) might be immediately prepared of the flesh, in order to allay th hunger which devoured me. At the moment I am writing these lines I a arrived at the age of forty years, and I can with truth declare that in the who course of my life I never experienced such exquisite relish in food as in th simple meal, so opportunely furnished by this carcase of a stray sheep. I thu experienced what it was to be without the means at hand of appeasing hung and allaying thirst; and my attendants were therefore instructed, whether on march or on a hunting party, hereafter never to be without the case, canteri, basket of refreshments. But while we remained in Kashmeir, neither the Khau Khanan nor myself ever went unprovided with cakes of bread at least about o own persons. I cannot omit to mention that on this occasion it was stat by the Kashmirians that whenever blood was shed within the pass of Peirentehau whether of men or other animals, so that loss of life was the result, some awf convulsion of nature invariably ensued. I can only add that I never witness any thing that furnished the slightest confirmation of such a fact.

At the same encampment near Shahabad I conferred the office Meir Ad (or minister of justice) on Sheikh Ahmed Lahoury. He had held the same offi under me previous to my accession, and I had never forgotten his services: a he had indeed received his education under my patronage; for of youths of th descriptio

groury, or collector, Khossrou had been enabled to continue his flight, and Dillawer Khaun proceeding with his utmost expedition from the same place, failed not to apprize all he met with of the force that was approaching under the fugitive. Abdurraihman, the diwan, or chancellor, of the Punjaub, receiving from Dillawer Khaun intelligence of the approach of Khossrou, threw a garrison of eight thousand horse and foot into the castle of Lahour, and proceeded with a considerable body of troops to meet the fugitive prince, at whose feet however he immediately cast himself. For this act of treason and perfidy he received from Khossrou, with the title of Melek Anwar, the appointment of lieutenant-general under his ephemeral government. The perpetration of such a deed of atrocious ingratitude was however visited after the defeat of Khossrou with its just reward: for having been taken prisoner, I caused him to be sewed up in the raw skin of a black-coloured ass, and in that guise he was led about the streets and bazars of Lahour; until, through compassion for a numerous family of defenceless children, I prevailed upon myself to pardon his crimes and spare his life. For offences of this description there is, indeed, but little room for mercy; yet such is the tenderness of my disposition, there are few instances in which I do not rejoice at any sort of feasible plea for the exercise of this benevolent quality. There are, however, two offences in particular which those entrusted with the exercise of sovereign authority can never pardon: treason against the state, and treachery in the harram.

On Tuesday the seventeenth of Zilhudje, while at Karnaul, I conferred upon Seid or Eidy Khaujah the rank of an ameir of two thousand, and I bestowed upon Sheikh Nozamm of Tahnaser the donation of six thousand rupees. Here it was communicated to me that an ordinary shop-keeper was going about persuading the people that he could shew them the Supreme Being in corporal substance, or in other words that he could exhibit the Creator to mortal vision;* and that he had contrived to impose upon vast numbers by his strange and impious discourses. Having failed in his attempt to seduce my understanding to the same absurd and impious speculation, I banished him from Hindustaun with permission to proceed to Mekkah.

On Thursday the nineteenth of the month,† we encamped at Shahabad, where we experienced the want of water to a very distressing degree. In prayer I lifted up my hands to heaven, and most providentially it so happened that on the self-same day there occurred a most copious fall of rain, which afforded to the assembled multitude which composed the army the most seasonable and abundant supply of that most valuable of blessings. A just estimate of the value of this most precious of the elements can indeed only be adequately formed in the midst

M of

* Perhaps a Roman Catholic exhibiting the *Host*. † 11th of April, A.D. 1606.

thousand rupees for distribution at Adjmeir, among the derveishes ministering round the resting-place of Mûeyen-ud-dein Chisti, and on Monday the sixteenth of the month we arrived at Pânipet.

This town has always been propitious to the fortune of the house of Teymûr, seeing that my father Akbar obtained two signal and decisive victories in the neighbourhood. The victory of my grandfather Homâyûn over Sûltan Ibrauhim Lody the Afghan, was also achieved on the plains of Pânipet. I shall here relate a circumstance which led to this latter victory.

Sekunder Lody, the son of Behlawel the Afghan and father of Ibrauhim, had appointed Doulet Khaun, the son of Tatar Khaun, governor of Pânipet, and the latter on the death of Sekunder Lody becoming the object of some jealousy and alarm to Ibrauhim, had been summoned to Dehly, the seat of government of the newly established monarch. But suspecting that there was some design in agitation that threatened his safety, Doulet Khaun contrived to evade the summons by delay, and sent his son Dillawer Khaun to appear in his stead. Finding this, Ibrauhim wrote to inform Dillawer, that if his father did not instantly appear at court he would infallibly be overtaken by the same punishment as had already befallen certain other refractory ameirs whom it was unnecessary to name. Dillawer Khaun did not fail to communicate this threatening message to his father; and the latter transmitting for answer that it did not exactly suit him to go to Dehly, immediately fled to Kabûl, where he joined the standard of my grandfather. It was in consideration of certain circumstances derived from this event that I raised Ibrauhim Khaun Gaugur to the highest rank and the title of Dillawey Khaun.*

However this may be, had Seyed Kamaul, the son of Seyed Hamid the Bokharian, been at Pânipet on the present occasion, instead of Dillawer Khaun, the unhappy Khossrou would never have succeeded in continuing his flight beyond that place: for so fatigued, harassed, and exhausted was he with hard riding and severe marches, and so discouraged his followers from the continual alarms of my rapid pursuit, that they were altogether in equal dismay and despair: add to this that my armies were closing round him on every side, in consequence of instructions early despatched by my orders. In the end, nevertheless, Dillawer Khaun Gaugur fully atoned for his error in quitting Pânipet, for hastening by forced marches to Lahour, he prevented that city from falling into the hands of Khossrou, as did Seyed Kamaul also in the subsequent action with Khossrou, as will be hereafter shewn.

At Pânipet, having been furnished with a litter,† through the assistance of the kroury,

* Ibrauhim Khaun was doubtless his original designation, as the son of Doulet Khaun.

† Singhaussin, a sort of dooly or palanquin.

rorthy—has this unlucky face of mine been worth a shower of ashes?—True ;reatness depends not either on reputation or report—elevation of mind belongs ıot either to the proud man or the boaster—humility will raise thy head above hine equals—pride will prostrate thee in the dust. The haughty and the arro- ;ant behold head downwards—dost thou wish for distinction, seek it not."

I shall now return to the circumstances of the pursuit of the fugitive Khoss- ou. On Tuesday the tenth of Zilhudje,* we encamped at the station of Houdel, heikh Fereid the Bokharian still keeping in advance with a body of light avalry. I was now induced to appoint Meir Moezz-ul-moulk, in consideration f his long and faithful attachment, to take charge of the important castle of Agrah, together with the treasure accumulated therein, in the room of Khaujah ahaun. I gave orders at the same time that my sons who continued unshaken ı fidelity should follow me without delay: for I had lost all confidence in years; nd friendship and disunion had with me far greater weight than labour and atigue, now that dire necessity had forced me into an absence of which I could ıot see the end, from my friends and all I loved.

On Thursday the twelfth of the same month our camp was at Feridabad, and n Friday the thirteenth † we reached Dehly, where I dismounted in the first ıstance at the tomb of my grandfather the Emperor Homayûn, doing homage to he immortal spirit of that illustrious monarch. I also gave to the surrounding oor the sum of thirty thousand rupees in alms, distributing both the money and ieces of cloth for vesture with my own hands. I proceeded thence to the grave f Sheikh Nizam-ud-dein Aoulia, intrusting the sum of fifty thousand rupees to Ameir Jamaul-ud-dein Anjû, and twenty thousand more to Hakeim Muzuffer, to e distributed among the indigent classes in the vicinity of the tomb. At this risis I found it expedient to despatch orders to Ahmedabad, requiring that ·hat was due upon the revenue of Gûjerat should be stated to Rajah Bikramajit; nd the balance, after defraying the expenses of the youzbashies (or captains of fties), specially accounted for to the imperial treasury.

On Saturday the fourteenth of Zilhudje my encampment was the caravan- erai of Beirah, which had been burnt down and abandoned by the fugitive Khossrou. Here I advanced Aga Moulla from the class of one thousand and ıe quota of one hundred and fifty horse, to that of fifteen hundred; and I elivered to Jemeil Beg the Badakhshanian the sum of one lak of five-methkaly shrefies,‡ to be divided among the men of his tribe, encouraging them at the ame time with abundant hopes for the future: for these men were not yet uite at ease from their apprehensions, derived from recent refractory and rebel- ous proceedings. I further ordered for Rajah Maun Sing the sum of fifty thousand

* 2d of April, A.D. 1606. † 5th of April. ‡ Nine laks of rupees, or £90,000.

allotted to the prince and the pauper; whence, after being bathed in every description of perfume, camphor, musk, and roses, a shroud for his vestment, a coffin for his chamber, they were conveyed to their last repose. One foot of the bier was supported on my own shoulder, the three others by my three sons, until we passed the gates of the castle. Hence my sons, and the principal officers of my household, alternately bearing the coffin on their shoulders, proceeded all the way to Secundra, where all that was mortal of the renowned Akbar was consigned to the care of heaven's treasury. Thus it was, and thus it will be, while this lower world continues to exist.

Seated at the head of his hallowed grave, we mourned for seven days afterwards, observing in every particular the solemn rites of sepulture. I appointed especially twenty readers, to recite by his grave without ceasing, throughout the night, the sacred lessons of the Korân, and I immediately allotted five laks* of five-methkaly ashrefies for the erection of a lofty mausoleum over the tomb. During the seven days of our mourning, I also directed two hundred lungurs (or services) of food, and the same number of services of sweetmeats, to be distributed morning and evening to the poor who might a tend. After this, the whole of the ameirs and other distinguished members of my court, who had accompanied in the solemnization of these funeral rites, returned to Agrah; and thus terminated the life of my rather, at the age of seventy-five years eleven months and nine days.

I shall here briefly repeat, that at the period of my father's death the greater part of the ameirs of the empire were combined in a plan adverse in every respect to my accession, and sought, by all the means in their power, to elevate my son Khossrou to the throne of Hindûstaun; designing, in fact, to leave to him the name only, while they retained to themselves the substantial exercise of the imperial authority. But the Supreme Disposer of events was on my side. The influence of the immaculate spirits of the imaums was in my favour. To the aid of no human exertion was I indebted for my crown; and a charge so momentous having been delegated to me by Him alone who knows neither change nor decay, I solemnly resolved, in my transactions with mankind, in the administration of justice, in protecting the defenceless, and in cherishing the poor and needy, to look to Him only to whom I owed my elevation, without the slightest regard to children or kin, or to any description of dependents whatever.

I have heard that one festival morning as he was quitting his bath, some one by accident threw a quantity of ashes on the head of Sheikh Bayezzid. Shaking the filth from his beard, and rubbing his hands across his chin, as if with a feeling of satisfaction, he exclaimed: "my soul, have I then been found thus worthy

* £450,000.

however, previously desired me to send for Méiran Sudderjahaun, in order to repeat with him the Kelmah shihaudet,* which he said it was his wish to postpone to the last moment, still cherishing the hope that the almighty Disposer of life might yet bestow some prolongation. On his arrival, I placed Sudderjahaun on both knees by my father's side, and he commenced reciting the creed of the faithful. At this crisis my father desiring me to draw near, threw his arms about my neck, and addressed me in the following terms:

"My dear boy (bâba), take this my last farewell, for here we never meet again. Beware that thou dost not withdraw thy protecting regards from the secluded in my harram—that thou continue the same allowance for subsistence as was allotted by myself. Although my departure must cast a heavy burden upon thy mind, let not the words that are past be at *once forgotten*. Many a vow and many a covenant have been exchanged between us—break not the pledge which thou hast given me—forget it not. Beware! Many are the claims which I have upon thy soul. Be they great or be they small, do not thou forget them. Call to thy remembrance my deeds of martial glory. Forget not the exertions of that bounty which distributed so many a jewel. My servants and dependants, when I am gone, do not thou forget, nor the afflicted in the hour of need.—Ponder word for word on all that I have said—do thou bear all in mind; and again, forget me not."

After expressing himself as above, he directed Sudderjahaun once more to repeat the Kelmah, and he recited the solemn test himself with a voice equally loud and distinct. He then desired the Sudder to continue repeating by his pillow the Sourah neish, and another chapter of the Korân, together with the Adeilah prayer, in order that he might be enabled to render up his soul with as little struggle as possible. Accordingly Sudderjahaun had finished the Sourah neish, and had the last words of the prayer on his lips, when, with no other symptom than a tear-drop in the corner of his eye, my noble father resigned his soul into the hands of his Creator.

[Here follow thirteen couplets, of which we shall content ourselves with giving the sense of the four last.]

"That tall cypress, which was the glory of the garden, have they laid prostrate on the bed of desolation. Ever shifting world! who is exempt from the effect of thy fascinations? Rapid and undistinguishing in thy stroke, the noblest blood has no sparing from thee. From thy snares there is no escape. There is nothing certain but destiny—nothing adequate on the part of man, but resignation."

The venerated remains of my father were now laid on those boards, equally allotted

* The Mahommedan formula: "*There is no God but God*," &c.

with great difficulty; and his dissolution being evidently at hand, he desired that I would despatch some one to summon every ameir, without exception, to his presence: "for I cannot endure," said he, "that any misunderstanding should subsist between you and those who for so many years have shared in my toil, and been the associates of my glory." Anxious to comply with his desire, I directed Khaujah Weissy to bring the whole of them to the dying monarch's sick chamber. Their names, were I separately to enumerate, would render our narrative unnecessarily tedious.

My father, after wistfully regarding them all round, intreated that they would bury in oblivion all the errors of which he could be justly accused,* and proceeded to address them in the following terms, arranged in couplets:

"Remember the repose and safety which blessed my reign,
The splendour and order which adorned my court, O remember.
Remember the crisis of my repentance, of my oft-revolving beads,
The canopy which I prepared for the sanctuary of the Kaabah.
Let the tear of affection shed rubies over my dust.
In your morning orisons turn your thoughts to my soul:
Let your evening invocations irradiate the gloom of night.
Do not forget the anguish of the tear-flowing eye.
When the chill winds shall visit your courts like the autumnal blast,
Think on that cold hand which has so often scattered gold among you."

He added the following stanza of four lines:

"Didst thou see how the sky shed around its flower-like fascinations?
My soul is on the wing to escape this cage of darkness.
That bosom, which the world was too narrow to contain,
Has scarcely space enough to inspire but half a breath."

Here I perceived that it might indeed be this mighty monarch's latest breath, and that the moment was arrived for discharging the last mournful duties of a son. In tears of anguish I approached his couch, and sobbing aloud, I placed my head at my father's feet. After I had then passed in solemn sorrow thrice round him, the dying monarch, as a sign auspicious to my fortune, beckoned to me to take his favourite scimitar futtah-ul-moulk,† and in his presence to gird it round my waist. Having so done, and again prostrated myself at his feet, I renewed my protestations of duty. So nearly was I indeed exhausted in these paroxysms of sorrow, that I found at last the utmost difficulty in drawing breath.

On the evening of Wednesday,‡ when one watch and four sections of the night were expired, my father's soul took flight to the realms above. He had, however,

* From the entire ignorance or negligence of the Persian transcriber, there has been considerable difficulty in reducing this passage into common sense.

† The conquest of empires.

‡ If the previous dates be at all correct, this must have been the 9th of the month.

ential interview. In answer, I sent to apprize him, that in consideration of
nany important services formerly rendered to my family, I had overlooked a
ong list of offences, some of them of considerable magnitude; and I had so
verlooked them, because men sometimes expose themselves to the bitterness of
emorse, without designing to offend. Would to God that I myself had no offence
o answer for! "How often," said I, "have I not surrendered to thee the very
tmost recesses of my heart, the repository, as far as thou wert concerned, of
very kind feeling, liberality, and indulgence?" What more than this could
e desire? Nevertheless, after so many proofs of my benevolence, if, in
efault of this interview, our intercourse was to cease, I consented to his request.
On Saturday, the eighteenth of the latter Jummaudy,* Sheikh Fereid the
Bokharian came to do homage to me, and for thus anticipating his compeers in
attention to my interests, he received from me the pre-eminent trust of principal
functionary in all affairs, whether civil or military, together with the usual appen-
dages of a scimitar, jeighah, and charger superbly caparisoned, together with
one lak of rupees in specie. After him came Rajah Maun Sing, whom I also
presented with an enriched kreisse and baldric, a horse and furniture, and other-
wise treated with friendship and distinction. The day following Khossrou him-
self, accompanied by the same Rajah Maun Singh† and Mirza Azziz Koukah, was
admitted to my presence; the latter urging me upon the request that the province of
Bengal should be bestowed in full sovereignty upon Khossrou, and that Payendah
Mahommed Teheghal should be sent to attend or assist him in his government.

Although it must be considered inconsistent with the ordinary maxims of
policy to have allowed of the absence of Khossrou from my presence at the very
commencement of my reign, obnoxious as he was to the suspicion of such ambi-
tious views, and all about my person concurring in the opinion, I ventured,
nevertheless, to comply with this request. I directed, at the same time, that they
should embark and cross the Jumnah without entering the castle of Agrah,
assuring them that as soon as the impending mournful event should have taken
place, they would be permitted to proceed towards Bengal.

At this crisis of anxious suspense, my father sent me one of his dresses, with
the turban taken from his own brows, and a message, importing that if I were
reconciled to live without beholding the countenance of my father, that father,
when I was absent, enjoyed neither peace nor repose. The moment I received
the message, I clothed myself in the dress, and in humble duty proceeded into
the castle. On Tuesday, the eighth of the month, my father drew his breath

 with

* Unless it was subsequent to the accession of Jahangueir, this must have been Saturday, the 5th. Akbar died on Wednesday, the 10th.

† The maternal uncle to Khossrou.

attendants, the emperor turned to the other side on his bed, and Mirza Azzi Koukah, on whose brows be now for ever placed the blushing (rosy) chaplet of falsehood, observing his master reposing in that condition, entered the chamber and making a sign with both hands, presumed to ask what were his majesty's commands with respect to Khossrou.

To this the sick monarch replied, "the decree is God's decree, and of him alone is the sovereignty. For my own part, with one mind I retain a thousand hopes. Surely, in giving a loose to such language in my presence, you have abandoned me to the jaws of death. Nevertheless it may happen that I have still some portion left in this life. If, however, the awful crisis be at hand—if the hour of departure be arrived, can I have forgotten the military promptitude, political sagacity, and other qualities indispensable to the successful exercise of sovereign power, which at Allahabad I witnessed in Seleim Shah? Neither do I find that the love and affection which I have ever borne him has for a moment been diminished. What if, through the misguidings of the evil one, he should for an instant have been led astray from his filial duty, is he not my eldest born, and, as such, the heir to my throne: to that throne which by the institutes of my race belongs to the eldest son, and never descends to him who is in years the younger? *But the six months' wide territory of Bengal I bestow upon Khossrou.*"

Having received these assurances from my father's lips, the specious hypocrites repaired in numerous groups to my presence, in such throngs, indeed, that the people had scarcely room to breathe. What, however, they thought necessary to communicate to me, they made known through Meiran Sudderjahaun Meir Jummaul-ud-dein Hûsseyne Anjû and Eidy Khaujah, and this was to the following effect: "The emperor, our sovereign, in giving to your son Khossrou every augmentation of rank, always instructed him to address your highness by the appellation of Shah-Bhye;* our prayer to your highness therefore is, that your treatment of your son shall be in every respect *paternal.*" My answer was, that in his conversation with me, my father never addressed me by any other name than that of bâba (child): it cannot, therefore, be denied, that on such occasions I was acknowledged as your future emperor; for the son can never be either brother or father.

By this answer the ameirs appeared to be involved in some perplexity, neither was it in their power to make any thing of a reasonable, much less a satisfactory reply. They seemed penitent of the part they had taken, and acknowledging their folly, cordially resolved on yielding to me, without further opposition, every proof of submission and allegiance; with the exception, however, of Mirza Koukah, who conveyed to me a second time his request for a private and confidential

* Brother prince. *Bhye* in Hindûstauny signifies brother.

friends discontinued my visits to the castle, I sent my son Parveiz with an apology to my father, stating that I was prevented from attending upon him that day by a severe pain in my head. My father, lifting up his hands in prayer for my health, sent Khaujah Weissy to intreat that if possible I would come to his presence, for that he had no longer any hope of life, particularly under the violent paroxysms of his complaint. "Alas!" said he, "what a time is this that thou hast chosen to be absent from my person, when thou knowest that, on my demise, the succession to the crown is without dispute." Perceiving the crisis at which matters were arrived, the perfidious ameirs proceeded to swear the Mússulmans on the Korân and the Hindûs on *salt*, that they had but one and the same language with themselves in their hypocritical design. Sheikh Fereid the Bokharian, who passed much of his time among these hypocrites, because with all his kindred he was in attendance upon the emperor, was in constant friendly communication with the faithful Mokurreb Khaun; while Mirza Koukah, usually entitled Khaun-e-Auzem, after the Mússulmans and Hindûs had taken the oaths, sent a message to Shahzâdah Khossrou, my undutcous son, to congratulate him on his approaching elevation. But he desired to know whether father and son were of one mind and one language on the subject, that, as he said, he might not be rendered odious to, or disgraced by one or other of the parties. To these absurd and selfish speculations Khossrou sent for answer, that the succession having been secured to him beyond all question, all these scruples appeared to be quite superfluous.

Both Mirza Koukah and Khossrou thus equally assured, the latter suggested to Rajah Maun Sing, that as there remained in the emperor scarcely a spark of life, it was evident that he would not be able to bear the motion of the *sookpal*,* and that if he should happen to expire in the removal, a heavy responsibility would rest with some one or other of them: he must therefore caution him to be upon his guard, for that there was not the smallest necessity for conveying the sick monarch out of the castle of Agrah. The argument seemed to have convinced the Rajah: nevertheless, watching the moment when my father should recover from a fit of delirium, he ventured to propose, that as the whole body of the people collected under Shahzâdah Seleim (the memorialist) were besieging the castle, if it were his pleasure it might be as well to remove for a few days to the other side of the Jumnah; and the moment his health was restored, he might return again without obstacle to his palace. The sick monarch demanded, in reply, why this was come to pass? Surely they had not shut the gates of the castle in the face of the Shahzâdah, and thus been the cause of his drawing the troops together? With the assistance of some of his attendants,

* A litter: from *sook*, 'ease.'

opportunities within the citadel with unceasing zeal and activity, and without allowing himself the ordinary intervals of repose, to promote my interests, and succeeded in a considerable degree in reclaiming the different Ameirs to a better sense of what was due to me. Of him I shall in this place also further observe that holding already, under my father's government, the rank of an Ameir of two thousand, I repeatedly urged him to point out in what way I could be of further service to him; and when my father advanced me to the order of twelve thousand, the first of my own train that I made a mûnsebdaur, or dignitary, was Mokurreb Khaun, on whom, by an additional thousand, I then conferred the order of three thousand horse; but of his sincere and unabated zeal for my service I have ever experienced the very strongest proofs.

How deeply my feelings were agonized at the thoughts of being excluded from the sight of my father, during the period in which I thus abstained from entering the castle of Agrah, I for some time withheld myself from communicating to any man, resigning myself entirely to the will of God. There were, however, a few on whose discretion and experience I could rely, to whom I finally made known the circumstances of pain and grief by which I was oppressed. These were Meiran Sudderjahaun, Meir Rezza-ud-dein the Kazvinian, and Khaujah Weiss of Hamadaun.

These confidential friends took occasion to remind me of what had occurred to Shah Issmâil and Sûltan Hyder Mirza, on the very night of the death of Shah Tahmasp of Persia. Certain of the ameirs had, it seems, entered into a coalition for the sovereignty of Issmâil Mirza, who resided in the citadel of the metropolis; and on the night on which it was their turn to be on guard in the citadel they entered into a consultation with the sister of Issmâil Mirza, to whom they communicated that there was a design on foot among some other ameirs to seize the persons of the adverse party, and to raise Hyder Mirza to the throne. That same night Shah Tahmasp expired; and Hûsseyne Beg with the ameirs who sought the elevation of Hyder Mirza, receiving the intelligence, brought his brother Mûstafa Mirza immediately against the place, and commenced a most furious assault. At last, conceiving the success of their resistance rather doubtful the garrison of the citadel, to put an end to the dispute, struck off the head of Sûltan Hyder Mirza and threw it over the walls. Losing courage at the sight Mûstafa Mirza immediately fled with ten thousand men in his train; by whom he was, however, soon abandoned, with the exception of Hûsseyne Beg and his brothers. But Mûstafa Mirza, not long afterwards, was seized by the same Hûsseyne Beg, and delivered to the new monarch Shah Issmâil, by whom he was finally put to death.

But to resume my particular narrative. Having with the advice of my truest friends

administered to him the before-mentioned draught in some broth. Another day he spoke in terms of displeasure to Hakeem Ally, one of his physicians; who endeavoured to appease him [if it be possible to make common sense of the passage] by assuring him, that things done under the influence of alarm were always unavailing, and that his constant solicitude was the application of such remedies as were best calculated to relieve him.

My father, however, not less for the purpose of tranquillizing the alarm of his attendants than that of sustaining the remnant of life, consented to eat of some rice and vetches dressed with oil [the Indian dish called kithery, made of rice and dohl and eaten with ghee or clarified butter]. But such was the debilitated state of his bowels, that what he had eaten could not be digested, and a violent dysentery was the result. Hakeim Muzuffer, another of the physicians, now pronounced that his brother physician had *grossly erred in his prescriptions*, particularly in allowing melon to his patient, at the commencement of the attack. From a just repugnance to take away from any man his reputation, and perhaps from a disposition to forgive, I determined that Hakeim Ally should not be trodden under foot, at a mere malicious suggestion, or an accusation on the part of Mûzuffer actuated by mere jealousy. "If," thought I, "God's destiny and the blunders of the medical class did not sometimes concur, we should never die." This much, on a feeling of discretion and kindness, I confessed to Hakeim Ally; but on the bottom of my heart all confidence in his skill was extinguished.

During the last ten days of his illness, I attended my father as usual for two or three quarters of time in the latter part of the day; and this I continued to do until Tuesday the fourteenth of the latter Jummaudy, when he became so greatly reduced that I remained with him from the time at which his medicine was administered in the morning for the remaining part of the day. While he was yet in a state to discriminate, he advised me on one occasion to keep away from the palace; at all events, never to enter unattended by my own guards and retainers: and it now occurred to me that it would be prudent not to neglect such advice; that at such a crisis it behoved me in my intercourse with the palace to employ the most guarded circumspection. One day I entered the citadel accordingly attended by my own retinue. The very next day, without consulting their sovereign, they dared to close the gates of the citadel against me, and actually brought forward the ordnance on the towers.

On Thursday the sixteenth, perceiving the pretence of alarm under which these men were screening themselves, I discontinued my visit to the palace altogether; and I then received by Mokurreb Khaun, a note from Maun Sing expressing on his part the expectation that I would concur in their views. On this occasion I must in gratitude observe, that Mokurreb Khaun employed his oppor-

to be a witness, broke forth among his attendants, in terms of agony and bitte self-reproach, to the following effect: "Alas," said he, "whither am I led, an from whom is it that I have been persuaded to separate myself? What is becom of the glory which once surrounded my most ordinary enjoyments, that I shoul now be driven to address by the respected title of Ameir, those who have arise from the very scum and dregs of society! That I should be compelled thu passively to look on at the enormities committed by such men on the subjects o my father's government!"

With these expressions upon his lips of repentance, self-reproach, and useles regret, suitable to the desperate lot to which he had abandoned himself, he never theless refrained, through folly and a false sense of shame, from recurring to th only remedy by which he could have been saved from ruin. For, as I stand i the presence of God, had the unhappy Khossrou, at this moment of returnin shame and remorse, presented himself before me, not only would his offence have been overlooked, but his place in my esteem would have been higher tha any thing he had previously enjoyed. Of this he had already experienced th strongest proof, when, after his unfilial conduct during the illness of my father which I must have suspected to have arisen from hostile views and motives o the most dangerous nature, yet on his bare expression of repentance and a returning sense of duty, I freely banished from my mind every unfavourabl impression. With regard to the circumstances of my father's last illness, an the means by which the duplicity and hostile designs of some turbulent ameir became known to me on that occasion, I may remark that the influence of my predominant fortune was finally triumphant, and without the slightest effort o human skill God Almighty placed the empire of Hindûstaun at my disposal. The story and the events of which it furnishes the recital are among the extraordinary things of the age in which we live, and the particulars may be learnt with sufficient accuracy in the following relation.

On Monday the nineteenth of the former month of Jummaudy, of the year one thousand and fourteen,* during a paroxysm of his complaint, the inmates of my father's harram proposed to him, previous to his taking a particular draught (the *noush-e-jaun* or life draught) to eat of some fruit and other delicacies presented to him. The effect of this indulgence was a violent indigestion, and as his anger was at the same time to a violent degree excited against Amein-ud-dein, whom reproaching in severe terms for his gambling propensities, this combined with the previous malady, produced results so unfavourable, that the whole of the ensuing day was passed in complete abstinence, not a morsel passing his lips. This was on the Tuesday. On the next ensuing, which must have been Wednesday, they adminis-

* 16th of September, A.D. 1605.

ications, all the affairs of my government should be classed under three heads, o be called Eymaun-o-thalâtha (*'the three signs'*).*

The second watch of the day had now expired, and the sun having attained he meridian, I was tempted to avail myself of the appearance of a shady tree to helter myself against the scorching heat of the atmosphere. At this moment ome melancholy reflexions passing through my mind, I could not forbear ob- erving to Khaun-e-Auzem, that with all the accompaniments of imperial splen- lour, and the absence of all concern for the result, I was nevertheless exposed, nd still more so were those who attended me, to many very serious inconve- iences, against which we had not had the leisure sufficiently to provide; but hat were these to the hardships endured by the unhappy boy who was flying nder all the discouragements of guilt and dismay! Alas, what are our inconve- iences to the sufferings in body and mind under which he labours? I confessed hat my resentment was, however, not a little aggravated by the reflection that ostilities should have arisen at so early a period of my reign, and in such a uarter; that those who had shared for so many years in my toils and solici- ude, should have thus exposed themselves to the inflictions of my just revenge. Nevertheless it afforded me some consolation that if I had not averted the impu- ation of neglect by taking horse at the instant, the wretched fugitive would by his time have gained some frontier ground, and there found himself joined by numbers of the factious and discontented—the perfidious hypocrites by whom he would have been soon surrounded. That I should personally engage in the enterprize was therefore without alternative, if I hoped to secure any reason- able prospect of success.

But to proceed with the narrative of this unnatural revolt. Arriving at a village remarkable for its numerous tanks and delightful groves, I determin- ed there to encamp. It now appeared that when Khossrou reached Mut- tra, which is one of the most venerated places of Hindû worship (the Keblah- gah, in fact), Hussun Beg the Badakhshanian entered the town with a body of his troops, and proceeded to exercise upon the defenceless inhabitants every species of violence and outrage; forcing from every one all the money they could lay hands on, and otherwise perpetrating such acts of profligacy and barbarity, that there remained no security for either sister, wife, or daughter in the whole neigh- bourhood. In short, such were the atrocities of every description of which these barbarians were guilty, that the unhappy Khossrou, not less alarmed than dis- gusted at the scenes of licentiousness and havoc of which he was thus compelled to

* If these circumstances did actually occur, and have not been put into the mouth of the imperial narrator by some ingenious fabulist, it must be confessed that they exhibit a very extraordinary coinci- dence, for the same facts are related, almost word for word, in the life of Homayún.

caused every one whom we met to be examined on the subject, and all agreed that he was certainly proceeding towards the provinces on the Indus.

About daybreak I arrived at Sekundera, three kôsse from Agrah, where has been erected my father's mausoleum. Here Mirza Hussun, the son of Mirza Shah Rokh, who had been intercepted in attempting to join Shahzâdah Khossrou, was brought to my presence; and as he did not pretend to make any denial of the fact, I ordered him to be mounted on a camel with his hands tied behind him.

On this occasion, doubtless under the influence of my father's blessed spirit, an omen was displayed in my favour, which, however extraordinary it may appear, I cannot omit noticing in this place; and the more so, because it was something similar to what occurred at a remote period to my grandfather Homayûn. That prince, when about the age of fifteen, was on his way to visit the tomb of his father, the illustrious Bâber, and seeing a certain bird crossing his path, observed to his attendants, that if it were his destiny to succeed to the empire, the arrow which he was about to discharge would reach the bird at which he was taking aim. To his great delight the arrow passed right through the head of the bird, which fell dead at his feet. His conclusion was, that thenceforth, no design of any importance should be undertaken on his part without some such appeal to the decrees of destiny, since he had a firm persuasion that the accomplishment would infallibly correspond with the omen.

But to describe what took place in my own regard. I had mounted my horse on quitting my father's resting-place, and had not yet proceeded a kôsse on my march, when a man came to meet me who could not have possessed any knowledge of my person, and I demanded his name. He told me in answer that his name was Murad Khaujah. "Heaven be praised," said I, "my desire shall be attained." A little further on, and not far from the tomb of the Emperor Bâber, we met another man, driving before him an ass loaded with fire-wood, and having a burden of thorns on his own back. I asked of him the same information, and he told me to my great delight that his name was Dowlet Khaujah ('*sir fortune*'), and I expressed to those who were in attendance how encouraging it would be if the third person we met should bear the name of Saadet ('*auspicious*'). What then must have been the surprise when proceeding a little further on, on the bank of a rivulet to our right, and observing a little boy who was watching a cow grazing hard by, I ventured to ask him also his name; his answer was, my name is Saadet Khaujah ('*sir felix*'). A clamour of exultation arose among my attendants, and with feelings of equal gratitude and satisfaction, I from that moment determined that, in conformity with these three very auspicious prognostications,

ny person, his zeal and attachment stood above all question, yet at such a crisis his sudden departure from my presence might furnish to the evil-disposed and lisaffected some suspicion against his loyalty; and I could not immediately livest myself of some uneasiness at the thought that his departure was in com-iany with my son Khoorum, who was something younger than Khossrou. I ieed not observe, that with the generality of mankind the maxim is that the uccession should rest in the eldest brother.

At the expiration of the third astronomical hour of the night, at all events, and ot long after the Ameir-ul Oomra, whom I considered as a son, and who cer-ainly enjoyed the most intimate share of my confidence, had taken to horse, I lso felt myself irresistibly impelled to follow him.* In these circumstances I sent owever to recall that minister, giving orders, at the same time, to Sheikh Fereid ie Bukhshy to get in readiness all the troops that night on guard in the palace f Agrah. I also instructed Ehttemaum Khaun, who was kotwaul, or superin-endant of police of the city, to despatch in every direction the most active iessengers, announcing the event to the principal ameirs on the frontiers, and i every city and town through the empire, and requiring their immediate pre-ence under the imperial standard. Those already on the spot received orders i be prepared to attend my person at the shortest notice.

The forty thousand long-tailed horses feeding in my stables were now brought rward, and as many as were required were immediately distributed among the ost experienced and bravest of my guards and veterans, even to the number of ne and two hundred each to many of the ameirs. I ordered out the whole of ie swiftest road-camels of my establishment, to the number of one hundred iousand, and to every soldier who was not possessed of one fit for service was iow given a fresh camel, with every other requisite equipment for the march. Every ameir and mûnsebdaur not immediately in attendance was at the same time lirected to follow me without delay. Doust Mahommed and Mahommed Beg he Kabulite, whom I had recently dismissed for Kabúl and the Punjaub, and vho had encamped some distance beyond Sekundera, now returned with the in-ormation that Shahzâdah Khossrou with thirty thousand followers had passed i that direction, and that he was marching with his utmost expedition towards he Punjaub.

After having distributed the fleetest horses and the swiftest going camels in iy possession to every man whom I could trust, I mounted my horse; and as it emed pretty well understood that the fugitive had taken the road to the left, I caused

K 2

* Here follow seven couplets, indicative of considerable distrust in mankind, which it would be dious to insert, though by no means deficient in point.

to a termination consistent with my wishes. He demanded, however, wit considerable earnestness, what were my orders should matters come to an extr mity, and the Shahzâdah appeal to the sword? I replied, that if he perceive that the affair could not be determined without a conflict, he was not to fail i the application of the resources placed at his disposal. In the concerns of sov reign power there is neither child nor kin. The alien who exerts himself in th cause of loyalty, is worth more than a thousand sons or kindred. He th employs his faculties to promote the interests of his benefactor, must comman the utmost in the power of his sovereign to bestow. The son who in the pre sumption of his heart forgets the duty which he owes to his father, and the ur numbered marks of royal bounty so liberally bestowed, is to me, in every sense a stranger. Though my son be considered the stability of the throne, yet whe he betrays his hostile designs, he must be compared to the man who saps th foundation of his house and builds upon the upper story (terrace).

Again, the man who puts the seal to his ingratitude by an open demonstratio of enmity, cannot expect that for him I should any more regard the claims o blood or proximity. Nay, have we not, in this respect, in Isslam a distinguishe example laid, in the domestic policy of the monarchs of the house of Othman who for the stability of their royal authority, *of all their sons preserve but one considering it expedient to destroy all the rest.* What, then, if for the preserva tion of the state, if to prevent the disorders that might otherwise interrupt th peace of the world, I should think it necessary to extinguish the mischief, thoug it shew itself in the bosom of my own family? But independently of these con siderations, I should have but little to boast of in capacity for the exercise of th power intrusted to me, if, after such a flagrant proof of his total disregard o filial duty, with my eyes open, I should ever again be tempted to intrust thi wretched fugitive with the slightest share of authority. This would indeed be with mine own hands to consign the power delegated by the Almighty supreme to those ruinous contingencies to which the world would be exposed, from th baneful effects of profligacy and ignorance. I have never given countenance t an act of violence, even in a matter of the most trifling importance, how then ca I pass it over in an affair of such vital consequence as that which now demand our exertions?

These reflections, suggested by a prudent concern for the general tranquillity may perhaps be considered superfluous to a man of the Ameir-ul-Oomra's expe rience and discretion; but he seemed, on the occasion, to have sought advic from a principle of foresight, and more especially to give confidence and stabilit to men's minds. When he had, however, proceeded a short distance from m presence, it occurred to me, that although from long and intimate knowledge o m

hauder was enjoined to collect this arrear, and remit the whole to government:—about the same period, I conferred upon Sherreif Khaun the Afghan, who had accompanied my son Parveiz on the expedition against the Rânah of Oudipour, a donation of thirty thousand rupees. On the same day I bestowed the daughter of my great uncle, Hindal Mirza, upon Shah Kûly Khaun Mohurrem. She had been chosen by my father to take care of my son Khoorum.

On the evening of Sunday the eighth of Zilhudje, of the year one thousand and fourteen,* and at the expiration of the second watch of the night, it was that, misled by the counsels of evil-disposed and turbulent men, my son Khossrou became a fugitive from his father's presence, directing his views towards the territory of the Punjaub.

Soon after the hour just stated, the chiraghtchey, or lamp director of Khossrou's household, who was attached to the interests of Vezzeir-ul-Moulk, came and reported to that minister, that at the second watch of the night the Shahzâdah had left his quarter in the palace, and that the night-watch had expired without his re-appearance. Vezzeir-ul-Moulk conducted the man immediately to the Ameir-ul-Oomra, who had just quitted my presence and was on his way home, and to whom this extraordinary occurrence was now communicated. The Ameir-ul-Oomra repaired without delay to the palace, and having with some difficulty awakened the eunuchs in Khossrou's quarter, from them it was soon ascertained that the prince had actually absconded. A further delay of an hour and a half was consumed in making these necessary inquiries, and then the Ameir-ul-Oomra hastened to make known to me the circumstances of an event so extraordinary. I had retired for the night to the interior of my harram, and the minister had desired Khoujah Ekhlauss to inform me that he had something to communicate which demanded instant attention.

Conceiving that some intelligence had arrived either of disturbances in Gûjerat, which was ever the abode of turbulence and sedition, or of some hostile movements peradventure in the south of India, I joined the minister with no other expectation; when I received from him in detail all that he had been able to discover of the Shahzâdah's unaccountable disappearance. In my first surprise, I demanded in some perturbation what was best to be done; whether I should take horse in person, or despatch my son Khoorum in pursuit of the fugitive. The Ameir-ul-Oomra observed in reply, that if I would favour him with my commands, he entertained not a doubt but that, with God's assistance and the influence of my imperial fortune, he should be able to bring this untoward event to

* 31st of March, A.D. 1606. If this date be correct, the event which he is about to describe must have occurred about four months and eighteen days after his accession to the throne, and should have been introduced long since.

arise, if my ordinance for the general remission of zekaat throughout th
empire should extend to all descriptions of merchants, or such as thought prope
to assume that character. It instantly occurred to me that this representatio
on the part of the worthy Kauzy had its origin, nevertheless, in views of sordi
self-interest, and not, as he wished to make it appear, in zeal for the advance
ment of the revenue. I therefore issued a further decree, ordaining that wha
ever the question of merchant or no merchant, I peremptorily remitted th
duties to all passengers conveying effects through the country without distin
tion. I caused it to be made known, moreover, that no person serving in m
armies was to presume to transgress an order thus publicly repeated; and thos
employed to guard the passes into the country were charged, as they value
their heads, to beware, a thousand times over to beware, of making the colle
tion of duty or any other object the pretext for oppressing the peaceebl
traveller with exactions in any shape whatever.

Seyed Kamaul, the son of Seyed Abdulwahab the Bokharian, had been investe
by my father with the government of Dehly, an appointment which he had bee
permitted to retain for a number of years. In the discharge of this importa
trust it now however appeared, that he had indulged in practices utterly inco
sistent with that integrity which should ever distinguish the character of a ju
and upright government. For this it was at first my determination to bring hi
to condign punishment, the love of justice being the predominant principle i
my nature. But recollecting the distinction which he enjoyed in my father
friendship, I was prevailed upon to forgive, without inflicting upon him an
other penalty than suspension from his authority.

When I decreed the remission of zekaat (or tenths) throughout Hindustau
the indulgence was extended to the province of Kabûl and its dependencies,
which latter altogether the revenue amounted in the time of my father to a kro
of ashrefies.* Now the province of Kabûl may be considered to bear towar
Hindustaun the same relation as Irân to Tûuraun. I was therefore desirous th
the natives of Khorassaun and Ma-wer-un-Neher (Transoxiana) should enj
the same advantages in the bounty of my government, in every respect, as t
people of Hindustaun.

I had transferred the jaguir of Assof Khaun to Bauz Bahauder; but as t
former stated that he had a claim on his jaguir for an arrear of two laks of rupee
I ordered the transfer to be suspended until such arrear should have been pa
up. In the meantime, I directed that the sum of one lak of rupees should
immediately given to Assof Khaun from the imperial treasury, while Bauz B
haud

* Nine krour of rupees, or £9,000,000.

clarified butter.* And this, it is to be remembered, although the elephants which descended to me on the demise of my father, alone amounted to twelve thousand, was the daily allowance allotted to each animal. From among all the others the same elephant was selected for my morning rides, and for this purpose there was always placed upon its back a throne or howdah of solid gold. Four maunns Hindustauny of gold was moreover wrought into rings, chains, and other ornaments, for its neck, breast, and legs: and lastly, its body was painted all over every day with the dust of sandal-wood.

It having been represented to me by certain individuals, that the departed Shah-zadah had, as formerly intimated, made use of force not only in the purchase of his elephants but of almost every other species of property, I caused it to be proclaimed, that if any of the persons thus aggrieved would come forward with their claims I was ready to make a restitution, in behalf of my brother, for any loss they might have sustained in their transactions with him.

I had in my possession a certain fowling-piece, for which I understood that Mirza Rustum had offered to the former owner the sum of twelve thousand rupees and ten horses, without success. As this appeared to me an extravagant consideration, I wrote to that person desiring to know what were the peculiar excellencies of the piece that could have induced such an offer. In reply he informed me, in the first place, that if fired a hundred times successively without intermission, the piece was never inconveniently heated; in the next place, that it was self-igniting, *i. e.* it was a firelock and not a matchlock; n the third, that a ball discharged from it never missed the mark; lastly, that t carried a ball of five mathkals weight. All these excellencies notwithstanding I made him a present of the gun.

On Saturday the seventeenth of Shavaul, of the year one thousand and wenty,† I presented my son Khoorum‡ with a necklace of pearl and a liamond jeighah or aigrette, altogether of the value of eight laks of rupees.‖ n process of time, indeed, Khoorum became the proprietor of jewels to a very xtraordinary amount. I only wish that in genius, and virtue, and every good uality, he may surpass all my other children in an equal degree.

On this same day I received from Kauzy Abdullah of Kabûl a written memoial representing the inconvenience and injury to the public revenue that would arise,

* Reckoning the maunn equal to 28 lbs., this would make about one hundred and ninety-six pounds veight per meal.

† 12th of December A.D. 1611, it was exactly the first day of the second month of the seventh ear of his reign.

‡ Afterwards the Emperor Shahjahaun.

‖ £80,000.

despatch camels. These were accompanied with all the appendages, all the requisites of a splendid court, with articles of gold brocade from China and elsewhere, the finest piece-goods of the manufacture of Gûjerat, and other commodities of the most valuable description. His jewels alone were estimated at fifty laks of ashrefies;* the specie in his treasury amounted to six or eight laks more: the whole of which was now brought to account in my presence.

On the same occasion the three hundred women of my brother's harram were put under my protection. To these I caused it to be explained, that if any were desirous of being disposed of in marriage they were to make it known to me, and they would be betrothed to such of the retainers of my court as I might think fit. It is to be observed, that each of these females possessed a regular allotment of jewels, vestments of gold brocade, utensils of gold and silver, a canopied elephant and horses, as also a separate establishment of handsome eunuchs and beautiful female slaves, and last of all a dower or marriage portion of three laks of rupees; all of which I freely relinquished to be conveyed with them to such of my Ameirs as they chose to espouse: thus at once relieving them from their constitutional wants, and myself from female importunity.

Among my brother's elephants devolved to me on the occasion was one of which I could not but express the greatest admiration, and to which I gave the name of Indraguj (*the elephant of India*). It was of a size I never before beheld: such as to get upon its back required a ladder of fourteen steps. It was of a disposition so gentle and tractable, that under its most furious excitements if an infant unwarily threw itself in its way, it would lay hold of it with its trunk and place it out of danger with the utmost care and tenderness. The animal was at the same time of such unparalelled speed and activity, that the fleetest horse was not able tokeep up with it, and such was its courage that it would attack with perfect readiness an hundred of the fiercest of its kind.

Such in other respects, although it may appear in some degree tedious to dwell upon the subject, were indeed the qualities of this noble and intelligent quadruped, that I assigned a band of music to attend upon it, and it was always preceded by a company of forty spearmen. It had for its beverage every morning a Hindustauny maunn of liquor, which is equal to ten maunns of Irâk; and every morning and evening there were boiled for its meals four maunns of rice and two maunns of beef or mutton, with one maunn of oil, of clarifie

* This at nine rupees to the ashrefy would amount to the sum of four krour and fifty laks of rupe or £4,500,000.

imilarly enriched, and a charger with embroidered and jewelled caparison. Thus id I accumulate upon him an hundred-fold the distinctions which he had held nder my father's government, and still further aggrandized him by investing im with the government of Bahar, with the most ample powers for the exercise f his authority. And yet more, I conferred upon each of his eleven sons he rank of one or two thousand horse, according to circumstances: so that, mong all the nobles of my court, none ever attained to such distinction, xcepting alone the family of Ettemaud-ud-Dowlah, his children and relatives, o whose hands, indeed, have now been consigned all the cares of my governnent.

About this period my attention was engaged in regulating the currency of he empire, for which purpose I issued directions for a new coinage, the silver upees and mohrs of gold in present circulation among the commercial and ther classes having become in the course of time much debased or deteriorated, y object being to give to the new coinage an advantage over the old, and any ifference unfavourable, to the new coinage being inadmissible. (Qu.)

Furthermore, having entrusted the funds destined for the support of the eneral poor to the superintendence of Meiran Sudder Jahaun, I consigned he management of the widows' fund on the same principle to Hadjy Koukah. bout the same period I advanced Zauhid Khaun from the order of fifteen undred to that of two thousand.

Another regulation which I considered it expedient to introduce about this eriod was the following: in the time of my father the superintendant of the resent department, whenever it was thought fit to distinguish any person by the ift of a horse or elephant, the supply being always furnished from the imperial ables, was known to enjoy an annual profit to the amount of five laks of rupees,* quivalent to fifteen thousand tomauns of Irâk. This practice, which I consiered equally absurd and oppressive, I caused to be abolished altogether; and directed that henceforth the imperial bounty was not to be encumbered with y exaction in the shape of fee, perquisite, or emolument whatever.

It may be proper to mention here the arrival about this period of Sâlbahan om the Dekhan, with the property and effects of the departed Súltan Danial, e middlemost of my brothers, which he now placed at my disposal. Among ese may be enumerated fifteen hundred elephants of the largest class, each f which might be considered cheap at the price of four laks of rupees.† To ese must be added eight thousand horses of the best breed of Irâk and dakhshaun, none of less value than the other, and eight thousand road or despatch

* £50,000. † £40.000 for a single elephant!

the same piece killed twenty antelopes of a day. I made, however, a vow, tha after attaining to the age of fifty, I would never more make use of a fowling piece, and this was occasioned by the following extraordinary circumstance.

One day being engaged on a hunting party, among a herd of deer or antelope which we had in view, I perceived one coloured and marked so beautifully, that I singled it out for my own pursuit, strictly forbidding any of my retinue from ac companying me, knowing, indeed, that the animal would be rendered wilder by the appearance of numbers. I discharged my piece, the same Droostandauz, a the creature repeatedly, without perceiving that my shot had any effect. A often as I closed upon the animal it bounded off, as if in entire derision. A last, after a third shot, I had once more approached close to the antelope, whe giving a sudden spring, it in an instant disappeared altogether. Either from th sudden spring, or from some cause that I am unable to explain, I fell into a swoon and remained in a state of total insensibility for the space of two hours; until indeed, impatient at my non-appearance, my son Khoorum hastened to the spo in search of me, and applying rose-water to my temples, succeeded at last in re storing me to my faculties. I continued, however, in a state of debility an anxiety of mind for nearly a month; and from that day I solemnly vowed tha after attaining the age of fifty years, I would never make use of my gun in th chase.

Before I dismiss the subject of my royal father, I cannot omit to observe, tha in the article of abstinence he was so far scrupulous, that for nearly three month in the year he never tasted animal food; but for the whole of the month in whic he was born, he strictly forbid that any animal whatever should be deprived of lif It must however be acknowledged, that he did not keep the fast in the month o Ramzaun; but at the festival at the conclusion, he never failed to repair to th Eidgah, where he performed with due solemnity the double course of praye with all the other prescribed acts of devotion: and to compensate for his omissio of the general fast, he bestowed their freedom upon three hundred slaves, an distributed fifty thousand rupees among the poor

Among those who had been most closely attached to me during the period o my minority, was Jummaul-ud-dein Anjû, who had, indeed, in the time of m father, given the strongest proofs of devotion to my interests. He had hither held the rank of one thousand, but with the title of Ezz-ud-Dowlah, I now raise him to that of twelve thousand, a dignity never before conferred on any of th Ameirs of my father's court or my own. I bestowed upon him, at the same tim the insignia of the great drum and standard, a sword set with diamonds, a baldr

similar

* So named after his mother's tribe, the Khoorma or Cutchwa of Ambér.

could not by any argument be prevailed upon to consent to this act of vengeance, however just. It was nevertheless carried to consummation without further ceremony, for the unfortunate Mirza, by a hint from Râi Sing, acting under the directions of Rajah Bugwandas, was suddenly thrown from the back of the elephant to the earth, and his head struck off by Sheir Mahommed.

But to return to Ekhtiaur-ul-Moulk. That chief, when he found it unavoidable, had dispatched a messenger to assure the emperor, that so far from any hostile design, he was come with no other intention, than of humbly testifying his loyalty at the foot of the throne. The imperial troops having, however, as we have seen, in the confusion of the sudden alarm, commenced the attack, the message could never be delivered, and he now applied his efforts to make his escape towards the hills. He was, however, soon pursued, and finally overtaken by Sohraub Beg the Tûrkomân, who, dismounting from his horse, immediately struck off his head.* Perceiving what had happened, his followers, at least such of them as were well mounted, fled in all directions, although ten thousand of them were thus unnecessarily put to the sword.

After this second victory on the same day, my father entered Ahmedabad without further accident. He remained here for the short period of seven days only; when leaving the province under the government of the Khaun Khanan, the son of Beyram Khaun, he returned to the metropolis.

It was subsequent to this, that the attention of my father was engaged in the conquest of Bengal, and the reduction of the impregnable fortresses of Chittore and Rintumpour, both of which latter undertakings he conducted in person. A chief of the name of Jeimul, who commanded the garrison of Chittore, while viewing the operations of the besiegers through one of the embrasures of the place, he shot through the head with his own hand; and the piece with which he exhibited this proof of his skill as a marksman, to which he gave the name of Droostandauz (*straightforward—never to miss*), is still in my possession. It must indeed have been a gun of matchless excellence, since my father is known, on good authority, to have killed with it, at different times, of birds and beasts not less than twenty thousand head; which is not less a proof of his singular skill than the goodness of the piece. I am myself not without some skill in the use of this weapon, being exceedingly fond of field sports of every kind, and having frequently with the

* According to Abûl Fazzel, Ekhtiaur-ul-Moulk had been left by the rebel Mirzas with his division to keep in check the numerous garrison of Ahmedabad, under Khaun-e-Auzem Mirza Koukah and Kotbuddem Khaun: but hearing of the defeat of his associates, and the capture of Mahommed Husseyne Mirza, he was making his retreat; and passing the right flank of the imperialists with about two hundred horse, while the main body was going round by the left, when being attacked in the manner described, he was compelled to fly.

he might attempt to escape, he placed him on horseback, and brought him to my father. Two other persons, however, claiming the merit of his capture, my father directed his prisoner to decide the point. "Alas!" replied the captive chief, "the emperor's salt has been my captor:" that is, the guilt of ingratitude for the bounty of my sovereign has led me into the snare. Moved with compassion at his sad reverse, however merited, my father directed that his hands should be unbound from behind, and secured before him. He was then consigned to the custody of Maun Sing Derbaury; but that chief, when he imploringly begged for a draught of water, ungenerously beating him with both hands about the head, my father interposed, and expressing his high displeasure, directed his attendants to relieve the unfortunate man from his own reserve. On this the Mirza seems to have intimated to his conqueror, that it would be advisable not yet to lay aside his precautions, for that, although one of the princes of Gûjerat had been defeated, and was his prisoner, there were three others still at large in the wilderness, who might yet occasion much trouble and alarm.

Slowly continuing his march towards the city, my father now transferred the care of Hûsseyne Mirza to Râi Sing,* whose daughter has at present a place in my domestic establishment, with orders to mount him, with his hands bound, on the back of an elephant, and so convey him into the town. While he was thus proceeding, another body of troops suddenly made its appearance in great force in the midst of the jungle, which although at the moment unknown, was afterwards discovered to be a division of Gûjerat, thirty thousand strong, under Ekhtiaur-ul-Moulk, one of the most powerful chiefs of the province, who now professed to be on his way to do homage at the feet of the emperor.

The imperial troops, naturally enough, becoming alarmed at this fresh display of a hostile force, my father ordered his martial music to strike up once more, and his warriors, mounted on fresh horses, again drew out for battle. In the mean time, Rajah Maun Sing,† Shûjayet Khaun, and Rajah Bugwandas,‡ with some light troops, advanced towards the strangers, and immediately commenced an attack; a volley of arrows, and a fire from nearly five thousand camel-guns, together with a simultaneous discharge of two thousand rockets, being directed at once upon the supposed enemy.

In this situation of affairs, Rajah Bugwandas sent a message to my father, reminding him that it was no longer safe to risk the escape of Mahommed Hûsseyne Mirza, and he therefore entreated his orders to strike off the rebel's head, as events seemed to have assumed an aspect of rather an alarming tendency. Such, however, was my father's compassionate disposition, that, notwithstanding the numerous proofs of ingratitude and perfidy on the part of the family, he could

* Rajah of Beekanair. † Heir-apparent of Ambér. ‡ Rajah of Ambér.

They now began to collect the spoil, and nearly two thousand elephants, two thousand valuable Parthian horses (horses of Irâk) in mailed caparisons, and fifty thousand* dromedaries, with the small guns on their backs, were led to my father's presence. Shûjayet Khaun was foremost to congratulate him upon the magnitude of his victory, which could be ascribed alone, he said, to the interposition of Providence, with the influence, perhaps, of his own glorious destiny; for no one, he observed, could have calculated on the presence of the emperor so entirely unexpected, or that the defeat of an enemy's force so greatly superior should have been so strangely accomplished.

Having made his offering of praise and thanksgiving to the Dispenser of Victory, my father proceeded slowly towards the city of Ahmedabad, and while on his way thither, it was announced to him that Seyf Khaun Koukah had nobly fallen in the battle, and had departed to the mercy of his Creator. For a moment he became deeply affected by the report; but recovering his self-possession, he became sufficiently composed to listen to the particulars of his foster-brother's fate, who was the brother of Zeyne Khaun.

It is curious to relate, that some days previous to this battle of Ahmedabad, my father had given an entertainment to his Ameirs, at which were present a number of Shanahbein,† or blade-bone soothsayers, of whom he demanded, if their science enabled them to declare to whom, on the impending conflict, the victory would incline. They pronounced without hesitation, that the victory would be with him who was the object of homage, but that one of his most distinguished nobles would fall a martyr in the conflict. That same night Seyf Khaun expressed to my father his earnest hope that this destiny might be his alone, for he was come to die in the cause of his benefactor; and as he wished, so it came to pass. In the course of the battle, he had received two desperate wounds in the face, and he was hastening, covered with blood, to present himself to his sovereign, when intercepted by the division of the enemy under Mahommed Hûsseyne Mirza, he fell, sword in hand, fighting to the last gasp.

Mahommed Hûsseyne Mirza, who had usurped to himself the title and dignity of King of Gûjerat, was led, in his flight from the scene of discomfiture, through a grove or thicket of baubûl trees, the thorns of which being extremely sharp and strong, one of them pierced the foot of his horse, which fell, and the Mirza was constrained to continue his flight on foot. At this moment Guddah Ally Beg, one of those who had the privilege of unreserved access to the presence of my father, overtook and secured the fugitive; so tying his hands behind, lest he

* More probably 5000.

† Literally *inspectors of blade-bone*, a sort of aruspices common in the East, who pretend to foretell events from the lines on the blade-bone of sheep: akin to divination by grounds of tea in the west.

every direction, might be said, to all appearance, to have met with total anni
hilation.

My father, after proceeding a short distance in advance, suddenly checke
his career, discreetly retaining in his hands the reins of strict discipline: whil
intent on observing the strange discomfiture which was at work among th
enemy, who were flying in every direction, as if pursued by an hundred thou
sand warriors foaming with vengeance. In these circumstances, left with a fe
only of his personal retinue, my father was attacked by Mahommed Hûsseyn
Mirza with his division, and for some time stood opposed to the most imminen
personal danger. Maun Sing Derbaury, one of his attendants, combatted suc
cessfully in defence of his master; but Rajah Ragudas, another, was killed o
the spot; while the faithful Woffadaur, a third, having received three wounds i
his arm and hands, was borne from his horse, and compelled to combat on foo
for the life of his benefactor.

Fortunately, the assailants seemed still unapprized that they were in presenc
of the emperor; and it was at such a crisis that three of the enemy's horseme
were seen making directly for his person. Two of these unaccountably turne
aside, and passed on without attacking him; but the third continued to approac
until close upon him. My father had seized a javelin from his armour-bearer, an
was about to transfix him through the breast, when the man called for mercy
and declared that he came for the express purpose of announcing the splendi
opportunity that lay before him; for that, panic-stricken by the exploding of th
rockets, the enemy had neither strength nor courage for further resistance: an
having thus delivered himself he rode away.

It was afterwards discovered that these three men had actually demande
to be employed against the person of the emperor, whom for some reward the
had probably engaged to destroy. But approaching the spot where he fough
two of the assassins, appalled by the majesty of his presence, reined their horse
the other way and withdrew: the third with greater boldness advanced close u
to the emperor; but observing him couch his lance, and that death was otherwis
inevitable, his only resource was to salute him with the annunciation of hi
victory, an expedient by which he contrived to escape with life.* My fathe
continued to maintain the unequal conflict without shrinking, until the troops o
the centre drawing near, gave positive information of the entire discomfiture an
dispersion of the rebels. He then gave orders that the imperial troops shoul
pursue to the utmost extremity, and not suffer a man to escape alive.

The

* According to Abûl Fazzel, who describes the conflict with great minuteness, all the three sep
rately attacked the person of Akbar, and one of them actually cut him across the thigh; but that h
escaped further harm by his singular address and activity, and the well managed movements of h
charger.

ill derive courage from our cowardice, and not one of us will be suffered to scape. In full reliance on the power of the Creator we came to this spot, and it our part, with one mind and one countenance, to make a concentrated fort against our adversaries: covered as they are with crimes and blood, the sue cannot be doubtful. It is with the clenched fist, not with the open hand, at our task is to be accomplished."

At this moment Mahommed Hûsseyne Mirza disengaged himself from the nks of the enemy, and advanced to the front; observing which, Shah Kûly haun Mohurrem and Husseyne Khaun Tûrkoman called out that the crisis for charge was arrived: to which my father cheerfully agreed. "I have secured r you," said he, "the aid of Providence, and the moment is arrived." They cordingly moved forward, but slowly and deliberately, until they came nearly contact with their opponents.

My father was mounted on the occasion on a favourite charger, to which he d given the name of Kohpârah (*montis pars*), and which was repeatedly known have rushed into the very jaws of an elephant. Clad in mail from head foot, with lance in hand and quiver to his waist, and supported by the st distinguished heroes of his court, he now put himself in an attitude for the rge. The war band, composed of forty-five pairs of kettle-drums on phants, with thirty horns and fifty trumpets, struck up at once, and the ole, to the cry of Allah-hû-Akbar, rushed sword in hand upon the enemy.

The terror which accompanied my father's renown, without any extraordinary rt, carried all before it on the left of the enemy; but the left wing of the erial army having been repulsed by Mahommed Hûsseyne Mirza, that chief ed ground considerably on that side, and there stood embattled, in no little fidence of success. Some troops of the advanced guard, however, arriving the spot, served for some time to keep him in check.

n these circumstances, my father being personally exposed to an incessant harge of rockets from all quarters, it so happened that one of the rebel ars let off a rocket, which by accident taking the direction of one of r own elephants which carried a load of five hundred of these horrible lements of destruction, the whole immediately exploded, one after another, e direction of their own ranks. These rockets striking at the same time ng the other elephants and camels which carried the same destructive ectiles, to the number of a hundred thousand, all exploded in turn; and the hants in their affright rushing upon their own army, the most tremendous fusion took place, nearly fifty thousand horses being either destroyed or dfully mutilated by the rockets. The effects of this fearful explosion were less destructive among the men, and the whole immediately dispersing in every

turning his face towards the Keblah, or sanctuary of Makkah, humbly and e
nestly besought the support of Him, who is the giver of victory and the auth
of all existence. Then remounting his charger, in perfect reliance on the aid
Providence, with the distinguished few who had the glorious destiny to be
attendance, he plunged fearlessly into the stream, and through the goodness
God, and the victorious fortune of his house, firmly established himself on t
opposite bank; the whole of the companions of his glory on this occasion n
amounting, when collected together, to more than five thousand horse. At tl
moment my father asked for his cloak (yelghah), which he had handed
Rajah Debchund, one of his attendants, to take care of, but which they no
said had been lost or thrown away in the rapidity of the passage. "This," sa
my father, "is also an omen in our favour: the avenues to the field of battle w
now be thrown more widely open; that is, we shall enter the conflict witho
incumbrance."

The imperial troops were by this time arriving in small parties on the riv
side, and plunging also into the stream, the body about the person of Akbar so
accumulated to ten thousand horse, together with one thousand elephants ar
two thousand gunners or matchlock-men. The refractory Mirzas, hurried to d
struction by their destiny, continued all this time unmoved, at the head of
force so superior, ready for battle against their imperial master, for who
numerous acts of bounty and generosity they were making this ungratef
return.

Khaun-e-Auzem, who could not have conceived that his master had conveye
himself and his army to the spot with such astonishing celerity, now left th
city and threw himself at his feet, swearing many an oath that he could y
scarcely believe the evidence of his senses. He was followed by Assuf Khau
and most of the other Ameirs of Ahmedabad, who successively hastened to pr
sent themselves to their sovereign.

All of a sudden, from among the trees of a neighbouring jungle, a body of th
enemy made its appearance; and my father, with reliance unabated on hi
Maker, to whose providence he had resigned his cause, prepared with fortitud
to receive the attack. Mahommed Kûly Khaun and Terkhan Diwaunah, wit
some others from the centre, made a movement forward; but suffering them
selves to be repulsed by the enemy after a rather feeble attempt, my fathe
expressed his displeasure, and addressing himself to Rajah Bugwandas,* briefl
observed, that however superior the force of the enemy, which he confessed t
be rather beyond what he could have wished, yet that they had no alternativ
but in their swords. "If," said he, "we but once shew our backs, the enem
wi

* Of Ambér.

Tûrkoman desired these equally ill-fated, and ignorant as they seemed to be, to be informed that the troops they saw before them were the advanced guard of the imperial armies, and that the emperor in person was present on the spot. Although their hearts had already begun to sink within them, and they could not yet divest themselves of their alarms, they ventured, however, to dispute the fact. "What absurdity is that *you state!*" *said these mistaken men*; "fourteen days ago only, our spies left the emperor at Futtahpour, and the army with its elephants and equipments could scarcely be conveyed hither in less than two months; this therefore must be a falsehood, and its authors could only be apostates and vagabonds escaped from the hands of justice."

My father now gave directions to place the troops in order of battle. Still there happened somewhat of delay; but the light troops bringing the report that the enemy were arming themselves, he finally gave the word to pass the river. At such a crisis, however, instead of obeying the orders conveyed to him to quit his ground, Khaun Kullan wrote to my father, to represent that the force of the enemy was great beyond all proportion of numbers; that the four greatest princes in Gûjerat were united at their head; that they had nearly two hundred thousand horse claid in mail or quilted coats, and twenty thousand camel-mounted matchlock-men, resolved to conquer or die; that they had moreover thirty thousand camel loads of rockets. That of all this he had, he said, undoubted intelligence. Until, therefore, the imperial army should have been joined by the troops under Khaun Khanan, Khaun-e-douraun, Khaun-e-jahaun, with the greater part of the expected reinforcements, it would be utterly repugnant to every maxim of prudence and discipline, with so small a body of men to cross the river, and place themselves in front of an enemy so very superior.

To this my father replied, that he had ever, and on this occasion more than any other, reposed his confidence in the goodness of God, and in his never-failing support. That had his reliance been placed on human aid, he would never have committed himself thus almost alone to the presence of his mortal enemies. "The matter," said he, "is now in other hands. Whatever may be his will, must come to pass. But the enemy is advancing to give us battle, and it would be the height of absurdity, by any wavering or indecision on our part, to confirm and give him courage at such a moment."

Thus, although the cavalry and greater part of his principal generals were yet far in the rear, and those present did not amount to more than five thousand; although most of the Ameirs about his person urged the expediency of delay until the arrival of the main body to his support, my father resisted every importunity, and continued unshaken in his resolution to give battle. Just as matters were arrived at this perilous crisis, he suddenly dismounted from his horse, and

turning

a numerous body of troops under Khaun-e-Auzem,* my father entered into co
sultation with some of his confidential servants, as to the measures to be adopt
towards the punishment of these hostile proceedings. Beiby Begum, the motl
of Khaun-e-Auzem, who was my father's nurse, was also present at this cour
by particular desire of my father. In concurrence with the suggestions of
faithful council, it was determined that a force should be immediately brou
together, and my father proceeding in person at the head of his troops,
account with these redoubtable adversaries would be settled without much d
culty. It is to be observed, that from Futtahpour, where my father then held
court, to Gûjerat, is a distance of two months' journey. Nevertheless, hav
completed his equipments and put the troops in motion, my father by for
marches, which he continued night and day, sometimes on horseback and so
times on a despatch camel, in fourteen days accomplished that which on ordin
occasions was a journey of two months, and placed himself in the very front
his enemies.

This was on a Wednesday in the second Jummaudy of the year nine hund
and eighty.† When close upon the insurgents, and not a vestige of the impe
garrison to be seen, it was in debate whether it would not be advisable to mak
night attack upon the enemy. To this, however, my father objected, observ
that these night attacks were the resource of the timid only, and suited th
alone who proceeded by trick. At break of day therefore of the ensuing morn
he directed the great drum for battle to be sounded, and a band of forty-five p
of kettle-drums and twenty Tatar horns striking up at once where they le
expected it, produced the utmost astonishment in the camp of the enemy, wh
attention had been hitherto entirely occupied with the siege of the opposite to

Having mounted his horse and proceeded a little in advance, my father ca
to the right bank of the river Sâbermatty, and observing a body of the enemy
the opposite bank, gave instant orders that the troops should plunge into
stream in their present array, and at all hazards cross to the other side.
observed at the same time that the ground on the right bank was so overgro
with jungle, or brushwood, as to be most inconvenient for battle, and that if
allowed of any delay for the purpose of procuring boats, the enemy would ra
their courage and become contumacious.

In these circumstances of surprise and alarm Mahommed Hûsseyne Mi
despatched some light troops to the river side, to demand of Sûbhaun Kûl
Tûrkoman chief who had advanced to the opposite bank, what were the obje
of this unlooked-for array, and who was the general who commanded? T
Tûrkon

* He was Akbar's foster-brother, therefore sometimes called Mirza Koukah.

† October, A.D. 1572.

1 which, having with some difficulty saved from being pillaged, together with ; elephant on which it had been mounted, he brought to the presence of my her. The mutilated head of Himmû, together with his tiara set with dia- ads, sapphires, rubies, emeralds, and pearls, to the value of sixty laks of irefies,* was at the same time laid before my father.

This being his first victory, my father considered it an omen auspicious to the ry of his reign. In the exultation of the moment, he raised the fortunate Shah ly Khaun to the rank of an ameir of five thousand, with the insignia of the m and standard. Treasure and valuable effects to an incredible amount, ether with three thousand elephants, fifty thousand camels, and other articles numerous for detail, were the immediate fruits of this triumphant day. On occasion it was suggested to my father by his minister Beyram Khaun, to ict a wound on the lifeless body, as a token of the consummation of his victory r the infidel. In reply my father observed, that sometime back, while amusing iself in his father's library, and looking at some paintings, the performance of dussummud the painter, a portrait was placed in his hands, which from the rmation of the attendants he found to be that of Himmû. "Instantly," said "I tore the thing to tatters, and threw it away from me. Let it suffice now t the man has met with his deserts; I considered that I had then achieved my ory over him."

When they came to count the slain in this battle, it was found that fourteen usand of the infidels had been put to the sword, exclusive of those who escaped n the field and perished of their wounds.

According to Abûl Fazzel this battle was fought, like most other battles for sovereignty of Hindûstaun, in the vicinity of Pâuipet, on Thursday the l of Mohurrim of the nine hundredth and sixty-fourth of the Hidjera, just ar later than described in the memoirs. The historian further states that û, though pierced through the eye with an arrow, was yet alive when it before Akbar, and obstinately refusing to speak, the young emperor, urged to it, declined notwithstanding to pollute his sword with the of his defenceless captive; on which the minister Beyram Khaun put the nate man to death with his own hand. With a feeling which reflects on his memory, Abûl Fazzel expresses his regret that the life of so brave le a man should not have been spared, and his talents employed, as they have been with perfect security, in the service of the state].

ndly. Again, when information was brought to him at Futtahpour that ople of Gûjerat, under Mirza Ibrauhim Hûsseyne and Mirza Shah Mirza, rounded and laid siege to the city of Ahmedabad, although defended by a numerous

* Five krour and forty laks of rupees, or £5,400,000.

one hundred thousand horse, fifty thousand camel-mounted musqueteers, an three thousand elephants trained for the field; and that he should have born moreover, the reputation of being extremely brave in action. He sent, howeve to my father a message, reminding him that, young as he was, he ought not t imagine that he was able to sustain a contest with a monarch of his superio might. "Come not," said he, "within the reach of my numerous and resistles troops and elephants, lest in the collision thou come to harm. I resign to the all the territories eastward from the Jumnah to the uttermost limits of Bengal and *mine* be the remainder of Hindûstaun." My father, in reply, desired him t reflect that there was little to boast of in his success over the unequal force of petty Hindy chief—where was the renown of throwing a chain over his ow slave? "Without experience of a battle with the brave, or having known aught o a shock with the warriors of my race, what canst thou conceive of the horrors o an equal conflict? The shadows of night disappear at the approach of day, whe the Lord of Light unsheathes his sword of splendour. At to-morrow's daw come to the field in thy strongest array, we shall then soon see whom God i disposed to favour."

Receiving this answer of defiance from my father, Himmû proceeded to com municate to his generals his arrangement for the battle, detaching a strong division with one thousand elephants in advance of the main body, and placing the remaining two thousand elephants in reserve in the rear of his line. In thi disposition he presented himself at the head of his army and led them to the con flict. My father, on his part, having distributed his band of martial music upon elephants, and formed an advanced guard of five thousand mailed cavalry, with one thousand trained elephants, without further concern mounted his elephant and placed himself directly in front of Himmû. It is proper to state that my father's army consisted of no more than fifty thousand horse, and eight thousand camel-mounted gunners or matchlock-men. The battle commenced with a dis charge of arrows and fire-arms, the elephants of the contending hosts being at the same time urged against each other by their keepers.

My father's fortune soon declared itself. An arrow transpierced the ill-fated Himmû through the head, and thus was he despatched to the abode of the wretched. His troops perceiving the catastrophe, immediately broke their ranks and fled: and thus were his boasted elephants, his treasures, and all the imple ments of his grandeur, at a single shift of fortune given to the winds. Shah Kûly Khaun Mohurrem, with some of his followers, happened to reach the spot where lay the throne of the fallen infidel, in the formation of which had been expended, in gold and jewels, the sum of two laks of five methkaly ashrefies;* and

* At nine rupees to the ashrefy, this would be eighteen laks of rupees, or £180,000 sterling.

ith all men, and under every variety of circumstances, place thine eye and heart cretly inclined towards thine everlasting Friend."

But in his character one prominent feature was, that with every religion he ems to have entered, through life, into terms of unreserved concord, and with e virtuous and enlightened of every class, of every sect and profession of faith, did not scruple to associate, as opportunities occurred; for the most part voting the live-long night to this species of social enjoyment. And here it is be remembered that, generally speaking, and taking the day and night together, s period of sleep did not extend in the whole to more than one pahar (or atch) of time.

His personal courage was of that fearless and imperturbable nature, that he s been seen not unfrequently to spring from the back of a female elephant to at of the most furious and refractory, known to have destroyed many a keeper, d this to the astonishment of those who had been most accustomed to the magement of these enormous animals. On other occasions where the elephant s so furious and intractable as not to endure the approach of the female, he ould ascend either a wall or a tree by which the elephant was to pass, and from ence cast himself without hesitation on the back of the infuriated animal; the ysterious energies with which the Almighty had endowed him being such that e elephant, as if by instinct of some supernatural influence, quietly submitted his management.

In proof of his more than ordinary muscular powers, I shall relate, that he used a massive iron chain to be made of ten Hindûstauny maunns, equal to an ndred maunns of Irâk in weight, which every morning he was in the habit of rking about with such apparent facility as to be quite astonishing, it being an eration which required an uncommon degree of strength.

Of his extraordinary skill in military movements, indefatigable activity, and proiency in the art of war, it will be sufficient to record the two following instances. First. It is well known that when he ascended the throne of Hindûstaun, on e demise of my grandfather Hemayûn, my father was not more than fourteen ars of age. It was at such a crisis that the infidel Himmû, who had made mself monarch of the Afghans, and to whom they pointed the finger as the ro of their tribe, put his armies in hostile array against the imperial authority. e conflict to which these indications of hostility led took place exactly on ursday the sixth of Mohurrim, of the nine hundred and sixty-third of the idjera (20th of November, A.D. 1555). It is not surprising that this man ould have been elated beyond measure with the contemplation of his power, en we reflect that he had been triumphant in two most sanguinary battles with e most puissant of Indian râjahs; that on this occasion he was at the head of one

prince's address, at last desired to know in what way it was possible to gratify him without incurring the risk of discovery and certain death. Danial replied, that at such a moment, a draught of liquor was to him as much as life itself.— "Go," said he, "and bring me the spirit in the barrel of one of my fowling pieces; twice or thrice repeated I shall be satisfied, and thou wilt be safe against discovery, or even suspicion." Subdued by these intreaties, Mûrshed Kûly did as he was desired; filled the piece so ominously named jennauzah with spirits, and brought it to his master. As the inauspicious name had been given to the piece by himself, it was so ordained by Providence that to drink what was conveyed by it and to be laid on his bier was one and the same thing—he drank of the liquid mischief and died: so true is it, that the tongue should be restrained from indulging in rash expressions.

In fine, what does not always occur in the same person, Danial was almost as fond of good eating as he was of drink. But there was one absurd ambition which seemed to be predominant with him beyond every other—that of possessing a superior train of elephants; to such a degree that, even among his own ameirs, if he saw one of surpassing size or quality, he did not scruple to take it away, sometimes forgetting the trifling ceremony of paying for it; of which hereafter. In short, as far as his power extended, he did not permit any one but himself to be master of a prime elephant. I shall lastly observe that Sûltan Danial was extremely fond of Hindûstauny music, and no bad reciter of Hindy poetry.

To return to the enumeration of my father's children, he had by Naun Beiby a daughter whom he named Lâla Begum, and whom he consigned also to the care of his mother, in whose charge she died at the expiration of eighteen months. Next, by Beiby Douletshah he had a daughter, on whom he bestowed the name of Araumbanu Begum. For this latter he entertained the greatest fondness, repeatedly recommending her to my protection, and charging me, for his sake, when he should be no more, to regard her with the same indulgent kindness—not without expressing his assurance, that his words would find a permanent place in my remembrance.

Of my father I may further observe, that in youth it would appear that he made good eating one of the greatest pleasures of his life, and considered a powerful appetite as one of its greatest blessings. Nevertheless, so sincere and humble a sense did he entertain of the superintending power of Providence, that, with armies so numerous and formidable at command, with a train of war elephants in number, and treasures in accumulation beyond all precedent, and an extent of empire, might, and grandeur never surpassed, he never for a moment permitted himself to be unmindful of that eternal Being whom he adored; and hence it was that the following couplet was ever on his lips: "Ever, in all places, with

orn. In other respects Sûltan Mûrâd was of a greenish or fresh complexion, i person rather spare, and inclined to tall; in disposition mild, dignified, delierate in council, and brave in action. In conduct so discreet, that my father onsigned to him the superintendance of his building department and working stablishments.

Subsequently my father had by Meher Semmaa a daughter, on whom he estowed the name of Meeti Begum; meeti in Hindûstauny signifying sweet. he died, however, at eight months old. After this he had a son by Beeby Iereiom who was placed under the care of Râjah Baharmul.

Upon the death of Sûltan Mûrâd my brother Shahzadah Danial was sent to omplete the subjugation of the Dekkan. On the arrival at Bûrhampour of my ther, who was proceeding to the same destination, Sûltan Danial, accompanied the Khaun Khanan and other distinguished ameirs of every class, with a rmidable allotment of the imperial armies, was detached in advance; and it was this period that the fortress of Ahmednuggur was reduced. My father came ain to Bûrhampour, and having invested Sûltan Danial with the government of e Dekkan, returned to Agrah. Danial was not more than thirty years of age en he also died at Bûrhampour, in consequence of his intemperate indulgence the use of spirituous liquors.

His death was accompanied with circumstances in some respects so remarkable, at I cannot withhold myself from recording them in this place.

He was extremely fond of shooting and the amusements of the chase, and had avourite fowling-piece, to which he had given the name of jennauzah (the r), and on which he had caused to be inlaid a couplet to the following purport:

> In the pleasures of the chase with thee, my soul breathes fresh and clear (tawzah),
> But who receives thy fatal mission, sinks lifeless on the bier (jennauzah).

His excesses in the disgraceful propensity to which I am compelled to refer, having been carried beyond all bounds of moderation, orders were at last issued, under the directions of Khaun Khanan, that he should no longer receive any supply of liquor, and that those who were detected in any attempt to convey such supply, would be punished with death. For some time, deterred by their fears of such punishment, none of his attendants ventured to utter even the names of liquors; and several days were permitted to elapse under these circumstances. At last, no longer able to endure this abstinence from his habitual indulgence, Danial, with tears and entreaties implored Mûrshed Kuly, one of his corps of gunners, to procure him even the most trifling quantity of the poisonous liquid, promising him advancement to the summit of his wishes provided he would comply with his request. Mûrshed Kûly, affected by the touching humility of the prince's

a daily expense of four laks of rupees, equivalent to twelve thousand tomauns of Irâk.* His hunting establishment was of a corresponding magnitude. Among other animals he had twelve thousand one-eyed antelopes to serve for the chase; and of neilahgas, mountain rams, rhinoceroses, ostriches, and elout-e-derriai,† twelve thousand more.

For my part, I have discharged all the elephants, excepting those effectually trained for war, and a few more which I have retained for purposes of recreation. In conclusion, of the paraphernalia, the requisites for grandeur accumulated by my father, whether in treasure or splendid furniture of any description, the invincible Teymûr who subdued the world, and from whom my father was the eighth in descent, did not possess one-tenth part. But my father's footsteps were lofty, probably he was of an ambition to aspire beyond all that went before him. In the qualities of his mind he was indeed nothing a-kin to the denizens of this lower world.

When he arrived at the age of twenty, Providence bestowed upon him his first child, who received the name of Fautma Banú Begum, but died at the age of one year. Her mother was Beiby Pungrâi. By Beiby Araumbuksh he had two sons, one of whom received the name of Hussun, and the other Hûsseyne. The latter was given to nurse to Bereijah Begum, the mother of Assuf Khaun, but lived only eighteen days; the other was consigned to the care of Zeyne Khaun Koukah, and did not live the tenth day. After these he had by Beiby Seleima Begum a daughter whom he named Shahzâdah Khaunum, who was consigned to the care of his own mother, Mereiam Makauny (who has her place with Mary). Among all my sisters, in integrity, truth, and zeal for my welfare, she is without her equal; but her time is principally devoted to the worship of her Creator.

Next was born to him by Beiby Kheira a son, to whom they gave the name of Pahry. When he became of age, being employed by my father to conduct the operations in the Dekkan, he had reduced the fortresses of Gawil,‡ Parnalah, and other places of strength, and otherwise made successful progress towards the entire subjugation of the countries south of the Nerbudda. This prince died at Khaunpour in that territory at the early age of thirty. The name bestowed upon him by my father was Sûltan Mûrâd, but having been born among the hills of Futtahpour, and a hill in Hindûstauny being called pahr, my father in familiar language usually addressed him by the name of Pahry, or mountain-born.

* This would be about thirty-four rupees a day for every first-class elephant.

† I know not what animal this could have been, unless it was the hippopotamus; perhaps it was the sea-cow of, which they suspended the tails round their horses' necks.

‡ Gawuilgur, or Gur Gaweil. This place was captured in 1803 by Sir Arthur Wellesley.

ersation on every subject. He associated, indeed, with the learned among the Hindûs of every description; and although he might not have derived any particular advantage from the attainment, he had acquired such a knowledge of the elegance of composition, both in prose and verse, that a person not acquainted with the circumstances of his elevated character and station, might have set him down as profoundly learned in every branch of science.

I shall here consign to perpetual remembrance, that in person my father was tall in stature, of a ruddy, or wheaten, or nut-brown complexion; his eyes and eyebrows dark, the latter running across into each other. Handsome in his exterior, he had the strength of a lion, which was indicated by the extraordinary breadth of his chest, and the length of his arms. In the whole, at all events, his exterior was most captivating. A black mole which he had on his nose, was declared by those skilled in the science of physiognomy to prognosticate an extraordinary career of good fortune: neither could he, indeed, be considered very unfortunate, who sounded the great drum of sovereign power for a period of sixty-five years, and that over a part of Hindûstaun two years' journey in compass, without a rival and without an opponent.

To furnish some estimate of the prodigious amount to which his treasures had accumulated, I should state, that having one day given orders to Kilidge Khaun to bring him an account of the gold alone in the imperial depositories, that officer took measures as far as possible to ascertain what was to be found in the treasury at Agrah. He obtained from different tradesmen in the city four hundred pairs of scales, which for a period of five months he kept at work, both day and night, in weighing the coin and precious metals. At the end of that period my father sent to inquire how many maunns of gold had been brought to account. The reply was, that although for the whole of the five months a thousand men, with four hundred pair of scales, had been night and day unceasingly employed in weighing the contents of one only of the treasuries, they had not yet completed that part of their work. On which my father despatched to desire that matters might be left as they stood; to return the metals to their places, to secure them under lock and seal, and repair to the presence. This, it is to be observed, was the treasury of one cityonly.*

The establishment of elephants which he had formed never was and never will be equalled by any earthly sovereign, for it comes not within the limits of ordinary calculation that any one will be able to bring together *twelve thousand elephants* of the largest class (mungloussy), with no less than twenty thousand of another class (females), to provide forage and provender for them, incurring a daily

* This may probably be one among many exaggerations; but in gold and jewels this was doubtless the richest monarch the world ever saw.

tinued to him his title, with the appointment of diwan; or steward of my household (perhaps the director of buildings). Whatever in other respects might have been the ground of his claims, his singular simplicity of mind is a pledge of his love of truth, and he is moreover sufficiently ready with his pen. Sheikh Bayezzid, another grandson of Sheikh Seleim of Adjmeir, I raised from the rank of two thousand to that of three thousand horse. The first from whom I drew milk was the mother of Sheikh Bayezzid; and with regard to himself, such is his distinguished prudence, that place him in whatever employment you may, in his hands it cannot fail to prosper.

In conversation one evening with certain Pundits, the appellation by which their divines and learned men are distinguished by the Hindûs, I took occasion to demand, supposing it to be their intention, in the images which were the objects of their worship, in some sense or other to represent the nature or essence of the Deity, what could be a greater absurdity, or more revolting to the understanding, since we all knew that the Almighty is eternally exempt from change or decay, has neither length nor breadth, and must therefore be totally invisible; how then could it be possible to bring him in any shape under the imperfect scope of human vision? "If, on the other hand," continued I, "your idea is the descent or manifestation of the light divine in such bodies, we already know that the power of the divinity pervades all existence; this was announced to the legislator of Israel from the midst of the burning bush! If, again, it be your design to delineate by affinity (*qu.*) any of the attributes of the Supreme Being, we must confess that here below there cannot in reality exist any affinity, otherwise we might have expected some such manifestation by the hands of those whom, in any religion, we believe to have possessed the faculty of working miracles, and who surpassed all other men in knowledge, in power, and every human perfection. But if you consider these figures as the immediate objects of adoration, and as the source from which you may derive support and assistance in these designs, this is a most fearful conclusion, since adoration is due to God alone, supreme in glory, who has neither equal nor associate." After a variety of arguments for and against, the most intelligent of these Pundits seemed convinced of the weakness of their cause, finally confessing, once for all, that without the intervention of these images they found it impossible to settle their minds to a steady contemplation of the perfections of the Supreme Being. To which, in reply, I could only observe, in what manner, after all, was it that these images of theirs could contribute to the attainment of such an object.*

With these pundits my father Akbar was in the constant habit of familiar conversation

* I have endeavoured to give to this curious passage the corresponding ideas in English.

gant and engaging qualifications. But, however repugnant, there cannot in se cases be any alternative: for should we omit to discharge ourselves of is our irksome duty, every aggrieved person would seize his opportunity of ne and place to avenge himself in his adversary's blood. To bring, therefore, prompt punishment the man who violates the laws of his country, is an alter-tive with which no person intrusted with the reins of power is authorized to spense.

[Here follow fourteen couplets, concluding with the remark, that the renown Solomon, however exalted, is wholly derived from his inflexible love of justice.]

Informed of the execution of his son, but aware that there could be no evasion elude the ordinances of God, Khaun-e-Auzem, after indulging in his grief r some days, finally suffered the melancholy occurrence to be banished from s mind. Of this distinguished Ameir I shall here observe, that he was an quisite penman in the Nestaalik character, a very perfect reciter of the apters of the Korân, and next to Nekkeib Khaun above-mentioned, I may nture to pronounce that he was unrivalled in the recollection of past events.

Like Khaun-e-Auzem, Assuf Khaun was also an excellent reciter of the orân, an eloquent speaker, and without his equal in conviviality of disposition. the whole court of my father there was not an Ameir more deservedly distin-ished, and I myself continue to cherish for him the highest respect, of which have given some proof in assigning to him the title of uncle. In truth, there e belonging to him such various accomplishments, both personal and intel-ctual, as can seldom fall to the lot of man. But there is one blemish clinging his character sufficient to obliterate all his virtues: his hand is closed against e graces of liberality, than which there cannot be a deeper stain on the human aracter, more particularly in that of a man of his exalted rank; for the canker avarice corrodes both here and hereafter. "I have exerted all the powers reflection to decide, but there is no quality of the mind more graceful an liberality." Another fault by which he has exposed himself to censure, was never known to pray. For this unpardonable defect he endeavours to ologize, by saying that he is prevented by the many temptations by which he perpetually assailed. Neither has he ever been reclaimed, although with my her's permission he has made the voyage to Mekkah, and there performed the cred ceremonies of the pilgrimage with every appearance of zeal and devo-n; nevertheless, on rejoining my father in Hindûstaun, this neglect of his igious duties remained unabated.

I promoted Moezz-ul-moulk from the order of five hundred to that of one ousand. Originally he bore the name of Moezz-ud-Hûsseyne, and in my her's service had the superintendence of the goldsmith's department. I con-tinued

I bestowed upon Seyed Ally Assuf the titles of Seyf Khaun. He is of th
Seyeds of Bâurah, and son of Seyed Mahmoud, who was one among the gre
Ameirs of my father's court, and a Seyed of the genuine stock. The son
worthy of his race, and no babbler. Than this, I do not know in man a bett
quality, and I despise the individual who is either rash in act, or hasty in di
course. In the whole course of his life I do not think that Seyf Khaun has ev
been guilty of an unworthy action. He is also a stranger to inebriating dru
or spirits, and this very year I design to place him among the most exalted
nobles.

Next I promoted Feridoun, the son of Mahommed Kûly Khaun, from th
order of one thousand to that of two thousand horse. Feridoun is the descenda
of an illustrious race, and himself not deficient either in daring or generosit
His courage is such, indeed, that he is known to have been more than onc
engaged in conflict with a lion. This most formidable of wild beasts, with on
hand wrapped in felt, and the other armed with a dagger, he contrived
overcome, by thrusting one hand into his jaws and stabbing him with the oth
until he killed him. To a Rajah Gahnum Pûll, the zemindaur of a purgunna
or district of the same name, with whom and his followers he was engaged i
hostilities, he also opposed himself singly, and though wounded in several par
of his body, succeeded in keeping him in check until finally relieved.

I am now about to relate an occurrence, which from the struggle betwee
private friendship and the sense of public duty, occasioned considerable pai
to my mind. Mirza Nour, the son of Khaun-e-Auzem, was brought before m
on a charge of homicide. This young man had possessed an extraordinar
share in my father's friendship, was as much beloved by him as if he had bee
his own child, and who made considerable sacrifices to gratify and indulge hin
In these circumstances, I directed that he should be taken, together with hi
accusers, immediately before the Kauzy and Meir-e-Auddel (or minister o
justice), who received my injunctions, according to what might be proved i
evidence, to fulfil with regard to him the dictates of the law. In due time
report was laid before me from these officers of justice, declaring that Mirz
Nour, the son of Khaun-e-Auzem, had been found guilty of the wilful murde
of a man, and that, according to the law of Mahommed, "blood alone was th
compensation for blood." Notwithstanding my extreme regard for the son, an
the respect which I bore for the father, I found it impossible to act in contr
vention to the ordinances of God, and I therefore, with whatever reluctanc
consigned him to the hands of the executioner.

For a month afterwards, however, I endured for his death the most consumin
grief, deeply regretting the loss of one so young, and possessed of so man
elegan

us to my accession, I had received an arrezdasht (or memorial) from the ikh, stating that he had recently had it revealed to him in a dream, that, to a ral certainty, the Most High would make me, in spite of all opposition, sove-ŗn of Hindûstaun: on the occurrence of which event he should venture to cit that for his sake, who had thus early predicted my exaltation, I would give the offences of the son of Khaujah Yaheya; and it was for this reason that oth pardoned and promoted the man.

)n Taush Khaun Beg, also a native of the province of Kabûl, who had re-ved from my father the title of Taush Khaun, leaving to him the same title, I ferred the rank of two thousand, presenting him at the same time with a ly caparisoned charger, jeigha and kreisse, both set with precious stones. This person is one of the oldest retainers of our house, having eminently dis-guished himself as a soldier in the time of my grandfather Homayûn, and ained his rank of ameir under my uncle Mahommed Hakkeim Mirza. He is far advanced in years, and, though his beard has lost its jetty blackness, retains his pleasing cast of features.

Another native of Kabûl whom I selected for promotion was Behajah Beg aun, whom I raised from the order of fifteen hundred to that of three thou-d. This chief is a person of the greatest practical ability, and was reckoned ongt the most respectable of the ameirs in the train of Mohammed Hakkeim ve mentioned. He is a man of distinguished courage, and though an ancient lier, is a sincere Mussulman, rigidly strict in the observance of his religious ies. I shall here add, that within a very few days I have given preferment to rly one hundred of the same tribe, with all the usual accompaniments.

Mirza Abul Kaussem, an ameir of one thousand, I advanced to the order of en hundred. He also is one of my father's oldest retainers, a good soldier, useful servant in other respects. It is remarkable, that of about thirty to whom he is the father, not one has turned to any good. It is, indeed, entable to observe, that the father of many sons but seldom derives any ad-tage from them in proportion to their number.

conferred upon Sheikh Ally, the grandson of Sheikh Seleim of Adjmeir, the of khaun, with the rank of an ameir of two thousand, presenting him at the e time with the sum of fifty thousand rupees, to celebrate the anniversary of venerated relative. Sheikh Ally was bred up from infancy in the same apart-its with myself, and is only one year my junior. He is a most intrepid sol-, and among the whole tribe has not now his equal. Strictly abstinent from oriating drugs, or liquor of any kind, I entertain the highest expectations n his merit. In very truth it might be said, that I consider him as one of my children.

I bestowed

thousand men, the which I dispatched to his support, the Ameer-ul-Oomra ag bravely charged his assailants, and put a considerable number of the Rajpouts the sword.

At such a moment, Sheikh Fereid, with ten thousand horse in quilted ma and five thousand camel-mounted musqueteers, armed and in complete arr arrived to the support of the minister, and gave instant check to the fury of t Rajpouts. While the conflict thus continued with protracted violence, a sing Rajpout approached sword in hand to make an attack upon Sheikh Fereid, w stood in advance under one of the standards. Seizing a javelin from one of h attendants, the sheikh passed it with such irresistible force through the breast the Rajpout, that the point appeared clean at his back, which of course sent t miscreant on his way to hell. The superior prowess of the imperial troops w now apparent, and great numbers of the Rajpouts were put to the sword; tho who escaped the slaughter betook themselves to flight in the utmost confusio Of these, however, about four thousand were made prisoners, all of whom, as a example to other wretches who might be disposed to follow in their steps, wer by my command, trampled to death by elephants. At the same time, as a livin example, to deter the turbulent and factious from engaging in such tortuous an disloyal designs, I directed the ringleader, whose name was Bukhta Ram, to b closely confined in the fortress of Gualiar.

It was on this occasion that Bahauder Khaun, an Ouzbek chief, ventured t make the remark, that if such an instance of rebellion had occurred under th authority of one of the sovereigns of his country, the whole tribe in all i branches would have been cut off from the face of the earth. To this I replie that I could not forget, that from my father, in whose armies they serve these Rajpouts had received unbounded indulgence, and enjoyed distinctio far beyond their equals of other tribes; and, in consequence of the preferenc thus shewn them, it might have been that they were led to conceive themselve of a superior class Neither could I consider it consistent with substantial ju tice, for the offence of a few misguided individuals, to extirpate a whole trib since, for every purpose of example, it was quite sufficient to punish the actuall guilty.

I shall now return to the more grateful subject of recording the rewards an advancements bestowed upon the more faithful adherents of my government. promoted Kauzy Abdullah the Kabûlite from the order of five hundred to that o five thousand; and on Khanjah Zakareia, the son of Khaujah Mahomme Yaheya, although in disgrace, I conferred the rank of five hundred. This I wa induced to do on the recommendation of the venerated Sheikh Hûsseyne Jaumy distinguished in our age for the unblemished purity of his life. Six months pre viou

who had received the title of Dillawer Khaun, and Hausham Monguly, who eceived that of Shahnowauz Khaun, both armed themselves, and putting followers in order, prepared to rescue this Eiltcha Ram from the hands of ımmed Amein, and carry him off to the enemy.

th these perplexing circumstances in mind, I secretly placed in readiness, lition to those immediately about my person, a body of four thousand horse wo thousand touptchies, or matchlockmen, with orders, in case of any pt against my personal security, to throw themselves upon the assailants, of ver cast, and use their utmost efforts to prevent the rescue of Eiltcha Ram. mmed Amein was directed to keep fast his prisoner to the last extremity. interim Nowauzesh Khaun hastily entered, and announced to the Ameir-mra that the rescue of Eiltcha had been actually effected, and that Ma-ed Amein had been compelled to take post near the jeil, or lake, among bzah (green fields, or perhaps, grassy reeds) surrounding the lake. This port was communicated to me by the Ameir-ul-Oomra in a whisper. The mult was now approaching with accumulated violence towards the foot of e royal tower of the castle of Agrah, and I intimated to the minister, that ings appeared to have reached that crisis, beyond which it would be a crime to longer idle. "Go then," said I, "with the soldiers under your orders, and nder to these miscreants the reward of their treason." The Ameir-ul-Oomra cordingly led out his troops, and soon engaged with the insurgents. I next ldressed myself to Sheikh Fereid the Bukhshy, observing to him, that I had not doubt the insurgents would be immediately joined by all the Rajpouts in the ighbourhood, which would materially add to our danger; I therefore charged m to call out his followers, and hasten without delay to the support of the meir-ul-Oomra.

On the departure of Sheikh Fereid, the noise and tumult of the conflict became uder and louder, and I ascended to the upper works of the royal tower, where gave audience to the people, and I thence observed the combatants hotly en-ged; not less than twenty thousand of the Rajpout cavalry having joined the surgents, and all of them now pressing furiously, sword and dagger in hand, on the troops under the Ameir-ul-Oomra; while the latter, with all the skill of ich he was master, was thus making head against the enemy. Kuttoub Khaun, e of the bravest and most useful of his retainers, together with many other gal-t men, fell before my eyes by the swords of the insurgents, and a far greater mber wounded. Dillawer Khaun,* who with others had charged the assailants the assistance of Kuttoub Khaun, was dragged from his horse and sabred, all o accompanied him sharing the same fate. Joined by a reinforcement of three thousand

* There were two of these we must suppose.

who when his kinsman Pahar Sing, the son of Rajah Maun Sing, was raised the order of two thousand at Allahabad, succeeded, with heartless officiousne in persuading that unfortunate person to bring disgrace upon himself; and was beginning to give effect to his malignant proceedings when he received t just compensation of his evil deeds.

Eiltcha Ram, another of the tribe, becoming alarmed at the execution these men, was beginning also to exhibit some suspicious movements, with t same heartless indifference to consequences, when I consigned him to t custody of Mahommed Amein, the kroury (or collector) of Bengal, with injun tions to watch over him with the strictest vigilance. The father of Mahomm Amein, by the way, was one of the Seyeds Termed. He was instructed at t same time, that on his arrival in Bengal he was to place this man under the ca of Rajah Maun Sing. With the greatest simplicity, after securing his hands an feet, this officer puts his prisoner into a common hackery, or covered bulloc carriage, and thinking all sufficiently secure, proceeded with him, without an further precautions, on the way to Bengal. Between Serrâctaal and Ghazipou about midnight one evening, when all were asleep, the prisoner watches his o portunity, and effects his escape, with the notorious design of joining the Ran However, as this could not be accomplished without some noise, Mahomme Amein became apprised of the circumstance, and instantly proceeded in pursu of the fugitive The latter coming by accident to a part of the Jumnah whe there was no ferry-boat, boldly plunges into the river, and gains the opposit bank in safety. But here his career terminates: he is laid hold of by some the country people, and bound with ropes until the arrival of Mahommed Amei to whom he is once more safely delivered up.

Mahommed Amein, upon this, transmits a despatch to my presence, announ ing that he was again master of the person of his prisoner, whose design ha been, as he alleged, to join the Rana, and requesting my further orders. sent to acquaint him in reply, that if there were among the Hindûs of the Ra pout tribes any individuals willing to be his securities, I was disposed to pardo and give him a jaguir. Finding, however, probably from the notorious turbu lence of his disposition, that no one would venture to become security for him, consulted with the Ameir-ul-Oomra as to what, under such circumstances, ough to be done; for, if suffered to escape, such confusion might arise as it woul be difficult to control, considering that the Rajpouts were in the country mor numerous than cats and dogs. The Ameir-ul-Oomra stated, that to him ther occurred only two alternatives, either to place him in the custody of some conf dential individual, who would engage for his safe keeping, or at once to confin him in the fortress of Gualiar. Things came to this crisis, when Ibrauhim Gau

gur

ome time previous to my accession, I had conferred upon Sheikh Hussun aâr the title of Mokurreb Khaun; and this person it was that I selected to ;eed into the Dekkan to the camp of the Khaun Khanan, in order to bring y the children of my deceased brother Danial; for which purpose he received ı me the best instructions I could devise, to be communicated to that minis-

The commission thus entrusted to him, he finally executed with eminent ity, bringing away my brother's family and effects to a prodigious amount: jewels alone being estimated at the value of nearly five krour of five meth- ashrefies,* with two krour of the same currency in treasure.† He had at same time two hundred elephants of the largest size, and nearly two thou- l Persian horses in his stables. In justice I cannot omit to add, that as a ant the merit of Mokurreb Khaun is of the very highest order, and few are sovereigns who possess his equal. In fine, I raised him to the dignity of an eir of five thousand horse, with the insignia of the great drum and standard, enting him, at the same time, with a scimitar (shemsheir) set with diamonds, ıarger with enriched caparison, a jewelled aigrette, a sumptuous honorary s, and a trained elephant. It was on this occasion also that I conferred upon the government of Gujerat.

nother whom I thought fit to elevate to the order of two thousand horse Nekkeib Khaun, who bore originally the name of Ennayet-ul-Remly. He ived his title of Nekkeib Khaun from my father, and was of the Seyeds of vein. In other respects he was so extensively gifted in the knowledge of y, that however remote the points on which information was required, he it with as much facility as if consulted on the very spot, so unbounded his powers of memory. He has completed seven volumes on historical cts, and it must be confessed that in this branch of literature he is without l, and it might be justly said that of all creation there is no earthly monarch possesses one like him. I shall lastly observe, that in early youth I studied short time under his tuition.‡

ı the seventh day of the month of Shabaun (year not mentioned) Ramjee Butcharam, and Seyam, the sons of Bugwandas, who was the uncle of Rajah ı Sing, received the rewards of their perfidious deeds, having their heads ıed under the feet of my elephants, and being thus despatched to the hell ıred for them. Ramjee in particular was an idle and mischievous babbler, who

orty-five krour of rupees, or about £45,000,000 sterling!

ıbout £18,000,000 sterling, at nine rupees to the ashrefy. All these are sums so prodigious as tle the most credulous.

his is probably the same Nekkeib Khaun that translated the ancient Indian poem of the Maha- rom Shanscrit into Persian, for he is also stated to have been a native of Kazvein.

the misfortune of this prince, through the seduction of Meir Allâi-ud-deen t[he] Badakhshanian, to incur the displeasure of my father, in consequence of whi[ch] he had been sent towards Kabûl in custody of Khaujah Abdullah the Kabûli[.] There happened at this period to be imprisoned in that city about four hundr[ed] individuals, taken in arms against their sovereign, and orders were despatch[ed] by the same opportunity, after proper admonition, and an oath never more [to] violate their allegiance, to set them at large, and conduct them to the metropo[lis] of the empire. Without consulting Khaujah Abdullah, who was proceeding, [as] he well knew, to the same destination, this Allâi-ud-deen contrived to persua[de] the feudatories of the station that the instructions were to furnish these prison[ers] with arms and horses, and even with khelaats, and that he was employed to co[n]duct them to the capital.

Unsuspicious of any perfidious design, the governor of Kabûl yielded to th[e] insidious representations, and issued his warrant for the supply of the four hu[n]dred prisoners with arms and every necessary military equipment, as well [as] honorary dresses. On which these traitors, uniting themselves with Meir All[âi-] ud-deen, before the governor could be made aware of their intentions, fell up[on] the city, and commenced an indiscriminate plunder of the bankers' shops a[nd] bazars, and with all they could lay hands on hastily withdrew through the ci[ty] gates, and made the best of their way towards Badakhshaun. Nevertheless so[me] years afterwards, although, after being admitted into the order of two thousan[d,] he could thus absurdly as well as basely, and without the slightest grievance [to] complain of, violate his allegiance, when, after enduring every species of pri[va]tion and wretchedness, he conveyed himself to my presence, and I demanded [of] him with what face he could venture to appear before me after such an act [of] perfidy and ingratitude towards my father, he replied in such terms of humil[ia]tion and contrition, that, notwithstanding such experience of his falsehood, [I] could not, in compassion to his misfortunes, withhold myself from restoring t[he] Allâi-ud-deen to the appointments which he held under my father, and adva[nc]ing him, moreover, from the order of two thousand to that of two thousand f[ive] hundred. In this I was supported by the opinion of my Ameir-ul-Oomra, w[ho,] referring to this man's distinguished courage as a soldier, urged the danger a[nd] inexpediency of discarding him for ever for a single offence, taking into conside[ra]tion that for such offence he had already been the victim of so much suffering.

I may here observe, that at the moment I am writing, there are enrolled [in] my service not less than one hundred and fifty thousand Ouzbek cavalry, fr[om] the rank or order of one hundred downwards to the private horseman. Nev[er]theless I am constrained to remark, that however brave in battle, they are v[ery] easily prevailed upon to desert their employers.

So

lessons in archery under his tuition. Under these considerations I now made him an Ameir of five thousand, with the insignia of the drum and standard.

A certain Roup Khawauss, after seducing from their duty one hundred and twenty of my father's slaves (qu. guards) had absconded; but was again taken at the discomfiture of Himmetpour: He was a man of the greatest courage, but an incorrigible drunkard. Add to this, he had never in the whole course of his life, once kept the fast of Ramzân nor uttered a prayer. For all this, I pardoned his guilt and spared his life.

Shahbauz Khaun again, although a fellow taken from the common bazar, an obscure market-man, nevertheless possessed the capacity of being extensively useful. Foul-mouthed and scurrilous as he was, even in the presence of my father, he received from him the first dignity of a grandee of five thousand. He understood, however, the Turkish language, and was well acquainted with the maxims of military discipline. Nevertheless, when front to front with the enemy, the terrors of the conflict were more than he could stand: I therefore removed him from the order of five thousand, and appointed him chief huntsman, with the rank of two hundred only.

Furthermore, to the different Munsebdaurs or functionaries, from the rank of five hundred downwards to the ohedy, or private horseman, such as are furnished with four horses each, I allotted to every one an augmentation of stipend according to circumstances of rank and merit. I also directed that thirty thousand of the ohedies should be always in attendance on the imperial stirrup, for the purpose of furnishing the nightly guards, in conformity with the established regulations of my court.

Mirza Shah Rokh, prince of Badakhshaun, the grandson of Mirza Súliman, and my own relative, had attained under my father's authority to the rank of a commander of five thousand horse, and him I now advanced to the dignity of a grandee of the order of seven thousand, although somewhat at variance with the rule which dictated, that no Turk should rise beyond the rank of five thousand. Shah Rokh was a man of great simplicity of mind, highly esteemed by my father, who permitted to him, in common with his own sons, the indulgence of being seated in his presence. So much, indeed, did he partake in the simplicity natural to the Tartar race, that although he had lived in India for a period of twenty years, he could never accomplish the enunciation of one word in Hindûstauny. In the whole world, perhaps, there does not exist a race of men more notorious for their disregard of truth than the natives of Badakhshaun, although by no means deficient in intellect; but no one would have taken Shah Rokh for a Badakhshy, to whom he did not bear the slightest resemblance.

Notwithstanding the indulgence in which he had so largely partaken, it was the

Pahar Khaun was a dignitary of two thousand, and the uncle of Râjah Mau Sing. He was a man inclined to habits of retirement, although by no mean deficient in military talent and the art of war. One of his sisters was in m father's harram, but no favourite with destiny, although possessed of uncommo beauty. The proverb says: " If there be any auspicious destiny it is for the il favoured, for from all I can erve in this workshop of creation, scarcely an thing appears in its proper place. The poor in spirit are absorbed in the rigour of abstinence, while those who love the world find their fortune ever on th advance."

Doulet Khaun, again, was the chief of the eunuchs of my father's seraglio, an obtained in this employment th title of Nazzir-ud-Doulah (regulator of th state). Of this man I will venture to say, that in the receipt of bribes, and hi disregard of every principle of duty, there was not his second in the empire. I specie alone, he left at his death no less a sum than ten krour of ashrefies of fiv methkals,* exclusive of jewels, and gold and silver plate, china-ware, an utensils of brass and copper, to the value of three krour more; the whole o which became an accession to my father's treasury.

Zuffer Khaun is the son of Zeyne Khaun Koukah, on whom my father ha bestowed a multiplicity of favours, and whom, as well as Khaun-e-Azzem, h regarded as a son, although the latter did rank far higher in his esteem tha either. Zuffer Khaun is however a man of excellent understanding, and I hav ever entertained from his zeal and ability the very highest expectations. H inherits indeed his father's acuteness. There are few that can stand a competi tion with him in rapidity of perception, which is such, that in a flight of pigeon he will at a single glance state their number, without making one either more o less. With all this he possesses considerable skill in the music of the Hindûs and he is an incomparable soldier.

Among other objects which I accomplished about this period was the sup pression of a tribe of robbers called Fehndiah, who had long infested the road about Àgrah, and whom getting into my power, I caused to be trampled t death by elephants.

Râi Durgah, a dignitary of seven hundred at my accession, and a man of th highest courage, signalized in many a conflict, although now far stricken in years I advanced to the order of one thousand, bestowing upon him, at the same time the donation of a lak of rupees. I also raised Mokheim Khaun, the son o Shûjayet Khaun, from the order of seven hundred to that of one thousand horse The father, Shûjayet Khaun, was one of my father's most distinguished Ameirs and I well remember receiving my father's orders, while yet a youth, to take m lesson

* Ninety krour of rupees, or ninety millions sterling!—utterly incredible.

other he had acquired, he so wrought upon the mind of his master, as to instil to him the belief that the seal and asylum of prophecy, to whom the devotion 'a thousand lives such as mine would be a sacrifice too inadequate to speak of, as no more to be thought of than as an Arab of singular eloquence, and that he sacred inspirations recorded in the Korân were nothing else but fabrications nvented by the ever-blessed Mahommed. Actuated by these reasons it was *that I employed the man who killed* Abûl Fazzel and brought his head to me, and for his it was that I incurred my father's deep displeasure.* Hence also it was that solemnly appealed to the Prophet's sacred name, and ventured to proclaim that, ith his assistance, I should still make my way good to the throne of Hindûstaun. am compelled to add, that under the influence of his displeasure on this occasion, y father gave to my son Khossrou, over me, every advantage of rank and wour, explicitly declaring that after him *Khossrou should be king*. Sheikh Saadi as long since pronounced, " God will dispose of him whom he has destined to ke away, though the atheist may himself pretend to shroud the body." In the d, the Almighty brought his purposes to a consummation. After the death of bûl Fazzel, however, my father became impressed with other notions, and turning again a little into the right way, shewed himself once more an thodox believer.

To the dignity of a commander of two thousand I also raised Zauhed Khaun, e son of Saadek Mahommed Khaun, the vezzeir of Kara Khaun the Tûrkmaun. nder the authority of my father this person had discharged the duties of general artillery, and at the seige of Asseire, had eminently distinguished himself by s activity and skill, which were indeed the grounds for his present advancement. I presented him at the same time with bûzûrg audem,† and a donation thirty thousand rupees.

I should mention, in passing, that Râi Mûnnouher, of the Hindû tribe of etchwa, was a person on whom, in early youth, my father had bestowed numeus marks of kindness, and with whom he was accustomed to converse in Persian. e is indeed a man possessed of extensive general knowledge, and still established the service of the monarchy. He has on some occasions given proofs of a rn for the poetry of Arabia of no mean merit. One stanza of his contains the llowing sentiment: " Wouldst thou learn the object of the rich pelisse? it is is—no one shall put out his feet in the presence of the lion." In this tribe, wever, we must not look for brilliancy of imagination.

* It was always suspected that Jahangueir was deeply implicated in the murder of the elegant historian of his father's reign; but here is the cold-blooded acknowledgment at full length!

† According to some authorities *audem* signifies a ruby, in which case the article presented would a large ruby.

and Agrah being transferred to others. Thus, should it please God to give r complete relief from my anxieties on this head, I might be at liberty this sa year to bend my course into the Dekkan; or should the Râna, misled by his e destiny, still continue refractory, the same force assembled under my immedia authority, might be promptly employed to destroy him root and branch.

Among the Ameirs whom I detached under the orders of Parveiz the m distinguished was Assof Khaun, who had been the vezzeir of my father, a whom I now raised to the order of five thousand, with the insignia of the standa and great drum, or naggarah. He received at the same time a scimitar enrich with diamonds, a war elephant, and a charger with enriched caparisons. I d volved to him on this occasion the appointment of atabek, or governor, to n son. Assof Khaun bore originally the name of Jauffer Beg, and was a native Kazvein, the son of Baddeia-uz-zemman, who was the son of Aga Bellaul, w was enrolled among the vezzeirs of the departed Shah Tahmasp (of Persia). T title of Assof Khaun was conferred upon him by my father, to whom he was fi of all Meir Bukhshy; but from his extraordinary talents and experience, became soon advanced to the dignity of vezzeir, an office which for two yea he held with unlimited powers. Pre-eminent in intellectual endowments a acuteness of sagacity, I raised him from the class of vezzeirs to that of ame On the occasion I issued strict injunctions to all the functionaries, of whatev class or degree, to abide without demur or deviation by his decisions, which was assured would ever be governed by the purest principles of zeal a integrity.

At the same time I sent to Shahzadah Parveiz a chaplet of pearl of the va of five laks of rupees, with instructions to build in the Râna's territory a equal to Banaras, to which he was to give the name of *Parvizabád.* I appoin Abdurrezzak Maammoury (the architect), with the rank of one thousand, to office of Bukhshy to the Shahzadah, permitting Mokhtaur Beg, the uncle Assof Khaun, who held the rank of commander of eight hundred horse, accompany the prince my son. To Sheikh Rokn-ud-dein the Afghan, I h given the title of Sheir Khaun, previous to my accession to the throne; an here only desire to remark that he was a man of undoubted courage, but happ ing to engage in the service of some of the Kashmirian chiefs, he became stron addicted to habits of drinking, although, nevertheless, a man of singular and t soundest discretion.

I shall here record the elevation by me to the dignity of a commander of t thousand horse, of Sheikh Abdurrahman, the son of Abûl Fazzel, although t father was well known to me as a man of profligate principles. For towards t close of my father's reign, availing himself of the influence which by some me

un Begum for his bride, giving him the appellation of son, which I caused to inserted in the patent for his appointment. In his profession of a soldier 'is most distinguished for courage and intrepidity, and I have it in mind to ail myself of every opportunity to advance him in rank and dignity.

With a gratuity of three thousand rupees I committed to Rana Sing the super-tendance of my father's tomb, which is three kôsse to the westward of the city f Agrah;* my Ameirs, of whatever degree, being enjoined on coming to court, st of all to offer homage on that consecrated spot, after which only they ould be permitted to do the same in my presence.

Upon receiving a hint one day from the Ameir-ul-Oomra, which concurred ost exactly with the suggestions of my own mind, I established as a rule, that o one was to be entrusted with the transaction of any concern of my govern-ent until his qualifications were first tried by the touchstone of experience, in rder to form something like an estimate how far in his hands it was likely to be rought to a favourable issue. A matter of importance can, indeed, never be xpected to succeed in the hands of a blockhead; and to engage a man of bility in the transaction of a trifle, would be to let fly a hawk against a mosquito. Vithout some considerations of this nature the business of any state must soon ll into confusion; and the welfare and regularity of every government must lways greatly depend upon the character of those who are retained about the erson of the sovereign. [Here follow four couplets so perversely transcribed as s scarcely legible].

At the period at which I am writing, information reached me that Samarkand, tely under the authority of Bauky Khaun the Ouzbek, had devolved to a chief 'the name of Wally Khâun, and as it was the outset of his power, I conceived possible that he might have placed himself in a position of hostility towards me. that case I had at first determined to send my son Parveiz to oppose him, with e design at a future period for once at least to proceed, God willing, in person to Ma-wer-un-neher (Transoxiana), that is after I should have accomplished y plans for invading the Dekkan, or south of India. For I had had it long in ntemplation to advance the standard of victory into the provinces in that arter, and having there brought my designs to a successful issue, then to con-ct my triumphant legions towards Samarkand. This inclination I derived om my father, who had always cherished a longing for the inheritance of his cestors; but aware of the impolicy of leaving India unfurnished with troops the discretion of any son, I resolved to employ Parveiz once more against the ana of Oudipour, assigning that country in jaguir to him; those of Mûltan and

* At Sekundera. See a description of this splended edifice in A.D. 1825, in the journal of the ented and excellent Bishop Heber.

Zemaunah Beg, the son of Ghour Beg the Kabûlite, had been in my servi from childhood, and previous to my accession had received from me the rank five hundred; I now bestowed upon him the title of Mohaubet Khaun, with t rank of fifteen hundred, and the appointment of Vezzeir of the Shagird Beisha provost of the apprentices, perhaps director of the manufactures. I also gave Zeya-ud-dein the Kazvinian the rank of one thousand.

For distribution among my cavalry and other retainers I directed Bikkend the keeper of the stables, to bring into my presence two hundred horses eve day; for it were a thousand pities to have in my retinue any number of horse either lame or worn down by age or hard labour.

On the 11th day of the month of Shabaun, of the year one thousand and nin teen, * I bestowed the daughter of Mirza Rûstam, the grandson of Behra Mirza, upon my favourite son Parveiz, with a marriage portion of one lak ashrefies. † At the entertainment given on the occasion, the richest and mo splendid dresses were distributed to the Ameirs and others permitted to b present, and nearly one hundred maunns Hindy of frankincense, sandal, musl ambergris, and other aromatic drugs, were consumed during the ceremon The consumption in other articles may be estimated from this statement. O the evening on which the bride was brought to the palace, I presented her with necklace of sixty pearls, for each single pearl of which my father had paid th sum of ten thousand rupees. ‡ I also presented them with a ruby of the value c two laks and fifty thousand rupees, equivalent to seven thousand tomauns c Irâk; § and I finally assigned for her expenses the annual sum of three lak of rupees, and for the establishment of her household one hundred maidens fro Surat, who were devoted to her service.

I promoted Mirza Ally Akbar Shâhy to the rank of four thousand, and sen him to command on the frontiers of Kashmeir, giving him at the same time a enaum or premium of one lak of rupees, together with a valuable charger an saddle set with jewels, enriched girdle and dagger, and a jeighah, or aigrett for the turban.

Bauker Khaun Nûdjûm Sâni, who held under my father the humble rank o a command of three hundred only, I advanced by degrees to the dignity of tw thousand, and finally invested him with the government of Mûltan, assigning t him the foujdaury, or military command on the river Ally Khan, and over th districts in that quarter. More than this, I destined the sister's child as Nourj hau

* 18th of September, A.D. 1610.

† Nine laks of rupees, or £90,000.

‡ Six laks of rupees, equal to £60,000 sterling.

§ About £25,000.

no wise to be molested in the duties of their religion, nor exposed to oppression or violence in any manner whatever. For when I consider that the Almighty has constituted me the shadow of his beneficence on earth, and that his gracious providence is equally extended to all existence, it would but ill accord with the character thus bestowed, to contemplate for an instant the butchery of nearly a whole people; for of the whole population of Hindûstaun, it is notorious that five parts in six are composed of Hindûs,* the adorers of images, and the whole concerns of trade and manufactures, weaving, and other industrious and lucrative pursuits, are entirely under the management of these classes. Were it, therefore, ever so much my desire to convert them to the true faith, it would be impossible, otherwise than through the excision of millions of men. Attached as they thus are to their religion, such as it is, they will be snared in the web of their own inventions: they cannot escape the retribution prepared for them; but the massacre of a whole people can never be any business of mine.

Among other regulations of minor importance, I directed, that when any individual of a respectable class in the service of the state was desirous of visiting the country of his birth, application should be made through Sheikh Fereid, the Meir Bukhshy, when permission would be given without difficulty.

It had been usual to send the patents of jaguir in vermillion. I directed that for the future this should be done in gold.

I conferred upon Vezzeir Khaun the appointment of Diwan, or comptroller of finance in Bengal, with unlimited authority; and I despatched him into that province, for the purpose of investigating the state of the revenue, of which for ten years past no correct account had been received.

Mirza Sûltân, the son of Mirza Shahrokh, prince of Badakhshaun, being the most accomplished of the children of his father, I ever considered as a son of my own, and as such placed him under the care of the Ameer-ul-Oomrah, as the highest in rank in the empire. I referred the claims of Mirza Shemsy, the son of Khaun-e-Azzem, with instructions to investigate the truth, to Bauz Bahauder. To gratify the wishes of his father, I bestowed the rank of a grandee of fifteen hundred on Bhaou Sing, the son of Rajah Maun Sing. He was the only surviving son, although the latter is known to have had by his fifteen hundred wives not less than two and three children each, all of whom died except this one: neither was he possessed of sufficient ability to qualify him to be his father's successor. Nevertheless, in this instance, I was induced to promote him. He was a commander of five hundred in the court of my father.

Zemaunah

* It is curious to remark, that the same proportion appears to exist at this day, since Bishop Heber, in his interesting Journal, observes, that the Mahommedans in India bear to the Hindûs the same proportion as the Protestants to the Roman Catholics in Ireland.

In the next place, I invested the son of Rajah Bikramajit, who bore the title of Râi Râyan, with the important appointment of master of ordnance, or superintendant of my department of artillery; and I directed that, independently of such as were distributed in various parts of my dominions, either in guns or gunners, there should, in this department, always be ready for service sixty thousand camel-mounted guns, each supplied with ten seirs of powder and twenty shot; and twenty thousand other pieces (perhaps of larger calibre) with every requisite equipment. To defray the expense of such an establishment altogether, I set apart fifteen purgunnahs or townships, yielding a revenue of one lak,* or five daunky ashrefies. This equipment was to accompany the imperial camp whithersoever it moved.

The Râi Râyan had for some time held the appointment of Diwan under my father Akbar, and is one of his oldest dependents; he is now far advanced in years, and in proportion possessed of the most extensive experience, not less in the regulations of civil policy than in the management of mârtial discipline, on which he may be said to be master of the *six* parts complete. Together with his experience, he accumulated under my father treasure to an immense amount, in gold; so great, indeed, that even among the Hindûs of his class he has not his equal in wealth, since he is known, at the period in which I am writing, to have at a time, in the hands of certain merchants of his caste in the city, no less than ten krours of ashrefies.† From the superintendence of the elephant department, he is now advanced to the dignity of Vezzeir-ul-Oomra.

I availed myself of an opportunity to promote Seyed Kammaul, the son of Seyed Chaund the Bokhârian, from the command of seven hundred to that of one thousand, and assigning for his jaguir the city of Dehly, the metropolis of the ancient monarchs of Hindûstaun. The father of Seyed Kammaul had been killed at Peishawer, in the war with the Afghans. I further advanced Mirza Khorrem, the son of Kherun-e-Azzem, from the rank of two thousand to that of three thousand horse.

In the practice of being burnt on the funeral pyre of their husbands, as sometimes exhibited among the widows of the Hindûs, I had previously directed that no woman who was the mother of children should be thus made a sacrifice however willing to die; and I now further ordained, that in no case was the practice to be permitted, when compulsion was in the slightest degree employed whatever might be the opinions of the people. In other respects they were i

* Nine lacs of rupees, or £90,200, which would be utterly inadequate to the expense of such establishment.

† Ninety krour of rupees, or £90,000,000! an enormous sum, and beyond all credibility.

rmer ages, and the facility with which he quotes from it, he has no competor; and few are diwans, or collections of odes, which he has not preserved, and of which he has not transcribed the most beautiful and esteemed. But what is better in the proof than a thousand mûferra yakouties,* the recitation is never made without a countenance beaming with smiles. I can only add, that in affairs of state, the measure which has not the confirmation of his counsels, has little chance, from the imperfection of its arrangements, to remain upon the record.

[Here follow five couplets in praise of the virtues of Ettemaud-ud-Doulah, which it would be tedious to insert.]

Ettemaud-ud-Doulah, it is almost superfluous to observe, is the father of my consort Nourjahaun Begum and of Assof Khan, whom I have appointed my lieutenant-general, with the rank of a commander of *five thousand*. On Nourjahaun, however, who is the superior of the four hundred inmates of my harram, I have conferred the rank of *thirty thousand*. In the whole empire there is scarcely a city in which this princess has not left some lofty structure, some spacious garden, as a splendid monument of her taste and munificence. As I had then no intention of marriage, she did not originally come into my family, but was betrothed in the time of my father to Sheer Afkunn; but when that *chief was killed*,† I sent for the Kauzy, and contracted a regular marriage with her, assigning for her dowry the sum of eighty laks of ashrefies of five methkals,‡ which sum she requested as indispensable for the purchase of jewels, and I granted it without a murmur. I presented her, moreover, with a necklace of pearl, containing forty beads, each of which had cost me separately the sum of forty thousand rupees.§ At the period in which this is written, I may say that the whole concern of my household, whether gold or jewels, is under her sole and entire management.‖ Of my unreserved confidence, indeed, this princess is in entire possession, and I may allege without a fallacy, that the whole fortune of my empire has been consigned to the disposal of this highly endowed family; the father being my diwan, the son my lieutenant-general, with unlimited powers, and the daughter the inseparable companion of all my cares.

In

* In Richardson's Dictionary reference is made to a cordial or exhilarating prescription thus designated, the ingredients of which consist partly of rubies.

† Notoriously by the contrivance of the worthy monarch himself. The story is something like that of King David and Bathsheba.

‡ Seven krour and twenty laks of rupees, or £7,200,000; one of those enormous sums which startles belief!

§ Sixteen laks of rupees, or about £160,000.

‖ A passage occurs in this place of eight or nine words only which it is difficult to decypher; but it seems to refer to some revenue or advantage derived from the cultivation or sale of opium.

Remember, my son, that this world is no permanent possession. It offe no resting-place, either for reliance or hope. Hast thou not heard how in t chambers of the west, the throne of Solomon was delivered to the winds; that Solomon the blessed of all generations. Thrice happy the man whose li has been passed in the practice of wisdom and justice, whose exertions ha been directed to the repose of mankind; he bears away the honours of t course. The wise man's care is devoted to the duties of his religion; but, wh ever your pursuits, the world is slipping away. That alone is useful which y can carry to the grave, not that which you have hoarded, and must be left behi you. Let your business be to secure the approbation of the experienced, f though the huntsman has his skill, the old wolf has his cunning. Hast thou contest with thine adversary, oppose him with thy bravest hearts; the tig alone is competent to a conflict with the lion. Be not afraid of the youn soldier, however sharp his sword; beware of the veteran, with his skill in batt often tried. The young man may have strength to wrestle with the lion an the elephant, but where is his experience in the guile of the year-worn fox Man acquires prudence by seeing the world at large, byfeeling alternately th effects of heat and cold. Wouldst thou see thy country flourishing and happ trust not an affair of importance to the discretion of an upstart. In a matt where there is peril employ none others than soldiers tried in many a battl The true-bred hound quails not before the tiger; the fox will venture batt where the lion is unseen. Train up thy son in the exertion of the chase, an when the day of battle arrives he will subdue his fears. Even the bravest ma when wearied in the lap of indulgence, trembles when the approaches of battle a thrown open to him. Two men there are with whom we should not disgra the back of the war-horse, and whom the hand of an infant would strike to th earth: one of whom in battle you have seen the back, and whom you shou slay with the sword, if perchance he may have escaped that of the enem Better is the coward confessed, than the man of the sword who in the course the conflict turns away his head like a woman.

Of Mirza Gheyauss Beg* how shall I speak in terms of sufficient prais With the office of high steward of the household he had enjoyed, under m father, the dignity of a grandee of one thousand; and I appointed him, so time after my accession, to the office of diwan or chancellor, in the room Vezzeir Khaun, with the rank of *seven* thousand, the title of Ettemaud-u Doulah, and the insignia of the great drum and standard. In the science arithmetic he is in this age without a rival; in composition and elegance style he stands alone; in critical knowledge on every species of the poetry form

* Ghaja Aiass, according to Dow.

ledge of the heavenly bodies: and yet his star did not brighten in the esteem of my father. In the end, Sheikh Abdul Nebby gained the advance.

When Hakim Hammaum was appointed on his embassy to Ma-wer-un-neher, (Transoxiana), Meiran Suddur Jahaun (the same referred to as Suddur-ud-dein) was despatched on the mission of condolence on the death of the father of Abdullah Khaun, monarch of the Ouzbeks. On his return after an absence of three years, my father thought fit to place him in a military station; and he was at different periods advanced to the rank or two thousand, and to the important trust of suddur, or grand almoner of the empire. I shall finally observe that, under whatever change of circumstance, Meiran Suddur Jahaun has always evinced an unabated zeal in his attachment to my interests; neither is he in any degree deficient in any of the qualities of true courage and virtue: and it might be truly said that his affection towards me was a sentiment implanted in his heart from his very cradle, so meritoriously has he ever discharged the claims of gratitude and true loyalty. When yet only prince royal, I had freely engaged either to advance him to any rank he might require, or to discharge for him any debts he might have contracted, to whatever amount. In fulfilment of such engagement, when placed by Omnipotence on the throne of Hindûstaun, I communicated to him accordingly, that I was prepared to make good my promise in either of the alternatives that he might determine upon. The bukhshies of my court announced to me in reply from the Suddur, that if the command of four thousand were conferred upon him, he would trust to his own resources for the liquidation of his debts.

In compliance with this request, although at variance with the rule which I had prescribed myself, never in the first instance to bestow a higher rank than that of one hundred, I created him a grandee of the class of four thousand. In truth, considering the heart as the genuine seat of true devotion, I esteem the securing to myself of one such faithful heart not inferior in merit to a thousand grand pilgrimages to the sacred cities. Neither would I neglect, so far as compliance rests within my power, to fulfil the just expectations of any man, without distinction of infidel or true believer. This age-stricken ruin of a world has survived hundreds of thousands such as I am; what then can be more desirable than to do something in the fleeting present, of the merit of which we may avail ourselves in an eternal hereafter? Even in this world, the advantages of a benevolent action, of gaining to ourselves the attachment of mankind, are beyond all price; and for my part, I should derive a greater satisfaction from rejoicing the heart of a single individual, than from leaving behind me jewels and gold by the horse-load, to be squandered by a profligate heir.

Remember,

Darab; and lastly, to Sheir Khojah, of the family of Mirza Ally Beg Akbar-sh
I transmitted respectively, suitable to their rank, the proper khelauts, or dre
of honour, together with baldrics and swords enriched with precious stones,
horses with caparisons enriched in the same manner.* The son of Abdur
man Vaeg, on the contrary, who had left his post without invitation, I orde
back in displeasure: for the best proof of zeal is obedience, not verbal
fession.

Lâla Beg, the Kabûlite, had received from me, previous to my accession,
title of Bauz Bahauder; but about a month subsequent to my ascending
throne, coming to render homage to me, I raised him from the rank of one th
saud to that of two thousand horse, and invested him in the government
Bahâr, presenting him at the same time with a donation of one lak of rupe
the feudatories of the provinces, of whatever rank, being publicly apprized
it was at the discretion of Bauz Bahauder to put any to death who disobe
or resisted his authority. I provided moreover that his jaguir, or fee, sho
be of a higher value than that of any of his subordinates; for I could not
bear in mind that he belonged to that class of the soldiery most faithfully deve
to my family. His father, I must observe, bore the name of Nizam-e-kaba
and he was Chirâghtchei, or conductor of the flambeaux, or lamplighter to
uncle.

To the only son of the deceased Mahommed Hakaim Mirza of Kabûl,
previously held the rank of five hundred, I now gave that of one thousand;
Kanûjen, a Raujpout Mahratta, distinguished beyond his equals for loy
towards my person, I raised from the rank of eight hundred to that of fif
hundred horses.

Meiran Suddur-ud-dein, who held the rank of three hundred only, I adva
to that of a thousand. This person was one of the oldest on the list of
father's servants, and at the period when Sheikh Abdul Nebby was instruc
me to read the *forty traditions*, was employed in the imperial library. In tru
can allege, that I ever looked upon him as my khalifah, or supreme pontiff.
in my father's esteem no person held so lofty a place as my preceptor A
Nebby; unless it were, indeed, Mekhdoum-ul-Moulk, whose original name
Sheikh Abdullah, and who in science, good sense, and narrative eloquence,
without his equal in the age in which he lived. He was a man far advanc
years, and had in early life possessed unbounded influence with Sheir Khaun
Afghan, and his son Seleim Khaun. He was, moreover, unrivalled in his k

* Most probably these articles were coronation presents.

† Director of the kitchen. *Kabaub*, a well known article in Oriental cookery.

[M]ahommed Tekky to remind him, that as his obligations to the bounty of my [fa]ther were great, it might have been expected that he, beyond all other men, [sh]ould have been overwhelmed with grief, shame, and sorrow: was this then [th]e only period which he could find for the marriage of his son, and its noisy [fe]stivities? When the messenger appeared among them the party seemed [ab]sorbed in all the intoxication of mirth and jollity; but when the message was [d]elivered, it was amusing to see the sudden change into confusion and dismay. [P]enetrated with remorse for such a proof of thoughtless levity, the same Hakim [A]lly, as an atonement, brought me a chaplet of pearl of the value of a lak of [r]upees, of which at the moment I condescended to accept; but some days [a]fterwards, sending for him to my presence, I threw the chaplet round his neck. [I]t never could, in truth, afford me any real gratification to receive from any [v]assals gifts or presents in any shape: on the contrary, towards my hand should [t]heir eyes ever be turned; and so long as I retain the means, so long is it my [p]art to bestow upon every one favour and rewards according to merit.

I bestowed upon Mahommed Khaun, now appointed to succeed to the govern[m]ent of the Punjaub, the donation of one lak of rupees, together with a costly [d]ress, and a scimitar, belt, and dagger, all richly set with diamonds and other [p]recious stones. This chief is of the family of the khauns of Ferrah. About [t]he same time I despatched Mahommed Rezza with fifty thousand rupees, to be [d]istributed among the poor and other inmates of the sacred or consecrated places [a]t Dehly. I conferred the office of vezzeir of the empire upon Vezzeir Khaun, [h]aving, while yet only first prince of the blood, already bestowed upon him the [t]itle of Vezzeir-ul-Moulk, and advanced him from the command of five hundred [t]o that of one thousand horse.

It is to be remembered that Sheikh Fereid Bokhaury was of the stock of [S]heikh Jullaul, who was a distinguished disciple of Sheikh Behâ-ud-dein Zekka[r]eiah of Multân. The ancestor in the fourth degree of Sheikh Fereid was Seyed [A]bdul Ghoffaur of Dehly; and this latter had bequeathed it to his children as [a]n irrevocable charge, never to engage themselves as civil stipendiaries, but to [d]evote their services entirely to the hazards of a military life. They are illus[t]rious among the Seyeds of Bokhara. Sheikh Fereid had previously held the [r]ank of four thousand, but I advanced him to that of five thousand, with the [a]ppendages of the great drum and standard.

To Mirza Rûstum, the son of Mirza Sûltan Hûsseyne, governor of Kandahâr; [t]o Abdurrahim Khaun, who bears the title of Khaun Khanan, and who is the [s]on of Beiram Khaun Kuzzelbaush (red cap);* and to his two sons, Eiridje and Darab;

* This is rather a contemptuous appellation for the illustrious first minister of Akbar; it is the [de]signation of any ordinary Persian.

Teymûr, his father Eygou Teymûr having fallen in battle in the war wi
Toktemesh Khaun. They were of the race of Arghûn Khaun, and hence t
title of Terkhan and Arghûn.

An application was conveyed to me in behalf of the son of Rajah Mukso
Khaun, the son of Mukhsous Khaun, so long engaged in the rebel transactio
in Bengal and Bahâr. I caused it to be answered in reply, that as he could n
well be in a state of mind to be quite satisfied with me, neither could I consid
him a fit object for the goodness of God, nor for the countenance or encourag
ment of an earthly sovereign.

Having instructed a commission of religious persons to arrange for me
collection of the simple names of God, as far as they could discover, they fu
nished me with a list of five hundred and wenty-two, exactly double the numb
of those contained in my royal father's sacred rosary. They arranged these fi
hundred and twenty-two names under twenty numerical letters (abjed), whic
I caused to be inscribed (perhaps embroidered) in my mantle.* The evening
Friday throughout the year I devoted invariably to the society of the learne
and of pious and virtuous men of every description. For a twelvemonth pri
to my accession to sovereign power I had adopted a resolution, on that evenin
never, on any consideration, to taste either of wine or any intoxicating beverag
whatever. I trust in Providence to enable me to abide by this resolution to th
last moment of my existence, even to the awful day of universal reckonin
Hitherto the Almighty has given me grace to persevere in it, and may the sam
grace be continued to me for the remainder of my life.

I encouraged such individuals as were immediately in attendance about m
person, whenever it was found that the stipend was inadequate to their statio
and the circumstance should have escaped my own observation, to make know
the deficiency to me, in order that the allowance might be respectively increase
according to necessity. I gave orders that, until the period of mourning for m
father should have expired, the people should abstain from every species
sustenance but that dew made use of by the Souffies. During the same perio
I also directed that in the celebration of marriage ceremonies, neither drum, n
trumpet, nor any other description of music should be employed in any part
the dominions subject to my authority, on pain of heavy displeasure.

While this ordinance was yet in force, a report was brought to me that a ce
tain Hâkim Ally was celebrating the marriage of his son, and that in the ente
tainment which he was giving on the occasion, he had assembled at his hou
in the presence of the Kauzy the whole of a band of music belonging to Killid
Khaun, and that in fact the whole city resounded with the noise. I despatche
Mahomme

* In the manuscript this is entirely unintelligible; it is however probably reddâi, a mantle or clo

louggies, I had another daughter, who died a year old. Then by Shâei um, the daughter of Ibrauhim Hûsseyne Mirza, who was the grandson by a ghter of Mirza Kamraun, I had another daughter, who died before she was t months old. Again, by Sauheb Jamaul, the mother of Parveiz, I had ther daughter, who died at the age of five months. After her, by Juggut áeine, the mother of Khorroum, I had a daughter, to whom I gave the name uzzet-ul-Nissa Begum: she died, however, at the age of five years. Again, he mother of Parveiz I had another son, to whom, at my accession to the ne, they gave the name of Jahaundar; and last of all, by the mother of Khor- n I had another son, who received the name of Sheheryaur: both of these e born in the same month.

laving by his matrimonial alliances, already indicated,* considerably aug- ted his influence, Maun Sing obtained such a predominance in my father's ernment, that he was permitted to reside alternately six months at court and months at his jagueir. As a proof of the affluence of his resources it is cient to state, that whenever he repaired to my father's presence, it seldom urred that his compliment of homage did not amount to two laks of five ikaly ashrefies;† and so far did he outstrip all tha this grandfather, Bharmul, attained to, that among the Rajahs of Hindustaun there is not one that can ut on a parrallel with Rajah Maun Sing.

nother circumstance which I consider not unworthy of relation is the owing. Sâeid Khaun, the governor of the Punjaub, had written to me a rtish note, requesting that Ghauze Beg, the son of Mirza Jaun Beg, might be mitted to repair to him without delay, as he had just adopted him as a son. formed him in reply, that my father Akbar had entered into preliminaries a matrimonial alliance with the Ghauze Beg, by which his sister was be- hed to my son Khossrou, and as that contract was fulfilled he would be mitted to depart. I should explain that the Mirza Jaun, or Jauny Beg, here rred to, was the son of Fayendah Mahommed, the son of Mirza Bâky, the of Mirza Aaby, son of Abdul Aaly Terkhan. This latter was prince of hâra in the time of Sûltan Mirza, and long numbered among his vassals the brated Shâhy Beg Khaun, monarch of the Ouzbeks, and many of his kins- . Abdul Aaly Terkhan was, moreover, descended from Shukkee Beg Terk- who had this title conferred upon him while yet a child, by the invincible Teymûr,

* The daughter of Rajah Bharmul was probably his sister; she was, as we have seen, the mother of ngueir's eldest son Khossrou.

† The value of the ashrefy is so problematical, that I am not yet able to speak with precision. A ge in the second volume of Abûl Fazzel's history makes it equal to nine rupees; the present here m of would therefore be equivalent to eighteen laks of rupees, or £180,000 sterling.

with his conduct, so also do I hope that it will always be such as to deserve th approbation of his God: certainly, to *this day*, I have not experienced aught his hands but the strictest fidelity and attachment.* My first child was, how ever, a sister of Khossrou's by the same mother, and a year older than Khossro

After Khossrou, by the daughter of Sâeid Khaun, the son of Sultân Saurm prince of Kashobar, I had a daughter, to whom we gave the name of Ouff Baunee Begum. She died at the age of three years. Next to her, by Sauhe Jamaul, the neice of Zeyne Khaun Khoukah, I had a son born at Kabûl, on who my father bestowed the name of Parveiz. Of him I pray God that he may live the utmost limit of human life, since from the singular activity and ready zeal his character I cherish of him the very highest expectations. The first servive which I thought fit to employ him is one of a religious nature against the Râna (Oudipour); and it is now the four-and-twentieth month since he was despatche It is very gratifying to find that the Ameirs appointed to serve under his orde all express themselves entirely satisfied with his conduct. He has with him near twenty thousand cavalry, all furnished with three spare horses each.

Next by the daughter of Derya Komm, a powerful Rajah at the foot of th mountains of Lahour, I had a daughter born, to whom I gave the name o Doulut Nisha Begum, who died at the age of seven months. Then anothe daughter by Beiby Karmitty, of the family of Râey Pour, whom I named Baha Baunu Begum: she lived only two months. Next by Juggut Gossâeine, th daughter of Rajah Oudi Sing, who was master of eighty thousand horse, an than whom among the Rajahs of Hind there were few more powerful, I ha another daughter, who received the name of Begum Sûltaun, but who did no survive her twelve months. By Sauheb Jamaul, who was the daughter of th Rajah of Luknou, came also a daughter, who lived only seven days; and by the daughter of Moutah Rajah† (Juggut Gossâeine) was born my son Khorroum.‡ Possessed as he is of the brightest intellectual endowments, I cannot but hope with the blessing of God, that in every virtue and good quality this my son may prove uninterruptedly progressive, as he is in all things conspicuously discreet In attention to my father he exceeded all my children, and he was accordingly by him beloved beyond all others, my father repeatedly expressing to me, tha such qualities as he discovered in him were not to be found in any other of my children. Perhaps being then the youngest of all, he might have appeared in the eyes of every one the loveliest.

After him, by the daughter of the prince of Kashmeir, who was of the society of

* Not more than six months after this we shall find him, nevertheless, in arms against his panegyrist; and certainly there are some previous proofs not very advantageous to his filial character.

† The *fat* Rajah, title of Oudi Sing. ‡ Afterwards the Emperor Shahjahaun.

While I am on this subject I must further relate, that at the crisis of my turn from Allahabad to the province of my father, of which hereafter, among e several Ameirs who accompanied me of whose fidelity I felt most assured, erreif Khaun was the man. And sixteen days after my accession, when he me to offer me his pledge of services, I can with a safe conscience aver, that e same day on which he thus made his appearance in my presence, God lmighty bestowed upon me a renewal of life, and I felt at the moment conaced that the eye of his providence was upon me. I felt indeed an assurance at, possessing the attachment of the Ameir-ul-Oomra alone, I was in very truth e sovereign of my people: for although at the time not exactly aware of any cumstances of doubt or danger, there was this conviction, that at the risk of e itself, Sherreif Khaun would be my defender. God is, indeed, equally the otector of all his creatures: yet is the possession of self-knowledge, of all things, sovereigns the most indispensable. Such, at all events, I know to be the zeal d purity of the Ameir-ul-Oomra's attachment towards me, that when at last I smissed him to the government of Bengal, over which I invested him with ramount authority, and confirmed to him his rank of five thousand, together th the great drum and standard, the day on which he was finally removed m my presence was one of the blackest of my life. I shall dwell no further on is subject than to add, that the father of Sherreif Khaun was a native of Shirâz, d his grandfather was Nizam-ul-Moulk, the Vezzeir of Shah Shuja, the vereign of that state. His father was admitted to the intimate society of my andfather Homayûn, and held, moreover, some of the highest dignities about e court of my father, being by the mother's side a sherreif, or descendant from e Prophet. An account of all these circumstances will, however, be found at rge in the Zuffernâmah and Mútlaa-ul-Saadein.

Certain considerations, nevertheless, prevailed with me some time afterwards reinstate the Rajah Maun Sing in the government of Bengal, although he uld himself have entertained no expectations of such a favour at my hands. conferred upon him at the same time an honorary dress, or pellise, and a imitar set with jewels, together with the horse Koukpárah, the best in my ousand-ashref horse stables. The first of the Râjpoot chieftains who became tached to the government of my father Akbar was Bharmul, the grandfather this Rajah Maun Sing, and pre-eminent in his tribe for courage, fidelity, and ith. As a mark of distinguished favour, my father placed the daughter of ajah Bharmul in his own palace, and finally espoused her to me. It was by is princess I had my son Khossrou. I was then only seventeen, and he is now enty; and I trust that God Almighty may yet prolong his life to the age of e hundred and twenty: for as I have *hitherto* had every reason to be satisfied

 with

to wield either the pen or the sword. I also confirmed to Mokheim Khaun the title of Vezzeir Khaun, bestowed upon him by my father, with the functions of Vezzeir annexed to the title. I appointed Khaujeki Futtah-ullah to be steward of my household. To Abdurrezauk Maaonmoury (the architect), who had formerly deserted my service and sought my father's protection, by whom he had been placed in the rank of Bukhshy, I assigned the same rank in my armies, giving him at the same time a khellaut (pellise) or dress of honour. In short, whether within the household or without, I not only permitted those who held places of trust or dignity about my father's court to retain their appointments, but to all, according to their respective degrees, gave advancement in rank and station.

Upon Sherreif Khaun, the son of Abdulhamid Messower (the portrait painter) who had grown up with me from infancy to manhood, and to whom, while yet but heir apparent, I had already given the title of Khaun, I conferred the dignity of Ameir-ul-Oomra, or premier grandee of the empire. And this entirely in consideration of his devoted attachment to my person, which is of that exalted degree, that I know not whether to esteem him most as a brother, friend, or son, or companion and inseparable associate: nay, I do not know but that I consider him as dear to me as one of the members of my own body. Upon the whole, as far as I am capable of judging, there is not to be found, in all the armies of this mighty empire, his equal, either in talent or experience; and yet I most solemnly aver, that although it has often been with me the subject of deep reflection, I have never been able to devise any title, station, or dignity that could be at all adequate to the opinion which I entertain of his exalted merit. It is however to be observed, that while my father reigned, it was the rule never to promote the greatest Ameirs beyond the command of five thousand, because it is to be apprehended the man who sees at his back a numerous body of warriors, and any deficiency in that respect on the part of his sovereign, seldom fails to play the traitor, and to involve himself in the mazes of rebellion. This rule of my father's government I considered it expedient to maintain, and I accordingly limited his promotion to the command of five thousand only. Nevertheless, I am still persuaded that the commanding of five thousand is far short of what is due to the dignity of Ameir-ul-Oomra, a premier grandee of the empire. I have apprized him that all that belongs to me is at his disposal; and as to rank, he has limited his ambition to whatever in the spirit of kindness I may think proper to bestow upon him. More than this, he has frequently assured me, that while he is before the world, that is, engaged in public life, he would never accept from me of any rank beyond that of five thousand: to which I have yielded my reluctant assent.

While

the conveyance of the imperial baggage, including the silver utensils, carpets, nd other articles of equipage of different descriptions belonging to the imperial usehold. I only desire on this subject farther to remark, that this establishent of elephants was maintained at an annual expense of not less than four undred and sixty laks of ashrefies,* exclusively of what was incurred in looking fter them, each separate animal requiring fifteen persons to provide for it, nd a guard of one thousand men being posted at every station of a thousand lephants.

On this subject I shall add one more circumstance, and then dismiss it altoether. One day the foujdaur of one of my elephant stations reported to me at Sûltan Ahmed, the son of Ammaudy Hûsseyne Beg, had sold an elephant f the first quality to Shûkkour Allah Beg, the son of Zeyne Khaun Koukah, for e sum of sixty thousand ashrefies:† on which information I at first determined at this Sûltan Ahmed should be thrown under the feet of an elephant and ampled to death; for by a particular regulation I had provided that no elephant this prime description should be sold or purchased otherwise than for the use the state. But feeling a repugnance to put any of God's people to death on ch an occasion, I endeavoured to palliate the offence, and observed that this rson had done well, for that every man ought to be master of his own prorty; my object being to lay a restraint upon all communications of this scription in my presence. I accordingly admonished the foujdaur as a deactor, and assured him that if ever he introduced such a subject again in my esence, he might expect the severest punishment in my power to inflict.

Sheikh Fereid, the Bokharian, who held the appointment of Meir Bukhshy der the authority of my father, I confirmed in his appointment, bestowing on him, according to usage, an honorary dress and scimitar set with jewels. added at the same time, for his encouragement, an expression of the high inion which I entertained of his merit, by pronouncing him equally competent

D to

* This cannot be otherwise than a stupendous exaggeration, for such a sum would be equivalent to enormous aggregate of sixty-nine millions sterling! The ashrefy must therefore have been a nomination of coin of much smaller value than our estimate of fifteen rupees. Abûl Fazzel in a t of his history makes it equal to nine rupees; but it would be extravagant at almost any valuation it a fourth part, even, it would be upwards of seventeen millions sterling! Allowing the keep of an phant at thirty rupees a month, at the lowest, for twelve thousand elephants the expense would be ee laks and sixty thousand rupees (£36,000) a month, or £432,000 per annum. On the whole, her in the enumeration of the elephants, or in the sum for their maintenance, there surely must some extraordinary exaggeration; and this probably must lay with the person who copied the nuscript.

† This must have been the dearest of all elephants, for it must have cost nine laks of rupees, or),000 sterling.

from him sufficient proof of his refractory and undutiful disposition, I continue to make him a visit in his prison regularly once a month, having assigned to him moreover, for his subsistence, the monthly sum of three laks of ashrefies, wi permission that his children should visit their father once every week.

Sâeid Khaun was one of the members hereditarily attached to the service my father, and he had been promoted by me to the government of the Punjaul and the command of the army of Lahour. On this occasion he had receive from me an elephant and dress of honour, the latter from my own wardrob together with a girdle and khaujar, or kreisse, enriched with jewels, also a hor and caparison and jeighah (aigrette or ornament for the turban), the two latt richly set with precious stones. This chief was of a Moghûl tribe, and h ancestors had also been long in the service of mine. Soon after he had quitte my presence, however, and had proceeded some stages on his march, it was int mated to me by some of my people, that he had among his domestics men of cruel and tyrannical disposition, notorious for courses of oppression in vario ways towards the poor and those subject to their authority. Without a moment delay, I despatched Khaujah Saadek, the son of Mahommed Yaheya, to announ to him that as all mankind, both high and low, were equal in my contemplatio my love of justice did not permit me to overlook an act of oppression in an man. "Did the renown of Solomon surpass that of all the kings of the earth He owed it all to the applause which he derived from his inflexible love justice." The messenger was accordingly charged to assure them, that if fro that moment there occurred the slightest proof of arbitrary proceeding among h train, the punishment would be as exemplary as it would be unmitigating. Th instant this message was communicated to him, he penned an obligation writing, which he delivered to Khaujah Saadek, purporting that if on any occ sion, either in himself or any of those employed under his authority, there aro the slightest ground for a charge of oppression or injustice, his head should the forfeit. And the engagement, thus written, he forwarded by the sar Khaujah to my presence.

In order to ensure for those noble animals the regular supply of grain an water, I appointed a foujdaur, or superintendent, to every division of one tho sand elephants in my train. I shall here notice, that although the elephan subsisted under my government are more in number than can be readily counte there are twelve thousand only of a size and temper to be employed against t ranks of an enemy in the field of battle. To these must be added one thousa of a smaller size, employed to supply the larger with forage and grain. Excl sive of these must be mentioned *one hundred thousand* required to carry t amharahs, or covered litters of the females of the imperial family, and otherwi

ethkaly ashrefies.* The principal idol in this temple had on its head a tiara cap, enriched with jewels to the amount of three laks of ashrefies. He had placed in this temple moreover, as the associates and ministering servants of the principal idol,† four other images of solid gold, each crowned with a tiara, in the same manner enriched with precious stones. It was the belief of these Jehennemites that a dead Hindû, provided when alive he had been a worshipper, when laid before this idol would be restored to life. As I could not possibly give credit to such a pretence, I employed a confidential person to ascertain the truth; and, as I justly supposed, the whole was detected to be an impudent imposture. Of this discovery I availed myself, and I made it my plea for throwing down the temple which was the scene of this imposture; and on the spot, with the very same materials, I erected the great mosque, because the very name of Isslâm was proscribed at Banaras, and with God's blessing it is my design, if I live, to fill it full with true believers.

On this subject I must however acknowledge, that having on one occasion asked my father the reason why he had forbidden any one to prevent or interfere with the building of these haunts of idolatry, his reply was in the following terms: "My dear child," said he, "I find myself a puissant monarch, the shadow of God upon earth. I have seen that he bestows the blessings of his gracious providence upon all his creatures without distinction. Ill should I discharge the duties of my exalted station, were I to withhold my compassion and indulgence from any of those entrusted to my charge With all of the human race, with all of God's creatures, I am at peace: why then should I permit myself, under any consideration, to be the cause of molestation or aggression to any one? Besides, are not five parts in six of mankind either Hindûs or aliens to the faith; and were I to be governed by motives of the kind suggested in your inquiry, what alternative can I have but to put them all to death! I have thought it therefore my wisest plan to let these men alone. Neither is it to be forgotten, that the class of whom we are speaking, in common with the other inhabitants of Agrah, are usefully engaged, either in the pursuits of science or the arts, or of improvements for the benefit of mankind, and have in numerous instances arrived at the highest distinctions in the state, there being, indeed, to be found in this city men of every description, and of every religion on the face of the earth."

I had been constrained to imprison my eldest son Khossrou in the upper part of the royal tower in the castle of Agrah; nevertheless, although I had received from

* Five krour and forty laks of rupees. It must be confessed that these appear to be enormous exaggerations.

† This was probably an image of Bûddâh.

cular, the ananauss* (pine-apple), being among the most delicious of tho reared in the island of the Frengueis (or Portuguese); of which fruit this sa garden has been known in a season to have produced nearly one hundr thousand.

Of other fruits which it produced in sufficient abundance, there were grap of the most esteemed and delicious kinds, several kinds of apples, apricots Suliman and Abbas, and beh-alu (some kind of plum), together with a varie of other sorts of fruits brought from Kabul and the parts of the west, hither strangers to the climate of Hindûstaun, but now cultivated with abundant su cess. Here also was introduced the sandal tree, peculiar to the islands of Zei or Zubberbad (*Qu.*). With regard to the Hindûstauny fruits, they were in suc multiplied variety as it would be tedious to enumerate. Of flowers there w every sort of the rose, and particularly the musk and damask rose, together wit the jessamin and gûltchemeily, the latter the most esteemed of Indian flowe In short, the flowers and flowering shrubs introduced into the Gûlafshaun gard were in such endless variety as to surpass all powers of description.

The citadel or castle of Agrah, as already intimated, was rebuilt by my fath from the foundation altogether of red hewn stone, with four principal entranc and two sally ports. It was, in fact, a monument of his power, so perfect i execution that one might almost venture to say it was a fabric shaped by th architect of eternal destiny from a single rock. The workmanship alone wa completed at the expense of not less than one hundred and eighty-six laks o ashrefies of five methkals each.†

At the same time, emulating the example of their sovereign, every member o the court and subject of the empire, each according to his station, hastened t construct and lay out on the city and its environs mansions of the most sumptuou description, and the most beautiful gardens, so as to render the place altogethe the object of universal delight and admiration. In very truth it is a wonderfu city; and hence it is not surprising that in the esteem of mankind it has bee placed on the same rank with Gualiar and Muttra, the latter the birth-place o *Krishna*, whom the Indian nations, in their ignorance, adore as the suprem being, and who, when they would speak in language of the highest praise, refer t these *three* places as surpassing all other cities in the known world.

I am here led to relate that at the city of Banaras a temple had been erecte by Rajah Maun Sing, which cost him the sum of nearly thirty-six laks of five methkal

* The fact is curious, as indicating that the pine was introduced into India by the Portuguese.

† Twenty-six krour and fifty-five laks of rupees, reckoning the ashrefy at fifteen rupees, that is t say, £26,550,000!

Again, when Sekunder Lodi was on his march from Dehly, which was at that eriod the metropolis of the Indian monarchy, for his attack on Gualeem, he ame to Agrah, to which he immediately removed the seat of government from ehly. And finally, when the Almighty Disposer of events thought fit in his isdom to confer the empire of Hindûstaun upon our illustrious race, my ances-or the Emperor Bâber, after the defeat of Ibrahim, the son of Sekunder Lodi, he capture of Dehly, and subsequent reduction of Bengal, evinced his predilec-ion for Agrah, by forming, on a spot on the opposite side of the Jumnah emarkable for the purity of the air, a spacious and magnificent garden. In one art of the garden he erected an elegant pavilion of hewn stone (green marble) f four stories, surmounted by a dome of twenty guzz in diameter,* and sur-ounded by a colonnade or gallery, the pillars of which were of polished marble, nd the ceilings decorated with gold and lapis-lazuli, formed into beautiful igures of the most elaborate workmanship. Within the gardens, moreover, he lanted a covered avenue, carried to the distance of two kôsse in length, all of apaury trees, each of which grows to the height of fifty cubits,† the branches preading at the top like an umbrella. In effect, for the formation of such an venue, nothing can be better calculated than these lofty and graceful trees. In he centre of the garden (it might indeed without impropriety be called a ark) he formed a basin one kôsse in circumference, the sides of which ere faced all round with hewn stone, and in the centre of the basin he erected nother pavilion of two stories, in which might be seated two hundred persons if ecessary. The doors and walls of this also were decorated with beautiful igures of the most delicate designs, and the pavillion was approached by a con-enient arched bridge of hewn stone. This garden extended altogether over a pace of two hundred and fifty jerreibs,‡ and received the name of Bezugh-e-ulaf-shaun—the rose-diffusing. In an angle of the garden he also erected a pacious mosque, with a vaulted well § attached. During the reign of the same llustrious monarch, many kinds of fruit foreign to the climate of Hindustuan ere also introduced and planted in this garden. I shall mention one in parti-cular,

* About thirty-seven feet.

† At twenty-two inches to the cubit, this would be ninety-two feet high. The saury or betel-nut is a graceful slender tree, which grows to a great height.

‡ Something less than as many acres. A jerreib is said by Richardson to be as much sown ground will produce 768 lb. of corn, or about ten bushels.

§ Tchzajeneibah. I conjecture this to be a well of that kind which is to be seen in some parts of ndia, with galleries and spacious flights of steps extending from top to bottom; or perhaps it was eant to express merely a contiguous well.

and four stories high. Such is the immensity of the population, that from hour of evening prayer to the close of the first quarter of the night, the thr is so densely wedged, that it is not without the utmost difficulty the people pass and repass along the streets.

As an attempt to ascertain in some degree the extent of this multitudin population, I directed Melek Ally, the kotwaal, a superintendant of poli one day to make a tour through the city, and count the individuals assemb in the different maarekahs, or theatres for athletæ or pugilists; and his rep was, that in none of these places did he find assembled less than two and th thousand persons, although it was neither the first of the new year, nor any those days of public rejoicing on which it was usual for the people to app abroad for amusement. From this it is considered that some estimate may formed of the enormous multitude which thronged the city in every quar Add to this, that every day through the year there were conveyed to the pl by boats along the Jumnah not less than ten thousand loads of fuel, and for dirrems it would be difficult to purchase a single branch, so rapid was demand. For nearly eight months, moreover, which is the duration of the season, or the interval between the periodical rains, not less than five and thousand horses for sale daily enter the city from Kabûl and the countries that direction; and such is the rapidity with which they are disposed of, t not one is to be purchased on the succeeding day. In short, I do not kn in the whole world, in magnitude and the multitude of its inhabitants, th is any city to be compared with the metropolis of Agrah.

With regard to situation, it lies in the second of the seven climates, w Kanouje to the east, Nagour to the west, Sumbul to the north, and to south Chandeiry. [The imperial narrator introduces here the verses compo by Karuffy, a poet of Shirauz, in praise of Agrah, in the time of Akbar, w speaking of the palace of Sultan Khorrom, afterwards the Emperor Shahjaha which it is quite unnecessary. as well as tedious, to repeat.]

Agrah was, however, a city of considerable magnitude, even prior to supremacy of the Afghans, and it is spoken of in terms of admiration by a p of Gheznîn, in the time of Mûssaoud, the son of Ibrahim, the twelfth of the r of Sebectegîn, Mahmoud Ghazi being the fourth. With regard to the river J nah, we learn from the writings of the Hindûs, that it has its source in th mountains, which, from the intensity of the cold, are inaccessible to the appro of man without the greatest difficulty. When it first makes its appear near Hasserabad to the north-west, it rushes with such impetuous force, an elephant would be swept away like a straw. From the foot of the citadel Agrah it bends its course in the direction of Bengal.

Ag

llion against the authority of their father; in the course of which, retiring the summits of the hills, they there erected these forts to screen themselves n the punishment due to their parricidal rebellion. And yet will it be believed, t in the space of not more than four years, the whole of that country, a ntry of many months' journey in extent, with all its numberless forts, was npletely subjugated by my father, all the sons of the Rajah being alternately troyed; and the Rajah himself falling alive into the hands of his adversaries, lly submitted to the conqueror.

Among these my earliest regulations, I ordained that the precious metals luded in the royalties of the empire should be coined anew in my own imrial name, assigning to each coin an altered denomination: thus, to the gold her of two thousand tolahs,* I gave the name of nour-e-shahy—light of e kingdom; to that of one thousand tolahs, nour-jahaun—light of the world; that of five hundred tolahs, nour-e-doulut—light of the state; to that of e hundred, nour-moher—light of the sun; and to that of one tolah, which s substituted for the gold rupee, I gave the designation of Nour-ud-deen ahommed, Jahangueir Padshah—light of the faith of Mahommed, Jahangueir nperor. Moreover, for every one of these coins in gold I struck a corresnding piece in silver, exhibiting on one side the year of my reign, on the her the attestation of our faith: La-illauh-il-ullah, and Mahommed-ur-russoullah—there is no God but God, and Mahommed is the messenger of God.

The city of Agrah, it were almost superfluous to observe, is one of the eatest in Hindustan; and being defended by a citadel of great antiquity, my her had caused such citadel to be thrown down, and a new fabric of hewn ne to be erected on the site, as will be noticed in another place. I shall re only remark further, that the city is built on both banks of the river mnah, that part which is situated on the hither, or western side, being four se in breadth and ten kôsse in circumference, and that on the opposite side ing not more than two kôsse in breadth, and three kôsse in circumference. he multiplicity of noble structures erected on all sides, such as mosques of perior magnitude, baths, spacious caravanserais, and splendid private palaces, e to an extent that would place it on a par with the most celebrated cities in k, Khorassaun, and the famed territory beyond the Jeyhoun (the Oxus), e ordinary dwellings of the inhabitants being built, for the greater part. three and

* As far as I can remember, on the western side of India the silver rupee was the weight of a h; and in Richardson's Persian Dictionary, under the word *sikkah*, the reader will find the ription of a gold coin of the value of £900. The weight of two thousand rupees would however preposterous for any portable coin; it must then have been of that value only, which would be ut £200.

To the individual stipendiaries of the government I assigned, at the sa time, an increased allowance, in the proportion of fifteen to ten (that is, him that had only ten, I assigned fifteen rupees), and to novices in trade, artis possibly employed in the different arsenals, from ten to twelve in the aggreg I augmented the allowance to the inmates of my father's harram, consisting nearly seven thousand individuals, from two to four ashrefies of five methkal day each respectively,* and independently of the royal presents which I convey to them on the usual annual festivals and days of rejoicing. During the reign my father, the ministers of religion and students in law and literature, to t number of two and three thousand, in the principal cities of the empire, we already allowed pensions from the state; and to these, in conformity with t regulations established by my father, I directed Meiran Sudder Jahzan, one the noblest among the Seyeds of Herât, to allot a subsistence correspondi with their situation; and this not only to the subjects of my own realms, but foreigners—to natives of Persia, Roum, Bokhâra, and Azerbaijan, with str charge that this class of men should not be permitted either want or inconve ence in any shape: "Wealth is from God—all power is from him—and these a his servants:"—and since it hath pleased him, from among so many hundr thousand laks of the human race, to chuse me for the monarch of a mighty e pire, of which the reins have thus been placed in my hands, I could not justified in permitting distress to lay hold of those devoted to his service, or neglecting to make myself acquainted with all their wants, and to adopt them the objects of my peculiar care. For how fearful my responsibility on the gre and awful day of account, were my conduct to be the reverse of what is he stated.

In the next place I decreed a general pardon and enlargement of prisone throughout the empire, so that from the fortress of Gualiar alone there were s at liberty not less than seven thousand individuals, some of whom had been confinement for forty years. Of the number discharged altogether on th occasion, some conception may be formed when it is mentioned, that within t limits of Hindustan there are not less than two thousand four hundred fortress of name and competent strength, exclusively of those in the kingdom Bengal, which surpass all reckoning: for Rajah Maun Sing had not less th two hundred and eighty sons, all of whom, at one time or another, were rebelli

* Calculating the ashrefy at fifteen rupees, this would make a daily expenditure, on this he alone, of £42,000, or £1,260,000 a month, and £15,120,000 per annum: a sum rather beyo credibility.

ntly disposed, we ought not, I say, to negociate on any terms, because their views invariably tend towards convulsions on the state, and their increasing prayers are for dissention and civil broil, as offering the only means of advancing their own base and sordid plans of ambition, *forgetting that they are themselves the very description of men to be first swept away by the storm.*

So just was the observation ascribed to Shah Tahmasp of Persia, now in paradise, that I cannot forbear to introduce it in this place. Having just finished a tank or reservoir near one of his palaces, it occurred to him to ask his courtiers what they thought the best substance with which to fill it, independently of water. One of them gave his opinion in favour of gold. "Thou hast well said," replied the monarch, "for thy prevailing propensity is avarice." Another said he should like to see it brimful of sherbet, sugar, and rose-water, intermingled with pieces of ice. "Apparently," observed the king, "thou art an opium-eater, and hast very correctly indicated thine appetite." Others described one thing, and others different sorts of things, according to their several ideas: but Shah Tahmasp concluded by a declaration, that neither of these opinions coincided with the sentiments of his own mind; for that, in his judgment, the reservoir could not be better filled than with the blood of turbulent and disaffected men, the agents of tumult and commotion.* And most truly, do I say, was it spoken; for since the death of my father, I have had abundant experience that the number of loyal and faithful men is deplorably small, and, if indeed at all to be met with, not more than one in a hundred thousand.

Of Shah Abbas, while I was yet prince royal, I remember hearing it related, that his attachment to Ferhaâd Khaun, one of his ministers, was so powerful, that once, when the minister lay sick of his wounds, his sovereign, during his frequent visits in the morning, was accustomed with his own tongue to lick the wounds; and he had been raised by his master to the very highest dignities in the Persian empire. Yet after all, was the monarch compelled to take off the head of the man so singularly cherished. I cannot entertain a doubt but that the Shah had too many reasons in justification: for long have I been convinced, that to tie up the hand against punishing the ingratitude of the traitor, is of all follies the most egregious. And yet, when thoroughly tried, the good and faithful servant cannot be too highly and liberally cherished. It cannot, however, be too often repeated, that the wretch who traffics for an advance of stipend at the moment his services are required, needs no further trial. He can be no other than a disloyal profligate.

C To

* If the word in the manuscript be *keliktchee*, it would signify agents of commotion.

by violence of the lands of the subject, or from cultivating them on their o account; neither was the Jaguirdaur or feudatory of any district to exerc any sort of authority beyond the limits of his own, nor to force either man beast from another district into his own. On the contrary, his attention was be wholly and exclusively devoted to the cultivation and improvement of t district allotted to himself.

9. [This article is perfectly unintelligible in the manuscript, but see directed to impose some restraint on the improper use of theriauk or antido of any kind, or possibly prescribing the rule by which they shall be ministered.]

10. The governors in all the principal cities were directed to establi infirmaries or hospitals, with competent medical aid for the relief of the sic who were to be conveyed thither; the expense to be defrayed from the i perial exchequer until the final recovery of the patient, who was then to discharged with a sufficient sum of money for his exigencies.

11. During the month of my birth, which was that of the former Rebbe the use of all animal food was prohibited both in town and country; and equidistant periods throughout the year a day was set apart, on which slaughtering of animals was strictly forbidden. In every week also, on Thu day, that being the day of my accession, and Sunday, was forbidden the use animal food, it being considered unjustifiable to deprive any animal of life that day on which the creation of the world was finished. For a period more than eleven years was the same abstinence observed by my father, duri which on no consideration would he permit himself to taste of animal food o Sunday. On that day, therefore, I thought it right to prohibit the use of su food in every place throughout my dominions.

12. I issued a decree confirming the dignitaries and feudatories of my fathe government in all that they had enjoyed while he was living; and where I fou sufficient merit, I conferred an advance of rank in various gradations. Thu commander of ten horse I advanced to the command of fifteen, and so on proportion to the highest dignitaries of the realm.

On this point I cannot restrain myself from invoking the judgment of hea upon those unworthy servants who had not the understanding to appreciate value of the benefits thus liberally bestowed upon them. Such, I am compel to observe, is the perverseness of human nature, that there were among th individuals who could not be brought, without the greatest reluctance, to yi to me the ordinary marks of homage and allegiance.* With men thus tur len

* Kornesh and tessleim. These remarks refer to the adherents of his eldest son Khosrou, whom hereafter.

six ounces), and eight cups being equal to a maunn of Irâk.* So far, indeed, was this baneful propensity carried, that if I were but an hour without my beverage, my hands began to shake and I was unable to sit at rest. Convinced by these symptoms, that if the habit gained upon me in this proportion my situation must soon become one of the utmost peril, I felt it full time to devise some expedient to abate the evil: and in six months I accordingly succeeded in reducing my quantity gradually from twenty to five cups a day. At entertainments I continued, however, to indulge in a cup or two more: and on most occasions I made it a rule never to commence my indulgence until about two hours before the close of the day. But now that the affairs of the empire demand my utmost vigilance and attention, my potations do not commence until after the hour of evening prayer, my quantity never exceeding five cups on any occasion; neither would more than that quantity suit the state of my stomach. Once a day I take my regular meal, and once a day seems quite sufficient to assuage my appetite for wine; but as drink seems not less necessary than meat for the sustenance of man, it appears very difficult, if not impossible, for me to discontinue altogether the use of wine. Nevertheless, I bear in mind, and I trust in heaven that, like my grandfather Homayun, who succeeded in divesting himself of the habit before he attained to the age of forty-five, I also may be supported in my resolution, some time or other to abandon the pernicious practice altogether. "In a point wherein God has pronounced his sure displeasure, let the creature exert himself ever so little towards amendment, and it may prove, in no small degree, the means of eternal salvation."

6. No person was permitted to take up his abode obtrusively in the dwelling of any subject of my realm. On the contrary, when individuals serving in the armies of the state came to any town, and could without compulsion secure an abode by rent, it were commendable; otherwise they were to pitch their tents without the place, and prepare habitations for themselves. For what grievance could be more irksome to the subject than to see a perfect stranger obtrude into the bosom of his family, and take possession most probably of the most convenient part of his dwelling, leaving to his women and children, peradventure, not space enough to stretch out an arm!

7. No person was to suffer, for any offence, the loss of a *nose* or *ear*. If the crime were theft, the offender was to be scourged with thorns, or deterred from further transgression by an attestation on the Korân.†

8. The Krouries and Jaguirdaurs were prohibited from possessing themselves by

* About three pounds.

† The same defect in the manuscript already complained of, compels us here, as well as in several other places, to rely upon conjecture.

vided that where the district was immediately dependent on the crown, and th residence of a Kroury,* that officer was authorized to prosecute these work at the expense of the imperial treasury.

3. Merchants travelling through the country were not to have their bales o packages of any kind opened without their consent. But when they were per fectly willing to dispose of any article of merchandize purchasers were permitted to deal with them, without, however, offering any species of molestation.

4. When a person shall die and leave children, the individual not being in th employment of the state, no man whatever was to interfere a pin's point in hi property, nor to offer the slightest molestation to the children: but when there were neither children nor direct or unquestionable heirs, the inheritance wa to be applied to defray the expenses incurred for mosques and talaub, or water tanks, so as to secure perpetual blessings on the soul of the departed.

5. No person was permitted either to make or sell either wine or any other kind of intoxicating liquor. I undertook to institute this regulation, althougl it is sufficiently notorious that I have myself the strongest inclination for wine in which from the age of sixteen I have liberally indulged. And in very truth, encompassed as I was with youthful associates of congenial minds breathing the air of a delicious climate—ranging through lofty and splendic saloons, every part of which decorated with all the graces of painting an sculpture, and the floors bespread with the richest carpets of silk and gold would it not have been a species of folly to have rejected the aid of an exhila rating cordial—and what cordial can surpass the juice of the grape? May i not happen that theriauk, or opiates, or stimulants, have been rendered habitua to the constitution? and heaven forbid that this should deprive a man of th most generous feelings of his nature. With some acknowledged beneficial effects it must however be confessed, that these indulgences to excess must expose man's infirmities, prostrate his constitutional vigour, and awaken false desires such being the most injurious properties belonging to the list of stimulants.† At the same time, we cannot but remember that kelourica is brother's son t theriauk.

For myself, I cannot but acknowledge that such was the excess to which had carried my indulgence, that my usual daily allowance extended to twenty and sometimes to more than twenty cups, each cup containing half a seir (abou si

* This was an office instituted by Akbar, and the functionary was so called because he had th collection of a krour, or one hundred lak, of *daums*, of which latter there were forty to the rupee.

† The passage included in this paragraph has been so carelessly copied in the Persian manuscrip that we have had the greatest difficulty in making out the sense.

tion by which he invariably addressed me. And, peradventure, I might have been contented to the last with the title of Sultan Seleim: but to place myself on a par with the monarchs of the Turkish empire (Roum), and considering that universal conquest is the peculiar vocation of sovereign princes, I thought it incumbent on me to assume at my accession that of Jahangueir Padshah, as the title which best suited my character: and I trust, with the aid of a gracious providence, with length of life, and a favouring star, that I shall so acquit myself as to justify the appellation.

The very first ordinance which issued from me, on ascending the throne of my ancestors, was that which related to the chain of justice, one end of which I caused to be fastened to the battlements of the royal tower of the castle of Agrah, and the other to a stone pillar near the bed of the river Jumnah; to the end that, when at any time the dispensers of law under my authority might fail in the administration of justice, the injured party by applying his hand to the chain would find himself in the way of obtaining speedy redress. The chain was of gold, one hundred and forty guzz in length, with eighty small bells attached at different distances, and it was of the weight of sixty maunns of Hindûstaun, equal to six hundred maunns of Irâk.*

I instituted twelve special regulations, to be applied by the different functionaries of the empire as rules of conduct, never to be deviated from in their respective stations.

1. I remitted altogether to my subjects three several sources of revenue, the Jekhaut, Sermohary, and Tumgha, which in the whole yielded to my father no less than sixteen hundred Hindustany maunns of gold, equal to sixteen thousand maunns of Irâk.†

2. I ordained that wherever the property of God's people entrusted to my charge should be wrested from them, either by highway robbery or any other act of violence, the inhabitants of the district, as best knowing whence it proceeded, should be compelled to produce either the property or the depredator. I directed, when the district lay waste or destitute of inhabitants, that towns should be built, and the population registered, and every method resorted to that might contribute to protect the subject from injury. I charged the Jaguirdaurs, or feudatories of the empire, in such deserted places to erect mosques and substantial serrais, or stations for the accommodation of travellers, in order to render the district once more an inhabited country, and that wayfaring men might again be able to pass and repass in safety. For these purposes I provided

* About fifteen hundred-weight, reckoning the maunn at 28 lbs. or a quarter of an hundred-weight.

† About twenty-two tons and a half.

Adjmeir, a distance of not less than one hundred and forty kôss,* for the s purpose of offering his vows at the shrine of the saint. As my father's deter nation sprung from the sincerity of his heart, just six months after the death my last departed infant brother, namely, on Wednesday the seventeenth of former month of Rebbeia, of the year of the Hidjerah 978,† the sun being the twenty-fourth degree of *Libra*, and when seven gurries of the day w passed, the Most High ushered the humble narrator of these events into t stage of existence.

Faithful to his engagement, my father, whose mansion is now on the em rean, accompanied by several of the most distinguished Ameirs of his court, t his departure from Agrah, and proceeding on foot at the rate of five koss a d presented himself on his arrival at Adjmeir before the shrine of Moyen-ud-de and having performed his devotions, hastened without further delay in quest the derveish, through the influence of whose piety he had obtained the obj of his anxious supplications. The pious recluse bore the name of Sheikh Selei and my father, on repairing to the place of his residence, then lodging me his arms, intreated him to pray to God for the safety of his infant child. T however was not all: during his visit my father ventured to inquire of t derveish if he could undertake to tell him the number of the sons whom t Almighty in his providence had decreed to bestow upon him. Elated at t moment by the presence of his imperial visitor, the derveish did not hesitate announce to my father that Providence would bless him with three sons. " these," cried my father, "I have cast the first-born into thy bosom."—" Blessin upon it," replied the derveish, " since thou hast committed the child to my arn I have given him the name of Mahommed Seleim." Accepting these testimoni of attention on the part of the derveish as greatly auspicious to his hopes, father then returned to his capital, where, for the space of fourteen years aft wards, he continued to maintain with this holy recluse an intercourse of t closest intimacy.

[In this place there appears something of an omission in the manuscript, the imperial memorialist is made to refer rather abruptly to the village of Sik to which, in commemoration of the conquest of Gûjerat, he states that his fath gave the name of Futtahpour—Nicopolis.]

I must however observe, continues the imperial narrator, that from my fathe anointed lips, I never on any occasion heard myself called by the name Mahommed Seleim; baba (child) being the more paternal and affectionate app lati

* The kôss is an indefinite measurement, from one and a half to two miles and upwards.

† 18th of August, A.D. 1570; this prince at his accession could therefore be no more than thirty-

predecessors. At the point in the centre of the top part of the crown was a gle pearl of four mithkals, of the value of one lak of ashrefies; and on ferent parts of the same were set altogether two hundred rubies of one mith-l each, and each of the value of six thousand rupees.*

For forty days and forty nights I caused the nuggaurah, or great imperial te drum, to strike up, without ceasing, the strains of joy and triumph; and for extent of nearly fifty zereibs around my throne, the ground was spread by y directions with the most costly brocades and gold embroidered carpets. ensors of gold and silver were disposed in different directions for the purpose burning odoriferous drugs, and nearly three thousand camphorated wax lights, ree cubits in length, in branches of gold and silver perfumed with ambergris, uminated the scene from night till morning. Numbers of blooming youths, autiful as young Joseph in the pavilions of Egypt, clad in dresses of the most stly materials, woven in silk and gold, with zones and amulets sparkling with e lustre of the diamond, the emerald, the sapphire, and the ruby, awaited my mmands, rank after rank, and in attitude most respectful. And finally, the meirs of the empire, from the captain of five hundred to the commander of five ousand horse, and to the number of nine individuals, covered from head to ot in gold and jewels, and shoulder to shoulder, stood round in brilliant array, o waiting for the commands of their sovereign. For forty days and forty ghts did I keep open to the world these scenes of festivity and splendour, nishing altogether an example of imperial magnificence seldom paralleled in s stage of earthly existence.

Until he had attained to the age of eight and twenty my father had had no ild that survived its birth beyond one astronomical hour; and the circum-nce was to him the subject of very deep concern. To obtain, therefore, the ject of his wishes in this respect, many and anxious were the supplications ich he addressed to the throne of Omnipotence. While he languished in this te of anxiety, one of his Ameirs, aware of his unbounded reverence for, and nfidence in the influence of the class of derveishes, mentioned to him one y, that at the tomb of the venerated Moyen-ud-dein Tehousty, at Adjmeir, re resided a peir, or holy recluse, distinguished for the purity of his life and nners, in which, as he said, not only in India, but in the whole world, he was t day without his equal. In the ardour of zeal and hope, my father expressed letermination, that should Providence bestow upon him a child that might vive, he would walk all the way on foot from the metropolis of Agrah to

 Adjmeir,

* Altogether, then, this superb symbol of supreme power may be valued at two millions and seventy sand pounds sterling.

upon the winds? As at the very instant that I seated myself on the throne sun-rose from the horizon, I accepted this as the omen of victory, and indicating a reign of unvarying prosperity. Hence I assumed the titles Jahangueir Padshah, and Jahangueir Shah: the world-subduing emperor; world-subduing king. I ordained that the following legend should be stam on the coinage of the empire: "Stricken at Agrah by that Khossrou, the guard of the world; the sovereign splendour of the faith, Jahangueir, son of imperial Akbar."

On this occasion I made use of the throne prepared by my father, and enric at an expense without parallel, for the celebration of the festival of the new y at the entrance of the sun into Aries. In the fabrication of the throne a not far short of ten krours of ashrefies,* of five mithkals the ashrefy, expended in jewels alone; a krour being the term for an hundred laks, and a being one hundred thousand, independently of three hundred maunns of g Hindustanny measure, employed in the workmanship, each maunn of Hind be equal to ten maunns of Irâk.† For the convenience of removal from place place the throne was, moreover, so constructed, that it could be easily taken pieces, and again put together at pleasure. The legs and body of the thr were at the same time loaded with fifty maunns of ambergris, so that where it might be found expedient to put it together, no further perfumes were nec sary, for an assemblage of whatever magnitude.

Having thus seated myself on the throne of my expectations and wishes caused also the imperial crown, which my father had caused to be made a the manner of that which was worn by the great kings of Persia, to be brou before me, and then, in the presence of the whole assembled Ameirs, hav placed it on my brows, as an omen auspicious to the stability and happiness my reign, kept it there for the space of a full astronomical hour. On each the twelve points of this crown was a single diamond of the value of one lak ashrefies of five mithkals, the whole purchased by my father with the resour of his own government, not from any thing accruing to him by inheritance fr

* A krour of ashrefies is synonimous with gold mohrs, which I have reason to think would equal to fifteen krours of rupees; and ten krours of ashrefies would be one hundred and fifty krou rupees, or about one hundred and fifty millions sterling! an incredible sum. Instead therefor ten, we shall read two krours of ashrefies, and thirty krours of rupees, still making thirty mill sterling. We shall here remark that *noble* would be the appropriate English version of ashr Again, the Bombay maunn is estimated at about twenty-eight pounds, or a quarter of a hundred-wei and three hundred maunns will therefore be about four tons of gold.

† Calculating the ashrefy as before, at fifteen rupees, this would make the value of each dia £150,000 sterling, which multiplied by twelve will give the enormous sum of £1,800,000.

AUTOBIOGRAPHICAL MEMOIRS

OF THE

REIGN OF THE EMPEROR JAHANGUEIR.

To Him whose name is inscribed at the head of all that has existence; the characters of whose glory are stamped on the walls and portals of the universe: to the Eternal Designer, who with a word, from the bosom of nothing, brought forth the celestial spheres and the elements of created nature: to the Omnipotent Architect, who spread above us the alternate vaults of the firmament, and arrayed this globe of earth with the splendours of his might: to Him be endless praise and illimitable gratitude; and on our prophet Mahommed, that most excellent of created beings, who released mankind from the mazes of error, and conducted them to the high road of truth and duty, be countless blessings: to whom was given, from God, authority over all terrestrial power, and over all other prophets the pre-eminence; the Messiah himself bearing the glad tidings of his approach; of his approach at whose lamp the great legislator of Israel, the God-spoken prophet, sought to secure a spark of heavenly light.

For a memorial of sundry events incidental to myself, I have undertaken to describe a small portion, in order that some traces thereof may be preserved on the records of time.

On Thursday, then, the eighth of the latter month of Jummaudy, of the year of the Hidjera one thousand and fourteen,* at the metropolis of Agrah, and in the forenoon of the day, being then arrived at the age of thirty-eight, I became Emperor, and under auspices the most felicitous, took my seat on the throne of my wishes. Let it not produce a smile that I should have set my heart on the delusions of this world. Am I greater than Solomon, who placed his pillow

upon

* Corresponding with the 10th of October, A.D. 1605. According to some authorities, the Emperor Akbar died on Wednesday the 10th of the latter Jummaudy, A.H. 1014, corresponding with the 12th of October, A.D. 1605; which would make the accession of Jahangueir to have preceded the death of his father by two days.

N.B. In this work the Arabic or Persian letter خ is expressed by *kh*, as in *Khaun*, *Sheikh*
The letter ج in the beginning of a word is generally expressed by *J*, as in *Jummaudy*, *Jaguir*
other parts of a word by *dj*, as *Hidjerah*, *Adjmeir*, or by the simple *j*, as in *Punjaub*, *Khanja*
The letter غ is represented by *gh*, as *Chirâgh*, *Afghan*: the Arabic ث by *th*, as in *Thauni*
long ا generally by *au*, as in *Khaun*, *Zauhed*, *Bauz*, &c. The ي at the beginning of a word by
in *Yaheya*; in other parts generally by *ei*, as *Peishkesh*, *Seleim*, *Parveiz*, &c. At the beginning
word و is expressed by *V*, as in *Vezzeir*; in other places by *w*, as *Diwan*; or by *ou*, as in
Nour, &c. To express the Persian letter گاف before ي *guei* or *gui* are used, as in *Jahan*
Jaguir, &c.

ADVERTISEMENT.

THE Persian Manuscript which has furnished materials for this Work not being distinguished by any particular title, the Translator would have ventured to style it the واقعات جهانگیری, WAKIAATI JAHANGUIRI, or to bestow on it some other name equally signifying "Incidents in "the Reign of the Emperor Jahangueir." But to supply an Oriental name from mere conjecture seemed unnecessary, as the contents could be indicated with sufficient accuracy in an English title-page.

Besides, from some extracts, occupying about seventeen pages in the "Asiatick Miscellany" (printed at Calcutta 1785-1786, vol. ii., pp. 71-173) it would appear to be the same, or nearly the same, with that work which was described by an accomplished Orientalist, who translated those passages (James Anderson, Esq.) as the "TOOZUK E "JEHANGEERY (تزوک جهانگیری), or Memoirs of JEHANGEER written by "himself, and containing a History of the Transactions of the First "thirteen years of his Reign." But Mr. Anderson did not profess to give more than a few extracts from the Toozuk; and a comparison of these with the present work, will show that he must have occasionally omitted whole pages between certain facts recorded in both.

MEMOIRS

OF

THE EMPEROR JAHANGUEIR,

WRITTEN BY HIMSELF;

AND

TRANSLATED FROM A PERSIAN MANUSCRIPT,

BY

MAJOR DAVID PRICE,

Of the Bombay Army; Member of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland; of the Oriental Translation Committee; and of the Royal Society of Literature

---

LONDON:
PRINTED FOR THE ORIENTAL TRANSLATION COMMITTEE,
AND SOLD BY
MURRAY, ALBEMARLE STREET; PARBURY, ALLEN, & CO., LEADENHALL STREET;
AND HOWELL & STEWART, HOLBORN.

1829.

Editor's Note

A version of Tuzuk-i-Jahangiri or the Memoirs of Jahangir named Tarikh-i-Salim-Shahi translated by David Price and produced by Oriental Translation Committee, London in 1829, has been declared by historians, among them Prof. S. Nurul Hasan, a Fabrication composed during Shahjahan's period. It is being reproduced to test the audacity as to how long it could stand on its own in face of the authentic word.

The Price-version tallies with the text of a Khuda Bakhsh manuscript entitled Tarikh-i-Saleem Shahi. It would be interesting to analyse the contents of the Fabrication and compare it with the accepted versions marking major and minor additions. commissions and/or omissions. The obvious points of exaggeration and of boring details, have already been noted by scholars. Leaving this dimension aside, it would be worthwhile to look into the real contents, the factual part, and to compare it with the standerd version.

We have yet another manuscript which is one of the prized possessions of the Khuda Bakhsh Library. It is the Three-Years version. During a successful campaign against the Golkunda king, the manuscript was acquired by Md. Sultan, the son of Aurangzeb, as a war booty. The date of Deccan campaign led by Md. Sultan against the Golkunda king is 1656. Md. Sultan died in 1676

The covering page of the manuscript carries the following legend to the above effect:

"این کتاب جهانگیرنامه را حضرت جنت مکانی خود تصنیف نموده اند در دارالفتح حیدرآباد
از کتابخانهٔ قطب الملک گرفته شد. حررهٔ محمد سلطان"

However, what is more interesting is the colophon which reads as follows:

"بتاریخ یوم الاربعا سلخ ذوالحجه ۱۰۲۹ھ در دارالسلطنت حیدرآباد مصونه عن کل شر و فساد برسم
خزانهٔ کتب اعلیٰ حضرت السلطان العادل الکامل افتخار السلاطین فی الزمان واشرف الخواقین فی الدوران
السلطان ابن السلطان السلطان الخاقان ابن الخاقان الخاقان لا زال رایات دولت منصوره وانوار
حضرة مشهوره بید الفقیر محمد مومن مشهور به عرب شیرازی تمت تحریر یافت"

It would bear some fruits if yet another comparison is made with this version of the Tuzuk dated 1029 A.H.= 1619-20 A.D. copied eight years before the death of the royal author.

— *A. R. Bedar*

MEMOIRS OF JAHANGIR

CONTENTS

Printers : Liberty Art Press. New Delhi and Patna Litho Press, Patna.
Publisher : Mahboob Husain for Khuda Bakhsh Library, Patna (Phone 50
Editor : Dr. A. R. Bedar

Annual subscription : Rs. 60-00 (Inland), 12-00 Dollars (Asian countr
24 Dollars (other countries)Rs. 15-00 per copy.

Khuda Bakhsh Library

JOURNAL

32

1985

KHUDA BAKHSH ORIENTAL PUBLIC LIBRARY
PATNA-800004
(INDIA)

خدابخش لائبریری

جرنل

پٹنہ

۳۳ ۳۴ ۳۵

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر ۲۳۴۲۴/۷۷
تینتیسواں، چونتیسواں اور پینتیسواں شمارہ ۱۹۸۵ء
قیمت : ۴۵ رُپے

قیمت فی شمارہ پندرہ رُپے
سالانہ ۶۰ رُپے (ہند)
۱۲ ڈالر (ایشیا) ، ۲۴ ڈالر (دیگر ممالک)

فہرست

محبوب حسین نے پٹنہ لیتھو پریس، رمنا لین، پٹنہ اور لبرٹی آرٹ پریس دہلی سے چھپوا کر خدا بخش لائبریری سے شائع کیا
ایڈیٹر: عابد رضا بیدار

تذکرۂ کاملانِ رامپور

مؤلفہ

حافظ احمد علی خاں شوق (م ۱۹۳۳ء)

غیر منقسم ہندستان کے شمال مغربی سرحدی علاقوں سے بنگش، آفریدی، یوسف زئی، اکوزئی، کال زئی، غوری، خٹک، بڑھیچ قبیلے ترک وطن کرکے ملیح آباد، فرخ آباد، قائم گنج، بدایوں، بریلی، آنولہ، رام پور، مرادآباد، امروہہ قافلہ در قافلہ گنگا جمنا کے دوآبے میں پڑاؤ ڈالتے گئے اور نئے وطن نے ان کے گرد Chivalry کی ان گنت کہانیاں بُن دیں؛ وہ کہانیاں جو ہیں ازمنہ وسطیٰ کے داستان طرازوں کا عظیم تخلیق Knights پہ سجی تھیں یا طلسم ہوشربا کے ہیروؤں پہ۔

بہت کچھ سنا ہے، خاصا، دیکھا بھی؛ یہاں بس دو ایک باتیں:

جب روہیلوں کا پہلا کارواں رودِ گنگا کی لہریتی، کوسی کے کنارے اترا (کہ آگے چلیں گے دم لیکر) تو گھنے جنگلوں میں درختوں اور پتوں کو کھڑکھڑاتے چند گیدڑ نمودار ہوئے اور نوواردوں کے کتوں پر پل پڑے۔ بڑی مشکل سے ان کی گلو خلاصی ہوئی۔ اور تب ہم جو روہیلوں نے اپنے اندر جھانک کر دیکھا تو دل رک چکا تھا اور باہر دیکھا تو زمین نے ان کے قدم پکڑ لیے تھے: یہ Test-Case تھا اور پہلے ہی ہلے میں

زمین جیت لی گئی تھی! جس ندی کا پانی پی کر گیدڑ دن دکتوں پر حملہ کرنے کی جرأت آجائے وہ جگہ کیسے چھوڑی جا سکتی تھی، اور خدا کی دنیا میں رہنے کو اس سے اچھی جگہ رہنے کو اور کونسی ہو سکتی تھی!!

دن گزرتے گئے پلک جھپکتے صدیاں گزر جاتی ہیں۔ انھیں گزرتے دنوں میں سے ایک دن کی بات ہے، راوی نے روایت یوں بیان کی ہے کہ: مفلسی سے تنگ آ کر خاں صاحب تلوار اور چاقو سے لیس ہو کر جانے لگے تو بی بی نے حیران ہو کے پوچھا تم تو کسی سے مانگنے نکل رہے تھے یہ تلوار چاقو لے کے کہاں چلے! بولے کہنے لگے اری نیک بخت، کسی نے ایسی ویسی بات کہہ دی تو تلوار لینے کیا گھر آؤں گا؟

صدی ڈیڑھ صدی گزر گئی بلند و بالا قد گھٹتے گئے، سرخ و سپید رنگتیں سانولی سلونی ہو گئیں، تلوار کی جگہ قلم نے لے لی، لیکن سو دو سو میں کسی ایک میں وہی بانکپن وہی پٹھن دل ربچوں دو اب بھی مل جاتی تھی جس کے لئے قبیلے والے مشہور تھے۔ سخت بیمار تھے خاں صاحب، ایسے کہ چند گھنٹوں بعد جان، جان آفرین کے سپرد ہونے والی تھی۔ پتا چلا عیادت کے لیے نواب کی آمد آمد ہے۔ اشارہ سے آئینہ طلب کیا۔ لوگ ہذیانی کیفیت سمجھے۔ دوسری دنیا میں ڈوبتی ہوئی نحیف آواز کو اپنے وجود کی پوری قوت مجتمع کر کے دہا رُتے: آئینہ لاؤ۔ آئینہ لایا گیا۔ اس میں اپنے پورے چہرے کو سما کر ہر نقش کی تفصیل دیکھتے رہے۔ آنکھیں، پھر ہونٹ، پھر ایک عمر کی پلی ہوئی مونچھیں۔ چیتے کی آنکھیں جیسی اور شیر کی مونچھ پر جا کر جم گئیں۔ کانپتے ہاتھوں کی لرزتی انگلیاں اٹھ کے غیر معمولی مضبوطی کے ساتھ مونچھوں کو بل دینے لگیں۔ آہستہ آہستہ مونچھیں اوپر اٹھتی گئیں۔ چہرے پر صلابت اور آنکھوں میں زندگی کی پوری چمک طاری کر کے بولے، اب ٹھیک ہے، اب بلاؤ نواب کو، سمجھتا پٹھان موت سے ڈر گیا!

رام پور، دہلی اور لکھنؤ کے تقریباً بیچوں بیچ (بہ اعتبار فاصلہ) ایک ریاست ہے جو پاکستان (غیر منقسم ہندوستان) اور افغانستان کے درمیانی علاقوں کے مہم آزما قبائل نے اٹھارہویں صدی کے آخری ربع میں مصطفیٰ آباد کے نام سے بسائی۔ نیا نام مصطفیٰ آباد تو چلا نہیں۔ رام پور ہی کو قبولیت عام کا شرف ملا۔

اور رام پور کے ساتھ نسبت کی شہرت ملی رام پوری ٹوپی کو (جو رام پور کے طویل قیام کے سلسلے سے حکیم صاحب کے نام پر پہلے اجمل کیپ اور پھر گاندھی کیپ بنی) اور رام پوری چاقو کو! اور ایک دراز مدت تک چاقو زنی کو بھی (منٹو نے 'محمد بھائی' کا کردار تخلیق کیا، تو رام پور ہی سے نسبت دی کہ) حق یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے! وہ دونوں علی بھائی جنھوں نے آزادیٔ ہند کے لیے

یُوں کی شمعیں دونوں سروں پر جلا رکھی تھیں کہ اتنی روشنی ہو جائے جس سے آزادی کا راستہ صاف
ز آجائے چاہے وہ خود سحر سے قبل ہی جل بجھیں! اور ان کی شیر دل ماں (بولیں اماں محمد علی کی:
ن بیٹا خلافت پہ دیدو) جن کی مقدس یاد آج بھی سر فخر سے اونچا اور سینہ چوڑا کر دیتی ہے:
بت علی محمد علی' بی اماں رام پور کی پہچان کبھی نہیں بنے! ورنہ وہ کھرا اور اصیل' بے میل اور بے جھول'
ای کردار رام پور کی شناخت بنا جسکے ہاں جان کا صدقہ مال ہے عزت پر بن جائے تو پہلا
صدقہ جان کا ہوتا ہے۔ وہ گنگا جمنی' ملی جلی' ہند اسلامی تہذیب بھی رام پور کی پہچان کبھی نہیں بنی
آزاد ہندستان کے لیے ایسا سرمایۂ افتخار ہے آسانی سے جس کی نظیر کشمیر سے کیرالہ تک نہیں ملتی:
یہ وہ شہر ہے جہاں ہندو مسلمان کے نام پر آجتک کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔

اس شہر نے اردو علم و ادب کی دستگیری کی' اور یہ ایسے وقت میں جب ۵۷ء کی قیامت
سر پر گزر چکی تھی: غالب کو اس نے سہارا دیا۔ داغ اور امیر کو' جلال اور تسلیم کو اس نے اپنی پناہ
بنا لیا۔ ہندستان کو اس کے درجن بھر مشہور ترین اور مقبول ترین اشعار میں سے ایک تہائی اس شہر نے
دیے' اور انھیں بھی دوسروں کی جھولی میں ڈال دیا' اسی رسانیت سے جس طرح محمد علی شوکت علی
ز ہندستان کی آزادی پر نچھاور کر دیا تھا' اور ہندستان نے آزادی کے بعد بھی ایک مدت تک ذکر تک نہیں کیا
ر وہ میرے سپوت تھے! وہ تو پورے ہندستان کا دل و جگر تھے!! بس ایسے ہی اس کے زائیدہ اشعار
بھی کبھی تو خدائے سخن میر سے منسوب کیا گیا' کبھی مومن خاں مومن سے۔ کیا فرق پڑتا ہے! اس نے سوچا ہوگا'
نیکی کر اور دریا میں ڈال دے:

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا — پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی
شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن — مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا
قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند — کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
(قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند — دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا)
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے — کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
[پہلا شعر بازید دانی نے اپنے شاگرد فکر کو خود کہہ کر دیا تھا۔ شہرت عام کے برخلاف یہ شعر

میر کے کلیات کے کسی معتبر قدیم نسخے میں کہیں نہیں ملتا۔

دوسرا شعر محمد یار خاں امیر کا ہے جو قائم چاندپوری کے شاگرد اور مربی تھے، اور جنہوں اپنے گرد مصحفی اور سوز اور دوسرے مشاہیر شعرا کو جمع کر لیا تھا۔

تیسرا شعر خود قائم چاندپوری کا ہے جن کی پختہ عمر کا بڑا حصہ رام پور میں گزرا اور یہیں وفات

اور چوتھا شعر میر حسین تسکین کا ہے جنہوں نے آخری عمر میں رام پور کو اپنا وطن ثانی بنا لیا اور یہیں وفات پائی۔]

آیئے کچھ دیر اس بستی کے ان بزرگوں کے ساتھ گزاریں جنھیں 'کاملانِ رام پور' کے نام۔

ستاون برس قبل ایک شریف آدمی نے اس کتاب کی صورت، ایک محفل میں اکٹھا کر دیا تھا شاید سوچ کر کہ مبادا جلنے والوں اچھے نام بھلائے میں آجائیں! مگر ہوا یہ کہ ان کے ساتھ انھیں یاد دلانے والے کا نام بھی امر ہو گیا۔

حافظ احمد علی خاں شوق کا تذکرہ کاملانِ رام پور ۲۶×۲۰ سائز کے ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ اور امیر مینائی کی انتخاب یادگار کے بعد ایک رام پور کے مشاہیر اور روہیلوں کی تہذیبی تاریخ کے سلسلے میں یہ تنہا اہم ماخذ ہے۔ اس کی دستاویزی اہمیت کے پیشِ نظر اسے دوبارہ ضروری تصحیح و اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ حافظ احمد علی خاں رام پور کے اسی خاندانِ شیوخ سے تھے جس نے ہندستان کو محمد علی شوکت علی جیسے آزادی کے جیالے پروانے بخشے تھے۔ یہ مدت العمر ریاست کی حکومت کے مختلف محکموں میں کام کرتے رہے لیکن خاص خدمت ریاست کے کتب خانے کی نگرانی رہی۔ یہ کتب خانہ اب رضا لائبریری کے نام سے مشہور ہے۔ کتب خانہ میں انھوں نے ۱۸۹۷ء سے کام کرنا شروع کیا جب وہ حکیم اجمل خاں کی ماتحتی میں اس کے منصرم بنے۔ اس کے بعد اجمل خاں دہلی چلے گئے تو یہ تمام و کمال اسکے (لائبریری) نگراں ہو گئے۔ اصغر علی خاں کے سات فرزندوں میں یہ چوتھے تھے، ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں وفات پائی۔ ان کی ترتیب دی ہوئی 'رضا لائبریری (اس وقت کتب خانۂ ریاست رام پور) کے فارسی مخطوطات کی ایک ضخیم فہرست بھی شائع ہو چکی ہے۔ کبھی کبھی معارف میں ان کے تحقیقی مضمون شائع ہوتے تھے۔

تذکرہ کاملانِ رام پور کی پہلی اشاعت کے سرورق کی عبارت اس طور پر تھی:

تذکرہ کاملان رام پور مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق (ساکن ریاست رامپور) باہتمام محمد جعفری پرنٹر و پبلشر ہمدرد پریس واقع کوچہ چیلان دہلی میں طبع ہوا بار اوّل - ۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء قیمت سے ؏

اندر کے پہلے صفحے پر انتساب کی عبارت یہ تھی:

پیش کش، بحضور اعلیٰ حضرت، میجر جنرل ہز ہائی نس عالیجاہ فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامرا، نواب سر سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر مستعد جنگ جی - سی - ایس - آئی - جی - سی - آئی - ای - جی سی - وی - او، اے - ڈی سی ملک معظم، فرماں روائے رام پور دام ملکہم و اقبالہم۔

۵۶ صفحے پر مشتمل اس تذکرے میں ۴۵۸ صفحات میں ۳۱۵ مشاہیر کا تذکرہ ہے اور بقیہ ۱۰۲ صفحوں میں اپنے ملان کا احوال، جس میں ان کے خاندان کے حالات ہیں اور انگریزوں کے دیے ہوئے پروانے اور سندیں وغیرہ وافر راد میں جمع کر دیے ہیں ـــــ اور ردیف قافیہ کو بے جھول رکھنے کے لیے محمد علی شوکت علی ان مشاہیر کی صف نعلین بھی جگہ نہ پا سکے، نہ عمومی مشاہیر میں، نہ خاندان کے ذیل میں! ـــــ

ـــــ اسی طرح باغی معظم علی بھی جو علی بھائیوں کی طرح خاندان شیر رخ سے تعلق رکھتے تھے ایک دیسی یاست کے تعلق عاطفت میں جو کتاب مرتب ہوا اس میں نواب راجاؤں کے پالنہار انگریزوں کے باغی، اور حریت سندوں کی آنکھوں کے تارے علی برادران کا ذکر ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ ان سے قطع نظر اس عہد کے اور بھی متعدد اشخاص رہ گئے، جن کا ذکر مصلحتاً نہ ہو سکا یا جن کے حالات بر وقت نہ مل سکے۔

اس سب کے باوجود اس کتاب کی یہ اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ احمد علی شوق نے جتنا کچھ کر دیا، کسی اور سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔ کمی اور بیشی تو سب جگہ ہوتی ہے اور نشاندہی کے بعد کمی کو بیشی اور بیشی کو کم کیا جا سکتا ہے۔ یکبارہم نے بھی سوچا کہ 'بیشی' یعنی خاندان کے احوال کو کم کر دیا جائے! لیکن پھر خیال آیا کہ یہ مصنّف کے ساتھ جو نے کرنے والی نسلوں کے لئے اتنا کچھ کر دیا بڑی خیانت اور ناانصافی ہوگا ـــــ اور پھر یہ بھی کہ اسی جوں کی توں پیشکش میں جو دستاویزی اہمیت پوشیدہ ہے وہ کہیں کم نہ ہو جائے اس لیے این ہم اندر عاشقی'

کے مصداق متن میں کسی جگہ کوئی کتر بیونت نہیں کی گئی (سوائے سرورق اور انتساب کے جو ضمنی متن دوسرے سطور میں نقل کیا جا چکا)۔ البتہ ضمیموں کے طور پر الگ سے ضروری تصحیحات اور اضافے شامل کر دیے گئے ہیں جو ہمارے نوجوان عزیزوں حسین خاں شفا اور شعاع اللہ خاں نے تیار کیے ہیں۔

تذکرے کے دوسرے حصے میں نظرانداز شدہ مشاہیر اور بعد کے اہم اشخاص کے حالات دیے جائیں گے، یہ زیر ترتیب ہے۔

—— عابد رضا بیدار

معذرت وشکریہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عموماً قارئین کرام اور خصوصاً بزرگان ریاست رام پور کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ مجھے اس کتاب کی تالیف سے کوئی نام آوری مدنظر نہیں ہے۔ بلکہ ابتداے عمر سے یہاں کے اہل کمال کے حالات سن سنکر یہ خیال دامنگیر ہوا کہ یادگار کے لئے جہاں تک ممکن ہو بزرگوں کے حالات بطور یادداشت لکھدوں۔ جس سے ریاست رام پور کے علما اور اہلِ کمال کی قدردانی کا حال لوگوں کو معلوم ہو جاے۔ اور اخلاف کو اپنے اسلاف کے حالات پڑھکر حصول کمال کا شوق دامنگیر ہو۔

چھ سو خط چھاپ کر شہر اور بیرونجات میں تقسیم کیے تاکہ موجودہ اخلاف اپنے اسلاف کا حال بتائیں۔ مگر میری بدقسمتی دیکھیے کہ دس بارہ صاحبوں کے سوا کسی نے بھی مجھے جواب نہ دیا۔ مجبور ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کی۔ اور اہل شہر سے زبانی روایات کو جمع کیا۔ ۱۹۱۲ء میں اس کام کو شروع کیا تھا اور آج یہ ہدیہ حاضر خدمت ہے۔

میرے اس شوق کو شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی مرحوم ومغفور نے بہت ابھارا۔ مگر افسوس کہ وہ آج موجود نہیں ہیں۔

حالات کی تحقیق میں جناب مولانا حکیم عبدالرشید خاں صاحب سلمہٗ طبیب خاص اعلیٰ حضرت حضور پر نور دام ملکہم والی رام پور نے میری بہت مدد فرمائی جسکا شکر گزار ہوں۔

مسودہ کی تصحیح میں جناب مولانا ظفر الملک صاحب علوی مالک الناظر لکھنؤ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے بہت کوشش فرمائی۔ اور یہ اوراق ان کی محنت سے شائع ہوئے ہیں۔

بزرگانِ رام پور سے یہ بھی گزارش ہے کہ اکثر حالات زبانی روایات کے مطابق لکھے ہیں۔ اگر کوئی فروگزاشت نظر آئے تو اصلاح فرماویں اور مجھے معذور سمجھیں۔

اخیر میں مینے اپنے خاندان کے حالات بھی لکھدیے ہیں تاکہ بزرگوں کے ناموں کی برکت سے میرے خاندان کا نام بھی باقی رہجائے۔

احقر

حافظ احمد علی خاں

۱۲- جنوری ۱۹۲۹ء　　اصغر منزل - رام پور اسٹیٹ - یو- پی

فہرست مضامین تذکرہ کاملانِ رامپور

حالات خاندان مؤلف (۴۵۹ تا ۵۶۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید ابدال شاہ

ولد سید دین صاحب رحمۃ اللہ علیہما۔ قوم سید پیر بابا کی اولاد سے تھے ابتدا ئے سکونت بونیر کی تھی۔ جناب نواب سید علی محمد خاں بہادر غفراں مآب نے آپ کے تقدس اور کمالات کے حالات سنکر چند آدمیوں کو بھیجکر طلب فرمایا اور یہاں آکر قصبہ بلاسپور تحصیل ریاست رام پور میں قیام ہوا۔ قصبہ بلاسپور میں محلہ سادات اور محلہ میانصاحب آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ علوم عربی و فارسی میں خوب دستگاہ تھی۔ پشتو مادری زبان تھی۔ آپ اپنے والد کے شاگرد تھے۔ اور اُنسے خلافت بھی پائی۔ نواب صاحب مرحوم نے چند موضع اور زمین دی اور ایک ہزار روپئے ماہانہ تنخواہ مقرر کی تھی۔ نواب محمد امیر خانصاحب بہادر والیٔ ٹونک بھی ایک ہزار روپے سال بھیجا کرتے تھے۔ ولایت سے جو لوگ ہمراہ آئے تھے اُنکو ماہوار رقم تقسیم کرتے تھے۔ بروقت تقسیم غیر ہمراہی آجاتے تو اُن کو بھی شامل وظیفہ خواروں کے روپیہ بانٹتے تھے۔ نہایت مقدس اور مرتاض تھے۔ وفات کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں۔ تخمیناً سو سوا سو برس کا زمانہ ہوا ہے۔ آپ کا مزار تحصیل بلاسپور علاقہ رام پور میں سید انام تراب علی شاہ صاحب کے برابر ہے۔ آپکے چار فرزند تھے۔

سید مبارک شاہ صاحب۔ سید سلطان شاہ صاحب۔ سید احمد شاہ صاحب ۔ اور ضامن شاہ صاحب سب کی اولادیں موجود ہیں۔ اور ابھی تک اُن کے قبضہ میں کچھ قطعہ املاک باقی ہیں۔ اِس وقت کل اولاد میں سب سے زیادہ مسن سید جعفر کرار عرف شہزادہ میاں صاحب ہیں۔

محمد ابراہیم خاں عرف نوشہ خاں

ولد محمد حکیم خاں عرف کلن خاں ولد احمد خاں قوم باچوڑی سلارنی رام پور میں صفر کی بائیسویں تاریخ بارہ سو اٹھانوے ہجری میں پیدا ہوئے ۔ محلہ الٰہی عصمت خاں کے قریب مکان ہے۔ معمولی نوشت و خواند سے فارغ ہو کر ریاست کی پلٹن میں اٹھارہ سال کی عمر میں سپاہیوں میں بھرتی ہوئے۔ پھر کوتوالیس ہو گئے۔ شروع ۱۳۱۶ھ کے قریب آپ نے جناب مولانا ولی النبی صاحب قدس سرہٗ سے بیعت کی۔ آپ کی محنت اور مجاہدہ کو دیکھکر مولانا نے اپنے خلیفہ جناب منشی محمد رشد علی خاں قدس سرہٗ کے سپرد کر دیا۔ پلٹن کی نوکری کر کے اول وقت فجر کی نماز میں آکر جناب منشی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور شب و روز خدمت سرکار سے فارغ ہو کر اوراد و اشغال میں مصروف رہتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام مقامات مجددیہ نقشبندیہ بالتفصیل طے کئے ۱۳۲۵ھ میں آپ کو خلافت عطا کی اور حکم دیا کہ اپنا حلقۂ مراقبہ قائم کرو اور لوگوں کو اللہ کا رستہ بتاؤ۔ جب جناب منشی صاحب حج کو تشریف لے گئے تو اپنے کل خدام کو آپ کے سپرد کر گئے۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ کے بعد ترک ملازمت کر دی۔ خانہ نشین ہیں۔ بازار کا سودا خود لاتے ہیں اپنی معاش کے لئے تھوڑی سی کبھی تجارت کر لیتے ہیں۔ بالکل حضرات نقشبندیہ کے قدم بقدم دل بیار و دست بکار ہیں۔ آپ کی خدمت میں خدا کے فضل سے اس وقت چالیس پچاس آدمی اللہ کے طالب جمع ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

آپ نے چند لوگوں کو اجازت و خلافت دیدی ہے۔ اور وہ لوگ اچھی طرح خدمات دین میں مصروف ہیں۔

شاہ ابوسعید

حضرت شاہ ابوسعید بن صفی القدر بن عزیز القدر بن عیسیٰ بن سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی سرہندی رضی اللہ عنہم ذیقعدہ کی دوسری تاریخ سنہ گیارہ سو چھیانوے (۱۱۹۶ھ) میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ گیارہ برس کی عمر تک قرآن شریف حفظ کر لیا۔ بچپن میں کسی نے اِن کو بچوں کے ساتھ کھیلتے نہیں دیکھا۔ فن تجوید قاری نسیم علیہ الرحمہ سے حاصل کیا۔ حفظ قرآن کے بعد علوم عقلی و نقلی مفتی شرف الدین رام پوری و مولانا رفیع الدین دہلوی سے پڑھے۔ شاہ عبد العزیز دہلوی سے سند حدیث حاصل کی تحصیل علوم کے زمانہ ہی میں علم باطنی کے حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ اپنے والد ماجد سے طریقہ نقشبندیہ میں گیارہ برس کی عمر میں بیعت کی۔ انیس سال کی عمر میں علوم منقول و معقول سے فارغ ہوگئے۔ دستار فضیلت بندھ گئی۔ اسی زمانہ میں آپ کا گذر لکھنؤ میں ہوا۔ شاہ کفایت اللہ نامی ایک مجذوب نے آپ کو دیکھکر کہا کہ صاحبزادے جلد تحصیل علوم سے فراغت حاصل کیجیے اللہ تعالیٰ کو اور کام تم سے لینا ہیں۔ لکھنؤ سے جب رام پور واپس آئے تو اُن کے والد نے فرمایا تمھاری ہمت بہت بلند ہے۔ اپنے خاندان کے درویشوں سے تکمیل باطن کی کرو۔ آپ حضرت شاہ درگاہی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خاندان قادریہ میں بیعت کی۔ اور

---

۵۱ انوار العارفین فارسی مولوی محمد حسین کمتا۔

۵۲ مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ فارسی۔

۵۳ تذکرہ علماے ہند فارسی مولوی رحمٰن علی۔ ۵۴ جواہر علویہ۔

بارہ سال تک نہایت محنت شاقہ سے حاضر خدمت رہے۔ اور خلافت پائی۔ ہزاروں آدمی مرید ہو گئے۔ نسبت باطنی کی یہ قوت تھی کہ جس پر نظر توجہ ڈالتے تھے بیتاب ہو جاتا تھا۔ باایں ہمہ فرماتے تھے کہ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ سلوک مجددیہ ہنوز طے نہیں ہوا ہے۔ لہذا رام پور سے دہلی کو ۱۲۲۵ھ میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں گئے۔ شاہ صاحب نے اپنی برابر مسند پر بٹھایا اور کہا میں تو آپ کے خاندان کا ادنیٰ منتسب ہوں۔ اور نہایت نوازش فرمائی۔ چند ماہ کے بعد خلافت دیدی۔ جب کبھی آپ سفر سے واپس آتے تو شاہ صاحب استقبال کے واسطے جاتے تھے۔ ایک بار بیمار تھے تو چارپائی اٹھوا کر حکیم قدرت اللہ کی مسجد تک جو خانقاہ کے قریب ہی ہے تشریف لائے۔ باوجود اس کے اپنے پہلے پیر شاہ درگاہی صاحب سے بھی نہایت درجہ عقیدت تھی۔ ایک روز کسی نے شاہ درگاہی صاحب کی غیبت کی۔ آپ نے غصہ سے اس کے تھپڑ مارا۔ فرماتے تھے اگر شاہ غلام علی صاحب نہ ہوتے تو مجھے رجعت ہو جاتی۔ شاہ درگاہی صاحب کے زور کو انھوں نے سنبھالا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ دوبارہ میں رام پور میں حاضر ہوا تو شاہ درگاہی صاحب کو کدورت مجھ سے نہ تھی۔ پندرہ سال تک شاہ صاحب کی خدمت میں رہے۔ شاہ صاحب جب بیمار ہوئے تو آپ کو لکھنؤ سے بلا کر فرمایا کہ اب منصب خدمت تمھارے سپرد ہے۔ اس سے پہلی علالت میں میں نے خواب میں اپنی جگہ تم کو بیٹھے دیکھا تھا۔ سنہ بارہ سو انتالیس (۱۲۳۹ھ) میں حرمین شریفین کا قصد فرمایا۔ دہلی سے رخصت ہوتے وقت اپنی جگہ اپنے فرزند شاہ احمد سعید صاحب کو خانقاہ میں جانشین بنایا۔ بمبئی پہونچکر ایک جہاز کا ٹکٹ لیا۔ مگر پھر اُس کو بدل کر دوسرے جہاز میں سفر کیا۔ یہ جہاز وقت پر پہونچا۔ پہلے جہاز کے مسافروں کا حج فوت ہو گیا۔ دوسری یا تیسری ذی الحجہ کو

مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ اہل حرمین نے نہایت تعظیم وتکریم کی۔ شیخ عبداللہ سراج۔ شیخ عمر مفتی شافعیہ۔ سید عبداللہ میر غنی مفتی حنفی۔ اور سید یٰسین ان کے چچا اور دوسرے بزرگ ملنے کو آئے۔ تقریباً تین مہینے مکہ کے قیام کے بعد مدینہ شریفہ میں حاضر ہوئے۔ ابتدائے محرم سے مرض شروع ہوگیا تھا۔ بعد فراغ حج وزیارت واپس ہندوستان کو تشریف لائے۔ بائیسویں رمضان کو ریاست ٹونک میں داخل ہوئے ٹونک میں مرض کی شدت ہوئی۔ عیدالفطر کے دن سکرات موت شروع ہوئی۔ شاہ عبدالغنی صاحبزادہ ہمراہ تھے ان کو وصیت کی کہ اتباع سنت کرنا۔ اور اہل دنیا سے پرہیز کرنا۔ اگر دنیا داروں کے پاس جاؤ گے تو ذلیل ہوگے ورنہ دنیا دار کتوں کی طرح تمھارے دروازہ پر لوٹیں گے۔ اور جو کچھ کہ اوراد اور اشغال مجھے پہونچیں ہیں انکی اجازت تمہیں بلکہ عبدالمغنی کو بھی دیتا ہوں۔ حافظ سے کہا کہ سورہ یٰسین پڑھو۔ تین بار یٰسین سُنکر فرمایا بس اب نہ پڑھو۔ بہت تھوڑی دیر باقی ہے۔ عیدالفطر کو شنبہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان میں انگشت شہادت کو حرکت دیتے ہوئے سنہ بارہ سو پینتالیس ہجری میں (۱۲۴۵ھ) انتقال فرمایا۔ ستون محکم دین نبی فتاد زپا۔ تاریخ رحلت ہے۔ صاحب انوار العارفین نے ۱۲۴۵ھ ہجری اور صاحب تاریخ علمائے ہند نے ۱۲۴۹ھ ہجری میں رحلت لکھی ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ نعش تابوت میں رکھکر دہلی لائے۔ چالیس روز کے بعد نعش کو تابوت سے نکال کر حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے پہلو میں خانقاہ میں دفن کیا۔ چالیس دن کے بعد بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی غسل وکفن دیا ہے۔ اور روئی میں خوشبو آتی تھی جس کو بطور تبرک لوگ لے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حکیم ابو علیخاں

ولد حکیم غلام علی خاں امروہوی۔ یہ خاندان ہمیشہ سے طبابت میں مشہور ہے پہلے ان کے بزرگ دہلی میں رہتے تھے۔ نواب اعظم الدین خاں۔ حکیم فیروز علی خاں۔ حکیم قیام الدین خاں۔ تلمیذ حکیم علوی خاں سب اسی خاندان سے تھے۔ حکیم غلام علی خاں نے دہلی سے امروہہ میں سکونت اختیار کی۔ حکیم ابو علی خاں بعہد جناب نواب سید فیض اللہ خاں بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) رام پور میں ملازم تھے۔

ملا احد اخون

ولد ملا منصور ولد ملا مثنوی ولد ملا تاج بیگ اصل زوگز ہی کے رہنے والے تھے۔ یہ صاحب ولایتی تھے۔ بڑے عالم بہت زاہد اور نہایت برگزیدہ تھے۔ بعہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) کابل سے آئے۔ متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ موتی مسجد کے متصل جو کنواں خانساماں والا کہلاتا ہے یہ انہیں کا بنوایا ہوا ہے۔ کنواں کھودنے کے بعد لوگوں نے کہا کہ پانی کھاری نکلا۔ آپ نے فرمایا فقیر کا دل مشتبہ نہیں ہے کھاری نہیں ہوگا۔ اس کا پانی منگا کر کلی کی اور کلی کا پانی کنویں میں ڈلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پانی پھر شیریں تھا۔ اس پانی کی عمدگی سارے شہر میں مشہور تھی۔ جب سے کہ صدر احاطہ میں کنواں خاص اہتمام سے تیار ہوا اس کنویں کی قدر کم ہوگئی ہے۔ ملا صاحب کے انتقال کے بعد کنویں کی من خراب ہوگئی۔ فتو خانساماں جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر اسی محلہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے مرمت کرادی اس لئے خانساماں والا کنواں مشہور ہوگیا۔ آپ کا نکاح

لہ فصول فیض اللہ خانی۔ خمخانۂ جاوید۔

سیدذوالفقار علی شاہجہاں پوری کی پھوپی سے ہوا۔ سیدانی کے بطن سے
غوث محمد خاں اور پٹھانی سے غلام محمد خاں دو فرزند ہوے۔ غوث محمد خاں کی
اولاد میں محمد احسان خاں زندہ ہیں اور غلام محمد خاں کی اولاد میں احمد خاں
اور رستم خاں تھے نہ انتقال کی تاریخ کا پتا نہیں چلا۔ آپ کا مزار محلہ تھانہ
مجیانی میں غادی خاں شہید والی مسجد کے پاس ایک احاطہ میں ہے آپ کے
خلیفہ شاہ عبدالحق بزرگ کامل تھے اُن کا مزار بھی ملا احد اخون کے مزار کے متصل ہے
اخون مرحوم کی اولاد میں احسان خاں وغیرہ اسی محلہ میں رہتے ہیں۔

مولوی احسان حسین

ولد اکبر حضرت مولانا ارشاد حسین مغفور قوم فاروقی مجددی رام پور میں کھاری
کنویں محلہ میں ۲۰- ذی الحجہ بارہ سو ترانوے (۱۲۹۳ھ) میں پیدا ہوے
عربی و فارسی کتابیں اپنے والد و مولانا شاہ سلامت اللہ اعظم گڈھی۔
مولانا عبدالغفار خاں رامپوری اور مولانا ظہور الحسین رامپوری سے پڑھیں
اپنے والد کے انتقال کے بعد بھی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔ نہایت متین
مہذب اور دوست نواز طبیعت ہے۔ اتفاق سے دورہ جذب کا پیدا ہوا۔ تمام اشغال
دینی ترک ہو گئے۔ کئی سال تک یہ حالت رہی۔ پھر طبیعت رو باصلاح ہو گی۔
پھر دورہ جذب کا ہوا۔ کبھی طبیعت درست ہو جاتی ہے۔ کبھی مجذوبانہ حالت
رہتی ہے۔ دربار رام پور ان کے خاندان کا متکفل ہے۔ سجاد حسین اور
جواد حسین دو صاحبزادے زیر تربیت ہیں۔

ملا احمد

ولد حکیم ایزید۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں ان کے والد کی طبابت
اور جراحی کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں کہ اب (۱۲۳۷ھ) میں ملا احمد اپنے

باپ کے جانشین ہیں۔ سال رحلت معلوم نہیں ہوا۔

اخوندزادہ احمد خاں تخلص غفلت

ولد برہان الدین خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ مولوی قدرت اللہ شوق سے کتابیں پڑھیں۔ طبیعت نہایت رسا پائی تھی۔ مضمون آفرینی میں کمال تھا۔ کچھ دن لکھنؤ میں رہے۔ اور وہاں کے مشاعروں میں شریک ہوئے۔ سیکڑوں شاگرد تھے۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی نے آپ کی سخنوری اور سخن شناسی کی تعریف اپنے تذکرہ میں لکھی ہے۔ چونسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ یکم ذیحجہ بارہ سو انسٹھ ہجری میں (۱۲۵۹ھ) رحلت فرمائی۔ ایک دیوان یادگار رہے۔ یہ دیوان میں نے اپنی کم عمری میں جناب اخوی محمد عظمت علی خاں صاحب مرحوم کے پاس دیکھا تھا۔ اب ان کی کتابوں میں نہیں ملا۔

حکیم احمد خاں تخلص فاخر

ولد محمد ناصر خاں۔ افغان رام پور میں ۱۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کتابیں مختلف علما مولوی رستم علی رام پوری مولوی مبین لکھنوی وغیرہم سے پڑھیں۔ حکیم سید اکبر علی نجیب آبادی سے طب کی تکمیل کی۔ حکیم محمد اعظم خاں بھی اُن کے شاگرد تھے۔ اور بہت سے علما اُن کے شاگرد تھے۔ علاج بہت اچھا تھا۔ پڑھاتے بھی خوب تھے۔ کتب طبیہ گویا حفظ تھیں۔ آپ کی شادی شیخ کبیہ کی پوتی سے ہوئی تھی۔ ریاست میں قدیمی تعلق ہے۔ نواب سید احمد علی خاں بہادر کے معالج تھے۔ عربی نظم و نثر پر بھی پوری قدرت تھی۔ طب سعیدی میں نظم عربی موجود ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی ملکہ تھا۔ جناب نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ کے غسل کی تاریخ لکھی ہے۔ نواب بہادر یافتہ صحت۔

سلہ انتخاب یادگار۔

تاریخ تیاری خاص بازار خاص بازار دلکشا آمد۔ تاریخ تیاری علم مظفر لوا۔ تاریخ بائیں باغ۔ نور باغ۔ تاریخ حوض۔ فاغسلوا وجوھکم۔ تاریخ خلعت۔ ولیعہدی جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر۔ خلعت سلطانی۔ نظم اُردو میں مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ طب سعیدی فارسی۔ رسالۂ چوب چینی۔ رسالہ ماءالجبن۔ رسالہ خواص ادویہ فارسی۔ اور نو طرز حکمت اُردو کتابیں یادگار ہیں۔ فارسی کلام بھی اُن کے خاندان میں موجود ہے طب سعیدی فارسی قلمی مفردات ادویہ کے بیان میں دو ہزار سات سو اسی صفحہ کی کتاب ہے سنہ ۱۲۶۰ھ میں ختم کی۔ خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ میری عمر چوہتر برس کی ہوگئی ہے۔ اس وقت یہ کتاب لکھی ہے۔ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے جنگ و کشکول۔ فارسی۔ ۱۳۸۰ صفحہ کی قلمی کتاب کتب خانہ ریاست میں موجود ہے بچوں کے لیئے مختلف پند و نصائح۔ تواریخ وفات اور اُردو فارسی کی ضرب الامثال جمع کی ہیں۔ جناب نواب سید محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ کے نام پر دیباچہ لکھا ہے۔ نوے برس کی عمر میں صفر کی چودھویں تاریخ سنہ بارہ سو لوے ہجری میں انتقال ہوا محلہ چنداں خاں کے گھیر میں ملا عثمان کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

آخوندزادہ احمد خاں

یہ حافظ شاہ جمال اللہ کے مرید اور گویا کہ شیدائیوں میں سے تھے کتاب تحفۃ الجمال[1] نامی حافظ صاحب کے نام پر لکھی ہے۔ اس کتاب کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ نہ اور کوئی حالت معلوم ہوئی۔

آخون زادہ احمد خان

نہایت نیک بخت حضرت شاہ عبدالکریم صاحب عرف ملا فقیر آخوند کے مرید تھے۔

---

[1] مجمع الکرامات فارسی امام الدین خاں، سنہ ۱۲۵۰ھ نصول فیض اللہ خاں، ورق ۲۳۷)۔

کھانا کھانے کے بعد اگر کوئی شخص کہدیتا کہ کھانا چہلم یا مردہ کی چھ ماہی کا تھا تو آپ کو فوراً قے ہو جاتی۔ نظام خاں گردوں کی عادت تھی کہ کبھی کبھی کھانا لا کر کھلاتے اور دو گھڑی کے بعد کہدیتے کہ یہ چہلم کا کھانا تھا پس فوراً قے کر دیتے تھے مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

مولوی احمد خاں

ابن مولوی حاجی محمد عبداللہ خاں ابن مولوی حاجی محمد سعید خاں تیراہی سے علوم عربی بریلی اور رام پور میں پڑھے۔ فقہ میں نہایت درجہ شہرت تھی۔ متفرقات احمد ایک فتاوی عربی میں دو جلدوں میں لکھا۔ متن تہذیب کی ایک بسیط شرح لکھی تھی۔ اس کے علاوہ فارسی میں رسالۂ فرائض و قانون طب مفردات۔ کلیات۔ ومعالجات بھی لکھا تھا۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے لاغران تھے۔ نکاح نہیں کیا اور رام پور میں وفات پائی۔ قبر محلہ تھوٹر میں مسکن کے قریب ہے۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں بہادر کے ہم عصر ہیں۔ ان کی مصنفہ کتابوں میں سے کوئی نسخہ نہیں ملا۔

ملا احمد خاں

ملا احمد[۱] ولایتی کے نام سے مشہور تھے۔ مولوی برکت الہ آبادی کے شاگرد تھے۔ علوم درسیہ میں خصوصاً فلسفہ کے بہت بڑے ماہر تھے علمائے رام پور کی شاگردی کا سلسلہ اُن تک اکثر پہونچتا ہے۔ اُن[۲] کی لڑکی مفتی شرف الدین کو منسوب تھی۔ ان کے شاگردوں میں بہت سے اہل علم تھے منجملہ ان کے مولوی رستم علی اور مولوی ہدایت علی اکابرین میں سے ہیں۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ قدیم باشندے دریائے ماوی کے پار کے تھے۔ احمد شاہ کے

---

[۱] تذکرۂ علمائے ہند۔ [۲] ابجد العلوم عربی

حملہ کے بعد لاہور میں آ رہے۔ مولوی عالم اور مولوی برکت سے کتب درسیہ پڑھیں غوث گڈھ (واقعہ مظفر نگر) اور رام پور میں ممتاز اور با اعزاز رہے امرا کی محفلوں میں سب سے اونچی جگہ بیٹھتے تھے۔ اور جو چاہتے کہتے تھے اور سب ان کی باتیں سنتے تھے ان کا انتقال غالباً بارھویں صدی ہجری کے اخیر میں ہوا۔ غوث گڈھ کو نواب نجیب الدولہ نے آباد کیا تھا۔

منشی احمد حسن خاں تخلص عروج

ولد[۱] منشی محمد حسن خاں۔ قصبہ آسیون ضلع لکھنؤ کے شیوخ سے تھے۔ فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ دہلی اور لکھنؤ میں بہت رہے۔ اکتساب علوم و فنون میں خوب محنت کی۔ اخیر میں کانپور میں بود و باش اختیار کی ۱۲۸۰ھ میں جناب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کی قدردانی رام پور کھینچ لائی۔ سو روپے کی تنخواہ ہوئی۔ عربی میں پوری دستگاہ تھی۔ فارسی میں گویا اُستاد کامل تھے۔ خوش نویسی نستعلیق میں ید طولیٰ تھا۔ شیخ امام بخش ناسخ اور میر علی اوسط رشک سے اُردو کلام میں استفادہ کیا تھا۔ نہایت مہذب اور باوضع آدمی تھے۔ رام پور سے علیل ہو کر کانپور گئے اور تیرہ سو بارہ ہجری میں انتقال ہوا۔

ضیاء الملک روشن الدولہ مسٹر کولبرک منصور جنگ بہادر نے ۱۰۔ دسمبر ۱۸۱۹ء کے پروانہ میں آپ کی دیانت۔ امانت۔ ہوشیاری اور انجام خدمات کی بہت تعریف کی ہے آپ ایک زمانہ تک دہلی کی ریذیڈنسی میں ملازم تھے۔ فرخ آباد میں بھی صاحب ایجنٹ گورنر جنرل بہادر مختار الملک سرکار دولت مدار کمپنی انگریز کے پاس ملازم رہے۔ رام پور میں ۱۰۔ جنوری ۱۸۶۳ء کو رجسٹری خدمت میں آپ کے سپرد ہوئی تھی۔ پھر مصاحبین میں تعلق رہا۔

---

[۱] انتخاب یادگار۔

میر احمد حسن الحسینی

ولد میر سید علی۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ خاندان سادات نیشاپور سے ہیں۔ ہندوستان میں پنگوڑ، سلطان پور وغیرہ ان کے بزرگون کے مسکن رہے سلاطین تیموریہ نے بوجہ حسن عقیدت جو بارہ موضع سادات نیشاپور کو دیئے تھے ان میں سے یہ تینون مذکورہ مواضعات ہیں۔ نواب شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کے عہد تک یہ خاندان اراکین سلطنت میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے واقعہ سے لکھنؤ کے شرفا کی بربادی کی۔ اس ہنگامہ میں ان کا بھی تمام سرمایہ تلف ہوگیا۔ بعد غدر نواب فردوس مکان نے میر سید علی کو لکھنؤ سے طلب فرمایا اور صاجزادہ حیدر علی خاں بہادر کی اتالیقی پر مشاہرہ سو روپے مقرر کیا۔ میر احمد حسن بعد نواب خلد آشیان لکھنؤ سے یہاں آئے تعلیم جاری تھی۔ رام پور میں فارسی اور عربی کی تحصیل کو انتہا تک پہنچایا خوش خطی کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ میر عوض علی سے اور اُن کے شاگرد مولوی الٰہی بخش سے فن حاصل کیا۔ بائیس سال کے سن میں نستعلیق عجمی کا شوق ہوا۔ خود ایسی مشق بہم پہونچائی کہ میر عماد کے کتبون میں خط ملا دیا۔ لارڈ منٹو والسرائے ہند نے کتب خانہ رام پور میں آپ کی جلی تحریر دیکھکر کہا کہ یہ قلم کی تحریر نہیں ہے میر صاحب نے کھڑے کھڑے اُس سے زیادہ جلی تحریر لکھکر دکھادی۔ فارسی۔ اُردو دونوں میں کبھی کبھی نظم لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ شہرت سے نفرت اور عزلت گزینی شیوہ ہے بہت سے شاگردوں کو خط میں اُستاد بنا دیا۔ نہایت منکسر المزاج اور بے حد مہذب ہیں۔ اب عمر تقریباً ستر سال کی ہے۔ دو صاجزادے حیدرآباد میں معزز عہدوں پر ہیں۔

حکیم احمد رضا خاں لکھنوی

خلف اکبر حاجی حکیم حسن رضا خاں لکھنوی ۱۸۵۱ء میں لکھنؤ کے جھوائی ٹولہ میں

پیدا ہوئے۔ علوم عربیہ مفتی محمد سعد اللہ۔ مولانا محمد نعیم فرنگی محلی مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں رام پوری شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہم اور مولوی محمد ظہور حسین صاحب رام پوری اور مفتی عبدالقادر صاحب رام پوری سے پڑھے کتب طبیہ اپنے والد سے پڑھیں اور مطب اپنے ماموں حکیم ابراہیم خاں مرحوم کے ہاں کیا۔ اپنے والد کی حیات میں مستقل مطب اپنا شروع کر دیا تھا نہایت خلیق اور پابند شرع تھے۔ ہفتہ میں دو روزے ہمیشہ رکھتے تھے۔ رام پور میں ایسی شہرت کسی طبیب کو نہیں ہوئی۔ تقریباً کل رام پور کی آپ کی طرف رجوع تھی۔ مطب میں ہر وقت سیکڑوں مریض جمع رہتے تھے۔ پانچ چھ نسخہ نویس نسخے لکھتے تھے رات کے دس بجے تک مریضوں سے مہلت نہیں ملتی تھی۔ شہر کے امیر و غریب سب کو ان کی دست شفا کا اعتقاد کلی تھا کبھی کبھی عمل جراحی بھی کرتے تھے۔ رام پور کے کل یونانی شفاخانوں کے افسر تھے۔ بہت سی مسجدوں کی مرمت کرائی۔ بہت سے غربا کے مکانوں میں کنوئیں کھدوائے۔ مسجد کے معاملہ میں ہمیشہ سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا اور دنیوی نقصان کی پروانہ کی۔ مسجد چرخ والی۔ مسجد متصل مسٹن گنج میں بہت روپیہ صرف کیا۔ مفتی محمد لطف اللہ مرحوم نے مدرسۂ انوار العلوم کی بنیاد ڈالی۔ اس میں بھی آپ نے بہت سی مدد کی۔ ایک پریس مطبع احمدی کے نام سے اپنے ہاں جاری کیا جس میں اخبار سرور قیصری اور مذاق کا پتلا شائع ہوتا تھا دس بارہ ہزار کے نقصان کے بعد بند کر دیا۔ بہت سی مرکب دوائیں تیار کیں۔ بہت سے شاگردوں کو سند طبابت دی۔ ان کے اکثر شاگرد مختلف شہروں میں مستقل مطب کرتے ہیں۔ انتقال سے چار سال پہلے ریاست سے ترک تعلق کر دیا تھا۔ مگر قیام رام پور ہی میں رہا۔ سرطان نکلا جس کی وجہ سے بہت نازک حالت تھی اسی حالت میں لکھنؤ گئے وہاں پہونچنے کے

دوسرے دن ۱۳۱۶ھ میں انتقال فرمایا اور جھوائی ٹولہ میں دفن ہوئے آپ کے بڑے فرزند حکیم حافظ محمود رضا خاں جوان صالح اپنے والد کی جگہ اپنے گھر پر رام پور میں مطب کرتے ہیں۔ آپ کے فرزند محمود رضا خاں کا بیان ہے کہ آپ کی تصانیف میں سے ذیل کی کتابیں ہیں۔

رسالہ صدقہ وارث فی علاج الطاعون۔ قرابادین احمدی۔ مفردات احمدی۔ مطب احمدی۔ یادگار احمدی۔ رہبر مرابضان۔ رسالہ نبض۔ رسالہ قارورہ۔ شرح رسالہ اسحٰق بن حنین مگر کوئی کتاب طبع نہیں ہوئی۔

شاہ احمد سعید مجددی

ولادت رام پور میں غرۂ ربیع الاول ۱۲۱۷ھ میں ہوئی تاریخ ولادت مظہر یزدان[۱] ہے۔ ان کے نانا حضرت شاہ محمد صدیقی نے جو نہایت عالم اور بزرگ صاحب باطن تھے آپ کا مشرب باطنی از روے طریقۂ درویشی جانکر غلام غوث نام رکھا تھا۔ بچپن میں بحالت حفظ قرآن شریف شاہ درگاہی صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے شاہ صاحب بہت عنایت فرماتے تھے۔ اور اپنے قریب بٹھا کر قرآن سنا کرتے تھے جس وقت آپ کے والد دہلی کو گئے آپ کی عمر کے دس سال ختم نہیں ہوئے تھے۔ دہلی پہونچکر حضرت شاہ غلام علی صاحب سے بیعت کی۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بہت لوگوں سے میں نے لڑکے مانگے کسی نے نہیں دیا البتہ ابو سعید نے اپنا لڑکا مجھے دیدیا ہے۔ میں نے اُسے اپنا بیٹا کیا ہے شاہ صاحب کا حکم تھا کہ علمائے دہلی سے علم ظاہری بھی پڑھو اور ہمارے حلقۂ مراقبہ میں بھی آکر شریک ہوا کرو۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کثرت مریدین کی وجہ سے جگہ نہ ہوتی شاہ صاحب ان کو اپنے برابر مسند کے اوپر بٹھا لیا کرتے

---

[۱] مناقب احمدیہ ومناقب سعیدیہ۔

اکثر تصوف کی کتابیں جیسے کہ رسالۂ قیشری۔ عوارف المعارف۔ احیاء العلوم نفحات۔ رشحات۔ مکتوبات امام ربانی۔ مثنوی مولانا روم وغیرہ وغیرہ شاہ صاحب سے پڑھیں۔ اور بعض کی سماعت کی۔ ترمذی اور مشکوۃ المصابیح بھی شاہ صاحب سے پڑھیں۔ باقی کتب معقول و منقول علمائے دہلی سے مثل مولوی فضل امام مولوی رشید الدین خاں مولانا شاہ عبد العزیز مولوی رفیع الدین شاہ عبد القادر وغیرہ سے پڑھیں۔ رام پور میں مفتی شرف الدین اور اپنے والد کے خالو مولوی سراج احمد بن حضرت محمد مرشد بن محمد ارشد بن حضرت فرخ شاہ بن حضرت محمد سعید بن حضرت مجدد سے کتابیں پڑھیں۔ لکھنؤ میں مولوی محمد اشرف و مولوی نور صاحب سے بھی پڑھا۔ اور بیس برس کی عمر میں دستار فضیلت بندھ گئی۔ حضرت شاہ عبد العزیز کی سند مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ میں موجود ہے۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب کی آپ کے حال پر نہایت توجہ تھی۔ شاہ صاحب نے خلافت عطا فرمائی۔ اور اپنے والد کی زندگی میں صاحب ارشاد ہو گئے جس زمانہ میں شاہ غلام علی صاحب کو مرض موت لاحق ہوا اور شاہ ابو سعید صاحب کو لکھنؤ سے طلب فرمایا تو خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ لکھنؤ میں شاہ احمد سعید صاحب کو چھوڑ آئے صاف ظاہر ہے کہ اُس سے مدعا اجرائے ارشاد طریقہ تھا۔ ایک روز شاہ ابو سعید اور شاہ احمد سعید دونوں باپ بیٹے شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔ حاضرین سے ارشاد ہوا بتاؤ دونوں میں کون بہتر ہے۔ سب خاموش رہے پھر خود فرمایا بیٹا باپ سے افضل ہے۔ شاہ غلام علی صاحب کے انتقال سے نو سال اور تین مہینے کے بعد شاہ ابو سعید صاحب ۱۲۴۹ھ میں عازم کعبۃ اللہ ہوئے اور شاہ احمد سعید صاحب کو قائم مقام خانقاہ میں کر گئے۔ مریدین کا ہجوم ہو گیا۔ اور لوگوں کو بہت فائدہ پہونچا۔ مریدوں کے حال پر نہایت شفقت تھی جو مُرید عاشق صادق تھے ان کو دنیوی عطیات سے کچھ نہیں دیتے تھے

البتہ ضعیف طالبوں کی امداد فرماتے تھے۔ تاکہ شوق حق غالب ہو جائے ساٹھ آدمی دونوں وقت آپ کے باورچی خانہ سے کھانا کھاتے تھے۔ نماز صبح۔ نماز ظہر اور نماز مغرب کے بعد تین وقت حلقہ مراقبہ ہوتا تھا دیگر اوقات میں علوم حدیث وتفسیر و فقہ وغیرہ کا درس بھی ہوتا تھا۔ رات کو پچھلی شب میں تہجد کو نہایت اہتمام سے وضو کرکے ادا کرتے تھے اور نماز صبح قرأت طویل کے ساتھ ادا فرماتے تھے اس کے بعد حلقہ ہوتا اور پھر اپنے اوراد وظائف پڑھتے تھے۔ جب آفتاب خوب اونچا ہو جاتا تو نماز اشراق پڑھکر جلسۂ عام میں بیٹھ جاتے۔ حاجتمند آتے اور مقاصد اور مدعا بیان کرتے۔ اس کے بعد درس علوم دینی کا شروع فرماتے کتابوں کے حواشی اور شروح بھی دیکھتے تھے۔ معقول میں قطبی میر تک کتابیں پڑھاتے تھے۔ اگر کسی کو زیادہ پڑھنے کا شوق ہوتا تو علمائے معقول کے پاس بھیج دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ معقول کے درس پر گو قادر ہوں مگر اُس کی تعلیم پسند نہیں ہے۔ علوم تفسیر وحدیث وفقہ واصول میں نہایت فصاحت اور متانت سے تقریر فرماتے تھے۔ اِسی طرح کتب تصوّف کے حقائق اور معارف بھی خوب حل فرماتے تھے۔ فتوی بھی لکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ فتویٰ نویسی میرا کام نہیں ہے۔ مگر مجبوری ہے کہ عوام نے جاہلوں کو عالم بنالیا ہے شاہ ظفر دہلوی کی کوئی حکومت نہ تھی تاہم وہ مدت سے متمنی ملازمت تھے۔ لیکن آپ ملنے سے انکار کرتے تھے۔ اخیر میں چند بار تشریف لے گئے اور پند ونصیحت نہایت سختی سے کی۔ اور فرمایا میں اسی غرض سے گیا تھا۔ چھبیس سال کامل خانقاہ دہلی میں اسی طرح زندگی بسر فرمائی۔ ستاون برس کی عمر میں سولھویں رمضان بارہ سو تہتر (۱۲۷۳ھ) میں دہلی میں غدر ہو گیا۔ چار مہینے تک یہ ہنگامہ رہا۔ آخر محرم بارہ سو چوہتر (۱۲۷۴ھ) میں انگریز دہلی میں داخل ہوئے۔ شہری مع اہل وعیال بلا سامان کے بھاگ نکلے۔ آپ نے بھی اپنے اہل وعیال شہر سے باہر بھیجدیئے

بلا سامان کے بھاگ نکلے۔ آپ نے بھی اپنے اہل وعیال شہر سے باہر بھیجدئے اور خود خانقاہ میں مقیم رہے۔ لوگوں نے چلنے کو کہا تو فرمایا جب تک مشائخ کرام اجازت نہ دیں کیونکر جاؤں۔ ایک دن تہجد کے وقت فرمایا کہ یہاں سے نکلنے کی اجازت ہوگئی ہے۔ خانقاہ کا تمام انتظام حاجی دوست محمد قندھاری کے سپرد کیا اور فرمایا خود رہیں یا اپنی طرف سے کسی کو رکھیں۔ حاجی صاحب نے خانقاہ حاجی رحیم بخش کے سپرد کردی تھی۔ نماز صبح کے وقت ایک خادم سے فرمایا کہ کوئی سواری لے آؤ وہ واپس آیا اور کہا سواری کا پتا نہیں ہے سب زن ومرد امیر غریب یوں ہی پاپیادہ جارہے ہیں۔ فرمایا میں تو پیدل جانہیں سکتا۔ پھر حلقہ مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ دو گھوڑے تھوڑی دیر میں مل گئے۔ آپ وہاں سے سوار ہوکر منصور کے مقبرہ میں آئے۔ دوپہر کا کھانا کھاکر قطب صاحب کو چلے اسلئے کہ اہل وعیال وہاں تھے۔ مگر راہ میں بدمعاش جمع ہوگئے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے مگر آپ بخیریت پہونچ گئے وہاں انگریزی فوج کا رسالدار نورنگ خاں نامی کہ جو بالواسطہ آپ سے انتساب طریقت رکھتا تھا مع چند سواروں کے بغرض حفاظت حاضر ہوا اور منصور کے مقبرہ تک پہونچا دیا۔ یہاں آپ کی بیوی صاحبہ کا عارضہ وبا سے انتقال ہوا۔ اور نہایت عمدہ طرح سے حضرت سید نور محمد بدایونی کے مزار کے پہلو میں قریب حضرت محبوب الٰہی کے دفن کیا۔ اب آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا نورنگ خاں رسالدار کے ذریعہ سے پروانہ راہداری کا مل گیا۔ سوسوا سو آدمیوں کی جمعیت سے براہ پنجاب ماہ صفر میں روانہ ہوے جس شہر میں گذر ہوتا تھا لوگ جوق جوق آکر قدمبوس ہوتے تھے۔ اُس ہنگامہ رستخیز غدر میں آپ کے قافلہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں حاجی دوست محمد خاں آپ کے خلیفہ آئے اور اپنی خانقاہ مقام موسیٰ زئی میں

---

[۱] ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین از مولانا حضرت شاہ معصوم مجددی۔

ے گئے۔ غرضکہ کراچی سے بسواری کشتی بمبئی اور بمبئی سے بسواری جہاز جدہ کو روانہ ہوئے۔ دریا میں رمضان ہوا۔ مگر آپ نے ایک قرآن تراویح میں پڑھا اور اوقات میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ اخیر شوال میں جدہ میں پہونچے۔ آپ کے بہت سے مخلص جدہ میں بطور استقبال آئے تھے۔ مکہ معظمہ پہونچکر حج ادا کیا۔ یہاں بھی کثرت سے لوگ داخل طریقہ ہوئے۔ چار مہینے تک مکہ معظمہ میں قیام فرماکر ماہ ربیع الاول میں اپنے فرزندوں اور درویشوں کے ساتھ مدینۂ منورہ روانہ ہوئے۔ عورتوں کو اور مولانا مظہر اپنے فرزند کو مکۂ معظمہ میں چھوڑا۔ اہل مدینہ بھی نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ لوگوں نے وہاں کے قیام کی نسبت عرض کیا۔ فرمایا گھر سے اسی ارادہ سے چلا ہوں مگر بغیر ایماے شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیام نہیں کرسکتا چندروز کے بعد مدینۂ منورہ کے قیام کا ارادہ پختہ ہوگیا۔ خالد پاشا محافظ مدینۂ منورہ حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے ایک مکان کرایہ پر لیکر اسکی کنجی حضرت کے پاس بھیجدی۔ یہ مکان محلہ مناخہ میں متصل مسجد حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھا۔ دس کمرہ اسمیں تھے۔ اگر وہاں سے عورتیں چاہیں تو جماعت مسجد نبوی کا اقتدا نماز میں کرسکتی ہیں۔ رجب میں کل اہل و عیال کو مکۂ معظمہ سے بلالیا۔

مدینۂ منورہ کے قیام میں زیادہ حصہ مسجد نبوی میں گزرتا تھا۔ لوگ بہت سے مرید ہوئے۔ حلقہ میں ایک سو آدمیوں کے قدر جمع ہوتے تھے۔ اہل شہر نے متفقاً سلطان قسطنطنیہ کو لکھا کہ ایسے بزرگ کے لئے کچھ وظیفہ مقرر ہوجاے چنانچہ معقول وظیفہ مقرر ہوگیا آخر میں درد سر اور تپ لاحق ہوئی ایک عرصہ تک یہی حالت رہی کہ کبھی شدت ہوتی تھی کبھی تخفیف۔ شنبہ کے دن دوسری تاریخ ربیع الاول کو بارہ سو ستتر ۱۲۷۷ھ میں مدینۂ منورہ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قبہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ قیام دہلی میں وصیت فرمائی تھی کہ اگر انتقال ہو تو مرزا مظہر جانجاناں

علیہ الرحمہ کے زیر قدم دفن کرنا۔ مدینہ منورہ کی حاضری پر وصیت فرمائی تھی۔ کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قریب دفن کرنا وہاں برکات اور انوار کا زیادہ ظہور ہے۔

جنازہ میں اور نماز میں نہایت کثرت آدمیوں کی تھی۔ جو لوگ نماز میں شریک نہ ہو سکے انھوں نے قبر پر نماز پڑھی۔

اولاد میں خلف اکبر مولوی شاہ عبد الرشید دوم شاہ محمد عمر سوم محمد مظہر صاحب مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ ہیں تینوں بزرگوار خلیفہ اور صاحب ارشاد ہوئے۔ رحمہم اللہ علیہم۔

خلفا میں حاجی دوست محمد قندھاری۔ مولوی ارشاد حسین رام پوری مولانا ولی النبی رام پوری۔ شاہ عبد الواجد تاشقرغندی۔ مولانا حبیب اللہ ملتانی۔ ملا قربان قراتگینی ملا یوسف ارگنجی۔ آخوندزادہ ملا حسین علی باجوڑی۔ ملا حسام الدین باجوڑی۔ ملا سفر دروازی۔ ملا پیر محمد قندھاری۔ ملا یوسف کولابی۔ ملا نور محمد کولابی۔ ملا اسکندر قراتگینی۔ ملا فیض احمد غزنوی۔ ملا اشرف الدین غزنوی۔ ملا محمد قبول عرف ملا مدد قندھاری۔ ملا محمد میر قراتگینی۔ ملا احمد شاہ کشمیری۔ ملا فیض محمد نیازی قندھاری۔ ملا محمد جان قندھاری۔ ملا جواس النور ولایتی۔ حاجی میر منظر کابلی۔ ملا محمد کبیر قندھاری۔ ملا ظہیر الدین عرف آخوندزادہ درہ باجوڑی۔ ملا عبد الرحمٰن باجوڑی۔ مولوی سید بشیر علی امروہی۔ مولوی سید عبد السلام ہسوی۔ شاہ عبد الحکیم سنجانی۔ مولوی محمد غوث ملا عبد الرحیم چینی۔ شیخ عثمان دیار بکری۔ شیخ محسن بصری۔ حنبلی۔ ملا محمد سالم۔ و ملا عبد اللطیف قندھاری۔ مولانا محمد نواب۔ ملا غلام محمد غزنوی۔ حاجی گل محمد رومی۔ مولوی محمد شاہ و مولوی سید قمر الدین لکھنوی۔ شیخ عبد الحمید داغستانی۔ سید عمر خفاف المکی۔ حافظ خلیل آفندی اناطولی۔ سید ابراہیم کردی۔ مولوی ابو الحسن فرزند حافظ ایوب خلیفہ شاہ درگاہی۔ مولوی رضا علی۔ مولوی فضل الدین پیشاوری۔ مرزا محمد نقشبندی۔ عرف مرزا شاہرخ بیگ۔ اخوند ہمزہ باجوڑی۔

ملا عبدالقدوس کشمیری۔ ملا یونس یارقندی۔ ملا احسن غزنوی۔ سید عثمان حنفی قرشی۔ شیخ ابوبکر رومی۔ ملا عبدالحکیم چرخی۔ میر عبداللہ کشمیری۔ طبیب۔ شیخ احمد بخش کردی۔ سید محمد چینی۔ ملا عبداللہ غزنوی۔ ملا نور احمد۔ حاجی احمد افندی از میری شہرلی زادہ۔ مولوی غلام محمد ملتانی۔ حاجی عبدالرحمن داغستانی۔ ملا محمد حسین خوشنویس۔ منشی رضا علی خوشنویس نستعلیق۔ میاں غلام سرور مجددی باجوڑی۔ میاں خورشید احمد مجددی رام پوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت کی تالیف سے کتب ذیل ہیں۔

حق المبین فی رد علی الوہابیین۔ الفوائد الضابطہ فی اثبات الرابطہ۔ الذکر الشریف فی دلائل المولد المنیف۔ اربع انہار۔ یہ رسالہ شاہ غلام علی قدس سرہٗ کے رسالہ ایضاح الطریقہ کے ساتھ مطبع علوی علی بخش خاں میں ۱۲۸۲ھ میں طبع ہوا ہے

مولوی سید احمد شاہ

مولوی سید احمد شاہ مفتوں تخلص ابن میاں امیر شاہ۔ مولوی محمد حیات صاحب کی بہن کے بیٹے تھے۔ کانپور جاکر مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم سے کتابیں پڑھیں اور فارغ التحصیل ہوگئے۔ ذہن رسا اور طبیعت خوب تھی۔ پڑھنے پڑھانے میں سخت محنت کرتے تھے۔ شاعری کا بھی شوق تھا۔ اُردو میں داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ کلام اُردو فارسی موجود تھا۔ مگر اُن کے بھائی میاں حمید شاہ نے بحالت جنون تلف کردیا۔ درس تدریس کی محنت سے کانپور سے علیل ہوکر آئے۔ پچپن برس کی عمر میں مولوی عبدالحق حقی وصفا کے مکان پر محلہ نالہ پار میں بارہ سو اُناسی (۱۲۷۹ھ) میں انتقال کیا اور اُسی محلہ میں دفن ہوئے۔

میاں احمد شاہ عرف پیرجی

ولد مرتضیٰ خاں ابن معری خاں محلہ محل کمیدان میں مکان ہر دو شنبہ کے دن

محرم کی پانچویں تاریخ بارہ سو پچپن (۱۲۵۵ھ) میں رام پور میں پیدا ہوے۔
دس برس کی عمر سے حصول علم میں کوشش کی ضروریات دین سے فارغ ہو کر میاں
سید جمال شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر رجب کی دسویں تاریخ بارہ سو پچھتر (۱۲۷۵ھ)
میں بیعت کی بارہ سال تک چلہ کشی اور ریاضت کرتے رہے شعبان کی آٹھویں تاریخ
بارہ سو تراسی ہجری میں (۱۲۸۳ھ) خلافت عطا ہوئی۔ اپنے مرشد کی اجازت سے
شعبان کی بیسویں تاریخ بارہ سو تراسی ہجری میں (۱۲۸۳ھ) حج کو روانہ ہوے
سید محمد جمال شاہ صاحب۔ اپنے پہلے مکتوب میں میاں مظفر علی کو لکھتے ہیں کہ ماہ
شعبان میں میاں احمد شاہ صاحب و برادر مکرم فضل حسین خاں صاحب زیارت حرمین
کو گئے ہیں۔ بعد طواف خانۂ کعبہ حیدر آباد آئیں گے ان کو میری طرف سے اجازت
بیعت اور ارشاد حاصل ہے سیر سلوک بطریق اتم طے ہوا اور راخص صحبت یافتگان فقیر
سے ہیں آپ یا جو طالب صادق ہو اُن سے بیعت کرے۔ انکا ہاتھ فقیر کا ہاتھ ہے۔
حرمین شریفین سے واپس آکر حیدر آباد میں میاں سید معین الدین عرف شاہ خاموش
کی خدمت میں حاضر ہوے۔ چند مہینے تک نسبت خاندان صابریہ حاصل کی اور وہاں سے
بھی خرقۂ خلافت عطا ہوا۔ اور شاہ صاحب نے اپنے ہاتھ سے تہ بند باندھ دیا۔ اسوقت
سے تا دم مرگ تہ بند ہی باندھتے رہے۔ رام پور آکر میاں امیر شاہ صاحب کی
خدمت میں حاضر ہوے اور وہاں سے بھی خلافت پائی۔ سلسلۂ تعلیم باطنی جاری رہا
چہرہ سے کمالات باطنی عیاں تھے۔ شادی نہیں کی کسی کے دروازہ پر نہیں گئے۔
محض توکل پر گزر رہتا۔ ایک خانقاہ اور ایک مسافر خانہ بنوا کر فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا
آزادانہ گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کرتے رہے خلیق ایسے کہ امیر اور غریب سب پر
یکساں توجہ۔ خدام اور ملنے والوں کا نہایت درجہ پاس و لحاظ تھا۔ استغناؤل

---

[1] مرج البحرین مطبوعہ ۱۳۲۱ ہجری صفحہ ۶۸۔

کی عبادت اور ماتم پرسی کبھی نہیں بھولتے۔ امراض اور ریاضت نے اخیر عمر میں
بہت کمزور کر دیا تھا۔ سترہ آدمیوں کو خلافت عطا کی ہے جو مختلف مقاموں
میں اللہ کے بندوں کو تعلیم باطنی کرتے ہیں۔ سال میں دو تین عرس بہت
دھوم سے ہوتے تھے۔ لنگر جاری ہوتا تھا۔ مخلوق خدا کا پیٹ بھرتا تھا۔ کوئی اندوختہ
نہیں ہے۔ اِس ہاتھ آیا اُس ہاتھ خرچ کر دیا۔
کتاب سرور العاشقین حالات خواجہ اجمیری بزبان اُردو سنہ ۱۳۱۳ھ میں اور پند غوثیہ
تالیف احمدیہ بزبان اردو سنہ ۱۳۲۰ھ میں آپ کے تالیف سے طبع ہو چکی ہے۔ افسوس
کہ یکم شوال سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۳ اگست سنہ ۱۹۱۸ء کو جمعہ کے دن رات کے نو بجے ہیضہ
ہوا۔ شنبہ کے دن رات کو نو بجے انتقال ہوا۔ جنازہ حضرت شاہ جمال صاحب کے مزار پر
گیا۔ اور مرحوم کے پیرزادہ میاں مشتاق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی تعمیر کردہ
خانقاہ میں یکشنبہ کے دن ۳۔ شوال کو دفن ہوئے۔ ایک خادم کو اول ہی سے
متولی کر دیا تھا وہ قابض خانقاہ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ راقم کے حال پر
نہایت شفقت فرماتے تھے۔

مولوی حاجی احمد علی احراری

ولد مرزا جان۔ رام پور میں محلہ ملا حسن کے کنوئیں کے پاس رہتے تھے یہ محلہ اب
مشن گنج میں آگیا رام پور میں تمام فنون اور علوم کی تکمیل کر کے خود پڑھانا شروع
کر دیا۔ سیکڑوں شاگرد ہوئے۔ پھر تکمیل علم کے لئے۔ باہر کا سفر کیا۔ مولوی مملوک علی
سے کتابیں پڑھیں۔ آپ قاری بھی بے مثل تھے۔ دہلی میں مولانا فخر الحسن سے بھی پڑھا۔
ریاست باندا میں آٹھ برس ملازم رہے۔ قانون گوئی۔ نائب۔ کوتوال۔ تھانہ دار۔
افسر پولس۔ داروغہ مجلس اور جمعدار کے عہدوں پر کام کیا۔ ایجنٹ ریاست باندا
حکام صدر کی اجازت سے آپ کو ملتان لے گئے اور وہاں اول سررشتہ دار دیوانی

وفوجداری مقرر کیا۔ پھر بتدریج تحصیلداری با ختیار ڈپٹی مجسٹری ملی۔ انگریزی
تعلق ترک کرکے سنہ ۱۲۶۶ھ میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ اور وہاں کے علما
اور محدثین سے سندیں حاصل کیں اور میلاد شریف خانۂ کعبہ کے قیام میں تصنیف کیا
شیخ العلما شیخ جمال مکی آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے سنہ ۱۲۶۷ھ میں آپ اپنے حقیقی
ماموں میر احسن علی کے پاس حیدرآباد ملنے گئے یہ صاحب بڑے عارف باللہ تھے۔
اور نظام کے ملازم تھے۔ نظام کو اور اہل شہر کو اُن سے بہت عقیدت تھی۔ وہاں سے
رام پور کا ارادہ کیا تو مولوی فضل رسول بدایونی نے ایک خط سفارشی مولوی
شمس الاسلام مرحوم کے نام لکھدیا۔ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ مختار الملک
اعظم سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے آپ کو سنہ ۱۲۶۹ھ میں ایک سو تیس روپیہ پر
مدرس مدرسہ مقرر کیا۔ کسی نے مختار الملک سے کہدیا کہ یہ وہابی ہیں سفر حج میں
آپ کے ہمسفر بہت سے علما اور اراکین ریاست حیدرآباد تھے سب نے اس سے آپ کی
بریت کی۔ حیدرآباد میں آپ سے معجزہ شق القمر میں مباحثہ ہوا اور آپ نے ثابت
کیا کہ شاہ ولی اللہ محدث پر الزام انکار معجزہ مولوی عبد الحلیم صحیح ہے۔ مگر پھر بھی
آپ کو ریاست نے موقوف کردیا۔ شعبان سنہ [illegible]ھ میں رام پور آئے۔ اسوقت تک
آپ کے والدین زندہ تھے پھر تھوڑے دن بعد شولاپور گئے۔ وہاں کچھ قیام کرکے
پھر حیدرآباد گئے۔ اسلئے کہ اہل وعیال وہیں تھے۔ اخیر میں آپکی طرف سے صفائی ہوئی
اور ناظم عدالت دیوانی بمشاہرہ پانچ سو روپے ہوئے۔ پھر رکن اول مجلس مرافعہ صدر
مقرر کئے گئے۔ غالباً سنہ [illegible]ھ میں حیدرآباد میں انتقال ہوا قاضی عبد الولی اور مولوی
عبد العلی تخلص سابق دو فرزند یادگار چھوڑے آپکی تصانیف میں رسالہ اثبات النظر فی عظمت
معجزہ شق القمر فارسی مطبوعہ مطبع مظہر العجائب مدراس سنہ [illegible]ھ اثبات الاخیار فی جہان
سیدالابرار اردو مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صنفہ سنہ [illegible]ھ باقیات الصالحات ہیں۔

مولوی احمد علی خاں

ولد مولوی نور خاں ابن ملا بشارت خاں افغان قوم رزڑ۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم فارسی و عربی اپنے والد سے حاصل کئے طلبا کو پڑھاتے بھی تھے کچھ دنوں وکالت بھی کی۔ پھر رسالہ علی غول میں ملازم ہوگئے۔ شعبان سنہ بارہ سو ستاسی (۱۲۸۷ھ) میں انتقال کیا اور تکیہ غلام حیدر خاں میں دفن ہوئے۔ ان کے فرزند حافظ اسد علی خاں افسر فیل خانہ ہیں تجارت و ستاری دیہات کرتے ہیں۔ عربی کی تعلیم نہیں ہوئی۔

خلیفہ شیخ احمد علی احمد تخلص

ولد شیخ نادر علی رام پور میں پیدا ہوئے۔ محلہ آزاد خاں کے بنگلہ پر رہتے تھے۔ فارسی کتابیں عنبر شاہ خاں عنبر اور کبیر خاں تسلیم سے پڑھیں۔ عربی کے کل علوم و فنون پڑھے تھے۔ مگر کہا کرتے تھے کہ فارسی کے لطف نے عربی چھڑا دی۔ نواب خلد آشیاں اور نواب عرش آشیاں کے اُستاد تھے۔ رام پور میں اُن کے فیض تربیت سے فارسی کو خوب ترقی ہوئی۔ نہایت نیک اور سادہ مزاج آدمی تھے سرکاری تنخواہ کے سوا کبھی شاگردوں سے کچھ نہیں لیا۔ درسیات پڑھانے میں مثل نہیں رکھتے تھے۔ مرزا نوشہ غالب رام پور آئے۔ تو اُن سے عرفی کے اِس شعر میں گفتگو ہوئی ؎

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب　　　مرغ توصیف تو از اوج بیاں انداختہ

شیخ صاحب غالب آئے۔ شاگردوں سے مثل والدین کے محبت کرتے تھے۔ ۲۹۔ رمضان (۱۳۰۹ھ) تیرہ سو نو ہجری پنجشنبہ کے دن ۲۸۔ اپریل ۱۸۹۲ء رام پور میں نوے برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ نوجوان دو بیٹے حیات میں مرچکے تھے۔ پوتا ہے۔ مگر علوم سے بے بہرہ ہے۔ البتہ شاگرد جو اولاد

معنوی ہیں سیکڑوں موجود ہیں۔ کبھی کبھی فارسی نظم بھی لکھتے تھے۔
نثر فارسی۔ ایک چھوٹا سا قلمی نظم و نثر کا مجموعہ ۲۰۴ صفحہ کا کتب خانہ ریاست میں
موجود ہے۔ اس میں نثریں رباعیاں اور چند غزلیں ہیں۔

سید شاہ احمد علی

ابن سید شاہ غلام رسول۔ آپ خواجہ اویس قرنی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے
بزرگوں میں سید بہاء الحق بھاولپوری ملقب بہ ذات الساوات و محکم دین
بودسلے صاحب مشہور ہیں۔ منقول ہے کہ آپ کے والد کو خواب میں سید بہاء الحق نے
نے ایما کیا کہ اپنے فرزند کو لیکر شاہ درگاہی کی خدمت میں حاضر ہو۔ چنانچہ والد کے
ساتھ حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ تعلیم ظاہری و باطنی سے خوب حصہ پایا۔ اور خلافت
عطا ہوئی۔ آپ ایسے صاحب نسبت تھے کہ آپ کی ایک نظر اور ایک نعرۂ اللہ اکبر میں
جماعت کی جماعت لوٹ جاتی تھی۔ اور ایک نظر توجہ سے درویش کامل بن جاتا تھا۔
آپ کا بیان ہے کہ مجھے حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ آج کل لوگوں کے
دل سخت ہو گئے ہیں۔ تم نعرۂ اللہ اکبر لگایا کرو۔ اس سے بیعت جلالی پیدا ہو گی
آپ کا قیام موضع بھٹ پورہ میں رہتا تھا۔ ریاست رام پور سے سات کوس ہے۔
اور حدود ریاست میں تحصیل بلاسپور میں واقع ہے۔ بڑے صاحب نسبت اور صاحب
قوت تھے۔ ہزاروں کو فیض باطنی ہوا آپ کے بڑے خلیفہ میاں محمد شیر پیلی بھیت
والے ہیں۔ جنکے ہزاروں مرید ہیں۔ سو برس سے کچھ زیادہ عمر ہو چکی تھی کہ یکم محرم
۱۱۹۶ھ کو بخار ہوا۔ مریدین اور خدام کو بلا کر نصیحت فرمائی اور فرمایا اب میرا وقت
پورا ہو چکا ہے اب تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ ہدایت ظاہری جس کی قسمت میں
جسقدر تھی ختم ہو چکی آئندہ عنایت الٰہی تمھارے شامل حال رہیگی۔ اس مرض

سالہ۔ مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین۔

میں پنجشنبہ کے دن محرم کی تیرھویں تاریخ بارہ سو چھیاسٹھ ۱۲۶۶ھ مطابق
۲۹۔ نومبر ۱۸۴۹ء کو انتقال فرمایا۔ اور بھٹ پورہ میں دفن ہوئے آپ کے خلیفہ
میاں محمد شیر نے پختہ گنبد بنوادیا ہے۔ اور جبتک میاں محمد شیر زندہ رہے ہر سال مزار پر
حاضر ہوکر عرس کرتے تھے۔ میاں محمد شیر نے بھی ۵۔ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ کو انتقال فرمایا۔

میاں احمد علی شاہ تخلص احمد

ولد مولوی مصری خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ جذبۂ درویشی غالب ہوا
امام الدین خاں انور تخلص سے مرید ہوئے اور خلافت پائی۔ صاحب ذکر و شغل تھے۔
اُردو شاعری کا بھی شوق تھا۔ اپنے مرشد کے شاگرد تھے۔ علوم عربی میں بھی کامل
استعداد تھی۔ مکان سے کہیں باہر نہیں جاتے تھے۔ سال میں تین دفعہ باہر نکلتے تھے
ایک حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کے عرس میں دوم شاہ درگاہی صاحب کے
عرس میں۔ سوم اپنے پیر و مرشد امام الدین خاں صاحب کے عرس میں وہ بھی
اس طرح کہ پالکی کے کواڑ بالکل بند کر لیتے تھے۔ ستاون برس کی عمر میں انتیسویں
شوال کو بارہ سو بیاسی ہجری میں انتقال ہوا۔ میاں نظام شاہ تخلص نظام نے
اپنے مکان واقعہ محلہ بھاگ مل کے کوچہ میں دفن کیا۔ میاں نظام شاہ تاحیات خود
متولی مزار رہے۔ ان کے بعد حاجی تمیز علی اور ان کے بعد مولوی وزیر محمد خاں
متولی ہوئے۔ یہ تینوں صاحب بھی وہیں دفن ہیں شاہ درگاہی صاحب کا سلسلہ
نقشبندی ہے۔ مگر اب مدت سے اس مزار پر قوالی اور رنڈیوں کا ناچ ہوتا ہے
مریدوں نے سیاہ لباس کو شعار بنالیا ہے۔

حکیم احمد علی انصاری

حکیم کبیر علی خاں انصاری سنبھلی کے بھائی تھے۔ اور رام پور ریاست کے ملازم تھے۔

سنہ ۵۱ فصول فیض اللہ خانی۔

ایک روز جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر نے اُن سے دریافت کیا۔ چائے کا کیا مزاج ہے۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ گرم مائل بہ اعتدال ہے۔ حکیم مرزا بوعلی حاضر ہوئے تو انسے بھی دریافت کیا حکیم مرزا بوعلی نے عرض کیا۔ کہ چائے درجۂ سوم میں گرم خشک ہے حضور کے مزاج کے موافق نہیں ہے۔ نواب صاحب نے حکیم احمد علی کے قول پر اعتماد کیا اور حکیم عطاء اللہ غمین کو گھر سے بلاکر کہا کہ اپنی ماں سے رات کو چائے تیار کراکر لانا۔ حکیم بوعلی کو اپنے قول کی صداقت کی فکر پڑی حکیم عطاء اللہ سے مشورہ کر کے چائے میں غریق سیاہ (کنگلی) ڈالدی نواب صاحب نے سوتے وقت پی اور آرام کیا۔ نماز تہجد کو اُٹھے تو گلے میں درد محسوس ہوا غلام حسین خاں کمیدان سے کہا واقعی حکیم بوعلی کا قول صحیح ہے چائے درجۂ سوم میں گرم خشک ہے۔ تہجد کے وقت سے صبح کی نماز تک دس بارہ دفعہ آبِ سرد پیا مگر تسکین نہیں ہوئی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد برف کا پانی چند بار پیا مگر فائدہ نہیں ہوا۔ اشراق کی نماز بمشکل ادا کی۔ اب یہ نوبت ہوگئی کہ آواز حلق سے نہیں نکلتی تھی۔ اس درمیان میں کُل اطبائے دربار حکیم محسن خاں شاگرد حکیم شریف خاں دہلوی۔ حکیم دیو کی نندن۔ قطب الملۃ والدین مولانا حکیم عز الدین میرٹھی۔ حکیم حافظ اللہ یار خاں ساکن شاہجہاں پور ملازم ریاست حکیم محمد زماں خاں۔ حکیم واجد علی خاں ملازم نواب فتح علی خاں رامپوری۔ حکیم صغیر علی خاں ولد کبیر علی خاں اور حکیم بایزید حاضر ہوئے۔ معمولاً سب نے نبض دیکھکر کہا کوئی بات نہیں ہے تبرید تجویز کردی حکیم صغیر علی خاں نے کہا کہ سر رُو کی فصد سے تھوڑا خون لیا جانا مناسب ہے۔ اس لئے کہ معلوم ہوتا ہے چائے میں کوئی سی چیز ملادی تھی۔ ورنہ عنقریب خناق کلبی پیدا ہوجائیگا اور زندگی کا اندیشہ ہے اس کے آثار اب بھی موجود ہیں کہ حلق بند ہوگیا ہے اور درد ہے۔ پیاس ہے۔ آنکھیں سرخ ہیں اور گل آئی ہیں۔ مرزا بوعلی نے عرض کیا کہ الحمد للہ بندہ کا قول

سچ نکلا کہ چار کا مزاج گرم خشک ہی فصد نہ کرائیے بلکہ تبرید قوی کافی ہے۔
نواب صاحب نے حکیم بایزید سے دریافت کیا تمھاری کیا رائے ہے۔ وہ بھی فصد سے متفق ہوگئے۔
مگر حکیم بوعلی نے اصرار تبرید پر کیا۔ اور حکیم عطاء اللہ کو حکم ہوا کہ دوا تیار کر کے
لائیں وہ گھر گئے اور دوا بنا لائے۔ نواب صاحب نے پی لی۔ دربار عام برخاست
ہوگیا۔ ظہر کی نماز کے وقت خواب سے بیدار ہوئے تو زبان منھ سے باہر آگئی تھی۔
گلے میں اور سر میں درد شدید تھا۔ پیاس کی بھی بہت زیادتی تھی۔ پانی پیتے تھے۔
تو ناک سے نکل جاتا تھا حلق سے نہیں اترتا تھا۔ غلام حسین خاں کمیدان نے
عرض کیا حکم ہو تو ہرکارہ بھیجکر حکیم کبیر علی خاں کو سنبھل سے بلایا جائے۔ زبان سے
کلمہ ادا نہیں ہوتا تھا۔ کاغذ پر لکھکر دیا کہ ہاتھیوں کی ڈاک بٹھادو اور پروانہ میں
تاکید لکھو کہ جلد آجائیں۔ مغرب کے وقت زبان منھ سے باہر نکل پڑی ضیق النفس
ہوگیا۔ اور آنکھوں میں تیرگی ہوگئی گویا کل آثار خناق کلبی کے ظاہر ہو گئے۔
اس وقت نواب سید محمد علی خاں بہادر فرزند اکبر نواب صاحب نے حکیم احمد علی سے
کہا اگر خدا نخواستہ نواب صاحب مرگئے تو میں تم کو بھی اسی وقت قتل کر دوں گا
حکیم صاحب کو بھی خوف اپنی جان کا ہوا۔ حکیم بایزید نے پھر جاکر نواب صاحب سے
عرض کیا کہ فصد ضروری ہے مگر حکیم بوعلی مصر تھے کہ فصد نہو۔ حکیم محسن علی خاں نے
دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور وہاں سے اٹھکر حکیم بایزید کو ساتھ لیکر
مسجد میں آبیٹھے ان کے پیچھے پیچھے نواب سید محمد علی خاں صاحب بہادر اور نواب
سید فتح علی خاں بہادر بھی مسجد میں چلے آئے اور سب صاحب زار زار روتے تھے۔
ایک پہر رات گئے حکیم کبیر علی خاں آگئے اور حالت دیکھتے ہی فصد تجویز کی۔ حکیم بوعلی
فصد کا نام سنتے ہی پیشاب کے حیلہ سے باہر نکلکر سیدھے بریلی کو چلے گئے۔ حکیم
کبیر علیخاں نے محمد حیات جراح کو بلاکر سرِرو کی فصد لوائی۔ خون نکلتے ہی

زبان منھ میں جانے لگی اور تھوڑی دیر میں ورم وغیرہ جاتا رہا۔ اور زبان گویا ہو گئی۔ لالہ دیپ چند عطار سے معلوم ہوا کہ اُسی دن بموجب رقعہ مہری والدہ حکیم عطاء اللہ ڈیڑھ تولہ گنگی (زرنیخ سیاہ) اسی کی دوکان سے گئی تھی۔ اِس وجہ سے حکیم بوعلی فرار ہو گئے۔

نواب صاحب نے اِسی خوشی میں تین سو روپیہ نقد ایک سفید دوشالہ دو تھان ڈھاکہ کے ڈورئیے کے۔ ایک تھان گجراتی مشروع کا اور ایک بستار حکیم کبیر علی خاں کو دی اور ایک ٹانگن اور ایک تھان چھولہ کا اور آدھا تھان مشروع کا۔ اور ایک پگڑی اور سوا سو روپے حکیم صغیر علی خاں کو اور پچاس روپے اور ایک جوڑہ حکیم محسن خاں کو اور اسی طرح حافظ محمد یار خاں اور حکیم احمد علی خاں کو انعام ملا۔ اُسی روز سے حکیم بایزید کی تنخواہ چالیس روپے ماہانہ مقرر ہوئی۔ اور تین تیس روپے ماہانہ کی دو اسامیاں سواروں میں ملیں۔ اِس سے پہلے چالیس روپے ماہانہ حکیم بایزید کو نواب محمد علی خاں بہادر دیا کرتے تھے۔ اور حالات معلوم نہیں ہوئے۔

مولوی حافظ احمد کبیر مجددی

ولد شاہ محمد پیر مجذوب۔ غالباً ولادت ۱۲۰۰ھ میں رام پور میں ہوئی۔ اور اکثر علوم رام پور میں مفتی شرف الدین سے حاصل کئے۔ حرمین شریفین اور بعض ممالک شام میں حدیث وغیرہ کا استفادہ کیا۔ بڑے جید عالم تھے مولوی عبدالقادر خاں سے بہت دوستی ایام طالبعلمی سے تھی۔ سنا ہے شام سے اعمال و وظائف بھی کچھ حاصل کئے تھے۔ ممالک اسلامیہ سے آکر کلکتہ میں بعہدۂ افسری مدرسہ عالیہ کلکتہ مامور رہے۔ بارہ سو اُناسی ہجری میں (۱۲۷۹ھ) رام پور میں وفات پائی اپنے دادا کے حظیرہ کے سامنے جانب جنوب متصل دیوار مسجد مدفون ہیں۔

سلہ روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں۔

مولوی احمد یار خاں

رام پور میں محلہ پیلو کی مسجد میں مکان تھا۔ وفات کا وقت معلوم نہیں ہوا ہے۔ سنا ہے صاحب علم تھے۔ اور فارسی میں تو بے مثل تھے۔

مولانا ارشاد حسین مجددی

خلف مولوی حکیم احمد حسین۔ بن غلام محی الدین۔ بن فیض احمد۔ بن شاہ کمال الدین بن شیخ درویش احمد بن شیخ زین العابدین معروف بشاہ فقیر اللہ بن شیخ فیاض الدین بن یوسف بن شاہ محمد یحییٰ بن مجدد الف ثانی حافظ کلام ربانی۔ محدث۔ مفسر فقیہ۔ درویش۔ مدبر۔ غرضکہ ظاہری و باطنی کوئی ایسا کمال نہیں ہے۔ جو آپ کی ذات میں موجود نہو۔

آپ[۱] کے بزرگ سرہند پر سکھوں کی تعدی کے بعد بریلی آئے۔ اور آپ کے دادا غلام محی الدین بریلی سے رام پور تشریف لائے۔ آپ کی ولادت رام پور میں چودھویں صفر ۱۲۴۸ھ کو ہوئی۔ کتب فارسی اپنے والد اور شیخ احمد علی اور اپنے بھائی مولوی امداد حسین سے پڑھیں۔ حافظ غلام نبی۔ مولوی جلال الدین۔ مولوی نصیر الدین خاں سے صرف نحو وغیرہ حاصل کی۔ لکھنؤ جاکر کتب منقول پڑھیں۔ رام پور میں واپس آکر ملا محمد نواب سے باقیماندہ کتب معقول وغیرہ کا درس لیا۔ ملا نواب صاحب نواب خلد آشیاں کو بھی پڑھاتے تھے۔ نواب صاحب کو مذہب امامیہ کی تعلیم دینے کے لئے دو آدمی علیحدہ مقرر تھے جسقدر عقاید امامیہ کی تعلیم ہوتی تھی مولانا اس کو نواب خلد آشیاں کی صفحۂ خاطر سے محو کرا دیتے تھے۔ نواب جنت آرام گاہ کو یہ حال معلوم ہوا تو ملا نواب صاحب کی صحبت سے منع کر دیا۔ پھر آپ یہاں سے دہلی چلے گئے ملا نواب صاحب افغانی بھی رام پور سے ترک تعلق کر کے دہلی چلے گئے ملا نواب کی

---

[۱] انوار العارفین۔ ۵۲ مقامات ارشادیہ

ہدایت سے آپ حضرت شاہ احمد سعید سے بیعت ہوئے اور کمالات باطنی حاصل کئے۔ اپنے پیرو مرشد کے صاحبزادوں سے کچھ شکر رنجی بھی ہوگئی تھی۔ مگر حضرت شاہ احمد سعید نے اُس کو رفع دفع فرما دیا۔ آپ حضرت شاہ احمد سعید کے اجلّہ خلفاء میں تھے۔ شاہ صاحب غدر میں ہجرت فرما کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے آپ کو پانی پت سے رامپور رخصت کیا۔ کچھ دنوں کے بعد محمد موسیٰ بخاری ایک خادم خاص کو ساتھ لیکر زیارت حرمین شریفین کو گئے۔ یہ سفر پیدل آٹھ مہینے میں ختم کیا۔ ایک سال تک وہاں حاضر رہکر واپس رامپور آئے تو ملا فقیر آخوند قدس سرہٗ کی مسجد کے حجرہ میں نو مہینے میں قرآن حفظ کر لیا۔ اور ایک بیوہ سے عقد کر لیا۔ توکل پر گذر تھی۔ نواب خلد آشیاں کو ولیعہدی سے محبت تھی۔ دورانِ ریاست میں اس کا خوب اظہار فرمایا۔ تقریباً چار سو روپے ماہوار سرکار سے ملتا تھا۔ محلہ کھاری کنویں میں مکان پختہ وخام بنوائے۔ پالکی میں آتے جاتے تھے۔ کہار نوکر تھے۔ خوش لباسی خوش اوقاتی۔ اور خوش اخلاقی سے زندگی بسر کرتے۔ نواب خلد آشیاں کو نہایت محبت تھی۔ اور بہت ادب اور تعظیم کرتے تھے۔ اوراد۔ وظائف۔ حلقہ مراقبہ ذکر وغیرہ سے کوئی وقت خالی نہ تھا۔ سلسلہ درس علٰحدہ جاری تھا۔ ہر جمعہ کو بعد نماز اپنی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ مجلس وعظ میں خوب ذوق وشوق اور گریہ وبکا ہوتا تھا۔ اپنے احباب کا بہت خیال تھا۔ عیادت اور ماتم پرسی فرماتے۔ شہر اور اہلِ شہر پر خاص اثر تھا۔ اپنے ہم قوم مجددیوں کے معاملات میں ہمیشہ ساعی رہتے تھے۔ شہر اور بیرونجات کے بہت سے لوگ بیعت ہوئے بہت سے خلفا ہیں۔ نواب خلد آشیاں نے حالت مرض میں وصیت کی تھی کہ بعد انتقال مجھے حافظ جمال اللہ صاحب کے مزار میں اس جگہ دفن کیا جائے جو اراضی بقدر ایک

سلف مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ۔

قبر کے شاہ محمد عمر اور حافظ صاحب کے گنبد کے درمیان میں چھوٹی ہوئی ہے۔ دوم سوائے آپ کے اور مولوی امداد حسین آپ کے بھائی کے اور کوئی نہ نہلائے۔ سوم ریاست کے صرف سے تجہیز و تکفین نہو تین سو روپیہ کی ایک رقم میاں رحیم شاہ کے پاس ہے اُسکو خرچ کیا جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ زکواۃ کے خزانہ میں جمع تھے۔ حالت مرض میں نواب خلد آشیاں نے ایک دستاویز لکھکر آپ کے حوالہ کی کہ اِس روپے سے جائداد خرید کر غربا کی پرورش کریں یہ دستاویز بریلی میں رجسٹری ہوئی۔ اور خزانہ کو حکم عطای روپیہ کا گیا۔ مگر اس کے بعد ہی نواب صاحب پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ اور حکام ریاست نے اسکی تعمیل نہیں کی۔ نواب عرش آشیاں کے زمانہ میں آپ کی خانقاہ کا وظیفہ بند ہوگیا۔

قتل جنرل اعظم الدین خاں کے معاملہ میں بعض نام کے مسلمانوں نے مولانا کو بھی متہم کیا۔ اخیر میں تنخواہ میں اضافہ ہوا اور دشمن سب شرمندہ ہوئے۔

آپ کے پاس اکثر لوگ امانتیں رکھدیتے تھے آپ اُن سے شرط فرما لیتے تھے کہ اگر مجھے ضرورت ہوئی یا کسی اور کو تو بشرط ادا صرف کر دونگا۔ یا دیدونگا۔ کوئی عذر نہ کرتا۔ اِن امانت کی رقموں سے سیکڑوں لوگوں کو مدد پہونچتی تھی اور سود کی آفت سے بچا لیتے تھے۔ بعض رقمیں ضائع بھی ہوئیں وہ بخوشی خاطر اپنے پاس سے پوری کر دیں۔ اس کا نام ہے فیض رسانی اور دستگیری ظاہری و باطنی۔ جزاہ اللہ خیر الجزا۔

آٹھویں جمادی الآخر کو ۱۲۳۱ھ ہجری میں تپ محرقہ شروع ہوئی۔ اُسی حالت مرض میں تمام امانتیں واپس کیں۔ اور باوجود شدت تپ کے اوقات نماز میں فرق نہیں ہوا۔ اور نہ اوراد و وظائف میں کمی ہوئی۔ دوشنبہ کے دن پندرھویں جمادی الآخر کو ۱۲۳۱ھ میں انتقال فرمایا۔ تمام شہر نماز جنازہ کے لئے اُمنڈ آیا۔

مقامات ارشادیہ۔

عیدگاہ کے میدان میں نماز ہوئی۔ اور اپنی مسجد کے متصل جانب مشرق اپنی ملکیت کی زمین میں دفن ہوے اب اولاد میں مولوی محمد احسان حسین مولوی محمد علی حسین مولوی محمد ریحان حسین موجود ہیں۔

تصانیف میں ایک ضخیم کتاب انتصار الحق بزبان اُردو بجواب معیار الحق مولانا نذیر حسین محدث دہلوی تصنیف کی ہے۔ اور مطبوعہ ہے یہ کتاب دوبار طبع ہو چکی ہے۔

ترجمہ کتاب الحیل عالمگیری اُردو قلمی۔ ۱۳۶ صفحہ کی کتاب کتب خانہ ریاست میں ہے۔

ایک کتاب ارشاد الصرف ہے جسکا تتمہ مولانا سلامت اللہ صاحب نے لکھکر طبع کرایا ہے۔

مولوی حکیم ارشاد علی

ولد سید نیاز علی۔ اصل وطن بدایوں تھا۔ رام پور میں ننہال تھی۔ بدایوں سے تحصیل علم کے لئے لکھنؤ گئے۔ علوم و فنون درسیہ وہاں ختم کئے۔ رام پور میں آکر اپنی ننہال محلہ کھوٹر میں قیام کیا۔ حکیم ابراہیم خاں طبیب لکھنوی سے طب پڑھتے تھے۔ نہایت وجیہ۔ ذہین۔ قوی الحافظہ تھے اُردو اور فارسی دونوں میں کبھی کبھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ خلق اور دوست نوازی مایۂ طینت تھی۔ راقم السطور سے بہت اتحاد تھا۔ افسوس چوبیس سال کی عمر میں مرض دق سے سنہ تیرہ سو دو ہجری میں (۱۳۰۲ھ) رام پور میں انتقال ہوا۔ محلہ کھوٹر کی مسجد میں مزار ہے اور اُسپر یہ تاریخ کندہ ہے۔

حیف ارشاد علی مخزن علم و دانش — گشت بیمار حیاتش بہ تمامی آمد
از عوارض کہ مداوا نہ پذیرفت یکے — ترک تن کرد و بروں جان گرامی آمد
گفت رضوان ز دل حزیں سال وفات — بہر گل گشت جناں سید نامی آمد

باپ کی امیدیں اُن سے وابستہ تھیں وہ بھی چند سال بعد رام پور ہی میں مر گئے۔

ایک چھوٹے بھائی فدا حسین تھے۔ وہ رام پور سے چلے گئے۔

فی الحال مرحوم کے برادر زادہ سید خورشید حسین سب جج ہردوئی میں ہیں۔

مولوی ارشد علی

بن سید عبدالعلی بن قاضی کرامت علی بن قاضی نور علی شہید۔ بن قاضی نیر علی بن قاضی امجد علی بن قاضی دائم علی سرہندی سلسلۂ نسب ابو عبداللہ سید جلال الدین حسین البخاری تک اور وہاں سے حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کی ماں بیٹی ہیں شیخ احمد حسین بن شیخ غلام محی الدین بن شیخ فیض احمد بن شیخ کمال الدین بن شیخ درویش احمد بن شیخ زین العابدین معروف بشاہ فقیر اللہ سرہندی المتوفی [illegible] ہجری بن شیخ ضیاء الدین معروف بہ شیخ جیو المتوفی [illegible] ھ بن خواجہ محمد یحییٰ المتوفی [illegible] ھ بن امام ربانی حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی رضی اللہ عنہم کی۔ مولانا کا آبائی وطن بسی ہے جو سرہند سے چند میل ہے [illegible] ھ میں بعہد محمد شاہ دہلوی قاضی دائم علی قصبہ ٹھوٹر میں آکر قیام پذیر ہوئے۔ رام پور کی آبادی میں اب ٹھوٹر محلہ کا نام رہگیا ہے۔ دہلی سے علاقۂ سیفنی کی حکومت قضاۃ ملی۔ اس علاقہ میں چوراسی گاؤں تھے سیفنی اب ایک موضع ہے رام پور سے سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر ریاست کی تحصیل شاہ آباد میں داخل ہے۔ حکومت قضا یکے بعد دیگرے قاضی نور علی تک قائم رہی بوجہ تعلق قضا کے قصبہ ٹھوٹر سے سکونت ترک کی سیفنی میں جا بسے۔ قاضی نور علی کی شہادت سیفنی میں ہوئی۔ ڈاکوؤں نے آبادی پر حملہ کیا قاضی صاحب ایک مکان میں محصور ہوگئے۔ ڈاکوؤں نے مکان کو آگ لگادی۔ کہتے ہیں کہ قاضی صاحب کے جسم پر آگ کا مطلق اثر نہیں ہوا اور روح پرواز کرگئی ان کی ٹوپی اور بال بطور تبرک آپ کے خاندان میں موجود ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ان کو آگ نہیں جلاتی ہے۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر نے رامپور کو آباد کیا تو شہر میں اور قاضی مقرر کیا۔ سیفنی کا علاقہ بدستور ان کی قضا میں رہا۔

مولوی ارشد علی کی ولادت سنہ بارہ سو اٹھاسی (۱۲۸۸ھ) میں سیفنی میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت رام پور میں اپنی نانہال میں پائی۔ علوم متعارفہ اپنے ماموں اور خسر مولانا ارشاد حسین مرحوم سے پڑھے معقول کی کتابیں اپنے خالہ زاد بھائی اور بہنوئی مولانا ظہور الحسین صاحب سے پڑھیں۔ مولانا امداد حسین مرحوم اور حافظ عنایت اللہ خاں سے سلوک مجددیہ کی تکمیل کی۔ عالم با عمل۔ نہایت وجیہ اور خلیق تھے۔ کبھی کبھی مولانا ارشاد حسین مرحوم کی مسجد میں وعظ بھی فرماتے تھے۔ حج کے شوق میں کعبۃ اللہ کو گئے۔ بعد حج مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ پہلی منزل میں سنہ تیرہ سو اٹھائیس ہجری میں (۱۳۲۸ھ) انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے دو فرزند ہیں مولوی مرشد علی جو تکمیل عربی میں مصروف ہیں دوسرے شرافت علی جو کم سن ہیں اور قرآن حفظ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ علم سے بہرہ یاب کرے۔ آمین۔
حافظ یعقوب صاحب انیس جونپوری تلمیذ داغ دہلوی نے یہ تاریخ کہی۔

الا علامہ ارشد علی پاک — کہ در علم حقائق بود مشہور
مہ تابان افلاک شریعت — باوج معرفت چوں مہر پرنور
بہ اخلاص و محبت چوں سفر کرد — پئے حج و زیارت ہائے ماثور
خرابان صورت عشاق گشتہ — ز جام عشق سرتا پائے مخمور
مزاجش از وطن ناساز بودہ — بہ رہ بیمار تر گردیدہ معذور
دلیرانہ ولے ارکان حج را — ادا کردہ بدل شادان و مسرور
پس حج جانب طیبہ بصد شوق — کلیم آسا روانہ شد سوے طور
بدل محو خیال جبہہ سائی — بلب جاری و صلی اللہ علی نور
یکایک منزل اول در آمد — کہ جام عمر شد لبریز و معمور
میان مکہ و طیبہ سپردند — بزیر خاک ماہی گشت مستور

ملا ارم

نہایت جید عالم تھے۔ ہدایہ خوب پڑھاتے تھے۔ مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں کہا کرتے تھے کہ ہم بھی ان کے درس میں بیٹھے ہیں۔ محلہ راجدوارہ ذوقی رام باغیچہ کی پشت پر ایک مسجد ملا ارم کی بنائی ہوئی موجود ہے پہلے خام تھی۔ اب چند روز ہوئے کہ پختہ ہو گئی ہے۔ ان کے بیٹے اخوندزادہ غلام محمد خاں خاصوں کے رسالہ کے رسالدار نواب فردوس مکاں کے عہد میں تھے۔ انکے دو بیٹے تھے۔ ایک عبدالعزیز خاں رسالہ ششم میں دفعدار تھے دوسرے عبدالحکیم خاں پولس میں جمعدار تھے دونوں انتقال کر گئے۔ اور محلہ راج دروازہ میں اب ان کے خاندان کی سکونت نہیں ہے۔ عبدالحکیم خاں کی اولاد ہے مگر علوم عربی و فارسی سے ناآشنائے محض۔

مولوی اسحٰق خاں

ولد حافظ اکبر خاں در اصل رہنے والے خان پور کے تھے۔ بعد غدر یہاں آئے۔ مولوی ہدایت اللہ خاں سے صرف و نحو پڑھی۔ مولوی نورالنبی صاحب سے کتب منطق ختم کیں۔ ریاضی میں اپنا مثل نہیں رکھتے ہیں۔ آپ دہلی میں آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ چیلوں کے کوچہ میں نواب شرف الدین خاں کے مکان پر رہتے ہیں۔ کتب حدیث اور فقہ مولوی نذیر احمد محدث دہلوی سے پڑھی ہیں۔ رام پور میں راج دوارہ محلہ میں رہتے تھے۔ اب عمر تقریباً ستر برس کی ہوگی۔

مولوی اسدالحق

مولوی اسدالحق خلف مولوی عبدالحق شمس العلما خیرآبادی۔ تمام علوم و فنون اپنے والد سے پڑھے۔ طبیعت کے نہایت ذہین تھے۔ اگر عمر نے وفا کی ہوتی تو شہرت میں باپ سے کم نہوتے۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدرس اعلیٰ تھے عین شباب میں ہیضہ سے

رام پور میں ۴ - اگست ۱۹۱۰ء (۱۳۲۸ھ) کو شنبہ کے دن انتقال فرمایا - اور میاں خواجہ احمد صاحب کے باغ میں بلاسپور دروازہ میں دفن ہوئے - آپ کے ساتھ علم وفضل بھی آپ کے خاندان سے گویا اٹھ گیا۔

ملا اسلم آخون

جناب[۱] نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) زندہ تھے فقہ[۲] کے نادر نادر جزئیات بہت معلوم تھے اور اکثر امرا کی مصاحبت میں رہتے تھے - اور حالات معلوم نہیں ہوئے۔

سید محمد اشرف علی

بن سید مولوی حافظ یعقوب علی بن سید مولوی عباس علی بن سید صدرالدین عرف لالہ میاں - بن سید پیر علی بن سید مبارک عرف سید سحن - بن سید بولن - بن سید داؤد - بن سید صدر جہاں۔

سید صدر جہاں کو دربار شاہی دہلی سے چودہ گاؤں نواح رام پور میں عطا ہوئے تھے - اِس جاگیر کی وجہ سے شہر رام پور کی آبادی سے پہلے رام پور میں آ گئے - موضع کمورا دھمورا جو رام پور اور بریلی کے درمیان میں دھمورا کے نام سے اسٹیشن ہے جاگیر میں تھا - انقلاب زمانہ سے یہ سب جاگیر ضبط ہو گئی - آپ کے نانا مولوی محمد اسحاق خلف مولوی محمد حسن مصنف شرح مسلم ہیں - آپ کے والد سلسلۂ چشتیہ میں صاحب ارشاد تھے اِس لئے غیر مرید کو مجلس سماع میں نہیں آنے دیتے تھے۔

سید صاحب کو آٹھ برس کی عمر میں سماع کا شوق ہوا اور اِس لئے اپنے والد سے بیعت ہو گئے - سترہ سال کی عمر میں مولانا حبیب اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے - اُن سے بیعت کا خیال ہوا ارادہ کیا کہ کل جمعہ ہے بیعت ہو جاؤں گا - شب جمعہ میں

---

[۱] فصول فیض اللہ خانی - [۲] روزنامچہ عبدالقادر خاں۔

خواب دیکھا کہ اپنے والد کے ہمراہ مولانا فخرالدین دہلوی کے مزار پر حاضر ہوں۔ فاتحہ خوانی کو ہاتھ اُٹھایا تو یہ معلوم ہوا کہ صاحب مزار نے ہاتھ پکڑ کر فرمایا میرا ہوکر غیر کے پاس جاتا ہے۔ اسوقت بحالت خواب آپ بہت شرمندہ ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے آپ سینہ سے لگا لیجیے انھوں نے سینہ سے لگایا۔ پھر آپ کی آنکھ کھل گئی اور سینہ میں ایسی تڑپ پیدا تھی کہ ایک شب و روز تڑپتے رہے۔

چالیس برس کی عمر میں آپ کے والد نے خلافت عطا کی۔ اور مجلس عام میں اپنی دستار آپ کے سر پر رکھدی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد الہ آباد میں مولوی فخرالدین عرف حکیم بادشاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلسلۂ قادریہ میں اُن سے بیعت ہوئے اور نقشبندی طریق میں بھی لطائف ستہ پر عبور کیا اور سند خلافت پائی۔ میں اپنے بچپن سے آپ سے واقف ہوں۔ نہایت کم سخن اکثر خاموش دنیا سے بیزار شہر سے تین میل کے فاصلہ پر قدم رسول کی تولیت سپرد تھی۔ نماز جمعہ کے واسطے شہر میں آتے تھے۔ بہت صابر اور شاکر تھے۔ افسوس کہ یکم صفر سنہ بارہ سو چھتیس ہجری (۱۳۳۶ھ) کو رامپور میں انتقال فرمایا۔ قدم شریف میں آبادی کے قریب مزار ہے

مولوی اشفاق احمد

بن بشیر احمد بن علی محمد بن غلام محمد قوم شیخ فضلی۔ رامپور کے ٹھوٹر محلہ میں ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۱۳ھ میں مولوی عبداللہ امرتسری سے قرآن شریف حفظ کیا۔ مدرسۂ عالیہ رامپور میں درجہ بدرجہ ترقی پاکر درجہ تکمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور سند حاصل کی۔ ادب اور حدیث شریف مولانا محمد وزیر احمد محدث رامپوری سے پڑھی۔ قوت علمی خوب ہے۔ خط نستعلیق پاکیزہ ہے۔ تھوڑا حساب بھی آتا ہے۔ متقی اور دیندار ہیں۔ خاموشی اور استقلال سے کام کرتے ہیں۔

طلبا کو کوشش سے پڑھاتے ہیں۔ مدرسۂ انوار العلوم میں عربی کے مدرس تھے۔
اب مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدرس ہیں۔

اصغر علیخاں تخلص اصغر

ولد محمد اسمٰعیل خاں۔ ساکن متصل مزار میاں نعیم شاہ صاحب رام پور میں بارہ سو پچاسی ہجری میں (سنہ ۱۲۸۵ھ) پیدا ہوے۔ اصل قوم علوی ہے آپ کے بزرگ عرب سے افغانستان آئے۔ بعہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (سنہ ۱۱۸۸ھ تا سنہ ۱۲۰۸ھ) آپ کے پردادا اخون آخوند نور خاں افغانستان سے رام پور آئے۔ اور یہاں افغانوں میں تعلقات ہوگئے۔ میں آپ سے آٹھ برس کی عمر سے واقف ہوں ایسے سعید بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی حرف فحش زبان سے نہیں نکالا۔ میرے ہاں کے مکتب میں پڑھتے تھے مطلقاً کوئی فعل خلاف تہذیب بھی سرزد نہیں ہوا مختلف اساتذہ سے درسیہ فارسی کتابیں پڑھیں سن شعور سے نماز قضا نہیں کی۔ آپ کے والد سپاہیوں میں ملازم تھے مگر کسی شخص کا احسان آپ نے نہیں لیا۔ اور نہ کبھی اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ اس زمانہ میں رام پور میں شاعری کی گرم بازاری تھی۔ اُردو نظم میں جناب امیر مینائی سے اصلاح لینے لگے کچھ دنوں امیر اللغات کے دفتر میں بھی کام کیا اور دفاتر میں بھی ملازم رہے۔ چند برس جے پور میں ملازمت کی۔ اور کبھی مال حرام تو درکنار مشتبہ مال کی طرف بھی توجہ نہیں کی۔ اب مدت سے خانہ نشین ہیں کچھ طلبا آجاتے ہیں اُن کو پڑھاتے ہیں۔ ایک وقت اپنے ہاتھ سے روٹی پکالی اور دونوں وقت کھالی۔ مولانا سید امیر بادشاہ قادری پشاوری سے خاندان قادریہ میں اجازت ہے۔ اور مولانا خلیل الرحمٰن سرسادی الچشتی نظامی جمالی سے خاندان چشتیہ میں خلافت ملی ہے۔ رجب میں تین روز تک

خواجہ غریب نواز کا عرس کرتے ہیں۔ اور ہر چھٹی تاریخ چاند کی بھی فاتحہ خواجہ صاحب کا مع قوالی کے ہوتا ہی بہت سے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ بہت سے مرید بھی ہیں۔ شاعری اُردو کا مشغلہ اب کم ہی۔ اصغر تخلص ہے۔ کبھی کبھی تسکین بھی تخلص لکھتے ہیں اس لیے کہ مرشد کا مجوزہ نام تسکین شاہ ہی۔ اصل یہ ہی کہ بحالت تجرد جس پاکبازانہ طریقہ سے آپ نے نوجوانی کو خاک میں ملایا اسکی نظیر آجکل کم ملیگی۔ کلام اُردو کا نمونہ تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خمخانۂ جاوید میں چھپ گیا ہی تمام اوقات عبادت الٰہی اور ذکر و شغل میں صرف ہوتے ہیں سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔

مولوی آصف علی

یہ دہلی[1] کے رہنے والے تھے۔ مرد دانا اور بیمثل عالم تھے۔ ساٹھ برس تک دہلی میں رہے۔ درویشوں کی خدمت سے بھی شوق تھا مولوی فخر الدین مرزا مظہر جان جاناں خواجہ میر درد وغیرہ قدس اللہ سرہم اجمعین سے صحبتیں رہیں صاحب مجمع الکرامات لکھتے ہیں کہ میرے والد غلام حسین خاں ان کی تعریفیں سنکر ملنے گئے۔ واقعی جیسا سنا تھا۔ ویسا پایا۔ درویشوں کے تذکرہ میں حافظ شاہ جمال اللہ نے اپنے پیر کا ذکر کیا۔ مولوی موصوف مشتاق ہوے۔ حافظ شاہ جمال اللہ صاحب علما کی بہت تعظیم فرماتے تھے مولوی صاحب حاضر ہوے تو حافظ صاحب نے سرو قد تعظیم کی اور معانقہ کیا۔ معانقہ کرنا تھا کہ مولوی صاحب بیہوش ہو گئے۔ سات روز تک یہی حالت اُن کی رہی۔ دہلی چھوڑکر رام پور ہی میں قیام کر دیا۔ عربی فارسی میں کمال تھا۔ عنبر[2] شاہ خاں عنبر و آشفتہ رام پوری نے آپ سے کچھ پڑھا تھا۔ یہ پتا نہیں چلا کہ انتقال کہاں ہوا۔ اور مدفن کہاں ہی۔ حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کا انتقال ۱۲۰۹ھ میں ہوا ہی۔

---

[1] مجمع الکرامات فارسی امام الدین خاں۔ [2] گنج عنبر شاہ خاں۔

ملا اعظم خاں امان زئی

انکا مفصل حال کہیں نہیں ملا۔ نہ ان کی اولاد کا پتا چلا فصول فیض اللہ خانی ورق ۳۴۹ پر درج ہے کہ جناب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر ملا صاحب کی علالت میں انکی عیادت کو تشریف لیجاتے تھے۔

پیرزادہ اعظم الدین خاں

ابن امام الدین خاں ابن جلال الدین خاں جنکے نام سے محلہ کٹرہ جلال الدین خاں مشہور ہو۔ آپ کے دادا کو جناب نواب سید علی محمد خاں بہادر نے کابل سے بلایا تھا نواب سید فیض اللہ خاں بہادر رامپور میں لائے انکے دادا کے ساتھ سید پیش امام اور خانہ زاد و ایک جماعت کثیر ولایت سے آئی تھی کٹرہ جلال الدین کی آراضی رہنے کو ملی۔ اس اراضی میں مسجد اور قبرستان اور رہنے کے لیے مکان بنایا اہل حرفہ کے لیے مکانات خس پوش بنوا دیے۔

جس قبرستان میں جلال الدین خاں کی قبر تھی وہاں صاحبزادہ کاظم علی خاں بہادر نے قبریں توڑکر حیات گنج نام کا بازار بنوایا۔ وہ بازار بھی مسمار ہوگیا اراضی فروخت ہوگئی جلال الدین خاں کی قبر آجکل کلن حلوائی کے مکان میں باقی ہے۔ دوسرا قبرستان اور بنایا جس میں اب پیرزادہ اعظم الدین خاں کا مزار ہے۔

آپکی پیدائش کا سنہ معلوم نہیں ہوا۔ ایام شباب میں نواب امیر خاں والئے ٹونک کے وہاں فوج میں بھرتی ہوئے۔ اور جمعداری کے عہدہ تک ترقی پائی۔ اُس زمانہ میں جمعدار کے پاس ہزار پانسو فوج تھی اور پوری فوج کی تنخواہ جمعدار کو ملتی تھی وہ اپنے پسند کے آدمی رکھتا تھا پیرزادہ موصوف نے فوج کے ہمراہ راجپوتانہ میں کسی چھوٹے رئیس پر شب خون مارا صبح کی نماز کے وقت دیکھا کہ ایک عورت ہمارا بھاگ کر جانا چاہتی تھی ایک فوج کے سوار نے ایسا ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گری عورت حاملہ تھی بچا پیٹ سے باہر نکل کر تڑپ رہا تھا۔ آپ اُس شخص کو گرفتار کرکے نواب امیر خاں کے سامنے لائے نواب صاحب نے سب فوج کے سامنے اُس سوار کی گردن ماردی اور عورت کے ورثا کو پانچ ہزار روپے دیئے حالانکہ نواب صاحب کا سخت حکم تھا کہ عورت اور بچوں پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے اسی شب خون کا

کارگذاری میں پیرزادہ صاحب کو رسالہ داری ملی۔ لیکن اُس عورت کا واقعہ قتل اُسوقت سے ہر لحظہ پیش نظر تھا۔ آپنے استعفا ملازمت سے دیا بہت اصرار سے قبول ہوا قلب کی کچھ ایسی حالت ہوگئی تھی کہ رام پور آتے ہی حضرت میاں امیر شاہ صاحب سے بیعت ہوگئے۔ ریاضت و مجاہدہ شروع ہوگیا فرماتے تھے کہ پیر و مرشد نے ایک سال کے چلہ کا حکم دیا مراد آباد میں رستم خاں کے قلعہ والی مسجد ویران تھی اس مسجد میں چلہ کیا۔ عبداللہ نامی ایک پیر بھائی تھا وہ ڈیڑھ چھٹانک کی جو کی روٹی اور ایک لوٹا پانی آٹھ پہر میں ایک بار دیجاتا تھا۔ اُس مسجد میں بھیڑیے کا جوڑا رہتا تھا اُسی کے بچے آپکے پاس آکر کھیلتے رہتے تھے کبھی تکلیف نہیں دی۔ سانپ جسم پر چڑھ جاتے تھے مگر ستاتے نہ تھے پیرزادہ موصوف کہتے تھے کہ ایک وزیر اللہ نامی آیا اور کہا میں نے سورۂ مزمل پڑھی تھی تین دن بیہوش رہا آپکو کھانا نہ ملا معاف کیجیے فرماتے تھے کہ کھانا اور پانی مجھے روز ملتا تھا کبھی ناغہ نہیں ہوا یہ اسرار الٰہی ہیں پورے ایک سال کا چلہ کر کے رام پور گئے حضرت میاں غلام شاہ صاحب کے انتقال کے بعد اُنکی جگہ حضرت میاں امیر شاہ صاحب سجادہ نشین ہوئے ان کے صاحبزادہ کو یہ امر ناگوار تھا اور حکم دیا کہ میاں امیر شاہ کو خانقاہ سے نکال دیا جائے۔ صاحبزادہ کے ساتھ مسلح آدمی جمع ہوگئے پیرزادہ صاحب بھی یہ سنکر اپنے دوست عزیز جمع کر کے مسلح ہوکر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے مُرشد نے فرمایا پیرزادہ میں تو اپنے مرشد کا غلام ہوں۔ مجھے سرتابی سے کیا مطلب تم اس معاملہ میں دخل نہ دو پیرزادہ صاحب نے مرشد کو اپنے مکان پر لے آئے لوگوں کے رہنے کیلیے چھپر ڈالدیئے صبح و شام حلقہ ذکر ہوتا تھا کئی سال یہی حالت رہی مرشد کے ایسے تابعدار تھے کہ اُنکے ارشاد سے اپنی بیٹی بخشی بیگم مرشد کے بھائی میاں حمید شاہ کے نکاح میں دیدی جب آپکے مرشد نے اپنا خاص مکان درست کرالیا تب آپکے مکان سے رخصت ہوئے۔ پیرزادہ صاحب کو اجازت بیعت و خلافت ۱۲۴۵ھ میں ملی تھی۔ اُنکی کچھ آمدنی کرایہ مکانات اور دکانوں کی تھی ایک آراضی نوابی میں اور ایک آراضی انگریزی عملداری میں تھی یہی وجہ معاش تھی سنا ہے متواضع اور باوقار تھے۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر نے معافی

دیناچاہی مگر قبول نہیں کی بارہ سو ترانوے ہجری (۱۲۹۳ھ) کے قریب انتقال ہوا اور اپنے خاص قبرستان میں دفن ہوئے آپکے فرزند پیرزادہ معین الدین خان پنشنر سب انسپکٹر پولیس انگریزی ہیں کبھی رشوت نہیں لی بہت خوب آدمی تھے۔ اُنکا انتقال بھی ہوگیا۔

سید اعظم علی شاہ

گنگو کے رہنے والے تھے تحصیل علوم کے لیئے رام پور آئے اور داخل خاں کے گھر میں عبداللہ خاں خٹک کی مسجد میں رہتے تھے۔ عبداللہ خاں اُن کے خبرگیراں تھے ایک مرتبہ علیل ہوئے تو حکیم بایزید نے علاج کیا[1]۔ اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔

حکیم محمد اعظم خاں

ولد حکیم شاہ اعظم خاں ملقب رضی خاں ولد اسمٰعیل خاں افغان اکوزی جس زمانہ میں جناب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر نے سرہند کی فتح کی تیاری کی اسی زمانہ میں اسمٰعیل خاں کے بیٹے محمد کاظم خاں عرف کاجو خان چار سو آدمیوں کی جمعیت سے موضع سماملک سوات سے آکر نواب صاحب کی ملازمت میں داخل ہوئے کاظم خاں ۱۱۶۲ھ میں ڈوری رسول پور کے میدان میں جو بدایوں سے جنوب مشرق کو چار میل ہے بنگش پٹھانوں کے مقابلہ میں مارے گئے اسی میدان میں انکی قبر ہے۔ ان کے مرنے کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی رضی خاں عرف روزی خاں سوات سے آئے اور بھائی کی جگہ جمعدار ہوگئے رضی خاں نے آنولہ میں ایک باغ لگایا اور مسجد پختہ بنائی تھی جو ابھی موجود ہے تقسیم روہیلکھنڈ کے بعد رضی خاں مع اپنے رسالہ کے جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کی ملازمت میں آگئے اور رام پور میں ان کو سو بیگھہ زمین موضع ٹھوٹر کی سکونت کے واسطے ملی شترخانہ کہنہ کے پاس اب تک روزی خاں کا گھیر مشہور ہے انہوں نے پختہ مکان بنایا اور ایک مسجد بھی پختہ بنائی ۱۱۷۴ھ میں احمد شاہ کی جانب سے مرہٹوں کے مقابلہ میں شریک جنگ تھے۔ رضی خاں اس لڑائی میں بہت زخمی

---

[1] نصول افضل افغانی ورق ۱۱۳۔

ہوئے تھے نواب صاحب نے خلعت کے سوا ایک ملک موضع پنیھر کٹھیرہ میں عطا کی اور
رسالہ کے لئے ریہر ٹیپا اور کاشی پور کے پرگنات نامزد کر دئے۔ سنہ ۱۲۱۱ھ میں دو جو لڑائی
لڑائی میں بھی رضی خاں شریک تھے۔ ان کے بیٹے محمد شاہ خاں اس جنگ میں
بہت زخمی ہوئے تھے۔ سنہ ۱۲۳۵ھ میں رضی خاں کا انتقال ہوا۔ رضی خاں کے
انور شاہ خاں۔ سعادت خاں۔ محمد شاہ خاں۔ شاہ ولی خاں۔ شاہ اعظم خاں۔
محمد نور خاں۔ شاہ محمد خاں۔ اور شیر محمد خاں فرزند ہوئے۔ حکیم شاہ اعظم خاں ولد
رضی خاں کی شادی صالح محمد خاں رسالہ دار کی بیٹی سے ہوئی۔ اور ان کے
بطن سے حکیم محمد اعظم خاں پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے وقت کل چودہ سال
کی عمر تھی۔ اُس وقت تک فارسی درسیات ختم کر چکے تھے۔ اب ہونہار بچہ کو
علوم و فنون عربیہ کا شوق ہوا۔ صرف و نحو و منطق مولوی عبدالرحیم خاں و لدحاجی
محمد سعید خاں سے پڑھی۔ دینیات مفتی شرف الدین رام پوری سے پڑھی۔
اس وقت تک جس قدر مشہور اساتذہ تھے اُن سے بھی فیض پایا۔ بائیس سال کی
عمر میں بارہ سو اکیاون ہجری میں (سنہ ۱۲۵۱ھ) بھوپال گئے وہاں جہانگیر محمد خاں
عرف نواب دولہا کے ہاں تیس روپیہ ماہانہ پر ملازم ہو گئے۔ نواب قدسیہ بیگم
نے جس زمانہ میں نواب دولہا کو قید کر رکھا تھا۔ حکیم صاحب ان کے علاج کے
حیلہ سے پاس رہتے تھے۔ اس قید سے بہ تبدیل لباس نواب دولہا کو حکیم صاحب نے
نکال دیا۔ اس ہنگامہ میں نواب قدسیہ بیگم نے حکیم صاحب کو نظر بند کر دیا۔ کچھ دن کے بعد
راجہ خوشوقت رائے کی کوشش سے شہر سے چلے جانے کی اجازت ملی۔ آپ وہاں سے سہور
کو نواب دولہ کے پاس چلے گئے۔ نواب دولہ نے بایماے برٹش حکام قدسیہ بیگم پر فوج کشی کی
حکیم صاحب کے سامنے یہ کل واقعات گزرے۔ بارہ سو ترپن ہجری (سنہ ۱۲۵۳ھ) مطابق
اٹھارہ سو سینتیس عیسوی (سنہ ۱۸۳۷ء) میں نواب قدسیہ بیگم معزول ہوئیں۔ نواب دولہ کو

یاست ملی۔ اسوقت نواب دولھا نے حکیم صاحب کے لئے دوسو روپیہ ماہانہ کی تنخواہ
ور ایک سو روپے ماہانہ خرچ پالکی و ہاتی کے مقرر کئے۔ اور دو گانوں موضع دہیری اور موضع
بوڑی جنکی جمع ساڑھے تین ہزار روپے سالانہ کی تھی جاگیر میں دیئے نواب دولھا کے
ایک بار درد گردہ ہوا۔ حکیم علی محمد کرانوی اور حکیم سراج الدین دہلوی کے علاج سے
آرام نہیں ہوا۔ حکیم صاحب کی تدبیر سے مرض جاتا رہا۔ نواب صاحب نے ایک دوشالہ
قیمتی ایک ہزار روپیہ کا عطا کیا اور نواب صاحب کی والدہ نے تین سو روپے دیئے اور
ریاست سے ناظم جہاں کا خطاب بھی ملا۔ نواب دولھا کے مرض موت میں دھولپور سے
حکیم وارث علی بلائے گئے۔ نواب صاحب کی بدپرہیزی کی وجہ سے وہ بغیر فیس لینے کے
بڑودہ کو اپنے بھائی حکیم کاظم علی کے پاس چلے گئے۔ ادھر ذیقعدہ کی اٹھائیسویں تاریخ
بارہ سو ساٹھ ہجری (سنہ ۱۲۶۰ھ) مطابق ۹ دسمبر ۱۸۴۴ء کو نواب دولھا کا انتقال ہوگیا۔
حکیم وارث علی خاں نے بڑودہ میں حکیم صاحب کو پانچ سو روپے ماہانہ پر بلایا۔ مگر
نواب سکندر بیگم نے نہیں جانے دیا۔ ایک بار بطریق سیر حکیم صاحب لکھنؤ گئے تھے۔
واجد علی شاہ عارضہ مراق میں مبتلا تھے سلیمن صاحب رزیڈنٹ سے اور نواب علی نقی خاں
وزیر سے ملاقات ہوئی وزیر نے دعوت کی اور خلعت دیا۔ راجہ مان سنگھ سے بھی
ملاقات ہوئی وہ چاہتے تھے اتبر کہ پرگنہ سلون کا ناظم مقرر کردیں۔ مگر حکیم صاحب نے
وہاں کی ابتریاں سلیمن صاحب کی زبانی سنکر انکار کردیا۔ واجد علی شاہ کی والدہ نے
چاہا کہ بادشاہ کا علاج کریں مگر آپ نے اُس سے گریز کی۔ نواب دولھا کے انتقال
کے بعد بھوپال میں تھوڑے دن رہکر ترک تعلق کرکے اندور چلے گئے مسٹر ہملٹن رزیڈنٹ
اندور نے آپ کو پالکی کی ڈاک پر مہیسر کو بالا نائک کے علاج کے لیے بھیجدیا۔
اس کو دق تھی۔ اس لیے آپ نے علاج نہیں کیا۔ واپس چلے آئے۔ اسی زمانہ میں
بیجا بائی نے اپنے مدار المہام داروغہ لطف علی کو بھیجکر اپنی بہن کے لئے اُجین میں بلایا۔

ڈیڑھ سو روپے تنخواہ کے مقرر ہوئے۔ حکیم غلام علی بھی اُن کے وہاں نوکر تھے تین سال
اُن کی ملازمت کی ایک وقت میں جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر
جنت آرام گاہ نے بھی معرفت مفتی شرف الدین صاحب بغرض ملازمت بلایا تھا۔
بیجا بائی کی ملازمت تک اہل و عیال حکیم صاحب کے بھوپال میں رہتے تھے۔
یہ رخصت لیکر بھوپال جاتے تھے۔ نواب غوث محمد خاں صاحب بہادر رئیس جاورہ
اور منشی شہامت علی نے لکھا کہ اندور ہوتے ہوئے جایئے۔ اس وقت یہ دونوں
صاحب اندور میں تھے۔ حکیم صاحب اندور گئے۔ مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر بہادر کو بھی
اطلاع ہوئی۔ مہاراجہ صاحب نے بخشی رام سرن اور میجر بندہ علی کی وساطت سے
اُن کو طلب کیا۔ اور ملازمت میں رکھنا چاہا۔ بیجا بائی کو خط لکھکر مہاراجہ صاحب نے
اجازت منگائی۔ مہاراجہ صاحب نے دو سو روپے تنخواہ کر کے نوکر رکھ لیا۔ اس کے بعد
ساڑھے تین سو کی تنخواہ مقرر ہوئی۔ مہاراجہ صاحب کے طبیب خاص تھے چند سال تک
صدر کوٹ کے جج بھی رہے۔ مہاراجہ صاحب معاملات میں اکثر ایسا مشورہ کرتے تھے۔
ایک بار مہاراجہ اندور نے آپ کو مہارانا سروپ سنگھ والی اودیپور کے علاج کے واسطے
بھیجا تھا۔ مگر اُن کی بد پرہیزی کی وجہ سے آپ واپس چلے آئے۔ مہاراجہ تکوجی
راؤ ہلکر بہادر اور جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کے مراسم
اتحاد زیادہ ہو جانے میں حکیم صاحب کی آمد و رفت کو بڑا دخل تھا۔ چنانچہ مہاراجہ ہلکر
۱۸۸۳ء میں مع اہل و عیال سات سو آدمیوں کے ساتھ رام پور آئے۔ نواب خلد
آشیاں بہادر نے حکیم صاحب کو رام پور میں تعمیر مکان کے لئے ایک ہزار روپے دئے
اور موضع بھوٹ میں ایک ملک لاخراجی عطا کی جو اب تک ان کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔
فن طب کی اکثر کتابیں آپ نے دیکھیں تھیں۔ ان کی وسیع النظری ان کی تالیفات
سے عیاں ہے۔ معالجات میں قدیمی ترکیبیں مد نظر رہتی تھیں۔ اخیر عمر میں نظر جاتی

ہی تھی۔ ریاست اندور نے اڑھائی سو کی پنشن مقرر کر دی۔ جو مرتے دم تک جاری رہی۔
مد افضل خاں آپ کے بیٹے آپ کے سامنے جمادی الاول کی اکیسویں تاریخ تیرہ سو چار
ہجری (۱۳۰۴ھ) کو مر گئے تھے۔ اب حکیم محمد اکمل خاں پوتے زندہ ہیں مطب بھی
رتے ہیں اور اندور میں انعام کمشنر ہیں۔
حکیم صاحب کو ابتدا میں شعر و شاعری اُردو سے بھی ذوق تھا۔ اعظم تخلص ہے اتقا اور
پرہیزگاری میں فرد تھے۔ حضرت شاہ محمد امیر شاہ صاحب رام پوری سے بیعت تھے۔
دوشنبہ کے دن محرم کی چوتھی تاریخ تیرہ سو بیس ہجری (۱۳۲۰ھ) کو اندور میں انتقال ہوا۔
اور وہیں دفن ہوئے۔ آغا سنجر ایرانی نے تاریخ کہی ہے۔ گفت مرگ خان صاحب
بوعلی سینائے ہند۔ آپ نے اندور اور رام پور ضلع مراد آباد میں معقول جائداد چھوڑی۔
آپ کی تصانیف میں سے فارسی زبان میں ذیل کی کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔
۱۔ اکسیر اعظم معالجات چار جلدوں میں۔ ۲۔ رموز اعظم معالجات میں دو جلدوں میں۔
۳۔ قرابادین اعظم مرکبات میں ایک جلد میں۔ ۴۔ نیر اعظم نبض کے بیان میں۔
۵۔ رکن اعظم بحران کے بیان میں۔ ۶۔ محیط اعظم مفردات میں چار جلدوں میں۔
حکیم صاحب لغات طبیہ کو بھی جمع کر رہے تھے جس کا نام قسطاس الاعظم ہے۔
یہ قلمی کتاب مکمل آپ کے پوتے کے پاس ہے۔ اور دو جلدوں میں ہے۔ ان کل
تصانیف کو دیکھ کر اس شخص کی وسعت معلومات اور قوت تالیفات کا پتا چلتا ہے۔
حقیقت میں متاخرین میں اس کثرت اور جامعیت کا مؤلف دوسرا نہیں ہوا۔

حکیم محمد افضل خاں

شاگرد نواب علوی خاں کے تھے۔ اور پیر مول خاں کے ملازم تھے۔ اور حال معلوم
نہیں ہوا۔ پیر مول خاں معزز سردار جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے تھے[1]۔

[1] فصول فیض اللہ خانی ورق ۳۶۲۔

حکیم مولوی افضال احمد خاں

ولد محمد سعید خاں افغان امان زئی۔ رام پور کے محلہ بذریا خانساماں میں پیدا ہوئے۔
فارسی کتابیں مولوی مقبول ولایتی۔ مولوی حسین شاہجہان۔ اور خلیفہ شیخ احمد علی
رام پوری سے پڑھیں۔ عربی کی تحصیل مدرسۂ عالیہ رام پور میں کی۔ اور کچھ کتابیں
شمس العلما مولوی عبدالحق خیرآبادی سے پڑھیں۔ طب کی ابتدائی کتابیں حکیم
عبدالرزاق خاں رام پوری سے پڑھکر دہلی گئے۔ اور حکیم محمود خاں اور حاذق الملک
حکیم عبدالمجید خاں سے طب کی تکمیل کی۔ اور سند حاصل کی کچھ انگریزی بھی حاصل
کرلی۔ ستمبر ۱۹۱۵ء تک سنٹرل انڈیا کے ضلع ساگر میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں
سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ۲۴ اگست ۱۹۲۱ء کو انتقال ہوا۔

اکبر شاہ خاں تخلص فرحت

ولد ملا[۱] ملوک۔ ملا ملوک کا گھیر مفتی شرف الدین کے گھیر کی برابر ہی یہ خاندان شجاع
بھی تھا۔ اور صاحب علم بھی تھا۔ ملا ملوک دوجوڑکی جنگ[۲] میں شریک تھے۔
اکبر شاہ خاں صاحب علم تھے حاجی گل محمد خاں سے نظم میں اصلاح لیتے تھے
آپ کا دیوان اُردو ۱۳۴ صفحہ کا کتب خانہ ریاست میں موجود ہی۔ کچھ قطعات
تاریخ بھی ہیں۔ تعمیر کوٹھی خورشید منزل کی تاریخ ہی۔

اُٹھا کر سر ہوش زانو سے کہہ
نیا اِک مُرقّع یہ تصویر کا
۱۲۱۱ھ

خورشید منزل کے سامنے والی نہر کی تاریخ ہے

بنی آگے کوٹھی دوالان کے — عجب نہر پاکیزہ نزہت سرشت
میں تاریخ اسکی جو پوچھی کہی — خرد نے کہ۔ ہی نہر نہر بہشت
۱۲۱۱ھ

[۱] انتخاب یادگار۔ [۲] جنگ نامہ خلیفہ معظم۔

تاریخ باغ بے نظیر

ہوئی تعمیر باغ نوجسدم　　　اور نام اُس کا بے نظیر رکھا
دل نے روئے حساب سے تاریخ　　　کہی مجھسے کہ بے نظیر بنا

پچہتر برس کی عمر ہوئی ذیقعدہ کی نویں تاریخ بارہ سو چونسٹھ ہجری (سنہ ۱۲۶۴ھ) کو انتقال کیا

مولوی سید اکبر شاہ

تاریخ جام جہاں نما میں انکا نام موجود ہے۔ اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۱۱ھ میں زندہ تھے۔ اور نہایت پرہیزگار تھے۔

حافظ اکرام الدین احمد تخلص ضیغم

ولد حافظ میاں قطب الدین۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ بارہ سو تین ہجری (سنہ ۱۲۰۳ھ) سال ولادت ہے۔ فارسی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ عربی کی کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ شاہ رؤف احمد رأفت کے داماد تھے۔ پہلے حشمت تخلص تھا۔ عروض۔ وقوافی وصنائع وبدائع شعری میں بے مثل تھے۔ طب انگریزی۔ یونانی۔ اور ویدک میں لاثانی تھے۔ اکثر زبانوں سے ماہر۔ بیشتر فنون میں کامل تھے مدتوں کلکتہ میں رہے۔ نظم میں میاں احمد حسین راحت۔ اور شاہ رؤف احمد رأفت سے تلمذ تھا۔ ایک مثنوی اُردو کلامائی اور کامروپ کے عشق میں لکھی تھی۔ جو چھپی نہیں ہے۔ بارہ سو چھیاسی ہجری میں (سنہ ۱۲۸۶ھ) بمقام ڈھاکہ انتقال ہوا۔ تراسی برس کی عمر پائی۔

مولوی اکبر علی خاں

ولد رحیم یار خاں اکوزی حاجی خیل خاں زادہ۔ رام پور میں محلہ پھلواڑ چوک

[1] انتخاب یادگار۔ [2] تذکرہ شمیم سخن۔

محمد سعید خاں میں پیدا ہوئے۔ کتب فارسی خلیفہ غلام محی الدین وغیرہم سے اور کتب درسیہ عربی مولوی نصر اللہ اور دیگر علمائے شہر سے پڑھیں پشتو اپنے خسر محمد شاہجہاں نشاپچی سے حاصل کی۔ یہ نشابچی بنگلہ آزاد خاں پر رہتے تھے نقشبندی طریقہ میں مرید تھے۔ اور انکا مزار محلہ پھلواڑیں میں اخون صاحب کی زیارت کے پاس ہے دینداری اور اوراد وظائف کے سخت پابند تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ پھلوار کی مسجد بالکل ویرانہ میں تھی۔ آپ کی وجہ سے رات دن وہاں آبادی رہتی تھی۔ طلبا کو پڑھاتے بھی تھے۔ فقہ میں بہت شہرت تھی۔ ہدایہ۔ شرح وقایہ۔ اور کنز پڑھاتے تھے۔ اعمال میں بہت شہرت تھی۔ اکثر حاجتمند تعویذ لیجاتے تھے۔ جن زدہ کا بھی علاج کرتے تھے۔ ان کے منجھلے بیٹے نجف علی خان مرحوم نے مجھسے بیان کیا کہ میرے بچپن میں ایک عورت جن زدہ ہمارے گھر لائی گئی۔ اور والد نے اعمال سے علاج شروع کیا۔ وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ میرے بڑے بھائی جعفر علی خاں اور میں تختی پر دوپہر کو مشق کرتے تھے۔ اور مولوی صاحب سو جاتے۔ وہ عورت ہمارے پاس بیٹھے بیٹھے اس قدر اُچک جاتی کہ اونچی دیوار پر جا بیٹھتی ہم بچے والد کو آواز دیتے اور وہ آکر اُس کو ڈانٹتے پھر وہ دیوار سے کود کر نیچے آجاتی۔ دو ایک ہفتہ میں اُس کی حالت بالکل اچھی ہوگئی اور وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور پھر کبھی اُس پر جن کا اثر نہیں ہوا۔ لیکن جس روز سے وہ عورت اچھی ہوئی ہمارے والد نے غذا برائے نام کر دی تھی اور ہر وقت اوراد میں مصروف رہتے تھے۔ دس گیارہ دن تک یہی حالت رہی۔ ایک روز اُن کو غسل کی احتیاج ہوگئی اور پھر وہ ایسے بدحواس ہوگئے کہ شب و روز پان کھاتے تھے اور جس پلنگ پر بیٹھتے اُس کی چولیں ٹوٹ جاتیں۔ اور ہمارے مکان پر کوئی آتا تو اُس پر پتھر اور اینٹیں برستی تھیں صرف والد کے ایک خادم تھے وہ آکر بازار سے کچھ لاتے اور ہم بچوں کے کھانے کا انتظام کرتے دیوا بیچ ایک

ورت تھیں وہ کھانا پکادیتی تھیں۔اِس معاملہ کی شہر میں بہت شہرت ہو گئی۔
الد نے اعمال جن بزرگ سے سیکھے تھے وہ باہر سے آئے۔تب والد کو آرام ہوا۔مگر اُس
وز سے پھر کسی جن زدہ کا علاج نہیں کیا۔
بجہ آراضی و مکانات موروثی تھے اُن کی دس روپے ماہانہ آمدنی تھی اور ریاست سے
ندرہ روپے مہینہ بوجہ اُن کے تقدس اور دینداری کے ملتا تھا۔یہی معاشس تھی۔
پاسی برس کی عمر ہوئی۔تیرہ سو دو ہجری میں (۱۳۰۲ھ) انتقال کیا۔اور اپنے
ملہ میں اخون صاحب کے مزار کے پاس دفن ہوے۔عامل بالحدیث تھے تحصیل ٹانڈہ
یاست رام پور میں اِن کی وجہ سے بنجارہ قوم میں روزہ نماز اور ترک بدعات کی خوب
شہرت ہوئی۔علمائے شہر اِن کو وہابی کہتے تھے۔مولوی جعفر علیخاں مرحوم انکے فرزند تھے۔

مولوی محمد اکرم۔تخلص اکرم

ولد مولوی محمد نور شیخ صدیقی ستر برس کی عمر ہوئی رمضان کی پہلی تاریخ بارہ سو چالیس
ہجری میں (۱۲۴۰ھ) انتقال کیا اس حساب سے پیدائش ۱۱۷۰ھ کی ہوتی ہے۔
مولوی محمد نور گوپاموی کے شاگرد تھے انتخاب یادگار میں اِن کے حال میں لکھا ہے کہ
ان کے پوتے مولوی غلام نبی سے معلوم ہوا کہ گلشن افضال ،انشائے اکرم ،مرات الرحمن
خالق باری کرم اُن کی تصنیف سے ہیں۔اُردو شاعری کا بھی شوق تھا نواب
ضابطہ خاں کی جنگ کو بھی اُردو نظم میں لکھا تھا۔کلام اُردو کا نمونہ انتخاب یادگار
(تالیف ۱۲۹۶ھ) میں ملاحظہ ہو۔خالق باری اکرم مطبوعہ مطبع جعفری لکھنوی میری
نظر سے گزری ۶۰ صفحہ کی کتاب ہے۔آغاز کتاب:-

بول اے طوطی شکر گفتار   کھول بحر خفیف میں منقار

مختلف بحروں میں لغات کو مثل خالق باری نظم کیا ہے۔اور بہت سے لغت جو عام
لغات میں بھی کم ملتے ہیں نظم کئے ہیں۔اخیر میں دوازدہ بروج کے ھندی اور عربی نام

بع سیاروں کے مقام۔ مہینوں کے فارسی ہندی۔ رومی۔ ترکی۔ عربی نام۔ چاند کا مقام
اننے کا طریقہ۔ اوزان وغیرہ لکھے ہیں۔ خود ہی اسکی تصنیف سے تاریخ کہی ہے۔ خالق باری
رم جس سے ۱۲۵۰ھ نکلتے ہیں۔ سیہ اخیر عہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کا ہے۔

مولوی الہ داد عرف شبراتی تخلص طالب

عالم باعمل تقوے اور پرہیزگاری میں ضرب المثل تھے۔ تہجد گزار شب بیدار لڑکپن میں
چیچک سے آنکھیں جاتی رہیں۔ عالم نابینائی میں سب درسیہ کتابیں پڑھیں۔ ملا حسن لکھنوی
کے شاگردوں میں نامور ہوے۔ درس میں نہایت شہرت پائی ہزاروں شاگرد ہوے۔
گلستان سخن میں حافظ طالب کے نام سے جنکا ذکر ہے وہ یہی بزرگ ہیں۔
شعروشاعری سے بھی ذوق تھا مولوی قدرت اللہ شوق سے مشورہ تھا۔ ستر برس کی عمر
ہوئی۔ بارہ سو پچھتر ہجری میں (۱۲۷۵ھ) انتیسویں شوال کو رام پور میں انتقال کیا۔
محلہ مدرسہ میں مولوی نظام الدین خاں صاحب کی کوٹھی کے سامنے مزار ہے۔ اُردو کلام کا
نمونہ انتخاب یادگار میں چھپ گیا ہے۔ آپ کا اُردو کلام نظم جس میں قصائد حمد و نعت۔ اور
عاشقانہ کلام ہے۔ کتب خانۂ ریاست میں قلمی نسخہ ۱۰۴ صفحہ کا موجود ہے۔

حکیم حافظ الہ داد

شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے۔ نواب سید سعد اللہ خاں صاحب بہادر متوفی ۱۱۸۱ھ
کی بیگم صاحبہ کے پاس ملازم تھے۔ بازخاں نبیرۂ نواب دوندیخاں کی لڑکی کا بھی
علاج کیا تھا[1]۔ اور حال معلوم نہیں ہوا۔

مولوی حکیم سید محمد الیاس

ولد سید مولوی ولایت علی۔ ولد مولوی سید بہادر علی ابن مولوی سید جمال علی حضرت
امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے رام پور میں راج دوارہ کے محلہ میں اپنے نانا

[1] فصول فیض اللہ خانی ورق ۱۰۳۔

سید کاظم علی عرف قاضی میاں ولد سید نور شاہ صاحب کے گھر میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں اپنے والد کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں چند پارہ قرآن شریف کے حفظ کئے اور مسائل ضروریہ صوم و صلوٰۃ سیکھنے کے بعد بارہ سال کی عمر میں آپ کے بڑے ماموں حکیم سید محمد یحییٰ عرف منا میاں صاحب نے اپنے مطلب میں بٹھا کر مریضوں کو دکھانا اور امراض کے نام بتانا شروع کئے۔ دوسرے وقت چھوٹے ماموں مولوی حکیم سید عبد الحی صاحب سے فارسی پڑھنا شروع کی۔ فارسی کی معمولی نوشت و خواند کے بعد ادویہ مفردہ کی ماہیت مزاج اور افعال و خواص حفظ کرنا شروع کیے اور میزان الطب فارسی پڑھی۔ دیگر اوقات میں اپنے چھوٹے ماموں سے عربی صرف نحو شروع کر دی۔ صرف و نحو میں استعداد پیدا کر کے مدرسۂ عالیہ رام پور میں مولوی ہدایت علی مرحوم بریلوی۔ مولوی محمد طیب مکی۔ مولوی سیف الدین مرحوم کابلی۔ مولوی ناظر الدین۔ مولوی مجاہد الدین بنگالی۔ مولوی اسمٰعیل مرحوم ولایتی سے کتابیں پڑھیں۔ خارج اوقات مدرسۂ عالیہ سے مولوی حکیم عبید اللہ خاں مرحوم۔ مولوی عبد اللہ خاں خانپوری۔ مولوی گوہر علی مرحوم اور مولوی حکیم عبد الرزاق خاں مرحوم سے پڑھتے تھے۔ مدرسۂ عالیہ سے سند لینے کے بعد حکیم سید محمد یحییٰ عرف منا میاں سے طب کی تکمیل کی اور سنہ ۱۳۱۵ھ میں سند حاصل کی۔ اپنے مکان پر مطب کرتے ہیں سنہ ۱۳۱۹ھ سے اطبائے سرکار میں ملازم ہیں۔ نہایت نیک مزاج اور خلیق ہیں۔ مطب اور ملازمت کے علاوہ انگریزی علاقہ میں کچھ حقیت زمینداری بھی ہے۔

فن طب میں آپکی تصنیف سے فوائد حامدیہ۔ گلدستۂ حامدیہ۔ ہدیۂ حامدیہ اردو میں اور ایک رسالہ مختصر دربحث امراض متضادہ فارسی میں موجود ہے۔ کوئی کتاب چھپی نہیں ہے۔

مولوی امداد حسین خاں

ولد محمد نعیم خاں قوم افغان محلہ پیپل ٹولہ کے متصل سنہ ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے

کتب فارسی مولوی حسن شاہ خاں سے اور علوم عربیہ مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں اور دیگر اساتذہ رام پور سے حاصل کئے۔ حدیث میاں سید حسین شاہ محدث سے پڑھی تکمیل علوم کے ساتھ خود بھی پڑھاتے تھے شاگردوں میں بہت سے طلبا تھے اُن میں سے مولوی الٰہی بخش ساکن ٹھاکر دوارہ۔ مولوی محمد حسین پنجابی۔ مولوی شفیق الرحمٰن خاں منشی حبیب الرحمٰن خاں محمد نظیر مراد آبادی محمد جان خاں برادر حکیم احمد یار خاں وغیرہ مشہور ہیں مدرسۂ عالیہ میں ملازم تھے۔ اُن کے اُستاد اور ہم سبق جماعت کے طلبا ہمیشہ ان کے ذہن کی تعریف کرتے تھے۔ نہایت پرہیزگار۔ اور منکسر المزاج تھے۔ عین جوانی میں بتیس سال کی عمر میں ربیع الاول کی اکیسویں تاریخ تیرہ سو چار ہجری (۱۳۰۴ھ) کو انتقال کیا۔ خادی خاں شہید کی مسجد کے متصل قبرستان میں دفن ہوئے۔ ایک ناخواندہ لڑکا یادگار رہا۔

مولوی امام بخش

مولوی عبدالقادر خاں نے ان کو ہندوستانی علما میں اپنے روزنامچہ میں لکھا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ کتب معقول میں خوب دستگاہ تھی۔ مولانا رستم علی صاحب سے میں نے اِن کی مدح سنی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں صدی ہجری کے اخیر میں ہوں گے۔

حکیم محمد امان

یہ صاحب بندہ علی خاں ولد محمد سعید خاں سیف الدین خاں رسالدار کے بھانجے کے معالج تھے۔ جس زمانہ میں وہ درد سر میں مبتلا تھے اُس سال ہوا متعفن ہو کر یہ مرض پیدا ہو گیا تھا اور سیف الدین خاں بہادر کے بھائی محمد حیات خاں کا معالجہ بھی کیا کرتے تھے۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں تھے۔ اور حال معلوم نہیں ہوا۔

ملا اخوند امام الدین

اخوند ملا فقیر صاحب کے مرید تھے۔ طلبا کو فقہ پڑھاتے تھے۔ اور ذکر و شغل میں مشغول

سلہ فصول فیض اللہ خانی قلمی درمیان امراحق راس۔ ورق ۱۰۷۔

رہتے تھے۔ مخلوق کی فائدہ رسانی کا بہت خیال تھا لوگوں سے پرانی ٹوٹی چھتریاں لیکر
اُن کی مرمت کرتے تھے۔ اور گرمیوں میں ننگے پاؤں پھرنے والوں کو دیدیتے تھے۔
صاحب تذکرہ فارسی انوارالعارفین نے ان سے فیض باطنی حاصل کیا تھا۔[1]

امام الدین خاں تخلص آوارہ وامام

خلف غلام حسین خاں بن مولوی غلام جیلانی خاں مرحوم۔ رام پور کے باشندے ہمیشہ
معزز رہے۔ محلہ دو محلہ انھیں کے خاندان کی یادگار ہے کتاب مجمع الکرامات اپنی تصنیف
فارسی میں اپنا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔ مولوی غلام جیلانی خاں قوم افغان
میں یوسف زئی تھے مصطفیٰ آباد عرف رام پور سے کا لپانی و ہمنتور تک سب پر
ظاہر ہے کہ یہ شخص نسل یوسف کا نام روشن کرنے والا تھا۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں
منصب سہ ہزاری پایا۔ انقلاب سلطنت کے بعد بھی دیگر امرا کی طرح یہی شان و شوکت رہی
اخیر عمر میں مصاحب اور وزیر جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے ہوئے۔
جو گویا عالمگیر ثانی تھے۔ اور انھیں کے قدموں میں انتقال کیا۔ اب میں اپنے احوال سراپا
خجلت و انفعال میں چند کلمہ لکھتا ہوں۔ میرے چچا اور والد کے حال پر شاہ درگاہی صاحب
کی بہت عنایت تھی۔ گو میرے والد پیر بھائی تھے۔ اُن کی عنایت کا یہ اثر تھا کہ مجھ میں
مادر زاد جذبۂ الٰہی تھا۔ میں چالیس روز کا بھی نہ ہوا تھا کہ میرے اعضا میں لرزہ پیدا
ہو جاتا تھا۔ لوگوں کو سایہ زدگی کا گمان تھا۔ مگر جب شاہ درگاہی صاحب کو معلوم ہوا
تو آپ نے سب کی تسکین فرمائی مجھ میں گویائی کی قوت آئی تو میرے والد نے حضرت
حافظ شاہ جمال اللہ سے تبرکاً بسم اللہ پڑھوائی۔ اور آپ نے تقریباً ایک ساعت تک
میرے سر اور سینہ پر ہاتھ پھیرا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اُسکا یہ اثر ہوا کہ بغیر تاکید آبا و اجداد کے
چند روز میں قرآن حفظ کر لیا۔ اور اسقدر جلد کہ روزانہ ایک ڈیڑھ پارہ حفظ ہو جاتا تھا اور

---

[1] انوارالعارفین فارسی مولوی محمد حسین مراد آبادی۔

ادائے حروف میں میری شہرت تھی طبیعت میں یہ جولانی تھی کہ اگر لہو ولعب کی طرف متوجہ نہ ہوتا تو عالم متبحر ہو جاتا۔ چنانچہ اکثر لوگوں نے میرا امتحان لیا کہ ناخواندہ کتاب کا ایک صفحہ مجھے دکھا دیا۔ دوبارہ میں اُس کو ویسا ہی پڑھ دیتا تھا۔ حفظ قرآن سے پہلے پارۂ عم جب ناظرہ پڑھتا تھا شاہ درگاہی میرے گھر آتے تو مجھسے وہ سورتیں پڑھواتے اور تحسین فرماتے اور بطریق تحفہ خود چیزیں لاتے اور مجھے دیتے تھے۔ غرضکہ حضرت کی عنایت کی کوئی حد نہ تھی ایک روز اپنے منھ سے پان نکال کر مجھے کھلایا اُسکی برکت سے میری گویائی ایسی ہوگئی کہ بچپن میں شجرۂ قادریہ کو جسکا پہلا شعر یہ۔

شاہ درگاہی سا جنکا پیر ہو　　　　وہ بھلا کس بات سے دلگیر ہو

نظم کر کے پیش کیا بہت پسند فرمایا۔ اس کے بعد شاعری کا شوق روز بروز بڑھنے لگا۔ شاہ صاحب نوشت وخواند کی تاکید فرماتے تھے۔ مگر بمقتضائے شباب میں تساہل کرتا تھا۔ اسی عہد شباب میں نواب ٹونک امیرالدولہ محمد امیر خاں بہادر کے لشکر میں نوکری کرلی۔ میں وہیں تھا کہ شاہ درگاہی کے انتقال کی خبر سنی۔ اب سفر سے واپس ہوا تو سن تمیز آیا تو حضرت کے تصور سے قائم اُٹھاتا تھا۔ مگر وہ بات کہاں سفر سے پہلے جو شاعر منشی تھے از سر نو اُسکی یاد آئی اُردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر گوئی کی قدرت پیدا ہوگئی۔ سب سے پہلا شعر حسب حال لکھا۔

نقش نازِ تو بجز حسرت دل دیگر نیست　　　　گرچہ تصویر رخت بر سرِ زانو پیدا است

تھوڑے دنوں کے بعد عربی۔ اور پشتو زبان پر بھی دستگاہ ہوگئی ملازمت کی وجہ سے فرصت کم تھی۔ تاہم دو برس کے عرصہ میں دو جلدیں دیوان فارسی کی اور تین مثنویاں اُردو فارسی میں لکھیں۔ اب طبیعت کی جولانی زیادہ دیکھی کہ اُن پانچوں تصانیف کو جن میں بیس ہزار کے قریب شعر تھے ردی کر دیا۔ اور از سر نو دیوان مرتب کرنے لگا اُردو میں ابتدا سے انور تخلص تھا۔ وہی قائم رکھا۔ فارسی میں امام تخلص اختیار کیا۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ شاہ صاحب کو بعض میرے شعر پسند آئے۔ شاہ صاحب کی توجہ سے پھر مجھے تصوف کا شوق پیدا ہوا۔ اب شوق ہے تو مطالعہ کتب تصوف کا ہے۔ اور اگر کوئی ہوس ہے تو مجمع الکرامات کی تصنیف ہے۔ ورنہ پہلے یہ خیال تھا کہ دو دیوان مع تین مثنویاں فارسی ہیں۔ اور ایسی ہی پانچ تصنیفیں اُردو ہیں اور ایک دیوان پشتو لکھا جاے۔
اب میں اپنے نسب نامہ کو لکھتا ہوں۔ یہ نسب نامہ میری پیدایش سے پہلے میرے جدامجد نے ضیاء الدین جبرتے سے نظم کرایا تھا۔ میں تھوڑی ترمیم کے ساتھ لکھتا ہوں۔

بعد حمد خدا و نعت رسولؐ — میکنم نظم شجرۂ مقبول
اصلہا ثابتہ بقول درست — فرعہا فی السماء باید جست
چونکہ یوسف زی ست حزب غفیر — طبعتہ میکنم از و تحریر
تا ہمہ آوریم در خامہ — آنکہ مارا بود نسب نامہ
تا کہ ہر کس ز ما نسب داند — ہم با ولاد ما سند ماند
اولین ہمہ امام الدین — بندۂ آل آں رسول امین
کہ بود والدش بدیں مفہوم — بغلام حسین خاں موسوم
نام فرجام والدش خوانی — مولوی غلام جیلانی
والد آں امیر عالیجاہ — خان لقمان عارف باللہ
خان داؤد ہست بعد ازاں — پدرش را بجواں تو ہانڈ خاں
خان پانڈو شنیدہ ام کہ بذات — مادرش بود گوہر سادات
سید قاسم مبارک پئے — داد دختے بعقد والد وے
آنچہ مدہوزہ ساختہ مرقوم — با تو گویم تا کنی معلوم
یعنی سید علی مطلب زماں — دادہ بکر دختر سے بہ شیرو خاں
الغرض اینکہ شد بہرو صفات — خان پانڈو نبیرۂ سادات

بعد ازاں خان شیر وافغاں را	بر ستانم حسن علی خاں را
والد او ست خان نرگیں خاں	اسم او را بکاف تازی خواں
او ز بہرام خان موصوف ست	او ز معروف خان معروف ست
پدر او ست خان ابراہیم	برکا والد شش بطبع سلیم
برکا خان ست ابن دولت خاں	پس علی خاں تو والدش برخواں
بعد ازاں یوسف ست خان کریم	خلف الصدق خان ابراہیم
نام او از طفولیت ہمہ کس	بہ مدے خاں بخوانند ی بس
پس مدی خاں بخوان تو... [1]	کند خان بعد ازاں ست والد وے
ند خاں ست ابن خیر الدین	سر ابن خاں بداں تو بعد ازیں
پس بگویم کہ جد ایں ہر کس	قیس عبد الرشید باشد و بس
آمدہ ہر یکے بدیں اوصاف	پشت در پشت خویشتن اشراف
پس تو عبرت بکن بقول امام	بر درود و صلوٰۃ ختم کلام

خود اپنا حال اسی قدر لکھا ہے۔ مجمع الکرامات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر بار بھی تھا۔ شب و روز یاد الٰہی میں بسر کرتے تھے۔ پینسٹھ برس کی عمر میں ربیع الآخر کی بارھویں تاریخ بارہ سو اُنسٹھ ہجری (۱۲۵۹ھ) کو انتقال کیا۔ حافظ شاہ جمال اللہ کے مزار کے احاطہ میں جانب گوشہ مشرق و شمال کھنی کے درخت کے نیچے مزار ہے۔

مجمع الکرامات میرے پاس موجود ہے۔ طبع نہیں ہوئی ہے۔ اول حصہ میں حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کے اور دوسرے حصہ میں شاہ درگاہی صاحب کے حالات اور کرامات کا بیان ہے۔ اور دونوں بزرگوں کے متعلق مدحیہ اشعار اُردو فارسی کے ہیں۔ آخر میں اپنا حال لکھا ہے۔ ختم کتاب پر لکھا ہے۔ تمام شد۔ باب سوم۔ معلوم نہیں ۔

[1] یہ جگہ کرم خوردہ ہے۔

اب چہارم لکھا یا نہیں لکھا۔ قطعۂ تاریخ ختم کتاب یہ ہی۔

سال ایں نسخہ راہمیں جستند ۔۔۔ قمر و آفتاب تا مریخ
پس ز لوح و قلم فرو خواندند ۔۔۔ فیض درگاہ قطب در تاریخ

فیض درگاہ قطب کے بارہ سو اکتیس عدد (۱۲۳۱ھ) ہوتے ہیں کتاب نہایت بخط نستعلیق اور غلط لکھی ہوئی ہی۔ تقطیع ورق ۸ ½ × ۱۵ انچ ہے۔ تقطیع تحریر ۵ ½ × ۱۲ انچ ہی۔ ۲۵۲ صفحہ ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں۔ شروع کتاب اس طرح ہی۔

کراستہائے فیاضے راکہ بخش ہر یک بدرگاہ ولائش بید ست ریخ مہیا است۔

امانت خاں

استاد فقیر محمد خاں مرحوم نامی پھکیت داروغہ ڈیوڑھیات ریاست امانت خاں کے مرید تھے وہ کہتے تھے کہ شاہ آباد دروازہ کے قریب کمال زیون کے محلہ میں مکان تھا۔ قوم کے کمال زئی تھے تعلیم کی اور حالت معلوم نہوئی۔ خط نسخ میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے۔ اور اُس کی اُجرت میں سے بقدر سد رمق رکھ لیتے تھے۔ باقی خیرات کر دیتے تھے۔ انتقال ۱۸۵۸ء سے کچھ پہلے ہوا ہی۔ محلہ جھنڈے بڑے پیر صاحب پر مسجد کے متصل دفن ہوئے تھے۔ خام قبر تھی۔ جسکو کوئی اب پہچانتا بھی نہیں ہی۔ اور صاحبزادہ ضابطہ خاں سے بیعت سلسلۂ قادری میں تھے۔ جنکا مزار بھٹ پورہ میں ہی۔

ملا امان اللہ

پشاور کے نواح کے رہنے والے تھے۔ قوم محمد زئی۔ بہت اچھے فقیہ تھے۔ فقہ ملا غفران اور مفتی شرف الدین سے پڑھی۔ تادم مرگ فقہ پڑھاتے رہے۔ مولانا جمال الدین صاحب مرحوم کے مرید تھے۔ عمر بھر کوئی امر خلاف شرع سرزد نہیں ہوا۔ بارہ سو اکیاسی ہجری کے کچھ بعد انتقال ہوا۔ اور مولانا جمال الدین صاحب کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے۔

مولوی امداد حسین مجذوی

مولوی ارشاد حسین صاحب کے برادر کلاں رام پور میں ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ کل علوم اپنے بھائی سے پڑھے۔ شوق کسب سلوک کا ہوا تو حضرت شاہ ولی النبی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ کچھ دنوں ملازم صحبت میں رہے۔ پھر اپنے چھوٹے بھائی مولوی ارشاد حسین قدس سرہ کی صحبت میں سلوک طے کر کے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ نہایت۔ عابد۔ زاہد۔ دیندار تھے۔ دوست پروری کی کوئی انتہا نہ تھی۔ امر معروف اور نہی منکر میں ہمیشہ ساعی رہتے تھے مولانا ارشاد حسین صاحب کے انتقال کے بعد اُن کی جگہ وعظ فرماتے تھے صفر کی ستائیسویں تاریخ تیرہ سو بارہ ہجری (۱۳۱۲ھ) کو انتقال فرمایا۔ اور اپنے بھائی کے قبہ کے متصل جانب شرق دفن ہوئے۔

میاں محمد امیر شاہ

آپ رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت ملا فقیر اخوند قدس سرہ کے مزار کے متصل محلہ میں ہوئی۔ جوان ہو کر کسب علوم وفنون عربی وفارسی کیا۔ میاں غلام شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوئے۔ آپ کے کمالات رام پور میں مشہور ہیں۔ ایسی محنت و مجاہدہ کے لوگ کم ہوتے ہیں پہلے اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ میں رہے۔ پھر مرشد زادہ نے وہاں نہ رہنے دیا۔ تو مدت تک اپنے مرید اور خلیفہ پیرزادہ اعظم الدین کے مکان پر کٹرہ جلال الدین خاں میں مقیم رہے۔ نہایت با اثر اور خدا پرست درویش تھے۔ بہت سے لوگ مرید ہوئے اکثر کو خلافت ملی۔ راقم مؤلف بھی اپنی گیارہ برس کی عمر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اُس وقت آپ بہت ضعیف تھے۔ راقم کے والد آپ کے خلیفہ تھے۔ ان کو سند خلافت کے ساتھ عمامہ۔ خرقہ، کلاہ عطا فرمائی۔ اور اپنے دست مبارک کی لکھی ہوئی کتاب تعلیم الخواص عطا کی یہ تبرکات موجود ہیں۔ فقیر کے والد کو اپنے مزار کی تولیت بھی سپرد کی والد مرحوم کے بعد برادر اکبر راقم محمد حشمت علی خاں متولی تھے۔ صفر کی تیئیسویں تاریخ بارہ سو نوے

ہجری کو انتقال فرمایا۔ راقم کے والد اور محمد اعظم خاں نے پختہ مزار بنوایا عرس کا اہتمام والد مرحوم فرماتے تھے اب حضرت کے صاحبزادہ میاں وجیہ الدین انتظام کرتے ہیں۔

آپ کی تصانیف سے رسالہ کشفیہ بزبان فارسی ہے۔ یہ چھپن صفحہ کا قلمی رسالہ کتب خانہ ریاست رام پور میں موجود ہے۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ شوال کی انتیسویں تاریخ جمعہ کے دن بارہ سو سینتالیس ہجری میں میں نے چالیس روز کا چلہ کیا اس چلہ کشی میں بوسیلۂ مرشد حضرت غلام حسن شاہ سے جو حالات مجھے منکشف ہوئے ان کو درج کرتا ہوں۔

دعوت دعاے سیفی۔ بزبان فارسی۔ یہ نہایت مختصر تیس صفحہ کا قلمی رسالہ ہے۔ اس کا نام دستور العمل ہے۔ چار فصل اور ایک خاتمہ مشتمل ہے۔

خاتمہ میں لکھا ہے کہ شاہ غلام حسین شاہ قدس سرہٗ نے مجھے دعوت سیع میں جو تعلیم فرمایا ہے۔ اکثر حصہ اس میں لکھ دیا ہے۔

تعلیم الخواص فارسی تاریخی نام ہے۔ جس سے ۱۲۶۸ھ نکلتے ہیں۔ یہ ضخیم کتاب ایک ہزار صفحہ کی ہے اپنے طریقہ کی کوئی تعلیم باقی نہیں چھوڑی ہے۔

منشی امیر احمد مینائی تخلص امیر

خلف اصغر مولوی کرم محمد مینائی ۱۶ شعبان ۱۲۴۴ھ کو نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ مینا صاحب کی اولاد سے ہیں۔ فرنگی محل میں اکتساب علوم فارسی و عربی کیا۔ علوم مروجہ کے علاوہ نجوم اور جفر میں بھی دستگاہ تھی۔ شاعری اور سخنوری کا شوق ہوا تو مظفر علی خاں اسیر سے استفادہ کیا۔ اور درجہ بلند پایا۔ کہ اُستاد بھی معترف تھے۔ ابتدا ہی سے فضل و علم اور سخنگوئی کی شہرت تھی۔ اسی کی بدولت ۱۲۶۹ھ میں واجد علی شاہ کے دربار میں داخل ہوئے۔ ارشاد السلطان و ہدایۃ السلطان دو کتابیں تصنیف کیں ۱۲۷۳ھ میں غدر نے لکھنؤ کو اُلٹ دیا۔ صاحبان فضل و کمال کا

شیرازہ ٹوٹ گیا ۱۲۷۰ھ میں جناب نواب فردوس مکان نے رام پور میں طلب فرمایا۔ عدالت دیوانی کے مفتی مقرر ہوئے۔ جناب نواب خلد آشیان نے آپ سے سخن گوئی میں مشورہ شروع کیا۔ اُستاد کے لقب سے عزت فراواں حاصل کی۔ اس وقت سے رام پور ہی گویا مسکن ہو گیا۔ رہنے کو سرکاری مکان ملا چنانچہ ان کی اولاد اب اُن مکانوں پر قابض ہے۔ طریقہ صابریہ چشتیہ میں حضرت میاں امیر شاہ صاحب مغفور سے خلافت پائی۔ سوائے عبادت اور سخن گوئی کے کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ فرشتہ سیرت اور ملائک صورت۔ دوست نواز غریب پرور سب صفتیں جمع تھیں۔ اس تمام عمر میں سب دوست ہی رہے کسی کو ان کی طرف دشمنی اور عداوت کا خیال نہیں ہوا۔ فن کے حاسدوں کا ذکر نہیں ہے ایک دیوان غدر ۱۸۵۷ء سے قبل مرتب ہو چکا تھا وہ اُس ہنگامہ میں ضائع ہو گیا۔ بعد کا کلام سب محفوظ ہے جناب نواب خلد آشیاں کے اخیر عہد میں امیر اللغات کو شروع کیا اور جناب نواب عرش آشیاں کے عہد تک سلسلہ اُس کا قائم رہا۔ الف ممدودہ اور الف مقصورہ کی صرف دو جلدیں شائع ہوئی تھیں کہ آپ ۱۳۱۸ھ میں جمادی الاول کی دسویں تاریخ حیدر آباد دکن کو تشریف لے گئے حیدر آباد پہونچے۔ اُمرائے شہر نے بڑی دھوم سے استقبال کیا۔ لیکن وہاں جاتے ہی علالت شروع ہوئی۔ ۱۹۔ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو حیدر آباد میں انتقال فرمایا۔ شاہ یوسف حسین اور شاہ شریف کے احاطہ مزار میں دفن ہوئے۔

فرزند اکبر جناب منشی محمد احمد صاحب مینائی۔ اعلیٰ حضرت جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام ملکہ کے اُستاد رام پور میں معزز اہلکار ہیں۔ فرزند دوم منشی خورشید احمد و فرزند سوم منشی ممتاز احمد ریاست میں ملازم ہیں۔ منشی لطیف احمد اختر فرزند چہارم حیدر آباد دکن میں اور منشی مسعود احمد فرزند پنجم انگریزی عملداری میں ملازم ہیں۔ آپکی تصانیف سے دیوان مرآۃ الغیب۔ دیوان صنم خانۂ عشق۔ گوہر انتخاب۔ جوہر انتخاب مضامین دل آشوب۔ مجموعۂ واسوخت۔ انتخاب یادگار (۱۲۹۰ھ) طبع ہو چکے ہیں محامد خاتم النبیین

لغتہا فارسی چھپا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ محامد خاتم النبیین مطبوعہ۔ مثنوی ابر کرم مطبوعہ۔ مثنوی نور تجلی مطبوعہ۔ لیلۃ القدر مطبوعہ۔ صبح ازل مطبوعہ۔ شام ابد مطبوعہ۔ ذکر شاہ انبیا مطبوعہ ہیں۔ دیوان فارسی مع قصائد و غزل و مخمس و رباعیات۔ معیار الاغلاط متعلق لغات مشہورہ۔ مثنوی بجواب مثنوی میر حسن۔ دیوان قصاید و ترجیعات ہدیۂ دو قلمی ہیں۔

شاہ امین الدین

لکھنؤ کے رہنے والے قوم کے سید۔ نہایت برگزیدہ اور نقشبندی طریقہ کے صاحب اجازت تھے۔ اوقات شبانروزی ذکر و شغل میں بسر کرتے تھے۔ بعہد جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں رام پور آئے۔ ریاست سے بلا خدمت پندرہ روپے ماہانہ مقرر تھے کسی سے تعلق نہ تھا۔ جمادی الاخری کی تیئیسویں تاریخ تیرہ سو بارہ ہجری (۱۳۱۲ھ) کو رام پور میں انتقال ہوا اور دائم خاں صاحب کے مقبرہ کے چبوترہ کے پاس دفن ہوئے۔ آپ کے فرزند سید ابراہیم وارثی تھے۔ جنکا انتقال رام پور میں ہوا شاہ صاحب کی بیوی حیات ہیں۔ اور ریاست سے وظیفہ ملتا ہے۔

منشی امیر اللہ تسلیم

ولد مولوی شیخ عبد الصمد ولد مولوی شیخ امان اللہ ولد شیخ نعیم اللہ۔ آپ کے پردادا کو محمد شاہ بادشاہ دہلی نے مقام نوراہی پرگنہ منگلسی ضلع فیض آباد میں قاضی مقرر کیا۔ حسن پور اور پہاڑا پور دو گانوں جاگیر میں ملے۔ اس کے علاوہ خود بھی جاگیر خریدی۔ علم و فضل میں یہ خاندان مشہور تھا مولوی عبد الصمد صاحب محمد علی شاہ والی لکھنؤ کے عہد میں تمندار ہوئے ۱۸۴۱ء میں زر غام علی ساکن بدوی سرائے پر سرکاری روپیہ تھا۔ مولوی عبد الصمد نے اسکو بوجہ ارتباط ایک مہینے کی ادائی کے وعدہ پر چھوڑ دیا۔ اس نے ایک پیسا نہیں دیا۔ مولوی صاحب نے جاگیر رہن کرکے بارہ ہزار روپیہ ادا کیا اور یہیں سے افلاس کی ابتدا ہوئی۔

میاں تسلیم ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ بزرگوں نے اور نام رکھا تھا۔ کسی درویش نے امیراللہ نام رکھدیا۔ وہی مشہور ہوگیا۔ جوان ہوکر تحصیل علوم و فنون میں مصروف ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں یہ بھی پلٹن شاہی میں ملازم ہوگئے لیکن تعلیم جاری رکھی اور خود بھی پڑھاتے تھے اسی پلٹن میں کوئی صاحب وارث علی نامی صاحب سخن تھے۔ یہ بھی اُن کے پاس کی نشست و برخاست کی بدولت شاعری پر متوجہ ہوئے۔ جو کچھ لکھتے میاں وارث علی کو سُناتے اور کسی کو خبر نہ تھی ۱۸۳۸ء میں نکاح ہوا۔ آپ کی شادی سے دو تین سال بعد ہی والد کا انتقال ہوگیا۔ بخشی فوج لالہ پیتمبر داس کے بیٹے لوچن لعل کو آپ کے والد نے پڑھایا تھا۔ اس لئے وہ تسلیم کا بہت ادب کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً مالی امداد بھی دیتے تھے۔ لکھنؤ میں مصطفیٰ خاں کے مطبع میں کاپی نویسی کرکے بھی کچھ پیدا کر لیتے تھے۔ اِسی مطبع کے کام کی بدولت نسیم سے ملاقات ہوئی اور آپ نے اُن کی شاگردی کلام نظم میں اختیار کی۔ لکھنؤ کی اِس عیش و اطمینان کی حالت میں آپ کی پلٹن کو حکم ہوا کہ کاندو کے نالہ پر جاوے اور راہ کی حفاظت کرے تسلیم کو بھی وہاں جانا پڑا۔ ایک روز سپاہیوں کو غافل پاکر محمد حسین نامی بدمعاش نے سرکاری ڈاک اُس راہ میں لوٹ لی سلیمان صاحب نے بادشاہ سے شکایت کی یہ پلٹن کی پلٹن موقوف ہوگئی۔ اِس پریشانی میں بخشی لوچن لال نے آپ کو گھر سے بلاکر اپنی جیب خاص سے وہی تنخواہ کردی جو شاہی دربار سے ملتی تھی۔ مگر آپ عرضیاں دربار میں پیش کرتے رہے۔ آخر کار واجد علی شاہ نے تیس روپیہ ماہانہ مقرر کردیا اور پھر اطمینان سے زندگی بسر ہونے لگی ۱۸۴۶ء میں تحمل حسین نامی آپ کے فرزند پیدا ہوا جو لفضلہ تعالیٰ ابھی تک زندہ ہے۔ واجد علی شاہ کی انتزاع حکومت کے بعد پھر بیکار ہوگئے اُسوقت بخشی لوچن لال نے دس روپے مقرر کردئے۔ اور بیس روپے مصطفیٰ کے مطبع میں کاپی نویسی کے ملنے لگے ۱۸۵۷ء میں لکھنو پر غدر کی تباہی آئی۔ بڑے بڑے عہدہ دار بلائے گئے۔ تسلیم کو بھی

یٰسین خاں کی کمپنی میں ٹمک الاؤنس دار بنا دیا۔ جب ہنگامہ فرو ہوا تو شہر میں بھاگڑ پڑی رام پور کے یعقوب خاں نامی ایک جوان حیدری پلٹن میں ملازم تھے آپ انکے ساتھ رام پور چلے آئے۔ یعقوب خاں نے تو یہاں خبر نہ لی۔ مگر اور زمین آفت زدہ لکھنؤ کے یہاں مل گئے وہ کسی مسجد میں مقیم تھے اِن کو بھی وہاں لے گئے۔ محلے سے روٹی آتی تھی سب بانٹ کر کھا لیتے تھے منشی نہال الدین منصرم پرسٹ کو بچوں کی تعلیم کے واسطے معلم کی ضرورت تھی۔ انکے ہاں نوکر ہو گئے۔ اور مسجد سے اب مکان میں منتقل ہو گئے شاعروں کی بدولت رام پور میں کلام کا چرچا ہوا قصیدہ کے ذریعہ سے جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کے دربار ولیعہدی میں باریاب ہوئے۔ غدر فرو ہونے کے بعد منشی نوچن لال نے پچیس روپے زادِ راہ بھیجکر لکھنؤ بلایا۔ وہاں مطبع نولکشور میں کاپی نویسی شروع کی۔ نواب خلد آشیاں نے مسند نشین ہو کر ذریعہ جناب منشی امیر احمد صاحب یاد فرمایا۔ تیس روپیہ مقرر ہوئے۔ جنوری کی بیسویں تاریخ ۱۸۸۰ء کو ناظر عدالت مقرر ہوئے ۲۱۔ جون ۱۸۸۳ء کو عدالت فوجداری میں پیشکاری پر ترقی ہوئی۔ کچھ دنوں آپ نے کوشش کر کے پھر نظارت پر تبدیلی کرا لی۔ نواب خلد آشیاں کے انتقال کے بعد جنرل اعظم الدین خاں نے فوجداری کا معائنہ کیا۔ ۱۶۔ دسمبر ۱۸۸۶ء کو حکم ہوا کہ تسلیم وردی پہنکر عدالت میں آیا کریں ورنہ برخاست۔ آپ نے وردی سے انکار کر دیا۔ ۱۵ فروری ۱۸۸۷ء سے پروانہ نویسوں کے آپ نگراں مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں سررشتہ تعلیم میں تبادلہ ہوا اور ڈپٹی انسپکٹر کا عہدہ ملا۔

اگست ۱۸۹۴ء میں سرکاری مطبع میں بھیجے گئے۔ ۱۸۹۹ء میں ریاست سے دس روپے پنشن ہوئی اور آپ اپنے شاگرد نواب مانگرول کے پاس چلے گئے۔ اور وہاں سے پندرہ روپے ماہانہ پھر نیچے مقرر ہو گیا کچھ دنوں کے بعد مانگرول سے تنخواہ بوجہ قحط سالی بند ہوئی۔

مولوی عبدالغفور صاحب مدار المہام رام پور کے اجلاس میں درخواست کی پانچ روپیہ کا اضافہ پنشن میں ہو گیا ۱۹۱۰ء میں پانچ روپے کا اور اضافہ ہو گیا۔ حضور پرنور جناب نواب

سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہم نے ولایت کا سفر کیا۔ آپ نے اس سفر کے حالات بطور مثنوی نظم کر ڈالے۔ اور واپسی پر سرکار میں پیش کئے مگر وہ مجموعہ ہاتھوں ہاتھ سرکار میں سے غائب ہوگیا۔ دوبارہ پھر نظم کر کے سفرنامہ مرتب کیا۔ اور ایک دن حضور میں پیش کیا اور اسکے صلہ میں چالیس روپے کی تنخواہ ہوگئی۔ آپ ابتدائے عمر سے پابند صوم و صلوٰۃ بدرجہ غایت تھے۔ رام پور میں دو نمازیں عصر اور مغرب کی اکثر مسجد جامع میں پڑھتے تھے۔ بچوں سے محبت۔ بڑوں کی تعظیم۔ دوستوں کی ہمدردی خمیر طینت تھی۔ باوجود پیرانہ سالی کبھی شکایت کسی کی زبان پر نہ آئی۔ مزاح بھی کرتے تھے سنجیدہ اور متین بھی تھے۔ تھوڑی سی آمدنی میں نہایت فراغ بالی سے زندگی بسر کی۔ فارسی میں توان کا خاندان بیمثل تھا ہی آپ نے عربی کی تکمیل بھی کرلی تھی۔ لکھنؤ کو آنکھ بنوانے گئے۔ آنکھ نہ بنی اور آپنے مئی کی ستائیسویں تاریخ اُنیس سو گیارہ عیسوی (۱۹۱۱ء) کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔ اور خدایار خاں کے باغ میں دفن ہوئے۔

آپ کا پہلا دیوان اُردو غدر میں تلف ہوگیا۔ نالۂ تسلیم دوسرا دیوان چھپ گیا۔ مثنوی دل و جاں۔ مثنوی صبح خنداں۔ مثنوی شام غریباں۔ دیوان دوم نظم دل افروز۔ دیوان سوم دفتر خیال۔ تاریخ بدیع منظوم ریاست رام پور میں چھپ چکی ہے۔ اسکے سوا اعلیحضرت حضور پر نور نواب سید محمد حامد علی خاں بہادر کا سفر یورپ نظم کیا ہے۔ مثنوی خنجر عشق مثنوی مسلسل۔ شوکت شاہ جہانی وغیرہ وغیرہ تصنیفیں ہیں۔

شیخ امین احمد تخلص اظہر

امین شیخ عزیز احمد۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ سنا ہے علوم عربی میں استعداد کامل تھی۔ اردو نظم میں شیخ محمد واحد شاگرد میاں مصحفی سے اصلاح لیتے تھے بارہ سو بیالیس ہجری میں (۱۲۴۲ھ) رام پور میں قضا کی۔

ملاحظہ انتخاب یادگار و تذکرہ شمیم سخن۔

حافظ محمد امین قادری

خلیفہ حضرت شاہ بولن صاحب۔ ساکن نہٹور ضلع بجنور کے تھے۔ جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب کے عہد میں (١١٨٨ھ ہجری تا ١٢٠٨ھ) رام پور میں بھی آئے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن موحد لکھنوی کہتے ہیں کہ رام پور میں اُن کی تشریف آوری کے وقت میں بھی تھا۔ انکے بزرگی کے حالات سنکر حاضر خدمت ہوا ان کے ہمراہ سید طفیل علی ساکن موضع برتصل نہٹور۔ ان کے مرید بھی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ علالت میں میری روح نکل گئی۔ اور حافظ محمد امین کی دعا سے اسی وقت میں پھر زندہ ہوگیا۔ حافظ محمد امین کا مزار نہٹور میں ہے ان کے بیٹے اور خلیفہ کا نام شاہ غلام احمد تھا۔

مولوی سید انصار حسین

ابن سید محمد احسن۔ سادات نقوی سے ہیں سکندر کی ضلع مراد آباد میں ١٢٩٣ھ میں پیدا ہوے۔ وطن میں ابتدائی فارسی تعلیم اپنے دادا سے پوری کی۔ عربی مولوی شیخ عبدالحکیم طبیب کندر کی سے شروع کی۔ پھر مراد آباد میں مولوی مظفر علی خاں اور مولوی تفضل حسین سے پڑھا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں لکھنؤ کے مدرسۂ ناظمیہ شیعہ میں داخل ہوئے۔ وہاں مظفر علی خاں مراد آبادی اور شمس العلما مولانا نجم الحسن صاحب مجتہد سے بھی استفادہ کیا۔ اصول فقہ شیعہ جناب مولانا سید باقر صاحب سے حسین آباد کے سلطان المدارس میں پڑھے۔ دس برس کامل اسیطرح لکھنؤ میں پڑھکر دہلی گئے اور وہاں مدرسۂ امامیہ مسجد اعتماد الدولہ جناب حامد علی خاں میں ملازم ہوے۔ سوا برس کے قیام کے بعد دہلی سے ترک تعلق کرکے رام پور میں آئے۔ اور سررشتہ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ جناب نواب ولیعہد بہادر اور اُنکے بھائیوں کی اتالیقی بھی کی۔ فی الحال مصاحب الحضرت جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر ادام اللہ ملکہم کے ہیں۔ ومت ملتا ہے تو حسبۃً للہ طلبا بھی پڑھاتے ہیں

١٥٠/١ انوار الرحمٰن لتنویر الجنان صفحہ ٨٤۔

شب و روز کتاب بینی کا مشغلہ ہے۔ اور حاجت روائی خلوق میں ہر وقت مستعد ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

حکیم انچھارام

جنکے نام سے حکیم انچھارام کا کنواں مشہور ہے۔ نہایت[1] فہمیدہ۔ اور ذی شعور تھے۔ طب میں کامل دستگاہ تھی۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں (۱۲۲۵ھ تا ۱۲۵۶ھ) مشہور طبیب تھے۔

اخوندزادہ محمد انورخاں

ولد ملا بدرالدین رام پور کے رہنے والے تھے۔ معتمد الدولہ[2] کے زمانہ میں فقیر محمد خاں بہادر گویا کے رفقا میں تھے۔ مولوی عبدالرحمن موحد لکھنوی سے معارضہ رہتا تھا۔ مسئلہ وحدت وجود کے منکر تھے۔ مولوی خیرات علی الہ آبادی۔ مولوی عبدالرحمن کے مرید اور شاگرد تھے۔ مولوی ہادی علی شاگرد مولوی ذوالفقار علی رئیس دیوہ کی آمد و رفت آخوندزادہ کے پاس تھی۔ اور یہ دونوں صاحب مولوی خیرات علی کو تنگ کیا کرتے تھے۔

ایک روز اخوندزادہ نے مولوی عبدالرحمن کے ہاں شیرینی بھیجی اور کہلا بھیجا کہ مولوی خیرات علی مولوی ہادی علی سے ملزم ہو گئے یہ اسکی شیرینی ہے۔ مولوی عبدالرحمن مولوی خیرات علی سے ناخوش ہو گئے۔ مولوی خیرات علی نے کہا کہ یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ تب مولانا صاف ہوے۔ اور اس کے چند روز بعد اخوندزادہ پر معتمد الدولہ کا عتاب ہوا اور وہ لکھنؤ سے نکالے گئے۔

سید اولاد حسین شاداں منشی فاضل نقوی بخاری بلگرامی

سید اولاد حسین ولد مولوی سید تفضل حسین ولد مولوی سید فدا حسین نقوی بخاری بلگرامی انکا نسب اکیس[21] واسطوں سے سید جلال الدین بخاری تک اور تینتیس[33] واسطوں سے حضرت

---

[1] منشات عزت۔ [2] انوار الرحمن تنویر الجنان۔

امام علی نقی علیہ السلام کے بیٹے جعفر تواب تک منتہی ہوتا ہے۔ ان کے اجداد میں مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی ہیں۔ ملک عرب سے سفر کرنے کے بعد ان کے اجداد بخارا میں آکر مقیم ہوئے اور وہاں سے بلگرام[1] آئے جو صوبۂ اودھ کے ضلع ہردوئی میں ایک مشہور اور معروف قصبہ ہے اور مردم خیز جگہ ہے چنانچہ زمانہ محمد شاہ بادشاہ دہلی میں علامہ عبد الجلیل و سید غلام علی آزاد بلگرامی مشہور عالم فاضل جلیل القدر و صاحب تصنیف کثیرہ و معتمد علیہ اہل زبان عالم گذرے ہیں اور سید صاحب کے نانہالی عزیز ہیں۔ شادان کے اجداد اکثر درویش ہوئے چنانچہ فقیری کی بو ان کے دادا میں بھی پائی جاتی تھی۔

چونکہ ان کے دادا مولوی سید فدا حسین ابتدائے انگریزی میں کورٹ ضلع آرہ میں وکالت کرتے تھے اس لئے ان کے والدین کا بھی آرہ میں قیام تھا اور وہیں ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء میں سید اولاد حسین پیدا ہوئے۔ جب سید صاحب کی عمر تین سال کی تھی تو مولوی سید فدا حسین کی نواسی کے شوہر نے انتقال کیا اور نواسی کے شوہر والی جائداد کا کوئی منتظم نہ رہا تو انکے دادا کو وکالت ترک کرکے بلگرام آنا پڑا انھیں کے ساتھ شادان بھی بلگرام آئے اور پھر چودہ برس کی عمر تک بلگرام میں رہے۔

چودہ برس کی عمر تک اپنے دادا سے فارسی پڑھتے رہے اور اس علم کی تکمیل انھیں سے کی۔ اسی اثنا میں تحصیلی مڈل اسکول میں بھی تعلیم پاتے رہے اور ماتحت درجۂ اردو مڈل تک یہ تعلیم بھی حاصل کی لیکن جب خاندان اجتہاد کے مجتہد العصر شمس العلما مولوی سید محمد حسین

---

[1] بلگرام صوبۂ اودھ میں علم اور شرافت سیادت کے لئے مشہور قصبہ ہے۔ اس لفظ کی ترکیب - بیل - بائے موحدہ مکسور و یائے تحتانی معروف سے ہے جو ایک قوم ٹھاکروں کی ہے جو قبل اسلام اس مقام پر قابض تھے۔ اور گرام در گراون ہندی میں گاؤں کو کہتے ہیں۔

آنریبل سید حسین عماد الملک سلمہ اللہ اور انکے بھائی ڈاکٹر سید علی شمس العلما مرحوم اسی خاک پاک میں پیدا ہوئے۔

وقت جناب مولوی علن صاحب مرحوم کے ساتھ اُن کی بڑی ہمشیر کی شادی ہوئی تو اپنی ہمشیر
کے ساتھ سنہ ۱۸۸۲ء میں لکھنؤ آئے - اور انگریزی تعلیم کے لئے ایمپپامرگی چرچ مشن
برینچ اسکول واقع جوہری محلہ لکھنؤ میں نام لکھایا اور پہلی ترتیب کے موافق پانچویں تک
اسی اسکول میں انگریزی پڑھی -
گو بلگرام میں مولوی سید کرار علی پیش نماز بلگرامی سے عربی شروع کی تھی مگر عربی پڑھنے کا
شوق لکھنؤ آکر ہوا چنانچہ مولوی مرزا ابوتراب کشمیری ساکن وزیر گنج لکھنؤ سے صرف و نحو اور
شرح تہذیب تک منطق پڑھی - اور قطبی و سلم جناب علن صاحب مجتہد مرحوم سے - عربی کی
تعلیم اتنی ہی ہے - لیکن ادب عربی میں بوجہ ضرورت بہت سی کتابیں دیکھنا پڑیں -
برینچ اسکول کی تعلیم ختم ہونے کے بعد اور مڈل انگریزی کی تعلیم چرچ مشن ہائی اسکول
میں اور مڈل انگریزی کا امتحان امریکن مشن سنٹینیل ہائی اسکول گولا گنج سے دیا اور ۱۸۸۸ء
میں انگریزی مڈل کا امتحان پاس کیا - (اس زمانہ میں مڈل کا امتحان سرکاری ہوا کرتا تھا
اور سرٹیفکٹ ملا کرتا تھا) اسی زمانہ میں راجہ امیر حسن خاں صاحب نے ایک ہائی اسکول

(بقایا حواشی نمبر ۶۹) سلہ مولوی سید دلدار علی صاحب غفران مآب عراق عرب سے مجتہد ہو کر نواب سعادت علی خاں
کے عہد شاہی میں لکھنؤ تشریف لائے نواب مذکور نے سات گاؤں معافی میں عطا کئے ان کے بعد اُن کے بیٹے
سلطان العلما مولوی سید محمد صاحب مجتہد اودھ اُن کے جانشین ہوئے اور اُن کے بعد ملک العلما
مولوی سید بندہ حسین اور اُن کے بعد اُن کے بیٹے سید ابو الحسن عرف بچھن صاحب شمس العلما اور
اُن کے بعد مولوی سید علن صاحب شمس العلما مجتہد اور جانشین ہوئے - لکھنؤ کے فرقہ شیعہ دو لمنی
میں انکا تبحر علم معقول مسلم تھا علن صاحب نے ۱۹۰۰ء میں ۲۰ رجب کو انتقال کیا -
ہز ہائنس نواب سید حامد علی خاں صاحب والی ریاست رام پور بالقابہ ان کی تعظیم فرماتے
تھے اور دو سو روپیہ ماہوار ۱۸۸۹ء سے وقت انتقال تک ریاست سے اُن کو ملا ہوتا رہا -
خاندان اجتہاد بھی سادات نقویہ میں ہے -
اور اصلی باشندہ قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی کے ہیں - جو صوبہ اودھ میں ہے -
شاہان اودھ کو وقت تخت نشینی غفران مآب اور سلطان العلما تاج پہنایا
کرتے تھے -

رفاہ عام اسکول کے نام سے لکھنؤ میں کھولا پرائمری پرائیویٹ انٹرنس کلاس کی تعلیم
اسی اسکول میں پائی اور پھر سینٹینیل ہائی اسکول کے انٹرنس کلاس میں جاکر نام
لکھایا۔ اسی زمانہ (۱۹۰۲ء) میں انٹرنس کلاس کی ماہانہ فیس تین روپیہ ماہوار
ہوگئی جس کے ادا کرنے کی استطاعت اِن میں نہ تھی چھ ماہ انٹرنس میں پڑھ کر تعلیم
انگریزی مجبوراً ترک کرنا پڑی۔

۱۹۰۳ء میں بتلاش معاش سید رضا حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر بلگرامی کے پاس سہارنپور
گئے انھوں نے اپنے لڑکوں کی تعلیم ان کے سپرد کی اور عدالت کلکٹری میں امیدوار
میں نام لکھوا دیا ایک سال کے قریب سہارنپور میں رہے۔ چونکہ جناب پچھن صاحب مرحوم
کے انتقال کے بعد جناب علن صاحب رفاہ عام ہائی اسکول کے ٹرسٹی تھے اس لئے ۱۹۰۴ء
میں سہارنپور سے انھیں بلوا کر انگریزی اپر پرائمری کلاس کی تعلیم کے لئے مدرس مقرر کیا
۱۹۰۶ء میں اس اسکول سے انگریزی نکال دی گئی۔ اور عربی کے تین درجے مولوی و
مولوی عالم و مولوی فاضل مع درجات ابتدائی اور فارسی کے تین درجے منشی و منشی عالم
و منشی فاضل مع درجات ماتحت جنکا امتحان پنجاب یونیورسٹی میں اب بھی ہوتا ہے کھولے
گئے۔ اور سید صاحب کو جناب علن صاحب نے درجہ منشی فاضل کا مدرس مقرر فرمالیا۔
اسی سال امتحان منشی کو اسپیشل سسٹ ان انگلش پنجاب یونیورسٹی کا ایک ساتھ دیا اور دونوں
میں کامیاب ہوئے اور ۱۹۰۸ء میں بحالت مدرسی امتحان منشی عالم فارسی و مولوی عربی دیا
اور کامیاب ہوگئے۔ اور ۱۹۰۹ء میں امتحان منشی فاضل دیا۔ ہنوز نتیجہ شائع نہیں ہوا تھا کہ
نواب[1] میر جعفری حسین صاحب ماہرؔ داماد نواب تاج محل صاحبہ نے اپنے مقدمہ کی پیروی کے لئے

---

[1] نواب صاحب بھی خاندان اجتہاد سے تھے اور زوجہ نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کے داماد تھے ماہرؔ انکا تخلص تھا امیرؔ مرحوم
کے شاگرد تھے۔ انکا دیوان چھپا ہوا ہے۔ انکو خلاق المعانی کہنا نامناسب نہوگا مرثیے اپنے ایسے کہے کہ لکھنؤ والوں
کو انیس و دبیر کے گھر کے سوا انکا بھی لوہا ماننا ہی پڑا۔ افسوس کہ یہ مراثی نہ انھوں نے چھپوائے اور
نہ ان کی اولاد چھپوانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ انکے مراثی قابل دید ہیں۔ اور دماغ خاص قسم کا پایا تھا۔

کلکتہ بھیجدیا۔ سید صاحب مدرسہ سے چھٹی لیکر ایک سال تک اِس مقدمہ کی پیروی کرتے رہے
(یہ مقدمہ نواب پیارے صاحب ولد اسد الدولہ نواب اچھے صاحب کے مخالف چلایا گیا تھا۔
دعویٰ یہ تھا کہ نواب خاص محل صاحبہ زوجہ واجد علی شاہ آخری شاہ اودھ کی کل جائداد
منقولہ از قسم جواہر اور نوٹ پر نواب پیارے صاحب نے بیجا قبضہ کرلیا ہے ڈیڑھ کرور کا دعویٰ تھا۔
اور خاص محل کے پوتے نواب ننھے مرزا صاحب سے مول لیکر جناب ممدوح نے چلایا تھا۔
اور لندن تک سے جیت لیا۔ پانچ لاکھ پینتیس ہزار کی ڈگری ملی۔)
کلکتہ ہی میں امتحان منشی فاضل کی کامیابی کی اطلاع ہوئی۔ ایک سال بعد پھر اُسی مدرسۂ
عالیہ اسلامیہ اسکول میں درجہ منشی فاضل کو تعلیم دیتے رہے۔ سنہ ۱۹۰۸ء کی ابتدا میں
جناب علن صاحب (رفاہِ عام) نے خفا اور ناراض ہوکر ٹرسٹی شپ سے استعفا دیا ان کے تبع میں
شاد ان نے بھی استعفا دیدیا۔
اسی بیکاری کے زمانہ میں ان کے چچا کی لڑکی کے ساتھ ۲۳۔ رمضان کو ان کی شادی ہوئی
جس کو ان کے والدین نے قرار دیا تھا۔ تین بچے پیدا ہوئے اور تینوں کم عمری میں مرگئے۔
اب اس وقت شاد ان کی عمر ساٹھ سال کی ہے اور اولاد کوئی نہیں ہے۔
۶۔ فروری سنہ ۱۹۱۰ء کو مولوی فرخی صاحب اُستاد حضور پُرنور کی تحریک سے انکو لکھنؤ سے
بلوایا گیا۔ اور مدرسۂ عالیہ رام پور میں پرشین پروفیسری کے عہدہ پر تقرر کیا گیا۔
اِن کی تحریک سے درجات منشی۔ و منشی عالم۔ و منشی فاضل مدرسۂ عالیہ میں کھولے گئے۔
اُس وقت سے ابتک درجہ فاضل کو تعلیم دے رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں چرچ مشن کالج
اندور کے پرشین پروفیسر مقرر ہوئے مگر حکام سررشتۂ تعلیم ریاست رام پور نے اِن کی
قدردانی کی اور اجلاس ہمایوں سے اضافہ کراکے انھیں روک لیا گیا۔ ان کی کارگزاری
اور لیاقت سے حکام بہت خوش ہیں چنانچہ ایک پروانہ خوشنودی بھی عطا ہوا ہے
لکھنؤ کی ملازمت میں لکھنؤ میں اور رام پور کی ملازمت میں رام پور میں بہت سے طلبہ نے

ان سے تعلیم پاکر پنجاب یونیورسٹی کا امتحان منشی فاضل پاس کیا ہے اور گورنمنٹ ہائی اسکولوں اور کالجوں میں ہیڈ مولوی اور پروفیسر ہیں جن میں سے بعض کے نام لکھے جاتے ہیں۔

نمبر شمار	اسمائے شاگردان	نام مدرسہ	عہدہ مع مقام
۱	حامد حسن قادری بچھرایونی	مدرسہ عالیہ رامپور	پرشین پروفیسر اسسٹنٹ کالج بڑودہ۔
۲	عبدالہادی رام پوری	،،	نوئیس ہائی اسکول بھوپال۔
۳	عبدالعزیز اسیعث سیمن	،،	پروفیسر مشن کالج پشاور۔
۴	سید محمد تقی لکھنوی	لکھنؤ	مدرس درجہ منشی عالم مدرسہ عالیہ رام پور۔
۵	مرزا محمد ہادی عزیز	،،	شاعر مشہور لکھنؤ۔
۶	سید یوسف مسیح آشہر	مدرسہ عالیہ رامپور	ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول مظفرنگر۔
۷	سید محمود حسن	،،	ہیڈ مولوی جارج اسکول مظفرنگر۔
۸	بنے خاں رام پوری	،،	سکنڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں۔
۹	محمد نبی خاں رام پوری	،،	ہیڈ مولوی اسٹیٹ ہائی اسکول رام پور۔
۱۰	عزیز اللہ خاں رام پوری	،،	سکنڈ مولوی اسٹیٹ ہائی اسکول رام پور۔
۱۱	طالب حسین خاں مرحوم	،،	ہیڈ مولوی جوبلی ہائی اسکول لکھنؤ۔
۱۲	نواد حسین شید پوری	،،	ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول شاہ جہاں پور۔
۱۳	مرزا محمد ہادی کشمیری	لکھنؤ	ہیڈ مولوی کدارناتھ ہائی اسکول مورادان۔
۱۴	سید علی کشمیری	لکھنؤ	ملازم کلکٹری لکھنؤ۔

اسی طرح ملازم اور غیر ملازم گورنمنٹ منشی فاضل پاس قریب سو شاگردوں کے ہوں گے۔ نہایت منکسر اور متواضع آدمی ہیں۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں کبھی غصہ آتے کسی نے نہیں دیکھا۔ رام پور کے بعض باسواد آدمی کہتے ہیں کہ اگر خیالات فلسفیانہ نہ ہوتے تو ہم ولی ماننے کے لئے طیار تھے۔ اکثر گفتگو صوفیانہ اور فلسفیانہ کرتے ہیں یہ بھی اُن کا بیان ہے

کہ تہذیب نفس میں ہر صد امکاں سے کوشاں ہوں۔

اگرچہ خاندان تشیع میں ان کی ولادت ہوئی مگر مسلمانوں کے مسلمات کے خلاف اکثر گفتگو کرنے کی وجہ سے سنّی اور شیعہ ان کو لامذہب سمجھتے ہیں۔ یہ مسئلہ اور عقیدے کے علل و اسباب کے خواہاں ہوتے ہیں چنانچہ ان کا بیان ہے کہ ہر انسان اپنی عقل کی وجہ سے مکلّف ہے جو بات اُس کی سمجھ سے باہر ہو وہ اُس کا مکلّف نہیں ہو سکتا کیونکہ مجبور معذور ہوتا ہے۔ اور ایسی بہت سی باتیں ہیں جنکا ذکر فضول ہے۔

ٹھیٹ ہندوستانی وضع میں رہتے ہیں باوجود انگریزی تعلیم کبھی جدید وضع اختیار نہیں کی چہ جائیکہ یوروپین لباس جسمانی توجہ بہت کم ہے۔

بعد ترک تعلیم انگریزی سنہ ۱۸۹۲ء میں شاعری کی طرف توجہ کی اور جناب سید محمد اصطفےٰ الدولہ بہادر صاحب خورشید لکھنوی سے تلمذ اختیار کیا جو خود خاندان اجتہاد سے تھے اور جناب ماہر کے رشتہ کے بھائی اور داماد بھی تھے۔

لکھنؤ کے اس زمانہ کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ فن عروض میں دستگاہ کامل رکھتے تھے چنانچہ ایک رسالہ "افادات" اِس فن میں ان کی تصنیف سے مطبوعہ موجود ہے۔

ان کے شاگرد رشید بکثرت موجود ہیں۔ ان کو تلمذ سید محمد جعفر صاحب اوحد لکھنوی سے اور اُن کو آغا حجو صاحب ہندی لکھنوی سے تھا جو ریاست کے ملازم بھی تھے اور اُنکو نواب عاشور علی برادر نواب سعادت علی خاں بادشاہ اودھ سے تلمذ تھا۔ نواب عاشور علی خاں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ جناب خورشید کا کلام ہر صنف نظم میں غیر مطبوع اُنکی اولاد کے پاس موجود ہے۔ مرثیہ پڑھنے پٹنہ گئے وہیں ہیضہ سے سنہ ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔

شادان کلام سادہ باجذبات و موثر اور زیادہ تر درد انگیز پسند کرتے ہیں اور اسی قسم کا کلام کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آٹھ سال تک شاعری بھی کی لیکن اُس کو غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیا۔ اِس عرصہ میں سوائے صنف غزل کے دیگر اقسام نظم میں کچھ نہیں کہا ہے۔

بعد انتقال جناب مولوی علن صاحب عالی جناب نواب رام پور بالقابہٗ نے اُن کے بڑے بیٹے سید محمد عرف بڑے آغا مرحوم کو سو روپیہ ماہوار وظیفہ معین فرماکر عراق تعلیم دینی حاصل کرنے کے لئے بھیجا تو کچھ اعزا بڑے آغا مرحوم کے لکھنؤ سے روانہ بمبئی ہوے اور کچھ اعزا اُن کے رام پور میں تھے اُن کو رام پور سے لیجا کر شاگردان کو لکھنؤ والے قافلہ سے بمبئی میں ملا دینا تھا۔ لیکن جب بمبئی پہونچے تو لکھنؤ والا قافلہ روانہ ہوچکا تھا اسلئے خلاصان کو کربلا تک جانا پڑا اور کربلا میں وہاں کے فاضل طلاب سے ثبوت وغیرہ پر تا تمام کربلا مباحثے رہے۔

درہ نادرہ جو فارسی درسیات میں ایک مشہور مشکل کتاب ہو اس کی مبسوط شرح لکھی ہے۔ جسکا دیباچہ مطبع سعیدی رام پور میں چھپا ہو علاوہ اسکے رسالہ فلسفہ زبان فلسفہ خوب و تنقید مثنوی گلزار نسیم و مضمون بلینک ورس و نثر مرجز و شرح فن معمی و معمیات حدائق البلاغت بھی چھپ گئے ہیں۔ و شرح معمائے جامی و شرح نورس ظہوری و شرح تاریخ وصاف غیر مطبوع ہیں۔

مولوی حکیم ایوب خاں

ولد مولوی ہزار میر اخوند زادہ ولد عبد المجید خاں رام پور میں اخون خیلون کے محلہ میں پیدا ہوے۔ اپنے والد سے اور علمائے رام پور سے عربی اور طب حاصل کی نہایت اچھی استعداد اور ذہین طبیعت تھی۔ حکیم احمد علی لکھنوی۔ حکیم احمد اخوند زادہ رام پوری حکیم کفایت اللہ امروہوی سے طب پڑھی۔ مطب بہت اچھا تھا۔ عین شباب میں انیس سال کی عمر میں قریب سنہ ۱۲۷۱ ہجری انتقال ہوا۔ اخون خیلون کے محلہ میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوے۔

حافظ سید محمد ایوب

بزرگ خاص رام پور کے باشندے تھے جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر

مغفور کے عہد میں لوگوں کا خیال تھا کہ یہ رام پور کے صاحب خدمت ہیں جامع مسجد کی بنیاد رکھنے کے وقت یہ بھی شریک تھے۔ اور ان کے مکانات متصل بازار شاہ گنج میں تھے۔ نہایت پرہیزگار اور بہت شب زندہ دار تھے سلسلہ قادری میں کسی صاحب سے بیعت تھی۔ انکی اولاد میں سید ابدال شاہ تھے جنکا انتقال ہوگیا اب سید تہور حسین متخلص جلو انہی خاندان کی یادگار تھے سید صاحب موصوف سے خاندان کا پتا لگایا تو اُن سے صرف یہ معلوم ہوا کہ سید محمد ایوب و حافظ سلیمان حافظ سید عبدالغفار کے چچازاد بھائی تھے۔

حکیم بایزید

ولد شاہ رحمت اللہ ولد حافظ برخوردار قدسی [1] عربی کے عالم متبحر اور طب میں ارسطوے وقت تھے۔ آپ شاہ عبدالکریم عرف ملا فقیر اخوند کے بے ماد بھائی تھے۔ شاہ صاحب کو درویشی میں کمال تھا تو آپ کو طب میں وہی مرتبہ حاصل تھا۔ طب حکیم قطب الملۃ والدین ملا نافرزندان میرٹھی۔ حکیم قاضی ثناء اللہ بریلوی شاگرد نواب علوی خاں اور حکیم کبیر علی خاں انصاری سنبھلی سے حاصل کی۔ نواب علوی خاں کی خدمت میں بھی حاضر رہتے ان سے مطب کیا اور طب پڑھی۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ ملی بالیدہ میں ابتدا مدت سے عاری تھے۔ اور ابلہ فریبی سے اس کو عار جانتے تھے۔ آپ نے طب کے ساتھ دستکاری کو جمع کیا۔ کابل کے نواح میں بہت سیاحت کی۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں [1] صاحب بہادر کے ہمرکاب سرہند میں رہے۔ وہاں طاعون شدید پیدا ہوا اور ہزاروں آدمی مرگئے۔ آپ نے پیاز اور سرکہ سونگھنے کو بتایا اس تدبیر سے بہت سے لوگ مرض سے محفوظ ہے۔ ایک [2] سال سردی کے موسم میں رام پور میں طاعون ہوا۔ نواب حسن علی خاں بہادر مع اپنے رفقا خلیفہ محمد اکرم احمد نظر خاں انصاری۔ محمد خاں رجنٹر۔ محمد مراد علاقہ بند محمد فاضل کلانونت۔ اور شیخ نادر علی کے مبتلا ہوئے۔ آپ کے علاج سے سب اچھے ہوگئے

---

[1] فصول فیض اللہ خانی ورق ۶۶ ب [2] فصول فیض اللہ خانی ۲۰۱

پھر دونوں حافظ رحمت خاں کی رفاقت میں بھی رہے۔ اخیر میں رام پور ہی میں قیام رہا۔
مگر علاج کے لئے لوگ الموڑہ اور بریلی وغیرہ میں بھی بلاتے تھے ملک محمد خاں خنک ساکن
برہوا سے جبت دوستانہ تھا۔ ان کے ہاں عورتوں کی بھی آمد ورفت تھی۔ اصول فیض اللہ خانی
فارسی میں امراض راس سے کل امراض کو لکھا ہے۔ اور اپنے مطب کے واقعات ذکریا رازی
کی طرح لکھے ہیں ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ برادر میاں نعمت اللہ کو اسہال بواسیری کا
دورہ بلاسپور میں ہوا عظیم خاں حاکم بلاسپور نے میانے میں ڈال کر رام پور بھیجا
والدہ محمد عارف۔ احمد اور بہنیں رونے لگیں۔ عبدالصمد بھانجا روتا ہوا آیا اور میرے
علاج سے وہ بالکل اچھے ہو گئے۔ نواب محمد علی خاں بہادر کو ایک سال ہیضہ ہو گئی۔
حکیم احمد علی۔ حکیم محمد یار خاں۔ حکیم محمد امان۔ مرزا عاشور بیگ وغیرہ معالج تھے۔ اخیر میں
آپ نے اور حکیم احمد علی نے علاج کیا صحت ہو گئی جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں
صاحب بہادر نے حکیم احمد علی کو ایک سو روپے ایک دستار ایک تھان شروع گجراتی اور
دو تھان ڈھاکہ کے ڈورئے کے عطا کئے۔ اور حکیم بایزید کو پانچ سو روپے نقد۔ ایک بادامی
رنگ کا دوشالہ۔ دو تھان جھولہ شاہجہاں پوری کے دو تھان ڈوریہ ڈھاکہ۔ دو دستاریں۔
دو تھان شروع گجراتی کے۔ اور پچاس بیگھ پختہ اراضی بشارت نگر میں عطا کی۔
آپ محمد شجاعت خاں۔ اور سید عبداللہ شاہ بغدادی کے بھی معالج تھے۔ نواب مصطفیٰ خاں
ولد حافظ رحمت خاں کی بیوی کو چند سال سے درد سر بھی تھا۔ پیلی بھیت اور بریلی میں
میر عوض علی کو چک۔ حکیم پیر محمد مصر بھاگی رت اور مصر بٹو ہر کے علاج سے فائدہ نہیں ہوا
رام پور میں مریضہ کو لائے حسب الحکم جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر علاج
آپ نے شروع کیا چند روز میں آرام ہو گیا۔ آپ نے جراحی کا فن اپنے چھوٹے بھائی
میاں نعمت اللہ حرمت خاں بونیر وال۔ اور بہادر شاہ خاں کو سکھلایا ملا جمال خاں اکوزئی۔
ملا محمد اشرف خاں کمال زئی۔ ملا منور خاں برجہڑ ملک زئی آپ کے شاگرد تھے۔ محمد عارف

آپ کے بیٹے تھے۔ جنکی عمر ۱۲۳۰ھ ہجری میں ۱۹ سال کی تھی ایک بیٹے کا نام احمد تھا۔
حکیم بایزید کی سنہ وفات کا پتا نہیں چلا۔
تصانیف حکیم بایزید | فصول فیض اللہ خانی مشہور بہ اقتباس العلاج۔ فارسی زبان میں ہے۔
اپنے بیٹے میاں سعید احمد کے لئے بارہ سو دو ۱۲۰۲ھ میں لکھی۔ اور نواب فیض اللہ خاں بہادر
کے نام پر معنون کی۔ فن طب میں اس جامعیت کی کتاب کم ہے کی علاج کے ساتھ حکایتیں
بھی لکھی ہیں۔ یہ نسخہ نہایت بدخط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ کاتب نسخہ مصنف کا شاگرد یا مرید ہے۔
اور کتاب ۱۲۱۶ھ میں اصل مسودہ دستی مصنف سے نقل کی ہے۔ ابتدا میں فہرست مضامین بھی
موجود ہے۔ پانچ سو چھیاسی ورق ہیں ہر صفحہ میں ۱۲ سے لیکر ۲۲ سطریں ہیں۔
کتابت کی تقطیع ½ ۸ انچ × ½ ۴ انچ ہے۔ اور کتب خانۂ ریاست رام پور میں
فن طب فارسی میں ۲۲۰ نمبر پر درج ہے۔ فصول فیض اللہ خانی کے دیباچہ میں مصنف
نے اپنی تصانیف ذیل بھی لکھی ہیں۔
جرائب النعمت در فن جراحت بنابر تعلیم میاں نعمت اللہ برادر خود تصنیف ۱۱۸۷ھ ہجری۔
فوائد النعمت در بیان علاج آتشک تصنیف اخیر سال ۱۱۸۷ھ ہجری۔
رسالہ در معالجات حاملہ ابتدا سے قرار نطفہ سے ولادت تک تصنیف ۱۱۸۸ھ ہجری۔
قرابادین نافع الامراض تصنیف ۱۱۸۸ھ ہجری۔
مقالات طب۔ خزانۃ العلاج ابتدا ۱۲۰۲ھ ہجری۔
ریاض العمل جدید تصنیف ۱۲۰۳ھ ہجری۔

میاں بادشاہ

یہ[1] عالم بے بدل تھے۔ برسوں تلاش خدا پرستی میں اکثر سالک اور مجذوبوں کی خدمت کی
لیکن مدعا حاصل نہیں ہوا۔ رام پور میں حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

---

[1] مجمع الکلامات فارسی امام الدین خاں۔

اور مدعا بیان کیا۔ آپ کے ہاں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ ایک بچے سے کہا کہ میاں بیٹا کو تلقین کرو۔ میاں بادشاہ کو خیال ہوا کہ بھلا لڑکا کیا علم باطن سے آگاہ ہوگا۔ مگر عقیدہ درست تھا۔ اُس لڑکے کی توجہ سے حالت متغیر ہوگئی۔ حافظ صاحب نے اپنے ہاں کی امامت ان کے سپرد کی اور یہ گویا خلافت کا مقدمہ تھا۔

مجاہدہ پہلے ہی کر چکے تھے صرف توجہ تام درکار تھی۔ چند روز میں خلیفہ کر دیا۔ رام پور میں انتقال ہوا متصل مزار حافظ جمال اللہ صاحب ایک قبرستان میں قبر ہے۔ گرد مختصر چار دیواری ہے پنجشنبہ کو لوگ وہاں بھی فاتحہ خوانی کو حاضر ہوتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ان کے قبر کے سرہانے جس کو دفن کیا اُس کی قبر ٹیڑھی ہوگئی۔ سیف الدین خاں کے متوسلین نے اس کا تجربہ بھی کر لیا۔

ملا بدر الدین

قوم[۱] افغان۔ فقہ اور اصول میں مداخلت تھی۔ اور تمام علمائے افاغنہ میں حسن تقریر میں ممتاز تھے۔ انکا زمانہ بھی جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کا ۱۱۸۷ھ تا ۱۲۰۸ھ عہد ہے۔ اکثر امرا کی مصاحبت اور وکالت کرتے تھے اور زمانہ موافق تھا۔ ان کے بڑے بیٹے محمد انور خاں نے معتمد الدولہ کے دور دورہ میں لکھنؤ میں خوب نام پیدا کیا۔ جن کا ذکر حرف الف میں ہو چکا ہے۔

پیر برخوردار

کہتے[۲] ہیں یہ بزرگ سید ابراہیم حسینی چشتی خلیفہ شیخ محمد صادق گنگوہی کے خلفا میں سے تھے۔ سید ابراہیم صاحب کا مزار مراد آباد محلہ پیرزادہ گان میں ہے۔ انکا انتقال تئیسویں جمادی الآخر ۱۰۸۳ھ کو ہوا ہے۔ پیر برخوردار صاحب کی قبر مقبرہ جناب نواب سید فیض اللہ خاں بہادر سے جانب شمال تھوڑے فاصلہ پر بیرون شہر رام پور ہے۔

---

[۱] روزنامچہ عبد القادر خاں۔ [۲] انوار العارفین فارسی۔ [۳] تاریخ اصغری ۷۰۔

مزار پر چھوٹا گنبد ہے۔ کوئی آدمی ان کے سلسلہ کا نہیں معلوم ہوتا۔ تاریخ چوتھی ماہ شوال کو ریاست کی طرف سے سالانہ فاتحہ عرس ہوتا ہے۔

مولوی حکیم بخش اللہ امروہوی

شاہ ابن کی اولاد سے تھے۔ نامور طبیبوں میں شمار تھا۔ رام پور میں بعہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر ملازم تھے۔ پھر ان کے صاحبزادے نواب سید محمد کریم اللہ خاں صاحب بہادر کے ملازموں میں داخل ہوئے۔ حکیم صاحب موصوف دو واسطوں سے حکیم علوی خاں کے شاگرد تھے۔ حکیم علیم صاحب امروہوی نے انھیں سے فن طب حاصل کیا تھا۔

ملا بشارت خاں

ولد ملا حجاب خاں اخوند۔ قوم رزڑ پٹھان۔ ملا حجاب خاں بعہد عالی جناب نواب سید علی محمد خاں بہادر غفران مآب افغانستان سے آنولہ میں آئے اور گھوڑوں کی تجارت کی غرض سے باہر گئے تھے۔ جب واپس آئے تو روپیہ ساتھ تھا۔ آنولہ کے باغات میں آکر مفقود الخبر ہوگئے۔ ملا بشارت خاں کے افغانستان میں باپ کے واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ خود آنولہ میں آئے اور پھر ہمرکاب جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں بہادر رامپور میں آکر مقیم ہوئے۔ افغانستان میں علوم عربیہ کی خوب تحصیل کی تھی۔ اچھے پایہ کے عالم تھے۔ زبان پشتو تھی پشتو زبان میں چند کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ایک کتاب مولوی جعفر علی خاں کو ان کی اولاد نے دیدی تھی باقی کا پتا نہیں۔ اخیر عمر میں رامپور میں نکاح کیا۔ ۲ شوال سنہ بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ھ) کو انتقال کیا۔ اور حضرت پور دروازہ کے باہر ملنگ شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے جو اب دریائے کوسی میں آگیا۔ مولوی محمد نور خاں اور مولوی علی احمد خاں دو فرزند رشید یادگار چھوڑے۔

سلہ تحریر مولوی عبد اللہ خاں مرحوم۔

مولوی بشارت حسین

یہ نام تذکرۂ علمائے ہند میں موجود ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس نام کا کوئی مدرس مدرسۂ رام پور میں نہ تھا۔

مولوی بشارت اللہ اخوند

ولد نواب سحاب خاں غازی۔ آپ سلطان المجاہدین جہاں شاہ خاں علی شیر خیل فاتح بیت المقدس کی اولاد میں سے جانتے ہیں۔ روہیلکھنڈ کے افاغنہ آپ کو تیراہ سے اس لئے ہمراہ لائے تھے کہ آپ کے فیض قدم سے فتح نصیب ہو۔ کٹھیر میں تسلط کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ آپ آنولہ میں قیام فرمائیں آپ نے اس شرط پر قیام منظور کیا کہ کوئی فعل نامشروع نہ ہو۔ چنانچہ اسکا وعدہ ہو گیا چند روز کے بعد آپ کو ایک جگہ گانے بجانے کا حال معلوم ہوا۔ اسی وقت آنولہ سے چلدئے۔ بریلی آئے تو حافظ رحمت خاں نے روکنا چاہا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں بہادر باصرار تمام رام پور لے آئے۔ محلہ کنڈہ میں مکانات بنائے۔ اب تک وہ آراضی آپکی اولاد کے قبضہ میں موجود ہے۔ آپ سورۂ مزمل اور چہل اسماء میں سے چند اسماء کے عامل زبردست تھے یہ آپ کی برکت ہے کہ اس وقت تک اولاد میں علم اور درویشی کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی قبر محلہ کنڈہ میں تالاب کے کنارہ ہے۔ عبداللہ اخوند آپ کے فرزند تھے۔

مولوی بشارت اللہ

ابن مفتی محمد سعداللہ۔ قوم شیخ ربیع الاخری کی دسویں تاریخ بارہ سو بہتر ہجری (۱۲۷۲ھ) کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ محمد ظفر اسم تاریخی ہے۔ فارسی۔ عربی۔ اور طب اپنے والد حکیم محمد ابراہیم خاں لکھنوی اور عبدالکریم خاں رام پوری سے پڑھیں طلبا کو بھی پڑھایا نہایت ذکی اور ذہین ہیں۔ اگر افکار زمانہ فرصت دیتے تو علامۂ وقت ہوتے۔ اول مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدرس ہوئے پھر چندروز کو متولی مزار نواب خلد آشیاں ہوگئے۔

رام پور میں کوئی قدردان نہ رہا اس لئے بھوپال چلے گئے۔ بیگم صاحبہ بھوپال کی آپ کے خاندان پر نظر پرورش ہے۔ وہاں ۱۸۹۵ء میں محکمہ وکالت میں اسسٹنٹ پولیٹکل سکرٹری تھے اب پنشن ہے۔ بسم اللہ کی تفسیر فارسی میں لکھی ہے۔ ایک فرزند حمید اللہ ہیں عربی نہیں پڑھی ہے۔ الحمد للہ کہ آپ کا پوتا مولوی اسد اللہ ولد رشید اللہ مرحوم تمام علوم سے فارغ ہو کر درس علوم عربیہ اور وعظ میں مصروف ہے

مولوی سید مفتی بشیر الدین

ولد سید عبد اللہ عرف ننھے میاں۔ از اولاد سید عبد الرزاق صاحب خلف اکبر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ شاہجہاں پور کے غلزئی محلہ میں پیدا ہوئے۔ نواب سید احمد علی بہادر کے عہد میں رام پور میں آئے۔ اور مفتی شرف الدین صاحب اور مولوی حیدر علی صاحب وغیرہ سے فارسی اور عربی علوم حاصل کئے۔ شافعی مذہب تھا۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ حضرت شاہ مشیر علی صاحب خلف سید شاہ غلام علی صاحب مالوی۔ قادری۔ رزاقی سے بیعت تھے۔ ریاست رام پور میں مفتی عدالت فوجداری رہے اور نہایت دینداری سے اس خدمت کو انجام دیا۔ رام پور میں اول محلہ جیلانی میں رہتے تھے اخیر میں کوچہ فرنگن میں قیام فرمایا۔ بیع الآخر یا جمادی الاول کی پچیسویں تاریخ اٹھارہ سو بانوے عیسوی (۱۸۹۲ء) کو انتقال فرمایا۔ اور سرائے دروازہ کے باہر مٹا شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے۔ اولاد میں سے سید غلام غوث کا رامپور میں انتقال ہوا۔ سید احمد علی مہاجر مدینہ میں فوت ہوئے۔ ایک فرزند حیدرآباد میں ہیں۔

شاہ بغدادی

نام سید عبد اللہ عرف بتے میاں ہے۔ ان کا نسب گیارہ واسطوں سے سید عبد العزیز فرزند حضرت غوث الاعظم سے ملتا ہے۔ ان کے سلسلہ کے مرید کہتے ہیں کہ جس وقت دہلی میں بغداد سے تشریف لائے ہیں تو مولانا فخر الدین۔ مرزا مظہر جان جاناں ظفر علی شاہ

شاہ آبادانی۔ میران شاہ۔ اور میر فتح علی نے اِن کی پالکی کو کندھا دیا ملا فقیر اخوند کے مریدین بھی کہتے ہیں کہ ملا فقیر اخوند نے بھی پالکی کو کندھا دیا تھا کہتے ہیں کہ کچھ ایسا تصرف تھا کہ جس شہر میں گزر ہوتا تھا لوگ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔ رام پور میں تشریف لائے تو نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر شہر سے باہر گئے۔ اور اُن کی پالکی کو اُٹھایا۔ رام پور میں قیام کے بعد نواب سید فیض اللہ خاں صاحب نے موضع آغا پور جاگیر میں دیدیا تھا۔ یوں بھی فتوحات کثیر تھی۔ جو کچھ آتا تھا۔ فقرا اور مساکین کو دیتے تھے۔ ایک نہایت عالیشان مسجد بنائی۔ تعمیر مسجد کی حالت میں ایک روز گھبرا کر حجرہ سے نکل آئے اُن کا تکیہ کلام تھا (آنا بابا) حجرہ سے نکل کر معماروں سے کہا آنا بابا فوراً پاڑ پر سے اُترآؤ۔ جب لوگ کام سے علحدہ ہو گئے مسجد گر گئی۔ اس کے بعد دوبارہ تعمیر کرائی مسجد اب تک اچھی حالت میں ہے۔ دیگر مساجد شہر کی طرح ریاست سے ہر تیسرے سال اُس کی مرمت ہوتی ہے۔

یکشنبہ کے دن چودھویں محرم بارہ سوسات (۱۲۰۷ھ) کو انتقال کیا۔ رام پور میں اپنی مسجد کے آگے دفن ہوئے۔ مزار پر پختہ گنبد ہے۔ اور نہایت وسیع احاطہ بنا ہوا ہے مزار پر قدم رسول بھی نصب ہے۔ اس احاطہ میں مکانات بھی تھے۔ اب گر گئے ہیں اب خام مکان بنا کر مجاور رہتے ہیں۔ یہ محلہ بغدادی صاحب کے مزار کے نام سے موسوم ہے۔ احاطہ میں بہت مزارات ہیں۔ بغدادی صاحب کے تین خلیفہ تھے۔ ایک مولوی امجد علی دوم مولوی نثار احمد بریلوی۔ سوم شمس الضحیٰ اکبر آبادی۔ حافظ شاہ جمال اللہ علیہ سے آپکے مریدوں کا کچھ نزاع بھی ہوا تھا۔ لوح مزار پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

دریغا حسرتا قطب معظم	چراغ دودمانِ غوث اعظم
گرامی گوہر دریائے پُرنور	کہ نامش سید عبداللہ مشہور
بیکشنبہ دہ و چار از محرم	برون زد خیمہ از آفاق عالم

طلب کردم زدل تاریخ رحلت	دریں غم بالہزاراں آہ و حرمت
جناں را روح پاکش داد و دلق	بدل گفتا سروش رحمت حق

انیس العاشقین محمد اخلاق قادری محلی محمد شاہ بادشاہ نے سنہ ۱۲۱۲ھ میں تصنیف کی ہی۔ اس میں زیادہ مدح آپ کی ہی۔ اِس کتاب کے اخیر میں میرا محمد علی الجعفری قادری کی نظمیں عربی۔ فارسی اور اُردو کی بھی آپ کی مدح میں ہیں۔ کتب خانہ میں یہ کتاب موجود ہی۔ شاہی زمانہ میں محلی خطاب خواجہ سراؤں کا تھا۔

شاہ یعتا

پیپل والے کٹیہ میں مکان تھا۔ عقد نہیں کیا۔ ان کے بھائی نمو اخوندزادہ صاحب اولاد تھے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ بیعت کس سے تھے۔ مگر شرع کے نہایت پابند تھے۔ ایک مختصر سا مکان تھا۔ اس میں رہتے تھے نان اپنے ہاتھ سے بنا کر فروخت کرتے تھے۔ خود بھی سونگتے تھے۔ گھر میں مکا اور جو بو لیتے تھے۔ اُس کو اپنے ہاتھ سے پیس کر خود ہی پکا کر کھاتے تھے۔ کبھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔ لوگ مرید بھی تھے۔ اور معتقدین تو بہت تھے۔ کسی بار سوخ شخص نے کہا کہ آپ بہت عسرت سے بسر کرتے ہیں سرکار میں نام لکھا دیا جائے۔ فرمایا میرا نام تو خدا کے ہاں لکھا ہوا ہی۔ جناب نواب فردوس مکان کے غسل صحت میں پچاس روپے آپ کو بھیجے گئے قبول نہیں کئے۔ بارہ سو اکیاسی یا بیاسی ہجری میں (۱۲۸۱ھ یا ۱۲۸۲ھ) انتقال ہوا۔ اور اپنے مکان مسکونہ میں دفن ہوے۔ اب یہ مکان فروخت ہو گیا ہی۔ قبر موجود ہے۔ ان کے خاندان اور مریدین میں سے کوئی اب باقی نہیں ہی۔

ملا بہاء الدین

پنجاب کے رہنے والے تھے۔ کتب صرف و نحو حافظ غلام نبی صاحب سے پڑھیں۔ دیگر کتب اور علمائے رام پور سے حاصل کیں۔ اخیر عمر میں درویشی غالب آگئی تھی۔ مولوی نظام الدین صاحب کی کوٹھی کے متصل جو مسجد ہی۔ اُس میں ذرا سی لنگوٹی لگائے

ئے تنہا بیٹھے رہتے تھے۔ ایک شخص اپنے گھر سے کھانا لاتا تھا وہی کھاتے تھے۔
نال کو بیس بائیس سال ہوئے اسی مسجد کے متصل دفن ہیں۔

حافظ بہادر علی خاں

ر کرامت علی خاں قوم پٹھان بونیروال ساکن محلہ گھیر سیف الدین خاں۔ ان کے
ل ولایت سے غالباً نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں آئے۔
ملائر قرآن شریف حفظ کیا۔ تھوڑی فارسی پڑھی۔ طبیعت ابتدا سے تنہائی پسند تھی
ں سے بات چیت کرنا بھی ناگوار تھا۔ خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت کی
رت سے بالکل استغنا تھا۔ آٹھ بھائی تھے۔ اور سب ان کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے۔
ن کثرت سے کھاتے تھے۔ بھائی کی لکڑی کی تجارت میں کام کرتے تھے اور دکان پر بیٹھکر
ل بیچتے تھے۔ بازار میں منھ چھپاکر نکلتے تھے۔ بظاہر کسی سے اُن کو بیعت نہ تھی۔ البتہ
ناب بیرنگ شاہ صاحب لسوی والے کے مزار سے محبت تھی۔ اگر کوئی شخص ان کے لئے
اپ پیسہ صرف کرتا تو جب تک دو پیسے سے بدلہ نہ کرلیتے چین نہیں آتا تھا۔ پوشاک بھی انکے
بھائی اچھی مہیا کر دیتے تھے۔ گھنٹوں خاموش بیٹھے رہتے۔ گھر پر لوگ چاکری کرتے تھے۔
مکان کے دروازہ پر جلی قلم سے یہ شعر لکھکر لگا دیا تھا۔

روز محشر کہ جانگداز بود	اولیں پرسش نماز بود

جب زیادہ دیر کسی کو ہو جاتی تو کہتے آپ اس شعر کو پڑھتے ہیں گھر میں کام کو جاتا ہوں
یہ کہکر چلے جاتے۔ زنانہ مکان میں تنہا ایک کوٹھری میں رہتے۔ گرمی سردی برسات
تینوں موسم اسی کوٹھری میں بغیر پنکھے کے گزارتے تھے۔ نماز روزہ کے سخت پابند تھے۔
چند لوگوں سے بہت خلوص تھا۔ اور بے تکلف اُن سے ملتے تھے۔ اولیسہ مذہب محض تلاوت
قرآن شریف کی وجہ سے حاصل تھا۔ شادی نہیں کی ملنے والوں کو دین کی پابندی کی تاکید
کرتے تھے۔ تقریباً ایک سال سے ہیضہ کی شکایت ہوئی اور جاتی رہی ناتوانی بڑھتی گئی

وجاہت اصرار سے ایک دوبار پی لیتے۔ غفلت مرض میں بھی کلام شریف کی تلاوت جاری تھی۔ آخیر مرض موت میں انتقال سے چار یا پانچ روز پہلے ایک دو مخلصوں سے فرمایا کہ میاں فرشتے میرا رزق ڈھونڈھتے ہیں مگر نہیں ملتا۔ افسوس کہ ۲۸۔ اپریل ۱۹۲۳ء کو رات کے گیارہ بجے انتقال فرمایا اور ۲۹۔ اپریل کو جناب میاں امیر شاہ صاحب مرحوم کے احاطۂ مزار میں دفن کیا۔

مولوی سید بہادر علی

ابن مولوی سید جمال علی صاحب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم عربی و فارسی کی تکمیل اپنے چچا مولوی امام علی صاحب سے کی اور نسخ کی خوشنویسی اپنے دوسرے چچا سید عنایت علی صاحب سے حاصل کی آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف بعض بعض جگہ موجود ہیں۔ شاگرد بہت سے تھے ریاست کے اہل خاندان بھی بہت سے شاگرد تھے۔ نواب جنت آرام گاہ کے رفقا میں داخل تھے۔ ان کے ہمرکاب لکھنؤ وغیرہ مقامات میں بھی رہے علاوہ اور داد و دہش کے چار آسامیاں فوج میں بھی عطا ہوئی تھیں پچاس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ کوچہ صیقل گراں کی مسجد کے آگے دفن ہوئے۔

بھورے میاں

نام کمال الدین خاں ولد غلام حسین خاں ابن مولوی غلام جیلانی خاں رسالہ دار حضرت شاہ درگاہی صاحب کے خلفا میں[1] سے تھے۔ رات دن ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے۔ شادی بھی نہیں کی۔ شاہ درگاہی صاحب کا مزار خود بنوایا اور ہر سال انکا عرس کرتے تھے۔ چوتھی رمضان سنہ بارہ سو چوراسی ہجری (۱۲۸۴ھ) کو وفات ہوئی۔ اور محلہ پل پختہ میں گنبد دار مزار موجود ہے۔ جسکو انکے خلیفہ میاں نذر علی صاحب نے

---

[1] انوار العارفین۔

یر کرایا ہو۔ حافظ جمال اللہ صاحب کو آپ کے والد سے اس قدر الفت تھی کہ حافظ جی
ے نام سے اُن کو پکارا کرتے تھے جو اپنا لقب تھا۔ بھورے میاں کی دو برس کی عمر تھی
یکایک سخت علیل ہو گئے۔ غلام حسین خاں صاحب نے جا کر حالت عرض کی حافظ صاحب
شریف لائے اور فرمایا حافظ جی یہ تو اچھا خاصہ ہے۔ تم مطلق اندیشہ نہ کرو یہ ابھی نہیں مریگا۔
بلکہ اپنی عمر طبعی کو پہونچیگا۔ اور مقبول بارگاہ الٰہی ہوگا۔ اور میری بھی ایک عمدہ
رمت اس سے انجام پائیگی۔ چنانچہ آپ اچھے ہو گئے اور بہت اثر ہوئی اور اپنے پیر اور
ادا پیر کے مزاروں کی درستی کرائی۔

پ ہمیشہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں پہروں رہے جایا کرتے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ
بؑ میں آپ کو دیکھتا تو مثل ماہ تاباں کے پاتا۔ اور بہت سے تارے آپ کے جسم مبارک پر
اہر ہوتے۔ اس کے بعد آپ میری نظروں سے غائب ہو جاتے اور جگہ خالی مجھے نظر آتی۔
ر آپ ہنس کر فرماتے کمال الدین تو مسند کی طرف کیا دیکھتا ہے۔

مصر بھولا ناتھ

جنابؑ نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں (سنہ ۱۱۸۸ھ تا سنہ ۱۲۰۸ھ)
بھی حکیموں میں تھے۔

پیر بیرام خاں خٹک

یہ بزرگ بعہد نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (سنہ ۱۱۸۸ھ تا سنہ ۱۲۰۸ھ) رام پور آبسے
تھے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوسکے۔ آدمی مقدس۔ اور مخیر تھے۔ نہایت مالدار تھے۔
اور ان مسجدیں اور ایک سو کنویں بنوائے۔ بلاسپور کے مکانات تحصیل بھی انکے بنوائے ہوئے ہیں
فی الحال فراش خانہ کے سامنے جو مسجد ہے انہیں کی بنوائی ہوئی ہے ایک مسجد چھوٹی والی

سلہ مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین اُردو مؤلفہ مولوی مرزا محمد عبدالستار بیگ سہسرامی المطبوعہ۔
سلہ مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین ۔ سلہ فصول فیض اللہ خانی ورق ۴۶ ۔

جو چاندی خانۂ قدیم کے دروازہ کے برابر تھی۔ ایک مسجد احمد شاہ خاں خٹک والی جواب احاطۂ عدالتہائے صدر میں آ گئی ہے۔ ایک مسجد کٹ گنبا میں ہے۔ اور مسجدوں کا حال تحقیق نہیں ہوا۔ ان کے مکانات بھی اس جگہ تھے جہاں اب عدالتہائے صدر واقع ہیں ذکور اولاد میں کوئی باقی نہیں ہے۔ ان کی دختر کی شادی مولوی ناصر خاں ولد نجابت خاں سے ہوئی تھی جنکے بطن سے حکیم احمد خاں فاخر خاں پیدا ہوئے۔ پیرجی کا اصلی نام ابراہیم خاں تھا عرف میں پیر بیرام خاں مشہور ہو گئے۔ سنہ رحلت معلوم نہیں ہوا۔ آپ کا مزار غلام حیدر خاں کے تکیہ میں متصل مکان حافظ اسد علی خاں ہے۔

امام سید تراب علی شاہ

آپ کے والد کا حال معلوم نہیں۔ زبانی روایت ہے کہ سید سالار مسعود غازی کے لشکر کے امام تھے۔ قصبہ بلاسپور کی آبادی کی جگہ لڑائی ہوئی۔ اُس میں آپ شہید ہوئے۔ کہتے ہیں قوم کے سید۔ عالم اور درویش تھے۔ آبادی قصبہ بلاسپور سے گوشۂ غرب جنوب ملحق آبادی مزار ہے۔ اور وہیں گنج شہدا ہے۔ اہل بلاسپور کو آپ سے بہت عقیدت ہے۔ سال میں ایک بار بلا تعین تاریخ عرس ہوتا ہے۔

مولوی جعفر علی خاں

ولد مولوی اکبر علی خاں خانزادہ اکوزی حاجی خیل ساکن محلہ پھلوار و چوک محمد سعید خاں کتب عربی درسیہ مولوی محمد نور۔ مولوی نور النبی۔ سید حسن شاہ محدث مولوی محمد حسن امروہی سے پڑھیں۔ اپنے والد سے بھی علوم پڑھے۔ مرتے وقت تک سوائے درس تدریس کے کوئی مشغلہ نہ تھا۔ نہایت قانع متقی۔ پرہیزگار اور سادہ مزاج تھے۔ ان کے اتقا کی کثرت سے لوگ اُن کو وہابی کہتے تھے۔ چوک محمد سعید خاں کی مسجد میں جماعت اور نماز کا اہتمام اُن کی برکت سے ہے۔ تقریباً کل محلہ ان کے فیض سے نمازی ہو گیا۔ نماز کے اوقات سنت نبوی کے موافق تھے۔ صبح کی نماز اندھیرے میں ہوتی تھی مگر انکی برکت

جس قدر نمازی اُس مسجد میں ہوتے تھے شہر کی کسی مسجد میں نہیں ہوتے تھے۔ اگر کوئی شیرینی لاکر فاتحہ دلانا چاہتا تو کبھی فاتحہ نہیں دیتے تھے۔ لوگ سخت و سست کہتے تھے۔ مگر کبھی کسی کو جواب ترش بھی نہیں دیا۔ بشیر علی خاں جوان بیٹا اکلوتا مرگیا۔ لیکن حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ ریاست رام پور میں جو مقام ٹانڈا ہے۔ اُس میں تمام ہنجاروں کو نماز اور روزہ کا پابند کردیا۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں ملازم تھے۔ پچھتر سال کی عمر میں تیرہ سو پچیس ہجری یعنی ۱۳۲۵ھ میں رام پور میں انتقال کیا۔ ایک فرزند ڈاکٹر مختار علی خاں ولد بشیر علی ڈاکٹر زندہ اور متقی ہیں۔ مختار علی خاں کے فرزند نے علوم عربیہ اور فارسی کی خوب تکمیل کی ہے۔

مولوی جلال الدین

قوم[1] پٹھان مولوی محمد کے شاگرد تھے۔ وعظ و پند پر بہت مصروف تھی کسی امر کو کرنا منظور ہوتا تو پہلے یہ کوشش کرتے کہ سب کا اجماع اُس پر ہو جائے۔ اِس ہوس کی بدولت رنجش پر نوبت آجاتی تھی آخر کو یہ ہوا کہ سنت ابوذر رضی اللہ عنہ اُن پر جاری ہوئی اور شہر سے نکالے گئے۔ اور نہایت عسرت میں انتقال ہوا۔ اِن کا زمانہ بھی تیرھویں صدی ہجری کی ابتدا ہے۔

مولوی جلال الدین احمد خاں تخلص جلال

ولد حاجی رحیم الدین خاں قوم افغان محلہ بنگلہ آزاد خاں میں رہتے تھے رام پور میں ۲۵ شوال ۱۲۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔ کتب فارسی مولوی غیاث الدین و شیخ احمد علی سے پڑھیں۔ عربی دیگر علمائے رام پور سے حاصل کی۔ مختلف مقامات پر ملازمت کی اخیر عمر میں صاحبزادہ زین العابدین خاں صاحب بہادر عرف کلن خاں کے ہاں جے پور میں ملازم تھے۔ بحالت ملازمت جب رام پور تشریف لاتے تو راقم کے والد کے پاس مقیم ہوتے تھے۔ اُن سے نہایت اتحاد تھا۔ بہت باوقار، کم سخن۔ اور بافہم تھے۔

[1] روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں۔ [2] روزنامچہ میں یہی عبارت ہے۔

عربی۔ فارسی میں اعلیٰ استعداد تھی۔ صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں کبھی کبھی نظم بھی لکھتے تھے۔ جے پور سے ترک تعلق کے بعد رام پور میں خانہ نشین رہے۔ رام پور میں اور جے پور میں سیکڑوں شاگرد ہیں حضرت شاہ سعید احمد صاحب مجددی دہلوی سے بیعت تھے۔ شعبان کی گیارھویں تاریخ تیرہ سو تیرہ ہجری (۱۳۱۳ھ) کو انتقال فرمایا اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ مولوی سراج الدین احمد خاں رام پور میں اور حافظ معز الدین خاں نائب بخشی فوج جے پور میں۔ دو فرزند زندہ موجود ہیں۔

مولوی شیخ جلال الدین تخلص جلال

ولد مولوی شرف الدین صدیقی صاحب علم و فضل تھے۔ اپنے والد سے تعلیم علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا ایسے قانع اور متوکل تھے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بذل نفس و مال میں انتخاب۔ مولوی غلام جیلانی رفعت کی صحبت میں مذاق درویشی کی لذت اُٹھائی ستر برس کا سن پایا بارہ سو بائیس ہجری (۱۲۲۲ھ) میں اکیسویں ذیقعدہ کو انتقال فرمایا کبھی نظم فارسی بھی لکھتے تھے

مولوی جلال الدین نابینا

ولد مولوی کمال۔ آپ کے علم و فضل کی رام پور میں بڑی شہرت ہے بچپن میں آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اُسی حالت میں علوم و فنون کی تکمیل کی۔ ہر فن میں کامل تھے۔ مولوی عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی تعریف بہت سنی اور ملاقات کا آرزومند ہوں۔ رام پور ہی میں انتقال ہوا ۱۲۴۶ھ تک زندہ تھے۔

مفتی[1] اسد اللہ خاں محمدی ولد مفتی کریم قلی خاں صدر الدولہ میں پورہ ساکن جونپور نے کتب معقول شرح سلم وغیرہ آپ سے پڑھی تھیں۔ مفتی موصوف تیرہ سال مفتی عدالت

---

[1] حصہ دوم تجلی نور مطبوعہ۔

ضلع فتحپور اور پھر قاضی القضاۃ صدر آگرہ اور پھر صدر الصدور دیوانی عدالت کے ہوگئے تھے۔ یکم جمادی الاول ۱۳۱۸ھ کو جونپور میں انتقال کیا اور محلہ چتر ساری میں دفن ہوئے۔

مولانا سید جمال الدین

بن مولوی سید کفایت علی۔ قوم کے سید۔ اصلی وطن لاہور ہے آپ کے والد کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک درویش کی دعا سے مولانا سید جمال الدین اور ایک بھائی میاں کمال الدین پیدا ہوئے۔ علوم عقلی و نقلی حدیث و تفسیر دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے پڑھے۔ شاہ عبد العزیز آپ کے ہم سبق تھے۔ درویشی کا خیال ہوا تو مولانا فخر الدین دہلوی سے بیعت کی۔ اور خلافت پائی۔ مرشد نے دہلی سے رخصت کر دیا۔ اور رام پور میں قیام کا حکم دیا۔ دہلی سے مراد آباد آئے۔ مراد آباد میں سید احمد صاحب کے خاندان میں شادی ہوئی جنکا مزار متصل دریائے رام گنگ جامع مسجد رستم خاں و کھنی کے شادی کے بعد رام پور میں آئے یہاں عام و خاص آپ کے معتقد ہوگئے عنایت منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے۔ مسلمان۔ ہندو وغیرہ۔ سنی سب ہی حاضر خدمت ہوتے تھے۔ منشی جانکی داس آنجہانی دیوان صدر رام پور ایک بار حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا جس کو معبود حقیقی جانتے ہو اُس کی یاد سے غافل نہ رہنا کوئی بھی شخص حاضر ہوتا فوراً تعظیم کو کھڑے ہو جاتے۔ بھنگی کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر مرحوم والی رام پور کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ پیر زنجیر کے مزار کے پاس مکان تھا۔ اور دیوار بیچ ریاست کے زنانہ مکانات تھے۔ جب عمارت کی توسیع ہوئی تو دوسرے محلہ میں چلے گئے۔ پیر زنجیر کا مزار اور اُسکی مسجد کا اب نشان باقی نہیں ہے۔ مولانا فخر الدین دہلوی کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ جب آپ دہلی جاتے مولانا دریا تک استقبال کو آتے۔ اور دہلی سے دور اترنے دیتے۔ آپ کے مرشد کے صاحبزادہ میاں کالے صاحب رام پور آئے دس کوس سے استقبال کیا۔

شہر کے دروازہ سے اُن کی پالکی کو کندھا دیا آپ کے معتقدین میں سے جنگی خاں لکر پلے والے
اور جسقدر امرا تھے سب نے پالکی کاندھے پر اُٹھائی۔

مولانا قاری عبدالرحیم نے بیان کیا کہ میں اپنی صغیر سنی میں اپنے والد مولوی عبدالماجد
کے ہمراہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا مجھے دیکھکر آپ نے فرمایا آؤ حافظ عبدالرحیم۔
والد نے عرض کیا ابھی تو قرآن ناظرہ بھی نہیں پڑھا ہے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ حافظ ہوجائیگا
یہ اُن کی برکت تھی کہ قاری عبدالرحیم کی قرأت اور حفظ کی ہر زبان پر داستانیں ہیں۔

جب کسی مسلمان کی میت کی اطلاع ہوتی نماز جنازہ میں شریک ہوتے۔ آخر عمر میں ضعف
شدید ہوگیا تھا۔ اُس وقت ڈولی میں بیٹھکر جاتے تھے۔ آپ کی تکلیف کی وجہ سے
لوگوں نے میت کا ذکر کرنا چھوڑ دیا تھا۔

سُنا ہے علوم ظاہری کا بھی درس فرماتے تھے۔ اور نسبت باطنی میں تو ہزاروں فیضیاب ہوئے۔
آپ کے خلفا میں شاہ جی غلام رسول خاں نہایت مرتاض آدمی تھے اور انکے انتقال سے
اس سلسلہ کا گویا خاتمہ ہوگیا۔

صاحب تواریخ عجیبہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ بحالت صاحبزادگی جناب نواب سید محمد سعید خاں
بہادر جنت آرام گاہ نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ نواب احمد علی خاں بہادر کا حکم ہے شہر سے چلے جائیے۔
مولانا نے اپنی ایک ٹوپی منگا کر دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے معزز اور مکرم آؤگے
خاطر جمع رکھو۔ نواب صاحب نے عرض کیا جو ٹوپی آپ پہنے ہیں یہ عنایت ہو۔ چنانچہ وہی
ٹوپی دیدی۔ اور پھر وہ رئیس ہوکر رام پور آئے۔ مولانا نے ایک سو تین سال کی عمر میں
اُنتیسویں جمادی الاولیٰ سنہ بارہ سو اکتالیس ہجری (۲۹ ۱۲۴۱ھ) کو انتقال فرمایا۔

آپ کے مرشد کی تاریخ وفات رضی اللہ عنہ (۱۱۹۵ھ) ہے اور آپکی تاریخ رضی اللہ عنہم ہے۔
یہی تاریخ مزار پر کندہ ہے۔ آپ کے انتقال کی خبر سے تمام شہر کو صدمہ عظیم تھا۔ جناب
نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر نے فرمایا مقبرہ کے واسطے جو باغ پسند ہو لیلیا جاوے

بریلی دروازہ جہاں مزار ہے یہ سرکاری باغ بہت وسیع تھا۔ نہایت عالیشان دروازہ اور پختہ چار دیواری تھی جواب بھی کسی قدر باقی ہے۔ اس باغ میں مدفن قرار پایا۔ تمام شہر کے امرا۔ علما درویش اور غربا جنازہ کے ساتھ تھے۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر بھی جنازہ کے ساتھ تھے۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے بیرون شہر بریلی دروازہ کے باہر نماز جنازہ ہوئی۔ نواب احمد علی خاں بہادر نے آپ کو قبر میں اُتارا اور کہا افسوس ایسا درویش پچاس برس تک میری زیر دیوار رہا مگر میں نے قدر نہ جانی۔

مولوی جمال احمد مجددی

ولد میاں غلام احمد مجددی۔ کرم خاں کے باغ کے متصل رہتے تھے۔ مولانا محمود عالم صاحب سے کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا ولی النبی قدس سرہٗ کی بہن منسوب تھیں اس لئے میاں ضیاء النبی کے گھر میں سکونت اختیار کی۔

کلکتہ کے کسی جھگڑے میں دریائے شور کو بطریق سزا بھیجے گئے وہاں سے رہا ہو کر رام پور آئے تو نواب خلد آشیاں نے بیس روپیہ تنخواہ کرکے مدرسہ عالیہ میں مدرس کر دیا۔ اصول فقہ خوب پڑھاتے تھے۔ اور تمام علوم کی تکمیل کامل تھی۔ نہایت مقدس بزرگ تھے۔ رام پور میں محرم کی انیسویں تاریخ سنہ بارہ سو اٹھانوی ہجری (۱۲۹۸ھ) کو انتقال فرمایا۔

سید محمد جمال شاہ تخلص مظلوم

ولد سید قطب شاہ فقیہ ابن سید خواجہ نور۔ ابن سید حسن۔ ابن سید صدر الدین۔ ابن سید عبد الخالق ابن سید امیر محمد عرف پیر بابا ابن سید مصطفیٰ ابن سید علی ترمذی عرف پیر بابا۔ حسینی الحسینی۔ آپ کے والد بعہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۹ھ) رام پور میں تشریف لائے۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت سید اعظم الدین ہے اور آپ کے ہی خاندان سے تھیں۔ آپ رام پور میں تقریباً ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بی بی شمس النسا بنت مولانا فقیہ الدین خلف مولانا جمال الدین

مرحوم سے شادی ہوئی۔ اکتساب علوم فارسی اور عربی اپنے والد اور دیگر اساتذہ رام پور سے کیا۔ اپنے والد سے طریق باطنی میں کمالات حاصل کیے۔ مگر آپ کے والد نے طریقہ خلافت جاری نہیں رکھا تھا۔ اس لئے مولانا نصیر الدین عرف میاں کالے صاحب سے خلافت پائی۔ اور سلسلۂ تعلیم باطنی شروع کیا۔ زہد۔ تقویٰ۔ مجاہدہ اور ریاضت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امرا کے دروازہ پر کبھی نہیں گئے محلہ راج دوارہ میں گوشۂ تنہائی میں زاویہ نشین تھے۔ ترویج طریقۂ باطنی پر کوشاں تھے۔ مریدین کو ہمہ وقت یاد الٰہی کی تاکید تھی اور اس کے خلاف گفتگو اور تحریر سے ملال ظاہر فرماتے تھے۔ آپ کے تیرہ مکتوبات فارسی مجمع البحرین میں چھپے ہیں ان سے آپ کی محبت الٰہی کی حالت واضح ہوتی ہے۔ بہت لوگوں کو راہ ہدایت بتائی۔ آپ کے خلفا میں سید اسد علی شاہ رام پوری۔ سید وزیر علی شاہ۔ سید امیر علی شاہ پیر جی احمد شاہ رام پوری مشہور ہیں۔ آپ کا مکان خرمے والی بغیا کے نام سے مشہور ہے۔ یہ آپ کی برکت ہے کہ آپ کے مکان میں خرمے کے درخت ہیں اور نہایت لذیذ پھل دیتے ہیں۔ نظم اردو بھی کبھی لکھتے تھے اور اس میں واردات قلبی کا اظہار ہوتا تھا۔ اپنے مکانات اور دکانات کے کرایہ پر گزر تھی۔ خورموں کے پھلنے کے موسم میں جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کی طرف سے پھلوں کی حفاظت کا نہایت اہتمام ہوتا تھا۔ تھوڑے سے پھل نواب صاحب کے لئے روز جایا کرتے تھے شباب میں مزاج میں نہایت غصہ تھا۔ اور سپاہیانہ وضع سے رہتے تھے۔ اکثر خانہ جنگیاں ہوئیں۔ نواب فردوس مکان کی ولیعہدی میں ان کے اردلی کے سواروں میں ملازم تھے۔ اچھے سپاہی اور پورے سوار تھے۔ دوشنبہ کے دن وقت ظہر شعبان کی اٹھائیسویں تاریخ بارہ سو چھیانوے ہجری (۱۲۹۶ھ) کو انتقال فرمایا۔ اور اپنے والد کے برابر اپنے خرموں کے باغیچہ میں دفن ہوئے۔ عہد جناب نواب سید محمد مشتاق علی خاں صاحب بہادر عرش آشیاں میں (۱۳۰۵ھ تا ۱۳۰۶ھ) گنبد مزار کا پختہ بن گیا۔

اب اور بھی عمارتیں خدام نے بنائی ہیں۔ آٹھ اولادیں لاولد فوت ہوگئیں۔ فی الحال ایک فرزند میاں مشتاق صاحب زندہ ہیں اور صاحب ارشاد ہیں۔

مولوی جمال شاہ خاں صرفی ونحوی

ولد اخون زادہ محمد نور خاں ولد ملا ملوک۔ مفتی شرف الدین کے داماد ہیں۔ علوم معقول ومنقول میں علمائے رام پور خصوصاً مفتی شرف الدین سے تلمذ تھا۔ مدت تک مدرسۂ عالیہ میں مدرس رہے کسی وجہ سے رام پور سے ملازمت ترک کرکے گوالیار گئے۔ اور مولوی عبدالعزیز خاں رام پوری ناظم ریاست گوالیار کو پڑھاتے رہے۔ پھر رام پور میں واپس آگئے۔ یہاں کچھ دنوں صاحبزادہ باقر علی خاں بہادر مرحوم کے ہاں انکے نواسوں کی تعلیم پر ملازم رہے۔ ان سے بھی بہت فیض ہوا۔ حکیم عبدالرشید خاں مدرس اول مدرسۂ طبیہ دہلی نے بھی ان سے پڑھا تھا۔ صرف اور نحو میں بےمثل تھے عروض وقافیہ بھی خوب جانتے تھے۔ ملا ملوک کا گھیر اب تک مشہور ہے۔ اور یہ خاندان صاحب املاک جائداد تھا۔ انتقال کو تقریباً چالیس سال ہوئے۔ موٹے کلن کی کنیا والے قبرستان میں دفن ہوئے۔ تین اولادیں تھیں۔ صاحب علم کوئی نہیں ہوا۔

مولوی سید جمال علی

حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے باہرہ میں پیدا ہوئے املاک عطیہ شاہی سے بسر ہوتی تھی۔ بعہد جناب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر مولوی سید امام علی صاحب وسید عنایت علی صاحب۔ آنولہ میں آئے۔ نواب صاحب بہادر ممدوح نے بہت عزت فرمائی اور ان کے ہر طرح کفیل رہے۔ جب رام پور دارالحکومت ہوا تو یہاں آئے اور پیر زنجیر کی زیارت کے پاس سکونت اختیار کی یہ مقام اب داخل قلعہ معلی ہے رنگ محل کے متصل پیر زنجیر کا مقبرہ گنبد دار تھا۔ اب کوئی نشان باقی نہیں ہے جب توسیع قلعہ میں یہاں کے مکانات آگئے تو سید صاحب محلہ دینہ عنایت خاں میں صیقل گروں کے کوچہ میں رہنے لگے۔

فارسی کے ماہر تھے۔عربی میں بھی دخل تھا۔خط نسخ کے اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے چھیانوے برس کی عمر ہوئی۔عبداللہ خاں کے باغیچہ کے متصل کھنی کے درخت کے نیچے دفن ہوئے۔تاریخ وفات معلوم نہیں ہوئی۔

حافظ شاہ جمال اللہ

ولد سید سلطان شاہ معروف بہ سید محمود روشن۔لاہور کے مضافات میں ایک قصبہ گجرات شاہ دولہ کے نام سے مشہور ہی۔وہاں پیدا ہوئے نسب آپ کا حضرت سید عبدالقادر جیلانی تک پہونچتا ہی۔آپ نے خود اپنا حال مولوی غلام حسین خاں خلف مولوی غلام جیلانی خاں سے اس طرح بیان کیا کہ بچپن ہی میں میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا تھا اُسی وقت سے طبیعت میں ولولہ اور بیخودی پیدا ہوگئی۔ ایام طفلی میں گھر سے نکل کر وزیرآباد (پنجاب) میں آیا وہاں ایک شخص عالم باعمل اور صالح تھے اور اُن سے کرامتیں بھی سرزد ہوتی تھیں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا چنانچہ قرآن شریف اُن سے حفظ کیا۔ایک روز وہ بزرگ فرمانے لگے جمال اللہ تمھارا حصہ ہندستان میں بامانت ہی وہاں جاؤ اور دھیان تم سے ایک عالم کو فائدہ ہوگا۔وزیرآباد سے دہلی آیا شاہجہان آباد سے باہر ویرانہ میں ایک مسجد تین در کی تھی دو در بند تھے ایک کھلا ہوا تھا اُسی ویران مسجد میں ٹھہر گیا۔اور علم فقہ پڑھنا شروع کیا۔روزانہ دو ختم قرآن شریف کے کرتا تھا اور باقی اوقات میں پڑھتا تھا۔اور اُستاد کی خانگی خدمت کرتا تھا۔رات میں چکی پیستا تھا تیسرے روز اُستاد کے اصرار سے تھوڑے جو کھالیتا تھا میرے اُستاد ہمیشہ مجھے مرید ہونے کے لئے نصیحت کرتے تھے۔مگر میں تو خود بینی کو خداوانی سمجھے ہوئے تھا اور کہتا تھا کہ جو میں ریاضت کرتا ہوں اِس سے زیادہ درویشی میں کیا ریاضت ہوگی۔اور دوسروں سے التجا کرنا کیا فائدہ۔ایک رات کو یہ اتفاق ہوا کہ میں اپنی ویران مسجد میں تلاوت قرآن شریف کر رہا تھا دروازہ مسجد کا بند تھا کہ ایک شخص نے مجھسے کہا جمال اللہ

تلاوت قرآن بڑی عبادت ہی مگر بغیر بیعت ہوے ولایت حاصل ہونا محال ہے۔ اور پھر وہ شخص غائب ہوگیا۔ دروازہ بدستور بند تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کوئی نہ تھا اُسی وقت دوڑا ہوا اپنے اُستاد کی خدمت میں گیا اور یہ حال بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ ابھی چلئے اور مجھے بیعت کرا دیجیے۔ انھوں نے فرمایا رات کے وقت باہر جانے میں اندیشہ ہی۔ دن نکلے تو چلیں۔ بہزار دشواری خدا خدا کر کے رات گزاری۔ صبح کو وہ مجھے اپنے پیر مولانا شاہ قطب الدین مولوی محمد اشرف حیدر حسین کی خدمت میں لے گئے ان کی صورت دیکھکر میں بیتاب ہوگیا۔ مولانا نے میرے استاد سے میرے معاد و معاش کے حالات دریافت کئے اُستاد نے سب حال عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ فقہ پڑھتے ہیں ارشاد ہوا کہ جبکہ شادی ہی نہو گی تو مسائل حیض سے کیا فائدہ۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ نکاح میرے لئے جائز نہیں ہے۔ پھر مجھسے فرمایا آج شب کو استخارہ کرنا تاکہ جو امر ظاہر ہو اُسکے موافق کیا جائے۔ میں نے استخارہ کیا خواب دیکھا مگر یاد نہ رہا میں صبح کو حاضر ہوا حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار کے پائیں میں تشریف رکھتے تھے۔ چوبیس۲۴ برس سے اسی مزار کی جاروب کشی کرتے تھے۔ مجھسے خواب کی بابت کچھ استفسار نہیں کیا اور بیعت فرمالیا۔ اُس روز سے میں نے یہ معمول رکھا کہ صبح سے شام تک میں خدمت میں کھڑا رہتا تھا۔ البتہ مراقبہ کے وقت حلقہ میں بیٹھ جاتا تھا۔ یہ حال تو خود حافظ صاحب کی زبانی ہی۔ مگر دیگر احباب کا بیان ہی کہ بارہ برس اسی طرح سخت ریاضت کی۔ ایک روز مولانا نے حافظ صاحب سے کہا کہ کثرت مجاہدہ سے اب تم کو کمال عطا ہوگیا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ دست غیب یا کیمیا بھی تم کو بتا دیں۔ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ میری خواہش تو مرشد سے سوائے مرشد کے اور کچھ نہیں ہی۔ یہ سنکر مولانا نے اُٹھکر گلے سے لگایا اور خلافت عطا کی جو لباس پہنے ہوے تھے وہ عطا کیا۔ اپنے خلفائے قدیم کو فرمایا اب حافظ صاحب سے بھی تم اجازت لو۔ اور حافظ صاحب کو حکم دیا کہ کشمیر میں جاکر افاغنہ کی تربیت کریں۔ مولانا کو افغانوں سے خاص اُنس تھا اور اُن کی والدہ بھی پٹھانی تھیں حافظ صاحب

مصطفیٰ آباد عرف رام پور میں آئے اور ایک مدت تک بہادر جنگ خاں کی زیر رسالہ داری
جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے ملازم رہے۔ اور لباس سپہ گری میں
درویشی کو چھپاتے تھے۔ مگر دہلی سے اُن کے پیر برابر تاکید فرماتے تھے کہ طریقہ کو
رائج کریں ایک روز بازار میں کھڑے تھے نواب صاحب کے دروازہ پر نے نواز نے
بجا رہا تھا۔ اُس کی آواز سے جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ اُسی حالت میں آپ رسالہ دار
کے گھر کو چلے۔ راہ میں جس پر نظر پڑی وہ بیہوش ہوگیا۔ اس کرامت سے شہر میں عام
شہرت ہوگئی۔ ہزاروں پٹھان اور دیگر قوم کے آدمی خدا پرست ہوگئے اور انتقال تک
حالت صلح و جنگ و قیام و گریز میں برابر پٹھانوں کے شریک حال رہے۔
انتقال ۳۔ صفر ۱۲۰۰ھ کو ہوا۔
حافظ رحمت خاں اور اُن کی بیٹی خدیجہ بیگم بھی مرید تھی۔ ان کی دعا سے خدیجہ بیگم کا مرض
جذام جاتا رہا۔ ملا فدا ایک عالم متبحر تھے اور حافظ صاحب کے خلیفہ تھے لکھنؤ میں تلقین
فرماتے تھے۔ لال ڈھانگ کے ہنگامہ میں بھی حافظ صاحب جناب نواب سید فیض اللہ
خاں صاحب بہادر کے لشکر کے ساتھ تھے۔
ایک شخص قاضی سند نامی نے سید عبداللہ صاحب بغدادی کو حافظ صاحب کی طرف سے بھڑکایا۔
اور ایک جماعت بغرض فساد حافظ صاحب پر چڑھ کر آئی۔ مگر ہنگامہ فرو ہوگیا۔ لوگ کہتے ہیں
حافظ صاحب کو کتوں کے شکار کا شوق تھا موضع بیلی واقع تحصیل سوار ہو کر شکار کے لیے
جاتے تھے۔ حضرت[1] شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ بھی رام پور میں جناب حافظ صاحب سے
ملے تھے۔ گرمی کا موسم تھا حافظ صاحب نے تربوز عنایت کیا۔
شاہ صاحب نے عرض کیا میں گرمی محبت اور حرارت مودت کی طلب میں آیا ہوں۔
آپ کے خلفا میں سے شاہ درگاہی جنکا مزار رام پور میں ہے۔ میاں سیف اللہ شاہ جہ

---

[1] درالمعارف مولانا رؤف احمد صفحہ ۲۳۶۔

قصبۂ سرسی تحصیل سنبھل ضلع مراد آباد میں رہتے تھے اور بہت سے لوگ مشہور ہیں۔ حاجی صاحب نامی ایک بزرگ حافظ صاحب کے مزار کی خدمت کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد شاہ درگاہی صاحب نے عمر خاں کو خدمت مزار پر مقرر کیا۔ شاہ درگاہی صاحب نے پختہ احاطہ اور درویشوں کے رہنے کے واسطے پختہ مکانات اور گنبددار مزار بنوایا۔ تھوڑی سی آراضی حاجی صاحب متولی مزار نے خرید کر وقف کردی ہے جس کی آمدنی ساڑھے تین سو روپے سالانہ کی ہے اُس سے مصارف عرس وغیرہ ہوتے ہیں۔ عرس میں ریاست سے بھی مدد ملتی ہے۔ متولیوں کا عزل ونصب ریاست کے اختیار میں ہے صاحب نسبت کوئی متولی یا خادم مزار نہیں ہے مصارف کا حساب صیغۂ اوقاف ریاست کے اعلیٰ عہدہ دار کو سالانہ دکھایا جاتا ہے۔

ملا جہانگیر

قوم پٹھان۔ مولوی باب اللہ کے شاگردوں میں سے بعہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲ۀ۸ھ) زندہ تھے۔

مولوی حبیب احمد

ولد حافظ محمد شاہ خاں۔ قوم پٹھان۔ محلہ کھاری کنویں میں مکان ہے ۲۷۔ رمضان ۱۲۹۱ھ کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ اول اپنے والد سے قرآن شریف حفظ کیا اور فارسی پڑھی۔ پھر مدرسۂ عالیہ اور دیگر اساتذہ سے علوم عربیہ پڑھکر سند تکمیل حاصل کی۔ مولوی حکیم غلام حیدر ولد مولوی حکیم احسن سے کچھ کتابیں طب کی پڑھیں۔ اور حکیم حسین رضا خاں مرحوم لکھنوی سے کل کتب طبیہ درسیہ عربی کی حاصل کیں خوشنویسی نستعلیق کی مولوی الٰہی بخش مرجاں رقم رامپوری سے سیکھی مُہرکنی میں منشی محمد جان ولد مولوی الٰہی بخش مرجاں رقم کے شاگرد تھے ریاست میں مُہرکنی پر ملازم تھے۔ ابتدائے عمر سے لہو ولعب سے متنفر اور علمی تجسس کے شائق تھے۔ قد بھی بدرجۂ اوسط تھے۔ لباس اور وضع دونوں سے شان طالب علمی ظاہر تھی بیہودہ مشاغل میں کبھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ اکثر اوقات طلبا کو حسبتاً للہ ابتدائی کتابیں پڑھاتے تھے جب آپ کے والد کا انتقال

ہوگیا تو ماں کی خدمتگذاری کے خیال سے عقد نہیں کیا اپنے اساتذہ کا نہایت ادب کرتے تھے۔ افسوس کہ اٹھتالیس برس سات مہینے کی عمر میں ربیع الآخر کی ستائیسویں تاریخ تیرہ سو اکتیس (۱۳۳۱ھ) ہجری کو طاعون سے انتقال ہوا اور بغدادی صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔

محمد حبیب الرحمٰن تخلص حبیب

ولد نیاز حسین حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد سے ہیں سنہ بارہ سو چھیاسٹھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حکیم عبدالکریم خاں مرحوم سے اکثر کتب درسیہ عربی پڑھیں۔ نہایت دیندار اور متقی تھے۔ فارسی اور اردو نظم میں مرزا حسین علی خاں شاد آں کے شاگرد تھے۔ ریاست کی ملازمت ترک کر کے دہلی میں دوا خانہ ہندوستان میں ملازم ہوئے۔ دہلی سے علیل ہو کر آئے اور رام پور میں ۲۴ شعبان ۱۳۳۱ھ کو انتقال ہوا۔

مولوی حبیب احمد تخلص حبیب

ابن شاہ رؤف احمد رأفت رام پور میں ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ بعد تحصیل علوم اپنے والد ماجد سے بیعت کی۔ عالم کامل تھے۔ اور زہد و ریاضت میں فرد تھے۔ شعر و سخن کا بھی ذوق تھا۔ تذکرہ آثار الشعرا اردو میں آپ کا تخلص روبیت لکھا ہے۔ اور کلام فارسی کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔ نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کے استاد تھے۔

جمادی الاولی کی چھبیسویں تاریخ بارہ سو باسٹھ ہجری (۱۲۶۲ھ) کو شہر بھوپال میں عین شباب میں ہیضہ سے انتقال ہوا۔ آپ کی وفات سے اہل بھوپال کو نہایت ہی ملال ہوا۔ آپ کی تاریخ رحلت ہے۔[1]

مرد چو آں روبیت عالی نہاد	شد دل احباب بہ آلام جفت
ملہم غیبی پئے سال وفات	روبیت مرحوم بفردوس گفت

[1] انتخاب یادگار۔

مولوی حافظ حبیب النبی تخلص نزہت

ابن مولوی ضیاء النبی مرحوم رام پور میں ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ مولوی جمال اور
...تی شرف الدین سے کتب درسیہ پڑھیں۔ تفسیر و حدیث کی سند مولوی نورالاسلام سے لی۔
مدرسۂ عالیہ کلکتہ سے بھی سند حاصل کی اور اُس مدرسہ میں ملازم بھی تھے۔ مولوی غلام جیلانی
...عت سے بھی استفادہ کیا۔ آپ کے والد کے نام سے گھیر اور مسجد اب تک معروف ہیں۔ مولانا
...ی النبی قدس سرہٗ آپ ہی کے فرزند گرامی تھے۔ اردو نظم کی طرف بھی کبھی توجہ فرماتے تھے۔
کلام کا نمونہ انتخاب یادگار میں موجود ہے۔[۱]
قصیدہ طحاویہ کی آپ نے بزبان اردو بسیط اور مدلل شرح لکھی ہے۔ مولوی عبدالقادر خاں
اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ اپنے والد کے زمانہ میں کم عمر تھے۔ ذہن رسا ہے۔
اگر امیر (ریاست) کی توجہ اُن پر ہوئی تو امید ہے مثل اپنے باپ کے نامور ہوں گے۔
یہ اُن کا قول صحیح ہو گیا۔ گو ریاست نے مدد نہیں کی مگر اپنی ہمت سے شہرت حاصل کی۔ ترپن
برس کی عمر ہوئی۔ رجب کی چوتھی تاریخ بارہ سو اکسٹھ ہجری میں (۱۳۲۱ھ) کلکتہ میں انتقال ہوا۔

مولوی حبیب الرحمٰن خاں

ولد مولوی محمد حیات خاں قوم پٹھان رام پور میں قلندر خاں کے گھیر میں سنہ ۱۲۱۲ھ میں
پیدا ہوئے۔ فارسی کتابیں خلیفہ شیخ احمد علی سے پڑھیں اور خوب دستگاہ حاصل کی۔
عربی کی صرف و نحو حافظ صدیق سے پڑھی شوق تعلیم باطنی کا دامنگیر ہوا میاں احمد علی
شاہ نقشبندی رام پوری سے بیعت کی۔ اور ذکر و شغل میں بہت محنت کی۔ پولس میں
جمعدار تھے۔ مگر اپنے اوقات کے پابند تھے۔ بہت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔
کسی کو مرید نہیں کیا۔ زہد و تقویٰ میں تمام عمر بسر کی۔ دوشنبہ کے دن بائیسویں جمادی الآخر
کو سنہ بارہ سو اٹھانوے ہجری میں (۱۲۹۸ھ) انتقال فرمایا۔ اور گھیر قلندر خاں

---

[۱] انتخاب یادگار۔

میں متصل باغیچہ نادر شاہ خاں صاحب دفن ہوئے شمس الرحمن خاں ایک فرزند موجود ہیں پلٹن میں ملازم ہیں۔

مولانا حبیب اللہ شاہ

ولد حضرت شاہ خاں ابن مولوی زبردست خاں قوم پٹھان رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے دادا سے علوم عربیہ کی تحصیل کی چند سال تک طلبا کو پڑھایا۔ مثنوی مولانا روم کے ایک شعر پر طلبا میں مباحثہ ہوا آپ کے سامنے بھی یہ معاملہ آیا مطلب حل نہیں ہوا۔ اسکے حل کے لئے آگرہ۔ دہلی۔ اور لکھنؤ کو علما کے پاس گئے۔ والد ہمراہ تھے۔ کہیں مدعا حاصل نہیں ہوا۔ لکھنؤ سے گوالیار کو گئے۔ اور شاہ محمد غوث گوالیاری کے خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں شعر کا مطلب حل ہوا اور وہیں قیام کا ارادہ کر لیا۔ والد سے کہا آپ سمجھ لیں کہ ایک لڑکا تھا مر گیا۔ اب مجھے آزاد کر دیجئے۔ آپ کے والد وہاں چھوڑ کر چلے آئے بہت مدت تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب مرشد نے اجازت دی تو رام پور آئے محلہ کنندہ میں مکان تھا اپنے محلہ کی مسجد کے حجرہ میں مقیم ہوئے گمر نہ گئے۔ ایک بار کسی معاملہ میں اہل محلہ سے ناراض ہوکر موضع درّو علاقہ ترائی ضلع نینی تال کو چلے گئے۔ اور کئی برس تک ادھر ادھر پھرتے رہے۔ پھر رام پور آئے۔ تو بیرون نواب دروازہ جہاں آپ کا مزار ہے ویرانہ میں باغیچہ کے قریب ٹھہر گئے۔ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے وہ قطعۂ اراضی تمام و کمال عطا فرمادیا لوگوں نے درخت لگا دئے مکان بھی بن گیا اکثر جذب غالب رہتا تھا۔ اس میں بھی شرع کی پابندی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے۔ جو کوئی آتا اسکو ڈھیلے مارتے۔ چند مخصوص آدمی تھے جو خدمت میں جا سکتے تھے۔ یہ عادت تھی کہ جمعہ کے دن غسل کرتے اور نماز جمعہ با جماعت وہاں ادا کرتے مسجد کے لئے ایک چبوترہ خام بنا ہوا تھا عصر کی نماز کے بعد سے مغرب تک وعظ فرماتے۔ بعد نماز مغرب باغ کے جو فصلی میوے ہوتے حاضرین کو

تبسم کرتے اور لوگوں کو رخصت کر دیتے۔ پھر جمعہ سے پہلے کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے تھے۔
ولوی علی احمد خاں پر خاص توجہ تھی ان کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا غوث علی شاہ جن کا مزار
نال میں ہے ایک بار حاضر ہوئے ان کو بھی ڈھیلے مارے۔ غوث علی شاہ نے عرض کیا میں
رشد کے حکم سے آیا ہوں پھر منع نہ کیا اور پاس بلالیا۔ آپ کی کرامتیں بہت مشہور ہیں اور آپکے
یکھنے والے بہت سے لوگ زندہ ہیں۔ پچھتر برس کی عمر پائی۔ مرنے سے تین روز پہلے آمد و رفت
ی عام اجازت دیدی تھی۔ شب و روز لوگ آتے جاتے تھے۔ گیارھویں رجب کو سنہ بارہ سو
اٹھاسی ہجری (۱۲۸۸ھ) میں صبح کے چار بجے انتقال فرمایا۔

ملا حبیب اخوند

راج دوارہ محلہ میں پیلو والی مسجد کی شمالی سیڑھیوں کے متصل کچا مزار آپ کا ہے۔
بڑے عالم دین تھے۔ اور قصیدہ بردہ کے عامل تھے۔ اسی محلہ میں رہتے تھے۔ مولوی
عبدالمجید خاں وکیل کے دروازہ کے سامنے مکان تھا۔ دو پوتے تھے مگر ناخواندہ۔
اب ایک پڑپوتا ہے مگر جاہل ہے۔

مولوی سید حبیب شاہ

ولایتی تھے۔ رام پور میں کتب فقہ مفتی سعداللہ صاحب اور میاں حسن شاہ وغیرہ علمائے
رام پور سے پڑھیں۔ شرف الدین خاں کے گھیر کی مسجد میں رہتے تھے۔ نہایت مقدس آدمی تھے
رام پور میں شادی بھی کر لی تھی۔ اور یہیں انتقال ہوا ۳۰ یا چالیس برس انتقال کو ہوئے۔

سید حسن رضا

ولد سید حسن شاہ ولد سید شاہ محمد محسن ولد قاضی میر حیدر۔ ہمایوں کے عہد میں قاضی میر
حیدر اور میر عسکری مدینہ سے آکر قصبۂ کاکو میں مقیم ہوئے۔ ہمایوں نے اِن کے علم و کمال کی
حالات سنکر قاضی میر حیدر کو بریلی کا عہدۂ قضا دیا۔ آپ کے بعد سید شاہ محمد محسن آپ کے
فرزند کو اکبر نے ۲ سنہ جلوس میں بتاریخ ۱۷۔ رجب موضع ملاپور اور موضع ویو ہر یا پرگنہ بریلی

نسلاً بعد نسلاً بطور جاگیر عطا کیے۔ آپ عالم فاضل اور درویش کامل تھے بریلی محلہ ذخیرہ میں آپ کا مزار ہی۔ آپ کے دو فرزند ہوے۔ ایک سید حسن شاہ دوسرے سید جمال علی۔ سید حسن شاہ بھی نہایت مقدس اور عالم تھے۔ ریاست رام پور سے ان کو پچاس روپے ماہانہ ملتا تھا سید حسن شاہ کے دو بیٹے ہوے۔ ایک میر مولائی جولا ولد انتقال کر گئے دوسرے سید حسن رضا جنکا یہ تذکرہ ہی۔ سید حسن رضا نے فارسی اور سنسکرت میں خوب کمال پیدا کیا۔ انگریزی قانون بھی پڑھا۔ برٹش گورنمنٹ میں سررشتہ داری سے ملازمت شروع کرکے ڈپٹی کلکٹری تک ترقی کی خط نسخ نہایت خوب لکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوے قرآن شریف و کتب بعض مساجد رام پور میں موجود ہیں۔ پچاس سال تک نماز تہجد قضا نہیں ہوئی۔ نہایت متورع اور دیندار تھے حسن سیرت کے ساتھ قدرت نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا۔ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے طلب فرماکر۔ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو تحصیل سوار میں تحصیلدار کردیا ۱۸۸۲ء میں بحالت تحصیلداری یکم شوال کو تحصیل ملک میں انتقال فرمایا۔ جنازہ رام پور میں آکر احسن خاں ٹھیکہ دار کی مسجد میں دفن ہوا۔ سید اکرام علی اور سید احسن رضا و صغیر الحسن لڑکے چھوڑے۔

سید اکرام علی جوان ہوکر لا ولد مر گئے۔ سید احسن رضا ریاست میں ملازم ہیں۔ مگر وہ علم و فضل اسلاف کا نہیں ہی۔

حکیم حسین رضا خاں

ولد حکیم محمد حسن رضا خاں لکھنوی تقریباً ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوے مختلف علماء سے کتابیں پڑھیں معقول شمس العلما مولانا عبد الحق خیر آبادی سے۔ ریاضی مولانا عبد... خاں رام پوری سے اور طب اپنے والد سے پڑھی۔ کتاب کے مطالعہ کے نہایت شائق تھے اکثر اوقات کتب بینی میں صرف کرتے تھے طلبا کو پڑھاتے تھے علم میں اپنے بھائی سے افضل تھے۔ درس بہت اچھا تھا۔ اور طلبا کی تسکین خاطر بخوبی کر دیتے تھے۔

ب کی رونق بھائی کے مطب سے کم تھی مگر معالجہ میں نہایت غور اور خوض سے
رتے تھے مریض کے حال کہنے پر نسخہ تجویز نہیں فرماتے تھے بلکہ خود نبض اور قارورہ سے
ض کر کے نسخہ دیتے تھے۔ ۲۳ جون ۱۸۵۸ء کو بعہد جناب نواب کلب علی خان بہادر
د آشیان رام پور میں ملازم ہوئے۔ ۲۵ اپریل ۱۸۸۷ء کو بعہد نواب سید مشتاق علیخاں صاحب
در عرش آشیان ترقی تنخواہ کی ہوئی ۱۸۹۳ء میں کونسل یجنسی کے لیے انتظام میں
یری مجسٹریٹ ہوئے۔ یکم ستمبر ۱۸۹۵ء میں اعلیحضرت بندگانِ حضور
پور نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ نے اور ترقی
رمائی۔ بائیس برس کی ملازمت کے بعد رام پور سے ترک تعلق ہو گیا۔
ر لکھنؤ جا کر اپنا مطب اور حلقہ درس جاری کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر رام پور آگئے اور
ہاں پر مطب شروع کیا۔ کتابوں کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ کتب کا ذخیرہ انکی اولاد
کے پاس ہے یکم ربیع الاول ۱۳۲۷ھ کو رام پور میں انتقال کیا اور میاں محمد عاشق صاحب
کے مزار میں بلاس پور دروازہ میں دفن ہوئے۔ پانچ فرزند لائق یادگار چھوڑے حکیم
دی رضا خاں فرزند اکبر کا مطب لکھنؤ میں اچھا ہے شاگرد بھی بہت سے ہیں۔

حکیم حاجی حسن رضا خاں لکھنوی

لد حکیم حاجی علی رضا خاں لکھنوی ۱۸۶۵ء میں لکھنؤ کے جھوائی ٹولہ میں پیدا ہوئے
ز سال کی عمر تک قرآن شریف اور اردو نوشت و خواند میں مصروف رہے پھر کتب عربیہ
علمائے فرنگی محل مثل مولانا عبدالحلیم وغیرہ سے پڑھیں طب اپنے پھوپھا حکیم مولوی
محمد یعقوب لکھنوی سے پڑھی اور ان کے مطب میں بیٹھے۔ بعد تکمیل پانچ سال تک
لکھنؤ میں اپنا مطب جاری رکھا۔ اکثر محلات شاہی شاہزادگان لکھنؤ اور اودھ کے
راجوں کا علاج کیا۔ آپ کے کمال کی شہرت کی وجہ سے راجہ مان سنگھ قائم جنگ تعلقدار اجودھیا
نے اپنا طبیب خاص مقرر کیا۔ تین برس تک وہاں ملازم رہے۔ وہاں کے قیام میں

حکیم شفاء الدولہ فیض آبادی بھی مشکل علاجوں میں آپ سے مشورہ کرتے تھے راجہ لال مادھو
رئیس امیٹھی راجہ اجودھیا سے مانگ کر لیگئے۔ راجہ صاحب بنارس علیل تھے راجہ مان سنگھ
نے آپ کو وہاں بلوایا۔ اور آپ کے علاج سے راجہ صاحب کو صحت ہوگئی۔ دس برس
تک وہاں ملازم رہے۔ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیان نے
مسند نشینی کے بعد آپ کو بنارس سے طلب فرماکر سو روپے مقرر کردئے۔ حج کو اپنے ساتھ
لیگئے۔ اور تادم واپسیں یہیں رہے۔ علاج میں اللہ تعالیٰ نے دست شفا عطا
کیا تھا۔ اخلاق وسیع تھے۔ تہجد گذار پابند شریعت تھے امیر وغریب سب پر یکساں
توجہ تھی۔ آپ کے شاگردوں میں حکیم سجاد موہانی حکیم مرزا محمد مہدی لکھنوی۔ حکیم
کمال الدین مدرس لکھنوی۔ حکیم راجہ رائے دین بہادر لکھنوی فیض ابادیں حکیم سلطان علی
حکیم راحت حسین۔ حکیم عبدالشکور بنارس میں حکیم بنارسی داس۔ حکیم عبدالقیوم۔ حکیم
محمد سلیمان۔ حکیم رضا علی۔ حکیم ابن حسن۔ حکیم آل نبی۔ حکیم ولی اللہ۔ حکیم عبدالمجید معروف
ہیں رام پور میں آپ کے دونوں صاحبزادے حکیم احمد رضا خاں اور حکیم حسین رضا
خاں اور حکیم حیدر علی خاں رام پوری حکیم فتح علی خاں رام پوری۔ اور حکیم خورشید حسن شاہ
ہیں۔ آپ کی تصانیف میں قرابادین فارسی شرح رسالہ اسحٰق بن سلیمان اسرائیلی رسالہ
علاج ذکور والاناث فارسی اور ایک رسالہ استخراج مزاج نسخہ میں ہے آپ کے پو
حکیم محمود رضا خاں کا بیان ہے۔ کہ قرابادین ان کے چچا حکیم حسین رضا خاں کے
پاس تھی۔ شرح رسالہ اسحٰق بن سلیمان اسرائیلی حکیم حیدر علی خاں مستعار لیگئے تھے
وہ ضائع ہوگئی۔ بقیہ رسائل حکیم محمود رضا خاں کے پاس موجود ہیں۔ اُن کا یہ بھی بیان
کہ چند رسائل ناتمام نامعلوم الاسم بھی ہیں۔ آپ کے دو لڑکے حکیم احمد رضا خان او
حکیم حسین رضا خاں تھے جن کا انتقال ہوگیا۔
حکیم صاحب نے بحالت ملازمت ریاست رام پور ۱۸۷۵ء میں مرض سل سے بعمر

مدت لکھنؤ جاکر انتقال فرمایا اور لکھنؤ محلہ جھوائی ٹولہ میں دفن ہوئے۔

مُلّا حسام الدین

ہ کے سید بریلی دروازہ میں رہتے تھے۔ تمام کتب درسیہ کے عالم تھے نہایت متقی اور
پرہیزگار اور حسن ظاہری میں بھی بے مثل تھے۔ جناب نواب سید غلام محمد خان صاحب بہادر
مرحوم کی خدمت میں رہتے تھے اور نواب صاحب کو ان کے حال پر کمال توجہ تھی۔ مثل
اولاد کے جانتے تھے ہمیشہ سفر و حضر میں خدمت میں رہے۔ بعد انتقال نواب ممدوح
دون سے سورت چلے گئے۔ سورت میں ملا کھڑاؤں کے نام سے مشہور تھے اُنکے
بیٹے سید جلال الدین رام پور میں آگئے تھے۔ نواب جنت آرام گاہ نے علی غول میں سکھ
دیا تھا۔ پلٹن کے پہرہ پر مقرر تھے۔ باپ اُن سے ناخوش تھے۔ کہ رام پور میں کیوں گئے۔
نواب خلد آشیاں ۱۸۴۰ء میں زیارت حرمین کے لیے بمبئی پہونچے۔ تو ملا حسام الدین نے
حاضر خدمت ہوکر ایک تلوار پیش کی اور کہا یہ عطیہ جناب نواب سید غلام محمد خاں صاحب
بہادر مرحوم کا ہے نواب صاحب نے تین سو روپے دیئے وہ واپس کر دیے۔ اور عرض کیا
آپ تو میری اولاد کے مثل ہیں۔ سُنا ہے ۱۲۶۸ھ یا ۱۲۶۹ھ میں سورت میں انتقال
ہوگیا۔ اہل سورت نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔

شاہ جی حسام الدین

ابتدائے[1] عمر میں شاہ غلام حسین مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے فقرا اور
مہمانوں سے نہایت محبت تھی۔ اکثر لوگ ملنے کو جاتے تھے۔ صاحب تذکرہ انوار العارفین
کے والد اور صاحب تذکرہ کے پیر اُن سے ملنے کو گئے۔ تو شاہ جی نے فرمایا کہ رات
خواب میں میرے پیر و مرشد نے فرمایا کہ توشہ تیار رکھو توشہ کے کھانے کے قابل
لوگ آرہے ہیں۔ آٹھویں محرم بارہ سو پچاس ۱۲۵۰ھ کو انتقال فرمایا اور

[1] انوار العارفین

اپنے وطن موضع بھٹ پورہ میں جو بلال پور کے متصل رام پور سے دس کوس ہے۔
دفن ہوئے ان کے مکاشفہ کے بہت سے حالات مشہور ہیں۔

مولوی حسن شاہ

مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب رئیس حبیب گنج بھیکم پور کی تحریر سے معلوم ہوا کہ ابتدا
فارسی کتابیں خان صاحب نے آپ ہی سے پڑھیں تھیں۔ بلند بالا۔ قومی اندام خوبصورت
آدمی تھے۔ اور تحریر کی ابتدائی مشق بھی آپ ہی سے کی تھی ۱۲۹۴ھ یا ۱۲۹۵ھ ہجری میں
چلے آئے تھے۔ دو ایک بار پھر بھی بھیکم پور گئے تھے۔ آخر عمر میں ثقل سماعت ہو گیا تھا عربی
کی استعداد بھی تھی سنہ ۱۳۰۱ھ یا ۱۳۰۲ھ میں بھیکم پور گئے تھے اس کے بعد سے حال معلوم
نہیں ہوتا۔ انتخاب یادگار میں مولوی شیخ محمد حسن حسرت تخلص خلف و شاگرد مولوی
غلام محی الدین خاں عشقی کی نسبت لکھا ہے کہ نواب عبد الشکور خاں رئیس بھیکم پور کے
بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ اُن کی حالت کی تصدیق کے لیئے مولانا حبیب الرحمن خاں
صاحب کو عریضہ لکھا وہاں سے مولوی سید حسن شاہ نام معلوم ہوا۔

سیّد حسن شاہ

فرزند اکبر سید علی شاہ ترمذی۔ سید علی شاہ صاحب بعہد جناب نواب سید علی محمد خاں
صاحب بہادر غفران مآب (۱۱۳۲ھ تا ۱۱۶۲ھ) ترمذ سے آئے اور آنولہ میں مقیم
ہوئے۔ نواب صاحب ممدوح کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ کل سرداروں سے
سالانہ رقم آپ کو دلاتے تھے۔ اور کل ملازمین سے سال میں ایک دن کی تنخواہ دلائی
جاتی تھی سا ایک لاکھ سے زیادہ رقم ملتی تھی۔ سید جلیل شاہ خلف میاں حسن شاہ نے
۶۔ ربیع الاول ۱۲۱۱ھ میں ایک محضر تیار کرایا تھا جس پر قاضی غلام رسول اور مفتی
شرف الدین کی تصدیق کی مہریں ثبت ہیں ان میں تفصیل موجود ہے اور وہ محضر ابتک
انکے خاندان میں باقی ہے۔ مگر سید علی شاہ صاحب اپنے پاس کوئی زر نقد نہیں رکھتے تھے

سب فقرا اور مساکین کو تقسیم کردیتے تھے نہایت پابند شرع اور بزرگ سیرت تھے۔ سیدعلی صاحب کا انتقال آنولہ میں ہوا اور جناب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر کے مزار کے چبوترہ پر دفن ہیں۔

۱۱۶۲ھ میں فرخ آبادوالوں نے آنولہ پر یورش کی تو جناب نواب سید سعداللہ خاں صاحب بہادر کو سید حسن شاہ صاحب گود میں لیکر ہاتھی پر بیٹھے آپ کی برکت سے فرخ آبادوالوں کو شکست ہوئی۔ اور نواب صاحب بہادر ہر طرح محفوظ رہے جس وقت جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر رام پور تشریف لائے۔ تو سید حسن صاحب کو بھی مع اہل وعیال رام پور لے آئے۔ اور بہت اعزاز واکرام سے رکھا۔ جناب سید احمد علی خاں صاحب بہادر آپ سے مرید ہو گئے۔ اور علاوہ سالانہ عطیات کے ساڑھے تین سو روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کردی۔ سید حسن شاہ کا انتقال نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کی حیات میں ہوا۔ نواب صاحب ممدوح نے ایک نہایت خوش نما عمارت بیرون شہر موضع نانکار میں بنائی اس میں سید صاحب دفن ہیں۔ نواب صاحب ممدوح بھی حسب وصیت اپنے مرشد کے پہلو میں دفن ہیں۔ سید صاحب کے دیگر خاندان کے لوگ بھی اسی عمارت میں مدفون ہیں۔

نواب صاحب نے اپنے مرشد کے سپرد سرگروہی فقرائے ریاست کی خدمت بھی سپرد کردی تھی۔ درویشوں کے کل معاملات دیوانی اور فوجداری سید صاحب طے کرتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد سے اس وقت تک یہ تنخواہ تمام وکمال سید صاحب کی اولاد پر منقسم ہے اور مثل جاگیر کے حصۂ شرعی اولاد ذکور اور اناث کو ملتا ہے۔ سید حسن شاہ صاحب کے دو صاحبزادے تھے ایک سید جلیل شاہ دوسرے سید مرتضیٰ شاہ اب اُن دونوں کی اولاد موجود ہے۔ مگر وہ رنگ فقر ودرویشی کہیں نہیں ہے۔

اس خاندان کی تاریخی عظمت کا پتا اس سے چلتا ہے کہ فرخ آباد والوں کی جنگ میں

والی ریاست کو خود لیکر ہاتھی پر بیٹھے مگر کسی مورخ نے اور حالات علم وغیرہ کے متعلق
کچھ نہیں لکھے۔یہاں تک کہ تاریخ رحلت بھی نہیں ملی۔

مولوی سید حسن شاہ صاحب محدث

ولد میاں سید شاہ صاحب ولد میاں سید شاہ محمد صاحب احفاد حضرت جلال بخاری
رام پور میں محلہ زینہ عنایت خاں میں غالباً ۱۲۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔والد کے انتقال
کے وقت کل نو برس کی عمر تھی۔آپ کی والدہ کے چچا مولوی ابراہیم شاہ ابن مولوی
سیف الدین تھے۔شیخ علی بخش صاحب سے فارسی پڑھی۔خط نسخ میں بھی کمال حاصل کیا
دیگر علمائے شہر سے صرف ونحو غایت درجہ کی کوشش سے حاصل کی۔مفتی
شرف الدین صاحب اور مولوی غفران صاحب اور مفتی سعد اللہ صاحب سے
کتابیں پڑھیں۔حدیث شریف کے شوق میں دہلی کا ارادہ کیا مگر اُسی زمانہ میں مولوی
عالم علی صاحب مرادآباد میں دہلی سے پڑھکر آگئے تھے اُن سے حدیث حاصل کرنے کا قصد کیا
مگر اس معاملہ میں متردد تھے کہ دہلی جاکر شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث حاصل کروں
یا مرادآباد میں مولوی عالم علی صاحب سے پڑھوں۔ایک روز خواب میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی اور حضور میں عرض کیا کہ میں جانتا ہوں جو کام
کروں حضور سے دریافت کرکے کیا کروں حکم ہوا اچھا۔خواب کے بعد حدیث کا شوق
بڑھ گیا چھ برس مرادآباد میں رہ کر صحاح ستہ مؤطا۔اور دیگر تصانیف شاہ
ولی اللہ صاحب کی سند مولوی عالم علی صاحب سے حاصل کی بوجہ ملاقات
سابقہ ٹونک کو نواب وزیرالدولہ بہادر کے پاس گئے۔شاہ صاحب کو اوائل عمر
سے بانک۔پٹا۔اور دیگر سپاہیانہ ورزشوں کا بھی شوق تھا۔اس لیے نہایت
تکلف کی صحبت رہی۔نواب وزیرالدولہ نے ٹونک میں رکھنا چاہا مگر آپ نے یہ عذر
کیا کہ میں نے حدیث پڑھی ہے اور میرا آرزو ہے کہ تا زندگی اپنے مکان پر

س خدمت کو انجام و دل - اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی ہوا - ہمیشہ نہایت
عسرت سے زندگی بسر ہوتی تھی - نواب خلد آشیاں نے وظیفہ مقرر کر دیا تھا صاحبزادہ
محمد رضا خان صاحب اور صاحبزادہ علیم اللہ خاں صاحب بھی خدمت کرتے تھے
نہایت سادگی سے زندگی بسر کی - اپنے نفس پر تنگی کر کے کتابیں فراخ حوصلگی سے
خریدیں - اور جمع کیں - انکسار اور تواضع میں بے مثل تھے مولوی حکیم عبدالرشید
خاں صاحب ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ تین حکایتیں شاہ صاحب نے مجھسے اسطرح بیان کیں
حکایت اول - فرماتے تھے کہ باجوڑی ٹولہ محلہ کی ایک عورت نے آکر بیان کیا کہ میری
جوان لڑکی ہے اُس پر جن کا اثر ہے اور وہ بالکل برہنہ ایک مکان میں پڑی رہتی ہے -
کوئی جاتا ہے تو مارتی ہے - نجاست کا بھی ہوش نہیں ہے میں کھانا دور سے ڈال دیتی
ہوں - یہ حال سنکر میں نے کہا کہ مجھے اس میں کوئی دستگاہ نہیں ہے میرا ایک شاگرد ملا
احمد ولایتی تھا اُس نے کہا کہ میں علاج کروں گا چلئے میں نے کہا کہ اگر ہو سکے تو
جُرأت کرو ورنہ مجھے بھی ذلت ہوگی - ملا احمد نے اصرار کیا اور ہم دونوں اُس عورت کے
مکان پر پہونچے - جس مکان میں جن زدہ عورت تھی اُسکے دروازہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ
اندر سے عورت نے ڈپٹ کر آواز دی کہ ملا احمد اگر اندر قدم رکھا تو گردن توڑ دوں گا -
ملا سہم گیا اور بہت نادم ہوا اپنی کتابیں مجھے دیں اور کہا کہ میاں صاحب میں تو اب
جاتا ہوں - اب جب منھ دکھاؤں گا جب اُس عورت کے علاج پر قدرت حاصل
کرلوں گا - دو تین مہینے کے بعد ملا احمد میرے پاس آئے اور کہا اب میں اُس عورت
کا علاج کرسکتا ہوں چنانچہ میں بھی ملا احمد کے ساتھ اُس عورت کے مکان پر گیا
اب جسوقت ملا احمد نے دروازہ میں مکان کے قدم رکھا تو اندر سے نہایت ہی گڑگڑا کر آواز
آئی کہ ملا احمد میری توبہ ہے مجھے معاف کرو اب کبھی ادھر نہیں آؤنگا پھر ایک شیشہ منگا کر
اُسکو بند کیا اور دریا کے کنارہ دفن کر دیا - وہ عورت اچھی ہوگئی ملا احمد نے پھر اپنا واقعہ بیان کیا

کہ ولایت میں مجھے ایک عامل نے عمل بتایا تھا مگر اول کے امتحان میں وہ ناقص نکلا۔
اس لیے میں پھر کابل کو گیا اور وہاں اپنے اُستاد سے تکمیل کرکے آیا۔ اُستاد نے وہیں مجھے
پورا پتا اُس عورت کے محلہ وغیرہ کا پتا دیا۔

حکایت دوم۔ فرماتے تھے نواب خلد آشیاں نے ابوداؤد کا نسخہ نہایت خوش خط
اور مطلا و مذہب لکھوایا۔ اور مجھے اور مولوی ارشاد حسین صاحب کو حکم دیا کہ تم دونوں
اس کی تصحیح کرو۔ مولوی صاحب تو بڑے تنخواہ دار تھے وہ کیوں تکلیف کرتے میں ہی
ان کے مکان پر جاتا تھا اور خود ہی اس کی تصحیح کرتا تھا۔ مولانا صاحب کو حدیث
کی تکمیل نہ تھی۔ مجھے ایک روز شوخی سوجھی۔ ایک حدیث پر میں نے کہا مولوی صاحب
اس کا ترجمہ کیجیے۔ وہ ترجمہ غلط تھا میں نے کہا یہ ترجمہ درست نہیں ہے اس پر
وہ اصرار کرنے لگے۔ پھر فرمایا تم ترجمہ کرو میں نے ترجمہ بیان کیا تو فرمایا جائز ہے
کہ یہ غلط ہو میں نے کہا مولوی صاحب یہاں جواز اور عدم جواز کی بحث نہیں ہے۔
بلکہ یہ حدیث ہے ابوداؤد کی شرح منگا کر دیکھ لیجیے۔ غرضکہ میں خود ہی اسی وقت
اپنے مکان سے شرح لایا تو میرے موافق ترجمہ اور مطلب تھا۔ پھر ساکت ہو گئے۔

حکایت سوم۔ فرماتے تھے کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کی شہرت سُنکر ہم بھی
لکھنؤ اُن سے ملنے کو گئے۔ مولوی صاحب نہایت تواضع سے ملے اور اپنا کتبخانہ
دکھایا۔ احادیث کی کتابوں میں سے میں نے ایک کتاب اُٹھا کر دی اور کہا میری آرزو
ہے کہ آپ کچھ پڑھیں اور میں سنوں ایک دو صفحہ پڑھنے کے بعد ایک حدیث کا ترجمہ میں نے
کہا یہ درست نہیں ہے فرمایا تم خود ترجمہ کرو۔ جب میں نے ترجمہ کیا تو نہایت خوش ہوئے
اور کہا واقعی یہی صحیح ہے۔ ان دونوں حکایتوں کو بیان کرکے فرمایا کہ کوئی علم اور
فن جب تک نہیں آسکتا جب تک کہ اُستاد سے سبقاً سبقاً کتاب نہ پڑھے محض قوت
استعداد سے مطالب حاصل نہیں ہوتے میں اس میں اُستاد کی ہمیشہ حاجت رہتی ہے۔

فقیرجی معظم خاں۔ مرتضیٰ خاں جمعدار جو ٹونک میں دفن ہیں۔ اور مولانا غلام جیلانی صاحب بلاسپوری سے بیعت تھے۔ طریقہ نقشبندیہ میں شاہ عبدالغنی صاحب مجددی۔ شاہ احمد سعید صاحب مجددی شاہ عبدالغنی صاحب مجددی شاہ مظہر صاحب مجددی۔ مولوی شاہ عبدالرشید صاحب مجددی سے بھی صحبت رہی۔ جن شاگردوں نے صحاح ستہ کی پوری تکمیل کی ہے۔ اُن کے اسما حسب ذیل ہیں۔ میاں محمد شاہ صاحب فرزند۔ مولوی جعفر علی خاں رام پوری حکیم اظہرالدین امروہوی۔ حافظ غلام محی الدین شاہجہاں پوری۔ مولوی سید محمد علی نواسہ مولوی جمال الدین صاحب۔ میاں صائب شاہ ولایتی۔ کٹھرطوالے میاں صاحب۔ اور حافظ محمد عمر خاں صاحب رام پوری۔ اور بعض کتب حدیث میں شاگردوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ان میں سے ملا سیف الدین ولایتی۔ مفتی عبدالقادر خاں صاحب مفتی رام پور۔ حکیم محمد حسن خاں۔ حکیم محمد حسین خاں۔ حکیم احمد رضا خاں۔ حکیم حسین رضا خاں۔ مشہور ہیں۔ راقم کے والد سے نہایت درجہ اتحاد تھا۔ سات آٹھ برس کامل روزانہ مغرب کے وقت تشریف لاتے تھے۔ اور بعد نماز عشا تشریف لیجاتے تھے۔ اگر کمزور ہوتے تو میرے والد پالکی بھیجدیا کرتے تھے۔ میرے والد کے ہاں روزانہ بموجودگی جناب شاہ صاحب و دیگر ہم مشرب علما مثنوی مولانا روم کا دور ہوا کرتا تھا۔ اور سماع رد و قدح ہوتی تھی پنجشنبہ کی شب میں صفر کے مہینے کی بائیسویں تاریخ تیرہ سو بارہ ہجری (۱۳۱۲ھ) کو انتقال فرمایا اور شاہ بغدادی صاحب کے مزار کے احاطہ میں جمعہ کو دفن ہوئے منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی نے کیا خوب تاریخ لکھی ہے۔

تاریخ رحلت میاں حسن شاہ صاحب محدث

زہے سید حسن شاہ محدث عارف کامل ۔۔۔ کہ جاں برکف پئے دیدار محبوب خدا رفتہ

سنین عمر ہشتاد و شش آمد و ندریں مدت ۔۔۔ بسر در درس و تدریس حدیث مصطفیٰ رفتہ

چنیں باید احادیث رسول اللہ را خادم ۔۔۔ کہ ہر کس گفت وقت رفتنش محذ دم ما رفتہ

چو از ماہ صفر آمد شب بست و دوم ناگہ ۔۔۔ کمر بہر سفر بربست وزیں دار فنا رفتہ

بہ یک جست از سرِ ناسوت در لاہوت خود افگند　　زہے خانِ اُولو العظمی کجا بود و کجا رفتہ
شبِ آدینہ رحلت کرد و روزِ جمعہ شد مدفوں　　بہ عہد المومنیں در بارگاہِ کبریا رفتہ
دعائے مغفرت میکرد در دنیا پئے ما ہا　　گمانم اینکہ اکنوں ہم پئے ایں التجا رفتہ
بہ دار العیش رفتہ شادماں ما زہجرانش　　چہ گویم کہ بر دلہائے احبابش چہا رفتہ

امیر آمد چنیں سالِ وصالِ عاشقِ صادق
اُویس از مصطفیٰ آباد سوئے مصطفیٰ رفتہ
۱۳۱۲ھ

مولوی حسین شاہ خاں تخلص نامی

ولد کلو خاں قوم پٹھان۔ رام پور میں تقریباً بارہ سو سینتیس ہجری میں (۱۲۳۷ھ) پیدا ہوئے۔ فارسی عربی کتابیں علمائے رام پور سے پڑھیں صاحبزادہ باقر علی خاں بہادر مرحوم کے رفقا میں تھے۔ مدرسۂ عالیہ سرکار رام پور میں بھی فارسی کے مدرس رہے۔ سیکڑوں شاگرد ہوئے۔ فارسی کی استعداد بدرجۂ کمال تھی۔ فارسی نظم میں شیخ احمد علی مرحوم سے تلمذ تھا۔ ۲۴-اگست ۱۹۰۴ء کو انتقال ہوا۔

حسین علی خاں تخلص خیالی و شاداں

ابن زین العابدین خاں نبیرۂ مرزا اسد اللہ خاں غالب وطن دہلی ہی۔ رام پور میں بوجہ ملازمت قیام رہا۔ بہت سے شاگرد تھے۔ شاعری کا رات دن مشغلہ تھا۔ فارسی میں خیالی اور اردو میں شاداں تخلص تھا کلام کا نمونہ انتخاب یادگار میں ملاحظہ ہو۔ بارہ سو نوے ہجری تک زندہ تھے۔

مولوی حسن علی خاں تخلص حسن

ولد سید محمد خاں قوم پٹھان تقریباً بارہ سو بیالیس ہجری (سنہ ۱۲۴۲ھ) میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ فارسی خلیفہ احمد علی سے اور عربی دیگر اساتذہ سے پڑھی لیکن درس تدریس زیادہ تر فارسی کی تھی۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے محلہ آزاد خاں کے بنگلہ

کے متصل راجوں کی مسجد کے پاس مکان تھا۔ دو بیوہ بہنیں صاحب والد و تھیں جن کی وجہ سے شادی نہیں کی معلم گری سے معاش تھی۔ راقم کے ہاں برسوں تعلق رہا۔ راقم کے برادران بزرگ نے آپ ہی سے پڑھا۔ راقم نے بھی ابتدائی کتابیں فارسی کی پڑھیں۔ کبھی آپ کی زبان سے کریہ لفظ نہیں سنا۔ شہر میں ہزاروں شاگرد ہیں۔ گاہے گاہے فارسی نظم بھی لکھتے تھے۔ شاگردوں سے تحفہ قبول کرنے میں بھی تکلف فرماتے تھے۔ گھر میں دو بیریاں لگی تھیں اُن کی حفاظت کرتے اور شاگردوں کو تقسیم فرماتے تھے۔ عید بقر عید میں بھی شاگردوں کو کوئی نہ کوئی تحفہ دیا کرتے تھے۔ شب بیدار پابند صوم وصلوۃ۔ اخیر عمر میں درس بھی بند کر دیا تھا۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ پچیس چھبیس برس ہوئے کہ انتقال فرمایا۔ راجوں کی مسجد کے سامنے قبر ہے اور اُس پر کھپریل کا سائبان کسی نے بنا دیا ہے۔

مولوی حفظ اللہ

ابن مولوی شیخ کرامت اللہ عباسی۔ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم کے لئے رام پور آئے۔ یہاں مولانا غلام جیلانی رفعت اور مولوی محمد سلیم اللہ وغیرہ سے کتابیں پڑھیں۔ درس تدریس کا مشغلہ تھا۔ مولانا رستم علی سے بھی علم حاصل کیا۔ اور ان کے مرید اور خلیفہ تھے۔ موضع ستور تحصیل بلاسپور ریاست ہٰذا میں رہتے تھے۔ رام پور میں بھی آتے جاتے تھے۔ شاعری کا بھی ذوق تھا۔ فارسی حفظ اور اُردو میں تبدہ تخلص تھا۔ کلام نظم کا نمونہ تذکرۂ انتخاب یادگار میں موجود ہے۔ آپکی تصانیف سے بیت المعرفت۔ فارسی شرح ظہوری۔ آداب الصبیان۔ انشائے فیض رساں۔ مثنوی اُردو ودر بیان معراج ہے۔ انشائے فیض رساں بہت بار چھپی ہے۔ اور ہندوستان میں بکثرت رائج ہے ۱۳۱۵ھ میں بیت المعرفت کا ایک نسخہ نہایت مشکل سے دستیاب ہوا اور کتب خانۂ ریاست کے لیے میں نے خرید لیا۔ مولانا نہایت عابد زاہد متقی اور پرہیزگار تھے۔ پچاس برس کی عمر میں جمادی الاخری کی ۲۷ تاریخ جمعہ کے دن ۱۲۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔ موضع ستورا میں پختہ قبر موجود ہے۔

کیفیت تصانیف بیت المعرفت

زبان فارسی۔ صفحات ۳۷۶۔ تقطیع جلد ۱۳ × ۱۸ انچ۔ تقطیع کتابت ۸ × ۱۴ انچ۔ سطر فی صفحہ ۱۵۔ نام تاریخی بیت المعرفت (۱۲۳۰ھ) ابتدا کتاب۔

بیا ساقی ازاں پرے ایاغے ۔۔۔ فروزے بر سر راہم چراغے
مگر دیں تیرہ زندانِ تباہی ۔۔۔ شود روشن مرا راہِ الٰہی

قربان آں دلربائے سخن اقرب فرما کہ از قرابۂ قلوب مقربانِ ہیب سنگ حوادث دور داشتہ۔

مؤلف نے اپنا نام صفحہ ۰ میں حفظ اللہ عباسی الہاشمی القادری لکھا ہے۔ مؤلف دیباچہ میں لکھتا ہے مدت سے ارادہ تھا کہ حالات و خوارق و عادات شاہ بلاقی صاحب رونق بخش بلدہ مرادآباد کے لکھوں۔ اب یہ اجازت و ایمائے غلام احمد صاحب فرزند و مرید حافظ محمد امین (دھنور ضلع بجنور۔ یوپی) و مولوی رستم علی صاحب رام پوری اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔

اس کتاب میں حالات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم و احوال اصحاب کرام و ذکر دوازدہ امام۔ حقیقت چار پیر اور چودہ خانوادہ۔ کیفیت ائمہ مذاہب اربعہ۔ حالات و معجزات غوث الثقلین۔ تذکرہ اولیائے سلسلۂ قادریہ۔ کشف المحجوب مصنفہ علی ہجویری۔ تذکرۃ الاولیا عطار۔ نفحات الانس۔ مدارج النبوۃ۔ اخبار الاخیار شیخ عبد الحق دہلوی۔ سفینۃ الاولیا دارا شکوہ۔ کرامات الاولیا نظام الدین احمد بن صالح صدیقی الحسنی۔ ترجمہ صواعق محرقہ اور دیگر رسائل سے لکھے ہیں۔ اور ذکر حضرت شاہ بلاقی و حافظ محمد امین اور اوراق مجموعۂ صفات اسم باسمی میاں اہل اللہ سے انتخاب کر کے لکھا ہے۔ اور نام تاریخی بیت المعرفت (۱۲۳۰ھ) رکھا۔

صفحۂ ۵ سے صفحہ ۳۱ تک حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

صفحۂ ۳۱ سے صفحہ ۴۸ تک خلفائے اربعہ کے حالات۔

صفحۂ ۴۸ سے صفحہ ۱۰۹ تک چار پیر اور چودہ خانوادوں کا ذکر ہے۔

صفحہ ۱۰۹ سے صفحہ ۱۴۰ تک حالات مختصر دوازدہ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

صفحہ ۱۴۰ سے صفحہ ۱۵۹ تک ازواج مطہرات واولاد حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

صفحہ ۱۵۹ سے صفحہ ۱۶۸ تک حالات ائمۂ اربعہ۔

صفحہ ۱۶۸ سے صفحہ ۳۴۸ تک حالات بزرگان سلسلۂ قادریہ تا حالات شاہ بلاقی

مرادآبادی وحالات حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہم۔

صفحہ ۳۴۸ سے صفحہ ۳۷۶ تک حالات مولانا رستم علی رام پوری۔

ختم کتاب پر یہ قطعہ ہے:

بیا ساقی کہ دور آخریں است	دم آخر زوال در کمیں است
مے باقی بجام بیکس افکن	غم فانی زپیش من پس افکن

یہ نسخہ ۱۹۱۵ء کا لکھا ہوا ہے معمولی نستعلیق خط ہے۔ مگر نہایت غلط لکھا ہوا ہے معلوم ہوا منقول عنہ

بھی نہایت غلط ہے کتب خانہ ریاست رام پور میں فن سلوک فارسی میں درج ہے۔ کتاب کا نام

بیت المعرفت تاریخی ہے جس سے سنہ بارہ سو تینتیس ہجری (۱۲۳۳ھ) نکلتے ہیں

تشریح الحروف منظوم فارسی۔ مطبوعہ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۵۹ھ۔

حکیم محمد حکمت اللہ خاں

ولد حکیم کفایت اللہ خاں قریشی صدیقی امروہہ ضلع مرادآباد محلہ کوٹ میں اٹھارہ سو

چوالیس عیسوی میں (۱۸۴۴ء) پیدا ہوئے۔

کتب فارسی مولوی عبد الرحمن ساکن امروہہ محلہ گنگوی سے پڑھیں۔ علوم عربیہ حافظ

غلام نبی صاحب رام پوری اور مولوی محمد حسن ساکن امروہہ محلہ نقشبی سے پڑھے۔

کتب طبیہ حکیم علی حسین خاں لکھنوی ملازم ریاست رام پور سے پڑھیں۔ اور انہیں سے

مطب بھی کیا۔ خاندانی جائداد کافی تھی۔ اِس کے علاوہ نواب فردوس مکان کے اخیر

عہد میں ریاست میں بزمرۂ اطبا ملازم ہوئے۔ نواب عرش آشیاں کے عہد میں جنرل

اعظم الدین خاں کی اہلکاری میں ترک ملازمت کرکے چلے گئے۔ اور امروہہ اور

مراد آباد میں مطلب کرتے تھے۔ راقم کے خاندان سے نہایت اتحاد تھا۔ بہت سیر چشم اور
دوست پرور تھے۔ رام پور کی ملازمت میں آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ بغیر آٹھ
دس آدمیوں کے کھانا نہیں کھاتے تھے تنخواہ ریاست تو ان کے ملازمین کے لیے بھی
غالبًا کافی نہ تھی بہت غیور اور خوددار تھے۔ مزاج میں غصہ بہت تھا۔ شاگردوں میں آپکے
بھتیجے حکیم فرحت خاں زندہ موجود ہیں اور گھر پر مطلب کرتے ہیں۔ مولوی اظہر الدین
ساکن قصبہ اومری مراد آباد میں مطلب کرتے ہیں مولوی آل حسن ساکن امروہہ
محلہ شفاعت پوتہ انتقال کر گئے ستمبر کی انیسویں تاریخ انیس سو چھبیسوی (۱۹۲۶ء)
امروہہ میں انتقال فرمایا اور اپنے خاندانی گورستان میں دفن ہوے۔ اولاد میں کوئی
نہیں ہے۔ حکیم فرحت اللہ خاں وعظمت اللہ خاں بھتیجے وارث ہوے۔

مولوی حافظ حمید النبی تخلص مجروح

ولد مولوی حبیب النبی رفعت۔ اپنے بڑے بھائی مولوی رشید النبی سے کسب کمال کی
شوال کی دسویں تاریخ بارہ سو اسی ہجری (۱۲۸۰ھ) کو رام پور میں انتقال کیا۔
عربی کتب پر بھی عبور تھا۔ محلہ جھنڈہ کے قبرستان میں دفن ہوے۔

مولوی سید حیدر علی

اول مولوی عبد الرحمٰن قہستانی دکھنی سے اور ثانیًا مولوی غلام جیلانی رفعت سے
تکمیل علوم کی۔ مولوی جیلانی نے اپنی لڑکی منسوب کردی تھی۔ اس لیے یہ بھی
مولوی صاحب موصوف کے پاس محلہ راجدوارہ میں رہتے تھے۔ کہتے ہیں شاہ
عبد العزیز دہلوی سے سند علم حدیث بھی حاصل کی تھی اور معقول بھی ان سے پڑھی تھی
بلکہ کل علوم کے مع فن طب کے عالم تھے۔ اخیر عہد جناب نواب سید احمد علی خاں بہادر
(۱۲۵۶ھ تا ۱۲۵۸ھ) میں ٹونک میں گئے۔ اور وہاں نہایت عزت پائی۔ نواب
وزیر الدولہ رئیس ٹونک۔ انکے شاگرد تھے۔ سات دن درس علوم وطبابت سے کام تھا

لوم میں بیمثل تھے۔ اِن کی تصانیف میں سے صیانۃ الاساس عن وسوسۃ الخناس[1] اور رسالہ رفع الیدین فارسی مشہور ہیں۔ یہ آخری رسالہ مولوی محبوب علی دہلوی کے رد میں لکھا ہے۔ ٹونک میں انتقال کیا۔

مولوی فضل حق خیرآبادی سے امکان نظیر میں مباحثہ بھی رہا۔ نواب صدیق حسن خاں مؤلف ابجد العلوم کہتے ہیں کہ اس مباحثہ میں دونوں کی تحریریں بہ نظر انصاف دیکھی جائیں۔ تو حق پر مولوی حیدر علی پائے جاتے ہیں۔ نواب موصوف کی بعض کتابوں پر تقریظیں لکھی ہیں۔ اور نواب کے والد سے اُن کی بہت دوستی تھی۔ ہمیشہ خط کتابت رہتی تھی۔ سنہ ۱۳۰۰ھ میں کلکتہ کو گئے۔ اور کچھ دنوں وہاں مقیم رہے۔ طلبا کا ہجوم رہتا تھا۔ اور رات دن درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ مولوی محمد عمران ولد ملا غفران رام پوری بھی ساتھ تھے۔ ٹونک میں انتقال فرمایا۔

مولوی محمد حیات خاں اخوندزادہ

آپ پیرزادہ جلال الدین کے ہمراہ ولایت سے آئے تھے۔ پیرزادہ صاحب کی مسجد کے امام تھے۔ علم عربی فقہ کا بخوبی تھا۔ اُسی محلہ میں اعظم الدین خاں کے مکان کے قریب دفن ہیں۔ مولوی قیام الدین فرزند یادگار چھوڑا۔ ایک سند مورخہ ۱۴۔ ذی الحجہ ۱۲۳۰ھ میں آپ کی عمر ساٹھ سال کی لکھی ہے۔ اُس وقت تک زندگی کا پتہ چلتا ہے۔

میاں حیدر شاہ صاحب

ولد میاں سید شاہ صاحب ولد میاں سید شاہ محمد صاحب حفاد حضرت جلال بخاری رام پور میں پیدا ہوئے۔ انکی شادی مولانا رستم علی صاحب کی دختر سے ہوئی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر مرحوم نے تنخواہ میں کچھ کمی کرنی چاہی ترک ملازمت کرکے بھوپال چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ سنہ رحلت معلوم نہیں ہوا۔

---

[1] ابجد العلوم ص ۹۵ رسالہ تجہیز و تکفین مسلمان کی مولفۂ مولوی محمد عمران۔

مولوی حیدر علی خاں

خلف[1] انور خاں افغان کھنیر کے امرا میں مشہور تھے ان کا طریقہ دل بیار دوست یکار تھا تہذیب نفس میں بہت کوشش کرتے تھے ۔مولوی محمد کے شاگرد تھے ۔ انکا زمانہ تیرھوی صدی ہجری کی ابتدا کا ہے ۔

حکیم حیدر علی خاں تخلص حیدر

ابن میاں عبید شاہ قوم افغان اباذی گردن ۔مولانا میاں امیر شاہ کے حقیقی بھتیجے (۱۲۴۷ھ) سنہ بارہ سو سینتالیس ہجری میں رام پور میں پیدا ہوئے محلہ کٹھرہ میں رہتے تھے ۔فارسی اور علوم عربیہ مدرسۂ عالیہ رام پور اور دیگر اساتذہ شہر سے پڑھے ۔ طب میں حکیم حسن رضا خاں لکھنوی کے شاگرد تھے ۔نہایت نیک اور پابند وضع تھے ۔ رمل اور نجوم میں کامل مہارت تھی ۔ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں ۱۲ھ میں ریاست میں چند روز ملازمت کی ۔کچھ دنوں صاحبزادہ کلب حسن خاں بہادر اور صاحبزادہ صفدر علی خاں بہادر کے ملازم رہے اپنے مکان پر مطب کرتے تھے ۔دوست آشناؤں سے کبھی نذرانہ علاج کا نہیں لیا ۔نماز روزہ کے نہایت پابند اور خلاف شرع امور سے بہت پرہیز کرتے تھے ۔گفتگو نہایت سنجیدہ تھی اور جلد جواب نہیں دیتے تھے ۔فقیر کے حال پر نہایت عنایت تھی صابر اور شاکر ایسے کہ کبھی کسی شخص پر اظہار حالت نہیں ہوا ۔ بیرونجات میں بھی معالجہ کے لئے بلائے جاتے تھے ۔ مگر نہ کبھی کسی سے نذرانہ طے کیا ۔نہ کوئی عذر کیا ۔جو دیدیا وہ لے لیا ۔نہایت غیور تھے ۔ہمیشہ مکلف لباس پہنتے تھے مجھ سے فرماتے تھے کہ مجھے ایک صاحب نے درود کی ترکیب بتائی ۔ اسکو مقررہ طریق سے بارہ سال میں ختم کیا ۔خواب میں ایک شخص کو دیکھا کسی سے دریافت کیا یہ کون ہیں ۔ جواب ملا خزانۂ غیب کے خزانچی میں نے ان سے عرض کیا کہ عسرت بہت ہے ۔ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے

---

[1] روز نامچہ مولوی عبد القادر خاں ۔

یک روپیہ روز مقرر کر دیا ہے۔ کہتے تھے اُس روز سے یہ حالت ہے کہ سال بھر میں کبھی یسا نہیں ہوتا کہ ایک روپیہ روز سے آمدنی کا حساب کم پڑتا ہو۔ اور زیادتی بہت ہو جاتی ہے۔ تا دم مرگ سفر اور حضر میں بعد نماز عشا روزانہ درود شریف کا ورد تھا۔

علی حضرت جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ نے رمل کے متعلق دو تین بار طلب فرمایا۔ حاضر ہو کر امور دریافت طلب کا جواب عرض کر دیا پھر بھی حاضر دربار نہیں ہوئے۔ راقم نے بہت اصرار کیا کہ حاضری دربار سے فائدہ ہوگا۔ کہنے لگے کہ خدا کے سوا کسی سے آرزو نہیں ہے۔ اور امرا کی دربار داری میں ایمان مشکل سے سلامت رہتا ہے۔ اگر امرا کے خلاف طبع بات کہی جائے تو اُنہیں ناگوار ہو۔ اور اگر موافق کہی جائے تو اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سچ یہ ہے کہ اہل اللہ میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ سب اُن میں موجود تھیں۔

ابتدائے عمر میں شاعری کا بھی شوق کیا۔ مگر نعت میں کہتے تھے۔ اور حضرت امیر مینائی کو کلام دکھاتے تھے۔ انتخاب یادگار میں دو شعر لکھے ہیں سنہ تیرہ سو انتیس ہجری (۱۳۲۹ھ) میں ہیضہ سے انتقال ہوا۔

انتقال کے دن شب میں دست اور قے شروع ہوئے صبح کی اذان سن کر رو بہ قبلہ ہو کر نماز کے لئے ہاتھ باندھ لیے۔ اسی حالت میں انتقال ہوا۔ غسل کے وقت ہاتھ کھولے گئے۔ میاں سبحان شاہ کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے۔

دو لڑکے حکیم سبحان علی خاں اور سلطان علی خان یادگار چھوڑے۔ دونوں کو طب سے عبور کرا دیا تھا اور مطب بھی کراتے تھے۔ سلطان علی خاں فرزند اصغر کا انتقال ہو گیا حکیم سبحان علی خاں سلامت ہیں۔ مطب کرتے ہیں۔ درویشی اور عزلت گزینی طبیعت پر غالب ہے۔ حکیم سبحان علی خاں کا بیان ہے کہ آپ کے والد کی تصنیف سے ایک رسالہ رمل میں اور ایک رسالہ مجربات طبیہ میں موجود ہے۔

مولوی خلیل احمد سرہندی

ان کے نام ایک خط خلیفہ غیاث الدین عزت نے دہلی کو بھیجا ہے اور لکھا ہے کہ آپ جیسے رام پور گئے کوئی خط نہیں لکھا۔ ارادہ دہلی کی حاضری کا تھا۔ مگر آپ نے خود واپسی کا ارادہ عنقریب کیا ہے اس لیے ارادہ سفر ملتوی کر دیا یہ خط منشآت عزت میں ہے۔ اور حال معلوم نہیں ہوا۔

مولوی خلیل الرحمٰن سواتی

ولد ملا عرفان رام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا مکان محلہ گوئیا تالاب میں تھا۔ وہاں اب بھی ملا عرفان کی مسجد مشہور ہے۔ کتابیں مولوی غلام جیلانی رفعت سے پڑھیں مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ نعم البدل پدر ہیں اور علاوہ فضائل موروثی کے فنون ریاضی۔ تاریخ۔ علوم ادبیہ اور تحریر فارسی اور طب سے مناسبت ہے۔ آخر عہد نواب میر الدولہ بہادر میں ٹونک میں گئے۔ اور ملازم ہو گئے۔ نواب وزیرالدولہ کے زمانہ میں مولوی حیدر علی سے کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ اسلیے کہ مولوی حیدر علی عامل بالحدیث تھے۔ اور مولوی خلیل الرحمٰن ولایتی سخت مقلد تھے۔ اس لئے باہم بحث و مباحثہ کی وجہ سے رنج ہو گیا۔ وہ رام پور آئے اور پھر جاورہ کو گئے اور وہاں ملازم ہو گئے۔ جاورہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ فرزند کلاں حکیم مولوی عبدالرب تھے۔ ان کا بھی جاورہ میں انتقال ہو گیا۔ ان سے چھوٹے مولوی عبدالحق تھے۔ ان کی آمد و رفت ٹونک میں بھی تھی۔ پورے عالم تھے۔ جاورہ میں انتقال ہوا۔ حکیم مولوی عبدالعلی ان سے چھوٹے تھے۔ ان کا انتقال ٹونک میں ہوا۔ ان سے چھوٹے مولوی حکیم عبدالعزیز تھے۔ ان کا انتقال بھی ٹونک میں ہو گیا۔ مولوی عبدالرب کے بڑے بیٹے مولوی عبدالحی عالم تھے۔ اور مسجد جاورہ کے امام تھے۔ نوجوان جاورہ میں انتقال کر گئے۔ جس زمانہ میں ٹونک سے رام پور آئے جناب نواب سید یوسف علی خاں بہادر فردوس مکاں کا زمانہ تھا۔ نواب صاحب اہل علم کے قدردان تھے۔

اُن سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں ہر چیز قرآن شریف سے نکالتا ہوں۔
یہ ذکر نواب صاحب نے مولوی فضل حق خیرآبادی سے کیا۔ انھوں نے فرمایا آپ ان سے
فرمادیں کہ معجون فلاسفہ کے اجزا تو قرآن سے نکال دیجیے۔ چنانچہ دوسری ملاقات میں یہی
سوال کیا۔ مولوی خلیل الرحمن سخت پریشان ہوئے اُن کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہ اشارہ مولوی
فضل حق کا تھا۔ اس لئے ایک روز نواب صاحب کے سامنے مولوی فضل حق سے اصول میں
گفتگو کرنے لگے مولوی فضل حق کھینچ تان کر اُن کو منطق میں پکڑ لائے۔ اور بند کر دیا
اُسی روز سے مولوی فضل حق نے کتب اصول کو دیکھنا شروع کیا۔
مولوی عبدالرب جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں کچھ زمانہ تک مفتی
عدالت دیوانی بھی رہے۔ فقیہہ۔ اور طبیب اور عالم تھے۔ عبدالمجید خاں وکیل ان کے داماد ہیں۔
مولوی خلیل الرحمن کی تصنیف سے حاشیۃ الدوار علی الدائر کا نام سنا ہے۔ اور ایک مختصر
کتاب جس کا نام (تحقیق جواب الاشکال المسمی بجذر الاصم) ہے۔ فن منطق میں مطبوعہ ۱۲۸۶ھ دیکھی گئی
مولوی رضا علی خاں ولد محمد کاظم علی خاں بریلوی نے آپ سے ٹونک میں کتابیں پڑھی تھیں۔

ملا خواص

قوم پٹھان۔ یہ بزرگ بھی جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں تھے۔ فیصلہ
جائداد پیرزادہ اعظم الدین خاں ساکن محلہ کٹرہ مورخہ ۲۴۔ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ میں آپ کے
فرزند محمد علی کے مہر میں یہ ولدیت لکھی ہے۔ مولوی عبدالقادر خاں غمگین بارہ سو چودہ ہجری میں
لکھتے ہیں کہ میں نے اُن کو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اُن کے بیٹے کی بہت تعریف کی ہے۔
غالباً انتقال بارھویں صدی ہجری کے اخیر میں ہوا۔

مولوی خیر محمد

ولد حافظ نور محمد قوم پنجابی رام پور میں پیدا ہوئے۔ محلہ ٹھوٹیر پنجابیاں میں مکان تھا

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمٰن علی صفحہ ۶۴۔

مولوی حفظ اللہ ستورہ والے اور دیگر علمائے شہر سے فارسی و عربی حاصل کی۔ مولوی حافظ غلام نبی آپ ہی کے شاگرد تھے۔ صاحبزادہ علی اصغر خاں بہادر جنرل نے اپنی جائداد موقوفہ سے دس روپے ماہانہ مقرر کر دیا تھا۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ سلسلہ درس بہت وسیع تھا۔ سیکڑوں طلبا نے فیض پایا۔

رجب کی پندرھویں تاریخ چہارشنبہ کے دن قریب بارہ بجے دن کے ۱۲۹۲ھ میں رحلت فرمائی۔ بعد نماز عصر محلہ ٹھوڑ میں مسجد کے پاس دفن کیا۔ مفتی سعد اللہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کے ایک فرزند حافظ محمد حسان صاحب جو علوم درسیہ سے فارغ ہیں۔ زندہ ہیں اور جلد بندی سے گزر اوقات کرتے ہیں۔

قطعہ تاریخ وفات از حافظ امیر اللہ شاگرد صاحب تذکرہ

آنکہ با خیر محمد نامور	ہمچو نام نامی خود فخر دیں
حافظ و حاجی و زاہد متقی	عالم و علامہ با علم الیقیں
شد و صالش ولے ویلا حسرتا	در فراقش یک جہاں اندوہگیں
سال تاریخش ز قرآں و حدیث	فی جنات اللہ ان المتقیں ۱۲۹۲ھ

شاہ درگاہی علیہ الرحمتہ

خلف[1] میاں شاہ لال صوبہ لاہور میں دریائے چناب کے کنارے قصبہ بہلول پور میں پیدا ہوئے۔ علوی سید ہیں سلسلہ نسب حضرت حنفیہ کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے۔ سات پشت سے برابر اس خاندان میں مزار سجدہ ہوتے آئے ہیں۔ جواہر علویہ مصنفہ شاہ رؤف احمد میں آپ کی پیدائش تخت ہزارہ میں ۱۱۰۱ھ میں لکھی ہے۔ میاں شاہ لال صاحب کی کشف و کرامت اُس نواح میں مشہور ہے۔

شاہ درگاہی بچپن سے وارستہ مزاج تھے۔ کسی عزیز و قریب سے اختلاط نہ تھا۔

---

[1] مجمع الکرامات فارسی امام الدین خاں۔

میاں شاہ لال کی بھی یہی حالت تھی کہ ہمیشہ صحرا میں رہتے تھے۔ اپنے بیگانہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اکثر وقت عبادت میں بسر ہوتا تھا۔ جنگل سے لکڑیاں اپنے سر پر لائے اور فروخت کر کے قوت لایموت کی قدر رکھ لیا۔ ایک دن میاں شاہ لال کو سکھوں نے شہید کر دیا۔ شاہ درگاہی کو پہلے بھی کوئی تعلق خاطر عزیزوں سے نہ تھا۔ اب بالکل آزاد ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور قصبۂ وتالہ[1] میں پہونچے۔ وہاں ایک سید آپ کے کھانے پینے کے کفیل ہو گئے بلکہ اپنی لڑکی سے نکاح بھی کرنا چاہا مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔ اُس زمانہ میں مرہٹوں کی فوج پنجاب سے ہندوستان کی طرف واپس آ رہی تھی۔ شاہ درگاہی بھی سپاہیوں کے ساتھ ہو گئے۔ لشکر میں ایک نیک شخص متکفل ہو گیا اور پدرانہ شفقت کرنے لگا۔ جب گنگا کے کنارے لشکر پہونچا وہاں مقام پلٹ[2] میں لشکر سے جُدا ہو کر رہ گئے کچھ دنوں ایک مداری سلسلہ کے فقیر سے بھی فیض حاصل کیا اور وہیں کے قیام میں ایک سید صاحب سے از اول تا آخر قرآن شریف پڑھا۔ اور ہر وقت تلاش لیسے فقیر کی تھی جس سے تسلی خاطر ہو اتفاق سے حافظ شاہ جمال اللہ صاحب بطریق سیر و شکار اس طرف گئے اور حضرت شاہ بدرالدین کے مزار میں مقیم ہوئے۔ وہیں شاہ درگاہی صاحب آپ سے بیعت ہوئے۔ بیعت کے بعد آپ وہیں رہے۔ لیکن بالکل بیہوش اور مست رہتے تھے۔ مگر نماز پانچوں وقت کی قضا نہ ہوتی تھی اٹھارہ برس تک اُسی جنگل میں اسی طرح بسر کی کہ غذا میں درختوں کے پتے تھے۔ اور آرام کے لئے زمین تھی۔

حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کا پھر اُس طرف گزر ہوا تو اُس وقت سے مستی زائل ہونی شروع ہوئی۔ اور موضع گکرالہ واقع ضلع بدایوں میں رہنے لگے۔ گکرالہ سے آنولہ کو گئے۔ اور وہاں سے رام پور میں آئے اور یہیں انتقال کیا۔

شاہ رؤف احمد مجددی جواہر علویہ میں لکھتے ہیں کہ وطن سے نکل کر چوتھائی کلام اللہ

---

[1] قلمی نسخہ مجمع الکرامات میں یوں ہی لکھا ہے غالباً بٹالہ کا نام ہے۔ [2] مجمع الکرامات میں یوں ہی لکھا ہے

کسی سے پڑھا۔ اور نماز درست کی۔ کئی سال تک حالت بیخودی میں بسر کی۔ پھر بداپوں میں سلطان العارفین کے مزار پر آئے اور وہاں حافظ جمال اللہ قدس سرہٗ سے بیعت کی۔ جب رام پور میں آئے تو محلہ کنڈہ میں قیام کیا۔ کچھ دنوں کے بعد حاجی صاحب خاں صاحب نور اللہ مضجعہ کے مکان پر قیام کیا۔ صاحب خاں کا مزار رام پور میں مشہور ہے کچھ دنوں نواب احمد خاں خلف نواب الہ یار خاں ابن نواب علی محمد خاں کے مکان پر مقیم رہے۔ اخیر میں شاہ بیگم صاحبہ کے محلوں میں رہے۔ اور اُسی سرزمین میں اب مزار ہے۔

مشہور خلفا میں سے ملا محمد یار میاں محمد شاہ۔ شاہ کمال الدین۔ مولوی محمد نعیم۔ میاں نعیم شاہ۔ شاہ حبیب۔ عبد الوہاب۔ اور میاں غلام حسین۔ اور امام الدین جنان کتاب مجمع الکرامات میں شاہ ابو سعید بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔

میاں صاحب یقین شاہ گویا شاہ درگاہی صاحب کے خانساماں تھے۔ اور شاہ مداری گویا ناز پروردہ تھے۔ شاہ درگاہی ہمیشہ اظہار کرامات سے گریز کرتے تھے رحم دل ایسے تھے کہ اگر راہ میں قصاب یا کوئی اور شخص جانور ذبح کرتا ہوتا تو اُس جانور کو چھڑا دیتے تھے۔ حلم ایسا تھا کہ خدام گستاخیاں اور نافرمانیاں کرتے تھے مگر آپ معاف کر دیتے تھے۔ اکثر حاجتمند حاضر ہوتے تھے اور آپ کی دعا سے مقاصد پورے ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات حالت استغراق میں رہتے تھے۔ نماز کی تکبیر سے ہوشیار ہوتے تھے نماز پڑھی اور پھر مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ لباس میں ایک کفنی پہنتے تھے۔ اور غذا میں ترکاریاں ہوتی تھیں۔ ایک روٹی سے زیادہ غذا نہ تھی۔ حقہ پیتے تھے۔ اگر کوئی روپیہ پیسا جیب میں لیکر آتا تو فرماتے بوے دنیا آتی ہے۔ کبھی روپیہ پیسا نہیں لیتے تھے۔

پیر و مرشد نے جب فرمایا کہ تم نہ لیا کرو ہمارے پاس بھیج دیا کرو تو خدام کو اجازت دیدی تھی کہ ایک تھیلی میں رکھ لیا کرو۔ اُس تھیلی کو لکڑی میں باندھکر اپنے پیر کے پاس لیجاتے تھے۔

تر بھر بازار کی مٹھائی۔گئی۔ اور دولتمندوں کے گھر کا کھانا نہیں کھایا۔
ایک بار نماز میں حالت وجد پیدا ہوئی۔ پوری جماعت مست ہوگئی۔ بلکہ اہل محلہ
کی بھی یہی حالت تھی۔ آپ کے خلفا اور مریدین بہت تھے۔ چودھویں جمادی الآخر
بارہ سو چھبیس ہجری (۱۲۲۶ھ) کو رام پور میں انتقال فرمایا۔ ایک وسیع احاطہ میں
گنبد دار پختہ مزار بہت شاندار بنا ہوا ہے۔ سالانہ عرس ہوتا ہے۔ ریاست سے بھی امداد ملتی ہے
متولیوں کے عزل ونصب میں بھی ریاست کو دخل ہے۔ متولیوں میں یا خدام میں
اب کوئی صاحب باطن نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صاحب سالک السالکین
فی تذکرۃ الواصلین نے تاریخ انتقال ۱۵۔ جمادی الآخر لکھی ہے۔

حکیم دوست محمد خاں

ابن غوث محمد خاں قوم افغان بڑیچ۔ آپ کی پیدائش سنہ بارہ سو اکیاون ہجری
(۱۲۵۱ھ) میں جھجر میں ہوئی۔ آپ کے والد ریاست جھجر کے نائب تھے جھجر کی
خرابی کے بعد رام پور آئے۔ اور محلہ گوجر ٹولہ میں قیام کیا۔ فارسی کتابیں مولوی
معز اللہ خاں اور خلیفہ شیخ احمد علی رام پوری سے پڑھیں۔ عربی دیگر اساتذہ
رام پور سے پڑھیں۔ طب حکیم کفایت اللہ امروہوی اور حکیم بنا نہ احمد خاں
رام پوری سے حاصل کی۔ انگریزی میں چند موضع زمینداری کے تھے۔ نہایت آسایش
اور عزت سے زندگی بسر کی۔ اُن کے والد کے نام سے گھیر غوث محمد خاں گوجر ٹولہ محلہ
میں اب تک مشہور ہے۔ کسی کی ملازمت نہیں کی آپ نے ایک کتاب اپنے مجربات کی
لکھی ہے۔ وہ چھپی نہیں ہے۔ اور اُن کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ سنہ تیرہ سو ایک ہجری
(۱۳۰۱ھ) میں انتقال کیا۔ اور گوجر ٹولہ میں اپنے والد کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔
ایک فرزند فتح محمد خاں یادگار چھوڑے۔

سلے جواہر علویہ شاہ رؤف احمد۔

ملا دوست محمد خاں

رام پور کے رہنے والے تھے۔ یہاں سے جاورہ کو گئے۔ حضرت نور خاں مدار المہام جاورہ آپ کے فرزند تھے۔ اور حال معلوم نہیں ہوا۔

حکیم دوست محمد خاں

جناب[1] نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) تھے اور حکیم بایزید کے ہمعصر تھے۔

حکیم درویش محمد

جناب[2] نواب سید احمد علی خاں بہادر کے ملازم تھے ۱۲۳۲ھ میں انتقال کیا۔
مولانا عبد الحی صاحب مرحوم ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ مجھ سے فرماتے تھے کہ وہ شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے۔

تاریخ وفات از عنبر شاہ خاں عنبر

آں مسیحائے زماں عیسی قدسی انفاس	کہ نشاید بجہم ماتم او افلاطون
شیخ درویش محمد کہ ارسطا طالیس	بہر حکمت شدہ از مدرسۂ او ممنون
چوں دل نازک او از طلب وہر آشفت	رخت بربست ازیں منزل و شد خلد درون
بہر تاریخ وفاتش جگر عنبر کرد	وائے۔ از۔ رحلت درویش محمد۔ بیروں

۱۲۳۲ھ

سید ذوالفقار علی

ولد سید فتح علی صاحب سید حسنی نبیرۂ سید عبد الرزاق صاحب خلف حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہم شاہجہاں پور کے جھنڈا محلہ میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں اپنے بھائی سید فضل احمد سے شاہجہاں پور میں عربی کتابیں اور طب پڑھی فارسی دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔ بریلی میں پھر ابی مولوی سلطان حسن خاں مولوی احمد خاں سے

---

[1] فضول فیض اللہ خانی ورق ۱۷۔ [2] نشاآت عزت۔ [3] تشریق الخیال خبر۔

صرف ونحو اور معقول پڑھی۔ مولوی عبدالجبار صاحب۔ مولوی فضل احمد صاحب مولوی شیخ امانت صاحب شاہجہاں پوری۔ اور مولوی محمد حسن صاحب سے بھی استفادہ کیا۔ کتب علوم کے بعد بریلی میں امتحان منصفی دینے آئے۔ عین امتحان میں حکم ہوا کہ پرچہ چوری گئے ہیں۔ اس لئے امتحان اس سال نہیں ہوگا۔

آپ بطریق سیر رام پور چلے آئے یہاں آتے ہی تپ محرقہ اور یرقان قبل از سابع ہوگیا حکیم کفایت اللہ صاحب معالج تھے۔ امید زیست نہ تھی اس شدت مرض میں اپنے دادا سید غلام حسن صاحب کو خواب میں دیکھا کہ موضع اجیت پور واقع رام پور کے میدان میں سروپا برہنہ دوڑ رہے ہیں اور داڑھی گرد آلود ہے۔ آپ نے عرض کیا حضرت کا کیوں یہ حال ہے فرمایا تم نے امتحان منصفی دینے کا ارادہ کیا اور ملازمت انگریزی کا سامان جمع کیا۔ اس لیے یہ حال ہے۔ اب تم ارادہ ملازمت انگریزی نہ کرنا۔ اور تم میرے ساتھ اپنے دادا کے پاس چلو۔ اسی حالت خواب میں معلوم ہوا کہ شاہجہاں پور میں حضرت سید علی صاحب کے مزار پر حاضر ہوں۔ مزار کے اندر سے آواز آئی کہ خدا تمھارا ہمیشہ مددگار اور کفیل ہے۔ اور کچھ دیگر فرمایا ہمیشہ یہی ملے گا۔ پھر خواب سے آنکھ کھلی تو نہ بخار تھا نہ مرض تھا۔ صرف ضعف باقی تھا۔ اسی وقت کل قانونی کتب کو تلف کر دیا۔ اور توبہ کی کہ اب کبھی انگریزی نوکری کا قصد نہ کروں گا۔ حضرت سیادت علی صاحب سے خلافت ملی تھی اپنے خاندان کے دو تین آدمیوں کو مرید کیا۔ اور آپ کے پیر و مرشد کے پوتے سید شاہ غلام جیلانی صاحب ہانسوی رام پور تشریف لائے۔ تو آپ کو مرید کیا اور خلافت دی اور کہا یہ آپ کے دادا صاحب کی امانت ہے۔ اور غالباً مجھے اس لیے سپرد کی تھی کہ آپ کم عمری میں یتیم ہوں گے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ یہ آپ کا حصہ ہے۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا چند رباعیاں اور کچھ نعتیہ شعر ان کے خاندان میں موجود ہیں۔ ریاست رام پور میں محکمہ صدر میں ملازم تھے۔ اور موروثی

جائداد بھی تھی۔ نہایت متقی پرہیزگار اور خداترس آدمی تھے۔ میرے پیرومرشد جناب منشی محمد رشد علی خاں صاحب فرماتے تھے۔ کہ اوائل عمر میں سید صاحب کے مکان کے متصل میں کرایہ کے مکان میں رہتا تھا۔ نماز کا پابند نہ تھا۔ ایک روز سید صاحب نے مجھسے فرمایا کہ صاحبزادہ تم نماز کی پابندی کیوں نہیں کرتے۔ مجھ پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ پابندی شروع کی میں نماز جلد جلد ادا کرتا تھا۔ ایک روز فرمایا نماز آہستگی سے ادا کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے نماز کا اہتمام عمدہ طریق پر کیا۔ اور اسی زمانہ سے مجھے خداپرستی کی لاگ لگ گئی۔

شعبان کی اٹھائیسویں تاریخ اٹھارہ سو ترانوے (۱۸۹۳ء) کو جمعہ کے دن انتقال فرمایا اور بیرون سرائے دروازہ تکیہ میں متاشاہ کے دفن ہوے۔ آپ کے ایک صاحبزادے میاں سید کرم احمد صاحب زندہ ہیں۔ اپنے والد کے قبرستان میں جو خام مسجد تھی اسکو پختہ بنالیا ہے اکثر آپ وہاں رہا کرتے ہیں۔ نہایت نیک نہاد ہیں۔

محمد رشد علی خاں

ولد مظفر علی خاں۔ ولد غلام سولی خاں۔ ولد شمس الدین خاں ہزاری منصبدار محمد شاہی۔ ولد فخر الدین خاں المخاطب بہ درویش علی خاں ہزاری منصبدار محمد شاہی۔ ولد غلام محی الدین خاں دوہزاری منصبدار محمد شاہی ولد محمد درویش علی خاں پنج ھزاری منصبدار فرخ سیری ولد شیخ عبدالحکیم المخاطب حکیم علی خاں دوہزاری منصبدار فرخ سیری۔ قوم شیخ ساکن امروہہ۔ درویش علی خاں پنج ہزاری نوجوان ایک لڑائی میں مارے گئے اور اُن کی نعش امروہہ میں دفن ہوئی۔ مقبرہ پختہ بنا ہوا ہے۔ ان کے عہد میں اس خاندان میں ثروت اور حکومت نے ترقی کی اودھ کے تسلط روہیلکھنڈ کے وقت امروہہ کے امرانے تبدیل مذہب اور حاضری دربار کی بدولت اپنی جاگیروں کو قایم رکھا۔ اِس خاندان میں سے کوئی سلطنت اودھ کے دربار میں شریک نہیں ہوا۔ اس لیے کثیر حصہ جاگیروں کا ضبط ہوگیا۔ جو کچھ بچا تھا وہ بھی غدر ۱۸۵۷ء کے وقت تک دس بارہ ہزار ماہانہ کی آمدنی کے قریب

اِس خاندان کے بنی اعمام میں موجود تھا جو ۱۸۵۷ء کے غدر میں تلف ہوگیا۔ مظفر علی خاں
کی شادی سنبھل محلہ کوٹلہ میں دولت مند خاندان میں ہوئی تھی۔ اولاد زندہ نہ رہتی تھی۔
اس لئے مظفر علی خاں کی بیوی ایام حمل میں سنبھل میں انتظار ولادت میں رہیں۔
سنبھل میں محمد رشد علی خاں ماہ شوال بارہ سو پینسٹھ ہجری (۱۲۶۵ھ) میں پیدا ہوئے آپ کا
نام رشد علی خاں تاریخی ہے۔ بعد وفات امروہہ اور سنبھل دونوں جگہ بڑے ناز و نعم میں پرورش
پائی۔ ابتدائی تعلیم شروع ہوئی تھی کہ ۱۲۷۳ھ میں غدر شروع ہوگیا۔ ہندوستان
کے دولتمند امرا شاہی زمانہ کے رسم و رواج کے خوگر تھے جہاں کہ شریف اور رذیل
میں فرق رکھا جاتا تھا۔ انگریزی حکومت نے قانون مساوات جاری کیا۔ رذیلوں نے
شرفا کے مقابلہ شروع کئے۔ یہ باتیں امروہہ میں بہت ہوئیں۔ تھانہ دار اور تحصیلداروں
نے شرفا کو ذلیل کیا۔ آپ کے دو چچا زاد بھائی بھی زخم رسیدہ تھے ۱۸۵۷ء کے غدر نے
موقع دیا۔ تھانہ دار کو ذلیل کیا۔ اور دل کے بخار نکالے شہر کے اوباشوں نے تھانہ
اور تحصیل پر حملہ کردیا۔ جب انگریزی تسلط شروع ہوا اور دار و گیر ہونے لگی تو وہ دونوں
گھر سے یہ کہکر نکل گئے کہ اب ہم منھ نہ دکھائیں گے۔ پھر ان کا کوئی پتا نہ چلا۔ آپ کے والد
مظفر علی خاں روپوش ہوگئے۔ آپ کے چچا حکیم بشارت علی خاں جو نہایت جید عالم اور
کامل طبیب تھے اور بہت ضعیف اور عمر رسیدہ تھے۔ اور ولایت علی خاں بگیناہ گرفتار ہوئے
اور قتل کیے گئے۔ جائدادیں ضبط ہوئیں۔ اور یہ پھولا پھلا باغ اُجڑ گیا۔ اب آٹھ سال
کی عمر میں مع اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے رامپور آئے۔ اور یہیں مقیم رہے۔ معافی نامہ مشتہر
ہونے کے بعد مظفر علی خاں آپ کے والد حاضر ہوگئے۔ جو جائداد آپ کی والدہ کے نام تھی
وہ بچ رہی۔ اُس کی آمدنی بھی ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ تھی۔ آپ کے والد پھر امروہہ میں
رہنے لگے۔ اور آپ کی ہمشیرہ کی شادی راقم الحروف کے چھوٹے چچا عبد العلی خاں مرحوم سے
ہوئی جن کے فرزند شوکت علی خاں بی۔ اے۔ پنشنر ڈپٹی محکمۂ افیون والد محمد علی خاں

(آکسن) مالک اخبار کامریڈ اور ہمدرد ہیں معمولی فارسی کی نوشت وخواند کے بعد آپ کی شادی سیوہارہ ضلع بجنور میں داروغہ عباس علی ہیڈ کونسٹبل افسر لکھنؤ وبخف علی تحصیلدار بارہ بنکی کی بہن سے ہوئی۔ آپ کے والد نے پانچویں رسالہ سواران میں وفعداری پانچ سو روپے کو خرید کرکے رام پور میں آپ کو ملازم کرادیا۔

والد بھی امداد کرتے تھے۔ گذر بخوبی ہوتی تھی سنو کر چاکر اندر باہر موجود تھے خوش لباس خوش پوشاک تھے۔ مگر ابتدا سے منہیات شرعیہ سے اجتناب تھا۔ ایک روز اتفاق سے منصور کا اردو نظم قصہ ہاتھ میں آگیا۔ اس کو پڑھتے ہی عشق الٰہی کا جذبہ ہوا۔ بغیر کسی کی تحریک اور تعلیم کے تہجد شروع کردیا اور کلمہ شریف کا ذکر جہر اس کثرت سے شب کو کرتے تھے کہ نماز کی چوکی پر سے بیہوش ہوکر گر جاتے تھے۔

آپ کے چچازاد بھائی حافظ عباس علی خاں ولد دلدار علی خاں ولد غلام مولیٰ خاں مولانا فخرالدین احمد معروف حکیم بادشاہ صاحب الہ آبادی کے خلیفہ تھے۔

اُنھوں نے یہ حالت مجاہدہ اور عشق دیکھکر کہا کہ تم میرے مرید ہوجاؤ۔ آپ نے کہا مجھے عذر نہیں ہے لیکن اگر آپ سے میری تسکین خاطر نہوئی تو میں دوسرے سے رجوع کرونگا۔ حافظ صاحب نے کہا اگر ایسا ہوا تو میں خود تمھیں دوسری جگہ پہونچا دونگا۔

غرضکہ حافظ صاحب سے بیعت ہوے۔ پانچ چھ مہینے میں وہ استعداد حاصل ہوئی کہ حافظ صاحب نے خلافت عطا کی۔ اور اپنے مریدکو انکے حلقۂ ذکر میں بیٹھنے کا حکم دیدیا۔ حافظ عباس علی خاں کی خلافت کے بعد دو تین سال بعد آپ نے حافظ صاحب سے کہا ابھی میری تسکین خاطر نہیں ہوئی۔ اب وعدہ پورا کیجیے۔

حافظ صاحب نے آپ کو لیجاکر حضرت مولانا ولی النبی مجددی قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کردیا۔ مولانا ولی النبی صاحب کا اُس زمانہ میں قیام زیادہ تر خانقاہ حضرت غلام علی دہلوی میں رہتا تھا۔ اور سال میں تین چار مہینے رام پور میں قیام ہوتا تھا۔

جب آپ ایک ماہ تک روزانہ حاضر ہوتے رہے۔ تو مولانا نے ایک روز دریافت کیا تمہارا کیا مقصود ہے۔ عرض کیا اللہ کا طالب ہوں۔ فرمایا اچھا صبح و شام آیا کرو چنانچہ آپ دونوں وقت حاضر ہوتے۔ بعد نماز صبح اور بعد نماز مغرب حلقہ مراقبہ ہوتا تھا۔ باقی اوقات میں اپنے مکان پر یہ حالت تھی کہ مولانا کی خدمت سے واپس آکر اپنے مکان میں ایک کوٹھری میں بند ہو جاتے تھے۔ اُس کوٹھری میں ایک طاق تھا جس میں آدمی بمشکل بیٹھ سکتا تھا۔ طاق کے اندر بیٹھکر ذکر کیا کرتے تھے۔ دن کے گیارہ بجے کھانے کے لئے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نکل آئے اور کھانا کھاکر پھر وہیں جا بیٹھے ظہر کی نماز پڑھکر تلاوت قرآن شریف اور دلائل الخیرات ہوتی تھی۔ عصر پڑھکر اپنے مرشد کے ہاں چلے جاتے تھے۔ شب کو دس بجے سوتے تھے۔ اور دو بجے سے اُٹھکر عبادت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ جب مرشد دہلی میں ہوتے تب بھی آپ ایک وقت مرشد کے مکان پر جاتے اور مسجد میں تھوڑی دیر بیٹھکر چلے آتے چھٹا اور پانچواں رسالہ سواران ایام غدر سے میرے خاندان کے سپرد تھا جمعدار اور رسالہ دار دونوں میرے خاندان کے ہوتے تھے۔ یہ رسالے جناب نواب خلد آشیاں کے خاص تھے۔ اور دیگر افواج سے اُن کو کوئی تعلق نہ تھا۔ موقوفی۔ بحالی۔ وردی۔ گھوڑا۔ سامان سب معاملات براہ راست نواب صاحب سے طے ہوتے تھے جنرل علی اصغر خاں جنرل اعظم الدین خاں دونوں کو ان رسالوں کے انتظام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میرے والد۔ میرے تینوں چچا۔ میرے دونوں برادران بزرگ۔ اِن رسالوں میں رسالدار اور جمعدار رہے۔ خود راقم الحروف بھی چھٹے رسالہ میں جمعدار تھا۔ ۱۸۸۷ء میں جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کا انتقال ہوا۔

جنرل اعظم الدین خاں بہادر نے اِن رسالوں کا معائنہ کرکے حکم دیا کہ جن کی بڑی بڑی داڑھیاں ہیں وہ اپنی اسامیوں کا اور انتظام کریں ورنہ موقوف ہو جائیں گے۔ آپ نے حضرت مولانا ولی النبی صاحب سے عرض کیا کہ اب اسامی فروخت کرنے کا

موقع آگیا ہے۔ فرمایا نہیں تم سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ چنانچہ آپ نے نہ خضاب لگایا نہ اسامی فروخت کی بدستور ملازم رہے۔ ۸ سال میں تغیر تبدل ہوا۔ اس وقت تک قواعد پریڈ کچھ نہیں کرتے تھے۔ اب حکم ہوا کہ ننگی پیٹھ پر گھوڑوں کی سواری اور کودائی سیکھو۔ یہ کام شروع کیا۔ کئی بار گھوڑے سے گرے۔ ایک مرتبہ ہنسلی ٹوٹ گئی۔ ایک دفعہ ٹانگ ٹوٹی۔ ایک بار ہاتھ میں ایسی چوٹ آئی کہ اُلٹے ہاتھ کی اُنگلیاں ٹیڑھی ہوگئیں مفصلات کی نوکری پر جانے لگے۔ لیکن ان تمام حالات میں نماز تہجد اور ذکر واذکار سے غفلت نہیں ہوئی۔ اخیر میں آپ کی تبدیلی پولس کے سواروں میں ہوئی۔ وہاں بھی برابر خدمت انجام دی۔ یاد ہ زمانہ تھا کہ گھر میں اندر باہر نوکر چاکر تھے۔ اب موروثی جائداد بھی تہ رہی۔ صرف تنخواہ پر گذر تھی گھوڑے کا دانہ لیکر خود لین کو جاتے تھے۔ افسروں کی سخت کلامی اور تشدد کو سہتے۔ کبھی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ آتا خدمت سرکار سے فرصت ملتی تو اللہ کے طالبوں کو بھی تعلیم فرماتے تھے بعض وقات فاقہ ہوجاتا تھا۔ مریدین کچھ لاتے تو غربا سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ خوشحال کا ہدیہ قبول کرتے۔ اور اکثر کسی حاجتمند کو دیتے تھے۔ اپنی ذات پر کم صرف کرتے تھے۔ انتقال سے پانچ سال پہلے اپنی اسامی کو چار سو روپے میں فروخت کردیا۔ وہ روپیہ راقم کے پاس رکھدیا۔ ہر مہینے پر آٹھ سات روپے لیکر صرف کرتے تھے۔ سائل کے سوال کو کبھی رد نہیں کیا۔ اگر اپنے پاس یا گھر میں کچھ نہوتا تو قرض لیکر خوشی سے دیتے تھے۔ بیمار کی عیادت کرتے تھے۔ اور میت کے جنازہ میں ضرور شریک ہوتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تشدد فرماتے۔ جن گھروں میں شادی بیاہ میں ناچ ہوتا اُن کے گھر کا کھانا نہ خود کھاتے اور نہ گھر والوں کو کھلاتے۔ قرض خواہ کو نرم باتوں سے جواب دیتے تھے اور تقاضے پر ملال نہیں ہوتا تھا۔ عفو قصور میں بڑے دلیر تھے۔ لوگونکو بھی اسپر آمادہ کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلداللہ ملکہ کے دربار میں جب راقم کی رسائی ہوئی۔ راقم سے فرمایا کہ میرا ذکر نہ کرنا میں نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ اتفاق سے جناب صاحبزادہ محمد علی خاں صاحب بہادر عرف چھٹن صاحب نے حضور میں ذکر کیا۔ راقم سے بھی حال دریافت فرمایا اور حکم ہوا کہ اُن کو دربار میں لاؤ۔ میں نے عرض کردیا کہ اس معاملہ میں میں کچھ عرض نہیں کرسکتا ہوں۔ دوسرے ذریعہ سے حضور میں طلبی ہوئی۔ راقم سے فرمایا تیری کیا رائے ہے جاؤں یا نہ جاؤں میں نے عرض کیا جو رائے مبارک ہو بہتر ہے۔ میرے ناقص خیال میں جانے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ فرمانے لگے میں بے پڑھا لکھا آدمی آداب دربار سے ناواقف کیا باتیں کروں گا اور پھر یہ بھی ہے کہ مجھے طلب دنیا نہیں اور حضور پرنور کا بھی کوئی مطلب متعلق نہیں اس لیے میری حاضری بے سود ہے۔ دوبارہ کی طلبی پر مجھ سے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب حضور مجھے یاد نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۱۲۵۶ھ میں آپ کو حضرت مولانا ولی النبی صاحب نے خلافت عطا فرمائی۔ خلافت نامہ کی نقل حسب ذیل ہے:۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد سید الکونین ورسول الثقلین وعلیٰ الہ واصحابہ واہل بیتہ اجمعین۔ اما بعد کمترین ولی النبی اظہار مینماید کہ عزیزم میاں رشد علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ تا مدت مدید کسب طریقہ صوفیہ صافیہ نمودند و اوراد و اشغال و مراقبات معمولہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ پرداختند بعنایت او سبحانہ جل شانہ از نسبت ایں خاندان بہرہ ور گردیدند پس ایشاں را اجازت تعلیم و تعلم طریقہ دادہ ہر کہ خواہد از ایشاں اخذ طریقہ نماید و توجہات برگیرد۔

اللھم اجعلہ ھادیاً مہدیاً تابعاً للحق معرضاً عن الدنیا و مقبلاً علی الآخرۃ وشاغلاً باللہ علے الدوام آمین۔ اللھم آمین وصلے اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

خلافت نامہ کے ساتھ تبرکات میں حضرت مرزا جان جاناں علیہ الرحمہ کی ایک جوتی حضرت
شاہ احمد سعید صاحب کی ایک چادر اور ٹوپی اور کرتہ اور عمامہ عطا فرمایا جو آپ کی اولاد
کے پاس موجود ہے۔ جب تک حضرت مولانا ولی النبی صاحب زندہ رہے۔ لوگوں کو بہت کم
بیعت کرتے تھے۔ اور اکثر اپنے مرشد کی خدمت میں پہونچا دیتے تھے۔ مرشد کے انتقال
کے بعد بہ تکلف بیعت کر لیتے تھے۔ انتقال سے ایک سال پہلے مکۂ معظمہ کے حج اور زیارت
مدینۂ منورہ سے مشرف ہوئے۔ اور اپنے مریدین کو جناب توشہ خاں صاحب رام پوری اپنے
خلیفہ کے سپرد کر گئے تھے۔ انتقال سے تین مہینے پہلے راقم سے فرمایا کہ ہم نے سوا سو روپیہ
اپنے پاس رکھ لیے ہیں۔ میں نے عرض کیا ارشاد کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کا اپنا مال ہے
فرمایا مصلحت یہی ہے۔ راقم سرکار کے کیمپ میں شہر کے باہر مقیم تھا۔ پنجشنبہ کے دن
کیمپ میں تشریف لائے اور جناب صاحبزادہ محمد علی خاں بہادر عرف چھمن صاحب سے بھی
ملے۔ اُنھوں نے کہا کہ سرکار کی بیگم صاحبہ علیل ہیں۔ آپ صحت کے لیے دعا کیجیے۔
جواب دیا کہ ایک ہفتہ بعد کچھ جو کچھ ہو گا ظاہر ہو جائے گا۔ وہاں سے واپس تشریف لائے
شب جمعہ میں حرارت ہوئی جمعہ کے دن مجھے معلوم ہوا کہ حرارت گو شدید نہیں ہے مگر
غفلت ہے یہ حال میں نے صاحبزادہ محمد علی خاں صاحب بہادر سے بیان کیا۔ وہ
فرمانے لگے غضب ہوا وہ زندہ نہ بچیں گے اس لئے کہ مجھ سے کہا تھا کہ ایک ہفتہ کے بعد
جو کچھ ہو گا وہ ظاہر ہو جائیگا۔ علالت میں ہوش بھی ہو جاتا تھا۔
عید اضحیٰ کے دن آدمیوں پر سہارا دیکر مسجد میں تشریف لائے اور بیٹھکر نماز ادا کی
یہ مسجد راقم کے مکان کے قریب ہے اور اس مسجد سے بہت انس تھا مسجد میں فرمایا کہ
للّٰہ کنوئیں کا پانی بھی پلا دو پھر خدا جانے کیا اتفاق ہو۔ پانی پیکر بہت خوش ہوئے۔
اُس روز حرارت بالکل نہ تھی بقرعید کے دوسرے دن بھی طبیعت درست تھی۔
اول شب میں طبیعت بہت ہی اچھی تھی۔ رات کے دو بجے اپنے دونوں لڑکوں اور

شیر کو بلا کر کہا یسین شریف پڑھو۔ پھر اور قرآن شریف پڑھوایا اور سنتے رہے۔
سی حالت سماع قرآن شریف میں ذی الحجہ کی بارھویں تاریخ تیرہ سو اٹھائیس
ہجری (سنہ ۱۳۲۸ھ) کو صبح کے چار بجے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مجھے کیمپ میں آدمی نے جاکر اطلاع کی فوراً آیا اور انتظام تجہیز و تکفین شروع کیا آپ کی
ہمشیرہ نے فرمایا تمھیں کوئی ضرورت اہتمام کی نہیں ہے۔ علالت میں جب میں آئی
تو مجھ سے فرمایا کھونٹی میں جو تھیلی لٹک رہی ہے اس میں سے خرچ کرو چنانچہ
اسی میں سے خرچ ہو رہا ہے سوا سو روپے تھے اس وقت میں سمجھا کہ یہ سامان اپنی
میت کا کیا تھا۔ جس کی اطلاع مجھے تین مہینے پہلے دے چکے تھے دفن کے متعلق گفتگو تھی کہ
کہاں دفن کیا جاوے۔ حضرت مولانا ولی النبی صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ میاں
نسیب النبی صاحب آئے اور فرمایا ہمارے والد کے برابر دفن کا انتظام کیا جائے۔ اس لئے کہ
دو مہینے ہوئے۔ آپ نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو مجھے اپنے والد کے قدموں
میں دفن کرنا۔ غرضکہ شہر میں آپ کے انتقال کی خبر سے شور ہو گیا اور آپ کے مرشد کے
برابر آپ کو گھیر میاں ضیاء النبی صاحب میں دفن کیا۔
آپ کے دو صاحبزادے ہیں بڑے مرشد علی خاں جن کو خود تعلیم طریقہ دی تھی۔
اور دوسرے ارشاد علی خاں۔ بڑے خانہ نشین ہیں۔ اور نوشہ خاں صاحب سے
تکمیل طریقہ کی ہو گئی۔ صاحب اجازت ہیں۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا کرے چھوٹے بھی
اپنے والد سے داخل طریقہ ہیں اور ملازمت کے خالی اوقات میں نوشہ خاں صاحب سے
استفادہ کرتے ہیں۔ اس وقت رام پور میں نوشہ خاں صاحب مرجع طریقہ نقشبندیہ کے ہیں
اور کثرت سے اللہ کے طالب فیضیاب ہو رہے ہیں اللھم زد فزد۔
جناب منشی صاحب نے مولوی اشرف علی بنگالی کچھاڑوی اور نیاز محمد خاں عرف ننھن خاں
رام پوری اور نوشہ خاں صاحب کو خلافت عطا فرمائی۔ راقم الحروف برسوں حاضر خدمت رہا۔

اگر واقعات تمام وکمال لکھوں تو دفتر ہو جائے صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔
ایک روز میں حاضر خدمت ہوا۔ تھوڑی دیر میں فرمایا کیا تم نے شراب پی ہے۔
عرض کیا یہ تو کبھی نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر سکوت کر کے فرمایا کہ میرے مکان تک آنے میں
کسی شخص سے کوئی بات کی تھی۔ عرض کیا بیشک فلاں سے باتیں کر کے آیا ہوں۔
درحقیقت وہ شخص شرابی تھا۔ روزانہ ایسی باتیں سرزد ہوتی تھیں۔

مولوی حافظ رفیع الحسن

ولد مولوی شریف الحسن ولد مفتی غلام حسین رام پور میں پیدا ہوئے علوم درسیہ
عربی وفارسی اپنے والد سے پڑھے۔ سنا ہے حیدرآباد دکن میں محکمہ ماہی میں ملازم تھے۔
اور وہاں محلہ ببر پورہ میں متصل موتی نالہ رہتے تھے۔ کہتے ہیں انتقال ہوگیا۔
ایک لڑکا یادگار ہے اور ناخواندہ ہے۔

مولوی ریحان حسین

ولد حضرت مولانا ارشاد حسین مغفور۔ رام پور میں کھاری کنویں محلہ میں شوال
۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ فارسی وعربی مولانا شاہ سلامت اللہ
اعظم گڈھی۔ مولانا عبدالغفار خان رام پوری حافظ اسد علی خاں وحافظ امداد علی
سے حاصل کئے۔ اپنے مدرسہ میں تعلیم وتعلم میں مصروف ہیں۔ اپنے اسلاف کے قدم
بقدم ہیں۔ ریاست سے وظیفہ ملتا ہے۔ اور کچھ جائداد بھی ہے۔

میاں مولوی رشید النبی تخلص فرحت

ابن حبیب النبی۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ اولاد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ
سے تھے۔ علوم فارسی اور عربی میں کامل تھے۔ مدرسۂ عالیہ[۱] کلکتہ میں مدرس رہے۔
اور ضلع ہوگلی کے مفتی بھی تھے۔ نظم فارسی میں حافظ اکرام احمد خاں ضیغم سے

---

[۱] تذکرہ شمع انجمن۔

شورہ کرتے تھے۔عربی نظم بھی لکھتے تھے۔عین جوانی میں بارہ سو چوہتر ہجری (۱۲۷۴ھ) میں بمقام ہوگلی انتقال کیا۔

مولوی سید رفیع الدرجات تخلص نزہت

ابن حکیم میر ضیاء الدین عبرت[۱] ابن سید علاء الدین شاہجہاں آبادی آپ رامپور میں پیدا ہوئے۔یہیں فارسی اور عربی علوم حاصل کئے فاضل اجل نہایت پرہیزگار اور درویش صاحب حال تھے۔نواب سید نصراللہ خاں بہادر کے ہاں کارپرداز تھے۔اور ان کے صاحبزادہ کفایت اللہ خاں بہادر کے ندیم تھے۔ایک روز کفایت اللہ خاں صاحب نے کچھ روپیہ طلب کیا۔آپ نے فرمایا خزانہ بند ہے وہ اصرار کرتے رہے۔اُس وقت آپنے آیت پڑھی۔اذا جاء نصراللّٰہ والفتح۔اس فقرہ پر کفایت اللہ بہت خوش ہوئے۔شاہ مولوی سید احمد مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ نے مسٹر مکان سکرٹری نواب گورنر جنرل سے اُن کی زبان دانی کا تذکرہ کیا۔وہ بہت مشتاق ملاقات ہوئے۔لارڈ ہیڈنگ جب رامپور آئے سکرٹری مذکور ساتھ تھے۔وہ سید صاحب کے مکان پر ملنے گئے۔اور ان سے ملازمت کی درخواست کی مگر سید صاحب نے قبول نہیں کی۔فارسی کلام ذوقی رام حسرت کو دکھاتے تھے۔اُردو بطور خود کہتے تھے۔ستر برس کی عمر پائی۔ماہ ربیع الاول کی پانچویں تاریخ پنجشنبہ کے دن بارہ سو پینسٹھ ہجری (۱۲۶۵ھ) میں رحلت فرمائی۔کہنہ عیدگاہ دروازۂ شہر کے چکر کی سڑک کے کنارہ مزار ہے۔

مولوی سید رستم علی

ابن سید مولوی محمد اسمٰعیل ابن سید محمد اسحٰق۔آپ کے والد سید محمد اسمٰعیل بلدہ نہٹور ضلع بجنور میں محلہ ڈھاکہ کھاری عرف محلہ میران کے رہنے والے تھے۔معانی کثیر تھی۔

---

[۱] انتخاب یادگار۔ [۲] تواریخ عجیبہ مصنفۂ مولانا نثار علی رامپوری بہت غلط لکھی ہوئی ہے عبارت بعینہٖ نقل ہے۔

صادر و وارد کی مہانداری خوب کرتے تھے۔ نواب منصور علی خاں ولد نواب شجاع الدولہ
کا بھی اس طرف گزر ہو گیا تھا۔ اور آپ کے مکان پر مقیم ہوئے تھے۔ سید محمد اسمٰعیل
تحصیل علم کے لئے الہ آباد چلے آئے۔ کوڑا جہان آباد میں شادی ہو گئی۔ اور سرائے
چھپرا گھاٹ میں سکونت اختیار کی جو الہ آباد سے تین کوس ہے۔ نہایت بزرگ و باوقار
تھے۔ شاہ عالی گوہر کو آپ سے عقیدت تھی اور الہ آباد میں آپ کے پیچھے چند بار نماز جمعہ
پڑھی۔ تیغ حیدری مصنفہ حشمت علی خاں جہاں نورد میں لکھا ہے۔ کہ جوان صالح یہ
رستم علی نے اپنے نانا پیر حاتم علی ساکن کوڑا جہان آباد کی طرف سے رستم علی نام پایا
اور اپنے دادا کی طرف سے محمد یعقوب بن سید مولانا محمد اسمٰعیل بن محمد اسحٰق بن محمد
محمد یوسف بھاکری نام پایا۔ اور یہ نجیب تر اولاد سید جعفر ثانی میں امام عاشر حضرت
امام علی نقی رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ اور مولانا محمد اسحٰق معتمد بزرگان بھکر سے
سجادہ نشین با فضیلت متمول داخل دفتر علی داہن ہیں ایک لاکھ بیگھہ زمین کھتے ہیں
جو اس دفتر میں داخل ہے سادات بھکر سے وہ مستند ہے اور جو کوئی اس دفتر میں داخل
نہیں وہ غیر مستند ہے۔ مولانا رستم علی کوڑا جہان آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کی بارہ سال
کی عمر تھی کہ آپ کی والدہ بی بی نور کا انتقال ہو گیا۔ علوم و فنون عربی کی تکمیل کے
ساتھ تکمیل باطنی کا شوق ہوا پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد کی وساطت
پیر محمد عیان ساکن بلدۂ پٹنہ سے بیعت ہونے کی درخواست کی پیر محمد عیان میرزا مظہر
قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ پیر محمد عیان نے فرمایا تمہارا حصہ گیٹھر میں ہے۔ جس وقت
آپ کے والد شاہ عالی گوہر کے ساتھ شاہ جہان آباد کو روانہ ہوئے۔ آپ تحصیل
علم کے لئے فرخ آباد آ گئے وہاں تحصیل سے فارغ ہو کر رام پور کو روانہ ہوئے
راہ میں سنا کہ مولوی سید اسمٰعیل آپ کے والد کا لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔
اور خواجہ گنج بخش کے مزار میں دفن ہوئے جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہا

کے عہد میں [illegible]ھ تا [illegible]ھ رامپور آئے مولوی نور عالمؒ اور مولوی امام بخش سے اکثر کتابیں پڑھیں
کتب معقول مولانا بحرالعلوم سے حاصل کیں۔ اکیس برس کی عمر میں کل علوم سے فارغ ہوئے۔
دستار بندی کے جلسہ میں پگڑی کا پہلا پیچ مولانا جمال الدین نے باندھا۔ علم وفضل میں بہت
شہرت تھی اس کے ساتھ اتقا بھی بےمثل تھا۔ آپ کے تلامذہ میں سے مولوی فقیہ الدین ولد
مولانا جمال الدین۔ مولوی سید محبوب علی مدفون مرادآباد۔ مفتی شرف الدین۔ مولوی عبدالرحیم
خاں۔ مولوی عبدالقادر جیف صدرالصدور۔ مولوی بزرگ علی۔ مولوی سید منیر علی رام پوری۔
مولوی محمد سعید لکھنوی۔ مولوی حفیظ اللہ وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ کی تصانیف سے تقاریر سبع
رسالہ ہے۔ جو مولوی اسمٰعیل لندنی کے مباحثہ میں لکھا ہے۔ رسالہ الف الفصیح حاشیہ میرزاہد۔ اور حاشیہ
صدرا ہے۔ حافظ محمد امین نہٹوری (ضلع بجنور۔ یو۔ پی) سے بیعت ہوئے۔ مولانا جمال الدین کی صاحبزادی
سے شادی ہوئی۔ رام پور میں چالیس برس زندہ رہے۔ کسی امیر کے دروازہ پر نہیں گئے۔
جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر نے زمرۂ علما میں وظیفہ مقرر فرما دیا تھا۔ وہی گزران
کا ذریعہ تھا۔ مسجد عثمان خاں والی میں جو صفدر گنج سے جانب غرب وجنوب ہے۔ نماز پڑھتے تھے
اور وہیں طلبا کو پڑھاتے تھے۔ امرد سے مصافحہ نہیں کرتے تھے اور نہ صورت دیکھتے تھے۔
مولانا جمال الدین کے صاحبزادے مولوی فقیہ الدین آپ کے سالے تھے۔ اور آپ سے
پڑھتے تھے۔ کسی نے کہدیا داڑھی منڈاتے ہیں۔ اُسی روز سے منع کر دیا کہ میرے ہاں
نہ آئیں۔ اگر نامحرم عورت کا بدن میں ہاتھ لگ جاتا تھا فوراً تپ ہو جاتی تھی ہر ایک شاگرد کو
تنہا تنہا پڑھاتے تھے۔ تیسرا آدمی ہوتا جس کے لئے جسقدر وقت مقرر تھا اُسی قدر وقت میں
پڑھاتے تھے۔ اگر کسی طالب علم کو باتیں کرنا ہوں تو سبق ترک کرکے باتیں کر سکتا تھا۔
حافظ محمد امین ساکن نہٹور ضلع بجنور خلیفہ شاہ بلاقی مرادآبادی (المتوفی سنہ [illegible]ھ) سے
بیعت تھے۔ اور صاحب اجازت تھے آپ کے بھی خلفا بہت برگزیدہ تھے۔ مولوی حفظ اللہ

؎۱ بیت المعرفت فارسی مولوی حفظ اللہ۔

آپ کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ انھوں نے بیت المعرفت فارسی کتاب بزرگوں کے حالات میں لکھی۔ ان سے فرمایا میرا حال نہ لکھنا عرض کیا جس قدر لکھا ہے اُس کو معاف کیجیے۔ فرمایا صرف میرا نسب اور سلسلہ بیعت لکھنے کا مضائقہ نہیں اگر اس سے زیادہ لکھا تو مجھے رنج ہوگا۔

نواب نصر اللہ خان بہادر نائب جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر بہت معتقد تھے انھوں نے دو جاگیروں کی سندیں لکھوا کر بھیجدیں۔ اپنے نام کی سند واپس کردی آپ کے فرزند اکبر مولوی عبد العلی خاں نے اپنے نام کی سند لیلی موضع بلکھیڑہ واقع تحصیل بلاسپور اب تک آپ کے خاندان میں موجود ہے مولانا جمال الدین اپنے مرشد مولانا فخر الدین دہلوی کا سالانہ عرس کرتے تھے۔ قوالی ہوتی تھی انھوں نے آپ سے مکان اس تقریب کے لئے مانگا صاف انکار کردیا۔ جمعہ کے دن ذیقعدہ کی اکیسویں تاریخ بارہ سو چالیس ہجری (۱۲۴۰ھ) کو انتقال فرمایا۔ اور جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے مقبرہ سے جانب شرق دفن ہوئے تریسٹھ برس کی عمر ہوئی۔ مولوی عبد العلی۔ مولوی محبوب علی۔ حافظ غلام علی اور حافظ مولوی منیر علی چار فرزند یادگار چھوڑے۔

حکیم سید رحیم الدین

ولد سید امام الدین ساکن آنولہ۔ رام پور میں پیدا ہوئے کتب عربی وطب رام پور میں پڑھیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی طبیب تھے کھجوروں والے باغیچہ کے متصل رہتے تھے۔ رام پور میں انتقال ہوا۔

سید رسول کاکا

ولایتی تھے۔ صاحب کشف وکرامات اور مجذوب تھے۔ ان سے خرق عادات وکرامات سرزد ہوتے تھے۔ محلہ راج دوارہ میں رہتے تھے۔ مولوی غلام جیلانی رفعت والی مسجد کے صحن میں ان کا مزار ہے۔ کسی سے سوال وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ جب بھوک لگی جس کے گھر میں جاہا چلے گئے۔ اور کھانا کھا لیا۔ ان کا زمانہ جناب سید نواب

فیض اللہ خاں صاحب بہادر کا عہد ہے (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ)

مولوی رشید النبی مجددی

ابن مولوی حبیب النبی بن شاہ ضیاء النبی۔ مولانا ولی النبی کے بڑے بھائی تھے عالم متبحر تھے۔ مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں معاون سوم تھے۔ علامۂ طحاوی کی کتاب العقائد کی اُردو میں مبسوط اور مدلل شرح لکھی ہے۔ ہوگلی میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ سبعہ معلقہ کی فارسی شرح ۱۲۶۶ھ میں تین مہینے میں لکھی۔ کلکتہ میں ٹائپ میں چھپی ہے۔ خاتمہ میں مولوی احمد کبیر۔ مولوی عجیب احمد۔ مولوی یار علی۔ اور اپنے بھائی مولانا ولی النبی کی استعانت کا شکریہ ادا کیا ہے۔ دو سو اسّی صفحہ کی کتاب ہے۔

ملا رفیع اللہ خاں اخون زادہ

ابن مولوی عبید اللہ اخون سواتی۔ بعہد نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر سوات سے آئے رام پور میں الف خاں کے گھیر میں قیام ہوا۔ یہیں شادی کی رفیع اللہ خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ اور دیگر اساتذہ رام پور سے علوم و فنون حاصل کرکے مدرسۂ عالیہ ریاست میں بیس روپے کے نوکر ہوگئے۔ اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ ریاست نے دس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ رام پور میں مسجد جامع آپ کی دستار بندی کا پہلا جلسہ ہوا جس میں تمام علمائے رام پور جمع تھے بارہ سو بیاسی ہجری (۱۲۸۲ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔ اور الف خاں کے گھیر والی مسجد کے شمال میں اپنے والد کے برابر دفن ہیں۔ آپ نے دو فرزند یادگار چھوڑے ایک مولوی ہدایت اللہ خاں دوسرے حافظ عنایت اللہ خاں۔

شاہ رؤف احمد مجددی تخلص رافت

والد[1] کا نام شعور احمد ہے۔ چودھویں محرم بارہ سو ایک ہجری (۱۲۰۱ھ) کو مصطفیٰ آباد

[1] جواہر علویہ۔

عرف رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا نے تاریخی نام رحمان بخش رکھا۔ حضرت شاہ
ابوسعید علیہ الرحمتہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ اوران سے چار پانچ سال عمر میں چھوٹے ہیں۔
علوم عقلی سے فارغ ہوئے حضرت شاہ درگاہی صاحب کی خدمتمیں حاضر ہوئے دارالمعارف میں صفحہ ۳۴۰ میں
خود تحریر فرماتے ہیں کہ قریب بلوغت شاہ درگاہی صاحب سے بیعت کی کم زیادہ بارہ سال تک خدمت میں
حاضر رہا۔ اور ریاضت و مجاہدہ بطور جنید بغدادی بقدر طاقت و امکان کیا۔ شاہ صاحب کی خانقاہ میں
یہی طریقہ تھا۔ پھر خرقہ خلافت پایا اور چند لوگوں کو مرید بھی کیا۔ شاہ صاحب کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی کا اسماد
جواہر علویہ میں ظاہر کیا ہے۔ علوم نہیں ارادہ پورا ہو لیا نہیں بارہ سال کے قریب شاہ درگاہی رحمتہ اللہ علیہ
کی خدمت میں حاضر رہے۔ ایک بار شاہ صاحب دہلی میں تھے۔ شوق میں پیدل ہی پہنچے
اسی زمانۂ ذوق و شوق میں ایک مثنوی اسرار غیب اور غزلیات کا ایک دیوان لکھا۔
شاہ صاحب آپ سے فرمایا کرتے تھے کہ تجھے میں اپنے سینے میں رکھنا چاہوں۔ شاہ صاحب
سے نقشبندیہ۔ قادریہ۔ چشتیہ۔ صابریہ۔ نظامیہ۔ سہروردیہ۔ کبرویہ۔ اور مداریہ
طریقوں میں اجازت ملی۔ سند مصافحہ اپنے خالو سراج المتورعین امام المحدثین حضرت
سراج احمد مجددی سے حاصل کی۔ سند حدیث مسلسل بھی مولانا سراج احمد سے پائی۔
حرز یمانی کی سند حضرت احمد سے قصیدۂ غوثیہ کی اجازت مولانا محمد ارشد سے۔ ختم
خواجگان کی اجازت حضرت شاہ درگاہی صاحب اور حضرت شاہ عبداللہ المعروف
شاہ غلام علی سے قصیدۂ بردہ۔ بانت سعاد و حصن حصین و دیگر اعمال کی اجازت مولانا
سراج احمد سے ملی۔ حزب البحر کی اجازت علاوہ شاہ درگاہی اور شاہ غلام علی قدس اللہ
سرہما کے مع دیگر اعمال کے شاہ عبدالعزیز سے حاصل کی۔ نوشہ کی اجازت شاہ عبدالحق
ردولوی کی روحانیت سے پائی۔ ایک روز رمضان میں بمقام جے پور آپ حضرت
غوث الثقلین کا نام پڑھ رہے تھے۔ اس وقت مکاشفہ میں اجازت آپ نے اپنے اسم
کی عطا کی۔ بعد انتقال حضرت شاہ درگاہی آپ کو حصول نسبت مجددیہ کا شوق ہوا۔

اور آپ حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کی خدمت میں دہلی میں حاضر ہوئے۔
شاہ صاحب نے فرمایا تم نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ موجود ہے۔ لیکن طریقہ تعلیم ہر ایک
شخص کا جدا ہوتا ہے اس لیے لطیفہ قلب سے تم کو از سر نو توجہ دوں گا۔ مجاہدہ خوب
خوب ہو چکا تھا۔ نہایت جلد مراقبہ لاتعین تک جو سترھواں۔ دائرہ ہے سلوک طے
کرا کر اجازت و خلافت عطا فرمائی۔ اور دو مہینے اُن سے اپنے سامنے اپنے دیگر مریدین کو
توجہ دلائی۔ دار المعارف میں آپ صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں کہ آخر جمعہ ماہ صفر ۱۲۳۲ھ میں
مجھے رام پور کو رخصت کیا اور چاروں طریقوں کی اجازت دوبارہ عطا فرمائی سات مہینے آپ رام پور
رہے۔ شوال ۱۲۳۲ھ میں شاہ صاحب نے خط لکھکر آپ کو دہلی طلب کیا۔ اور آپ کی
تربیت فرماتے رہے۔ اور تحریری اجازت نامہ جمادی الآخر بارہ سو تینتیس ہجری
(۱۲۳۳ھ) میں دیکر رخصت کر دیا۔ آپ جب سرونج واقع ریاست ٹونک میں پہونچے
تو اپنے کشف و وجدان کے مطابق ایک رسالہ مراتب الوصول نامی لکھکر حضرت شاہ غلام علی
صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ شاہ صاحب نے اپنے خط میں اس کی تعریف فرمائی ہے۔
آخیر[۱] میں جاکر بھوپال میں مقیم ہوے بھوپال سے بارادۂ حج کعبۃ اللہ کو روانہ ہوئے۔
جہاز[۲] میں پینسٹھ برس کی عمر میں ذیقعدہ کی چھبیسویں تاریخ بارہ سو چالیس ہجری (۱۲۴۰ھ)
کو یکایک انتقال[۳] آپ کا یلملم کے مقابل ہوا۔ اور بیر علی میں دفن ہوے جس کو
یلملم بھی کہتے ہیں۔ تفسیر[۴] رؤفی بزبان اُردو بارہ سو انتالیس (۱۲۳۹ھ) میں لکھنا
شروع کی اور بارہ سو اڑتالیس ہجری (۱۲۴۸ھ) میں ختم کی بمبئی میں دو جلدوں میں
طبع ہوئی ہے۔ کتاب دار المعارف میں ملفوظات شاہ غلام علی صاحب کے جمع کیے ہیں۔
اور وہ چھپ گئی ہے۔ سنا ہے اُردو فارسی کلام کا دیوان بھی ہے اُردو شاعری میں قلندر بخش
جرأت سے تلمذ تھا۔ نثر اُردو میں ایک معراج نامہ لکھا تھا۔ مثنوی یوسف زلیخا اُردو میں

---

۱ تذکرہ علماے ہند ۲ انتخاب یادگار ۳ رسالہ شاہ عبدالغنی فارسی ۴ تذکرہ علماے ہند۔

لکھی تھی۔ کتاب جواہر علویہ بزبان فارسی لکھی جس میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ کے حالات مفصل اور کل سلسلوں کے مجمل لکھے ہیں اس میں اپنا نسب نامہ اور کچھ حالات بھی لکھے ہیں۔ فارسی کا نسخہ مجھے نہیں ملا۔ اس کا اردو ترجمہ تاجران کتب قومی واقع منزل نقشبندیہ کوچہ گلی زنیاں لاہور نے طبع کرایا ہے۔ وہ مجھے مل گیا چھپائی اور ترجمہ میں نہایت غلطی ہے ۱۲۳۲ و ۱۲۳۳ھ میں ایک رسالہ مراتب الوصول خانقاہ دہلی میں لکھا تھا۔ اور حضرت شاہ غلام علی صاحب نے اُس کو پسند فرمایا۔ رسالۂ صادقہ مصدوقہ بزبان فارسی ریاست رام پور میں قلمی اڑتالیس صفحہ کا موجود ہے۔ اس کے خاتمہ پر لکھتے ہیں کہ رسالہ مراتب الوصول کی تحریر کے بعد مجھے شاہ علی قدس سرہٗ نے سرونج بھیجدیا وہاں سے میں نے رسالۂ شاہ صاحب کو بھیجا اور شاہ صاحب کا خط خاتمہ پر نقل کیا ہے۔
شاہ صاحب نے صادقہ مصدوقہ اپنے خط میں لکھا ہے۔ آغاز رسالہ کا یہ ہے۔
الحمد للہ الذی جعل الاولیا خلفاء الانبیاء۔ معلوم نہیں کہ یہی رسالہ مراتب الوصول ہے یا دوسرا رسالہ ہے۔
سلوک العارفین فارسی یہ رسالہ دو سو بیس صفحہ کا چھوٹی تقطیع پر کتب خانۂ ریاست رام پور میں موجود ہے۔ اس کتاب کو بائیس فصول اور ایک خاتمہ پر منقسم کیا ہے۔ اور طریقۂ نقشبندیہ کے سلوک کو تفصیل سے لکھا ہے۔ آغاز کتاب "حمد بیحد و تنزیہ بیقیاس مرحق نے راکہ بر چوں پر توۂ بیچونی انداختہ" شراب رحیق فارسی۔ یہ چوبیس صفحہ کا رسالہ کتب خانۂ ریاست رام پور میں موجود ہے۔ نقشبندی۔ قادری۔ چشتی طریقہ کے اذکار و اشغال لکھے ہیں۔
ارکان الاسلام تصوف کا رسالہ مطبع نظامی کانپور میں ۱۲۹۵ھ میں شائع ہوا ہے۔
تاریخ رحلت میں اختلاف ہے۔ عبد الغفور خاں نساخ نے ذیل کی تاریخ میں

له دار المعارف صفحہ ۶۰ سہ۔

بارہ سو انچاس ہجری لکھے ہیں ۔

رافت آں قبلۂ ارباب کمال — از جہاں رفت بسوئے جنت
بہر تاریخ رحیلش نساخ — شد رقم۔ قدوۂ جنت رافت
(۱۲۴۹ھ)

حافظ محمد زبیر

سنہ ۱۲۴۱ھ میں زندہ تھے۔ اساتذہ سے جس طرح کہ کتابیں پڑھیں تھیں اسی طرح بے کم وبیش طلبا کو پڑھاتے تھے۔

مولوی زبردست شاہ

فیصلہ جائداد پیرزادہ اعظم الدین خاں ساکن محلہ کٹرہ مورخہ ۲۴۔ ربیع الاول سنہ ۱۲۵۱ھ پر آپ کی مہر ہے۔ اور حال نہیں معلوم ہوا۔

حکیم محمد ساجد خاں

نواب فیض اللہ خاں بہادر (سنہ ۱۱۸۸ھ تا سنہ ۱۲۰۸ھ) کے ملازم تھے مردان خاں جمعدار کے گھیر میں رہتے تھے۔ اُن کی کتاب معالجات سے صاحب فصول فیض اللہ خانی نے مضامین اخذ کئے ہیں حکیم موصوف نے بوستاں۔ زلیخا اور سکندر نامہ کی شرح بھی لکھی تھی۔ یہ شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے۔ ریاست میں ملازم تھے۔

مولوی سدید الدین خاں

ولد مولوی رشید الدین خاں دہلوی۔ ایک عرصہ تک رام پور میں مفتی رہے۔

مولوی سراج احمد مجددی

ولد شاہ محمد مرشد گیارہ سو چہتر ہجری (سنہ ۱۱۷۴ھ) میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے ساتھ رام پور آئے۔ بڑے عالم فاضل اور صاحب نسبت تھے خصوصاً علم حدیث میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ خاندان مجددیہ کے نسب میں ایک کتاب جامع و نافع مسمی بہ سیر الرشدین لکھی

سلہ روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں قلمی۔ سلہ فصول فیض اللہ خانی قلمی تصنیف سنہ ۱۲۰۱ھ۔

علم حدیث میں چند تصنیفیں ہیں۔ صحیح مسلم کا فارسی ترجمہ کیا۔ جامع ترمذی کا ترجمہ ہو کر شائع ہو گیا ہے۔ لکھنؤ میں پنجشنبہ کے دن ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ بارہ سو تیس ہجری (۱۲۳۰ھ) کو رحلت ہوئی۔ تابوت لکھنؤ سے لا کر رام پور میں آپ کے والد ماجد کے حظیرہ میں دفن کیا۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ بڑے کا نام ابو محمد عرف غلام حسین اور دوسرے کا نام سراج الرحمٰن ہے۔

تصانیف۔ ہادم اللذات دار الغرور فی ترجمہ شرح صدور بزبان فارسی اخیر سے ناقص قلمی کتب خانۂ رام پور میں موجود ہے۔ ایک سو اٹھاسی صفحہ میں ہے۔ دیباچہ میں مترجم نے لکھا ہے۔ کہ اگر عمر نے وفا کی تو شرح اشتراط الساعۃ اور بدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ۔ کا ترجمہ شروع کروں گا۔ رسالہ در ذکر شرب و طعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ فارسی نہایت مختصر تقطیع کا ۴۰ صفحہ کا کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔ برہان التاویل فی شرح الاکلیل۔ ترجمہ فارسی صحیح مسلم از ابتدائے کتاب تا کتاب الزکوٰۃ چھ سو بارہ صفحہ پر نوشتہ دست مترجم روز یکشنبہ سوم ذی الحجہ سنہ ایک ہزار دو سو سترہ ہجری۔ اور کتاب الصوم سے تا ختم باب فضل عتق الوالد نوشتہ دست مترجم روز دوشنبہ دہم جمادی الاولیٰ سنہ بارہ سو اٹھارہ ہجری تین سو آٹھ صفحوں پر کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔ یہ دونوں حصہ ایک جلد میں ہیں۔ اور کتاب البیوع سے کتاب التفسیر تک نوشتہ دست مترجم علیحدہ جلد میں ہے۔ مگر اس کے اخیر میں دو تین ورق کم ہیں۔ اس جلد کے صفحات چار سو ستر ہیں۔ ترجمہ فارسی ترمذی نوشتہ دست مصنف ۴۳۱ صفحات کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔ مترجم نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ترجمہ صحیح مسلم کے بعد میں نے یہ ترجمہ ذی الحجہ کی پندرھویں تاریخ بارہ سو بیس ہجری (۱۲۲۰ھ) کو شروع کیا اور ذی الحجہ کی سولھویں تاریخ (۱۲۲۳ھ) کو یکشنبہ کے دن ختم کیا۔ مترجم نے اُن احادیث کی بھی سند لکھدی ہے جو اصل کتاب میں بطریق تعلیق مذکور تھیں۔ کہیں کہیں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔

سلہ روزنامچہ مولوی عبد القادر خاں۔

سالہ الحکیم النبا فی تحریم الغنا فارسی۔ نوشتہ دست مصنف۔ چھوٹی تقطیع کے چند صفحہ کا ہوا کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔ رام پور کے قیام کے زمانہ میں تصنیف کیا ہی۔
ل العینین فی رویۃ النیرین فارسی۔ نوشتہ دست مصنف چھوٹی تقطیع پر ۲۰ صفحہ کا رسالہ کتب خانۂ ریاست رام پور میں موجود ہی۔ اس رسالہ میں یہ بحث ہی کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں سے یا قلب سے اللہ تعالی کو دیکھا۔ تصنیف روز شنبہ سلخ ربیع الآخر ۱۲۲۸ھ۔ رسالہ در فضیلت ذکر خفی نوشتہ دست مصنف تقطیع خرد پر ۲۰ صفحہ کا رسالہ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔

میاں سراج شاہ

سادات بونیر سے تھے۔ نہایت بڑے عالم تھے۔ فقیہ اصولی تھے پیلو والی مسجد کے شمال میں غسل خانہ کے عقب میں چھوٹے سے حظیرہ میں مزار ہے۔ اتقا ایسا تھا کہ گھر کے دروازوں کی کنڈیوں میں کپڑا لپٹا رہتا تھا۔ تاکہ صدا کان میں نہ آئے۔ غیر محرم عورت پر نظر پڑنے کی یہ احتیاط تھی کہ اپنے مکان میں غیر عورتوں کو نہیں آنے دیتے تھے۔ اِن کے دو بیٹے تھے۔ ایک سید غفران دوسرے صابر شاہ عرف بھولے شاہ دونوں علم سے بے بہرہ تھے۔ دھونکل سنگھ اہلکار جناب نواب سید احمد علی خاں بہادر کے قتل کا باعث سید غفران ہوے تھے سید غفران کے پاس ہٹا جری تھی۔ سرکاری روپیہ باقی تھا۔ دھونکل سنگھ نے اُن کو گرفتار کرکے سر پر پیپا رکھا۔ اور اُس پر گرم بے تمیز بجھا ہوا چونا بھر کے پانی ڈالا۔ پیپا کھوپڑی میں بیٹھ گیا۔ اِس صدمہ سے اُنکا انتقال ہوا۔ سادات نے محمدی جھنڈا کھڑا کیا کئی ہزار مسلمان جمع ہوکر دھونکل سنگھ کے قتل کو چلے۔ نواب احمد علی خاں کو خبر ہوئی۔ انھوں نے میر غفران کے ورثا کو بلا کر تسلی و تشفی کی اور روپیہ معاف کر دیا۔ مگر سیدوں کے دلوں سے یہ رنج نہ گیا۔ نواب سید احمد علی خاں کی علالت شدید کے موقع پر چند آدمیوں نے سجا کر دھونکل سنگھ کو قتل کر دیا۔

ملا سراج الدین

قوم پٹھان۔ ملا جہانگیر کے داماد تھے۔ نہایت خوش بیان تھے ۱۲۱۲ھ کے قریب زندہ تھے۔

حکیم مولوی سراج الدین خاں

ولد مولوی قطب الدین خاں وکیل جاورہ۔ رام پور میں محلہ کرمہ جلال الدین خاں میں متصل مسجد مکان تھا۔ تعلیم و تربیت کی مفصل حالت معلوم نہیں ہوئی۔ ریاست جاورہ میں ڈیڑھ سو روپیہ کی تنخواہ پر اطبا میں ملازم تھے۔ جاورہ ہی میں انتقال ہوا غالباً تیس سال انتقال کو ہوئے۔

مولوی سراج الدین احمد خاں

ولد جلال الدین احمد خاں۔ ساکن قدیم بنگلہ آزاد خاں حال محلہ شاہ آباد دروازہ رام پور میں ذی الحجہ کی بارھویں تاریخ بارہ سو پینسٹھ ہجری (۱۲۶۵ھ) کو پیدا ہوئے۔ کتب فارسی اپنے والد سے پڑھیں۔ اور علوم عربی جناب مولوی ارشاد حسین صاحب سے حاصل کئے۔ عالم ہونے کے ساتھ ہی نستعلیق کے خوشنویس بھی تھے مرد متین اہلسنت شعار پابند صوم و صلوٰۃ اور نہایت مہذب تھے۔ کلام قلیل اور بلیغ ہوتا تھا۔ نہایت ہی گمنامی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ سوائے اپنے کام کے کسی سے غرض نہیں تھی۔ ابتدا میں جے پور میں نائب مجسٹریٹ رہے۔ پھر رام پور میں فتاوائے عالمگیری کے ترجمہ میں ملازم ہوئے یہ ترجمہ نواب خلد آشیاں بہادر نے اردو میں جناب مفتی محمد لطف اللہ کے زیر اہتمام شروع کرایا تھا۔ چوبیس سال سے انگریزی ہائی اسکول رام پور میں عربی کے مدرس تھے۔ کبھی کبھی[۱] نظم فارسی اور اردو بھی لکھتے تھے۔ آٹھ دس سال ہوئے کہ انتقال رام پور میں ہوا

مولانا سعد اللہ خاں

ولد مولانا محمد گل خاں غالباً ان کی پیدائش رام پور کی نہیں ہے۔ علوم اپنے والد سے بھی

---

[۱] انتخاب یادگار۔

پڑھے۔ دوسروں سے تعلیم کا حال معلوم نہیں ہوا۔ ان کا کوئی تعلق ریاست میں نہ تھا۔ خانہ نشین رہے۔ اور طلبا کو اپنے مکان پر پڑھایا کرتے تھے۔ نواب سید محمد علی خاں بہادر کے عہد میں رام پور میں انتقال ہوا۔ اور غریب شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے جس کا اب کوئی پتا نہیں۔ دریائے کوسی میں آگیا۔ نواب نصر اللہ خاں نائب ریاست نے بھی اِن سے پڑھا تھا۔ ان کے بیٹے حافظ عبدالقادر خاں تھے۔ جو کار بیچیوں میں ریاست میں ملازم تھے۔ نہایت متشرع آدمی تھے۔ اِن کی دس برس کی عمر تھی۔ اور پہلی محراب سنائی تھی کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ عبدالقادر خاں ناخواندہ تھے۔ عبدالقادر خاں کے بڑے بیٹے حافظ عبدالحمید خاں علوم عربی و فارسی میں صاحب استعداد ہیں۔ حافظ عباس علی مرحوم امروہوی سے طریقہ نقشبندی میں بیعت ہیں۔ فی الحال ٹونک کو وطن بنا لیا ہے۔ دوسرے بیٹے عبدالقادر خاں کے عبدالصمد خاں ناخواندہ ہیں۔

مفتی محمد سعد اللہ

ابن مولوی نظام الدین۔ مراد آباد واقع ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے کسرول محلہ میں مولسری والی مسجد کے عقب میں مکان تھا۔ قوم شیخ۔ رجب کی سترھویں تاریخ بارہ سو انیس ہجری (۱۲۱۹ھ) کو مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا انتقال ہوا تو صغیر السن تھے بڑے بھائی نے تربیت اور تعلیم شروع کی۔ بھاوج کی معمولی شکایت پر بڑے بھائی صاحب نے کچھ ایسی سختی کی کہ آپ گھر سے نکل کر مفقود الخبر ہوگئے۔

شہروں شہروں پھر کر مسجدوں میں رہکر علم حاصل کیا۔ رام پور میں فی الحال جو مسجد فراش خانہ کے سامنے ہے۔ یہاں بھی قیام رہا اور مولوی محمد اور قان سے پڑھا۔ نجیب آباد میں مولوی عبدالرحمن قہستانی سے شرح جامی۔ متن متین اور دیگر کتب پڑھیں ۱۲۳۹ھ میں بزمانہ سلطنت اکبر شاہ ثانی دہلی میں مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی مولانا محمد اسحق محدث دہلوی اخوند شیر محمد ولایتی مولوی صدرالدین خاں صدرالصدور سے اکثر درسیات

پڑھے۔ مولانا ظہور اللہ لکھنوی۔ مرزا محمد ہاشم علی محدث لکھنوی۔ تلمیذ شاہ ولی اللہ ملا حسن لکھنوی۔ شیخ جمال مکی۔ مولوی محمد حیات پنجابی دہلوی۔ مولوی محمد شرف لکھنوی۔ مولوی محمد اسمٰعیل مراد آبادی۔ مولوی محمد ظہور اللہ لکھنوی۔ مرزا حسن علی محدث لکھنوی اور دیگر اساتذہ سے علوم و فنون کی تکمیل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر لکھنؤ میں ۱۲۳۲ھ میں پہونچے۔ اُس وقت اعزہ کو پتا دیا ۱۲۵۰ھ میں مراد آباد سے لوگ گئے اور گھر کو لائے۔ فقیر کی والدہ کی حقیقی پھوپی سے شادی ہوئی۔ فقیر نے خود آپ کی بیوی صاحبہ سے سنا کہ شادی کے بعد بھی رات بھر مطالعہ کتب میں گزرتی تھی۔ چھت میں ایک رسی لٹکا رکھی تھی۔ شب کو وہ رسی سر کے بالوں میں باندھ لیتے تھے۔ تاکہ نیند نہ آئے۔ شادی کے بعد لکھنؤ میں مدرسہ شاہی کے مدرس ہوئے پھر تاج اللغات ترجمہ قاموس کے دفتر میں ملازم رہے۔ اس کے کچہری کوتوالی میں مفتی کے عہدہ پر ترقی پائی۔ انتیس سال ملازمت لکھنؤ کی کی۔ شیخ جمال مکی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ بارہ سو ساٹھ ہجری (۱۲۶۰ھ) میں ربیع الآخر کی دوسری تاریخ یکشنبہ کے دن لکھنؤ میں آپ سے اور مولوی محبوب علی مرحوم مراد آبادی سے شاہ پیر محمد کے ٹیلہ والی مسجد میں تو دو جمعہ پر مناظرہ ہوا تھا مفصل کیفیت مفتی صاحب کے فتوی اشاعۃ الجمعہ مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ ۱۲۶۰ھ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ مولوی شاہ علی مرحوم ولد مولوی محبوب علی مرحوم نے اِس مناظرہ کو اپنی کتاب ازالۃ الغرفہ در رد اشاعۃ الجمعہ مطبع زبدۃ الاخبار آگرہ ۱۲۶۶ھ میں دوسرے الفاظ سے شایع کیا ہے ۱۲۷۰ھ میں حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

فقیر نے اکثر رسائل آپ کے ہاتھ کے نقل کیے ہوئے دیکھے۔ اس وقت کتابیں نایاب تھیں۔ جہاں جو کتاب ملی نقل کر لی۔ ایک سو سے متجاوز آپ کے نقل کئے ہوئے کتب و رسائل ہوں گے سلطنت لکھنوی کی خرابی کے بعد غدر سے پہلے نواب یوسف علی خاں بہادر فردوس مکان نے رام پور میں بلا کر عہدۂ قضا دیا اور حاکم مرافعہ کیا۔ نواب فردوس مکاں

آپ کے شاگرد تھے۔ انتقال تک اِسی عہدہ پر مامور رہے۔ حج و زیارت سے بھی شرف ہوے۔ شاگردوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ مولانا رحمت اللہ و با جرکہ۔ ملا نواب مہاجر۔ ملا محمد نجف ولایتی۔ مولوی حکیم عبدالکریم خاں رام پوری۔ مولوی حکیم علی حسین خاں لکھنوی۔ حکیم محمد ابراہیم لکھنوی۔ مولانا ہادی علی لکھنوی۔ مولانا انور علی لکھنوی۔ مولانا شاہ عبدالغفار کانپوری۔ مولانا شاہ عبدالحق کانپوری۔ حکیم فرزند علی شاہجہاں پوری۔ مولوی حکیم احمد سعید امروہوی۔ حکیم شبیر علی امروہوی۔ مولوی فرید الدین کاکوردی۔ مولوی عبدالملک رام پوری ثم الٹونکی۔ مولانا مفتی دوست محمد ولایتی مفتی ریاست ٹونک مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ فارسی و عربی علوم و فنون میں ایک بے مثل بزرگ تھے۔ کہتے ہیں اس جامعیت کا آدمی اس وقت تک اور کوئی نہیں ہوا۔ آپ کی نظم و نثر عربی و فارسی مشہور ہے۔ فارسی میں آشفتہ تخلص ہے۔ آپ کی تصانیف کثیر ہیں۔ مجھے جو نام معلوم ہوے وہ لکھتا ہوں۔ فتاولے سعدیہ۔ اُس کا ایک ٹکڑا چھپا ہے۔ قول المانوس فی صفات القاموس عربی مطبوع حاشیہ صدرا عربی غیر مطبوع۔ عروض با قافیہ عربی مطبوع۔ شرح عروض با قافیہ مطبوع۔ شرح فصول اکبری فارسی مطبوع۔ شرح سہ نثر ظہوری فارسی غیر مطبوع۔ رسالہ طہر متخلل مطبوع۔ حاشیہ لابدہ فارسی مطبوع۔ زاد السبیل الی دار الخلیل عقود الاجیاد۔ رسالہ منہ فی وجود الغنہ قرات فارسی مطبوع۔ رسالہ تجوید۔ پانچ ہزار تراکیب بسم اللہ فارسی مطبوع۔ درایۃ الاصول عربی مطبوع۔ شرح قاموس عربی مطبوع نور الصباح فی اغلاط الصراح۔ خلاصۃ النوا در تجوید۔ نوادر البیان فی علوم القرآن ہدایۃ النور فیما یتعلق بالاظفار والشعور۔ رسالہ قوس قزح۔ رسالہ نسبت سبع عرض شعیرہ مسمی بمفید البیصرہ۔ شرح ضابطہ تہذیب۔ رسالہ تناسخ۔ رسالہ المعمہ۔ میزان الافکار شرح معیار الاشعار۔ حاشیہ شرح سلم حمد اللہ۔ حاشیہ شرح چغمینی۔ غایۃ البیان فی تحقیق السبحان۔ القول الفصل فی ہمزۃ الوصل۔ رسالہ تحقیق علم واجب۔ مفید الطلاب

فی خاصیات الابواب۔ رسالہ لامیہ عربی وفارسی۔ نوادر الوصول فی شرح الفصول۔ شرح خطبہ قطبی۔ ترجمہ فقہ اکبر امام اعظم۔ وصیت نامہ۔ رسالہ در حالات امام اعظم۔ ترجمہ حقیقۃ الاسلام۔ خلاصۃ النوادر فارسی ۴۶ صفحہ کا مطبوع رسالہ ہی مطبع کا نام نہیں ہے۔ اشاعۃ الجمعہ بزبان فارسی۔ فتویٰ درباب وتو حد جمعہ مطبوع مطبع محمدی لکھنؤ ۱۲۶۰ھ۔ نور ایضاح فی اغلاط الصراح فارسی۔ خیر المسھل مسئلہ الطہر المتخلل عربی۔ رسالہ علم الواجب تعالیٰ عربی۔ التنویہ بالتشبیہ فارسی وجوہ تراکیب تسمیہ فارسی۔ یہ پانچوں رسائل مطبع علوی لکھنؤ میں یکجا طبع ہوے ہیں۔ نوادر الوصول فی شرح الوصول۔ فارسی۔ نوادر الوصول تاریخی نام ہی جسکے اعداد ۱۲۵۹ ہیں۔ یہ کتاب لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں تصنیف کی تھی۔ چند اجزا چھپے تھے۔ کہ سلطنت کا انقلاب ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۲۹۴ھ میں مطبع علوی لکھنؤ میں ۲۸۴ صفحہ پر چھپی ہی۔

زاد السبیل الی والخلیل اُردو۔ سفر حج میں ۱۲۸۰ھ میں تصنیف کی مناسک حج اور مقامات متبرکہ کا ذکر ہی مطبع مصطفائی لکھنؤ میں چھپی ہی۔ ترجمہ فقہ اکبر مع حاصل المتن اُردو ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوا ہے۔

مولانا کا کل کتب خانہ وقفی آپ کے پوتے مولوی فضل اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اور تحقیق معلوم ہے کہ کتابیں خراب ہورہی ہیں۔ اس کتب خانہ میں اس وقت بھی آٹھ سو کتابیں موجود ہیں۔ اخیر عمر میں رام پور کی ملازمت سے ترک تعلق کا ارادہ تھا۔ رئیسہ بھوپال نے عہدہ قضا کے واسطے طلب کیا تھا اسباب سفر کی درستی ہورہی تھی۔ رمضان کی چودھویں تاریخ بارہ سو چورانوے ہجری (۱۲۹۴ھ) کو رام پور میں انتقال کیا۔ اور شاہ بغدادی صاحب کے مزار میں دفن ہوے۔ مولوی لطف اللہ اور مولوی بشارت اللہ دو فرزند یادگار چھوڑے۔

مولوی سعید الدین محمد مجتبیٰ خاں

ابن مولوی عماد الدین خاں۔ فارسی کی کتابیں مولوی صدر الدین۔ مولوی محمد نواز دہلوی

در سید حسن علی شاگرد امام بخش صہبائی سے پڑھیں۔ منقول و معقول اپنے والد سید
حسن علی۔ مولوی تفضل حسین۔ مولوی عبدالحق جونپوری۔ اور مولوی عبد العزیز
عربی سے پڑھی۔ انجیری رڑکی کالج اور اندور اسکول میں سیکھی۔ زبان مرہٹی
اور انگریزی کی تکمیل اندور رزیڈنسی کے ہائے اسکول میں کی۔ علم طب اپنے والد اور
حکیم تفضل حسین و حکیم محمد اعظم خاں رام پوری سے حاصل کیا اور مطب بھی کیا۔
بعد تکمیل علوم اندور میں مناصب جلیلہ پر کام کیا۔ مصاحبت۔ سول انجیری۔ تحصیلداری پولٹکل
سفارت مجسٹریٹی۔ سول ججی۔ اکاؤنٹنٹ جنرلی صوبہ۔ اور جنرل ممبری کاونسل آف ایجنسی
کے مختلف عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ سات سو روپے تک تنخواہ پائی۔ اب ریاست اندور سے
پنشن پاتے ہیں۔ راقم الحروف کے تعلقات آپ سے موروثی ہیں۔ خود اس فقیر کو آپ کی
خدمت میں پینتیس سال سے نیاز حاصل ہے۔ اس وقت تک ایک ہی وضع سے دیکھا۔
آپ کی زبان سے کبھی کسی کی نسبت نالائم کلمہ نہیں سنا۔ اخلاق کی یہ حالت ہے کہ خردوں
سے بھی بزرگانہ برتاؤ ہے۔ باوجود ملازمت کی خدمات کے غربا اور دوستوں کے معالجہ میں
بھی مصروف رہتے ہیں۔ تشخیص بہت اچھی اور رائے نہایت صائب ہے۔ اپنے ہم وطنوں کی
اصلاح کا گویا۔ دل میں ہر وقت ورد ہے۔ تجارت کی طرف سے نہایت رغبت ہے جس طرح
اردو ہے اسی طرح فارسی عربی انگریزی اور مرہٹی ہے۔ نہایت منکسر المزاج اور جواد ہیں۔
آپ کی خدمتوں کا ریاست اندور نے نہایت خوبی سے اعتراف کیا۔ عموماً ہندو ریاستیں
ملازموں کے حق میں بہت مفید ہیں۔ مگر اندور نے سب سے زیادہ نمایش حاصل کی۔
آپ کو زیارت حرمین کا شوق ہوا تو ریاست اندور نے دو سال کی تنخواہ پیشگی دی اور اسکے
علاوہ مصارف راہ کے لئے ریاست نے ہزار روپے دئے۔ یکم جون ۱۹۱۲ء کو اس سفر کو
روانہ ہوئے۔ اور دسمبر ۱۹۱۲ء میں واپس آئے۔ اس سفر میں مصر۔ شام۔ ایشیائے
کوچک قسطنطنیہ۔ بلغاریہ۔ سرویہ۔ سٹریا۔ جرمنی۔ ہالینڈ۔ بلجم۔ انگلینڈ۔ فرانس۔

سوئٹزر- رلینڈ- اٹلی- مدینۂ طیبہ- مکۂ مکرمہ کی سیر کی- اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے
یہ سفرنامہ مطبع دبدبۂ سکندری ریاست رام پور میں طبع ہو گیا ہے- سفرنامہ میں جو باتیں ممالک
اسلامیہ کے نظم و نسق کی بابت لکھی ہیں وہ نہایت ضروری اور لابدی ہیں- اور اصلاح
حال کے واسطے علاج شافی بتایا- اور رائے صائب دی ہے- سلمہ اللہ تعالی- ایک کتاب
آپ کی الانسان قلمی ہے- ایک کتاب انگریزی میں اکونٹ کوڈ قواعد جانچ حساب کے
متعلق لکھی ہے- وہ بھی طبع نہیں ہوئی ہے- جلال الدین محمد مصطفیٰ عرف محمد ضیا آپ کے
فرزند رشید اندور میں ملازم ہیں-

حکیم سعید الرحمن خاں

ولد حبیب الرحمن خاں قوم پٹھان فتح خاں کے گھیر میں سکان ہے- تقریباً ۱۲۹۷ھ میں
پیدا ہوئے- آپ کے جدامجد حکیم عبدالرحمن خاں ولد حکیم شاہ نواز خاں ساکن محلہ لال
مشہور اطبا سے تھے- آپ کی پرورش آپ کے ماموں مولوی حکیم عبدالرشید خاں
طبیب خاص نواب صاحب بہادر رام پور نے کی- انھیں سے ابتدائے درس کی فارسی
و عربی کتابیں پڑھیں- پھر آپ کے ماموں نے دہلی میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں
مرحوم- حکیم واصل خاں مرحوم اور حکیم حاذق الملک محمد اجمل خاں کے شاگردوں میں
داخل کیا- مدرسۂ طبیہ دہلی میں تعلیم کی تکمیل اور دہلی کے مسلم الثبوت حکما مذکور
کے مطب میں بیٹھے ۱۳۱۳ھ میں مدرسۂ طبیہ دہلی سے سند طبابت حاصل کی- اور
بھی وہیں مطب میں حاضر رہے- کچھ دنوں ریاست رام پور کے یونانی شفاخانہ میں
طبیب رہے- چند سال ریاست کے کتب خانہ میں ملازم رہے اور اپنا مستقل مطب
جاری رکھا- اگست ۱۹۰۹ء سے دادوں ضلع علی گڈھ کے جاگیردار کے ہاں ملازم
ہیں- ابتدائے عمر سے زہد اور تقوی ہے- مزاج میں نہایت نرمی ہے- معالجہ خاص آپ
سے کرتے ہیں- یہ سب فیضان کے ماموں کی فیض صحبت کا ہے-

ملا سعید خاں

جناب نواب سید فیض اللہ خاں بہادر مرحوم کے عہد میں بخشی فوج تھے۔ اب جدید گنج کی پشت پر جو مسجد مفتی بشیر الدین صاحب والی مشہور ہے یہ ان کی بنائی ہوئی ہے ایک مسجد بزریا ملا ظریف میں بنائی اور ایک مسجد محلہ مدرسہ میں لب راہ بنائی جہاں ملا بہار الدین مدفون ہیں۔ بڑے متقی اور عابد تھے ان کے بیٹے کی نسبت کسی نے شراب خواری کی اطلاع کی۔ بندوق بھر کے گھر میں رکھدی اور کہدیا کہ اب اگر گھر میں قدم رکھا تو گولی ماردوں گا۔ سال انتقال تحقیق نہیں ہوا۔

مولوی سعید احمد خاں

ولد عزیز احمد خاں قوم پٹھان رام پور میں نجو خاں کے گھیر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائ اردو مڈل اسکول رام پور میں تعلیم پائی۔ پھر کتب فارسی و عربی درس نظامیہ کی مولوی عطاء اللہ خاں۔ مولوی عبد الرزاق خاں۔ اور مولوی عبد الغفار خاں۔ اور دیگر علمائے رام پور سے پڑھیں۔ باپ غریب آدمی اور ناخواندہ تھے اپنے شوق سے علوم عربیہ کی تکمیل کی۔ نہایت حلیم الطبع بُردبار۔ اور فہمیدہ تھے ۱۹۰۳ء میں ریاست کے مڈل اسکول اُردو میں مدرس سوئم تھے۔ جوہر قابل تھے۔ وہاں سے جنوری ۱۹۱۰ء میں محرری توشہ خانہ پر تبادلہ ہوا۔ محرری کے کام کے سوا پیش کاری اجلاس پرائیوٹ سکرٹری کا بھی کام اچھی طرح انجام دیتے تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ افسوس ۱۸۔ جنوری ۱۹۱۵ء کو وقت شام بعارضۂ طاعون نوجوانی میں انتقال فرمایا۔ اور ۱۹۔ جنوری کو موٹے کلن کے تکیہ میں دفن ہوئے۔ اولاد کوئی نہیں ہے ضعیف باپ موجود ہیں۔ مگر ان کے گھر میں شرع کی پابندی کا یہ لحاظ ہے۔ کہ مرد و عورت کسی نے منہ سے آواز نہ نکالی ضعیف باپ کو لوگ ہاتھوں پر اُٹھائے ہوئے تھے۔ آنسو جاری تھے۔ مگر زبان سے اُف نہیں کی۔

منتل ارتھمیٹک اُردو کے دو حصّے اور صحت الدواب دو مختصر رسالے تصنیف کئے۔
جو رام پور کے سشتہ تعلیم کے کورس میں داخل ہیں۔

مولانا حافظ سلامت اللہ

مولانا ارشاد حسین مرحوم کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ اصلی وطن ضلع اعظم گڈھ ہے۔ رام پور میں آکر مولانا موصوف کے حلقۂ درس میں داخل ہوے۔ اور مرید بھی ہوگئے۔ تمام علوم وفنون میں کامل تھے۔ اور اپنے مرشد سے خلافت بھی پائی۔ ہر ہفتہ وعظ کہتے تھے۔ نہایت برگزیدہ۔ متورع اور پابند اوقات تھے۔ امرا سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ نہ کبھی سے ملے۔ غربا پر بیحد شفقت تھی۔ داڑھی منڈوں سے مصافحہ اور سلام علیک نہیں کرتے تھے۔ منھ پھیر کر نکل جاتے تھے۔ مولانا خواجہ احمد کے مدرسہ میں تعلق تھا۔ مکان پر بھی مستعد اور پابند شرع طلبا کو پڑھاتے تھے۔ آمدنی بہت قلیل۔ اکثر جو کی روٹی پر گزران تھی۔ اور اور اہل محلہ کی عسرت میں دستگیری کرتے تھے۔ بہت کم سخن اور متین بزرگ تھے۔ مولوی عبدالغفور مدارالمہام ریاست نے سات آٹھ سو روپے بھیجے کہ مستحقین کو تقسیم کردیں۔ روپیہ واپس کر دیا اور کہلا بھیجا مجھ سے یہ خدمت نہیں ادا ہوسکتی۔

۸۔ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ کو جمعہ کے دن انتقال ہوا۔ مولانا ارشاد حسین مرحوم کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ یہ کتابیں اِن کی تصنیف سے ہیں۔

بلاغ المرام اُردو۔ رد غیر مقلدین میں ۱۲۹۲ھ میں مراد آباد میں چھپی ہے۔ احکام الملۃ الحقہ فی تفسیق قاطع اللحیۃ اُردو ۱۲۹۴ھ میں تصنیف کی ۲۴ صفحہ پر پٹنہ میں چھپی ہے۔
التحفیہ المنصفیہ والھدیۃ الاحمدیہ فی اولۃ سماع الموتی وحیاتہم السرمدیہ اُردو مطبوعہ ہے۔

مولوی سلام اللہ

مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں۔ کہ شیخ عبدالحق دہلوی جہانگیری کی اولاد سے تھے۔ جملہ علوم سے مناسبت تام تھی۔ اور تمام کتب غیر درسیہ پر مثل کتب

درسیہ کے قادر تھے۔ علوم منقول۔ حدیث۔ رجال۔ تاریخ۔ لغت۔ ادب سب میں
کامل تھے۔ اور عربی زبان میں مطالب علمیہ کو لکھنے میں یدطولی تھا۔ فی الحال (۱۳۱۲ھ)
مولوی نورالاسلام ان کے جانشین۔ سلامت طبع۔ رسائے فکر اور اصابت رائے میں
مغتنمات روزگار ہیں۔ مولوی سلام اللہ مرحوم نے محلی شرح موطا عربی میں
تصنیف کی اور کتابخانہ رام پور میں موجود ہے۔ ان کا مزار بغدادی صاحب کے مزار کے
احاطہ میں مسجد کے قریب جانب جنوب واقع ہے۔

ملا سلطان اخوند

قوم کے میمند کابل سے فقہ و حدیث پڑھکر رام پور آئے۔ مولوی حسن صاحب لکھنوی
سے کتب معقول پڑھیں۔ رام پور میں سرکاری مدرسہ میں ملازم ہو گئے۔ انکی شادی
مقام شیرگڈھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی میں ہوئی ان کے بیٹے طرۃ باز خاں اور
جرہ باز خاں وغیرہ ہوے۔ طرہ باز خاں عالم ہوے۔ ضلع کابر میں انکو سرکار نواب
سید فیض اللہ خاں بہادر سے آراضی ملی تھی۔ قیام رام پور میں تھا۔ یہیں انتقال ہوا۔
ان کی اولاد شیرگڈھ میں اب بھی موجود ہے۔

ملا سیف الدین خاں تخلص بلخی

ابن سعد احمد خاں وطن بلخ ہے۔ بارہ سو اڑسٹھ ہجری میں وطن سے نکلے
مدت تک پشاور میں اکتساب علوم کرتے رہے۔ بارہ سو اسی ہجری (۱۲۸۰ھ)
میں رام پور آئے۔ اور مدرسۂ عالیہ میں عربی کے مدرس ہو گئے۔ علم خوب تھا۔ عربی
نظم بھی لکھتے تھے۔ مدرسہ سے خارج اوقات میں حسبۃً للہ طلبا کو بہت محنت سے
پڑھاتے تھے۔ شاعری میں مولوی اسمٰعیل سمرقندی سے تلمذ تھا۔ محلہ کٹ کنیا میں
رام پور میں الیاس خاں کے مکان پر رہتے تھے بیمار ہو کر غالبًا تیرہ سو پانچ ہجری
(۱۳۰۵ھ) میں۔ رام پور میں انتقال ہوا۔

ملا سیف الدین اخوند

قوم کے باجوڑی پٹھان قصبۂ شی علاقۂ باجوڑ ملک افغانستان میں ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔
ابتدائے کتب عربیہ وطن میں پڑھیں ۱۱۸۰ھ میں دہلی تشریف لائے۔ کتب درسیہ
قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور مولانا فخرالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھیں۔ اور مولانا
فخرالدین سے بیعت بھی کی۔ بارہ سو ہجری (۱۲۰۰ھ) میں مولانا فخرالدین کا انتقال ہوا،
تو یہ بہت گھبرائے اور بارہ سو ایک ہجری (۱۲۰۱ھ) میں رام پور تشریف لائے۔
جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر طاب ثراہ نے قدردانی فرماکر جمعداری کا عہدہ
عطا کیا اور نواب سید محمد علی خاں بہادر ولیعہد کی خدمت میں متعین کیا۔ ولیعہد بہادر نے
ان کی دیانت اور تقوے کو دیکھکر اپنی جاگیر کی تحصیل وصول پر ان کو مقرر کر دیا آپ
اکثر علاقہ میں رہتے تھے۔ بارہ سو تین ہجری میں رام پور میں اپنی قوم کی عورت سے
نکاح کیا۔ علوم ظاہری کی طرف توجہ کم تھی۔ اپنے پیر کے عاشق تھے۔ اور خلیفہ بھی تھے۔
نواب سید محمد علی خاں بہادر کے انتقال کے بعد نوکری ترک کرکے لباس درویشی اختیار
کیا۔ چھ برس تک اجمیر میں چلہ کشی کی۔ نواب نصر اللہ خاں بہادر کی نیابت کے زمانہ
میں اخون صاحب کے بڑے بیٹے محمد شاہ خاں اجمیر سے لے آئے۔ نواب صاحب موصوف
خوب واقف تھے۔ انھوں نے بلا خدمت دس روپے ماہانہ مقرر کر دیا۔ نواب سید احمد علی
خان بہادر نے بااختیار ہوکر موروثی خدمتی ہونے کی وجہ سے خدمت دینی چاہی۔
مگر آپ نے منظور نہیں کی۔ اخون صاحب اپنے خاندان میں سیف زبان اور
مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ باوجود خلافت کے مرید بہت کم کرتے تھے۔ مولانا
جمال الدین پیر بھائی تھے۔ ان سے بہت اتحاد تھا۔ مولوی محمد منیب خاں خدمت میں
بہت رہتے تھے اور قرآن شریف انھیں سے پڑھا تھا۔ بارہ سو پینسٹھ ہجری (۱۲۶۵ھ)
میں انتقال فرمایا۔ اور حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔

ملا سید ولی اخوند زادہ

ولایت سے رام پور میں آکر احمد شاہ خاں خٹک کی مسجد میں جو باب احاطہ صدر عالیہ کے صحن میں ہے مقیم ہوئے۔ مولانا محمود عالم سے کتب درسیہ بالاستیعاب ختم کیں۔ اسکے بعد مولوی عبدالعلی خان سے ریاضی پڑھی۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدتوں تدریس کی۔ اس کے بعد آغا مجو لکھنوی کے پاس اُن کے پڑھانے پر ملازم رہے۔ پھر نواب خلد آشیاں نے نواب علاء الدین خاں والی لوہارو کی خدمت میں بھیجدیا وہاں اُنھوں نے تیس روپے ماہانہ پر اپنے لڑکوں کی تعلیم پر رکھا۔ رام پور میں ہی عقد کیا صاحب اولاد ہیں۔ اور زندہ ہیں۔

اخوند سید احمد

قصبۂ نگراہار علاقہ جلال آباد ملک کابل کے رہنے والے تھے۔ قوم کے پٹھان خوگیانی طائفہ سے تھے۔ سن ۱۲۱۲ھ میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے۔ اور وطن میں صرف و نحو اور فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد حسن عرف حافظ دراز صاحب پشاوری کے تبحر کا شہرہ سنا تو شوق تحصیل علم میں عزیزوں سے چھپکر پشاور آئے۔ اور مولانا حافظ دراز صاحب موصوف سے سبق شروع کر دیا۔ اسی زمانہ میں ایک بزرگ شیخ عبدالمجید سیالکوٹ کے رہنے والے پشاور میں آئے۔ لوگ ان سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ اخوند صاحب بھی اُن سے قادری طریقہ میں بیعت ہو گئے۔ اور ذکر و اشغال شروع کیے۔ اس واقعہ سے دو سال کے بعد شیخ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ادھر حافظ دراز صاحب علیل ہو کر اپنے وطن ہشت نگر کو جس کو افغان شش نغر کہتے ہیں۔ چلے گئے۔ اخوند صاحب کی طبیعت وہاں گھبرائی۔ اور دہلی چلے آئے۔ دہلی میں شاہ عبدالقادر صاحب سے حدیث اور اخوند شیر محمد اور مولوی محمد حیات دہلوی سے اور کتب درسیہ پڑھیں حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ سے نقشبندیہ طریقہ میں بیعت ہوئے۔ دہلی میں تقریبًا پانچ برس

قیام کیا۔ وہاں سے رام پور تشریف لائے۔ آپ کے آنے سے چار مہینے بعد ۱۲۵۹ھ میں نواب نصر اللہ خاں بہادر نائب ریاست کا انتقال ہوا۔ جو کتابیں باقی رہی تھیں وہ رام پور میں مفتی شرف الدین مرحوم اور مولوی نور الاسلام مرحوم سے تمام کیں۔
محلہ نالہ پار میں ایک مکان میں رہتے تھے معقولات اور ریاضیات کے سوا علوم منقولی خصوصاً فقہ اور اصول حسبۃً للہ پڑھاتے تھے۔ تدریس ظاہری کی نسبت تصفیہ باطنی میں مصروفیت زیادہ تھی۔ ان کے حالات اور واردات کی بنا پر اگر قطب وقت کہیں تو بجا ہے۔ علوم عربی کی تکمیل کے بعد تصوف کی کتب کی طرف توجہ ہوئی تو مثنوی مولانا روم کو میاں رفیع الدرجات علیہ الرحمہ سے پڑھا۔ نہایت عسرت سے توکل پر بسر تھی۔ کبھی کسی سے حاجت بیان نہیں کی۔ جو کسی نے نذر کیا۔ اُس کے لینے میں عذر نہیں کیا۔ میر مجاور علی خدمتی خاص حضرت نواب خلد آشیاں کو درد سر ہوا۔ مرض کو طول ہوا۔ میر مجاور علی نے اخوند صاحب کا ذکر حضور میں کیا۔ نواب صاحب نے اُن کو بُلایا۔ اخوند صاحب کے دم ڈالنے سے درد سر جاتا رہا۔ اُس روز سے ریاست سے دس روپے ماہانہ مقرر ہو گئے۔ سال میں تین دعوتیں اپنے ملنے والوں کی کرتے تھے۔ اور ڈیڑھ سو دو سو آدمیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ مولوی منیب خاں جن کے ذریعہ سے یہ حالات لکھے گئے ہیں اخوند صاحب کے شاگرد ہیں اور فرماتے ہیں کہ اپنی کتابوں کی بابت مجھے وصیت کی تھی۔ کہ بعد انتقال تم لے لینا۔ مگر اتفاق کی بات کہ ان کے انتقال کے وقت مولوی منیب خاں لکھنؤ میں تھے بعد انتقال سب کتابیں مال لاوارث کی حیثیت سے سرکار میں داخل ہو گئیں۔
اخوند صاحب نے شادی نہیں کی۔ شاگرد بہت تھے۔ منجملہ اُنکے مولوی محمد حسن مولوی کمال۔ مولوی لطف علی شاہ ساکنان بہار۔ مولوی ظہور الحق رام پوری۔ مولوی محمد منیب خاں رام پوری۔ مولوی جمال شاہ خاں رام پوری۔ مولوی مفتی لطف اللہ رام پوری۔ مولوی ہدایت اللہ خاں رام پوری۔ اور اخوند زادہ عبد العزیز خاں رام پوری

مشہور ہیں۔ بارہ سو پچاسی ہجری (۱۲۸۵ھ) میں انتقال فرمایا۔ محلہ نالہ پار کی اُس مسجد
کے حجرہ میں جہاں نماز پڑھا کرتے تھے دفن ہوئے۔

حاجی سید سعادت علی

نوگانوں[1] ضلع مراد آباد کے سادات میں سے تھے۔ بچپن میں ان کے والدین حج کو ساتھ
لیکر گئے۔ راہ میں ماں کا انتقال ہوگیا۔ واپسی میں باپ کا بھی انتقال ہوگیا۔ حجاج
ہمسفر کے ساتھ اپنے گانوں میں آئے۔ تمام خاندان شیعہ تھا۔ وطن چھوڑ کر مراد آباد آئے۔
اور سید خاں کی مسجد میں قیام کیا۔ قدرے صرف و نحو پڑھکر رام پور میں آئے۔ اور علوم
ظاہری بقدر ضرورت پڑھے۔ اور اُسی زمانۂ طالب علمی میں میاں نعیم شاہ کے مرید ہوئے۔
اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے سخت سخت محنتیں اُٹھائیں۔ مگر شیخ کے دامن
کو نچھوڑا۔ اخیر میں خلافت مل گئی۔ پیر و مرشد کے انتقال کے بعد کئی آدمیوں کو مرید کیا۔
اور بعض کو اجازت بھی دی۔ نہایت استقامت سے اپنے شیخ کی مسجد میں رہتے تھے
اور اہل دنیا سے غرض نہ تھی عقد بھی کرلیا تھا۔ ان کے تقدس اور برکات کی بہت شہرت تھی۔
رمضان کی ستائیسویں تاریخ بارہ سو اٹھتر ہجری (۱۲۷۸ھ) میں انتقال کیا اور اپنے
شیخ کی قبر کے پائین دفن ہوئے۔ ایک لڑکا چھوڑا تھا۔ منا میاں وہ سلامت ہیں اور
علاقہ کی ملازمت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

حافظ سید سلیمان

یہ بزرگ حافظ سید ایوب کے چھوٹے بھائی تھے۔ رام پور ہی میں پیدا ہوئے۔ اپنے
بھائی سے بہت چھوٹے تھے۔ بھائی کے انتقال کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ ایک عرصہ تک
لکھنؤ میں رہے۔ پھر محلہ دوگانواں میں بیٹھ رہے۔ سوائے نماز جمعہ اور جنازہ کے باہر
نہیں نکلتے تھے حکیم یعقوب صاحب لکھنوی جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے اور معززین نہایت

---

[1] انوار العارفین۔

معتقد تھے۔ حکیم علی حسین خاں لکھنوی اور حکیم محمد حسن خاں لکھنوی بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک بار قدسیہ محل سے بادشاہ لکھنؤ ناراض ہو گئے۔ حافظ صاحب سے تعویذ منگایا اللہ تعالیٰ نے صفائی کرادی۔ اُس روز سے وہ بہت خدمت کرتی تھیں مشہور ہے کہ حکیم یعقوب لکھنوی کا تقرب قدسیہ محل کی سرکار رہیں آپ ہی کی توجہ سے ہوا لکھنؤ ہی میں انتقال کیا۔ اور محلہ دوگانواں میں پختہ مزار ہے

سید شاہ صاحب

ولد شاہ محمد صاحب احفاد سید جلال بخاری سے تھے۔ جنگ دوجوڑہ میں (سنہ ۱۲۰۸ھ) ان کے دو بھائی اور والد شہید ہوئے۔ اس وقت اُن کی عمر بارہ سال کی تھی۔ نواب سید قاسم علی خاں بہادر خلف نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر نے ان کی کفالت فرمائی۔ میاں قطب شاہ والد ماجد میاں سید جمال سے ہدایہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اپنے محلہ کی مسجد دینہ عنایت خاں میں درس دیا کرتے تھے۔ ریاست رام پور نے عہدۂ جمعداری عطا کیا۔ گھوڑوں کی تجارت بھی کرتے تھے۔ آپ کا مزار ملا باقر کے تکیہ میں عبداللہ خاں مرحوم کے باغیچہ کی دیوار کے نیچے ہے۔ دو بیٹے یادگار چھوڑے ایک میاں حیدر شاہ دوم میاں حسن شاہ محدث۔

حکیم شاہ اعظم خان

ولد رحمی خاں عرف روزی خاں ولد اسمٰعیل خاں اکوزی۔ اِنکی پیدائش ریاست رام پور کی ہے جس طرح کہ بیٹل سپاہی تھے۔ اسی طرح حکیم حاذق تھے۔ فن طب حکیم سعدالدین خان عرف شعورا خوند زادے۔ شاگرد حکیم باز خاں تلمیذ حکیم ثنا اللہ خاں بریلوی سے حاصل کیا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد جمعداری کا عہدہ بھی ملا۔ اخیر میں بوجہ علالت یہ عہدہ اپنے بھائی محمد نور خاں کو دلا دیا۔ اور خود کام چھوڑ دیا۔ تقریباً بارہ سو بینتالیس ہجری (سنہ ۱۲۴۵ھ) میں انتقال ہوا۔ حکیم محمد اعظم خاں

مشہور و معروف طبیب ایک فرزند یادگار چھوڑا۔

مولوی سید شہاب الدین

ابن مولوی سید علیم الدین۔ ابن مولوی سید بہاؤ الدین۔ والد کی طرف سے نسب بخاری اور ماں کی طرف سے قادری ہو۔ بزرگوں کا قدیمی وطن شاہجہاں پور رہا۔ بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن اور کتب نحو سے فارغ ہوئے۔ اپنے والد سے منطق اور فقہ پڑھکر خیر آباد میں شمس العلما مولانا عبد الحق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قطبی شرح شمسیہ اور شرح عقائد نسفی قراءۃ و سماعۃ پڑھیں۔ شمس العلما کی علالت کی وجہ سے سبق موقوف ہوئے تو بھوپال جاکر مولوی عبد الحق کابلی قاضی ریاست سے کتابیں پڑھیں۔ سید شیخ حسین عرب محدث سے کتب حدیث حاصل کیں۔ کئی سال تک بھوپال میں قیام رہا۔ رام پور واپس آکر عقد نکاح کیا اور اجمیر کے مدرسہ چشتیہ میں مدرسی پر ملازم ہوگئے۔ ملازمت کے زمانہ میں حصول فن طب کا شوق ہوا۔ رام پور میں جناب حکیم محمد اجمل خاں صاحب حاذق الملک سے طب شروع کی۔ اور مطب کیا۔ اجمیر کی ملازمت ترک کردی۔ اب پندرہ سولہ سال سے ریاست رام پور کے دفتر نکاح خانی کے نگراں اور قاضی شہر و علاقہ ہیں۔ حسن صورت اور سیرت دونوں جمع ہیں۔ نہایت پرہیزگار اور کم سخن ہیں۔

حکیم شاہ باز خان

رام پور کے رہنے والے تھے۔ حکیم شنبار اللہ بریلوی کے شاگرد تھے۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے اطبا میں سے تھے[1]

سید شاہ سرفراز عرف حقیقت اللہ و بھورے میاں

ولد میر سید شاہ نیاز۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

---

[1] فصول فیض اللہ خانی ورق ۱۷۔

دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے مرشد شاہ عبدالواحد کے ساتھ بریلی میں آئے اور وہاں سے بلاسپور میں آکر قیام کیا۔ علم ظاہری اور باطنی میں اپنے مرشد سے فیض پایا۔ اور خلیفہ ہوئے۔ جب تک مرشد زندہ تھے۔ وہی کفیل تھے۔ مرشد کے انتقال کے بعد اکثر امرا اور والیان ریاست رام پور نے ملکیں اور زمینیں دیں۔ مخلوق کی رجوع بہت تھی۔ اتقا اور پرہیزگاری میں مشہور تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے اس وقت رسالہ نور الانوار اور رسالہ اسرار قادریہ فارسی میں آپ کے خاندان میں قلمی موجود ہیں۔ اور بھی رسائل تھے۔ مگر اب انکا پتا نہیں ہے۔ بارہ سو ستائیس ہجری (۱۲۲۷ھ) میں وفات پائی اور اپنے مرشد کے مزار میں دفن ہوئے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ ایک مولانا سید غلام جیلانی۔ دوسرے سید غلام محی الدین تیسرے سید ابوالحسن۔ چوتھے صاحبزادے نوعمر لاولد مر گئے۔ اول الذکر صاحبزادوں کی اولاد موضع لکھونڈلپور کے کھیڑہ پر جو قصبہ بلاسپور کے پاس ہی موجود ہے۔

شاہ عبدالواحد

قوم کے پٹھان تھے۔ والد کا نام معلوم نہیں۔ آپ دہلی سے آکر بریلی میں مقیم ہوئے پھر قصبہ بلاسپور تحصیل ریاست رام پور میں آبادی سے ملحق جانب شمال بھکرہ ندی کے کنارے قیام فرمایا۔ آپ عالم بھی تھے۔ اور درویش بھی تھے۔ جلال اس قدر تھا کہ لوگونکو قریب جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سید ابوالحسن سدا بہار کے خلیفہ تھے۔ بلاسپور میں سید میر شاہ سرفراز عرف سید حقیقت اللہ و بھورے میاں آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔
اور آپ کے خلیفہ اور سجادہ نشین ہوئے۔ جب بلاسپور میں آئے تو اپنے ساتھ اناج کا تخم بھی لائے تھے۔ اپنے ہاتھ سے جوت کھود کر کے قوت لایموت پیدا کرتے تھے۔ اور وہی غذا تھی۔ جو لوگ نذر پیش کرتے وہ دوسروں کو دیدیتے تھے۔ نکاح نہیں کیا۔ بارہ سو چھ ہجری (۱۲۰۶ھ) میں انتقال ہوا اپنے جائے قیام میں دفن ہوئے۔ مزار کے گرد پختہ چار دیواری موجود ہے۔

شاہ محمد پیر مجذوب

بن حضرت شاہ محمد مرشد مجددی۔ آپ کی ولادت سرہند میں غالباً ۱۱۸۱ھ میں ہوئی۔ اپنے والد کے ساتھ رام پور آئے۔ اکثر آپ حالت جذب میں رہتے تھے۔ بارہ سو بیس اور تیس ہجری (۱۲۲۰ھ و ۱۲۳۰ھ) کے درمیان میں وفات ہوئی۔ اپنے والد کے پہلو میں دفن ہیں۔

سید شاہ محمد

سید جلال الدین بخاری کی اولاد سے تھے۔ جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں فوج میں ملازم تھے۔ مرد مقدس اور پابند وضع تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے ایک پایندہ شاہ۔ دوم اکبر شاہ۔ سوم سید شاہ۔ اول الذکر دونوں صاحبزادوں میں سے ایک صاحب عالم تھے۔ زینہ عنایت خاں کے محلہ میں رہتے تھے۔ اور جو مسجد زینہ عنایت خاں کی لب راہ بلندی پر ہے۔ اس میں درس دیا کرتے تھے۔ دوجوڑہ کی جنگ (۱۲۰۸ھ) میں شاہ صاحب تینوں بیٹوں کو لیکر روانہ ہوے۔ بڑے بیٹے نے کہا کہ گھر پر بھی کسی کو رہنا چاہیے۔ فرمایا ہندوستان کی ولادت نے تمھاری ہمت میں کمزوری کر دی ہے۔ گھر کا خدا حافظ چنانچہ تین بیٹوں کے ساتھ شریک جنگ ہوے اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہر ایک شخص اپنی کمر میں دو دو اشرفیاں باندھ لے بیٹوں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ اگر مارے گئے تو جو کوئی آکر کمر ٹٹولے محروم نہ رہے۔ اور اگر زخمی ہو کر بچے تو علاج کے کام آئیں گی۔ دوجوڑہ کی جنگ میں جب فوج چلی تو سید صاحب مغموم تھے۔ پٹھانوں نے کہا کہ آپ تو رنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہمیں تو خوشی ہے۔ فرمایا لڑائی تو خوشی کا مقام نہیں سکتا مجھے اس کا غم ہے فتح ہوئی تو خیر ورنہ تم سب بھاگو گے۔ اور ہم نہیں بھاگیں گے۔ جس وقت دوجوڑہ کی لڑائی بگڑی شاہ صاحب مع پایندہ شاہ اور اکبر شاہ اپنے بیٹوں کے شہید ہوے۔ سید شاہ صاحب کا سن اُس وقت بارہ سال کا تھا۔

وہ خیمہ پہدہ گئے تھے۔ اہل محلہ نے کہا کہ اب گھر چلو کہنے لگے والد آئیں گے تو چلیں گے۔ مگر لوگوں نے سمجھا کر وہاں سے ساتھ لیا۔ اور دولت نامی غلام کے ساتھ شہر میں واپس آئے۔ نواب قاسم علی خاں بہادر ولد نواب سید فیض اللہ خاں بہادر ان کے کفیل ہو گئے۔

مولوی شاہ نواز خاں

ولد غلام حسین خاں۔ قوم پٹھان۔ محلہ گھیر میاں خاں متصل خسرو باغ مکان تھا۔ اساتذہ رام پور سے کتب درسیہ پڑھیں۔ فارسی میں بہت اچھی استعداد تھی۔ معلم گری کرتے تھے بہت طلبا کو پڑھایا۔ تیرہ سو اکیس ہجری (۱۳۲۱ھ) کے قریب انتقال ہوا عیدگاہ دروازہ قدیم کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مولوی محمد شفیع خاں آپ کے فرزند کو بھی فارسی میں دستگاہ ہے اور حیات ہیں۔ نواب فردوس مکاں کو آپکی طرف بہت التفات تھا۔ پانچ بیگہ زمین بطور مدد معاش عطا کی جسکا پروانہ ذیل میں درج ہے:۔

"متصدیان حال و استقبال بلدہ رام پور پرگنہ شاہ آباد لکھنؤ سرکار مضاف صوبہ دارالخلافتہ شاہ جہاں آباد بدانند۔ موازی پنج بیگہ خام اراضی واقع دروازہ عیدگاہ در وجہ مدد معاش شاہ نواز خاں ولد غلام حسین خاں نسلاً بعد نسلاً بطناً بعد بطناً معاف و مرفوع القلم نمودہ شد باید کہ از فاصل آں نوع مزاحمت نسازند و مشار الیہ و من یقوم پر و انصرف فردیات خود نمودہ بدعائے دولت مشغول و ملعن باشند۔ محررہ بتاریخ پنجم مارچ ۱۸۵۷ء"

حکیم شاہ نواز خاں

فرزند ملا محمد نظام الدین خاں ولایتی افغان یوسف زئیوں میں سے سالارزئی متوطن ملک باجوڑ قصبہ کنٹر رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیات رام پور میں حاصل کیے اپنی والدہ کی علالت میں طب حاصل کرنے پر توجہ کی ابتدا میں حکیم محمد شعور اخوندزادہ سے استفادہ فن طب میں کیا۔ پھر اس کی تکمیل اور مطب حکیم مولوی حیدر علی اور حکیم ہادی کی

خدمت میں کی۔ ذریعہ معاش تجارت تھی۔ پھر ملا محمد الیاس خاں صاحب نواب سید احمد علی خاں بہادر کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ تو سرکار سے پندرہ روپے وظیفہ مقرر ہوگیا۔ اور دس بسوہ زمینداری موضع ملو پورہ ضلع مراد آباد میں بھی تھی۔ انھتر سال کی عمر میں تپ محرقہ صفراوی لاحق ہوئی۔ حکیم محمد علی حسین خاں لکھنوی سے اتحاد بہت تھا۔ وہی معالج تھے اسی مرض میں آٹھویں روز انتقال کیا۔ متصل دیوار شمالی احاطہ مزار ملا سبحان شاہ اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حکیم محمد عبدالرحمن خان مرحوم۔ واحد نور خاں۔ اور حکیم عبدالرحیم خاں تین فرزند یادگار چھوڑے۔

ملا نظام الدین خاں نے حکیم شاہ نواز خاں کو وصیت کی تھی۔ کہ ہم نے طب اس لئے نہیں پڑھائی ہے کہ اس سے دنیوی فائدہ حاصل کیا جائے۔ معاش کا فی ہو۔ کبھی اس کا خیال نہ کرنا۔ مخلوق خدا کی خدمت کرنا۔ اگر اتفاق زمانہ سے دنیوی مصیبتیں آجائیں تو ہر وقت اسکا خیال رکھنا کہ علما اور سادات اور اہلِ خدمت مثل دھوبی حجام وغیرہ سے کبھی علاج میں کوئی رقم نہ قبول کرنا۔ چنانچہ مرتے وقت تک یہی طریقہ اُنکا تھا۔

مولوی شاہ ولی خاں

ہیلی بھیت کے رہنے والے۔ عالم باعمل۔ محدث اور فقیہ تھے۔ رام پور میں شاہ غلام رسول خاں کی دختر سے عقد ہوا۔ اور رام پور ہی میں رہنے لگے جس قدر کام تھے سب موافق شرع شریف کے تھے۔ مقدس صورت کرتہ پہنے ہوئے۔ پاؤں میں گھیتلا پیزار جوتا ہوتا تھا۔ اپنے خسر سے سماع اور قوالی پر ہمیشہ جھگڑا کرتے تھے۔ شاہ صاحب قوالی سنتے تھے۔ یہ اُنکو حرام جانتے تھے۔ رام پور ہی میں انتقال ہوا۔ عبداللطیف خاں وکیل اور عبدالعزیز خاں اور ایک اور لڑکا تھا۔ سب مر گئے۔ کوئی صاحب علم نہوا۔ عبدالعزیز خاں کا ایک لڑکا تحصیل عربی میں مصروف ہے اور ہونہار ہے۔

مفتی شرف الدین

قوم سید علوی۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ رام پور میں آکر علم و فضل میں وہ شہرت حاصل کی کہ علماء رام پور کا سلسلہ علم آپ تک منتہی ہوتا ہے۔ نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر (۱۲۰۸ھ تا ۱۲۵۶ھ) نہایت عزت کرتے تھے۔ عہدہ قضا آپ کے سپرد تھا۔ موضع بگھڑیکا اور پائندہ نگر واقع حضور تحصیل بطور معافی دیئے تھے جو اب تک ان کے خاندان کے قبضہ میں ہیں۔ ملا احمد ولایتی کے ہاں شادی کی۔ نواب سید احمد علی خان بہادر ایکبار دیوانے بن گئے۔ کچھا کے باغ میں قیام تھا۔ نواب صاحب کے متعلق جو انتظام اہلکاروں نے تجویز کیا اس میں مفتی صاحب بھی شریک تھے سب کے خیالات سنکر نواب صاحب نے اصلی حالت اختیار کرلی۔ مفتی صاحب بھی مثل دیگر اہلکاراں گرفتار ہوئے۔ مگر آپ کے ولایتی شاگرد قید سے نکال کرلے گئے۔ رام پور سے لکھنؤ اور کلکتہ کا سفر کیا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد رام پور آئے۔ بارہ سو چھپن ہجری (۱۲۵۶ھ) میں کلکتہ سے رام پور کو جاتے ہوئے فتح پور ہنسوہ میں حکیم احسان علی خاں برادر مولوی رحمٰن علی خاں صاحب تذکرہ علماء ہند کے مکان پر ٹھہرے تھے صاحب تذکرہ نے لکھا ہے۔ کہ میانہ قد۔ سیاہ رنگ۔ سفید ریش۔ نحیف الجثہ۔ ضعیف القویٰ تھے۔ فتح پور ہنسوہ میں مفتی شرف الدین کے داماد مولوی محمد سعید کی قبر سید شاہ راجی قدس سرہ کے درگاہ میں ہے وہاں فاتحہ خوانی کی غرض سے قیام کیا تھا۔[۱] ان کی تصانیف میں سے سراج المیزان در منطق۔ شرح سلم تا لایجد ولا یتصور اور بعض فتاوی مشہور ہیں۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے جو کچھ پڑھا اُنسے پڑھا ہے۔ اگر اُن کی پوری پوری تعریف کروں تو اغراق پر لوگ محمول کرینگے۔ اکثر علوم میں ید طولیٰ ہے افتا میں ابو یوسف زمانہ ہیں۔ جو طالب علم اِن کی خدمت میں جائیگا پھر اُسکو اور جگہہ لطف علم نہ آئیگا۔ نواب صدیق حسن خاں ابجد العلوم میں لکھتے ہیں۔[۲]

---

[۱] تذکرہ علماء ہند۔ [۲] ابجد العلوم عربی صفحہ ۹۲۸۔

کہ یہ شرفی الدین تھے شرف الدین نہ تھے۔ اول الذکر نام میرے والد نے رکھا ہے۔ اور سنتہ رسول اللہ سے سب سے زیادہ بعید مخلوق الٰہی میں یہ شخص تھا باوجودیکہ حواشی اور شروح کتب درسیہ کے محفوظ تھے۔ اہل بدعت کی مدد اور اہل حق (غیر مقلدین) کا رد اپنی خرافات سے کیا کرتے تھے۔ محب دنیا تھے۔ آپ کے دو فرزند قابل مولوی ظہور الحق۔ اور مولوی مظہر جمیل یادگار چھوڑے دو آپ کی لڑکیاں تھیں۔ ایک مشتاق خاں ٹھیکہ دار مرحوم کے نانا کو منسوب ہوئیں۔ اور دوسری مولوی جمال شاہ خاں صرفی نحوی کو منسوب ہوئیں۔ آپ کا مؤلفہ رسالہ علم فرائض بزبان فارسی جو بیس صفحہ پر کتب خانہ میں موجود ہے۔ دیباچہ میں لکھا ہے۔ کہ ۱۲۵۱ھ میں جہال کی افترا پردازی سے خانہ نشین ہونا پڑا۔ اُس زمانہ میں یہ رسالہ لکھا۔ اصل مسودہ مصنف کے ہاتھ کا ہے۔ جابجا ترمیم شدہ ہے۔ حل الاشکال فارسی قلمی۔ اصل تصنیف مفتی صاحب کی ہے ۱۲۶۳ھ میں مولوی مظہر حق ولد مفتی ظہور الحق ولد مفتی شرف الدین نے مسودہ کو صاف کر کے جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کے نام پر معنون کیا ۱۹۴ صفحہ کی کتاب کتب خانۂ ریاست میں تقطیع کلاں پر موجود ہے۔

مولوی حافظ شریف الحسن

ولد مفتی غلام حسین۔ ولد مولوی نصیر الدین ولد مولوی شیر محمد۔ مولوی شیر محمد دہلی سے رام پور میں بعہد نواب سید فیض اللہ خاں بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۱۸ھ) آئے اور رشتہ داری مرزا فیاض بیگ کے خاندان میں ہوئی۔ مولوی شریف الحسن رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم فارسی وعربی کی یہاں بھی تحصیل کی اور باہر جا کر بھی تکمیل کی۔ ملکات معانی سے بہت اچھی طرح گزر ہوتی تھی۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدرس بھی تھے۔ صغر سنی سے ریاست سے پانچ روپے ماہا بوجہ مفتی غلام حسین بلاخدمت ملتا تھا۔ رام پور میں مستاجری بھی شروع کی اس میں نقصان ہوا تو حیدرآباد دکن

چلے گئے۔ وہاں مدرسہ شاہ علی پنڈا میں ملازم ہو گئے۔ علم خوب تھا۔ اور اچھا پڑھاتے تھے یکشنبہ ۔۔۔ کے قریب حیدرآباد میں انتقال ہوا اور بہ۔ور نگر میں دفن ہوئے مولوی رفیع الحسن اور لطیف الحسن دو فرزند یادگار چھوڑے۔

مولوی شیر محمد علوی

نواب سید فیض اللہ خاں بہادر کے عہد (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) میں تھے۔ مولوی[1] عبدالرحمٰن موحد لکھنوی نے ان سے رام پور میں شرح چغمنی پڑھی تھی۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے اُن کو نہیں دیکھا۔ لیکن انکے تعلیقات اکثر کتابوں پر دیکھے۔ جو کچھ ان کے لوح دل پر ہے وہی زبان قلم پر ہے۔ اور ان کے پوتے حافظ غلام حسین زبردست فاضل ہیں۔

حکیم شعور اخوندزادہ

نام سعید الدین خاں ہے۔ مگر آپ کی شہرت شعور اخوندزادہ کے نام سے ہے ان کی نکات کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں۔ اور لوگ نہایت عزت سے یاد کرتے ہیں۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) دربار کے طبیبوں میں ملازم تھے۔

سید شیدی میاں مجذوب

یہ بزرگ قصبہ بلاسپور میں شیدی میاں کے نام سے مشہور ہیں۔ زبانی روایات کے موافق یہ معلوم ہوا کہ حبش کے شاہزادوں میں سے تھے۔ میانہ قد۔ دوہرا جسم۔ فربہ اندام۔ رنگ سیاہ فام۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ اُن میں سُرخ ڈورے۔ موٹی ناک۔ اور موٹے لب سر اور داڑھی کے گھونگروالے بال۔ اس حلیہ سے خود معلوم ہوتا ہے۔ کہ حبشی الاصل تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ قرآن تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی کتاب سامنے رکھدیجاتی پڑھ لیتے تھے۔ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

---

[1] انوار الرحمٰن لتنویر الجنان مولوی نور اللہ مطبوعہ صفحہ ۷۲۔

گورے کالے پہ کچھ نہیں موقوف　　　اُس کے ملنے کے رنگ اور ہی ہیں

حضرت سید غلام جیلانی کو جب دیکھتے سروقد کھڑے ہو جاتے اور یہ شعر پڑھا کرتے۔

آنے سے تجھ صنم کے دل شاد ہوگیا　　　اُجڑا ہوا محلہ آباد ہوگیا

ہر وقت جذب کی حالت رہتی تھی۔ بالکل برہنہ جسم۔ صرف ایک لنگوٹا کھنچا ہوا۔ اور کمر میں بطور کمر بند تسمہ لگا رہتا تھا۔ لوگ ہر قسم کی چیز آپ کے سامنے لیجاتے۔ مگر التفات نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی شخص نے کھلایا تو چار لقمہ سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ حضرت سید غلام جیلانی سفر میں ہوتے تو یہ اُن کے مکان پر جاتے اور ان کے باغ میں بیٹھکر کچھ کھا لیتے تھے۔ بلاسپور میں جس مقام سے آئے اُس کا حال نہیں معلوم ہوا لوگوں نے مشہور کر دیا ہے کہ سات سو برس کی عمر تھی۔ واللہ اعلم۔ تمام اطراف بلاسپور کے لوگوں کو آپ سے عقیدت تھی اور بہت سی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔

سید بدرالدین صاحب مجذوب جنکی قبر قصبۂ بلاسپور سے شرق کی جانب دریائے بھکڑا کے کنارے ہے۔ اور ساہو شاہ صاحب مجذوب جو موضع بشارت نگر تحصیل بلاسپور کی سڑک کے کنارہ مدفون ہیں۔ اُنکی نسبت بیان ہے کہ شیدی میاں سے فیض یاب تھے۔ رجب کی چوبیسویں تاریخ بارہ سو ساٹھ ہجری (سنہ ۱۲۶۰ھ) میں آپ کا انتقال ہوا عین آبادی قصبۂ بلاسپور میں مزار ہے یہی جگہ قیام گاہ تھی۔

ملا صدرالدین

ولد ملا سراج الدین قوم پٹھان۔ نہایت ذکی تھے۔ اور تقریر اچھی تھی ۱۲۷۱ھ میں زندہ تھے۔[1]

میاں صادق شاہ مجذوب

آپ کے خاندان اور قومیت کی نسبت کوئی پتا معلوم نہیں ہوا تحصیل بلاسپور

---

[1] روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں غمگین۔

ریاست رام پور میں بحالت جذب رہتے تھے۔ رام پور سے جو سڑک بلاسپور کو گئی ہے۔ بلاسپور کی آبادی سے ملحق اس کے کنارہ قیام تھا اب اُسی جگہ آپ کا پختہ مزار ہے زبانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بہت معتقد تھے اور اکثر خرق عادات صادر ہوتے تھے۔ اب بھی لوگ مزار کا ادب کرتے ہیں۔ آپ کے انتقال کو ایک سو سال سے کچھ زیادہ زمانہ گزرا ہے۔ اولاد کا بھی کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔

مولوی صدرالدین خاں

ابن مولوی نظام الدین خاں۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد۔ حافظ شبراتی رام پوری۔ مولوی حافظ محمد صدیق رام پوری۔ مولوی منیر علی رام پوری مفتی صدرالدین دہلوی۔ اسداللہ خاں غالب اور مولوی امام بخش صہبائی سے علوم متداولہ حاصل کئے۔ ابتدا میں بعہدۂ ڈپٹی اسسٹنٹ مقام اجین مالوہ اجے گڑھ و ناگود ریاستہائے بندیل کھنڈ میں ماتحتی اندور ایجنسی سنٹرل انڈیا ملازم رہے ۱۸۵۷ء کے غدر میں پانچویں رجمنٹ کے افسروں اور ایک لیڈی کو اپنی جان خطرہ میں ڈال کر بچایا اور کانپور کے گیریژن کمپ میں پہونچایا۔ اور وہاں سے رام پور آ گئے۔ یہاں بھی غدر میں نواب ولیعہد سید کلب علی خاں صاحب بہادر کی ماتحت فوج میں کام کیا۔ جناب نواب سید کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں نے ۱۲۔ جمادی الاول بارہ سو بیاسی ہجری (۱۲۸۲ھ) کو اپنی مسند نشینی کی اطلاع کا خریطہ کرنل ولیم فریڈرک ایڈی صاحب ایجنٹ گورنر جنرل راجستان کو ہمیر گڈھ میں آپ کے ہاتھ بھیجا تھا مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر نے گورنمنٹ سروس سے علیحدہ کرا کر اپنے مصاحبوں میں رکھ لیا۔ اور پولیٹیکل وکیل بنایا۔ مہاراجہ کے آپ ہم عمر تھے۔ اور صغر سن میں ساتھ رہے تھے۔ وہ بہت قدردانی کرتے تھے۔ دنیوی عیش و عشرت کے تمام مرحلے طے کر کے حج بیت اللہ کو گئے۔ اور حج سے

سلہ بموجب تحریر مولوی محمد مجتبیٰ خاں ممبر کونسل اندور۔

مشرف ہوکر بحالت سفر ۹۔ ستمبر سنہ اٹھارہ سو نوے۔ (۱۸۹۰ء) کو بمبئی میں لاولد انتقال فرمایا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی تصنیف سے انشاء بے نظیر قلمی آپکے خاندان میں موجود ہے۔

حکیم صغیر علی انصاری تخلص مروت

ابن حکیم کبیر علی انصاری سنبھلی۔ رام پور میں علوم و فنون حاصل کئے۔ پیدائش سنبھل کی ہے۔ اپنے والد سے رام پور ہی میں طب حاصل کی۔ مصطفیٰ خاں عرف نجو خاں ابن مستقیم خاں (جنکا گھیر مشہور ہے) کے ہاں ملازم رہے۔ وہ ایک شاعر دوست آدمی تھے۔ اُردو شاعری میں بھی کمال پیدا کیا۔ مرزا رفیع سودا کے روش پر کہتے تھے۔ دو ایک داستانیں میر حسن کی مثنوی کے طرز پر لکھی ہیں۔ میر حسن اور قلندر بخش کو کلام دکھاتے تھے۔ تذکرہ ریاض الفصحا مصحفی مصنفہ ۱۲۳۱ھ میں اسی قدر حال لکھا ہے۔

(مصطفیٰ خاں عرف نجو خاں ابن مستقیم خاں ابن شیخ کبیر نہایت معزز عہدہ دار ریاست تھے شیخ کبیر نواب سید علی محمد خاں بہادر اور نواب سید فیض اللہ خاں بہادر کے عہدہ دار تھے۔ بریلی میں مزار ہے مستقیم خاں رسالہ دار نے ۱۷۔ شعبان ۱۲۰۱ھ کو انتقال رام پور میں کیا اور بریلی میں باپ کے برابر دفن ہوئے۔ ان کو بیس ہزار روپے سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد اسی عہدہ رسالہ داری پر مصطفیٰ خاں عرف نجو خاں کا تقرر ہوا)۔

مولانا صفی القدر

مولانا صفی الدین۔ مشہور بہ صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ۔ بن سیف الدین بن محمد معصوم بن شیخ احمد مجددی سرہندی۔ نہایت[1] دانشمند۔ علوم حدیث و فقہ میں متبحر تھے۔ اسی طرح علوم باطنی میں کامل تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے غرض نہ تھی۔

---

[1] تذکرہ علماے ہند۔

نواب نصراللہ خاں نائب نواب سید احمد علی خاں نے کوشش کی کہ بخشی گری نیچ قبول کریں
مگر منظور نہیں کی۔ ہمیشہ مطالعۂ کتب حدیث و تفسیر اور اوراد و ذکر میں معروف رہتے تھے۔
نمازِ تہجد[1] کے لئے تمام گھر کے آدمیوں کو بیدار کرتے تھے۔ جس کسی کو خلاف شرع کام
کرتے دیکھتے فوراً منع فرماتے۔
پچیسویں شعبان کو بارہ سو چھتیس (۱۲۳۶ھ) میں لکھنؤ میں وفات ہوئی وہیں مزار ہے۔
صاحب تذکرہ علماے ہند نے یوم پنجشنبہ ۵۔ شعبان ۱۲۲۶ھ میں وفات لکھی ہے یہ غلطی ہے۔

صاحبزادہ ضابطہ خاں

صاحبزادہ عنایت حسن خاں صاحب کا بیان زبانی صاحبزادہ علیم اللہ خاں صاحب
بہادر مرحوم ہے کہ یہ بزرگ نواب نصراللہ خاں نائب نواب سید احمد علی خاں بہادر کے
خالہ زاد بھائی تھے۔ اور کشف و کرامت میں شہرۂ آفاق تھے۔ سال میں تین چار مہینے
کے لئے جنگل میں تنہا چلے جاتے تھے۔ اور سید غلام مرتضیٰ سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔
جنکا مزار گنبد دار بریلی دروازہ کے متصل گوجروں کے محلہ میں ہے۔ اور ضابطہ خاں کا مزار
موضع پچپٹ پورہ میں ہے جو بلاسپور کے قریب ہے۔ صاحبزادہ میاں جان خاں بہادر مرحوم کا
بیان ہے کہ وہ ضابطہ اخوند کہلاتے تھے۔

حکیم سید ضامن علی جلال

ولد اصغر علی ولد سید حسین علی نکہان لکھنوی۔ لکھنؤ میں پُل آہنی کے پرلے پار محلہ میں
بارہ سو پچاس ہجری (۱۲۵۰ھ) میں پیدا ہوئے۔ نواب آصف الدولہ کے مدرسہ
میں تعلیم پائی۔ فارسی بدرجۂ کمال اور عربی تھوڑی پڑھی تھی۔ کہ نظم اُردو کا شوق ہوا۔
میر علی اوسط رشک کے شاگرد ہوئے۔ خوب شہرت پائی۔ سخن طرازی کے شوق میں
کتب عربی بھی پیش نظر تھیں۔ فن عروض کو تو ایسا جانتے تھے۔ گویا اُس وقت

---

[1] مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ مولانا مظہر۔

اُن کا مثل نہ تھا۔ تحقیق لغات میں بھی کامل تھے۔ بارہ سو بہتر ہجری میں جناب نواب سید محمد یوسف علی خاں بہادر فردوس مکاں نے طلب فرمایا۔ خلد آشیاں کی حیات تک دربار کا زیور تھے۔ دربار میں یہی سب سے علمی اور زبان کی تحقیق میں نوک جھوک کرتے تھے۔ نواب خلد آشیاں کی رحلت کے بعد شیخ حسین میاں رئیس مانگرول نے بلالیا اور پچاس روپے کا وظیفہ گھر بیٹھے مقرر کردیا۔
اعلیٰ حضرت بندگانِ حضور پرنور جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام ملکہ نے طلب فرماکر تنخواہ جاری فرمادی۔ اکتوبر کی بیسویں تاریخ انیس سو نو عیسوی (سنہ ۱۹۰۹ء) کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ آپ کا کلام اور کتابیں چھپکر مشتہر ہو چکی ہیں۔

شاہ ضیاء النبی مجددی

ولد شاہ عنایت النبی بن شاہ سلطان المشائخ۔ بن شیخ عصمت اللہ۔ بن محمد یعقوب بن حضرت خازن الرحمتہ۔ خواجہ محمد سعید بن حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہم ولادت آپ کی سنہ گیارہ سو ساٹھ اور ستر ہجری کے درمیان میں سرہند میں ہوئی۔ سکھوں کے تیسرے حملہ کے وقت یہ بھی اپنے خسر مولانا محمد مرشد کے ہمراہ رام پور آئے۔ اور نہایت زہد و ورع سے بسر کرنے لگے۔ گزر اوقات جلد بندی سے تھی۔
نواب نصر اللہ خاں کو خاص عقیدت تھی۔ عہدۂ بخشی اُنھوں نے دیا۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ عدالت۔ بخشی گری۔ وکالت امور مہام سرکار لکھنؤ اور انگریزوں میں کوئی فروگزاشت نہیں کی۔ علوم ریاضی میں۔ ہندسہ ہیئت۔ اصطرلاب۔ مناظرہ۔ اور جرثقیل کا رواج رام پور میں اِن کی بدولت ہوا جس قدر اقتدار بڑھا اُسی قدر فروتنی زیادہ ہوئی۔ سنا ہے ایک روز ہاتھی پر سوار جاتے تھے کسی شخص نے جلد باندھنے کو کہا۔ ہاتی روک کر کتاب لے لی۔ کوئی صاحب سال میں کچھ غلہ آپ کو دیا کرتے تھے بخشی ریاست ہوجانے پر اُنھوں نے غلہ نہیں دیا

آپ خود گئے اور چادریں باندھکر خود لائے۔ مرض موت میں طاقت نشست و برخاست نہ تھی۔ یکایک پلنگ پر سے اُتر کر نیچے باادب بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اِس پلنگ کو قیام سے مشرف فرمایا۔ توشک پر جو چادر بچھی ہوئی تھی اُس پر قدم شریف کے نشان صندل سے بنوائے۔ اور انکو تبرکاً رکھوا دیا۔ وہ توشک اور چادر اب تک اُن کی اولاد میں موجود ہے۔ اِس واقعہ سے سترہ روز کے بعد بارہ سو پندرہ ہجری میں رام پور میں انتقال کیا۔ بڑے پیر صاحب کے جھنڈے پر متصل دالان مسجد جانب جنوب حظیرہ میں دفن ہیں۔

سرائے پختہ کے قریب مسجد اور گھیر آپ کے نام سے مشہور ہے۔ اِس محلہ کے اندر کے سب مکانات آپ کے تھے۔ اور مسجد بھی آپ کی بنوائی ہوئی ہے۔

تاریخ وفات از عنبر شاہ خاں عنبر

چوں ازیں دارِ فنا کرد بجنت رحلت	آن ضیاء النبی کاشف اسرار آلہ
بدعا صدر نشیں باد بہ بزم جنت	جستم از ہاتفِ غیبی سنِ فوتش گفتہ

۱۲۱۵ھ

حکیم میر ضیاء الدین تخلص عبرت

ابن سید علاء الدین۔ شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر رام پور ہی میں پرورش پائی۔ حکیم حاذق تھے۔ معالجہ کرتے تھے۔ محمد مصطفیٰ خاں عرف بجو خاں (جن کا گھیر مشہور ہے) کے پاس اطبا میں ملازم تھے۔ فن شعر میں نواب محبت خاں خلف حافظ رحمت خاں کے شاگرد تھے۔ بدماوت اُردو میں منظوم لکھنا شروع کی۔ پوری نہونے پائی تھی کہ انتقال ہوگیا۔ میاں سید حسن شاہ صاحب کے مرید تھے۔ جن کا مزار نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر نے بنایا ہے۔ پدماوت میں اپنے پیر اور جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کی تعریف لکھی ہے۔ دیوان عبرت فارسی جس میں غزلیں اور رباعیات ردیف وار ہیں ۱۴۲ صفحہ کا قلمی کتب خانہ

ریاست میں موجود ہے۔ اس میں ایک رباعی نواب ابوالمنصور خاں کی مدح میں بھی ہے۔
ذیل کی غزلوں کی سرخیوں پر لکھا ہے:-

غزل طرح مشاعرہ ہشتم۔ دوازدہم ربیع الاول سنہ ۱۲۴۰ھ۔

محلہ کونسا ہوویگا وہ کیسا مکان ہوگا　　خدا جانے ہمارا یار ہرجائی کہاں ہوگا

غزل طرح مشاعرہ دویم۔ دوازدہم رجب المرجب سنہ ۱۲۳۹ھ۔

لالۂ رخ کو جو وہ زلف سے وارکھتے ہیں　　ہم بھی داغ دل محزوں کو کھلا رکھتے ہیں

غزل طرح مشاعرہ دوازدہم۔ شہر رجب المرجب سنہ ۱۲۴۰ھ۔

اشک بازی میں ہمارے جو اثر پیدا ہو　　نخل امید میں فی الفور ثمر پیدا ہو

غزل طرح مشاعرہ اول۔ دوازدہم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۲۳۹ھ۔

وہ شکل رشک حور جو ہم سے نہاں نہ تھی　　ہرگز عیاں تو اپنی یہ آہ و فغاں نہ تھی

غزل طرح مشاعرہ سوم۔ دوازدہم شہر شعبان المعظم سنہ ۱۲۳۹ھ

خنجر تلے جو ایک نگہ اُس کی دید ہے　　قربانیوں کو ذبح کا دن روز عید ہے

غزل طرح مشاعرہ چہارم۔ دوازدہم شہر شوال سنہ ۱۲۳۹ھ

جبہہ سائی سے منور ہو جبیں تھوڑی سی　　اُسکے کوچہ میں جو ہاتھ آئے زمیں تھوڑی سی

غزل طرح مشاعرہ پنجم۔ دوازدہم ذیقعد سنہ ۱۲۳۹ھ

ظالم مرے گریہ کی تجھے کچھ بھی خبر ہے　　دریا مری آنکھوں سے رواں آٹھ پہر ہے

غزل طرح مشاعرہ ششم۔ دوازدہم شہر ذی الحجہ سنہ ۱۲۳۹ھ

یاس و حسرت جو سر شام سے گریاں آئی　　ہائے کیا آج کی شب پھر شب ہجراں آئی

غزل طرح مشاعرہ نہم۔ دوازدہم شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۴۰ھ

قاتل سے کوئی کہدے یہ دل دادخواہ ہے　　تقصیر میری کچھ نہیں اُس کا گناہ ہے

غزل طرح مشاعرہ یازدہم۔ دوازدہم شہر جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۰ھ

کہتا ہے ابر روتے ہوے دیکھکر مجھے ‏ ‏ بے آبرو کرے گی تری چشم تر مجھے

غزل طرح مشاعرہ سیزدہم۔ دوازدہم شہر شعبان المعظم ۱۲۰۰ھ

خزاں میں گو بہار باغ مرغان چمن بھولے ‏ ‏ زوال حسن میں تجکو نہ ہم اے گلبدن بھولے

غزل طرح مشاعرہ چہاردہم۔ دوازدہم شہر شوال المکرم ۱۲۰۰ھ

یہ مرتبہ مجھے حاصل ہے اشکباری سے ‏ ‏ جھپکتی آنکھ نہیں ابر نو بہاری سے

غزل طرح مشاعرہ پانزدہم۔ دوازدہم شہر ذیقعد ۱۲۰۰ھ

اس زلف کی الفت میں یہ کچھ حال ہوا ہے ‏ ‏ دو روز کا جینا سے مجھے جنجال ہوا ہے

معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں کوئی باقاعدہ مشاعرہ ہوتا تھا۔ پدماوت کی تکمیل میر غلام علی عشرت نے ۱۲۰۰ھ میں کی ہے۔ اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ سات آٹھ سال انتقال کو ہو چکے۔ اس حساب سے آپ کی وفات ۱۱۹۲ھ کے قریب ہوئی ہوگی۔ دیوان میں جو غزلوں پر سنہ لکھے ہیں صاف عیاں ہے کہ غلط ہیں۔ کسی کاتب نے نقل کے وقت ۱۱۹۰ اور ۱۱۸۰ کو غلط پڑھا۔

مولوی طرّہ باز خاں

محلہ آزاد خاں کے بنگلہ پر مکان تھا۔ آپ کی علم و فضل کی داستانیں مشہور ہیں۔ رام پور میں کچھ دنوں وکالت کی۔ پھر علی گڈھ میں وکالت شروع کی۔ مولوی غلام حضرت خاں آپ کے فرزند تھے۔ اور کوئی حال آپ کا معلوم نہیں ہوا۔

مولوی محمد طیب عرب

بن شیخ محمد صالح الکاتب المکی بن شیخ محمد عبد اللہ۔ مکہ معظمہ میں پیدا ہوے۔ اپنی نانہال لامو (برٹش ایسٹ افریقہ) میں پرورش پائی۔ بچپن میں اپنے عزیزوں کے ساتھ سواحل کی خوب سیر کی۔ تجارتی سفروں میں مسقط وغیرہ گئے۔ اکثر فنون عربیہ مکہ معظمہ میں اپنے فاضل والد سے پڑھے۔ حاضر الذہن۔ ذکی الطبع۔ قوی الحافظہ۔

لطبیعتہ۔ خوش خلق حسن و نکابتہ۔ با مذاق عالم تھے۔ جامع فنون معقول و
ں۔ ہر فن میں کچھ نہ کچھ اطلاع رکھتے تھے۔ خصوصاً علم معقول کے امام تھے۔
۔ انساب عرب و محاضرات میں وسیع معلومات اور اعلیٰ تحقیق تھی۔ عربی انکی
زبان تھی۔ کہتے تھے مجھے میرے استاد شمس العلما عبد الحق خیرآبادی ادیب
تے تھے۔ اور اسی نام سے مشہور بھی تھے۔ عرب میں صرف و نحو کی تکمیل کے
یبًا پچیس سال کی عمر میں ہندوستان آئے۔ بمبئی میں تجارت شروع کی
اتفاق سے ایک منطقی مولوی سے بحث ہوگئی مسئلہ دینی تھا آپ نے انکو ساکت کر دیا
نے کہا میں صدرا اور شمس بازغہ میں مناظرہ کرتا ہوں۔ یہ اس فن سے واقف نہ تھے۔
ت میں منطق کے حصول کا جوش آیا۔ رام پور میں شمس العلما عبد الحق خیرآبادی کی
ت تھی۔ اس لئے رام پور آئے۔ جنرل اعظم الدین خاں نے اپنے ہاں رہنے کا انتظام
۔ دس روپے وظیفہ مقرر کیا۔ مولانا ارشاد حسین اور مولوی عبد الغفار خاں سے
رہنا شروع کیا شمس العلما سے معقول کے فنوں پڑھے۔ تنقیح مسائل و تحقیق انہیں کا
تھا۔ انصاف پسند ایسے تھے کہ اگر طلبا کوئی غلطی پکڑتے تو فوراً معترف ہو جاتے
ان کی تعریف کرتے۔ اکثر کہا کرتے تھے۔ الحمد للہ کہ میں باوجود معقولی ہونے کے
ن مسلم ہوں۔ بہت سے اکابر اس دریا میں غوطے کھا گئے اور ساحل تک نہ
پہنچے۔ دین منقول ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے باقی جنون اور سوء ہضم
۔ زمانہ میں رام پور میں علم غیب پر رسالہ بازی شروع ہوئی۔
الحروف نے مولانا کی سے دریافت کیا آپ کا کیا مسلک ہے فرمایا تحقیق کے
بہت سی باتیں دینی موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں بحث
احشہ خطرناک ہے۔ ان مباحث میں ہرگز شریک نہ ہونا چاہیے۔
الی اور رازی کے علم کی تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ان کو معقول

اس قدر پسند تھی کہ ہر جگہ اس کو داخل کر دیا غزالی نے فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں متصوفین۔ اسماعیلیہ اور قرامطہ کے طریقہ کو حق بتایا ہے۔ مولانا تصوف کے متعلق کہتے تھے کہ یہ جوگیوں اور اشراقیوں کی نقل ہے اسلام سے اسکو تعلق نہیں ہے۔ احداث فی الدین اور تکلف ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو تفضیل دیتے تھے چونکہ خود علوی تھے شاید یہ وجہ ہو۔ اصول شیعہ کو غلط بتاتے تھے اور کہتے تھے شیخ حلی نے کتاب الالفین میں دو ہزار دلیلیں امامت پر پیش کی ہیں اگر مجھے ایک ہی دلیل ملجائے تو میں مسئلہ امامت کو تسلیم کرلوں۔

سیکڑوں شاگرد موجود ہیں۔ تلامذہ کو بہت محبت سے پڑھاتے تھے۔ اور خود کثرت سے تاریخ اور فنون مختلفہ کا مطالعہ کرتے تھے۔ دوستی کا نہایت پاس تھا۔ بقدر امکان احباب کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ رام پور میں شادی کی۔ بیٹے۔ بیٹیاں۔ نواسی۔ نواسے بڑا کنبہ ہوگیا۔ ریاست کے مدرسۂ عالیہ میں درجہ بدرجہ ترقی کرکے مدرس اعلیٰ ہوگئے جب ریاست سے قطع تعلق ہوگیا تو حیدر آباد چلے گئے۔ وہاں مولانا عبد الجبار خاں آصفی نے اچھی طرح رکھا۔ حیدر آباد میں کامیابی نہوئی تو واپس آئے۔ ایک سال ندوۃ العلما میں رہے۔ وہاں اضافہ کی صورت نہ دیکھی تو رام پور چلے آئے۔ رام پور میں ساٹھ روپے تنخواہ مقرر ہوگئی۔ تیرہ سو بتنیس ہجری میں (۱۳۳۲ھ) میں طاعون نے ان کے گھر کا صفایا کردیا۔ عالم داماد۔ بیوی بیٹی۔ دو جوان لڑکے یکے بعد دیگرے ہفتہ عشرہ کے اندر مرگئے۔

راقم الحروف ان کی اہلیہ کی فاتحہ خوانی کو گیا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ جوان لڑکا اُسی وقت دم توڑ چکا ہے۔ اور دوسرا جوان لڑکا نزع میں ہے۔ مردہ کی نعش راقم کو خود دکھائی۔ کسی قسم کا ہراس اور توحش نہ تھا۔ نہایت صبر اور استقلال سے ان مصائب کو برداشت کیا۔ خود ایک قطعہ میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔

وکنت امرأً مُغرًی بشوق وصبوۃ — ولم یثنِھی شیب ولا فقد اسرتی
الی ان مضی عبد الجلیل وأمّہ — وعبد العزیز واختہ واحبتی

تخضنت بی الذکری فلم ار غیرهم	وصار واآما می فی مغیبی وحضرتی
من الله ارجوا جرهم واحتسابهم	وبالله صبری واحتیالی وقوتی

عبدالجلیل اور عبدالعزیز بیٹوں کے نام ہیں۔ اب صرف دو بیٹیاں اور نواسے باقی ہیں۔ اشغال وافکار دنیوی میں کچھ ایسا انہماک رہا کہ تالیف کا باقاعدہ سلسلہ قائم نہ رہا۔ تاہم ایک معتدبہ حصہ تالیفات کا چھوڑ گئے۔ منجملہ ان کے یہ کتابیں موجود ہیں۔
الاحاجی الحامدیہ فن نحو۔ النفحۃ الاجلیہ فی الصلات الفعلیہ فن لغت۔ الصارم القرضاب حاشیہ علی الشمسیہ۔ حاشیہ علی المفصل۔ المکالمہ فی اللغۃ الدارجہ موجودہ عربی بول چال۔ الملاطفہ فی الرد المقلدین عربی و اردو مباحثہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی۔ یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں۔ شرح سلم العلوم۔ رسالہ فی القرارۃ خلف الامام (یہ کتاب انکے ہاں سے غائب ہے) شرح لامیۃ العرب والرد علی الشنقیطی تقریباً ۲۲۵ صفحہ کی کتاب ہے ادبی تحقیقات ولطائف کا ذخیرہ ہے۔ تقدیم النقل علی العقل رد نیچریاں۔ کتاب معنی لا الٰہ الا اللہ رسائل علم الغیب یہ قلمی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے مضامین لکھے مگر تدوین کی مہلت نہ ملی۔ قصائد مدحیہ بھی بہت سے ہیں۔ دو روز کی علالت میں جمعہ کے دن ذوالقعدہ کی دوسری تاریخ سنہ تیرہ سو چونتیس ہجری (۱۳۳۴ھ) کو رامپور میں انتقال ہوا۔ جرخ والی مسجد کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مولانا محمد بن یوسف سورتی انکے شاگرد رشید نے عربی میں مرثیہ اسی شعر کا لکھا ہے جسکا آغاز یہ ہے۔

الا انما الدنیا بلاء ومعطب	فلیس سوی علیب بہا الدھر مطرب
الا انما الدنیا رزایا وحسرۃ	ورزء وراماں لیس عنھن مذھب
لبیك اما عبد الجلیل سمیدع	لکل معال باکرات تقضب
ویبکیہ علم الدین والشعر واللغی	وروضۃ اداب تسقی فتخصب
خلیل لعلم العرب عمر وروایۃ	وکالباھلی فی نطقہ متصوب

واما علوم العقل فهونقا بها | طوی قفرها والقوم حسری ولغب

اخیر کے شعر ہیں۔

علیك سلام الله ثم صلوته | ورحمة تتری واهل ومرحب

ووافاك رضوان وحور ونعمة | واکرمت فی دار الخلود نقرب

مولانا ظہور الحسین مجددی

بن مولوی نیاز اللہ بن مولوی عظمت اللہ بن مولوی رحمت علی بن مخدوم الملک ممتاز العلما مولانا اصغر علی بن مفتی ضیاء اللہ حقانی بن قاضی محی الدین احمد فخری۔ بن قاضی نور الملک صفوی بن قاضی نور الحق ممتازی بن مولانا مفتی عبد الفتاح فتح الملک بن مولانا شہاب الدین رازی بن مولانا امام رفیع الدین فیاضی فاروقی سرہندی چشتی۔ یہی امام رفیع الدین مجدد الف ثانی کے جد قریب ہیں۔ یہاں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک دونوں نسب برابر ہیں۔ امام رفیع الدین اپنے وقت کے مشائخ میں بہت بڑے فاضل تھے۔ کہتے ہیں آپ کو چار سو بزرگوں سے خلافت ملی۔ اور آخیر خلافت سید جلال الدین بخاری سے ہے سید صاحب کے خلیفہ اعظم اور امام نماز تھے۔ سرہند کی آبادی امام صاحب نے شروع کی اور اُن کی توجہ سے شہر کی بنیاد کی تکمیل ہوئی۔ امام صاحب کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ فیروز شاہ کے وزیر تھے۔ مزار سرہند میں ہے امام صاحب کے مزار کی اینٹ لوگ انجاح مرام کے لئے لاکر گھر میں رکھتے ہیں۔

انھیں امام صاحب کی اولاد میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں۔ ۱۲۲۸ھ میں سکھوں کی زیادتیوں نے اہل سرہند کو ترک وطن پر مجبور کیا۔ مولانا اصغر علی اپنے وقت کے عالم فاضل تھے۔ وزیر الممالک نواب قمر الدین خاں کے استاد تھے۔ نواب سید علی محمد خاں بہادر غفران مآب کا پروانہ نقل کیا جاتا ہے جسمیں مولانا موصوف کے محامد ہیں۔

محمد شاہ باد
شاہ غازی

فرزندان نامدار و برخورداران کامگار و جمیع متوسلان جز و کل سرکار دولت مدار بدانند فضیلت مآب جامع الکمالات صوری و معنوی اخوند صاحب قبلہ مولوی محمد اصغر علی صاحب فاروقی الہاشمی بہ پیشگاہ اسکندر جاہ عتبہ سپہر رتبہ حضرت ظل سبحانہ خلیفۃ الرحمٰن رمز شناس عالم حقیقی و مجازی محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ بنا بر عفو تقصیر و جان بخشی حضور پر نور سعی و کوشش بدرجۂ موفور بہ تقدیم رسانیدہ مصدر نیکنامی و دولت خواہی از حد غایت شد ند چوں استحقاق فضیلت پناہ کمالات دستگاہ بر ذمہ ہمت والا نہمت بوجوہ ثابت و محقق است۔ لہذا امر عالی شرف اصدار عز ایراد یافت کہ تمامی جاگیر یومیہ اراضی مدد معاش و زمینداری از خرید سواضعات علاقہ رستم نگر عرف چمروہ وغیرہ کمالات دستگاہ مع فرزندان متعلقان نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن از حضور پر نور واگذاشت در لوح القلم دانستہ نوعے مزاحم و متعرض نشوند و مدام در غور و پرداخت اولاد فضیلت مآب ہمت خود ہا کما ینبغی مصروف داشتہ شریک حصہ و ملک و مال متصور نمودہ یکے وجہ مغائرے نہ پندارند کہ موجب استرضائے حضور کرامت نشور خواہد شد۔ دریں باب تاکید اکید دانستہ حسب المسطور عمل نمایند تخلف نخواہند ورزید۔ تحریر بتاریخ بست و ششم جمادی الاولیٰ سنہ جلوس والاشان

مولانا ظہور الحسین کی ولادت ۱۲۷۵ھ میں رام پور میں ہوئی اپنے والد سے فارسی کی تکمیل کے بعد مولانا امداد حسین سے نحو۔ اور معقول کی ابتدائی کتابیں مولوی عبد العلی ریاضی داں۔ مولوی نور النبی رام پوری سے پڑھیں۔ شمس العلما مولانا عبد الحق خیر آبادی جب رام پور تشریف لائے تو اول سے اخیر تک معقول کی کتب پڑھیں کتب دینیات میں مولانا ارشاد حسین سے استفادہ کیا۔ بعض کتابیں مولانا مفتی سعد اللہ سے پڑھیں سند صحاح ستہ اور احادیث مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے حاصل کی مولانا فضل الرحمٰن کو حضرت شاہ عبد العزیز سے بلا واسطہ سند ملی تھی سکتے ہیں شمس العلما خیر آبادی کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ بعض اپنے طلبا کو آپ کے سپرد کر دیتے تھے۔ ۱۳۰۱ھ میں

شمس العلما نے اعلیٰ حضرت بندگانِ حضور پر نور ہز ہائنس نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ کے حضور میں مدرسۂ عالیہ کے مدرسین کو بغرض امتحان پیش کیا۔ مولانا صاحب کے ترجمہ کی باری آئی تو آپ نے قاضی مبارک کے مقام (الکلیۃ والجزئیۃ قبل صفۃ العلم الخ) کی پوری عبارت پڑھوا کر مالہ اور ماعلیہ کے ساتھ ایسی تحقیق کی کہ شمس العلما حضور میں عرض کرنے لگے کہ قاضی پڑھانا اس کو کہتے ہیں شمس العلما نے ایسے الفاظ غالباً اور کسی کے لئے کبھی نہ کہے ہونگے۔

بیس سال تک مدرسۂ عالیہ میں نہایت عمدگی سے درس دیا۔ مدرسۂ عالیہ کے مدرسین میں اکثر آپکے شاگرد ہیں۔ تقریباً ہندوستان کے دینی مدارس میں ایسی جگہ کم ہوگی جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا کوئی شاگرد نہو۔

۱۳۲۲ھ میں رئیس اعظم رانڈیر ضلع سورت نے آپ کو بصد التجا بلایا۔ ایک جماعت علما اور دس ہزار علما کے ساتھ آپکا استقبال کیا۔ وعظ کا جلسہ ہوا۔ علما نے اس جلسہ میں شمس العلما کا خطاب دیا۔ یہ قومی خطاب شاہی خطابوں سے کہیں زیادہ باوقعت ہے۔

مولانا کو پڑھانے کا اس قدر شوق تھا کہ تصانیف کی طرف مطلق توجہ نہ کی بعض مخلص شاگردوں کے اصرار سے حاشیہ افق المبین۔ شرح قاضی مبارک حامل المتن مع منہیات شرح میرزاہد رسالہ مع منہیات و غلام یحییٰ۔ شرح حمد اللہ۔ شرح حکمۃ العین۔ تقریر مشنا بالتکریر۔ ایک مفصل دوسری مختصر کتابیں تالیف کی ہیں۔ حاشیہ میرزاہد کے سوا سب کتابیں ناتمام ہیں۔ کوئی کتاب طبع نہیں ہوئی ہے۔ ریاست رامپور میں بمشاہرہ سو روپیہ ماہانہ ملازم تھے۔ کہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ کو انتقال فرمایا۔

اولاد ذکور میں دو فرزند ہیں۔ ایک مولوی نور الحسین جو تحصیل علم سے فراغ حاصل کرچکے اور بعض کتابیں بھی لکھی ہیں۔ سلک الجمان المعروف بطرب الخلان عن تراجم علمائے ہندوستان۔ رسالہ القول الاظہر۔ رسالہ نور العین فی حکم زیارۃ سید الثقلین تالیف کرچکے ہیں

دوسرے فرزند سراج الحسین محمد احمد تحصیل علوم میں مصروف ہیں۔

مولوی ظہور الحق

فرزند اکبر مولوی مفتی شرف الدین رام پور میں پیدا ہوئے۔ اور اکتساب علوم فارسی اور عربی کا کیا۔ رام پور سے لکھنؤ گئے۔ اور عہدۂ جلیلہ پایا۔ پھر کشمیر گئے۔ وہاں اچھے عہدہ پر رہے۔ جناب نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں کے عہد میں (۱۸۵۵ء ۱۲۷۱ھ تا ۱۸۶۵ء ۱۲۸۲ھ) رام پور میں مفتی عدالت ہوگئے۔ آپ کی شادی رسالدار حبیب اللہ خاں کی بہن سے ہوئی۔ آپ کی اولاد میں مولوی محفوظ الباری تحصیلدار ممالک متوسط ہیں۔ اب پنشن پاتے ہیں۔ اور ممالک متوسط میں ضلع ہوشنگ آباد میں مستقل سکونت اختیار کرلی ہے۔ مولوی محفوظ الباری کی شادی علی حسین خاں پسر خاں حاکم بلاسپور کی دختر سے ہوئی۔ اور آپ کے فرزند مولوی اظہار الصادق موجود ہیں۔ مولوی ظہور الحق کا انتقال موضع کھرپا بڑہ معروف بہ سیوہ گڈھ ضلع ہوشنگ آباد میں ہوا۔ آپ کی اولاد کو اب چنداں تعلق رام پور سے نہیں ہے۔

مولوی ظہور الحق

ولد مولوی ظہور الحسن ولد مفتی غلام حسین۔ ولد مولانا نصیر الدین۔ ولد حافظ شیر محمد بخاری رام پور میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی خوب تکمیل کی عربی بھی پڑھی مگر بدرجۂ اوسط۔ ابتدا سے نقش و تعویذ اور عملیات کا شوق تھا۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں بھی کچھ دن تعلق رہا۔ شاہ نظام الدین حسن بریلوی سے خلافت پائی۔ ابتدا میں اکثر لوگ شہر کے معتقد تھے۔ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کو بھی توجہ تھی۔ سو روپے تنخواہ مقرر تھی۔ بڑی شان و عظمت سے رہتے تھے۔ جائداد بھی کچھ تھی۔ شادی نہیں کی۔ عہد جناب نواب سید مشتاق علی خاں بہادر عرش آشیاں میں علم مجلسی سے دربار داری کی۔ مرتے وقت تک تنخواہ پائی۔ محکمۂ اسٹامپ میں

کچھ دنوں کام کیا۔ ۲۷۔ رمضان ۱۳۰۸ھ کو انتقال ہوا۔ آپ کے بھائی مظہر الحق کو علم عربی نہ تھا۔ سب کتابیں اور جائداد کوڑیوں کے مول بہادی۔ آپ کی تصنیف سے رسالہ ہدیۂ حامدیہ فی فرایض محمدیہ اُردو رام پور میں ۱۳۱۲ھ میں ۳۰ صفحہ پر چھپا ہے۔

مولوی ظہور الحسن

ولد مفتی غلام حسین رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم فارسی و عربی میں استعداد کامل تھی۔ حافظہ ایسا قوی تھا کہ کتاب کے صفحات کا حوالہ درس میں دیتے جاتے تھے۔ تقریباً ۱۲۹۰ھ میں انتقال ہوا اور شاہ بغدادی صاحب کے مزار میں دفن ہوئے مولوی ظہور الحق اور مولوی مظہر الحق دو فرزند یادگار چھوڑے۔

عابد خاں عدالتی

قوم کے سواتی محلہ راج دوارہ میں رہتے تھے۔ مولوی غلام جیلانی رفعت سے علوم حاصل کئے تھے۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں حاکم عدالت دیوانی ہو گئے۔ اسی لئے عدالتی کہلاتے ہیں۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ایک محمد زماں خاں تھانہ دار جو گلاب سنگھ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ دوسرے طیب خاں رسالۂ خاص کے رسالدار تھے۔ غدر میں انتقال کیا۔ تیسرے محمد صالح خاں محض ناخواندہ تھے آول الذکر گو علوم عربی سے بے بہرہ تھے۔ مگر کچھ فارسی آتی تھی۔ اب محمد صالح خاں کا ایک بیٹا مظہر حسن خاں ناخواندہ زندہ ہے۔

مولوی عالم علی

مولوی عالم علی ابن سید کفایت علی ابن سید فتح ساکن قصبہ نگینہ ضلع بجنور مقیم مراد آباد عالم متبحر۔ حافظ۔ محدث۔ طبیب۔ اور قاری تھے۔ مولوی فرید الدین سہارنپوری؎ زعفران رام پوری۔ حافظ شبراتی رام پوری۔ مولوی محمد رام پوری مفتی شرف الدین

؎ تذکرہ علمائے ہند۔

رام پوری۔ مولانا مملوک علی نانوتوی۔ مولانا محمد اسحق دہلوی۔ حکیم نصر اللہ خاں تلمیذ حکیم شریف دہلوی۔ حکیم غلام حیدر خاں دہلوی۔ مولوی نواز بخش علی نگینوی و مولوی تہور علی نگینوی سے علوم حاصل کیے۔ ریاست رام پور سے تیس روپے ماہانہ پاتے تھے۔ رام پور میں بھی قیام رہا۔ نہایت متورع اور زاہد تھے۔ بہت سے لوگ مرید تھے۔ پابندی سنت کا سخت لحاظ تھا۔

پنجشنبہ کے دن عصر و مغرب کے درمیان میں بیسویں رمضان المبارک بارہ سو پچانوے ہجری کو بعمر تریسٹھ سال انتقال کیا۔ مادہ تاریخ رحلت یہ ہے۔

"باغ جنان بعد مسکن"

مراد آباد میں مدفن ہے۔ اولاد سب عالم اور متبع سنت چھوڑی۔

آپ کی تصانیف سے رسالہ ولاالضالین مطبع مجتبائی میں سولہ صفحوں پر طبع ہوا ہے عبارت فارسی میں ایک فتوی ہے۔ اور اسکے حاشیہ پر رسالہ تحقیق الضاد مولوی محمد شاہ پنجابی کا ہے۔ طبع کے سنہ نہیں ہیں۔ رسالہ فضائل صیام فضائل رسول مقبول۔ رسالہ تعدد جمعہ۔ شرح ضابطہ۔ شرح تہذیب یزدی وغیرہ ہیں۔

حکیم مرزا عاشور بیگ

بعہد[1] جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) رام پور میں تھے حکیم بایزید کے ہمعصر تھے۔ مرزا[2] صاحب کی لڑکی اخوند زادہ سعد الدین خاں باجوڑی کو منسوب تھی۔

ملا حاجی عجب گل خاں

معروف بہ حاجی گل خاں ولد معز اللہ خاں قوم افغان باجوڑی۔ ولایت سے بیس سال کی عمر میں سنہ بارہ سو بیس ہجری (۱۲۲۰ھ) میں رام پور آئے۔

[1] فصول فیض اللہ خانی ورق ۱۷۔ [2] فصول فیض اللہ خانی ورق ۱۲۔

مولوی جلال الدین نابینا۔ مفتی شرف الدین۔ اور حافظ شبراتی سے علوم وفنون پڑھے نہایت راست گو اور متقی تھے۔ امور خلاف شرع دیکھکر بلاخوف مانع ہوتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں اپنے بیٹے مولانا عبدالحق۔ حقی وصفا کے ساتھ مرادآباد گئے۔ شب کو سرائے میں ٹھہرے۔ عشا کی نماز مسجد میں پڑھکر قیام گاہ پر واپس آئے۔ وہاں ایک شخص کے پاس رنڈی کو بیٹھا دیکھا۔ تلوار لیکر جھپٹ پڑے۔ اُس شخص نے بھاگ کر جان بچائی۔ سنہ بارہ سو چھتر (۱۲۷۶ھ) میں انتقال فرمایا۔

مولوی عبدالجبار خاں آصفی

ولد قاری عبدالرزاق خاں ولد مولوی حافظ محمد عبداللہ خاں عرف حافظ کلاں۔ رام پور میں تقریباً ۱۲۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ رام پور میں اکتساب علوم کیا ابتدا میں حامی تخلص کرتے تھے۔ انتخاب یادگار میں دو شعر آپ کے اس تخلص کے ساتھ درج ہیں راقم السطور پر بزرگانہ عنایت تھی۔ خود جناب موصوف نے ۴۔ ۲۔ صفر ۱۳۳۲ھ کے خط میں جو حالات لکھے تھے نقل کرتا ہوں۔

"یہ فقیر اٹھارہ سال تک رام پور میں مقیم رہا۔ فارسی پڑھنے میں کچھ زمانہ بسر کیا۔ کچھ دنوں مولوی ولی محمد خاں صاحب رام پوری کی خدمت میں بعض کتب کا درس لیا۔ مولوی صاحب ممدوح اعلیٰ درجے کے فارسی داں تھے۔ اور دیگر علوم پر بھی حاوی تھے۔ اُن کی عمر طالب علمی ہی میں بسر ہوئی۔ انشا اور شعر اُن کا طبعی طور پر تھا۔ اساتذہ کا تتبع کم کرتے تھے۔ نازک خیال تھے۔ مجکو اُن سے اصلاح سخن کا موقع نہ ہوا۔ صرف درس کا استفادہ ہوا۔ وہ زمانہ نواب مغفرت کرام کلب علی خاں مرحوم کا تھا۔ اُس وقت سے میں نے عربی کی جانب توجہ کی مولانا عبدالقادر صاحب ولایتی مفتی رام پور سے کنزالدقائق پڑھی۔

پھر بھوپال کے علوم کی شہرت نے مجھکو برانگیختہ کیا۔ وہاں اشرف نوع انسانی علامۂ روزگار صدر کیا۔
نواب سید صدیق الحسن خاں مرحوم صدر آرائے علوم و فنون تھے۔ امارت اُن کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ فقیر کے احوال پر نہایت درجہ شفیق تھے۔ کچھ مدت تک بھوپال میں مقیم رہا۔ اور علما کی درس گاہوں میں جاتا رہا۔ اتفاق سے میرے ایک عزیز نے حیدر آباد کے حالات لکھے۔ اور زیادہ تر ادب کی ترقی ظاہر کی۔ میں حیدر آباد پہونچا۔ سالار جنگ مختار الملک کا زمانہ تھا۔ اہلِ حجاز و عراق کا مجمع تھا۔ دواوین عرب و رکتب اہلِ ادب کے مطالعہ میں مصروف ہوا۔ بحمد اللہ شعر عربی میں کم اور نثر عربی میں بہت زیادہ معلومات پیدا ہوئی۔ یہاں پر علامۂ روزگار آیۃ من آیات اللہ بحر مواج علوم ادبیہ آقا سید علی طوبی تخلص شوستری کے حلقہ درس میں شریک ہوا یہ سید عالی نسب والا حسب اہل عراق کے نامور ادبا میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے۔ واللہ باللہ اُن کی معلومات لغوی اور شواہد کلام عرب قیاس سے باہر تھے۔ قریحہ ایسا تھا کہ قلم برداشتہ سیکڑوں اشعار عربیہ لکھدیتے تھے۔ اور یہی حال نثر عربی اور فارسی کا تھا۔ چنانچہ فقیر کی کتاب محبوب الکلام موسوم بہ سہ نثر آصفی نظام پر علامہ ممدوح نے برداشتہ قلم جو تقریظ لکھی ہے اُس سے اُن کی علمی پایہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ علامہ سید نعمت اللہ جزائری کے خاندان اور سادات نوریہ سے تھے۔ یہ مذہب امامیہ رکھتے تھے مگر کمال درجہ مہذب تھے۔ اُن کی وجہ سے اکثر اہلِ علم کے مجالس اور محافل میں کلام پیش کرنے کا موقع ہوتا تھا۔ عربیت میں فقیر سید علی خاں موسوی صاحب سلافۃ العصر و انوار الربیع کا تتبع کرتا ہے۔

قصائدعربیہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے تتبع میں لکھے ہیں۔ ایک قصیدہ بو فراس کے قصیدہ پر لکھا ہے۔ جو طبع ہوگیا ہے۔ دیوان متنبی۔ حماسہ۔ مقامات حریری۔ مقامات بدیع الزماں۔ ہمدانی۔ اکثر طلبا کو پڑھاتا ہے۔ یہ علوم تو دنیا کے تھے اور دین سے بھی ان کا زیادہ تعلق ہے کہ ادب کا انحصار اکثر احادیث نبویہ اور اخبار صحابہ اور کتب سیر وں میں ہو چکا ہے۔ اور دنیا کے ارذل فن یعنی فارسی کی شاعری جو اس زمانہ میں نہایت چشم حقارت سے دیکھی جاتی ہے۔ بمقتضائے طبیعت اُس کی تکمیل میں زیادہ وقت صرف ہوا۔ شعرا کا ہم طرح رہا۔ امرا کی مدح میں قصائد لکھے۔ شوکت بخاری۔ شیخ علی حزیں۔ ظہیرائی تفرشی۔ مرزا صائب۔ مرزا عبدالقادر بیدل رحمہم اللہ کے کلام سے ہمیشہ توغل رہا۔ طالب آملی کے قصائد اور غزل سے بہت کچھ لطف اُٹھایا۔

فقیر کی تصانیف سے اس وقت کتب ذیل موجود ہیں۔ سہ نثر آصفی محبوب الکلام ملا نورالدین ظہوری کے طرز پر بمدح غفران مکاں نواب میر محبوب علی خاں نظام الملک آصف جاہ سے اسکو طبع ہوئے پچیس تیس سال کا زمانہ گزرا ہے۔ انصاف طلب ہے (یہ کتاب فارسی مطبع اخبار آصفی حیدرآباد دکن میں سنہ ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی ہے۔ سہ نثر ظہوری کو سامنے رکھکر مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسے نفوس بھی ہیں)۔ مرآت الفردوس بطرز حسن عشق نعمت خان عالی ابھی طبع نہیں ہوئی ہے۔ پندرہ اجزا میں ہے۔ آثار الاقبال یہ عمارات دکن کے مختص حالات میں سات آٹھ جز کا رسالہ ہے۔ تاریخ دکن ناتمام ہے۔ سلک گوہر تاریخ خاندان آصفیہ علی دھر اس کتاب میں آفرینش آسمان و زمین اور ضرورت تمدن وغیرہ اور اکثر

نادر واقعات معتمدین صرف خاص کار نظام دکن لکھے گئے ہیں راے مرلی دھر قوم کایستھ سے ہیں۔ اکبرآباد کے رہنے والے ہیں۔ اِس وقت قدر قدرت اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر نظام الملک آصفجاہ کے صرف خاص میں صدر مدارالمہام ہیں۔ فقیر کا اُن سے تعلق خدمت ہے۔ نظام سروری۔ صرف خاص اور دیوانی کے حکام کی مختصر تاریخ منظوم ہے۔ طبع نہیں ہوئی ہے کلیات نظم آصفی۔ زیر طبع ہے۔ اول کلیات میں قصاید ہیں۔ حمد اور نعت اور سلاطین دکن اور امراے ریاست حیدرآباد کی مدایح کا مجموعہ ہے ان قصاید میں تین قصیدے ایک ہی زمین میں ہیں۔ ایک نعت رسالتمآب علیہ السلام میں۔ دوسرا بمدح جناب نواب سید حامد علی خاں صاحب بہادر رئیس رام پور۔ تیسرا بمدح نواب میر عثمان علی خاں بہادر فرمانرواے دکن ہے۔ تذکرہ نویسی میں ایسے مقامات پر شاعری کی تلاش اور زور طبیعت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ خاکسار نے جن نامور شعرا کے تتبع کی تصریح کی ہے۔ اکثر قصائد اُنہیں کی روش پر لکھے ہیں۔ ملاحظہ کے وقت یہ امر منکشف ہوسکیگا کہ کلام کے مراتب کیا ہیں۔ (یہ کلیات اختر دکن پریس حیدرآباد میں طبع ہو رہا ہے۔ ۶۸۳ صفحات طبع ہو چکے ہیں۔)

دیوان غزلیات مکمل ہے ابھی طبع نہیں ہوا۔ رباعیات وغیرہ قطعات اسکے علاوہ ہیں۔ ارادہ ہے کہ تیس ہزار اشعار سے زیادہ کلیات نظم نہ رکھا جاے۔ بلکہ اور بھی مختصر رہے۔ کون دیکھتا ہے۔ عربی کے قصائد بعض کلیات فارسی میں شریک ہوکر طبع ہوے ہیں۔ عربی مکاتیب غیر مرتب ہیں۔ چند اجزا مبیضہ موجود ہیں۔ طبع ہونے کا موقع نہیں آیا۔ یہ جتنے مولفات فقیر ہیں محض ورد سر اور دنیا کی نمود کا سرمایہ ہیں۔ اس وقت میں

ایسے خیالات لاطائل تصور کئے جاتے ہیں۔ اب میں اپنی دینی خدمات کو ملاحظہ شریف میں پیش کرتا ہوں جنسے مجھکو بارگاہ واہب العطیات سے امید قوی ہو کہ اپنے حبیب اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تصدق میں میرا خاتمہ بخیر فرمائیگا۔ نورالانوار شرح المنار اصول فقہ کا ترجمہ موسوم بہ جلاء الابصار دو جلدوں میں طبع ہوکر شائع ہوچکا ہے۔ اس ترجمہ میں حل کتاب اور مطالب شرح و متن کا اختصار کے ساتھ التزام رکھا گیا ہے۔ (جلد اول اُردو مطبع مفید عام آگرہ میں مع فہرست مضامین نہایت خوشخط عمدہ کاغذ پر ۱۳۱۹ھ میں ۲۹۳ صفحہ پر اور جلد دوم اُردو۔ اسی شان سے اُسی مطبع میں ۱۳۲۰ھ میں ۲۹۵ صفحہ پر طبع ہوئی ہے۔) شمائل الرسول۔ یہ مختصر کتاب جامع اقوال وافعال وصفات ذات ہمایوں وعام طرز معاشرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ عورتوں۔ بچوں۔ بڑوں سب کے لئے حرز ایماں ہے۔ (یہ کتاب اردو ترجمہ وسائل الوصول الی شمائل الرسول مولفۂ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رئیس محکمہ حقوق بیروت کا ہے۔ مطبع مفید عام آگرہ میں ۱۳۱۶ھ میں خوشخط اور اچھے کاغذ پر ۲۷۲ صفحہ چھپا ہے) معجزات نبی الوریٰ یہ جلیل الشان کتاب خصائص کبریٰ مولفۂ امام ہمام شیخ جلال الدین سیوطی کا (اُردو) ترجمہ ہے اسلام میں ایسی کتاب جامع معجزات وخصائص ذات نبوی علیہ وآلہ الکرام الصلوۃ والسلام آج تک جمع نہیں ہوئی بھرا سرار ہے پندرہ سو صفحوں سے زیادہ میں طبع ہوئی ہے اسکی دو جلدیں ضخیم ہیں۔ اس ترجمہ کے صلہ میں اللہ تعالیٰ جلشانہ کے کرم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے نواب ہمایوں دریا دل میر عثمان علی خاں بہادر رئیس حیدرآباد نے ڈیڑھ سو روپے منصب ایں جاری فرمایا ہے (جلد اول)

نہایت خوشخط عمدہ کاغذ پر ۴۷۴ صفحہ پر ۱۳۱۲ھ میں مطبع مفید عام آگرہ میں چھپی ہی دیباچہ کے ۶۰ صفحے اور فہرست مضامین کے ۲۰ صفحا اور غلط نامہ کے ۱۲ صفحہ اس سے علحدہ ہیں۔ جلد دوم ۸۴۷ صفحہ پر شمس المطابع حیدر آباد دکن میں ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ میں طبع ہوئی ہی۔ فہرست مضامین کے ۴۲ صفحے علحدہ ہیں۔ اس ترجمہ کے بعد خاکسار نے مواہب لدنیہ کا ترجمہ شروع کردیا ہی۔ اس وقت فتح مکہ کا احوال لکھا جاتا ہی اللہ تعالیٰ کے فیض عمیم سے قوی امید تھی کہ یہ ترجمہ بھی زاد آخرت ہو۔ ان تالیفات کے علاوہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلافی مسائل میں ایک رسالہ بزبان اُردو ہی۔ ایک رسالہ موسوم بہ شواہد النجوم ہی۔ قول فیصل بزبان فارسی یمین السلطنۃ وزیر دکن کے اِس شعر کے باب میں ہے۔

سکہ زد از فضل یزدانِ زمن میر محبوب علی خانِ دکن

سید مرتضیٰ فلسفی بلگرامی نے یزدانِ زمن کی ترکیب پر اعتراض کرکے ایک رسالہ لکھا جس کا نام آب زر ہی۔ اِس کے جواب میں خادم نے بایمائے یمین السلطنۃ ممدوح رسالہ مرتب کیا مگر طبع نہ ہوسکا باہم صلح ہوگئی۔ غرض چھوٹے چھوٹے رسالے مختلف علوم میں بہت سے لکھے ہیں۔ بعضے نامکمل رہے بعض مکمل جن کی طبع کا موقع نہیں آیا۔ بلکہ شعروانشا جن کے ساتھ دلی رغبت تھی۔ دس پندرہ سال سے دینی خدمت کے مقابلہ میں بیکار بلکہ بیہودہ خیال تصور کی گئی ہی۔ اور یہی خیال ہی کہ حتی الامکان عمر عزیز دینی مشاغل میں صرف ہو تو اچھی زندگی ہی۔ امید ہی کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دنیوی ضرورتوں سے نہایت درجہ فارغ البال کیا ہی۔ بطفیل شافع محشر علیہ وآلہ الصلوۃ والسلام آخرت کی عقوبات سے محفوظ رکھیگا

خاکسار کو اس وقت چار سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے المعالی سو دفتری خدمت کے اور ڈیڑھ سو منصب کے محکمہ صدر المہامی صرف خاص سرکار نظام دکن میں اس وقت منتظم ہوں۔ اور اکثر علاقیات صرف خاص کا خاکسار سے تعلق ہے۔ جن حکام سے خدمات کا تعلق رہا وہ یہ نامور لوگ ہیں۔
کرنل نواب افسر الملک کمانڈر انچیف افواج باقاعدہ سرکار عالی کی برگیڈ آفس میں اور ایڈیکانی کے دفتر میں میر منشی کی خدمت دو سال تک ادا کی۔
کرنل مارشل صاحب سکرٹری سرکار نظام کے دفتر میں دو سال سررشتہ دار رہا۔
نواب آصف نواز الملک معتمد صرف خاص کے دفتر میں پانچ سال تک کام کیا۔
نواب سرور جنگ معتمد پیشی سرکار نظام کے دفتر میں دو سال سررشتہ دار رہا۔
سرور جنگ بہادر کے بعد مولوی احمد حسین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل کی خدمت میں آٹھ دس سال تک رہا۔ ان کے ذمہ پیشی غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں فرمانروا دکن کا کام تھا۔ انکے عہدے بدلتے رہے۔ کبھی پرسنل سکرٹری رہے۔ اور کبھی انڈر سکرٹری اور اب یہ صدر المہام پیشی نواب میر عثمان علی خاں بہادر فرماں روائے حیدرآباد ہیں۔ اسکے بعد بعہد غفران مکان صدر محاسبی صرف خاص میں منتظمی کا کام ڈیڑھ سال انجام دیا۔ پھر معتمدی صرف خاص میں لیا گیا۔ اب راجہ مرلی دھر بہادر صدر المہام صرف خاص سے تعلق ہے۔ محکمہ معتمدی اور صدر المہامی میں منتظم ہوں۔ اور نہایت فارغ بالی سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ الحمد للہ علی کل حال۔

اولاد کی حالت یہ ہے کہ رام پور میں فیاض خاں جمعدار برادر سالار خاں کی نواسی سیجرد و لطافاں صاحب اور عباس خاں کی ہمشیرہ زادی کے ساتھ فقیر کی شادی ہوئی تھی۔ اس بی بی سے چار لڑکیاں اور ایک

لڑکا پیدا ہوا تھا۔ لڑکا عین نشو ونما کی حالت میں راہی عدم ہوا۔
لڑکیوں سے ایک قبل شادی کے فوت ہوئی۔ دو لڑکیوں کی شادی
بھی طیر خاں پر اور عادل شیر خاں ساکن شاہ آباد (تحصیل رام پور) کے
دو فرزندوں کے بعد ہوئی بڑی لڑکی کے دو نرینہ فرزند موجود ہیں۔
شوہر کا انتقال زمانۂ طاعون میں ہوگیا۔ اب بڑی لڑکی چندوسی میں
مقیم ہے۔ اس کے فرزند زیر تعلیم ہیں منجھلی لڑکی مرگئی۔
حیدرآباد میں فقیر نے ثانی عقد کیا۔ یہ عورت نواب بہرام الدولہ شیر جنگ
کی نواسی ہے۔ جو رؤسائے فرخ آباد مئو سے تھے۔ اس کے بطن سے دو
لڑکیاں اور تین لڑکے موجود ہیں۔ بڑے کا نام عبدالوہاب خاں منجھلے کا
نام عبدالسلام خاں۔ چھوٹے کا نام عبداللہ خاں ہے۔ بڑا سیزدہ سالہ
منجھلا یازدہ سالہ چھوٹا سہ سالہ ہے۔ ان کی تعلیم جاری ہے۔ مغل پورہ جو قدیم
محلہ ملک حیدرآباد کا ہے ۳۵ سال سے اس میں مقیم ہوں۔ مکانات
ذاتی ہیں۔ انتہیٰ کلامہ۔
اگر میں خود اِن بزرگ کے حالات لکھتا تو کبھی اِس خوبی سے بیان نہ کرسکتا۔ اِس لیے
اصل خط نقل کردیا۔ آپ ہمہ تن خیر مجسم تھے۔ گو ذرایع آمدنی محدود تھے۔ مگر مہمان
کے لئے ہر وقت دستر خوان وسیع رہا۔ اور حاجت روائی میں دریغ نہیں ہوا۔
علامۂ مولانا محمد طیب مکی مرحوم بھی اتفاق سے حیدرآباد پہونچ گئے تھے۔ عربوں کی
مہمان نوازی مشہور ہے۔ مگر وہ آپ کی مہمانداری کے بدرجہ غایت شکر گزار ہیں۔
حسن صورت حسن سیرت دونوں جمع تھے۔ علمی مشاغل کا کیا کہنا۔ خود تالیف آپ کی
لیاقت پر شاہد عادل ہیں۔ راقم صرف تذکرہ نگار ہے۔ تبصرہ نویس نہیں۔ اور نہ ایسی
لیاقت ہے کہ علما کے کلام پر تبصرہ کرسکوں بہر حال اس قدر ضرور کہوں گا کہ آج کل

ایسے متبحر اور علمی ذوق کے آدمی بہت کم ہوتے ہیں۔ فقیر راقم کے حال پر بزرگانہ عنایت تھی اور فقیر کے خاندان سے اتحاد دیرینہ۔ باوضع۔ خلیق اور دوست نواز تھے۔ ۴۔ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ کو حیدر آباد میں انتقال ہوا۔

مولوی عبدالحق خاں تخلص حقی و صفا

ابن محمد افضل خاں ابن محمد ظریف خاں قدرزی و کمال زی۔ سنہ بارہ سو اٹھتر ہجری (۱۲۷۸ھ) کے قریب رام پور میں پیدا ہوئے۔ فارسی مولوی ولی محمد خاں تسبل سے اور مدرسۂ عالیہ رام پور میں پڑھی۔ شرح جامی تک کتابیں مولانا ارشاد حسین مجددی کے مدرسہ میں پڑھیں منطق۔ حکمت۔ اور اصول فقہ مولوی حکیم نظر علی ولد حکیم کرامت علی امروہوی سے حاصل کی۔ عین جوانی میں کہ پچیس سال کی عمر تھی سماعت مطلق جاتی رہی۔ اور تنجیر کا دورہ پڑنے لگا۔ شعر و شاعری کا شوق تھا۔ فارسی میں حقی اور اردو میں صفا تخلص کیا کرتے تھے۔ آسیر۔ امیر مینائی۔ اور جلال لکھنوی کی خدمت میں کلام دکھاتے تھے۔ دو دیوان نعتیہ اور چار دیوان کلام عاشقانہ اردو میں اور ایک فارسی میں جمع کر چکے تھے۔ بیرونجات میں درس کی نوکری سے گزر کرتے تھے۔ عدم سماعت اور مرض تنجیر اور عسرت شدید نے بدحواس کر دیا تھا۔ افسوس کہ ۱۳۳۲ھ میں رام پور میں بحالت ترتیب کتاب ہذا انتقال ہو گیا

مولوی حافظ قاری عبدالحق

آپ کا آبائی وطن رام پور محلہ نجا بیاں ہو۔ علم تجوید کے ماہر اور عمدہ قاری تھے کتب فارسی کے علاوہ عربی صرف و نحو کی کتب درسیہ بھی جانتے تھے قرآن مجید کے متعلق معلومات متوافرہ رکھتے تھے مسائل فقیہ ضروریہ میں بھی مہارت تھی۔ نہایت پرہیزگار اور خدا پرست تھے۔ یہ انکی دینداری کا ثمرہ ہو کہ مولانا فضل حق رام پوری۔ اور حکیم محمد نبی جیسے فاضل فرزند یادگار ہیں۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں تیرہ سو انتیس ہجری (۱۳۲۹ھ) میں انتقال فرمایا۔

مولوی عبدالحق شمس العلما

ولد مولوی فضل حق خیرآبادی۔ دہلی میں بارہ سو چالیس ہجری میں ۱۲۴۰ھ پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں درسیات ختم کر لئے۔ پھر اپنے والد کے ہمراہ بہارنپور گئے۔ چند سال وہاں قیام رہا۔ بعد کو الور گئے۔ اور وہاں عائدین ریاست میں داخل ہوگئے۔ الور میں آپ تھے کہ سنہ ستاون کا غدر ہوگیا۔ اور آپ الور سے دہلی چلے آئے۔ آپ کے والد کالے پانی بھیجے گئے۔ اور آپ خیرآباد چلے گئے۔ اپنے وطن سے ریاست ٹونک تشریف لے گئے۔ دو سال تک نہایت عزت اور عظمت سے وہاں رہے۔ ٹونک سے کلکتہ گئے۔ آپ کی علمی شہرت ہندوستان میں خوب ہو چکی تھی۔ مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں ملازم ہو گئے۔ ۱۸۶۱ء میں آپ کلکتہ میں تھے۔ چند سال وہاں قیام کیا۔ مگر نازک مزاجی نے وہاں زیادہ قیام نہ کرنے دیا۔ اپنی وضع کے سخت پابند تھے۔ جب قدیمی وضع میں تغیر کرنے کا موقع آتا تو ترک تعلق کر دیتے تھے۔ اخیر میں ریاست رام پور میں آئے۔ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے (۱۲۸۱ھ تا ۱۳۰۴ھ) وہ عزت کی کہ پھر آپ نے رام پور سے باہر قدم نہ رکھا یہاں حاکم مرافعہ اور مدرسۂ عالیہ کے افسر رہے۔ علاوہ تنخواہ کے بھی سال میں نواب خلد آشیاں دو تین ہزار روپے کا قرض ادا کر دیتے تھے۔ جو روپیہ آیا نوکروں کو دیدیا۔ جو حساب پیش کیا منظور کر لیا۔ کبھی کسی رقم کی بابت سوال نہیں کرتے تھے۔ کار پرداز مالامال ہو گئے۔ غذا بہت تھوڑی تھی۔ پان کثرت سے کھاتے تھے۔ صبح کے وقت ملنے والوں کا دربار لگا ہوتا تھا۔ طلبا بھی کتابیں لئے بیٹھے ہیں۔ تصانیف کے کاغذ سامنے ہیں۔ دوستوں سے باتیں بھی کرتے ہیں۔ اپنی تصنیف بھی جاری ہے۔ طلبا کو پڑھا بھی رہے ہیں۔ اکثر وہ طلبا آتے تھے۔ جو پہلی سب کتابیں پڑھ چکے تھے۔ طلبا کے ساتھ بھی نازک مزاجی تھی

سلہ روئداد اسلامی مجلس مذاکرۂ علمیہ کلکتہ سال ہشتم۔

ناراض ہو کر سب کو نکال دیتے تھے جس نے ایک سبق پڑھ لیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر نہیں جاتا تھا۔ مہینہ مہینا بھر سبق نہیں ہوتا تھا۔ طلبا آپ کے ملنے والوں سے سفارش کراتے تھے۔ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی بدرجۂ کمال تھا۔ دوستوں کی پرورش غربا سے ہمدردی۔ ایثار مال سب کچھ حسنات جمع تھے۔ اسلامی جوش بدرجۂ کمال تھا۔ انگریزی لباس اور طرز سے سخت متنفر تھے۔ بزرگان دین کے حالات پر اکثر رو پڑتے تھے۔ شاہ حاجی اللہ بخش تونسوی سے بیعت تھے۔ نواب خلد آشیاں کے انتقال کے بعد خیرآباد تشریف لے گئے۔ جنرل اعظم الدین خاں نے آٹھ مہینے کی رخصت بلا طلب دی۔ مگر آپ ختم رخصت کے بعد تشریف نہیں لائے۔ اسی زمانہ میں حیدرآباد تشریف لے گئے۔ ریاست نے بہت اہتمام سے استقبال کیا۔ اور دو سو روپے ماہانہ بطور منصب مقرر کر دیا اعلیٰ حضرت بندگان حضور پر نور جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ کے با اختیار ہونے پر ۲۳۔ مئی ۱۸۹۶ء کو رام پور آئے۔ حضور پر نور نے بھی چند سبق معقول کے پڑھے۔ اور وہی مراتب اور اعزاز قائم کر دیے۔ جو نواب خلد آشیاں کے عہد میں تھے۔ برٹش گورنمنٹ نے بلا طلب شمس العلما کا خطاب دیا۔ اس خطاب کی اُن کی شہرت علمی کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہے۔ آپ کی تصانیف کو یہ رتبہ ملا کہ حجاز اور مصر میں بھی داخل درس ہیں۔

دوبارہ کے قیام رام پور میں دو سال کے بعد امراض جگر کی شکایت ہوئی وطن کو گئے۔ اور وہاں شوال کی تیئیسویں تاریخ تیرہ سو سولہ ہجری (۱۳۱۶ھ) کو انتقال ہوا۔ اور مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کے مزار میں دفن ہوئے۔ لوح مزار پر حضرت امیر مینائی مرحوم کی یہ تاریخ کندہ ہے۔

شمس العلما بہ ظلمت دہر	چوں تیر زابر تیرہ برجست
بر لوح مزار امیر بنویس	آرام گہ امام وقت است
	۱۳۱۶ھ

آپ کی وفات کی خبر مصر میں پہونچی تو جامع ازہر میں ایک ہفتہ کی تعطیل ماتمی ہو گئی۔ آپ نے ایک فرزند رشید مولانا اسد الحق یادگار چھوڑے۔ تصانیف میں یہ کتابیں ہیں۔ حاشیہ قاضی مبارک مطبوعہ۔ شرح سلاسل الکلام۔ حاشیہ جدیدہ پر غلام یحیی۔ رسالہ مفردہ فی تحقیق التلازم۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ۔ جواہر غالیہ۔ شرح مسلم الثبوت۔ تسہیل الکافیہ۔ شرح میرزاہد امور عامہ۔ حاشیہ حمداللہ۔ شرح سلم۔

مولوی عبد الحق

خلف[1] ملا محمد عمران رام پوری اپنے باپ کے شاگرد تھے۔ بارہ سو بانوے ہجری (۱۲۹۲ھ) میں ملک دکن میں انتقال کیا۔

حکیم سید عبد الخالق

ولد سید امام الدین۔ آپ کے باپ آنولہ سے رام پور میں آئے۔ اور آپ یہیں پیدا ہوئے۔ کنڈہ والے باغ کے قریب رہتے تھے۔ فارسی شیخ احمد علی سے پڑھی۔ فارسی میں اعلی درجہ کی استعداد تھی۔ اور اس کے استاد مانے جاتے تھے۔ صرف ونحو عربی حافظ غلام نبی سے اور اپنے بھائی حکیم رحیم الدین سے پڑھی۔ حکیم علی حسین لکھنوی سے کتب طبیہ پڑھیں اور انھیں کے ہاں مطب کیا۔ فارسی اور طب کا درس برابر رہا۔ نہایت پرہیزگار اور تہجد گزار آدمی تھے۔ ریاست میں زمرہ حکما میں ملازم تھے اور زنانہ محلات کا علاج کرتے تھے۔ اپنے انتقال سے پہلے حالت صحت میں ایک شخص سے کہا تھا کہ میں فلاں روز مروں گا۔ رام پور میں تقریباً تیرہ سو ہجری (۱۳۰۰ھ) بعد انتقال۔ اور اپنے محلہ کی سیدوں والی مسجد کے متصل فنائے مسجد میں دفن ہیں۔ پختہ مزار ہے۔ اولاد ذکور نہیں۔

عباس خاں تخلص عباس

صاحب تذکرہ تکملۃ الشعرا لکھتے ہیں کہ جوان وجیہ وقابل۔ اہل ہنر اور اہل دل کا

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔

قدردان۔ وطن اصلی ضلع لاہور ہے۔ مدت سے کشمیر میں اکر قیام کیا ہو اب رام پور میں قیام ہے۔ آدمی خوش خلق اور متواضع ہے۔ اکثر اُردو شعر کہتا ہے۔ محمد قائم چاند پوری کا شاگرد ہے۔ تھوڑے روزوں سے فارسی میں بھی شعر کہتا ہے۔ طبیعت مناسب ہے۔ جو اشعار اپنے ہاتھ سے لکھکر دئے وہ درج ہیں"۔

ملا عباس خاں تیراہی

کیت والی مسجد کے عقب میں رہتے تھے۔ عالم اور فقیہ معلوم ہوتے تھے صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ زمانہ وفات کا معلوم نہیں ہوا۔

حکیم عبدالرسول

حکیم[۵۱] بایزید کے معاصر ہیں۔ قاضی سکندر کو سوزاک ہوا اور اُسی میں قاضی صاحب کا انتقال ہوا یہی حکیم اُن کے معالج تھے۔

ملا عبدالرحمن قوہستانی

رام[۵۲] پور میں نواب فیض اللہ خاں بہادر کے عہد میں (۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) تھے پہلے نجیب آباد میں رہتے تھے۔ اکثر علما کا سلسلہ تعلیم آپ تک منتہی ہوتا ہے۔

حکیم محمد عبدالرحمن خان

فرزند اکبر حکیم محمد شاہ نواز خاں رام پور میں پیدا ہوئے اور طب اپنے والد سے پڑھی۔ اور مطب بھی اُنھیں کی خدمت میں کیا۔ جمعدار فتح خاں کی دختر سے شادی ہوئی۔ اُسی محلہ میں رہتے تھے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزی سواروں میں نشانچی ہوگئے۔ چونسٹھ برس کی عمر میں انتقال ہوا اور جمعدار فتح خاں کی قبر کے برابر محلہ فتح خاں کے گھیر میں دفن ہوئے۔ حبیب الرحمن خاں ایک فرزند یادگار ہیں۔

---

[۵۱] فصول فیض اللہ خانی ورق ۳۵۲۔ [۵۲] فصول فیض اللہ خانی ورق ۳۵۱۔

مولوی عبدالرحمن خاں

ابن مولوی حاجی عبداللہ خاں ابن مولوی حاجی محمد سعید خاں تیراہی۔ محلہ شوٹر میں
مکان تھا۔ فاضل بے بدل تھے۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں
کہ ہر مجمع میں مباحثہ کرتے تھے۔ اور نکتہ بعید الوقوع بہت فرماتے تھے۔ مدارس کو بھی
گئے تھے۔ اسی طرح باطنی حالت بھی۔ اولیاء اللہ میں شمار تھا۔ اولیاء اللہ میں شمار تھا۔ شاہ
شاہ عبدالعزیز آپ کو فضیلت پناہ۔ فضیلت مآب۔ عزیز القدر۔ محبت دستگاہ لکھا کرتے تھے۔
بارہ سو چوبیس ہجری (۱۲۲۴ھ) میں انتقال کیا۔ اور اپنے محلہ کی مسجد میں دفن ہوئے۔
"للہ حسن الطاف خفیہ" تاریخ وفات ہے۔ مرحوم کے نام شاہ عبدالعزیز اور ان کے
اعزہ کے جو خطوط آئے ہیں وہ تبرکاً نقل ہیں۔ ان خطوط سے بعض واقعات علمی بھی واضح ہونگے۔

خط شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ

فضائل مراتب گرامی قدر اخوان زادہ عبدالرحمن مع برادران سلمہم اللہ تعالیٰ۔
از فقیر عبدالعزیز بعد سلام مسنون اشتیاق مشحون مطالعہ نمایند۔
کہ الحمد للہ علی العافیۃ والمسئول من جناب الکریم ان یعفنا وایاکم۔
رقیمہ کریمہ ایشاں رسید۔ وعافیت معلوم شد۔ شکر آلہی بجا آوردہ شد۔
انشاء اللہ تعالیٰ۔ رسالہ معہودہ بر دکان محمد صالح رسانیدہ خواہد شد۔
برادر صاحب بزرگ شاہ محمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ در بلدہ لکھنؤ چھاؤنی نواب
محمد افضل خاں می باشند۔ بخیریت اند۔ اکثر خطوط ایشاں می آیند خاطر جمع
دارند و دیگر ہمہ وجوہ خیریت است۔ مگر غلبہ کفار و غلبہ آنہا دریں بلاد و انسداد
طرق معاش مسلمین خصوصاً زمرۂ فقرا و علما بسیار ہمزہ میدارد حق تعالیٰ
غلبہ اسلام و انفتاح ابواب جمعیت ظاہر و باطن نصیب فرماید زیادہ بجز
دعائے خیر چہ نویسد۔ والسلام۔۔

"فضائل مآبان عزیز القدر اخون زاده میاں عبدالرحمن و دیگر فرزندان حاجی صاحب مرحوم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ از فقیر عبدالعزیز بعد سلام مسنون الاسلام مکشوف باد کہ صحیفۂ ایشاں رسید مرقوم بود کہ چند مرتبہ خطوط فرستادہ اند۔ وجواب آنہا نرسیدہ۔ بایں جانب تا حال خطی نرسیدہ بود والا چہ امکان است کہ در تحریر جواب قصور و تہاون میکردیم۔ ہمیں خط بدست ہرکارہ رسید۔ بلکہ ایں جانب را تفکر و تردد بسیار از طرف آں برادران دینی میماند کہ کجا ہستند۔ وبچہ طورے باشند کسے کہ واقف حال ایشاں باشد تا حال در نخوردہ۔ ودریں خط ایشاں از تفصیل باحوال چیزے مرقوم نبود۔ بنا برآں انتظار خاطر ہنوز باقی ماند۔ فقیر را در حق خود با داعی بالخیر تصور نمایند وانچہ از سوء اعتقاد اغنیا و نوابان آں دیار نوشتہ بودند فی الواقعہ کہ ہمچنیں شنیدہ میشود۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دریں ملک از زمانے کہ غلبہ جاٹ و مرہٹہ رو دادہ وصورت اسلام کہ سابق بود اگرچہ خالی از مغنی بود برہم خوردہ انواع ایذا بجمیع مسلمین خصوصاً باہل علم و صلاح از طرف ایشاں میرسد۔ بنا برآں قصد مصمم میشود کہ طرفے ہجرت باید کرد۔ و بجمع اہل اسلام حالا در ملک ہندوستان غیر از اں مکان بنظرے آید۔ لیکن بجہت شنیدن سوء اعتقاد مردم آں دیار دریں مقدمہ توقف مے نمایم۔ وبچار و ناچار تا حال دار الحرب اقامت گزیدہ ایم۔ اگر نوبت باضطرار رسید بے اختیار شدہ شاید بہماں طرف برسیم وایں اعتقادات فاسد اغنیا را آنجا رفع سازیم لکن الہدایۃ والضلال بید اللہ تعالیٰ۔ فقیر سابق در رد ایں تہمت رسالہ ہم نوشتہ است۔ انشاء اللہ تعالیٰ نقل آں متعاقب فرستادہ خواہد شد۔ سجادہ صاحب

کلاں حضرت شاہ محمد صاحب ہنوز در لکھنؤ توقف دارند خطوط ایشاں اکثر
مے آیند و خیریت ایشاں دریافت مے شود بالفعل از چند ماہ ہمراہ نواب
افضل خاں برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم مے باشند و نواب افضل خاں
خدمت ہم میکنند۔ بخیریت اند۔ خاطر جمع باید داشت۔ و نام جمیع فرزندان
حاجی صاحب حاجی محمد سعید جیو البتہ البتہ علی قلمی باید نمود کہ در اوقات
دعا تعیین اسما یاد کردہ شود۔ اللہ تعالیٰ ہمہ را توفیق حسنات و مرضیات
خود عنایت فرماید و از مکروہات ظاہرہ و باطنہ محفوظ دارد۔ اخون زادہ میاں
عبداللہ خود سابق ملاقات کردہ اند و از نام ایشاں واقفیت تمام است
لیکن دیگر برادران نہ ملاقات کردہ اند و نہ از نام ایشاں واقف ایم۔
البتہ اطلاع باید داد۔ زیادہ بجز دعائے خیر ظاہر و باطن چہ نویسد۔
از طرف میاں رفیع الدین و میاں عبدالقادر و میاں عبدالغنی ہر سہ
برادران فقیر سلام و دعائے خیر مطالعہ نمایند بست و یکم ربیع الثانی۔"
فضیلت مآب گرامی قدر سلمکم اللہ تعالیٰ۔ از فقیر عبدالعزیز بعد سلام
محبت التیام مکشوف خاطر عاطر باد کہ رقیمہ کریمہ بعد مدت وصول آورد
واحوال مرقومہ بوضوح انجامید۔ شکایت عدم ارسال رقایم و مراسلات کہ بقلم
آمدہ بود ظاہراً آن گرامی قدر را احوال فقیر معلوم نیست۔ کہ در کدام حالت گزشتہ
است۔ از مدت چار سال مرض صعب عارض گشتہ کہ از ہمہ امور معطل ساختہ
و از یک و نیم سال شدنے است۔ کہ اصلاً حواس باقی نگذاشتہ خصوصاً درین
ایام کہ گفت و شنود ہم متعذر است۔ و از مدت ابتدا بکسے خطے نویسم ہر گاہ
خط کسے می آید و جواب نوشتن واجب میگردد نا چار جواب نگاشتہ آید
و آں ہم بدست خود مے توانم۔ اکثر خطوط فقیر کہ با آشنایان میروند

تفتیش باید کرد کہ دستخطی ایں جانب نمی باشد۔ قبل ازیں عبارت اززبان خود میگفتم۔ وکسے دیگرے نوشت حالا از چند روز املا بر غیرہم نمیتوانم۔ بلکہ مطالعہ خطوط و دیدن آنہا و دریافت مطالب کہ موافق آں جواب نویسانیدم مشکل شدہ۔ وشب و روز در عجب حالات میگذرد۔ کہ تحریر آں ممکن نیست۔ تعلق بمشاہدہ دارد۔ کسی کہ دریں حالت فقیر را در نیولا دیدہ ازو دریافت باید کرد کہ چگونہ میگذرد۔ غرضکہ حالتی ست۔ کہ نہ حیات تواں گفت و نہ موت۔ و ہر کہ دراں زمانِ سابق دیدہ بود والحال ملاقات نماید۔ ہمیں داند۔ کہ گویا آں شخص نیست دریں حالت معذور ست۔ واطلاق لفظ پلید و خبیث کہ بر یزید در تحفۂ اثنا عشریہ واقع شدہ بنا بر حدیث ست کہ فردوس دیلمی و دیگر کتب و صاحب صواعق محرقہ ہم آں حدیث نقل کردہ بلکہ بروایت حاکم ہم ثابت شدہ کہ "اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ یسمی بیزید۔" وبروایتی "اول من یثلم فی امر امتی" و ہر کہ تبدیل سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کند یا سوراخ یعنی خلل در امر امت ای جناب اندازد البتہ خبیث و پلید ست در خباثت و پلیدیت وے جائے شک نیست۔ وتعریضات درباب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نشدہ۔ اگر در نسخہ از تحفۂ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسی خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رفضہ از قدیم بر ہمیں امور ست ایں کار کردہ باشد۔ چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظاً ایں تعریفات۔ در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔ و مرد قندھاری مسن و معمر کہ شکایت آوردہ بود۔ پس دفع شکایت او آنست کہ ذلت و قلت باعتبار دنیا امر معیوب نیست۔ در فتوح عراق از مغیرہ بن شعبہ منقول ست کہ

گفت مع العرب کا نوا ذلیلین فاعزہم اللہ بالاسلام ۔ و دریں زمان شرف الشرفا
کہ سادات اند دریں ضلع ملاحظہ باید کرد کہ بچہ طور در دست کفار گرفتار و عزت گیرا
کفار غنیمت می دانند۔ و ذلیل اند۔ امانز د مسلمان عزتے کہ بسبب نسب و اتصال
آنہا در نسب بہ پیغمبر ست موجود ست۔ آں عزت سادات بسبب ذلیت شدن
و در دست کفار ذلیل ماندن نخواہد رفت۔ افاغنہ قندھار را ہمیں قسم ذلت دنیا
بود و آں ہم در وقت سلاطین صفویہ بود۔ الحال آن ذلت ہم نماندہ۔
پس جاے شکایت نیست کہ احوال زمان ماضی گفتہ شدہ و ایں ہرگز عیب
نیست۔ بلکہ مردمان خود بیان مے کنند کہ ما در زمان گزشتہ چنیں بودیم۔
الحال اللہ تعالیٰ ما را ایں عزت دادہ بلکہ ایں بیان از قبیل بیان نعمت
الٰہی ست۔ و اما بنعمۃ ربک فحدث۔ ایں ادرا یاد کردہ[له] شد باید کرد۔ کہ ما را
عزت بعد از ذلت عطا فرمود۔ و اما حدیث صحیح ست و در معنی حدیث اشکال
نیست۔ ہرگاہ معاویہ رضی اللہ عنہ و اتباع ایشاں از اہل شام وغیرہ باغی
شدند۔ چنانچہ ہمیں ست مذہب اہل سنت و جماعت ہرگز جاے اشکال نماند۔
و معنی یدعوہم الی الجنۃ۔ اے الی الحق یدعونک الی النار۔ اے الی الباطل
و صریح است کہ موافق اعتقاد عمار دہم چنین فی الواقع ست ایشاں آں فئتہ را
بطرف حق دعوت مے کردند و آں فئہ ایشاں را بطرف باطل و برادرم شاہ
رفیع الدین از چند روز بسمت میاں دوآب مسافر شدہ اند اگر ایشاں در آنجا
مے بودند۔ ایں ہمہ امور را بہ تحقیق و تفصیل مے نوشتند و سجع ہم گفتہ میفرستادند۔
ہرگاہ خواہند آمد سجع عربی بخاطر ایشاں خواہد رسید البتہ نوشتہ خواہد شد۔
و اسناد دلائل الخیرات سردست حاضر نبود انشاء اللہ تعالیٰ بوقت فرصت

[له] نقل مطابق اصل۔

تلاش کنانیدہ فرستادہ خواہد شد۔ و تعویذ سلاح در آخر چہار شنبہ صفر نوشتہ میشود انشاء اللہ تعالیٰ ہرگاہ نوشتہ خواہد شد آں ہم مرسول خواہد گشت۔ و تعویذ برائے ترس و خوف بہ آں گرامی قدر در جواب میرسد۔

در گلو باید انداخت۔ و اخون زادہ میاں عبداللہ برادر بزرگ آں گرامی قدر معلوم نیست کہ کجا ہستند احوال ایشاں و دیگر برادراں ہم مفصلاً بقلم بیاورند۔ الحال ہرگاہ رقیمہ بفرستند احوال ایشاں بہ تفصیل باید نوشت و بہمہ سلام مسنون رسانند۔

(نقل خط شاہ رفیع الدین دہلوی علیہ الرحمتہ) فضیلت اکتساب مودت انتساب اخون زادہ عبدالرحمٰن بن اخون حاجی محمد سعید بریلوی سلمہم اللہ تعالیٰ از فقیر رفیع الدین بعد سلام تحیۃ الاسلام معلوم باد۔ رقیمہ کریمہ ایشاں رسید فقیر بخیریت است۔ و در حق دوستاں حاضر و غائب دعوات خیر مہا میکند از صحبتہا کہ با مولوی مدن صاحب اتفاق افتاد و مذکور علمی بمیان آمدہ استفسار نمودہ بودند صحبت اول با ایشاں در مراد آباد شدہ بود۔ مولوی نور الاسلام صاحب فرزند مولوی سلام اللہ صاحب حاضر بودند۔ شخصے سوال کرد کہ بیت مثنوی مولوی روم۔

ہفتصد ہفتاد قالب دیدہ ام ہمچو سبزہ بار بار روئیدہ ام

چہ معنی دارد۔ گفتم یک معنی عام فہم دارد و یک معنی خاص فہم تقریر معنی ثانی بواقفان فن تصوف مے تواند شد۔ ازاں سکوت کردہ بمعنی اول اشتغال مینمایم۔ از روئے کتاب و سنت معلوم ست کہ حق تعالیٰ ارواح بنی آدم را از صلب حضرت آدم برآوردہ اخذ میثاق نمود۔ باز در صلب حضرت آدم مستور ساخت بعد ازاں قدر الواح کہ از صلب کسے برآوردن معتدر فرمودہ بود در صلبش مستور کرد۔ چنانچہ در وقت ندائے حضرت ابراہیم

علیہ السلام برائے حج بعض ارواح از اصلاب جواب دادند وہماں کساں را در دنیا حج میسر گردد ولبیک وتلبیہ جواب ہمیں نداست ایں احوال عوام را منسی گشتہ وانسان را بسبب کمال معرفت بیاد دادند۔ واشارت بانتقال خود از اصلاب آبا بارحام امہات واز ارحام امہات باصلاب آبا بیان کردہ وتعیین عدد ہفت صد وہفتاد محتمل ست۔ کہ محض برائے تکثیر باشد ومحتمل کہ بیان واقع باشد۔ ایشاں گفتند کہ ایں معنی نیست بلکہ معنی دیگر است گفتم آں معنی دیگر کدام ست ودریں معنی چہ قباحت ست۔ ایشاں قباحتے کہ دریں معنی تقریر کردہ وگفتند کہ مراد آنست کہ انسان را ہفت طور انقلاب ست۔ یکی خاک بودن۔ دویم غذا شدن۔ سوم خون شدن۔ چہارم نطفہ شدن۔ پنجم علقہ شدن ششم گوشت واستخوان وعروق شدن ہفتم زندہ گشتن مراد ہمیں قوالب ست۔ گفتم اول دریں ہفت مرتبہ تعبیر بہفت صد وہفتاد کردن بسیار مستبعد ست۔ دویم متکلم دیدہ ام در دیدہ ام یا روح است یا بدن ظاہر ست کہ آں ہفت انقلاب روح است۔ ومراد از بدن مجرد ہیولی ست فقط یا مع الصورہ ظاہر ست کہ صور جسمیہ ونوعیہ باقی نمے مانند تا در ہمہ قوالب یک شخص باقی ماند۔ واگر ہیولی است محققان حکما گفتہ اند کہ ہیولی وحدۃ ابہامی دارد۔ وہیولی عام اجسام واحد بالشخص فی ذاتہ نہ کل ست نہ جزء بحدوث صور اجزا او امتیاز پیابند وبعد مفارقت صور ہمہ یکے میگردد ودر جز او اشخاص متمائزہ باقی مانند۔ گفتند کہ شاید ہیولی مراد باشد وعدم امتیاز اجزا کہ تقریر میکنند غلط ست گفتم ایں خود بر صدرا خوانندگان مشہور ومعروف ست ایں را انکار کردند۔ گفتم کہ صدرا اگر موجود باشد ملاحظہ بفرمایند۔ مولوی نور الاسلام جیو کہ بر ایں انکار تعجب بسیار کردند۔

وصدرا موجود نبود۔ یک صحبت ایں ست۔ صحبت دویم در بریلی اتفاق افتاد
کہ بطریق ضیافت بخانۂ ایشاں رفتہ بودم مذکور وقت حواشی مرزا زاہد شد۔
گفتم فی الواقع نظر ایشاں بسیار غامض ست واکثر اعتراضات مردم بر ایشاں
از سوء فہم وقلت تدبر ست وما خود شاگرد ایشاں نیم۔ واکثر اعتراضات را
دفع کردہ ایم۔ اما در بعض جاہا حق بطرف مخالف است۔ گفتند ایں چنیں
کدام مقام ست۔ گفتم مثلاً مرزا میفرمایند کہ اسماء کتب فی الحقیقۃ اعلام
جنسیہ اند۔ بعد ازیں میفرمایند کہ واما دخول لا الف واللام فی کلام المولدین
مثل الکافیہ والشافیہ فالنظر الی المعانی الاصلیہ فانہا فی الاصل اوصاف۔
ودریں کلام دو بحث ست اول آنکہ دخول الف ولام تنہا در کلام مولدین
نیست بلکہ در قرآن مجید ست۔ انزل التوراۃ والانجیل وانزل الفرقان
ولقد کتبنا فی الزبور بحث دویم آنکہ الف ولام جزو ست مثل النجم
والصعق ودویم آنکہ ممنوع الدخول است مثل محمد وعلی سوم آنکہ جائز الدخول
والنزع است مثل الحسن والعباس پس دخول الف ولام چوں بر اعلام
جائز نیست چہ حاجت توجیہ ست۔ گفتند ایں ہم جوابی ست گفتم چہ جواب ست گفتند تنہا
در کافیہ وشافیہ وامثال آں ایں جواب است چوں ایں جواب را حاصلے نفہمیدم قصور فہم قائل
دیدہ بجواب نہ پرداختم وسوائے ایں چنداں مذکور نیست کہ بہ بیان بیاید۔

فضیلت پناہ محبت دستگاہ مولوی عبدالرحمن بن حاجی محمد سعید سلمہ اللہ تعالی
از فقیر رفیع الدین بعد سلام مسنون الاسلام لائح باد۔ رقیمہ کریمہ رسید
وخاطر دوستی ومحبت دار بحظے بسبب صعوبت معاش شمار رسید۔ بموجب
ایماء رقعہ بنام مولوی جمال الدین صاحب ورقعہ بنام سید قاسم علی شاہ
صاحب نوشتہ فرستادہ ام خواہند رسانید۔ امید کہ خدائے تعالی بسعی

عزیزاں گرہ کشائے فرماید آئندہ احوال خود می نوشتہ باشند والسلام۔

فضیلت و محبت دستگاہ مولوی حافظ عبدالرحمٰن بن حاجی محمد سعید سلمہم اللہ تعالیٰ از فقیر رفیع الدین بعد سلام تحیۃ السلام مکشوف باد۔ سابق ازیں دو رقعہ آں عزیز القدر رسیدہ بود در یکے سوال معنی شعری بود کہ نہ الفاظ او درست بودند و نہ وزن او۔ ظاہر از کتابے سقیم نقل نمودہ باشد و در رقعہ دویم استفسار از مسئلہ بود کہ شاہ صفی القدر صاحب آں را از نوشتہ فقیر بر فضلائے آنجا عرض کردند و آنہا با نکارش آمدند۔ و فقیر را ایں مسئلہ مطلقاً محفوظ نبود کہ کدام مسئلہ است۔ و از کدام باب ست۔ و اکنوں رقعہ کہ رسید در وے دو خط برائے حکیم غلام حسین خاں و حکیم عطاء اللہ خاں مرقوم بود۔ دو خط بنام ہر دو صاحب نوشتہ ملفوف ہمیں خط ساختہ فرستادہ است۔ حق تعالیٰ نافع گرداند۔ و آنچہ در مقدمہ استفتاء رقام نمودہ بودند معلوم شد۔ و سرآں بکنایہ مفہوم گشت و صراحتہً آں موعود علی اللقا ماند اما ہنوز استفتائے ازاں طرف نرسیدہ۔ مگر از طرف لکھنؤ در مقدمہ وحدت وجود و وحدت شہود رسیدہ بود۔ صاحبانِ رام پور را ازیں باب بحثے و التفاتے نیست۔ جواب آں را فقیر ہنوز فرصت نوشتن نیافتہ اما دو رسالہ ہمراہ آں بودند یکے رسالہ میاں عبدالرحمٰن نام مرد سندھی دویم رسالہ مولوی عبدالحکیم نام متعرض آں میاں محمد اسمٰعیل برادر زادہ ما فرزند میاں عبدالغنی و مولوی رشید الدین خاں شاگرد ما شدہ اند۔ و در مسائل شرعیہ فقیہہ از طرف رام پور خطے نرسیدہ والسلام۔ حاجی عبداللہ صاحب و میاں عبدالرحیم برادراں را سلام ہا خوانند۔ و مسماۃ محمدی بیگم دختر حاجی محمد شاہ را سلام رسانند و خیریت ایشاں مینویسند۔ والسلام۔

یہ خطوط اصلی مولوی نجم الغنی خاں مورخ رام پوری نے جامع اوراق کو دئے تھے اور اب وہ صاحبزادہ عبدالسلام خاں صاحب بہادر جج کے پاس موجود ہیں۔

مولانا حافظ عبدالحمید خاں

ولد حافظ عبدالقادر خاں ولد مولانا سعداللہ خاں۔ رام پور کے محلہ راج دوارہ میں اپنے موروثی مکان میں تقریباً ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ رام پور میں کچھ فارسی کتابیں پڑھکر امروہہ اور ٹونک میں عربی صرف و نحو کی تکمیل کی۔ ٹونک میں شادی کرلی کچھ جائداد ہے۔ نہایت متقی۔ اور عابد و زاہد ہیں۔ حافظ عباس علی خاں مرحوم ساکن امروہہ سے ابتدا میں بیعت کی۔ پھر اور بزرگوں سے بھی فیض پایا سلمہ اللہ تعالیٰ۔

مولوی عبدالحمید خاں

ابن[۱] ملا غفران رام پوری۔ اپنے بھائی ملا محمد ان اور مولوی ارشاد حسین مجددی رام پوری سے علم حاصل کیا۔ اور طلبا کو درس دیتے تھے۔ بارہ سو اٹھانوے ہجری میں مولوی حافظ شوکت علی رئیس سندیلہ کے ملنے کے لئے سندیلہ بھی گئے۔ میاں امیر شاہ قدس سرہ سے بھی کوئی رشتہ داری تھی۔ راقم کے والد نے۔ راقم کی تعلیم پر ملازم رکھا۔ فارسی کی استعداد ناقص مگر عربی میں خصوصاً فقہ میں خوب مشاق تھے۔ میری عمر پندرہ سال کی تھی۔ جب وہ پڑھاتے تھے۔ مجھے توضیح تلویح مع حاشیہ چلپی پوری حفظ سنائی تھی حال آنکہ میں خود عربی سے ناآشنا تھا کہیں کوئی عبارت چھوٹ جاتی تو روکتا تھا۔ نہایت شہ زور تھے۔ ورزش کا شوق تھا مزاج میں کسی قدر سنگ تھی۔ بہت نیک اور دیندار تھے۔ اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔

حکیم عبدالرحمٰن خاں عرف چھٹن خاں تخلص خرم و بلیغ

ولد حکیم مولوی محمد یوسف خاں و لد حکیم مولوی فیاض خاں ساکن بلاسپور تحصیل رام پور۔ علوم عربی و فارسی میں اپنے والد کے شاگرد ہیں۔ یقب آپ کا ممتون اطبائے یونانی ریاست

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند۔

باگڈلعہ ہے۔ جوناگڈھ میں فی الحال مقیم ہیں۔ اور مطب کرتے ہیں۔ آپکی تصانیف میں سے
ناب فیضانِ شفا اردو مطبوعہ۔ اور ابلیس نامہ منظوم اُردو قلمی ہے۔

ملا عبدالرحیم خاں

ن مولوی حاجی محمد سعید خاں تیراہی۔ آپ کے شاگرد ہندوستان۔ افغانستان
ر پنجاب تک تھے۔ فاضل اجل اور بہت پرہیزگار تھے۔ مولوی محمد عیاض مؤلف کتاب
منتہی المنتہی مولوی عبداللہ بھوپالی مولوی محمد حیات پنجابی۔ حافظ شبراتی رام پوری
ولوی محمد علی۔ مولوی جلال الدین۔ مولوی حافظ غلام حسین۔ مولوی محمد نظام الدین خاں
شوانی۔ مولوی عبدالعلی خاں۔ حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم۔ مفتی سعد اللہ
مولوی عالم علی مراد آبادی۔ مولوی فیض الحسن سہارنپوری۔ مولوی فیض الحسن پنجابی
ولوی فیض الحسن بنگالی وغیرہ مستند علما کو آپ کی شاگردی کا فخر ہے۔ مولوی عبدالقادر خاں
لکین اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ کتب درسی کو یا حفظ ہیں اور فنون ریاضی بھی خوب
جانتے ہیں۔ بڑے پایہ کے عالم تھے مفتی شرف الدین ان کی وجہ سے رام پور میں آگئے
یہاں کے اکابر علما کو تلمذ اِن سے تھا۔ جناب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں
کوئی انگریز چند مسائل ریاضی کے حل کرنے کے لئے یہاں آیا اور نواب صاحب سے
کہا کہ کوئی ریاضی داں ہو تو اُس سے حل کرا دیجیے۔ چنانچہ آپ نے وہ مسائل حل کر دئے
وہ اُن کو اپنے ساتھ معقول تنخواہ پر باہر لیجانا چاہتا تھا۔ مگر نہ گئے۔ ریاست سے جو وظیفہ
مقرر تھا۔ اُسی میں گذر کرتے تھے۔ شاگردوں سے تحائف لینے میں عار تھی ایک کتاب
مجمع الصیغ بزبان فارسی اور دوسری کتاب رسالہ عجالہ تلخیص البیان کی شرح بزبان فارسی تصنیف کی
مولوی نظام الدین خاں شوانی بیان کرتے تھے کہ اکثر کتب درسیہ پر اپنے ہاتھ سے
جابجا مشکل مقامات پر حاشیہ لکھ دیتے تھے۔ آپ کا سجع۔ ہو الغفور الرحیم ہے۔
ستر برس کی عمر میں بارہ سو چونتیس ہجری (۱۲۳۴ھ) میں رام پور میں انتقال کیا۔

اور اپنے مکان کے دروازہ کے آگے مسجد کی دیوار کے نیچے دفن ہوئے۔ انگوری باغ
کے پاس وہ مسجد ہے۔ مزار سڑک میں آگیا۔ سڑک بناتے وقت کسی نے خیال نہیں کیا۔
اولاد کثیر تھی لیکن کوئی عالم نہیں ہوا۔ رام پور میں اس قوم کے دو گھرانے ہیں۔ ایک
کرتوئی جو کیت والی مسجد کے پاس موجود ہیں۔ دوسرے بڑتوی جو محلہ باغ کرم خاں
(جسکو اب انگوری باغ کہتے ہیں) محلہ ٹھوٹرا اور محلہ مدرسہ کہنہ میں آباد ہیں۔

حکیم عبدالرحیم خاں

فرزند سوم حکیم شاہ نواز خاں مرحوم۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے طب پڑھی
اور انھیں کی خدمت میں مطب کیا۔ اپنے والد کے انتقال کے وقت آپ کی عمر اٹھائیس
سال کی تھی۔ اور مستقل طور پر مطب کرتے تھے۔ حکیم علی حسین خاں لکھنوی اور حکیم ابراہیم
خاں لکھنوی سے بھی استفادہ کیا۔ گیارہ برس تک شفاخانہ تحصیل ٹانڈہ ریاست رام پور
میں ملازم رہے۔ شیخ علی حیدر پیشکار ٹانڈہ سے ناچاقی ہوگئی۔ اس لیے ترک ملازمت
کرکے اپنے مکان پر مطب کرتے رہے کچھ مدت تک صاحبزادہ سید صفدر علی خاں صاحب
بہادر کے معالج رہے ۱۹۰۴ء میں ریاست خیرپور سندھ میں خاص نواب صاحب
کے طبیبوں میں ملازم ہوئے۔ وہاں تین سال کے بعد اعلیٰ حضرت بندگان حضور پرنور
نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام ملکہم کے حکم سے عنایت اللہ خاں مرحوم
نے طلبی میں تار بھیجا فوراً رام پور میں حاضر ہوگئے۔ سرکار فیض آثار میں اطبا میں ملازم
رہے۔ شفاخانۂ خاص سے تعلق تھا۔ بحالت قیام خیرپور سندھ پنڈت موتی رام
دید سے ہندی رس رسائن میں مہارت تامہ حاصل کی عام طور پر بلا کسی معاوضے کے مطب
کرتے تھے۔ باز کی شناخت اور اُس کے پالنے میں بھی مشاق تھے۔ ۴۔ دسمبر ۱۹۲۶ء کو
رام پور میں انتقال ہوا۔ آپ کے فرزند اکبر ڈاکٹر عبدالحکیم خاں ۱۸۸۵ء میں رام پور
میں پیدا ہوئے۔ برٹش برما کے شفاخانے میں ملازم ہیں۔ فارسی۔ انگریزی۔ لاطینی بنگالی

برمی۔ زبانیں جانتے ہیں۔ رنگون میں شادی کرلی ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔ فرزند اصغر محمد ابراہیم خاں دواخانۂ خاص رام پور میں نائب منصرم ہیں۔

مولوی سید عبدالرحیم خاں

ابن[1] مولوی سید محمد گل خاں شوانی ابن سید مولوی عنایت اللہ خاں شوانی نجیب آباد سے اپنے والد کے ہمراہ حافظ رحمت خاں کے ہاں گئے۔ اور وہاں سے آکر رام پور میں محلہ فیل خانۂ کہنہ میں مقیم ہوئے۔ اسی محلہ میں انتقال ہوا اور وہیں کے قبرستان میں مزار ہے علوم عربیہ اور فیضانِ باطنی اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔ نکاح نہیں کیا تھا۔

حکیم حافظ عزیز محمد خاں

ولد مولوی حکیم تفضل حسین خاں تخلص ترقی ساکن رام پور ملازم حیدرآباد دکن۔ قوم پٹھان رام پور میں محلہ عصمت خاں کی املی میں رہتے ہیں رام پور میں پیدا ہوئے علوم عربی صرف نحو۔ ومعقول وغیرہ اپنے والد سے حاصل کیے۔ طب مولوی ہادی رضا خاں تخلص ماہر لکھنوی سے حاصل کی۔ اور ۱۳ جنوری ۱۹۱۳ء کو سند طبابت ملی۔ کچھ دنوں حیدرآباد دکن کے دفتر فوجی میں ملازم رہے اب فن طبابت ذریعہ معاش ہے۔ اس وقت کہ اگست ۱۹۱۵ء ہے عمر تخمیناً تیئس ۲۳ سال کی ہے۔

مولوی حکیم عبدالرزاق خاں تخلص شائق

ولد مولوی حکیم غلام اکبر خاں عرف کلو خاں رام پور میں محلہ کھاری کنویں میں پیدا ہوئے فارسی کتابیں شیخ احمد علی سے اور کتب عربی وطب اپنے والد اور اپنے برادر کلاں حکیم عبدالکریم خاں سے پڑھیں۔ درس تدریس کا سلسلہ نہایت کم تھا۔ عدالتہائے رام پور میں وکالت کرتے تھے۔ اور مطب کا بھی کچھ سلسلہ تھا۔ کبھی کبھی فارسی اور اردو میں نظم بھی لکھتے تھے۔ رام پور میں تقریباً ۱۳۱۲ھ میں انتقال ہوا اور شاہ درگاہی صاحب کے

[1] بموجب تحریر مولوی محمد مجتبیٰ خاں ممبر کونسل ریاست اندور۔

احاطہ میں دفن ہوئے۔ اولاد ذکور کوئی نہیں ہے۔

ملا عبد الرزاق

قوم کے پٹھان سنہ ۱۲۸۰ھ میں زندہ تھے۔ مولوی عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ بزرگ فقیہ تھے۔ مگر میں نے اُس حالت میں دیکھا کہ شیخ فانی تھے۔ اور اُنکے بیٹے محمد علی پرگنہ کی تحصیل اور تشخیص کا کام کرتے ہیں۔

قاری عبد الرزاق خاں

ولد مولوی حافظ محمد عبد اللہ خان عرف حافظ کلاں۔ قرآن شریف کے اعلیٰ درجہ کے قاری تھے سنہ ۱۸۵۷ء سے قبل تجارت پر گزر تھی سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ہرات اور قندھار کو بغرض تجارت گئے۔ اثنا راہ میں امیر خدا داد خاں فرمانروا قلات سے ملے۔ تجارت چھوڑکر اُن کی فوج میں رسالہ کے جمعدار ہوئے۔ اُنھیں جب قرات کا علم ہوا تو امیر نے اپنے فرزندوں کی تعلیم پر مقرر کیا۔ اور تین سو سواروں پر رسالدار کر دیا۔ تقریباً بیس سال تک خان قلات کے مورد عنایت رہے۔ پھر وہاں سے ترک تعلق کر کے رام پور چلے آئے۔ شاہجہاں پور کے ضلع میں گانوں خرید لیا۔ اور تجارت کا شغل بھی جاری رکھا۔ اس کے بعد چندوسی میں مع اہل و عیال سکونت اختیار کی۔ اور کھنڈ سال کی تجارت کرتے رہے۔ اخیر میں اس سے بھی دست کش ہو گئے۔ سنہ ۱۳۲۱ھ میں چندوسی میں انتقال کیا۔ مولوی محمد عبد الجبار خاں آصفی منتظم محکمہ صدر المہام صرف خاص نظام حیدر آباد دکن آپ کے فرزند ہیں۔

اخوند عبد الرزاق

یہ بزرگ ولایتی تھے۔ اول میں قلندر خاں کے گھیر میں آم والی مسجد میں رہے۔ پھر وہاں سے اسی محلہ کی دوسری مسجد میں چلے گئے۔ آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی اس محلہ میں بہت شہرت ہے۔ بلاسپور دروازہ کے قریب سڑک سے جنوب

کی جانب مزار ہی۔ انکا انتقال تقریباً ۱۳۰۰ھ میں ہوا۔

مولوی حکیم حاجی محمد عبدالرزاق خاں

ولد حکیم مولوی فیاض خاں ولد مولوی عبداللہ خاں اخوند بلاسپور تحصیل رام پور میں پیدا ہوے۔ اکتساب علوم فارسی عربی۔ وطب کے بعد حج وزیارت سے مشرف ہوے۔ سورت میں میر غلام بابا نے مدت تک بہت عزت وامتیاز سے رکھا۔ پھر جوناگڈھ کی ریاست میں آئے۔ نواب مہابت خاں بہادر نے سورو پیہ ماہانہ مقرر کردیا پینتیس سال تک جوناگڈھ میں ملازمت کی۔ علم وفضل۔ تقویٰ وطہارت میں کامل تھے بصیغۂ سفارت رام پور میں تشریف لائے۔ تو راقم الحروف کو بھی نیاز حاصل ہوا تھا۔ بہت دیندار اور بابرکت عالم تھے۔ رجب کی ساتویں تاریخ تیرہ سو ستائیس ہجری (۱۳۲۷ء) میں جوناگڈھ میں انتقال ہوا۔ اور وہاں کے سرکاری مقابر میں دفن ہوے۔

آپ کا ایک لڑکا عبدالحی خاں جوناگڈھ میں طلب علم میں مصروف ہی۔ ریاست سے پندرہ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہوگیا ہی۔ آپ کے بھائی حکیم محمد یعقوب خاں نے آپکی تصانیف کتب ذیل لکھائی ہیں جو انکے ہاں موجود ہیں۔

ترجمہ اُردو عقائد النسفی تسہیل التصریف بزبان اُردو۔ کلید پارسی گردان فارسی تنبیہ القلوب المنظوم اردو۔ رسالہ حواس وعقل۔ تجوید الحروف درفن قرأت طبع ہو چکی ہیں خواص الادویہ منظوم فارسی طلب غریب نوازی قرابادین رزاقی ہیں۔

مولوی عبدالرزاق خاں تخلص طالب

ابن عبدالعزیز خاں۔ قوم پٹھان مردان خاں کے گھیر کے متصل مکان ہی رام پور میں بارہ سو پچپن ہجری (۱۲۵۵ھ) میں پیدا ہوے۔ تاریخی نام منظر علی ہی۔ صغرسنی میں یتیم ہوگئے۔ اسلیئے کوئی تعلیم نہیں ہوئی۔ مگر درویشوں کی خدمت کا ابتدا ہی سے ذوق تھا۔ فدا علی نامی ایک درویش پیر برخوردار صاحب کے مزار پر مقیم تھے۔

آپ ان کی خدمت میں بھی جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ حصول علم کی ترغیب دلاتے تھے۔
ایک جلسہ میں کسی رنڈی کا ذکر تھا۔ کہ وہ صاحب علم ہے۔ اِس تذکرہ نے خاص اثر
طبیعت پر پیدا کیا۔ یہ خیال راسخ ہوگیا۔ کہ علم کی بدولت رنڈی بھی روشناس ہو
اور حیف ہو کہ میں بےعلم رہوں۔ اس وقت دس بارہ سال کی عمر تھی۔ حکیم عبدالخالق
مرحوم سے ابتدائی کتابیں شروع کردیں۔ اس کے بعد شیخ احمد علی مرحوم مسلم الثبوت
استاد کی خدمت میں درس کی انتہا تک تکمیل کی۔ شیخ صاحب کو بھی آپ کی استعداد
کی وجہ سے نہایت شفقت تھی۔ جناب نواب سید علی خاں بہادر خلد آشیاں کے عہد میں
علی غول کے رسالہ میں سپاہیوں میں چار روپے کے ملازم ہوئے۔ فوجی خدمت
معاف تھی۔ کچھ زمانہ کے بعد مفتی بشیر الدین مرحوم نے آپ کی علمی لیاقت۔ دیانت داری
اور تقدس کی وجہ سے اپنی عدالت دیوانی میں سررشتہ دار مقرر کرنا چاہا۔
مگر آپ نے بہت اصرار کے بعد اِس ملازمت کو قبول کیا۔ جب مفتی صاحب عدالت سے
علیٰحدہ ہوئے۔ آپ نے خود ملازمت ترک کردی۔ غالباً تیرہ سو چار ہجری میں مدرسۂ عالیہ
ریاست میں فارسی مدرس مقرر ہوئے۔ اُس زمانہ میں شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی
ڈائرکٹر اور ممتحن مدرسہ قرار دئے گئے۔ آپ کی لیاقت کا مولانا پر یہ اثر پڑا کہ وہ بھی
روز بروز آپ پر لطف فرمانے لگے۔ مدرسۂ عالیہ کا فارسی نصاب آپ ہی نے بنایا تھا
فروری ۱۹۰۱ء میں آپ نے ترک تعلق کردیا۔ اور خانہ نشین ہوگئے۔ مفتی محمد لطف اللہ
مرحوم نے اپنے مدرسۂ انوار العلوم میں آپ کو باصرار بلا لیا۔ چند روز تک اس میں رہے
پھر اس تعلق کو بھی ترک دیا۔ بیگم صاحبہ بھوپال نے طلب کیا وہاں بھی انکار کردیا
شاگردوں کی تعداد سیکڑوں پر ہے۔ جدید فارسی کتابیں بھی خوب پڑھاتے تھے
کتب درسیہ فارسی پر دوران درس بہت حواشی لکھے۔ ایک طالب علم مستعار لیکر
غرار ہوگیا۔ تصانیف میں میزانِ سخن منظوم فارسی میں عروض کو تفصیل لکھا ہے

رام پور میں چھپ گئی ہی۔ اور مدرسۂ عالیہ کے نصاب میں داخل بھی ہو حدیقۃ البیان
میں حدایق البلاغہ کے باب تشبیہہ استعارہ کی شرح لکھی ہی۔ اور اسکے مصنف
نے جو اعتراض قدما کے کلام پر کئے ہیں ان کا رد کیا ہی یہ بھی چھپ گئی ہی۔
ایک کتاب اُردو زبان میں فارسی صرف و نحو کے متعلق لکھی ہی۔ وہ غیر مطبوعہ ہے۔
نظم و نثر فارسی اور اردو دونوں لکھے ہیں۔ مگر کلام کو جمع نہیں کیا۔ کچھ کلام مولوی
ضیاء اللہ خاں افسر آوٹ فرزند عطاء اللہ مرحوم نے جمع کر لیا ہی۔ ایک صاحب نے
چاہا کہ آپ کو بحضور نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ لیجائیں۔
آپ نے نہایت کوشش سے اپنی جان بچائی۔ حالت ملازمت میں بھی اپنے نفس پر
خرچ کم کرتے تھے۔ اور خیرات زیادہ کرتے تھے۔ اُس کے بعد بھی جو کچھ پاس تھا۔
وہ فقرا کا حصہ تھا مولانا سید منصور علی مرحوم کی صحبت سے فیض باطنی پایا۔
اخلاق و مروت میں بےمثل تھے۔ اپنے حالات لکھانے میں بھی عذر کیا۔ اور
فرمایا گمنامی میں رہنا چاہتا ہوں۔ نماز با جماعت ادا کرتے تھے اور سنت نبوی کی
پابندی بدرجۂ کمال تھی۔ افسوس ۱۹۔ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۸۔ اکتوبر
۱۹۱۶ء کو انتقال فرمایا۔

(اس سال بوجہ رویت ماہ ذی الحجہ مطبوع جنتریوں سے تاریخ میں اختلاف ہی)

مولانا عبد الرشید مجددی

فرزند حضرت شاہ احمد سعید ابن حضرت شاہ ابوسعید۔ لکھنؤ میں جمادی الآخر کی
دوسری تاریخ بارہ سو تینتیس ہجری (۱۲۳۳ھ) میں ولادت ہوئی آپ کے جد امجد
کو آپ سے نہایت محبت تھی۔ اُن کے پاس ہی سویا کرتے تھے۔
جس وقت وہ تہجد کو اُٹھتے یہ بھی اُٹھتے تھے۔ دس برس کی عمر نہیں ہوئی تھی کہ کلام اللہ
حفظ ہو گیا۔ سات برس کی عمر میں آپکے دادا نے ۲۷۔ رمضان کو بعد نماز تراویح

آپ کو اور اپنے فرزند اوسط شاہ عبد الغنی کو بیعت فرمایا۔ اور حکم دیا کہ برابر حلقہ میں حاضر ہوا کریں۔ بعد حفظ قرآن شریف صرف و نحو مولوی حبیب اللہ ملتانی سے اور علوم معقول مولوی فیض احمد دہلوی سے پڑھے۔ اکثر کتابیں فقہ۔ اصول حدیث و تصوف مثل رشحات۔ نفحات۔ مکتوبات۔ مجدد الف ثانی مثنوی مولانا روم۔ فصوص الحکم۔ عوارف المعارف۔ آداب المریدین رسالہ قشیری وغیرہ مرات ورامات بقرأت و سماعت اپنے والد سے پڑھیں کتب حدیث مولوی مخصوص اللہ ولد اکبر مولانا رفیع الدین اور مولانا محمد اسحٰق محدث سے پڑھیں۔ بعد فراغ علوم ظاہری سلوک بھی دیئے طے کیا۔ بمشکل والد سے اجازت لیکر ۱۲۵۰ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ آپ کے والد شہر کے دروازے تک رخصت کرنے آئے۔ حضرت شاہ غلام علی کا عطیہ عمامہ۔ کلاہ و قمیص اپنے ہاتھ سے جلسۂ عام میں پہنا کر خلافت عطا کی۔ مکہ معظمہ میں اجازت حدیث شیخ عبد اللہ سراج شیخ العلما مکہ سے حاصل کی۔ حج و زیارت سے فارغ ہوکر دہلی آئے۔ تو والد بغل گیر ہو کر ملے۔ غدر سے پہلے آپ کے والد نے رامپور کو صفر ۱۲۷۳ھ میں بغرض بیعت نواب خلد آشیاں روانہ کیا۔ آپ کے فرزند شاہ محمد معصوم بھی ہمراہ تھے۔ نواب صاحب مرحوم نے تعلیم باطنی حاصل کی۔ اور شہر کے بہت لوگ مرید ہوئے۔ نواب فردوس مکاں نے ملنا چاہا مگر آپ نہیں ملے۔ ایک ماہ کے قیام کے بعد دہلی تشریف لائے۔ ایام غدر میں اپنے والد کے ہمراہ ہجرت کی اور مدینہ میں قیام پذیر ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے۔ ہزاروں بندگانِ خدا کو تلقین کی ممالک اسلامیہ میں اکثر جگہ آپ کا سلسلہ جاری ہوا۔ انتقال سے پانچ چھ سال پہلے سے ہر سال حج کو جاتے تھے جب عمر پورے پچاس سال کی ہوئی تو اس سال کا بہت اہتمام کیا۔ ہمراہیوں کو تاکید کی تھی کہ سوائے عبادت کے کوئی کام نہ کریں اور کسی کا ذکر خواہ بخوبی یا بدی نہ کریں۔ اگر کریں تو ان پر جرمانہ مقرر کیا تھا۔

ذی الحجہ کی بارھویں تاریخ قریب عصر منا سے مکہ میں آئے۔ اپنے فرزند میاں محمد معصوم سے پہلے فرمایا تھا کہ ہندوستان کو بعد حج جانا۔ اب صاحبزادے نے دریافت کیا کہ سفر کی نسبت کیا ارشاد ہے فرمایا شیخ ارادہ کرو نہیں معلوم دو دن بعد کیا ہو۔ اُسی وقت اپنے ہاتھ سے ایک خط نواب خلد آشیاں کو لکھا تقسیم روپے کی وکالت حرمین میں فقیر سے اب ممکن نہیں۔ کسی اور کو وکیل کردو۔ چنانچہ وہ روپیہ میاں محمد معصوم نے بعد انتقال تقسیم کیا۔ چودھویں ذی الحجہ کی شب میں مرض شروع ہوا۔ بخار اور درد سر تھا۔ ہر وقت مرض کی شدت ہوتی تھی۔ سکرات موت میں بار بار مسکراتے تھے۔ غرضکہ منگل کے دن ذی الحجہ کی سولھویں تاریخ بارہ سو اسی ہجری (۱۲۸۰ھ) میں عصر و مغرب کے درمیان انتقال ہوا۔ اور جنت المعلا میں قریب روضہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بجانب پائین دفن ہوئے۔

حافظ عبد الرشید

قوم افغان ۱۲۰۶ھ کے قریب زندہ تھے۔ مولوی عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ طبع دشوار پسند ہے۔ تمام فنون کو چند بار تحقیق کرکے پڑھا مگر ان کے قلب معترض کو اطمینان نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ہندسیات میں مشکوک ہیں اور لزومیات کو اتفاقیات ظاہر کرنا اُن کے نزدیک سہل ہے۔

مولوی سید عبد الصمد خاں

ابن[1] مولوی سید محمد گل خاں سواتی ابن مولوی سید محمد عنایت اللہ خاں اپنے والد کے ہمراہ نجیب آباد سے حافظ رحمت خاں کے پاس بریلی گئے اور وہاں سے رام پور آکر محلہ فیل خانہ کہنہ میں مقیم ہوئے۔ ملا لطیف خاں کی بھتیجی محمد علی خاں کی بیٹی مسماۃ ذی النور سے شادی کی اور اپنی سسرال میں محلہ مدرسہ کہنہ میں تاحیات مقیم

---

[1] از تحریر مولوی محمد مجتبیٰ خاں ممبر کونسل اندرونی

رہے۔ جناب نواب سید احمد علی خان صاحب بہادر نے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ طلبا کو پڑھاتے تھے۔ خود اپنے والد سے علوم ظاہری اور باطنی حاصل کئے تھے۔ شکار میں نواب سید احمد علی خاں بہادر کے ہاتھی کو شیر نے پکڑ لیا۔ آپ ساتھ تھے شیر کو مار ڈالا۔ نواب صاحب نے اپنی خاص تلوار فیض محمد عرف فیضا کے ہاتھ کی بنی ہوئی عطا کی۔ یہ تلوار اب تک اُن کی اولاد کے پاس موجود ہی۔ مولوی عبدالرب۔ مولوی خلیل الرحمن آپ کے مشہور شاگردوں میں ہیں۔ بعد انتقال کے اپنے مکان کے سامنے محلہ مدرسۂ کہنہ میں دفن ہوے۔

حکیم عطاء اللہ تخلص غنی

صاحب تذکرہ تکملۃ الشعرا لکھتے ہیں کہ حکیم غلام رسول حکمت خاں کے بیٹے ہیں قریشی نسب ہی۔ حکیم غلام رسول قابل اور فاضل شخص کشمیر کے رہنے والے اور نواب غازی الدین خان فیروز جنگ کے مصاحب تھے۔ اور چند روز جناب نواب فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے بھی ملازم رہے۔ محمد حسن فانی شاعر غرا اور درویش کامل طاہر غنی کے اُستاد اور صاحب دیوان کے اولاد سے ہیں۔ جنکا مزار کشمیر میں مشہور ہی۔ حکیم عطاء اللہ اب رام پور میں مقیم ہیں۔ یہیں نشو و نما ہوئی ہے۔ نہایت خوش خلق۔ حلیم۔ طالب علم مستعد اور حکیم ہیں۔ ذہن صائب اور فکر مناسب ہے۔ شاہ قدرت اللہ بلیغ کے شاگرد ہیں۔ اُردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے ہیں۔ جو کلام خود اپنے ہاتھ سے لکھکر دیا وہ درج ہی پہلے اشتہار تخلص تھا اب غنی تخلص ہی انتہیٰ۔ مذہب اثنا عشری تھا۔ تاریخ قتل مسٹر چری جسکو وزیر علی معزول سلطان لکھنؤ نے قتل کیا تھا۔ کیا خوب لکھی ہی۔

ہاتف غیب گفت بے سر درد ۔۔۔ سال وے فتنۂ جہاں خوابید

فتنۂ جہاں خوابید کے اعداد ۱۲۱۷ ہیں دال سے چار عدد کا تخرجہ ہی ۱۲۱۳ھ ہوے۔

مثل[1] اپنے باپ کے یہ بھی حکما میں ملازم جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے واسطے دوا اُن کی والدہ تیار کیا کرتی تھیں ح عطار کے ہاں سے دوا ان کی والدہ کے مہری رقعہ سے آتی تھی۔ اور یہ نواب صاحب کو دوا پلاتے تھے۔ ایک روز مرزا ابو علی کی شرارت سے جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کو (شہ۱۲۰ھ تا ۱۲۰ھ) چار میں خریق سیاہ ڈالکر پلا دی تھی۔ حکیم احمد علی انصاری کے حالات میں مفصل واقعہ درج ہی۔

خلد بیمثال نامی ایک مجموعہ میں کلام فارسی ردیف وار الاساتذہ کا جمع کیا ہی ۹۵۴ صفحہ ہیں۔ خطبہ منظوم لکھا ہے۔ کہ جناب نواب احمد علی خاں بہادر کے حکم سے جمع کیا ہی۔ نام تاریخی ہی۔ جس سے ۱۲۷۵ھ نکلتے ہیں۔ خاتمہ منظوم میں اپنا نام لکھا ہی۔ مرزا غلام احمد حسن کا بھی اس تذکرہ کے متعلق ذکر کیا ہی کتب خانہ ریاست میں موجود ہی۔ آپ کا اُردو دیوان اسی صفحہ کا کتب خانہ ریاست میں موجود ہی۔ غزل رباعیاں اُردو سلام بھی ہیں۔ اس دیوان میں مصنف نے حاشیہ پر اور درمیان میں خود کہیں کہیں شعر بڑھائے ہیں۔ کہیں ایک مصرعہ بھی ہے کہیں بیاض سادہ ہی۔ حافظ شیخ الاسلام نے فارسی میں ایک مختصر رنگین عبارت کا دیباچہ مصنف کی حیات میں لکھکر لگایا ہی۔

مولوی عبدالعزیز خان

ولد حاجی جرو یار خاں سواتی۔ رام پور میں بعہد جناب نواب سید احمد علی خاں پیدا ہوئے۔ مفتی شرف الدین اور مولوی جلال الدین اور مولوی عبد القادر چیف سے کتب درسیہ پڑھیں۔ نواب خُلد آشیان مکان نے مولوی فضل حق خیرآبادی سے

[1] انتخاب یادگار رفصول فیض اللہ خانی۔

یہ شرط کی تھی کہ کتاب کی عبارت ہم نہیں پڑھیں گے۔ قراءت کتاب پر مولوی صاحب کا تقرر ہوا اور مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدرس ہوے۔ ایک مدت تک درس و تدریس کی اسکے بعد گوالیار میں مولوی غلام ناصر خاں کے توسط سے سررشتہ دار عدالت دیوانی و فوجداری ہوے۔ بعد انتقال منشی جان علی خاں انکی جگہ ناظم مقرر ہوے اور راہ اعلیٰ حسب کھٹکے سے کچھ رنج ہوگیا اسلیے استعفا داخل کرکے رام پور چلے آئے۔ نواب خلد آشیاں کے عہد میں سنگین کمرہ کے تھانہ دار مقرر ہوے۔ اور پھر مدرسۂ عالیہ رام پور کے متولی ہوے۔ تولیت کے زمانہ میں میاں حسن شاہ محدث سے صحاح ستہ پڑھے۔ پھر بھوپال میں جاکر تحصیلدار ہوگئے اور بھوپال ہی میں انتقال ہوا۔ لڑکا موجود ہی۔ مگر خواندہ نہیں ہی۔ محلہ راج دوارہ میں مکان ہی۔ انکے داماد اور بھانجے مولوی عبدالرشید خاں سابق مدرس اول مدرسۂ طبیہ دہلی اور حال طبیب خاص جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہم ہیں۔

مولوی عبدالعزیز سنبھلی

انھوں نے مولانا فضل حق خیر آبادی سے علوم معقول حاصل کئے۔ دیگر علوم میں بھی کامل تھے اصلی وطن سنبھل تھا۔ بریلی میں قاضی ٹولہ میں دس بارہ برس ملازم رہے۔ سنبھل کے مدارس میں بھی نوکری کی۔ رام پور میں آکر بریلی دروازہ کے قریب مولانا جمال الدین کے مزار کے متصل ایک خام مسجد میں حسبۃً للہ درس دیا کرتے تھے۔ طلبا کا ہجوم رہتا تھا۔ اور کتابیں بہت خوبی سے پڑھاتے تھے۔ اخیر میں جذام ہوگیا تھا۔ رام پور ہی میں انتقال ہوگیا اور یہیں دفن ہوئے۔ سنہ وفات معلوم نہیں ہوا۔ تقریباً ۱۲۸۰ھ تک زندہ رہے۔

مولوی عطاء اللہ خاں ایف۔ اے۔

ولد حافظ عنایت اللہ خاں ولد مولوی رفیع اللہ خاں اخون سواتی ساکن محلہ گھیر الف خاں ۱۲۶۲ھ میں رام پور میں پیدا ہوے۔ آپکے والد کی کتابیں بھی جہاں تک نکلی ہوئی تھیں۔ مولوی عطاء اللہ خاں نے کل کتابیں درسیات

عربی اپنے چچا مولوی ہدایت اللہ خاں مہتمم مدرسہ حنفیہ جونپور سے پڑھیں۔
انگریزی تعلیم میں بی۔ اے کے امتحان میں شریک ہوئے مگر کامیاب نہ ہوئے
پھر کوشش نہ کی۔ رام پور آکر اُردو مڈل اسکول کی ہیڈ ماسٹری قبول کر لی۔
کئی سال اس خدمت پر رہے۔ اب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہیں۔ کسی عادت،
طرز اور لباس سے انگریزیت کی بو نہیں آتی نہایت متقی۔ پرہیزگار۔ تہجد گزار
ہیں۔ سید شاہ ابوالحسن صاحب مارہروی سے بیعت ہیں۔ دنیا میں کسی سے
غرض نہیں خدمت سرکاری انجام دیکر گھر پر درس دیتے ہیں اور ہمہ تن زہد
و تقوی ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ۔

مرزا عبد اللطیف عرف محمد تقی خاں کمال الدین خاں تخلص سپہر

ولد مرزا خسرو خاں۔ قوم زند۔ قزوین کے رہنے والے۔ اتفاق زمانہ سے ہندوستان
آئے۔ فارسی ترکی مادری زبان تھی۔ عربی میں دستگاہ کامل تھی تقریباً ہندوستان
میں چالیس سال رہے۔ مگر اُردو بولنا نہیں آئی خط نستعلیق اور شفیعا میں یدطولیٰ تھا۔
لسان الملک مرزا محمد تقی خاں سپہر مؤلف ناسخ التواریخ کے شاگرد تھے۔
ابتدا میں وطن سے قسطنطنیہ گئے چند سال سفارت خانہ شاہ ایران میں ملازم رہے۔
پھر وہاں سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ہندوستان میں آئے
تو حیدر آباد گئے وہاں ملازمت کی امید تھی کہ ضیق النفس کا دورہ ہوا۔
جے پور جاکر حکیم سلیم الدین خاں کے علاج سے صحت پائی۔ مختلف شہروں میں
پھرے ہر جگہ اُن کے کمال کی قدر تھی۔
بھوپال میں بزمرۂ شعرا ملازم ہوئے۔ نواب صدیق حسن مرحوم سے مخالفت
ہوئی۔ یہ مذید انسی کے رازدار بن گئے اسلئے ۶۔ جمادی الاخری ۱۳۰۲ھ میں
بھوپال سے ترک تعلق ہوگیا۔ پٹنہ، ضلع علی گڈھ اور ہندوستان کے دیگر اطراف

میں پھرتے رہے۔ ضلع علی گڈھ میں نواب مزمل اللہ خاں صاحب اور مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب نے قدردانی کلی فرمائی۔ مدتوں وہاں رہے۔ رؤسائے ضلع علی گڈھ کے محامدین جو قصائد لکھے تھے وہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع دلگداز میں طبع ہو چکے ہیں۔ آخیر میں رام پور آئے۔ عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ نے سو روپے تنخواہ مقرر کردی۔ پھر رام پور سے گو مہینہ دو مہینے کو سال میں باہر جاتے تھے مگر مستقل سکونت رام پور ہی میں تھی۔ اور مرتے وقت تک تنخواہ جاری رہی۔

ترکی زبان کی تاریخ عینی کو فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ چار ضخیم جلدیں میں نے دیکھی تھیں۔ اور ابھی کتاب ناتمام تھی۔

اتفاق سے بغرض سفر رام پور سے بریلی کو روانہ ہوئے۔ رام پور سے گاڑی کے روانہ ہوتے ہی یک بیک طبیعت بگڑ گئی۔ نوکر نے رام پور سے دوسرے اسٹیشن پر تحصیل ملک کے اتار لیا۔ اور وہیں فوراً مرگئے۔ نعش رام پور آئی۔

اہل محلہ اور دوستوں نے ۱۳۱۶ھ میں رام پور میں دفن کیا۔ میجر افضل خاں صاحب چادرہ والے ان کے شاگرد رشید تھے۔ بازار کے قرضہ سے انکے بچانے کے لئے کل اثاث البیت اپنے گھر لے گئے۔

جب افضل خاں کا سامان نیلام ہوا تو اس میں سنجر کا ناتمام دیوان دست مصنف کا لکھا ہوا علاوہ کتب خانۂ ریاست کے لئے دس روپے میں راقم الحروف نے خرید کر داخل کتب خانہ کردیا۔ باقی کوئی اور کتاب نہیں ملی۔

ترکی کتاب کے فارسی ترجمہ کا پتا نہیں چلا۔

تصانیف سنجر

دستور سخن فارسی۔ ۴۰ صفحہ کا رسالہ حیدرآباد دکن میں ۱۲۹۶ھ میں چھپا ہے اور مختار الملک اعظم کے نام معنون کیا گیا ہے۔ قواعد فارسی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کارستان اتفاق فارسی۔ نام تاریخی ہے۔ جس سے ۱۲۳۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ بانکے پور میں جسٹس سید شرف الدین صاحب نے چھپوایا ہے۔
۱۲۳۱ھ میں مابین ایران اور ترک جو اتحاد قائم ہوا تھا۔ اسکی خوبیاں نظم و نثر میں لکھی ہیں۔

مولوی عبد العزیز

صاحب تاریخ جام جہاں نما فارسی نے نواب سید محمد علی خاں بہادر خلف نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے قتل کے متعلق آپ کا نام لکھا ہے قوم کے پٹھان تھے۔ مولوی عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے جسوقت اُنکو دیکھا شغل تعلیم ترک کر چکے تھے۔ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر انکی تقریر سے جودت ذہن ظاہر تھی یہ زمانہ ۱۲۱۲ھ کا ہے۔

مولوی عبد العلی خاں

ولد ملا عبد الرحیم خاں ابن مولوی حاجی محمد سعید تیراہی۔ بارہ سو تین ہجری میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ ھو العلی العظیم مادۂ تاریخ تولد ہے۔ علم و فنون عربی میاں مدن۔ اپنے والد مفتی زبیر اور مولوی غفران سے حاصل کئے۔ رام پور میں سنا ہے کہ مفتی عدالت بھی ہوگئے تھے۔ شاعری کا بھی ذوق۔ علی تخلص کرتے تھے۔ اُردو کا ایک شعر آپ کا ملا ہے۔

علی نا دِ علی کو حرز جاں کر ‏ ‏ ‏ جو کچھ تجکو خدا کا خوف و ڈر ہے

عربی نظم میں اپنے فرزند مولوی عبد الغنی خاں کو مخاطب یوں کیا ہے۔

فاجھد بطاعتہ واقصد بمرضہ ‏ ‏ ‏ واتبع ملعن القران مفھوم
واستغفر دنیا دھر سائلا ابدا ‏ ‏ ‏ ولا تقنط فانت مھدہ بحوم

آپ کی صاحبزادی مولوی نظام الدین ابن مولوی عبد الصمد کو منسوب تھیں

نہایت مغلوب الغضب تھے۔ بارہ سو اٹھتر ہجری (۱۲۷۸ھ) میں انتقال کیا۔ اور اپنے مکان کے متصل مسجد واقع محلہ مدرسہ کہنہ میں دفن ہوئے۔ قاسم علی خاں۔ مولوی یعقوب علی خاں۔ مولوی عبد الغنی خاں۔ اور حافظ محمد عنایت اللہ خاں چار فرزند یادگار چھوڑے۔ قاسم علی خاں درویش صفت اور حافظ عنایت اللہ خاں سپاہی منش تھے۔ دونوں کی اولاد اب باقی نہیں رہی۔

مولوی عبد العلی خاں ریاضی داں

ولد یوسف خاں ساکن محلہ راجدوارہ رام پور میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً مولوی حیدر علی ٹونکی سے کسب علوم کیا۔ اس کے بعد مفتی شرف الدین ملا عبد الرحیم خاں۔ مولوی رفیع اللہ خاں وغیرہ سے علوم حاصل کئے اسکے بعد دہلی کو شاہ اسحٰق صاحب کی خدمت میں جاکر حدیث کی اور حکیم صادق علی خاں سے طب کی تکمیل کی۔ جناب نواب سید محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ نے جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں کی تعلیم کے واسطے بسفارش عبد الرحمٰن خاں مولوی جلال الدین نابینا۔ اور مولوی عبد العلی خاں صاحب تذکرہ اور مولوی محمد رام پوری کو مقرر فرمایا۔ ہر صاحب اپنے اپنے وقت پر صرف حمد اللہ کے متعلق مختلف تقریریں کیا کرتے تھے۔ فردوس مکاں کی تسکین خاطران تینوں علما کے بیان سے نہ ہوئی تو مولانا فضل حق دہلی سے بلائے گئے اور مولانا نے تعلیم شروع کرائی۔ مولوی عبد العلی خاں نے بشرکت مولوی نور النبی مولانا فضل حق سے حاشیہ قدیمہ رام پور میں پڑھا۔ ان کے شاگردوں میں مفتی عبد القادر۔ ملا سیف الدین۔ ملا اعظم شاہ ولایتی۔ ملا سید ولی۔ حافظ وزیر محدث۔ حافظ محمد رضا خاں۔ مولوی علاؤالدین خاں مولوی عبد العزیز خاں ناظم گوالیار۔ حکیم یعقوب خاں۔ مولوی احمد رضا خاں بریلوی۔ مولوی محمد خاں۔ مولوی محمود عالم وغیرہ بہت علما صاحب فضل ہوئے۔

مولوی حفیظ اللہ خاں اور منشی سعادت اللہ خاں جاورہ والوں نے بھی اُن سے پڑھا جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کو بھی پڑھایا تھا۔ مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس اول تھے۔ علاوہ مدرسہ کے مکان پر بھی کوئی وقت ریاضیات کے درس سے خالی نہ رہتا تھا۔ نہایت منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ رسالہ توشیحیہ پر حاشیہ بزبان۔ فارسی لکھا ہے۔ مطبع سرور قیصری رام پور میں طبع ہوا ہے۔ تیرہ سو تین ہجری (۱۳۰۳ھ) میں انتقال ہوا اور محلہ راج دوارہ میں مولوی غلام جیلانی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ دو اولادیں ذکور اور چار لڑکیاں چھوڑیں۔ کوئی بچہ صاحب علم نہیں ہوا۔ بڑا بیٹا مظہر حسن خاں زندہ ہے۔ اور سرکار سے بنظر قدما پروری وظیفہ یاب ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات از مولانا محمد سعید حیرت

در داکہ کرد رحلت عبد العلی مدرس ۔۔۔ بادا نزول رحمت صبح و مسا نجاکش

چوں سال انتقالش کردم طلب ز حیرت ۔۔۔ گفتا کہ۔ رحمت حق بادا بروح پاکش

اُنکے دفن وکفن کے لئے نواب خلد آشیاں نے ایک سو روپے بھیجے تھے۔

مولانا عبد العلی رزاقی

فصول فیض اللہ خانی میں صاحب تالیف نے لکھا ہے کہ جامع علوم معقول منقول مولانا عبد العلی رزاقی کو سوء القنیہ ہو گیا تھا۔ اور میں نے علاج کیا اِس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔

مولوی عبد العلی خاں

ابن[1] ملا محمد عمران ابن ملا محمد غفران۔ اپنے دادا کے شاگرد تھے۔ حافظ اور قاری تھے۔ بارہ سو ستانوے ہجری (۱۲۹۷ھ) میں انتقال کیا۔

---

[1] تذکرہ علماے ہند۔

مولوی سید عبد العلی

ابن[1] مولانا سید رستم علی رام پور میں پیدا ہوئے۔ کتب عربیہ اپنے والد سے پڑھیں بحالت نوجوانی مکۂ معظمہ کو تشریف لے گئے اور وہاں مفقود الخبر ہو گئے۔

مولوی عبد العلی

ولد مولوی سید احمد علی ولد مرزا محمد جان احراری۔ رام پور میں پیدا ہوئے علوم رسمی فارسی اور عربی کی تحصیل تمام کر کے اخیر میں حیدر آباد دکن میں چلے گئے مزاج میں کسی قدر جنون کا اثر تھا۔ حیدر آباد دکن میں اپنے والد کے انتقال کے بعد ڈیڑھ سو روپے کی تنخواہ ہو گئی۔ ایک شخص کے قتل کرنے سے عتاب ہوا گھر مکان میں نظر بند رکھے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد نظر بندی سے رہائی ہوئی رام پور آئے۔ رام پور میں تعلیم و تعلم ترک کر دیا تھا۔ اراضی معافی موجود تھی اُس سے گزر تھی۔ محلہ پختہ پل پر آپ رہتے تھے ۱۳۳۲ھ میں رام پور میں انتقال کیا اور بادشاہ میاں کے مزار میں دفن ہوئے۔ اولاد ذکور کوئی نہیں ہے۔

مولوی عبد الغفار خاں

ولد محمد جی۔ قوم افغان۔ آپ کے والد باشندہ شاہ منصور علاقہ سرحد فرقہ ابا خیل سے ہیں۔ محمد جی فقہ کی کچھ کتابیں پڑھ کر رام پور آئے اور یہاں مولوی مفتی عبد الواجد ملا غفران مولوی محمد علی علماء رام پور سے اکتساب کیا اور یہیں شادی کر لی۔
فیض احمد خاں صاحب رئیس وتاولی نے اپنے رفقا میں شامل کر لیا۔
۱۸۵۷ء میں مولوی عبد الجلیل علی گڈھی کے شریک ہو کر انگریزوں سے لڑ کر شہید ہوئے۔ اور متصل جامع مسجد علی گڈھ گنج شہدا میں مزار ہے۔
والد کی شہادت کے وقت آپ کی عمر ایک سال کی تھی۔ اپنے نانا مرزا باقی بیگ

---

[1] تواریخ عجیبہ مولوی نثار علی رام پوری۔

کے زیر سایہ پرورش پائی۔ صرف و نحو مولانا عالم علی محدث مراد آبادی سے۔
اور کتب معقول میبذی اور ملا حسن تک حافظ عنایت اللہ خاں خلیفہ مولانا
ارشاد حسین مرحوم سے پڑھیں۔ اور پھر مولانا ارشاد حسین صاحب کے حلقۂ درس
میں شامل ہو کر کل تکمیل عربی کی۔ علوم منقول اور معقول سے فارغ ہو کر مولانا
موصوف نے اپنے ہاتھ سے دستار بندی کی اور سند تکمیل دی۔ معقول میں
شرح اشارات تک سب کتابیں پڑھی ہیں۔ زمانۂ طالب علمی سے درس و تدریس
کا مشغلہ جاری ہے برسوں یہ مصروفیت پڑھانے میں رہی کہ خانہ داری کے کام
انجام پذیر نہیں ہوتے تھے۔ بازار سے جا کر سودا نہیں لائے۔ اسلئے گھر میں کھانا
نہیں پکا۔ پڑھانے کی صورت بہت اچھی ہے۔ جب تک شاگرد کی تشفی نہ ہو جائے
رد و قدح سے پریشان نہیں ہوتے۔ شاگردوں کے ترقی علم کی ایک صورت
نکالی کہ ضعیف پہلو خود اختیار کرتے۔ اور شاگردوں سے جواب مانگتے۔
ہزاروں طلبا مختلف بلاد ہندوستان اور کابل و بخارا سے آ کر فیضیاب ہوئے۔
اپنے اُستاد مولانا ارشاد حسین مرحوم سے نقشبندیہ طریقہ میں صاحب اجازت ہیں
اور ان کے صاحبزادوں کو بھی پڑھایا۔
ایک بار مدرسۂ عالیہ میں مولانا عبدالحق خیر آبادی مرحوم کے تلامذہ مولوی فیض الحسن۔
مولوی ظہور الحسن۔ مولوی عبدالعزیز وغیرہ سے جعل بسیط میں مباحثہ ہوا۔
مولوی عبدالعلی ریاضی داں حکیم تھے۔ دو روز کے مباحثہ کے بعد آپ ہی کا قول قابل
تسلیم مانا گیا۔ مسئلہ رضاعت میں مولوی عبدالعلی ریاضی داں۔ مفتی سعداللہ اور
مولوی نور النبی سے گفتگو ہوئی۔ اور آپ برسرِ حق ثابت ہوئے۔ مولوی ابراہیم
آروی سے بھی گفتگو کی وہ گھبرا کر شہر سے چلے گئے۔ بعد جناب نواب سید
کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کتب خانہ میں تعلق تھا۔ انکے انتقال کے بعد

ترک تعلق کر لیا۔ اور اب تک خانہ نشین ہیں۔ جو کوئی حسبۃً للہ نذر کرے قبول کرتے ہیں۔ مگر کسی سے امید منفعت نہیں رکھتے۔ مکان پر طلبا کو پڑھاتے ہیں۔ اب ضعف بہت ہوگیا ہے۔ اس لئے پڑھانا کم کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ پڑھانے میں تو اب بھی عذر نہیں ہے۔ لیکن اب طالب علم نہیں ہیں جنکو پڑھاؤں۔ بغیر استعداد علمی سند تکمیل مانگتے ہیں۔ خود محنت نہیں کرتے اسلئے پڑھانے کو جی نہیں چاہتا۔ مزاج میں غصہ بالکل نہیں ہے۔ کوئی کیسی ہی سخت کلامی کرے آپ نرمی سے جواب دیتے ہیں۔ بازار سے کل ضروریات خرید کر خود لاتے ہیں۔ مطلق تکلف نہیں ہے۔ اظہار امر حق میں کبھی دریغ نہیں۔ سفارش کے لئے ہر وقت مستعد ہیں۔ عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام اقبالہ کو آپ سے بہت محبت ہے۔ اکثر حاضری کا تقاضا سرکار سے ہوتا ہے۔ مگر آپ کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ آپ کے فرزند اکبر مولوی عبد الجبار خاں عرف دولھا جان خاں تکمیل علم میں مصروف ہیں۔ دو بچے صغیر السن ہیں۔ آپ کے فرزند کو ریاست سے بلا خدمت تیس روپے ماہانہ ملتا ہے۔ اور نجو خاں کے گھیر میں مکان ہے۔

حافظ سید عبد الغفار

ابن حافظ سید محمد اسمٰعیل بن سید محمد یوسف۔ بن سید محب اللہ بن سید کالے گرویزی۔ بن سید یوسف ثانی بن حضرت شاہ نجم الدین بن سید نعیم اللہ شاہ بن سید عبد الملک بن سید مبارک شاہ۔ بن سید بادید شاہ۔ بن سید یحییٰ۔ بن سید مخدوم شیخ مدا عبد الصمد۔ بن سید احمد شاہ بن سید یوسف شاہ گرویزی۔ بن سید ابوبکر بن سید قطب الدوراں معروف الزماں قصور گرویزی۔ بن سید محمد شاہ۔ بن سید احمد شاہ بن علی شاہ۔ بن سید شاہ۔ بن سید حسین قطبی۔ بن سید موسیٰ شاہ۔ بن سید عبد اللہ شاہ۔ بن شیخ حمزہ شاہ داعی۔ بن سید ابو الفتاح لوعم بن سید شیخ احمد شاہ

شفراتی - بن سید علی اور بعض - بن سید امام جعفر بن امام باقر بن امام زین العابدین
بن امام حسین - بن امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین - یہ شجرہ آپ کے
پوتے میاں قطب شاہ کے پاس موجود ہی - جو ریاست کے توپخانہ میں ملازم ہیں -
اُن کا بیان ہی کہ سید ابوبکر مدینہ طیبہ سے گرویز میں تشریف لائے - اور یہ مقام
کابل کے گوشہ جنوب و غرب میں چند فرسخ کے فاصلہ پر ہی - اور بعض کی روایت ہی
کہ سید قطبی تشریف لائے - ہندوستان میں سید کالے گرویزی افغانوں کے ہمراہ
آئے - اور کٹھیر میں بریلی اور وہاں سے کسی نامعلوم وقت میں رام پور آئے -
سید عبد الغفار کی بابت صرف یہ پتا چلتا ہی کہ اولیاء اللہ میں سے نہایت بابرکت
بزرگ تھے - رام پور کا جو محلہ گھیر مولوی شرف الدین اب کہلاتا ہی - اُس میں مکان تھا -
آپ کا مزار اُس محلہ کی مسجد میں ہی - آپ کے چار فرزند تھے - سید تصدق حسین سید
ابدال شاہ سید علی حسین - سید حاجی حسن - سید تصدق حسین کے بیٹے سید تہور حسین
تخلص جادو ہیں - جو بحالت درویشی ہیں سید ابدال شاہ کے بیٹے سید قطب شاہ
ملازم توپخانہ ہیں - سید علی حسین کے بیٹے سید تفضل شاہ ہیں - سید حاجی حسن کی
ایک لڑکی صغرا بیگم نامی ہی -

مولوی عبد الغنی خاں

ابن مولوی عبد العلی خاں تیراہی - رام پور میں ۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوے علوم
وفنون اپنے والد - مفتی شرف الدین - مولوی غفران - مولوی حافظ غلام حسین
مولوی شبراتی - مولوی محمد علی - مولوی جلال الدین - مولوی عبد العلی خاں یاسمین
مولوی عبد الحق خیر آبادی - مولوی محمد خلیل الرحمٰن - مفتی عبد الرب وغیرہ سے
حاصل کئے - فارسی - شاہ محمد امیر اپنے پیر و مرشد سے حاصل کی تھی - کچھ دنوں رام پور
میں وکالت کی اور پھر ریاست اودے پور کو چلے گئے - وہاں مختلف عہدوں پر

ممتاز رہے۔ ڈیڑھ سو روپے تک تنخواہ پائی۔ اور اپنے زمانہ آرام و آسایش
رام پور کو نہیں آئے۔ اودے پور سے تیس روپے ماہانہ کی پنشن ہوئی تو رام پو
۱۸۹۹ء میں رام پور میں انتقال کیا۔ اور محلہ املی عصمت خاں کے قبرستان
دفن ہیں۔ آپ کے فرزند مولوی نجم الغنی خاں ریاست اودے پور کے مدر
فارسی کے پروفیسر ہیں۔

مفتی مولوی عبدالقادر خاں تخلص غمگین

ولد مرزا محمد کرم آشنا۔ ولد مرزا احمد محدث۔ ولد مرزا محمد اسحٰق برلاس رام
پیدا ہوئے۔ علماے مراد آباد اور رام پور سے علوم و فنون فارسی و عربی پڑ
رام پور میں مفتی شرف الدین اور مولانا منیر علی مرحوم سے بھی کتابیں پڑھ
علم و فضل کے ساتھ شوخی بھی مزاج میں تھی۔ سنا ہو چودہ برس کی عمر
فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ ۱۸۰۹ء میں ضلع مراد آباد میں سرکار کمپنی کی ملاز
داخل ہوے۔ اجمیر۔ راجستان۔ جبلپور۔ ناگپور میں بڑے بڑے عہدوں پر ملازم
لارڈ ولیم بنٹیک نے مراد آباد میں صدر الصدور کر دیا۔ اور اسی وجہ سے م
میں محلہ بھٹی میں سکونت اختیار کی۔ سرکار کمپنی نے خطاب خاں بہادری ۱
۱۸۳۹ء میں ملازمت ترک کر کے دہلی گئے۔ دہلی میں شاہ ظفر کے پاس چھ مہینے
ایک روز مرزا غالب سے کہا آپ کے دیوان میں یہ شعر دیکھا ہو مطلب سمجھ میں نہ
پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال پھر دوا جتنی ہو کل بھینس کے انڈے سے
غالب حیران رہ گئے۔ گھر آکر دیوان کو دیکھتے ہیں۔ پریشان ہو کر ایک ایک سے د
کرتے ہیں کہ بھائی یہ شعر کہاں ہو۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے کہا کہ مولوی ص
آپ کے کلام سے ظرافت کی ہو۔ دہلی سے پھر مراد آباد آئے۔ اِس دوران میں
نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ نے ۱۲۵۶ھ لغایت ۱۲۷۱ھ منا

ہوکر طلب فرمایا۔ ذاتی ملاقات کے علاوہ ریاست کے دیرینہ نمک خوار تھے۔ فوراً رام پور آئے عدالت دیوانی وفوجداری پر مفتی مقرر فرمایا۔ اس کے بعد مدرسۂ عالیہ کی نگرانی اور حاکم مرافعہ کے خدمات سپرد ہوئیں۔ آپ کی شادی مرادآباد کے بھٹی محلہ میں شیخ فیض اللہ قرشی کی دختر سے ہوئی۔ یہ بزرگ مفتی یونس کی اولاد میں سے تھے۔

آپ کی تصانیف میں سے ایک پندنامہ فارسی کا پتا چلا ہے۔ اور ایک روزنامچہ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جناب محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رئیس حبیب گنج ضلع علی گڈھ کے پاس ہے۔ روزنامچہ کی نقل راقم نے منگاکر داخل کتب خانہ ریاست کردی ہے۔ پندنامہ فارسی کے اشعار یہ ہیں (اشعار)

شکم سیر کن بادونانِ جویں — پے پوششِ تن گلیمے گزیں

بہ گرماوِ سرما بہ زیرِ درخت — بسر کن کہ تے مایہ داری نہ رخت

چہ حاصل زر وسیم داری بگنج — چو باشی زبے آبروئے بہ رنج

اُردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ غمگین تخلص تھا۔ اُردو کلام کا نمونہ انتخاب یادگار اور گلستانِ سخن قادر بخش صابر میں ہے۔ کہتے ہیں بھاکا اور ہندی میں بھی نظم لکھتے تھے۔ رجب کی ساتویں تاریخ بارہ سو پینسٹھ ہجری (۱۲۶۵ھ) کو رام پور میں انتقال کیا۔ اور مولانا جمال الدین علیہ الرحمۃ کے مزار میں دروازہ کے پاس بیریوں کے نیچے دفن ہوئے۔ مولوی مرزا عبدالہادی خاں اور مرزا عبدالقیوم دولڑکے یادگار چھوڑے۔

عام طور پر مولوی عبدالقادر چیف کے نام سے مشہور تھے۔

مولوی عبدالقادر خاں

ولد حیدر علی خاں۔ پر مول خاں۔ ولد سیف الدین خاں کی اولاد میں سے ہیں۔

گھیر سیف الدین خاں میں رہتے تھے۔کتب درسیہ مولوی ارشاد حسین مجددی سے پڑھیں اور مولانا کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔اور انھیں سے بیعت تھے۔ اور خلیفہ بھی تھے۔ سنہ ۱۲۷۶ھ سال پیدائش ہے۔آپ کے شاگردوں میں مولوی سید گوہر علی مرحوم۔مولوی اعجاز حسین وکیل۔ مولوی عبدالحمید بنگالی۔مولوی عبدالکریم بنگالی۔اور مولوی سیف الدین ولایتی مشہور ہیں۔ان کے علاوہ بہت سے شاگرد تھے۔ان کی ذاتی جائداد مواضعات منصور گنج وغیرہ تحصیل میر گنج ضلع بریلی میں ہو اُسی سے گزر تھی۔نہایت باخدا اور پرہیزگار تھے۔کتاب ارشاد الصرف جوان کے اُستاد کی تالیف ہو اُس کی تالیف میں بھی آپ شریک تھے۔رجب کی بائیسویں تاریخ تیرہ سو دو ہجری (سنہ ۱۳۰۲ھ) کو انتقال ہوا۔اور محلہ گھیر سیف الدین خاں میں دفن ہوئے۔انکے بیٹے حافظ عبدالقدیر خاں زندہ موجود ہیں۔

حکیم عبدالکریم خاں تخلص محب

ولد حکیم غلام اکبر خاں عرف حکیم کلو خاں۔قوم پٹھان محلہ کھاری کنویں میں رہتے تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔اکثر کتب علوم عربی مفتی سعداللہ سے پڑھیں اور رام پور میں یہ ان کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔شہر کے مختلف علما سے بھی علم پڑھا۔طب اپنے دادا سے پڑھی۔فارسی شاعری میں شیخ احمد علی کے شاگرد تھے۔ درس بہت دیا۔اکثر شہری اور بیرونی طلبا نے فائدہ حاصل کیا۔حکیم نورالدین قادیانی بھی ان کے شاگرد تھے۔نہایت متین۔متدین۔اور پاک نہاد تھے۔ مدرسۂ عالیہ میں بھی کچھ دنوں ملازم رہے فالج کی وجہ سے قدرے گویائی میں کمی ہوگئی تھی بھیکم پور میں انتقال ہوا۔اور وہیں دفن ہیں۔غالباً سنہ ۱۲۹۹ھ میں انتقال ہوا۔

مولوی عبداللہ خاں

ولد حافظ اکبر خاں اصل میں خانپور کے رہنے والے تھے۔بعد غدر رام پور آئے

ابتدا میں تعلیم فارسی کے لیے غلام حسین خاں جمعدار صدر کے ہاں ملازم رہے
پھر میاں محمد شاہ محدث سے صحاح ستہ ختم کیں۔ عامل بالحدیث تھے بر تے وقت
تک حدیث ہی کا شغل رہا۔ ۱۳۲۵ھ کے قریب انتقال ہوا۔ اور بغدادی صاحب
کے مزار میں دفن ہوئے۔ محلہ راج دوارہ میں رہتے تھے۔

عبداللہ اخوند

ولد بشارت اللہ اخوند۔ ولد نواب سحاب خاں غازی۔ اپنے والد سے علوم کی
تحصیل کی۔ اور شاہ فیاض غریب نواز سے بیعت ہوئے۔ جنکا مزار اترولی میں ہے
آپ پر جذب ایسا غالب ہوا کہ کئی سال تک ایک جگہ کھڑے رہے۔ پیرو مرشد
نے تدبیر کی اور جذب کو فرو کر کے سلوک پر مستقیم کیا۔ اور وقت رخصت ایک پیالہ
دیا اور فرمایا کہ لاعلاج مریض بھی اس میں پانی پیے گا تو شفا ہو گی۔ آپ کے حالات
آپ کے خاندان کے پاس مفصل موجود ہیں۔ آپ کا مزار تحصیل بلاسپور ریاست
رام پور میں نور شاہ کے تکیہ میں بموجب وصیت خام موجود ہے۔
آپ نے حکیم مولوی محمد فیاض خاں اپنے فرزند کو یادگار چھوڑا۔

حکیم عبداللہ خاں عرف نوشہ خاں تخلص فصیح

ولد حکیم مولوی محمد یوسف خاں ولد حکیم مولوی فیاض خاں ساکن بلاسپور
تحصیل رام پور علوم رسمیہ و طب وغیرہ اپنے والد سے پڑھے۔ بلاسپور میں مطب
کرتے ہیں۔ قرابادین فصیحی آپ کی تالیف سے قلمی موجود ہے۔

مولوی عبیداللہ خاں

ولد حکیم غلام اکبر خاں عرف کلو خاں ابن حکیم محمد شاہ خاں ابن طرہ باز خاں
ابن رحمت خاں ابن شہامت خاں۔ ان کے بزرگ علاقۂ بونیر کے گدازی قبیلہ
سے ہیں۔ شہامت خاں۔ اور ان کے بیٹے رحمت خاں بونیر سے آئے اور جناب

نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر غفراں مآب کے ملازموں میں داخل ہوئے۔
رحمت خاں نے بسولی میں مسکن بنایا۔ طرہ باز خاں وہیں پیدا ہوے۔
جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر نے رام پور کو آباد کیا تو طرہ باز خاں
کو بھی رام پور میں طلب فرمایا۔ اور طرہ باز خاں کی حقیقی بہن سے عقد کیا جنکے بطن سے
نواب سید کریم اللہ خاں بہادر پیدا ہوئے۔
حکیم محمد شاہ خاں رام پور میں پیدا ہوے اور نواب سید کریم اللہ خاں بہادر کی
صحبت میں رہنے لگے۔ حکیم بخش اللہ خاں سے اسی صحبت میں فن طب حاصل کیا۔
اور اسی وقت سے اس خاندان میں طبابت کا فن آیا۔ ورنہ موروثی پیشہ
سپاہگری تھا۔
مولوی عبید اللہ خاں نے علوم منقول و معقول مفتی سعد اللہ اور اپنے بڑے بھائی
حکیم عبد الکریم خاں سے حاصل کئے۔ طب بھی بھائی سے پڑھی۔ مطب بھی کرتے
تھے اور طلبا کو بھی پڑھاتے۔ کئی سال تک ہز ہائنس جناب نواب سید محمد حامد علیخاں
صاحب بہادر دام ملکہم کو عربی پڑھائی۔ نہایت قانع اور متدین تھے۔
۲۷ ۱۳۱۱ھ میں انتقال ہوا اور شاہ درگاہی رحمۃ اللہ کے مزار میں دفن ہوے۔
بڑے صاحبزادے جے پور میں مطب کرتے ہیں چھوٹے صاحبزادے مولوی حمید اللہ
خاں ۲۶ ۱۳۱ھ میں مدرسۂ عالیہ رام پور سے فارغ التحصیل ہو چکے۔ آج کل حدیث
پڑھ رہے ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ۔

عبد اللہ شاہ ولایتی

یہ بزرگ ولایت افغانستان سے آئے۔ لال مسجد میں رہتے تھے۔ زندگی نہایت
آزادانہ بسر کی۔ ہر وقت دروازہ حجرہ کا بند رکھتے تھے۔ پچھلی شب میں ضرورتوں
کے واسطے نکلتے تھے۔ کوئی شخص معین وقت پر حجرہ میں کھانا رکھ آتا تھا۔

لوگوں سے ملنے میں عار تھی۔ مولانا فخرالدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔
باوجود تنہائی پسند ہونے کے کچھ نہ کچھ لوگ حاضر ہو جاتے تھے۔ اور فیض پاتے تھے۔
مرض موت میں اپنے خلیفہ حاجی محمد صاحب سے فرمایا کہ میری قبر پختہ نہ بنانا نہ احاطہ
بنایا جائے۔ آپ کا مزار محلہ کلکتہ کے قبرستان میں توپخانہ سرکاری کے شمال میں تالاب
کے کنارہ واقع ہے۔ لوگوں نے قبر پر کنکر لگا دئے ہیں تاکہ نشان قبر باقی رہے
۱۲۸۰ھ کے قریب انتقال ہوا۔

عبداللہ خاں عرف بیچا خاں تخلص ظہیری

ولد غلام محی الدین خاں۔ فارسی کی کتابیں اساتذہ رام پور سے پڑھیں اور فارسی
میں آپ کی استعداد مشہور ہے۔ نظم فارسی کا بھی شوق تھا۔ محمد عظیم خاں عظیم سے
اصلاح لیتے تھے۔ زہد۔ تقویٰ۔ امانت۔ اور دیانت میں مشہور ہیں۔ مولوی
علی محمد خاں مولوی علیم الدین چاٹگامی۔ مولوی عبدالرحمن پنجابی۔ مولوی
جعفر علی خاں اور بہت سے اور لوگ آپ کے فارسی میں شاگرد ہیں درس میں
خاص ملکہ تھا۔ کارخانہ شکر سازی ریاست میں مہتمم تھے۔ اور بہت امانت سے کام کیا۔
مزاج میں سادگی اور انکسار تھا۔ راقم کے والد سے بیحد دوستی تھی شطرنج کے بھی
استاد مانے جاتے تھے۔ جہاں آپ کے مکانات ہیں اب وہ محلہ گھیر بیچا خاں
کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے دادا نصرت خاں جناب نواب سید احمد علی خاں
صاحب بہادر کے عہد میں خوب ذی مرتبہ تھے۔ بہت سی جائداد تھی اب آپکے
بیٹوں کے پاس کچھ موجود ہے ۱۳۱۲ھ کے قریب انتقال کیا۔
اور محلہ مدرسہ میں اپنے خاندانی مقبرہ میں دفن ہوئے۔

مولوی حاجی محمد عبداللہ خاں

ابن مولوی حاجی محمد سعید خاں۔ ابن محمد ظریف خاں۔ ابن خان محمد خاں

ابن یار محمد خاں - ابن خواجہ احمد خاں ابن باشو خاں - ابن اندراں خاں ابن بازو خاں - ابن شاہزادہ شہاب الدین خاں - قوم چغتہ میں برلاس - برلاس میں ذکریائی - ذکریائی میں بڑتوی شہد والی ہیں - شاہزادہ شہاب الدین ایران سے غزنی ہوتے ہوئے - موضع بیٹی کوٹ ملک ننگر ہار متصل تیراہ پہونچکر مقیم ہوئے۔ رام پور میں اِس قوم کے لوگوں کو تیراہی کہتے ہیں ہندوستان میں آپ کے والد مولانا حاجی محمد سعید بطلب علوم ظاہری و باطنی تشریف لائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور اُن کے ہم عصر دیگر اساتذہ دہلی سے تکمیل ظاہری اور باطنی کی شاہ صاحب کے ساتھ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ کتاب فتح الرحمن ترجمۃ القرآن مصفی شرح موطا بخاری - قول الجمیل - تاویل الاحادیث - فوز الکبیر اور دیگر کتابوں پر شاہ صاحب کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی سند اجازت آپ کے ورثا کے پاس ۱۸۵۷ء تک موجود تھی۔ مگر بعد میں مکان کو آگ لگ گئی اور یہ سرمایہ تلف ہوگیا۔ شاہ صاحب حاجی محمد سعید کو اخی فی اللہ لکھا کرتے تھے شاہ صاحب کے بعد شاہ عبد العزیز شاہ رفیع الدین اور شاہ اسحٰق نے بھی سلسلۂ اخوت اور اتحاد کو قائم رکھا۔ اِن لوگوں کے خطوط حاجی محمد سعید کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔ ایک خط شاہ عبد العزیز قدس سرہٗ کا جو آپ کے اور آپ کے بھائی مولوی عبد الرحمن خاں کے نام ہے نقل کرتا ہوں۔

فضائل مآب حاجی الحرمین اخون زادہ عبد اللہ و عبد الرحمن سلمہ اللہ تعالیٰ از فقیر عبد العزیز - سلام مسنون الاسلام و دعوات ترقی دارین مطالعہ نمایند خط مسرت نمط ایشاں رسید خیر و عافیت ایشاں مع برادران دریافت گردید - حمد الٰہی ادا کردہ شد و خاطر را جمعیت دست داد۔ فقیر ہمیشہ برائے محبان علی الخصوص برائے شما کہ یادگار حاجی

محمد سعید مرحوم آید داعی وخیر خواه است از اشتیاق ملاقات انچہ
قلمی نمودہ بودند چرا نباشد مثل مشہور است مودۃ الاباء قرابۃ الدنیا
محبت حاجی صاحب مرحوم بہ اینجانب لے ذمہ محبت گزشتہ بود۔
البتہ احوال اصول در فروع سرایت دارند دل باہم برائے دیدن شما
می خواہد لیکن اللہ تعالیٰ بخیریت وجمعیت بظہور آرد۔ تا وقوع
ایں معنی از شنیدن اشتغال بدرس وتعلیم کہ شما دارند خاطر را مسرور
مے سازم۔ وخواہان آنیم کہ اللہ تعالیٰ شمارا در باطن وظاہر بروضع
محمود سلف خود قایم دارد نوشتہ بودند کہ بدست حافظ معین الدین
خطے ارسال داشتہ بودند کہ جواب آں ازیں طرف نرسید۔ بدست
حافظ معین الدین ازاں طرف خطے نیامدہ بود لیکن مدت است کہ از
جہۃ دیگر خطے رسیدہ بود وجوابش نیز فرستادہ بودیم۔ اغلب کہ رسیدہ
باشد واحتمال است کہ در راہ ضائع شدہ۔ بہرحال مارا در حق خود
داعی بالخیر دانند۔ از طرف برادرانِ دیگر سلام برسد ومضمون ہمین
است بہ برادران خود سلام ودعوات رسانند۔

شاہ ولی اللہ کے انتقال کے بعد حاجی صاحب بریلی میں حافظ رحمت خاں کے
پاس گئے۔ اور نواب عنایت کے تعلیم وتربیت پر مامور ہوئے حاجی محمد سعید خاں
نے بریلی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ قلعہ والی ندی میں ان کے
مکانات اور مزار دریا برد ہوگیا۔ حاجی صاحب کے پانچ فرزند تھے۔ مولوی حاجی
عبداللہ مولوی احمد۔ محمد جان۔ مولوی عبدالرحمٰن۔ مولوی عبدالرحیم۔ ۱۱۸۸ھ
میں حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد ان پانچوں صاحبوں کو جناب
نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر عزت واحترام سے رام پور لے آئے

اور سب کے لئے معاش کا انتظام فرما دیا۔ شاہ عبدالعزیز ان کو فضیلت مآب لکھا کرتے
تھے۔ مولوی مدان بھی حاضر خدمت ہوتے تھے۔ حاجی عبداللہ فاضل اجل۔ حافظ۔
اور قاری یکتائے روزگار تھے۔ دنیا سے بالکل مستغنی اور درویش صفت یاد الٰہی میں
مصروف رہتے تھے۔ گو آپ کے چار بیٹے تھے۔ مگر اب اولاد سب تمام ہوگئی۔ محلہ ٹھوٹر
مسکن تھا۔ اور اُسی محلہ میں قبر ہے۔

مولوی عبداللہ

ولد مولوی حنظلہ ساکن ملک پگلی منصور نواح کشمیر۔ آپ کی ایک کتاب فارسی
زبان میں موسوم بہ طب احمدی قلمی ۔۱۴۰ صفحہ پر لکھی ہوئی کتب خانۂ ریاست رام پور
میں موجود ہے۔ مؤلف نے اپنا نام اور مقام سکونت لکھنے کے بعد ظاہر کیا ہے۔
کہ تحصیل جمیع علوم کے بعد تدریس۔ اور تصنیف میں نے شروع کی۔ پھر طب کا شوق ہوا
اسکو بھی تمام وکمال حاصل کیا۔ پھر نکاح کیا۔ اور رام پور میں قاضی محلہ میں سکونت
اختیار کی۔ ہندوستان میں اہلِ اسلام کی ریاست منقلب و منعکس ہوگئی ہے۔
اسلئے اہلِ علم وکمال پریشان ہیں۔ درستی معاش اہلِ اسلام میں مشکل اور غیر اہل اسلام
میں ممکن ہے لیکن نوکری غیر اہل اسلام کی بے ضرورت جائز نہیں۔
لہذا مجھے سخت معاش کی تکلیف ہے اور اسی سبب سے تدریس اور تصنیف سے
مجبور ہوں فی الحال یہ چھوٹا سا رسالہ لکھکر نواب احمد علی خاں بہادر والی رام پور
(۱۲۱۹ھ تا ۱۲۵۶ھ) کے حضور میں پیش کرتا ہوں تاکہ وہ میری دستگیری کریں۔
اِس کتاب میں کہیں کہیں حاشیہ پر نہایت بدخط عبارت اور خاتمہ پر بھی
ایک عبارت ہے غالباً وہ مؤلف کے قلم کی ہے۔
خاتمہ پر سنہ تصنیف ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۲۲۶ فصلی درج ہے۔ اور کوئی حال
آپ کا معلوم نہیں ہوا۔

مولوی حافظ محمد عبداللہ خاں عرف حافظ کلاں

عالم متبحر اور جید حافظ اور قاری تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ میں اکابر زمانہ سے تھے۔ بڑے بڑے علما اور صلحا ان سے استفادہ ظاہری و معنوی کرتے تھے۔ سید حسن شاہ محدث رام پوری آپ کے پوتے مولوی عبدالجبار خاں آصفی سے کہا کرتے تھے۔ کہ تمہارے دادا عزیز الوجود تھے۔ اور میں انکی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ مولوی مختصر صاحب اِن کے فیض یافتوں میں سے تھے اکثر نامور علما اور صالحین طریقت ان سے مستفید ہوتے تھے۔ اُس زمانہ میں راستے پُر خطر اور اسباب سفر و سواری سے بہم ہوتے تھے۔ مگر وہ سات بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ روضۂ منورہ نبوی سے بہت کچھ انوار اور برکات حاصل کئے۔ تقوی اِس درجہ تھا۔ کہ بے نمازی کے ہاتھ کی چیز کا کبھی استعمال نہیں کیا۔ ریاست ٹونک اور جاورہ سے سالانہ معقول طور پر امداد ہوتی تھی۔ کسی رئیس کے مکان پر نہیں جاتے تھے جناب نواب سید احمد علی خاں بہادر کے عہد میں (۱۲۵۳ھ تا ۱۲۵۶ھ) انتقال ہوا۔ حافظ قاری عبدالرزاق خاں فرزند یادگار چھوڑا۔

حکیم مولوی عبدالمجید خاں

ولد ملا معز الدین ولایتی ملا عرفان کی مسجد کے قریب رہتے تھے۔ رام پور ہی میں پیدا ہوئے معقول مولانا خلیل الرحمن خاں سے پڑھی۔ دہلی جاکر مفتی صدرالدین خاں سے فقہ اصول وغیرہ پڑھا۔ حدیث مولانا محمد یعقوب برادر مولانا اسحق سے حاصل کی۔ حکیم حسن بخش خاں ملازم شاہ دہلی سے طب پڑھی۔ علم ریاضی کا پتا نہیں چلا کہ کہاں حاصل کیا دہلی میں مفتی صدرالدین خاں بحالت طالب علمی انکے کھانے کے کفیل تھے سبق کے وقت میں کوئی صاحب مفتی صاحب سے ملنے آئے اُس روز سبق ناغہ ہوگیا۔ دوسرے دن حکیم عبدالمجید خاں سبق کے وقت حاضر نہیں ہوئے

مولوی عالم علی مراد آبادی اور نواب قطب الدین خاں ہم سبق تھے مفتی صاحب نے
دونوں کو بھیجا کہ دیکھو عبدالمجید خاں کا کیا حال ہے۔ جب دونوں صاحب ملے تو
حکیم صاحب نے کہا کہ اب ارادہ پڑھنے کا نہیں ہے مفتی صاحب کو ان کی ذہانت کی
وجہ سے بیحد خیال تھا آئندہ کے لئے مفتی صاحب نے وعدہ کر لیا کہ سبق کے وقت
کوئی اور کام نہ ہوگا۔ چنانچہ ولیعہد سلطنت بھی تدریس کے وقت آجاتے تھے۔
مگر مفتی صاحب جواب سلام کے سوا کوئی بات نہیں کرتے تھے تکمیل کے بعد رات دن
پڑھانے اور مطب کرنے کا شغل تھا۔ بہت سے لوگوں کو فائدہ پہونچا رام پور میں
کچھ دنوں صاحبزادۂ کاظم علی خاں بہادر برادر نواب فردوس مکاں اور صاحبزادہ
محمد رضا خاں بہادر کے ہاں ملازم رہے پھر دتاولی ضلع بلند شہر کو چلے گئے۔ وہاں
سے بیمار ہو کر آئے اور رام پور میں ۱۲۹۰ھ کے قریب انتقال ہوا۔ اولاد میں سے
سید احمد خاں۔ نیاز احمد خاں صاحب علم تھے دونوں مر گئے۔ نور احمد خاں موجود
ہیں۔ مگر علم سے بے بہرہ شاگردوں میں بہت سے لوگ تھے۔
منجملہ ان کے حکیم نیاز احمد خاں۔ حکیم فتح علی خاں۔ مولوی نذر محمد خاں۔ حکیم
علی الدین۔ حکیم محمد رضا خاں۔ جو قصبہ نوشا ضلع دتاولی میں ملازم تھے۔
میاں وزیر حسین مجددی موجود ہیں۔

مولوی عبداللہ

خلف ملا کبیر قوم افغان ۱۲۶۱ھ میں زندہ تھے۔ طریقہ تصوف کا غلبہ تھا۔

مولوی عبداللہ

ولد محمد محسن عرب۔ محسن یمنی تھے۔ علم سے بہرہ نہ تھا۔ مکہ معظمہ میں بہت رہے
اتفاق سے رام پور آئے۔ جناب نواب خلد آشیاں نے جامع مسجد کا موذن مقرر کر دیا۔

سلہ روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں۔

نہایت خوش الحان تھے۔ رام پور میں عقد کیا۔ اُن سے مولوی عبداللہ پیدا ہوئے
مولوی محمد طیب مکی مغفور اور رام پور کے علما سے کل درسیات بہت شوق سے
پڑھے۔ نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ بہت تھوڑی عمر میں فاضل ہو گئے۔ ادب
میں تو سبحان اللہ بہت ہی خوب تھے۔ مولانا محمد طیب نے اپنی لڑکی سے شادی
کر دی۔ حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں دہلوی کے ہاں ملازم تھے۔
غالباً پچیس چھبیس برس کی عمر تھی کہ ۱۹۰۵ء عیسوی میں وبائے طاعون سے
رام پور میں انتقال کیا۔

مولوی عبدالملک خاں

مولانا محی الدین ولایتی کے فرزند تھے جنکا انتقال ٹونک میں ہوا رام پور میں
پیدا ہوئے۔ رام پور میں تمام علوم و فنون حاصل کئے۔ شمس العلما مولوی عبدالحق
خیرآبادی سے کتابیں پڑھیں۔ نواب محمد علی خاں والیٔ ٹونک کے زمانے میں
محکمہ گیرائے کے ناظم مقرر ہوئے۔ نواب محمد علی خاں معزول ہو کر بنارس گئے
تو اُن کے ہمراہ یہ بھی بنارس چلے گئے۔ اور ہمراہ رہے۔ ٹونک میں انتقال ہوا۔
راقم کے والد سے ملاقات بہت تھی۔

مولوی عبیداللہ اخون سواتی

آپ بعہد جناب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر ۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ
میں سوات سے رام پور آئے۔ بھائی سے کچھ نزاع ہوا تھا۔ اس لئے ترک
وطن کیا۔ صاحب علم تھے۔ رام پور میں شادی کی۔ سید آلِ احمد صاحب
عرف اچھے میاں مارہروی سے بیعت تھے۔ مولوی رفیع اللہ خاں آپ کے
فرزند تھے۔ آپ کا مزار الف خاں کے گھیر کی مسجد کے شمال میں ہے۔
اُسی محلہ میں سکونت تھی۔

مولوی عبدالنبی خاں تخلص جاوید

ولد سید نور خاں ساکن محلہ کنڈہ۔ رام پور میں علوم و فنون پڑھے۔ طلبا میں بھی دستگاہ تھی۔ معلم گری سے گزر تھی۔ نہایت مرد متدین اور پرہیزگار تھے اُردو شاعری کی طرف بھی کبھی توجہ کرتے تھے منشی سید اسمٰعیل حسین منیر کے شاگرد تھے۔ کلام کا نمونہ انتخاب یادگار میں ملاحظہ ہو۔ عطاء اللہ خاں صاحب مرحوم جج عدالت خفیفہ کے ہاں برسوں ملازم رہے۔ انتقال کو غالباً تیس سال ہوئے۔

مولوی عبدالواحد

ولد مولوی محمد اسحٰق۔ رام پور کے مدرسہ محلہ میں پیدا ہوئے۔ فارسی۔ عربی کتابیں اپنے والد سے پڑھکر لکھنؤ میں علماے فرنگی محل سے استفادہ کیا نہایت ذہین اور طباع تھے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب رام پوری کے مرید تھے ایک زمانہ تک مفتی عدالت دیوانی اور فوجداری رہے۔ سن وفات تقریباً ۱۲۹۵ھ ہی۔ محلہ مدرسہ کی مسجد کے متصل آپ کا مزار ہو۔ آپ کے فرزند مولوی عبدالقادر زندہ ہیں۔ اور کچھ موروثی معاش ہو اُس سے بسر کرتے ہیں مفتی صاحب کی تصنیف سے احکام الایمان اُردو منظوم عقاید میں نہایت مختصر سولہ صفحہ کی کتاب ۱۲۶۱ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ میں چھپی ہی۔

قاری عبدالولی

ولد مولوی احمد علی احراری۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ یہیں علوم و فنون پڑھے۔ جید حافظ اور اعلیٰ درجہ کے قاری تھے۔ راقم السطور نے بھی ایک بار دیکھا تھا۔ نہایت وجیہ اور قوی تھے۔ فن قرأت کی معلومات میں اِس وقت رام پور میں کوئی اُن کے مثل نہ تھا نصیحت اور پند میں یہ اثر تھا کہ کافر بھی مسلمان ہو جاتے۔ بے نمازیوں کو نماز پر مجبور کرتے تھے۔ نرمی اور تشدد دونوں سے کام لیتے تھے۔

بی انتہا کا تھا۔ صابر و شاکر اور پابند احکام شرعیہ بدرجۂ غایت تھے۔
ر آباد دکن میں ملازم ہو گئے۔ اکبر جنگ کوتوال بلدہ نے یہ حالات سنکر اپنے
نہ میں لیلیا۔ ایک بار اکبر جنگ کی زبان سے کوئی نامہذب لفظ نکلا آپ
ثیر لیکر کھڑے ہو گئے۔ لوگ درمیان میں حائل ہو گئے۔ پھر کوتوالی اضلاع میں
دلہ ہو گیا۔ اضلاع میں بڑی محنت اور جانفشانی سے مجرموں کو گرفتار اور مال
روقہ کو برآمد کیا۔ اتفاقاً ویسرائے بہادر کی آمد حیدر آباد میں ہوئی۔
ہنگ آباد میں ایک شاہی مکان آراستہ کیا گیا اُس میں تماشائیوں کے آنے کی
نعت تھی۔ کچھ سکھ ہتیار بند محل شاہی میں چلے آئے۔ کوتوال کے سپاہیوں سے
وکے گئے۔ آپ نے بجبر ان کے ہتھیار لیکر تعلقدار کے پاس بھیجدیے۔
ہوں نے تعلقدار سے اسلحہ کا مطالبہ کیا وہ تعلقدار شاید پارسی تھا۔ اور
ری صاحب سے عناد رکھتا تھا۔ سنا ہے اُسنے سکھوں کو اشتعال دیا۔ ایک روز
ہوں نے بحالت بیخبری قاری صاحب کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ قاری صاحب کے
ے عزیز خان بہادر سو رہے تھے۔ وہ اُٹھے تو اُن کو بندوق سے مار ڈالا۔
اری صاحب خالی ہاتھ تھے اُن پر فیر ہونے لگے۔ پہلی گولی ران میں لگی
ی حالت زخم میں ایک سکھ کی تلوار چھین کر تین کو قتل کیا سکھوں نے بندوقوں
ے شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پنجہ بھی کرتے تھے اور ہاتھ میں خوب
اقت تھی۔ رام پور میں امن خاں ٹھیکہ دار مرحوم کے متصل مکان تھا۔
پکے فرزند محمد علی حیدر آباد میں موجود ہیں۔ بلا خدمت [illegible] روپے ریاست
یدر آباد سے تنخواہ پاتے ہیں۔ نعمان بہادر آپکے خالہ زاد بھائی تھے۔
کی بیوہ کو حیدر آباد سے سات روپے ماہانہ ملتا ہے۔ اور آپکی والدہ سعادت النسا
یگم صاحبہ مرحومہ کو تین روپے ماہانہ ملتے تھے۔

اخوندزادہ مولوی عیاض خاں

ولد اخوندزادہ محمد شاہ خاں قوم کے باجوڑی۔ باجوڑیوں میں اتمہ خیل اتمہ
خیلوں میں شماخیل۔ شماخیل میں سالارزئی تھے۔ بعہد جناب سید علی محمد خان
صاحب بہادر مغفور آنولہ میں وطن سے آئے۔ جب جناب نواب سید محمد فیض اللہ خان
صاحب بہادر نے رام پور آباد کیا۔ آپ کے والد بھی ہمرکاب رام پور آئے۔ اور مولوی
عیاض خاں رام پور میں پیدا ہوے۔ علوم وفنون عربیہ میں کامل دستگاہ تھی
فلسفہ میں بڑا درجہ تھا۔ رام پور۔ بریلی۔ اور لکھنؤ میں تحصیل کی تھی۔
جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ کو اور صاحبزادہ سید
عبد العلی خاں بہادر اور صاحبزادہ سید محمد عبد اللہ خاں صاحب بہادر کو پڑھایا تھا
نواب جنت آرام گاہ اُنکو بھائی فرمایا کرتے تھے عملیات میں بھی کمال تھا۔ علوم
ظاہری کے ساتھ جسمانی طاقت بھی بہت اچھی تھی۔ اور تیراک بھی تھے۔
۲۰ محرم سنہ بارہ سو تینتیس ہجری ۱۲۳۳ھ کو رام پور میں انتقال ہوا۔ مولوی
غلام محی الدین خاں میر منشی رزیڈنسی راجپوتانہ اور منشی محمد عمر خاں دو فرزند
یادگار چھوڑے۔ تذکرہ علمائے ہند میں ملا عیاض کی نسبت لکھا ہے کہ مفتی
شرف الدین کے شاگرد تھے اور بحث ومباحثہ بہت کرتے تھے۔
دستور المبتدی صرف عربی قدیم کتاب کے مقابلہ میں ایک کتاب دستور المنتہی
لکھی۔ سوال وجواب کی جگہ شک اور فک لکھا ہے۔ غالبًا وہ بھی اخوندزادہ
مولوی عیاض خاں ہیں۔

مولوی محمد عیاض خاں باجوڑی

رام پور میں تحصیل علوم عربیہ کے بعد دہلی کو گئے وہاں شاہ عبد العزیز محدث
سے حدیث شریف کی تکمیل کے بعد آگرہ کو گئے۔ اور جامع مسجد آگرہ میں در

تدریس شروع کی۔ ڈپٹی امام الدین خاں آگرہ میں پانچ چھ گاؤں کے مالک تھے۔
اُنھوں نے مولوی محمد عیاض سے اپنی لڑکی کا عقد کردیا۔ عقد کی وجہ سے یہ اُس جائداد
پر قابض ہوئے۔ ایک بیٹے کا نام ابراہیم خاں تھا۔ اب اُن کے پوتے اور نواسے
خوشحالی کے ساتھ اکبرآباد میں رہتے ہیں۔ آجکل انکا ایک نواسا تفضل حسین خاں
نامی زندہ ہے۔ اُس نے رام پور میں مولانا عبدالحق خیرآبادی سے کچھ کتابیں پڑھیں
اب وہ آلوانگرا ضلع آگرہ میں طبابت کرتا ہے۔

مولوی محمد عیاض

ابن اخوند سید احمد خاں برادر خرد مولوی محمد حیات لکھنؤ میں طالب علمی کی
قلندروں کی صحبت سے ان کی حالت میں ایک شورش پیدا ہوگئی تھی۔
اور درس و تدریس چھوڑکر رام پور چلے آئے۔ ایک جگہ قرار نہ تھا۔ کہتے ہیں کیمیا بھی
آتی تھی۔ نالہ پار محلہ میں اپنے عزیز مولوی عبدالحق خاں تخلص حقی و صفا کے مکان پر
رہتے تھے۔ چھیاسٹھ برس کی عمر میں بارہ سو پچانوے (۱۲۹۵ھ) ہجری میں رام پور میں
انتقال کیا۔ نالہ پار محلہ میں دفن ہوئے۔

مولوی مرزا عبدالہادی خاں تخلص ہادی

ولد مولوی عبدالقادر خاں صدرالصدور ولد مرزا اکرم آشنا۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔
علوم درسیہ کچھ اپنے والد سے اور کچھ مولانا نورالاسلام خلف مولوی سلام اللہ محدث
اور مفتی شرف الدین مرحوم سے پڑھے۔ آپ کی شادی مولوی محمد ناصر آپ کے چچا کے
ہاں ہوئی۔ ابتدا میں حسن پور ضلع مرادآباد میں تحصیلدار ہوئے۔ کچھ دنوں تک مرادآباد
میں قائم مقام ڈپٹی کلکٹر رہے۔ اس کے بعد پوایاں ضلع شاہجہاں پور میں تحصیلداری
پر گئے۔ چونسٹھ برس کی عمر ہوئی شوال کی چوتھی تاریخ بارہ سو ستاسی ہجری
(۱۲۸۷ھ) کو پوایان میں انتقال ہوا۔ اور وہیں عیدگاہ کے سامنے دفن ہوئے۔

آپ نے مرزا نظام الدین۔ مرزا نصیر الدین۔ مرزا قطب الدین۔ اور مرزا محمد تقی چار لڑکے یادگار چھوڑے۔ اب یہ خاندان مراد آباد میں ہے۔ اُردو شاعری کا بھی ذوق تھا۔ انتخاب یادگار میں کلام کا نمونہ ہے۔

میاں عبید شاہ

قوم پٹھان زئی گردن۔ آپ رام پور میں پیدا ہوئے ع۔ بی اور فارسی میں حاصل کی اپنے بڑے بھائی حضرت میاں محمد امیر شاہ سے بیعت تھے محلہ کٹرہ جلال الدین خاں میں مکان تھا۔ سوائے مسجد اور مکان کے کہیں نہیں جاتے تھے۔ پیرزادہ اعظم الدین خاں کی بیٹی بخشی بیگم آپ کے نکاح میں تھیں۔ نہایت زہد اور اتقا کے ساتھ زندگی بسر کی۔ دہلی میں البتہ کثرت سے آمد و رفت تھی شاہی خاندان کے اکثر مرد اور عورت آپ سے بیعت تھے۔ اور بہت تحفہ دیا کرتے تھے ۱۸۵۷ء کے غدر میں آپ دہلی میں موجود تھے۔ شاہی خاندان کی جو وہاں حالت نازک دیکھی تو رام پور آئے۔ اور سب زیور وغیرہ یہاں سے لیجا کر شاہی خاندان کے پریشان حالوں کو دیدیا۔ بارہ سو اٹھانوے (۱۲۹۸ھ) کے قریب انتقال ہوا۔

مزار اُسی محلہ میں پیرزادہ اعظم الدین خاں کے مزار کے پاس ہے۔

حکیم حیدر علی خاں ایک لائق فرزند یادگار چھوڑا۔

مولوی حکیم عبد الہادی خاں

ولد یعقوب خاں رسالدار۔ ولد مولوی ہزار میر خاں اخوندزادہ ولد عبد الحمید خاں رام پور میں تقریباً ۱۲۸۰ھ میں طوغون کے گھیر کے قریب اخون خیلوں کے محلہ میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو گھر میں حکومت۔ دولت۔ عزت۔ سب کچھ موجود تھی۔ آپ کے والد کی عظمت تمام شہر میں تھی۔ دربار میں بھی خوب اعزاز تھا۔ رسالداری۔ کوتوالی مختلف عہدوں پر ملازم رہے۔ گھر میں موروثی اندوختہ

کے سوا مستاجری کھنڈسال ودرتجارت ہوتی تھی۔ معلم ملازم رکھے گئے۔ اور ناز و نعم کے ساتھ فارسی اور عربی تعلیم بھی شروع ہوئی۔ مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں۔ مولوی ظہور الحسن۔ مولوی محمود عالم۔ مولانا سلامت اللہ۔ مولوی عبدالغفار خاں۔ اور شمس العلما مولانا عبدالحق سے کتابیں پڑھیں۔ طبیعت نہایت ذکی حافظہ بہت قوی تھا۔ طب اپنے ماموں حکیم محمد حسین خاں سے پڑھی شعرگوئی فارسی اور اردو کا شوق کیا تو ڈنکے بجادئے۔ کلام اکثر پرچوں میں چھپا ہے۔ کلام سے علمی قابلیت اور نازک خیالی ٹپکتی ہے۔ آپکے والد کا یہ منشا تھا کہ آپ گھر پر بیٹھکر طلبا کو پڑھائیں اور خاندان میں جو علمی سلسلہ چلا آتا تھا۔ پھر قائم ہوجائے۔ اپنے والد کی زندگی تک گھر سے باہر قدم نہ نکالا۔ ملازم خدمتی سب کچھ موجود تھے۔ علاقۂ مستاجری میں نقصان ہوا۔ جائداد تلف ہوئی۔ ادھر والد کا انتقال ہوگیا۔ مجبور ہوکر مطب شروع کیا۔ اللہ تعالی نے دست شفا عطا کی تھی۔ علی گڈھ کے ضلع میں خوب زور شور سے مطب کرتے تھے۔ اخلاق اور محبت کی کان تھے۔ اسلام کی ہمدردی رگ و پے میں تھی۔ پابند صوم و صلوۃ۔ نہایت دیندار نوجوان تھے۔ افسوس کہ چودہ مہینے کی علالت کے بعد سہ شنبہ کے دن ستمبر کی چھبیسویں تاریخ سنہ انیس سو سولہ عیسوی ۱۹۱۶ء مطابق ۲۷ ذیقعدہ سنہ تیرہ سو چونتیس ہجری (۱۳۳۴ھ) میں انتقال فرمایا۔ اور بزرگوں کے قبرستان میں اپنے مکان کے متصل دفن ہوے۔ ایک لڑکا مولوی عبدالواحد خاں فاضل درسنی یادگار ہے۔

تاریخ انتقال از تصنیف جناب منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی لکھنوی

بست و ہفت ذیقعدگی اور ہے سہ شنبہ کا روز

جان وفا پر دست درازی آکے اجل نے کی ہے آج

فکر وفات کے سنہ کی تھی تو ہاتف نے دی یہ آواز

عبدالہادی خان وفا نے راہ عدم کی لی ہے آج

تاریخ ثانی

جنت میں ہوئے جا کے وفا داخل آج

مولانا حسرت موہانی نے ان کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں منظومہ کلام اِن کے فرزند نے شائع کر دیا ہے۔

مولوی محمد عثمان خاں تخلص فیض

ولد حافظ غلام شاہ خاں ابن شرف الدین خاں۔ قوم باجوڑی آپ کے دادا کے نام سے اگھیر شرف الدین خاں موجود ہے وہیں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تکمیل رام پور ہی میں کی۔ عربی کی طرف بھی توجہ کی ابتدا میں طلبا کو بھی پڑھایا۔ عہد ولیعہدی جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں (۱۲۸۱ھ تا ۱۳۰۴ھ) میں مصاحبوں میں داخل ہوئے مسند نشینی کے بعد روز افزوں مراتب میں ترقی ہوئی۔ دولت اور عزت ہمدوش رہی۔ جائداد کثیر پیدا کی۔ معاملات ملکی میں مشیر خاص تھے۔ مدار المہام ریاست مقرر ہوئے۔ نیاز علی خاں کے بازار میں مکانات مول لیکر ایک عالیشان عمارت ۱۲۸۹ھ میں بنای۔ جلال لکھنوی نے تاریخ لکھی

زہے عمارت دلکش سواد۔ یمنو زیب

آپ کی شہادت کے بعد صاحبزادہ صفدر علی خاں مرحوم نے عمارت مع بازار خرید لی۔ اُن سے ریاست نے خرید کی اب سرکاری ملکیت ہے۔ حضور تحصیل اور دیگر چند دفاتر اِس عمارت میں آج کل ہیں تصنیف کا بھی شوق تھا۔ قصائد بدر چاچ کی شرح دو ضخیم جلدوں میں لکھی ہے جو چھپ گئی ہے۔ قواعد فارسی میں ایک رسالہ گلبن اکبر مطبوعہ موجود ہے۔ میرے عموی اکبر محمد اکبر علی خاں مرحوم آپ سے پڑھتے تھے۔ اُن کے لئے یہ کتاب تصنیف کی تھی۔ آٹھ برس اور چار مہینے بڑے زور شور سے حکومت کی ربیع الاول کی گیارھویں تاریخ بارہ سو نوے ہجری (۱۲۹۰ھ)

میں جامع مسجد میں محفل میلاد کا انتظام کر رہے تھے۔ ایک ناخدا ترس نے چاقو سے مجروح کیا دوسرے دن انتقال ہوا اور حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کے مزار میں دفن ہوئے تینتالیس برس کی عمر ہوئی۔ اولاد ذکور سے کوئی نہ تھا۔ تین بیٹیاں چھوڑیں جو جائداد پر قابض ہیں۔ آپ کی تصنیف سے علاوہ شرح قصاید بدر چاچ و گلبن اکبر آدر کدہ در فن معما فارسی زبان میں ۲۲ صفحہ کا رسالہ صفر ۱۲۹۱ھ میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا ہے۔ مجموعۂ طلسم اسکندر ذوالقرنین بزبان فارسی با تصویر چند بار لکھنؤ میں نولکشوری مطبع میں چھپا ہے۔ ذخیرہ اسکندر انہوں نے عربی سے ترجمہ کیا ہے۔

مُلّا عرفان

قوم پٹھان۔ حاشیہ دا ئراں کی یادگار ہے۔ انکے کلام سے بجز عالم متبحر کے مطالب علیہ کوئی حاصل نہیں کرسکتا ۱۲۷۱ھ سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔

قاری سید علی حسین

ابن سید قمر علی حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ رام پور میں رجب کی گیارھویں تاریخ بارہ سو گیارہ ہجری میں پیدا ہوئے قرآن شریف حافظ خیر محمد صاحب پنجابی سے حفظ کیا۔ قرأت و تجوید قاری نسیم صاحب سے سیکھی۔ علوم عربیہ شہر کے علما سے پڑھے۔ حدیث شریف اپنے پیر و مرشد میاں نعیم شاہ صاحب سے حاصل کی۔ میاں نعیم شاہ صاحب سے خلافت بھی پائی۔ زہد۔ اتقا پرہیزگاری میں بے مثل تھے جامع مسجد رام پور کے پیش امام تھے نماز جہر میں جب آپ قرآن شریف پڑھتے تھے۔ اکثر مقتدیوں کو رقت طاری ہوتی تھی۔ آواز میں عجیب درد تھا۔ اور نہایت ہی با اثر لہجہ تھا۔ اپنے پیر و مرشد کے عاشق تھے۔ پیر و مرشد کے گھر کا سامان بازار سے اپنے سر پر رکھکر لاتے تھے۔ مزاج میں نہایت انکسار تھا۔

سلہ انتخاب یادگار۔ سلہ روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں غمگین۔

آپ کے بھی مریدین تھے مریدین جو تحفہ دیتے وہ پیرو مرشد کے بچوں کی خدمت میں
پیش کر دیتے تھے اپنے صرف میں نہیں لاتے تھے۔ اپنے اوپر فاقہ گوارا کرتے تھے
ایسے نفوس مقدسہ بہت کم ہوتے ہیں۔ آپ کے خلفا میں سے شاہجی طالع مند خاں
موضع تیروَن کے رہنے والے اللہ دیٔ خاں ڈیرہ دون کے اور شیخ حمید الدین موضع
اوبری پرگنہ مرادآباد کے رہنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے خلیفہ تھے۔
جمعہ کے دن محرم کی ستائیسویں تاریخ بارہ سو ترانوے ہجری (۱۲۹۳ھ) میں انتقال ہوا
اور اپنے مرشد میاں نعیم شاہ صاحب کے قدموں میں دفن ہوئے۔ سید محمد ارتضیٰ۔
سید محمد مجتبیٰ اور سید محمد مرتضیٰ تین فرزند یادگار رہے۔ جنکا انتقال ہوگیا
اب پوتے موجود ہیں۔

عظمت اللہ خاں

نہایت بزرگ اور باخدا تھے۔ حافظ ناصر احمد خاں شاہجہاں پوری کے مرید تھے۔
آپ کا مزار موتی مسجد کے متصل گلی میں مجیبی خاں کے مکان کے زیر دیوار ہے۔

مولوی عظیم الدین

ولد خلیفہ غیاث الدین رام پور میں پیدا ہوئے۔ شہر کے اساتذہ سے فارسی پڑھی۔
قدرے عربی بھی حاصل کی۔ مدرسی پر گزرتی تھی ۱۳۰۶ھ میں انتقال ہوا۔
کشاف العلوم فارسی اعلیٰ حضرت جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر
خلد اللہ ملکہم کے نام نامی پر معنون کی یہ تصنیف ۱۸۹۴ء ہے اسمیں مختلف علوم پر
کئی رسالے ہیں۔ ۲۰۴ صفحہ ہیں نوشتہ دست مصنف کتب خانہ میں موجود ہے۔
تحفہ حامدیہ فارسی قلمی۔ یہ انشا ۱۳۱۱ھ میں عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں
صاحب بہادر خلد اللہ ملکہم کے نام نامی پر معنون کی ہے (۱۰۰) صفحہ کی کتاب قلمی
کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

فردوس بہار فارسی قلمی صاحبزادہ ذوالفقار علی خاں صاحب بہادر مرحوم کی شادی کے متعلق جو ۱۲۸۶ھ میں ہوئی نثر رنگین ہے ۱۲۸۶ھ کی تصنیف (۹۰) صفحہ ہیں کتب خانہ میں موجود ہے۔

مولوی حکیم علی حسین خاں

خلف اکبر حکیم غلام حسین لکھنو میں جوہری محلہ میں رہتے تھے۔ وہیں ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوا ہوئے۔ لکھنؤ کے اساتذہ نامی مولوی عبدالحکیم فرنگی محلی مولوی حسین احمد ملیح آبادی۔ مولوی سلامت اللہ کانپوری۔ مفتی محمد سعداللہ مرادآبادی حکیم مینا صاحب لکھنوی اپنے چچا زاد بھائی سے علوم فارسی۔ عربی۔ صرف ونحو منطق حکمت ریاضی۔ ہیئت۔ ادب۔ اصول فقہ تفسیر حدیث کل کتابیں درس نظامیہ قدیمی کی پڑھیں۔ خود بھی پڑھاتے تھے۔ اور مطب بھی کرتے تھے اپنے معاصرین میں علمی وعملی حیثیت سے یکتائے زمانہ تھے۔ تورع۔ اتقا۔ خوش اخلاقی۔ حلم اور تواضع میں بے مثیل تھے۔

لکھنؤ میں نواب فردوس مکاں کے ہم سبق مفتی سعداللہ صاحب کے درس میں تھے نواب فردوس مکاں نے زمانہ ریاست میں مفتی سعداللہ صاحب کو طلب فرمایا اور حکیم صاحب کو بھی یاد فرمایا۔ معقول وظیفہ مقرر کیا۔ اور حکیم صاحب کو طبیب خاص بنایا نواب فردوس مکاں کلکتہ کو روانہ ہوئے۔ تو حکیم صاحب نے اپنے فرزند حکیم محمد حسن خاں کو کانپور بھیجا اور دعوت کے لئے عرض کیا نواب فردوس مکاں نے دعوت قبول کی اور مولوی عبدالرحمٰن خاں مالک مطبع نظامی کے مکان پر قدم رنجہ فرماکر دعوت نوش فرمائی۔ واپسی میں کلکتہ سے لکھنؤ تشریف لائے۔ تو اپنے قدوم سے حکیم صاحب کے گھر کی عزت بڑھائی۔ اسوقت حکیم محمد حسن خاں لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اب حکیم یہ کہ یہ بھی رام پور چلیں۔ تلامذہ کی کوئی حد نہایت نہیں ہے مشہور شاگردوں میں

یہ لوگ شمار ہوتے ہیں۔ مولوی حکیم محمد سعید معالج نظام دکن۔ حکیم احمد سعید امروہی۔ افسر الاطبا حیدر آباد دکن مولوی حکیم سید حفاظت حسین۔ حکیم۔ مولوی سید الطاف حسین متوطن نواح پٹنہ معالج نواب محمد علی خاں صاحب رئیس ٹونک۔ حکیم سید جعفر علی۔ حکیم عبد الغنی۔ حکیم سید معصوم محمود آباد۔ حکیم عبد الحق مرحوم۔ حکیم نور الدین قادیانی۔ مولوی حافظ حکیم سید محمد نذیر مراد آبادی۔ حکیم خواجہ محمد حسن مترجم میزان الطب حکیم خواجہ بدر الدین خاں مصنف رسالۂ بحران فارسی۔ مولوی مفتی محمد لطف اللہ رام پوری۔ حافظ مظہر علی رام پوری۔ مولوی الٰہی بخش فیض آبادی مصنف حاشیہ شرح تہذیب موسوم بہ تحفۂ شاہجہانیہ۔ مولوی حافظ محمد احمد مہاجر مہتمم مصارف حرمین بھوپال۔ میر ببر علی تخلص انیس لکھنوی۔ شرحین قانون شیخ الرئیس علی گیلانی۔ اور محمود آملی پر حکیم صاحب نے عربی میں تحشیہ فرمایا ہے۔ چند اور کتب طبیہ پر بھی حواشی ہیں۔ مگر چھپے نہیں ہیں۔

مولوی حکیم عبد الرشید خاں زبانی حکیم سید عبد الخالق مرحوم فرماتے تھے کہ نفیسی کا حاشیہ حکیم صاحب نے لکھکر اپنے استاد مولوی عبد الحکیم فرنگی محلی کی خدمت میں پیش کیا کہ بنظر اصلاح ملاحظہ فرمالیں۔ مگر مولوی صاحب نے اپنے نام سے وہ حاشیہ چھپوا دیا جو آجکل رائج ہے۔ آپ نے اول حج ۱۲۸۰ھ میں بمعیت مفتی سعد اللہ و دیگر علما و عمائد۔ ادا کیا۔ دوسرا حج ۱۲۹۰ھ میں ہمرکاب نواب خلد آشیاں ادا فرمایا۔ اور اسی سفر میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر سے بیعت ہوے۔

آپ کا ارادہ خانہ کعبہ میں قیام کا تھا۔ مگر نواب خلد آشیاں بہادر بہ اصرار ہمراہ لائے۔ ساٹھ برس کی عمر میں فالج سے سوائے دست راست کے کل اعضا بحس و حرکت ہو گئے۔ اسی حالت معذوری میں خفیہ طور پر اپنے ساتھ ایک عزیز کو لیکر کعبۃ اللہ کو روانہ ہو گئے۔ خفیہ اس مقصد کو یوں رکھا کہیں عزیز و اقارب

مانع نہوں۔ کعبۃ اللہ میں حرم محترم کے قریب ایک ایسا مکان لیا جہاں سے کعبۃ اللہ نظر آتا تھا۔ چھ مہینے زندہ رہے۔ رجب کی ستائیسویں تاریخ بارہ سو چورانوے ہجری ۱۲۹۴ھ میں دوشنبہ کے دن ظہر کے وقت انتقال فرمایا جنۃ المعلیٰ کے طبقۂ اعلیٰ میں قریب قبہ مبارک اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دفن ہوئے مشتاق جنت لورقد برواللہ مضجعہ تاریخ وفات ہے۔ حکیم حافظ محمد حسن خاں مرحوم فرزند یادگار چھوڑے

حکیم علی حسین خاں

والد حکیم احمد خاں فاخر۔ ولد مولوی ناصر خاں۔ ولد نجابت خاں۔ علوم عربی و فارسی اساتذہ رام پور سے پڑھے۔ طب تمام و کمال اپنے والد سے حاصل کی۔ نہایت ذہین اور طباع تھے۔ تشخیص نہایت اچھی تھی۔ بہت سے شاگرد ہوئے آپ کی شادی شاہ غلام حسین ابن حضرت ملا فقیر اخون کی دختر سے ہوئی فن شاعری کی طرف بھی رغبت تھی۔ تاریخیں مختلف صنعتوں میں لکھی ہیں۔ رسالہ اوزان بھی غیر مطبوعہ موجود ہے۔ بوجہ تعلقات قدیم ریاست کا شفاخانہ بھی سپرد تھا۔ پھر عرصہ تک بھیکم پور ضلع بلند شہر میں رہے۔ حافظ محرم علی سے بیعت تھے۔ تریسٹھ سال کی عمر ہوئی ۱۳۲۲ھ میں انتقال ہوا۔ اور چندن خاں کے گھیر میں ملا عثمان خاں کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ حکیم محمد حسین خاں۔ حکیم مظہر حسین خاں اور حکیم مظہر حسن خاں تین لائق فرزند یادگار چھوڑے۔

مولانا حافظ علاء الدین احمد مجددی

آپ رام پور میں ۱۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ تمام علوم معقول و منقول مولانا ارشاد حسین مجددی سے حاصل کئے آپ مولانا کے اسبق و ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا ممدوح جب سفر حج سے واپس تشریف لائے تو حافظ صاحب بھوپال سے

ہمراہ اپنے اُستاد کے تشریف لائے۔ حافظ عنایت اللہ خاں بھی ساتھ تھے۔ مولانا ارشاد حسین صاحب نے ارشاد الصرف تصنیف فرمائی اور آپ کو پڑھانا شروع کی۔ ذہانت میں اپنے ہم سبق طلباء میں سب پر فائق تھے آپکے شاگرد اُنکا شمار اِسوقت علمائے زمانہ میں ہے۔ تمام دن اُستاد کی خدمت میں بسر کرتے۔ اور درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے دنیا اور اہلِ دنیا سے خلقتاً رغبت نہ تھی۔ اکثر دیکھا گیا کہ ایک جوتا پائوں میں ثابت ہے۔ تو ایک ٹوٹا ہے۔ پھٹے کپڑے ہیں۔ اہلِ دنیا کے اعتراض کا بالکل خیال نہ تھا۔ کھانا کھاتے تو چند کھانوں کو ملا لیتے۔ مزہ بدمزہ سے زیادہ بحث نہ تھی۔ امیر غریب سب کو برابر بٹھاتے تھے۔ مولانا حافظ فدا احمد مجددی ناقل ہیں کہ ایک روز آپ کھانا کھانے بیٹھے جو لوگ حاضر تھے سب کو شریک کرلیا۔ آپ کے ہاں ایک غلام اسلامی نامی تھا اُسکو بھی اپنے ساتھ بٹھالیا۔ میں نے اُس کی شرکت کو حقارت کی نظر سے دیکھا میری نظر کو پہچان کر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الکبریاء ردائی۔

علوم ظاہری سے فارغ ہوکر حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب سے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی۔ ذکر و شغل اور حلقہ و توجہ کے پابند رہے ۱۲۹۹ھ میں انتقال فرمایا۔ بڑے پیر صاحب کے جھنڈے پر حضرت شاہ محمد مرشد کے مزار سے مشرق و شمال کے درمیان تقریباً سو قدم کے فاصلہ پر مدفون ہیں۔ راقم کو بھی اُن کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔

علی محمد خاں

فرزند ملا محمد نظام الدین خاں ولایتی افغان یوسف زئیوں میں سے سالار زئی متوطن ملک باجوڑ قصبہ کنٹر رام پور میں پیدا ہوئے حکیم مولوی حیدر علی کے شاگرد تھے۔ ریاضی ہیئت ہندسہ نجوم وغیرہ کا شوق تھا۔ حیدر آباد جاکر نوکر ہوئے اور ایسی

ترقی کی کہ ایک پیادہ فوج کے بخشی ہو گئے ۱۲۷۵ھ کے غدر کے بعد رام پور رخصت پر آئے۔ اور جعفر کی تکمیل مولوی تاج الدین سے کی بعد اتمام رخصت پھر حیدر آباد چلے گئے۔ غدر سے کئی سال بعد اورنگ آباد میں انتقال کیا۔ وہیں شادی کر لی تھی۔ اب اُن کی اولاد وہاں موجود ہے۔

حکیم علی محمد خاں

ولد محمد نور خاں جنکو لوگ حاکم کہا کرتے تھے۔ جناب نواب سید محمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں تحصیلداری کے عہدہ کا نام حاکم تھا۔ قوم اکوزی پٹھان دہلی اور دیگر شہروں میں طب حاصل کی۔ اُن کا مکان گڑھو کی بذریا کے محلہ میں تھا نظیر احمد خاں اپنے بیٹے سے ناراض ہو کر نواب فردوس مکاں کے عہد میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ کو چلے گئے۔ اور وہیں انتقال کیا نظیر احمد خاں اُنکا بیٹا بھی لاولد فوت ہو گیا۔ تعلیم کی زیادہ حالت معلوم نہیں ہوئی۔ اُن کے ایک علاج کی یہ حکایت مشہور ہے کہ کوئی اُنکا عزیز پیلی بھیت سے علیل ہو کر محض علاج کے واسطے اِن کے پاس آیا۔ وہ شخص بہت جگہ علاج کے لئے رجوع کر چکا تھا۔ آپ نے اسکے لیے املی کی کونپلیں گوشت میں پکا کر غذا تجویز کی کوئی دوا نہیں دی تین چار ہفتہ میں بالکل تندرست ہو گیا۔

مولوی علی احمد خاں

ابن ملا بشارت خاں افغان قوم زدڑ رام میں پیدا ہوئے تحصیل علم عربی اوسط درجہ کی اپنے والد سے اور محمد نور خاں اپنے بھائی سے کی تھی بھوپال میں جاکر تحصیلدار ہو گئے۔ مولانا حبیب اللہ رام پوری سے بیعت تھے اتفاق سے رخصت لیکر رام پور آئے۔ یاد الٰہی کا یہ شوق غالب ہوا کہ نوکری چھوڑ کر مرشد کے دروازہ پر جا پڑے۔ اہل وعیال سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ مرشد پر جذبہ غالب تھا۔

اسلئے وہ بہت سخت برتاؤ کرتے تھے لیکن یہ دروازے سے نہ ہٹے۔ باغ میں جھاڑو دیتے تھے۔
اور یاد الٰہی کرتے تھے۔ مرشد کے انتقال کے بعد مزار پر حاضر رہے۔ گھر سے کھانا چلا جاتا تھا
بقدر سد رمق کھا لیتے تھے۔ عزیز و قریب۔ دوست آشنا کسی طرف التفات نہ تھا۔
نہ آمدنی مزار و باغ سے کوئی غرض تھی سنہ کبھی گھر کو آئے۔ کاتب حروف چند بار
خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اسی حالت میں ۱۴۔ جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ کو انتقال کیا
اور اپنے مرشد کے قریب دفن ہوئے۔ اولاد موجود ہے۔ مگر وہ علم و فضل نہیں۔

مولوی علی نجف تخلص نجف

عرف حافظ موتی ولد حکیم علی حسن ناصر رامپوری ۱۲۳۶ھ میں پیدا ہوئے
غلام ہمدانی تاریخی نام ہے۔ چودہ سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہو کر علوم رسمیہ
اپنے والد اور دیگر اساتذہ شہر سے پڑھے۔ خواجہ بشیر سے نظم و نثر فارسی میں استفادہ کیا۔
اردو شاعری میں پہلے نعتیہ کلام میں اپنے والد سے اصلاح لی۔ پھر عاشقانہ مضامین میں
حافظ حسن علی خاں عاجز رامپوری حسین علی خاں شاداں دہلوی اور نواب مرزا خاں
داغ دہلوی سے تلمذ ہوا۔ فارسی کلام میاں اسیر لکھنوی کو بھی دکھایا۔ ۱۲۶۹ھ میں
پورنیہ میں بماتحتی مولوی فخرالدین منصف ملازم ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ترک تعلق
کر کے کلکتہ گئے۔ اور وہاں شاعروں کی صحبت منعقد کی ۱۲۸۶ھ میں فیروزالدین خلف
میاں لال دین وزیر جموں و کشمیر کی مصاحبت میں کچھ دن کلکتہ میں اور کچھ دن بمبئی
میں رہے۔ جب وزیر صاحب جموں کو گئے یہ اپنے مکان کو چلے آئے۔ ایک سال گھر پر
رہکر پھر کلکتہ کو گئے۔ وہاں ایک پریس مطبع نجفی کے نام سے قائم کر کے اخبار گوہر نجفی
شائع کیا کئی سال تک یہی شغل رہا۔ ۱۲۹۹ھ میں داغ دہلوی کلکتہ گئے۔ تو آپنے
کئی جلسے مشاعرے کے کئے۔ اور حالات شعرا میں تذکرہ غنچۂ ارم شائع کیا۔
پھر مطبع کا انصرام اپنے بھائی حکیم ناظر حسن چشتی کے سپرد کر کے وطن کو آئے

جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے سالانہ مقرر فرمایا اور کلکتہ جانے کی اجازت نہیں دی۔ جناب نواب سید محمد مشتاق علی خاں صاحب بہادر عرش آشیاں اور جنرل اعظم الدین خاں نے بھی عزت افزائی بدرجۂ کمال کی۔ نہایت خوش مزاج متین اور بذلہ سنج تھے۔ تیرہ سو چھ ہجری (۱۳۰۶ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔ اور بغدادی صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔ اولاد میں سے اب کوئی باقی نہیں ہے۔ کلام نظم کا نمونہ تذکرۂ شمع انجمن میں ہے۔

صاحبزادہ علی عباس خاں

ابن صاحبزادہ علی حسین خاں۔ ابن عظیم اللہ خاں۔ ابن مصطفیٰ خاں۔ ابن صاحبزادہ اکہ یار خاں۔ ابن جناب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر رام پور ہی میں پیدا ہوئے۔ ناز و نعم دولت و ثروت میں پرورش پائی۔ مولوی حافظ محمد رضا خاں مولوی ارشاد حسین اور مفتی سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہم سے کتب عربی پڑھیں۔ طب میں حکیم ابراہیم خاں لکھنوی سے استفادہ کیا۔ بے نقط عربی زبان میں سورۂ یوسف کی تفسیر لکھی۔ تقریباً بارہ سو اٹھانوے ہجری (۱۲۹۸ھ) میں کعبۃ اللہ کو گئے۔ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار کے متصل دفن ہوئے۔

حالت تفسیر سورۂ یوسف بے نقط

صفحہ ۳۰۹ تقطیع کتاب ۱۲ × ۸ کتابت ۸ × ۴½ سطر ۹ خط خوشخط نسخ آیات شنجرف سے معرب اور تفسیر سیاہی سے بلا اعراب لکھی ہے۔

ابتداء۔ الحمد للہ الملک السلام الواحد لہ ملک السماء والسطوح مرسل الرسل

تفسیر کو بنام جناب نواب سید محمد کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں (۱۲۸۱ھ تا ۱۳۰۴ھ) معنون کیا ہے۔ خاتمہ تفسیر

لقوم یومنون۔ للہ ورسلہ والموعود علی الدوام کمل لامر والکلام۔

خاتمہ پر مؤلف کا نام مع ولدیت بخط شنجرف ہے۔ گو کاتب کا نام نہیں ہے مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ حافظ حبیب اللہ خاں خوشنویس رام پوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جنکا انتقال غالباً ۱۲۸۰ھ میں ہوا ہے اور شاہ آباد دروازہ مکان تھا۔
یہ کتاب ریاست کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

حکیم علی احسن تخلص قاصر

ولد حکیم سید محمد قوم پنجابی محلہ کھنڈ کسار قدیم میں مکان ہے۔ رام پور میں بارہ سو اٹھارہ ہجری (۱۲۱۸ھ) میں پیدا ہوئے۔ مولوی غیاث الدین عزت۔ مولوی محمد نور اور مولوی عبد الشکور سے کتب درسیہ پڑھیں ایک عرصہ تک معلم گری کی۔ راقم الحروف کے ہاں بھی برادر اکبر محمد حشمت علی خاں صاحب کی تعلیم پر مامور رہے۔ کچھ زمانہ سے یہ تعلقات ترک کر دئے مکان پر مطب کرنے لگے۔ اور لوگوں کو پڑھاتے بھی تھے۔ اردو نظم کی طرف بھی توجہ تھی۔ ابتدا میں اخون زادہ احمد خاں غفلت کو کلام دکھاتے تھے۔ فارسی میں پہلے نصیر الدین خاں صابر سے تلمذ ہوا پھر مولوی امام بخش صہبائی دہلوی سے مشورہ رہا۔ نہایت مرتاض اور بابرکت آدمی تھے تیرہ سو تینتیس ہجری (۱۳۳۳ھ) میں انتقال فرمایا۔

قاری حافظ علی محمد عرف جی صاحب

رام پور کے باشندہ محلہ باغ کرم خاں میں حافظ ننھو خاں رسالدار کے متصل رہتے تھے پچاس برس کی عمر تک سیاحی اور تحصیل علوم میں ہندوستان میں پھرتے رہے پھر رام پور آکر گھیر قلندر خاں کی مسجد میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور طلبا کو حسبۃً للہ پڑھاتے تھے۔ حقہ کا بہت شوق تھا۔ چار حقہ مٹی کے ہر وقت مسجد کے باہر رکھے رہتے تھے۔ ہر بار حقہ تازہ ہوتا تھا کسی اور کو حقہ نہیں دیتے تھے چلم خود اپنے ہاتھ سے بھرتے تھے مسجد سے باہر نکلے اور ایک کش لیا۔ شاگرد فوراً اسکو تازہ کر کے رکھ دیتے۔

مگر چلم کو کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ تمبا کو عمدہ قسم کا ہوتا۔ کھانا بھی بہت نفیس کھاتے تھے۔
خوش خور تھے۔ میوہ خشک اور سبز بھی بہت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں تین روپے
روز سے کم صرف نہ تھا۔ نہ کسی طالب علم سے کوئی حبہ لیا۔ اور نہ کسی غیر سے۔ قاری بے مثل تھے۔
اور علم تجوید میں کمال تھا۔ جب کوئی لڑکا قرآن شریف ختم کرتا۔ اس کے والدین کو
کہلا بھیجتے کہ اسکے لئے نئے کپڑے تیار کرا دو۔ ختم کے دن لڑکے کو نئی پوشاک پہناتے
اور پھولوں کا سہرا باندھتے۔ ختم کے وقت ایک مٹی کے لوٹے میں پانی بھر کر دم کرتے۔
اور لوٹے پر ایک پیالی ڈھکدیتے۔ اور اُس پیالی میں اپنے پاس سے دو روپیہ رکھدیتے۔
طلباء کے ہجوم کے ساتھ اُس لڑکے کو اور مٹی کے لوٹے کو اُسکے گھر بھیجدیتے۔ اور تاکید کرتے
تھے۔ کہ یہ پانی سب کو پلا دو باعث برکت ہوگا۔ ایک بار عباس خاں ساکن محلہ باجوڑیکا
قرآن شریف ختم ہوا۔ اُسوقت قاری صاحب کے پاس صرف ایک روپیہ تھا۔
بخش اللہ خاں رسالدار مرحوم کے ہاں سے ایک روپیہ قرض منگایا وہاں بھی نہ ملا۔
قاری صاحب نے موجودہ روپے کی برابر کاغذ کتر کر چلم میں رکھدیا اور تھوڑی دیر
میں وہ روپیہ ہوگیا۔ اِس خبر کی شہرت ہوگئی بخش اللہ خاں رسالدار کے بیٹے
خان بہادر خاں رسالدار اور چند دیگر اہل محلہ جو خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور
اُنھوں نے اصرار کر کے پھر یہ کرشمہ اپنی آنکھوں سے دیکھا واللہ اعلم بالصواب
قاری علی حسین صاحب بھی علم تجوید اور قرأت میں مشہور تھے۔ وہ بھی آپ کی
خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہوتے تھے۔ اور مفتی محمد سعد اللہ مرحوم بھی آپ سے ملا کرتے
تھے۔ اسی برس کی عمر میں ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل انتقال فرمایا مسجد گھیر قلندر خاں کے
شرق کی جانب زیر دیوار مدفن ہے۔ لوگ بجائے حافظ جی صاحب کے صرف جی صاحب
کہا کرتے تھے۔ انکے دیکھنے والے اور ہم صحبت قاری غلام حسن خاں محلہ باجوڑیاں ابھی
زندہ ہیں۔ جو ریاست جھالرا پاٹن سے پنشن لیکر وطن چلے آئے ہیں۔

شاہ علی محمد

ملا فقیر[1] اخوند کے خلفا میں سے تھے۔ صاحب تذکرہ العارفین لکھتے ہیں کہ میں نے سن تمیز میں انکو دیکھا تھا چشتیہ صابریہ کا فقر انکی صورت سے عیاں تھا ان کی شاہ زوری کی بھی حکایتیں مشہور ہیں۔ گیارھویں جمادی الاول سنہ بارہ سو پچاس ہجری (۱۲۵۰ھ) کو انتقال کیا۔ اور موضع پیپلی تحصیل سوار میں جو رام پور سے دس کوس ہے دفن ہوئے۔

حکیم محمد علیم اللہ

ولد شیخ محمد معظم قریشی تیمی صدیقی امروہہ ضلع مراد آباد کے محلہ کوٹ میں ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ کل علوم فارسی و عربی پر دستگاہ تھی۔ اساتذہ کے نام معلوم نہیں ہوئے طب کی تکمیل حکیم سید جلال الدین ساکن امروہہ محلہ لکڑا شاگرد رشید حکیم علوی خاں صاحب قرابادین جلال سے کی۔ فن طب میں وہ شہرت اور کمال پیدا کیا کہ آج تک ان کے واقعات زباں زد خلائق ہیں۔ نواب نصر اللہ خاں بہادر کے زمانہ نیابت میں رام پور میں آکر ملازم ہوئے۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے اخیر عہد تک ملازمت کی۔ بوجہ پیرانہ سالی اپنے چھوٹے فرزند حکیم کفایت اللہ کو اپنی جگہ ملازم کرایا اور خود امروہہ چلے گئے۔ بارہ سو سینتالیس ہجری (۱۲۴۷ھ) میں امروہہ میں وفات پائی۔ محلہ دانشمندان سے جانب شرق موسوا والاتالاب کے قریب اپنے گورستان میں دفن ہوئے۔ حکیم قادر بخش۔ حکیم عنایت اللہ اور حکیم کفایت اللہ تین فرزند یادگار چھوڑے۔

مولوی محمد عماد الدین خاں

ابن مولوی محمد نظام الدین خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلی و نقلی

---

[1] انوار العارفین۔

مولوی شاہ محمد عرف حافظ شبراتی۔ مولوی حافظ محمد صدیق۔ مولوی منیر علی مفتی سعداللہ مولوی محمد علی صاحب۔ مولوی اعظم علی صاحب مولوی محمد حیات اخوند محمد حیات خاں۔ میاں حسن شاہ محدث اور مولوی نورالاسلام۔ اساتذۂ رام پور سے پڑھے۔ ریاضیات۔ ہیئت۔ ہندسہ اور علم مثلث مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں رام پوری سے حاصل کیا۔ طب مولوی حکیم علی حسین خاں لکھنوی سے پڑھی۔ اور مطب حکیم احمد خاں رام پوری۔ مرزا مہدی اور نواب مظفر حسین خاں افسرالاطبا لکھنوی سے کیا۔ خوشخطی بر خط نستعلیق میر عوض علی فیض آبادی سے اور خط نسخ میاں جی عبداللہ اور غلام رسول خاں سے حاصل کیا۔ فن انجینئری رُڑکی کالج میں حاصل کیا۔ فیض باطنی ملا سبحان شاہ اور اخوند محمد حیات سے پایا۔ ابتدائے عمر سے تا حیات ریاست اندر میں اعلیٰ مناصب پر ممتاز رہے۔ رام پور میں منگل کے دن تیرھویں اکتوبر سنہ اٹھارہ سو بیاسی (۱۸۸۲ء) کو انتقال ہوا۔ اور اپنے مکان محلہ مدرسہ کہنہ میں دفن ہوئے۔ مولوی محمد سعیدالدین محمد مجتبیٰ خاں خلف اکبر کو یادگار چھوڑا۔ آپ کی تصانیف سے یہ کتابیں موجود ہیں۔ تفسیر عمادالدین بزبان عربی۔ عمادا للغات ترجمہ نگھنٹ از سنسکرت اردو ناموس لباب اللغات والقاموس لغت بزبان فارسی قلمی۔ عمادالعلوم لغت اُردو رسالۂ استخراج مزاج ادویہ فارسی۔ رسالۂ موسیقی فارسی۔ رسالۂ الہیات فارسی۔ یہ سب قلمی کتابیں۔ آپ کے فرزند کے پاس موجود ہیں۔ تزک سکندری تاریخ سکندر اردو چھپ گئی ہے۔

ملا محمد عمران

ولد ملا غفران اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے۔ اور مولوی حیدر علی رام پوری سے بھی علم حاصل کیا تھا۔ فقہ میں اپنے زمانہ میں بے مثل تھے۔ تمام عمر تعلیم طلبا میں

سلہ تذکرہ علمائے ہند۔

صرف کردی۔ رسالہ تجہیز و تکفین مسلمان کی۔ انکا مصنفہ چھپ گیا ہی۔ تجہیز و تکفین مسلمان کی اس سے ۱۲۵۴ھ نکلتے ہیں ۱۲۵۳ھ میں مولوی حیدر علی صاحب کے ساتھ کلکتہ کو گئے تھے۔ اور وہیں کے قیام میں یہ رسالہ اُردو کا لکھا۔

کلکتہ کو اپنے والد کے ہمراہ جاتے ہوئے مؤلف تذکرہ علمائے ہند انسے ملے تھے باپ اور بیٹے دونوں نہایت مسن تھے۔ ناواقف شخص تو دونوں کو بھائی سمجھتا۔

بھتر برس کی عمر میں بارہ سو اکھتر ہجری (۱۲۷۱ھ) میں انتقال کیا۔

شاہ محمد عمر مجددی

فرزند دوم حضرت شاہ احمد سعید شوال بارہ سو چوالیس ہجری میں ۱۲۴۴ھ دہلی پر ولادت ہوئی۔ حفظ قرآن شریف کے بعد اوائل علوم مولوی حبیب اللہ مرحوم سے پڑھے حدیث اپنے چچا شاہ عبدالغنی محدث سے پڑھی۔ اور اکثر علوم دینیہ اور کتب تصوف اپنے والد ماجد سے تحصیل کئے۔ اسکے بعد اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی آپ کے وال پنسبت اور صاحبزادوں کے ان کی مدارات اور رعایت زیادہ فرماتے تھے۔

حج کو تشریف لے گئے۔ اور اس سفر کے وقت اُن کے والد ماجد نے خلافت عطا کی شاہ احمد سعید فرماتے تھے کہ شاہ محمد عمر کی والدہ نے خواب دیکھا کہ میرے گھر میں چا آگیا ہی۔ اور میاں محمد شاہ کے استفسار پر فرمایا کہ اس خواب کے بعد شاہ محمد عمر پیدا ہوئے اپنے والد کے انتقال کے بعد مرید کرنے میں تردد تھا۔

ایک روز خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند نے اپنی ٹوپی اُڑھادی اُس روز سے اطمینان ہوا اور بیعت کا سلسلہ جاری کیا۔ ایام غدر میں اپنے والد ہمراہ کعبۃ اللہ کو گئے۔ مدینہ منورہ میں قیام تھا۔ والد کی وفات کے بعد مکہ معظم میں قیام فرمایا۔ نواب خلد آشیاں کو بہت اصرار تھا کہ ان بزرگوں میں سے کوئی صاحب رامپور تشریف لائیں۔ اتفاق سے آپ اپنے صاحبزادہ کی شاد

کرنے رام پور تشریف لائے۔ نواب خلد آشیاں نے نہایت ہی اعزاز و اکرام کیا۔ قلعہ کے اندر سرکاری مکان میں قیام ہوا۔ رام پور میں خوب سلسلہ جاری ہوا نہایت متقی، عابد، پرہیزگار۔ اور اپنے طریقۂ نقشبندیہ کی نسبت میں کامل تھے۔ ماہ محرم کے مہینے میں بارہ سو اٹھانوے ہجری ۱۲۹۸ھ میں رام پور میں چند ماہ کے قیام کے بعد انتقال فرمایا۔ اور حضرت حافظ جمال اللہ صاحب کے گنبد کے متصل جانب غرب دفن ہوئے۔ مزار پر کتبہ تاریخ لگا ہوا ہے۔

حکیم محمد عمر خاں

ولد نظام الدین خاں۔ قوم پٹھان۔ نصر اللہ خاں ٹھیکہ دار کے بھتیجے تھے تالاب منشی نہال الدین واقع محلہ گنج کہنہ کے قریب رہتے تھے۔ علوم و فنون فارسی و عربی رام پور میں پڑھے۔ طب کی بھی یہیں تکمیل کی ذہن رسا طبیعت حاضر تھی۔ تقریر بہت اچھی تھی۔ دہلی میں حکیم محمود خاں صاحب دہلوی سے بھی طب پڑھی۔ دہلی میں اُنکی تقریر کی بہت شہرت تھی رام پور میں ۱۳۲۳ھ کے قریب انتقال ہوا۔

حافظ محمد عمر خاں محدث

ولد حافظ محمد اسحٰق خاں قوم پٹھان ساکن محلہ کھنڈسار کہنہ رام پور میں دوشنبہ کے دن ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ فارسی شیخ احمد علی سے حاصل کی۔ صرف و نحو مولوی نور النبی ساکن محلہ گھیر مفتی شرف الدین سے فقہ اور اصول فقہ مولوی عبد الواجد ساکن گھیر بجو خاں سے حدیث شریف میاں حسن شاہ محدث سے۔ اور تفسیر مولوی محمد نور سے پڑھی۔ جوانی میں ریاست کی فوج میں نوکر تھے۔ فقیر جی محمد معظم خاں صاحب سے بیعت ہو کر درویشی میں قدم رکھا۔ ملازمت ترک کر دی۔ بازار میں حمالی کر کے۔ یا اناج فروخت کر کے۔ یا رسیاں بُنکر اپنا اور اپنی اولاد کا خورد و نوش مہیا کرتے تھے۔ جنرل اعظم الدین خاں مکان پر گئے۔ اور ملے۔ مگر وہ کسی بات کے طالب

نہیں ہوئے۔ اہل دنیا سے کبھی نہیں ملتے تھے۔ اور اپنے دست بازوسے مائحتاج مہیا کرتے تھے۔ صاحب اجازت اور خلافت تھے۔ مریدوں کو بھی دست وبازو سے کمانے کی تاکید کرتے تھے۔ بہت سے شاگرد ہوئے۔ اور بہت مرید ہوئے۔ اولاد بفضلہ تعالیٰ صاحب علم ہے۔ اولاد میں عبدالقادر خاں۔ مولوی عبدالہادی خاں حسین رضا خاں۔ حافظ حسن رضا خاں۔ مولوی حافظ محمد رضا خاں کا انتقال ہوگیا۔ اب مولوی عبدالوہاب خاں سلامت موجود ہیں۔ حافظ صاحب کا انتقال ذی الحجہ کی اکیسویں تاریخ تیرہ سو چھ ہجری (سنہ ۱۳۰۶ھ) میں رام پور میں ہوا اور محلہ کنڈ سار کہنہ میں دفن ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات از جناب منشی امیر احمد صاحب آمیر

زہے پیرو مرشد محمد عمر خاں	زبان قلم جن کی مدحت میں الکن
جو مشہور ہے سلسلہ نقشبندی	وہ حضرت کے جلوہ سے ہے رشک ایمن
صد افسوس ذیحجہ کی اکیسویں کو	ہوئے جاں بحق واصل رب ذوالمن
آمیر اُنکی تربت پہ لکھیئے یہ مصرع	محمد عمر خاں موحد کا مدفن
	سنہ ۱۳۰۶ھ

مولوی محمد عمر تخلص صولت

نہایت[۱] دانشمند۔ عالم متبحر تھے۔ جامع معقول ومنقول۔ ذکی الطبع۔ مناظر زبردست۔ شاعر فصیح۔ اور واعظ بیمثل تھے۔ حاشیہ عینی شرح ہدایہ۔ اور رسالہ طنطنۂ صولت درباب سماع اُن کی یادگار ہیں۔ مولوی محمد حسین لاہوری غیر مقلدین کے پیشوا نے سوالات عشرہ مشتہر کئے تھے۔ مولوی صاحب نے ہر ایک سوال کا جواب لکھا۔ اور اسکا نام عشرۂ مبشرہ رکھا۔

۱۰ رمضان المبارک بارہ سو بیانوے ہجری کو انتقال کیا۔

[۱] تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمٰن علی صفحہ ۲۰۔

مولوی حافظ محمد عنایت اللہ خاں

ابن حبیب اللہ خاں ابن شیخ رحمت خاں ابن قاضی معظم خاں آپ کے اجداد موضع
شلیانڈہ بانسکئے علاقہ بونیر ملک افغان کے رہنے والے ہیں جدا علیٰ قاضی
معظم خاں بہت بڑے فاضل تھے۔ جدامجد شیخ رحمت خاں جناب نواب سید
فیض اللہ خاں صاحب بہادر مغفور کے اخیر عہد میں رام پور آئے اور فوج میں جمعداری
ملی۔ نواب سید نصر اللہ خاں کی نیابت کے زمانہ میں ناخوش ہوکر ٹونک چلے گئے۔
اور ایک لڑکا حبیب اللہ خاں یادگار چھوڑکر ٹونک میں شہید ہوئے۔ حبیب اللہ خاں
نے رام پور میں نشوونما پایا۔ اور ٹھیکہ داری دہات کرنے لگے حبیب اللہ خاں کی شادی محمد صالح خاں کی بیٹی
سے ہوئی جو ملا فقیر اخوند صاحب کے خلیفہ" اور ینبنی تھے۔ اور محمد صالح خاں کی بیوی
نعمت خاں کمال زی کی بھتیجی تھیں۔ اس عقد سے حافظ محمد عنایت اللہ خاں کی
ولادت ۱۲۵۶ھ میں ہوئی۔ لڑکپن میں حافظ اکبر خاں اور حافظ عنایت اللہ خاں
رام پوری سے کلام اللہ حفظ کیا۔ پھر تھوڑی سی فارسی مولوی کریم بخش ٹھنٹوری
وغیرہ سے پڑھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ پڑھا۔ یہاں تک کہ جوان ہوگئے۔ حضرت مولانا
ارشاد حسین جس زمانہ میں حضرت فقیر اخوند کی مسجد میں مقیم تھے۔ آپ بھی ایک مسئلہ
دریافت کرنے کو حاضر ہوئے۔ مولانا نے آپ کی طرف غور سے دیکھکر فرمایا کہ تم خود کیوں
نہیں پڑھتے۔ آپ نے عرض کیا اب میں جوان ہوگیا ہوں۔ لڑکوں کے پڑھنے کی
کتابیں پڑھتے ہوئے حیا آئیگی۔ فرمایا ہم ایسی کتاب پڑھائیں گے جو کسی نے
دیکھی نہوگی۔ جب آپ پڑھنے پر آمادہ ہوئے تو مولانا نے ارشاد الصرف کتاب تصنیف
فرمانا شروع کی۔ اور اسکو پڑھاتے تھے چند روز کی صحبت میں شوق طلب علم ایسا غالب
ہوا کہ کاروبار دنیوی ترک کردئے۔ اور تمام کتب عربی معقول۔ ومنقول۔ نحو۔ اصول
تفسیر اور حدیث۔ قرأت۔ تجوید۔ اور طب حاصل کیں بعض کتابیں مولوی ہدایت اللہ خاں

رام پوری۔ مولوی احمد حسن مراد آبادی۔ مولوی حکیم عبد الکریم خاں رام پوری اور
مولوی عبد العلی خاں رام پوری سے پڑھیں۔ جب کتابیں ختم ہو چکیں تو حضرت
مولانا ارشاد حسین صاحب نے خلاف عادت خود اور اپنے مشائخ کرام کے آپ کو
مرید کیا۔ بلکہ مراد ہو گئے تیس سال کامل پیر و مرشد کی خدمت میں دنیا اور اہل
دنیا سے انقطاع کلی کر کے فیضیاب رہے۔ مرشد کی عنایتیں آپکے حال پر نہایت
بیحد و بیپایاں تھیں۔ سلوک مجددیہ تمام و کمال حاصل کر کے خلافت سے مشرف
ہوے۔ اپنے مرشد کی رحلت کے وقت سے برابر طالبانِ خدا کی خدمت میں باشکستہ
اور دست شکستہ اپنے مکان پر مصروف رہے درس و تدریس ظاہری میں بوجہ
پیرانہ سالی اور عوارض جسمانی کمی ہوئی مگر تعلیم باطنی کا دریا برابر جاری رہا۔
آپ کی مملوکہ زمین میں اب ایک خانقاہ تعمیر ہو گئی ہے۔ اور اللہ کے طالب وہاں ذکر
و شغل میں مصروف رہتے ہیں۔ بہت سے مریدین اور خلفا ہیں جن میں سے
چند کے نام لکھے جاتے ہیں۔ حافظ امداد اللہ خاں خلف اکبر۔ مولوی محمد حمایت اللہ
خاں خلف سوم۔ مولوی سوان حسین مجددی۔ مولوی حافظ ارشد علی مرحوم۔
میاں حبیب النبی مجددی۔ مولوی سلامت اللہ۔ مولوی عبد القیوم مرحوم شاہجہانپوری
مولوی سید گوہر علی مرحوم رام پوری۔ میاں سید منصف علی ساکن گلاوٹی حافظ
برکت اللہ خاں شاہجہاں پوری۔ حکیم عبد الحی شاہجہاں پوری۔ مولوی قمر الدین
خاں رام پوری۔ عبد اللہ خاں مرحوم رام پوری۔ سید عبد الحلیم بخاری مولوی
غلام محمد خاں عرف چھدن خاں رام پوری۔ حکیم غلام حضرت خاں رام پوری
مولوی انیس الدین بہمی۔ مولوی محمد صالح سندھی۔ حکیم سید عبد اللہ بھوپالی
مولوی حافظ سید احمد مجددی۔ مولوی حافظ علی رضا رام پوری۔ صاحبزادہ
محمد سعید مجددی جلال آبادی۔ سید دہ جلال قندھاری مولوی سید الرحمن بنگالی

مولوی کاظم الدین بنگالی۔ مولوی صوفی خواجہ محمد بنگالی۔ مولوی محمد یعقوب بنگالی۔ مولوی جلال الدین بنگالی۔ مولوی قاری عبدالحکیم بنگالی۔ مولوی عبدالغنی بنگالی۔ مولوی عبدالقادر بنگالی۔ مولوی صوفی امداداللہ بنگالی۔ مولوی محمد عمر بنگالی۔ مولوی اشرف علی بنگالی۔ مولوی محمد اسمٰعیل بنگالی۔ موروثی جائداد تھی اُسکو اپنی بیوی کو دیدیا۔ سوائے توکل کے کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھا۔ ۱۰۔ ذی الحجہ ۱۲۴۵ھ کو انتقال فرمایا۔ اور ۱۱۔ ذی الحجہ کو اپنی خانقاہ میں دفن ہوے۔

عنبر شاہ خاں آشفتہ و عنبر

ولد صورت خاں ولد رضا خاں اس باکمال شاعر نے اپنا حال اپنی کتاب فارسی رقعات موسوم بہ پنج گنج کے گنج پنجم میں خود لکھا ہو۔ اُس سے زیادہ کیا تحقیق ہوسکتا ہو۔ اس لیے اسکے بیان کو اُردو میں لکھتا ہوں۔

میرے دادا رضا خاں قوم افاغنہ سے خٹک خرم داتا خیل کرلانڑی قوم سے تھے۔ سپہ آرائے لشکر پیرائے نوکری پیشہ تھے۔ بعض وجوہ سے نواح پشاور سے جلاوطن ہوکر شاہ آباد میں اقامت کی۔ قیام سے دو مہینے بعد میرے والد عزت خاں معروف بہ صورت خاں پیدا ہوے۔ تربیت شائستہ کے بعد عین جوانی میں عزت خاں اپنے والدین سے جدا ہوکر فیض گنج عرف آملہ (لفظ آملہ اصل کتاب میں اسی املا سے ہے) کو چلے گئے وہاں فارغ البالی سے رہتے تھے۔ یوسف زئی خاندان میں اپنا نکاح کیا۔ چند سال کے عرصہ میں ہم پانچ بھائی پیدا ہوے۔ دو تو مجھسے بڑے تھے اور دو چھوٹے تھے۔ وہ چاروں صغر سن میں مرگئے۔ اپنی یادگار زندگی کے لئے دو شعر متعلق ولادت لکھتا ہوں۔

چوں آمدم بہ ہستی و گشتم ز نیستی　　اندر ہزار و یکصد و ہشتاد و دو جدا
۱۱۸۲ھ
بہرِ ظہورِ سال وجودِ من از عدم　　ظاہر نمود والے من مظہرِ ولا۔

جب مرہٹوں نے افغانان بیدست و پا کو وطن مالوفہ سے نکالکر کوہ کمایون میں لا بٹھایا۔ والد بزرگوار اسہال و پیچش سے بیمار ہو کر چھ مہینے مبتلائے مرض رہے۔ پہاڑ سے واپس آنے والوں کے ساتھ راہ میں ایک ویران مقام میں انتقال کر گئے۔ اس واقعہ کی تاریخ بطور یادگار لکھتا ہوں۔

تاریخ وفات

صورتِ رضوانِ یزداں معنیِ غفرانِ حق　　واقفِ اسرارِ ایزد و عارفِ ذاتِ خدا
محرمِ سرِ ازل مستکشفِ رازِ ابد　　مطلعِ ماہِ ہدایت مشرقِ مہرِ ہدیٰ
مفتحِ ابوابِ علم و موردِ آیاتِ دیں　　مہبطِ احکامِ شرع و منزلِ ترو تقیٰ
مجمعِ جود و سخاوت منبعِ داد و دہش　　جامعِ طورِ عدالت قامعِ جور و جفا
سالکِ مسلکِ کیاست مالکِ ملکِ ہنر　　ناسکِ نہجِ وفا مستجمعِ صدق و صفا
وارثِ ارثِ نبی و حارثِ حرثِ علی　　حارسِ شہرِ کمال و ماسحِ حسن و بہا
والدِ من آنکہ صورت خاں بُدہ نامش علم　　چوں ز دنیا رخت بست و رفت یکسو آں سرا
بعدِ جزع و فزع ماتم جوشِ فکرِ پُر الم　　بہرِ ضبطِ سالِ مرگش وا نمود ایں سیّا

بسکہ عرفانِ الٰہی را فزودے صورتش
گشت تاریخ وفاتش صورتِ عرفاں فزا
۱۱۹۱ھ

میری بیوہ ماں اپنے ماں باپ سے دور اثاث البیت فروخت کر کے میری پرورش کرنے لگی۔ پھر اُسی اثنا میں شجاع الدولہ خلف صفدر جنگ اپنی فوج اور انگریزوں کے چند کمپ لیکر سرحد افاغنہ

(لای کیہڑہ) پر آیا اور روسائے قلمرو افغانان خود سر اور خود نما ئے سے دکھنیوں کا زر ضمانت طلب کیا۔ حافظ رحمت خاں نے سب سرداروں سے روپے کی فراہمی کو کہا۔ کسی نے نہ مانا۔ آخر مقابلہ ہوا۔ حافظ رحمت خاں گولے سے شہید ہوے اور تمام افاغنہ بھاگ نکلے حافظ رحمت خاں کی اولاد باُمید پرورش اپنے وطن میں ہی نواب فیض اللہ خاں بہادر لال ڈھانگ کو چلے گئے۔ ان کے ہمراہ میرے ماموں مع اپنے ہمراہیوں کے روانہ ہوے اور ہم کو ایک موضع میں چھوڑ گئے۔ وہاں کا مقدم بوجہ تعلقات قدیم خبرگیراں رہا۔ اس عرصہ میں میں ایسا بیمار ہوا کہ امید زندگی نہ رہی ایک روز میری والدہ مقدم موضع کے ہاں شادی میں گئیں۔ میری دادی کو میرے پاس چھوڑ دیا۔ کہیں سے مٹھا آیا وہ میرے سرہانے رکھدیا۔ تنہائی کا موقع پاکر وہ سب میں نے پی لیا اور محض اس کے پینے سے مرض جاتا رہا۔ چند روز میں مجھ میں طاقت نشست و برخاست کی آگئی۔ ایک دن غلام سامان زیور و نقد لیکر بھاگ گیا۔ میں آوارہ پھرنے لگا۔ ماموں نے مکتب میں بٹھا دیا اخوند محمد اعظم صاحب سے نو مہینے میں قرآن شریف ختم کرلیا۔ وہ محض قرآن خوان تھے۔ وہاں سے اٹھا کر حافظ احمد رحمتہ اللہ کے مکتب میں بٹھا دیا۔ حافظ احمد تھوڑے دنوں کے بعد بھوپال چلے گئے۔ تو ملا عبد الشکور سے پڑھنے لگا۔ تھوڑے دن میں انکا بھی انتقال ہوگیا۔ اب میرے عزیز میری تعلیم کی طرف سے مایوس ہو گئے اسکے بعد محمد سعادت خاں رحمتہ اللہ سے تعلیم شروع کی۔ کچھ مدت کے بعد انھوں نے ترک تعلقات کرکے گوشہ نشینی اختیار کی اس لیے میری تعلیم بالکل بند ہوگئی شغل بیکاری میں میں صبح سے بکریاں

جنگل میں لیجا کر چرا تا تھا اور شام کو گھر آتا تھا۔ جب میری بارہ سال
کی عمر ہوئی تو بزازی کا پیشہ شروع کیا اسکے بعد سامان کی دلالی
شروع کی۔ کچھ دنوں کے بعد حاکم پرگنہ کے ہاں چوکیداروں کی
جمعداری مل گئی۔ چند مہینے اس خدمت کو انجام دیا عامل شہر کا
بھائی مرگیا۔ سوم کی قرآن خوانی کے لیے مجھسے قرآن طلب کیا میں نے
انکار کیا مجھے مارا بھی اور گالیاں بھی دیں۔ اِس رنج میں گھر سے بغیر
اطلاع چل کھڑا ہوا۔ شاہ آباد میں ایک مسافر کے ساتھ پہونچا۔
شاہ آباد کی شہر پناہ کے پاس پائین مزار مظہر انوار زبدۃ الاخیار
اسوۃ الابرار شہید رشید کے بیٹھا وہاں مسافر ہمراہی کا ایک دوست
کمانگر مل گیا شب وہاں بسر کی صبح کو مصطفےٰ آباد عرف رام پور آیا۔
پریشان تھا۔ کہ کہاں جاؤں۔ راہ میں اسوۂ والا ہمتان دوران حاتم
خاتم زماں عبداللہ خاں اپنے گھر لیگئے۔ اور نہایت دلدہی کی جو
خود کھاتے صبح وشام مجھے بھی کھلاتے تھے۔ ایک روز عبداللہ خاں
نے کہا کہ بیکار رہنا مناسب نہیں ہی۔ ان کی معصوم لڑکی کو الف بے
پڑھانا شروع کی اتفاق سے غلام اشرف خاں ساکن شمس آباد
ہم مکتب نواب مظفر جنگ بہادر عبداللہ خاں کے ہاں آئے۔
اُن کی ترغیب دلانے سے گلستاں شروع کی اور اس کے بعد انہیں کی
تصنیف مخزن دانش پڑھنے لگا۔ دو مہینے میں دونوں کتابیں ختم کریں۔
لیکن اب عبداللہ خاں کے گھر قیام نہ رہا۔ اُسی زمانہ میں سخت قحط ہوگیا۔
میری پھوپی یہاں رام پور میں علیل ہوگئیں۔ انکو وطن بھیجا اور وہ
وہاں جاکر مرگئیں۔ یہ دو بیت انکی تاریخ کے ہیں۔

تاریخ وفات

چوں رواں عمرمن ز فضائے بلغ دنیا — پے خرمی خاطر شدہ صحن جنت آرا
بشمر دنِ سنینش ز لسانِ غیب عنبر — شدہ مژدہ یاب بیازہ۔ رضی المولیٰ عنہا

اِن پریشانیوں کے بعد پھر تعلیم شروع کی منشی۔ عنایت خاں۔ اخوند محمد گل ملا عبد الصمد۔ رسیدۂ فروع واصول فقاہت پروردِ حضرت محمد انور آرمیدہ درک فضائل خفی وجلی سید اسد علی۔ یکتائے علمائے دوراں وبیہمتائے فہمائے زماں کمالات پناہ جلالت آگاہ عالی نسب متعالی حسب مولوی محمد ابراہیم شاہ عرب سلمہ اللہ الرب۔ یگانۂ ناثران بے عدیل۔ فرزانۂ ناظمانِ بے بدیل۔ گزین ازلی مولانا قطب علی۔ خلاصہ دبیرانِ عطارد پیشہ دست۔ خاصہ خبیرانِ خبرت پایست۔ رقام بیمثل آفاق۔ سہام بے تمثیل نہ رواق۔ شیر سہراب یزد تہمن تواں۔ دلیر افراسیاب۔ نور بہمن میدان خجستہ منش۔ برجستہ روش پرہیزگار تورع شیفتہ۔ تورع کردار تشرع فریفتہ۔ ادریس خانہ نصیب حافظ عبد الحبیب۔ فدیدہ فارس دانانان بیہمال۔ قدوہ دری زبانانِ شیوا مقال۔ اسوہ نظام جہاں۔ سلالۂ نثار گیہاں عبد الکریم خاں مہر سپہرِ دانش پروری سپہر مہر بینش گستری۔ آفتاب سمائے دانست حقیقت نظم پردازی ماہتاب بیضائے توانست ماہیت نثر طرازی۔ بدر آسمان دقیقہ دانی صدر ایوان لطیفہ رسانی۔ ناظمی پناہ۔ ناثری دستگاہ حافظ عزۃ اللہ۔ دقاق حقایق علوم۔ حقاق دقائق فہوم۔ وقاف کیفیت صیغ وتراکیب عربیت الیق۔ کشاف اصل وفرع اسالیب پر وقت منطق۔ گزین کیش بہیں آئین اخوند زادہ محمد ظہور الدین ستاسک

مناسک حج فلاح افزا۔ سالک مسالک استعداد حرمین صلاح آرا۔ عالم باعمل عامل بے بدل۔ حلال مہمات افادت۔ شامل افاضات ممتلی سید حسین علی نتیجہ رضیا شرف سلف و خلف۔ فیاض مستفیضان ہر طرف۔ محقق تدقیق نکتہ رانی۔ مدقق تحقیق مثنوی دانی مولوی آصف علی۔ ملک الشعرا ریختہ گو۔ سلطان الشاعرین بذلہ خو۔ دبیر بے نظیر ناثر ناظم قیام الدین محمد قائم ممتاز اوجگاہ علو کمال سر فراز عروجاہ سمو جلال نظامی و نثاری اقران عبدالحفیظ خاں شاگرد رشید نظام خاں مرزا معز فطرت۔ علامۂ مدارس احصال فنون خفا ذظہور فہامہ مجالس اکمال شیون نزد و دور۔ قادر استخراج اختراعات ہر فن۔ نادر استمزاج ابداعات نو دکہن۔ لوح چرخ نکتہ رانی شارق فلک خردہ دانی۔ والا مناقب بالا مناصب مفتی شرف الدین صاحب۔ اور عمدۂ فضلاے تحریر۔ جمدۂ کملاے روشن ضمیر مخترع رموز نثاری و نظامی۔ مبدع کنوز علامی و فہامی۔ درویش پسندیدہ طینت گزیدہ کیش سنجیدہ فطرت مولانا غلام جیلانی متخلص بہ رفعت سے کتب نظم و نثر۔ دواوین۔ اور علوم پڑھے۔ اُسی زمانہ کے قریب مولانا رفعت کا انتقال ہوا۔ اُن کی تاریخ وفات میں دو قطعہ ایک رباعی اور ایک مثنوی لکھتا ہوں۔ د بخوف طوالت راقم الحروف نے اُن کو نقل نہیں کیا) تحصیل علم کے بعد فکر معاش ہوئی۔

زر محمد خاں نبیرہ فتح خاں میر سامان نواب علی محمد خاں نے میری غور و پرداخت کی۔ زر محمد خاں کو تپ دق لاحق ہوئی۔ ایک روز مصطفیٰ خاں عرف انجو خاں بطریق عیادت آئے۔ اور ان سے کہا کہ آپ تو سخت علیل ہیں۔ تا علالت عنبر شاہ خاں کو میرے سپرد کیجیے۔ بعد صحت

یہ حاضر ہو جائیں گے ۔ انھوں نے منظور کر لیا۔ نواب محمد علی خاں کی حیات تک میں نجو خاں کا ملازم رہا۔ شب کو کبھی کبھی مجلس شعر و شاعری ہوتی تھی۔ جب زمانۂ حکومت مخلص الدولہ ناصر الملک حاجی نواب غلام محمد خاں بہادر مستعد جنگ کا آیا۔ اور نواب صاحب نے کثرت سے نئی فوج بھرتی کی ہیں بھی نو ملازموں میں جلودار ہو گیا۔

جنگ کے بعد ملک نواب احمد علی خاں بہادر کو ملا اور نائب نواب محمد نصر اللہ خاں ہوئے۔ تو میں نواب نصر اللہ خاں کے پاس بطور وقائع نگار صاحبانِ فرنگ ملازم ہوا۔ پھر کچھ دنوں کی بیکاری کے بعد ایک امیر غلام حسن خاں کے ساتھ ایک سال چند ماہ میاں دوآب سفر وحضر میں رہا پھر کچھ دن سید محمد خاں برادر حافظ الملک۔ اور کچھ دن باذل بے مقابل حضرت شاہ خاں کے پاس رہا۔ تین برس نواب محمد کفایت اللہ خاں کے پاس رہا۔ اسکے بعد بہت دن تک تلاش معاش میں کبھی مرادآباد کبھی کہیں پھرتا رہا۔ پھر اکرام الدولہ کریم الملک نواب کریم اللہ خاں بہادر کرامت جنگ خلف نواب فیض اللہ خاں کی خدمت میں پہونچا۔ دو برس نواب محمد عنایت اللہ خاں کی ملازمت کی۔ گو انھوں نے تا زیست جدا نکرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر ایک عزیز بے تمیز کی وجہ سے ترک تعلق کیا اب بالکل بیکار پریشان خانہ نشین ہوں۔ اسپر یہ مصیبت اور آئی کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ قطعات تاریخ انتقال لکھتا ہوں۔

در ہزار و دو لیست و سی و چہار	بیست و ہفتم ربیع نخست
مادرِ مہربان عنبر شاہ	خرمی جناں بجنت جست۔

(دو قطعہ یہاں ترک کرتا ہوں بخوف طوالت)

یہاں تک مصنف پنج گنج موسوم بہ اشراق الخیال کے حالات ختم ہو گئے کتاب کو بھی یہیں پر ختم کیا ہے۔ اشراق الخیال تاریخی نام ہے۔ جسکے عدد ۱۲۳۲ھ ہوتے ہیں۔ گویا ۱۲۳۲ھ تک زندگی ثابت ہے۔

دہلی میں حکیم صدرالدین خاں نے جب مشاعرہ کی بنیاد ڈالی یہ بھی وہاں موجود تھے۔ ایک طویل قصیدہ اسکاٹ نامی انگریز کی مدح میں اُن دنوں لکھا ہے کلام کا نمونہ انتخاب یادگار میں ملاحظہ ہو۔ تذکرۂ شمیم سخن میں ۱۲۳۹ھ میں وفات لکھی ہے۔ ان کی تصانیف سے ذیل کی کتابیں کتاب خانہ میں موجود ہیں۔

مرآۃ الاصطلاحات فارسی قلمی نوشتہ دست مصنف اخیر سے ناقص بفرمائش امجد علی خاں ولد سعید علی خاں تصنیف ۱۲۲۳ھ۔ مقدمہ جوہر عنبری بطور آمدنامہ۔ پنج گنج مسمّٰی بہ اشراق الخیال فارسی قلمی دست مصنف۔ بہار عنبر فارسی قلمی تصنیف ۱۲۳۰ھ۔ سواد عنبر فارسی انشا۔ سراج منہاج فارسی قلمی بفرمائش مولوی قطب علی۔ جوش ہوش فارسی قلمی بفرمائش اخوندزادہ ظہورالدین تشریح الخیال فارسی قلمی کلام منظوم تصنیف ۱۲۳۳ھ۔ بیاض عنبر اشعار منتخبہ اساتذہ۔ دیوان ریختہ۔ تدقیق الخیال دیوان اُردو تصنیف ۱۲۳۰ھ۔

تشریح الخیال کے دیباچہ میں اپنی تصانیف کے جو نام لکھے ہیں اُس میں جوہر عنبر۔ سویدائے عنبر جوہر شجاعت متعلق تواعد دوانک پھکیتی معمولہ سید علی نقی دہلوی کا بھی ذکر کیا ہے۔

عنایت محمد خاں عرف عنایت اللہ خاں تخلص راسخ

ولد عادل شاہ خاں ساکن قصبہ بلاسپور تحصیل رام پور۔ علم مدرسیہ فارسی وعربی خلیفہ احمد علی رام پوری سے پڑھے۔ سید اسمٰعیل حسین منیراور سید احمد علی رسا

دری سے نظم اردو فارسی میں استفادہ کیا۔ بھوپال میں صاحبزادہ فاخر
ماں مرحوم کی دامادی کا شرف حاصل کیا۔ بھوپال میں محلہ اسلام پورہ
رہتے تھے۔ تیرہ سو اٹھائیس یا انتیس ہجری (۱۳۲۸ یا ۱۳۲۹ھ) میں
ل میں بعارضہ پلیگ انتقال ہوا۔ تکیہ جدید میں دفن ہوئے۔
کے جوان ان کے بعد مر گئے۔ فی الحال سات آٹھ سال کا لڑکا اور
ں سال کی لڑکی زندہ ہے۔

میر عوض علی تخلص عدیلؔ

میر چاند علی حسینی۔ ملیح آباد اصلی وطن تھا۔ کتب درسیہ مولوی سلامت اللہ
دی سے پڑھیں۔ عربی فارسی دونوں میں صاحب استعداد تھے۔ فن
ں نویسی حافظ نور اللہ سے حاصل کیا۔ ہاتھ میں رعشہ پیدا ہونے سے
پہلے خوب خوب نستعلیق کو لکھا جس زمانہ میں جناب نواب سید محمد سعید خاں
ب بہادر جنت آرام گاہ لکھنؤ میں تشریف فرما تھے۔ جناب نواب سید
ن علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں کی تعلیم کے واسطے میر صاحب کو مقرر
تھا۔ اسی وجہ سے رام پور بلائے گئے۔ رام پور آنے سے قبل انگریزی حکومت
ڑہ مانک پور میں تھانہ دار اور بجرنگ گڈھ میں منصف رہے۔
سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ نے رام پور طلب فرمایا اور
ب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کے معلم مقرر ہوئے۔
ت ایسے تھے کہ جس نے چندے تلمذ اختیار کیا خوشخطی سے محروم نہ رہا۔ آپ کی
رام پور میں گھر گھر خوشنویسی کا شوق ہوا اسوقت جسقدر نستعلیق کے خوشنویس
دہ میں میر صاحب ہی کے سلسلہ سے فیضیاب ہیں۔ چند رسائل بھی آپ نے

تذکرہ آثار الشعراء اُردو۔

تصنیف فرمائے۔ مگر کوئی طبع نہیں ہوا۔ املا میں رسالہ سہل ممتنع طب میں صحت الملوک دستور العمل تدبیر معاش مساکین۔ رسالہ اصول نستعلیق۔ مثنوی نان و نعمت آپکی تصنیف سے ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔

صحت الملوک بزبان فارسی ۴۸ صفحہ کا رسالہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتب خانہ ریاست میں موجود ہی۔ اخیر سے ناقص ہی۔

دستور العمل خرید نیشکر برائے فیلخانہ ریاست قلمی نوشتہ مصنف ۱۲۸۵ھ دس صفحہ کا کتب خانہ ریاست میں موجود ہی۔

دستور العمل تدبیر و معاش مساکین و انتظام قحط سالی فارسی۔ نوشتہ مصنف تصنیف ۱۲۸۵ھ نو صفحہ کا رسالہ کتب خانہ ریاست میں موجود ہی۔

انتظام السعید۔ فارسی۔ جناب نواب سید محمد خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ نے مصنف کو بغرض تعلیم جناب نواب سید محمد کلب علیخاں بہادر خلد آشیاں مقرر فرمایا۔ تو یہ رسالہ ۴۴ صفحہ کا متعلق انتظام پولس وغیرہ لکھکر پیش کیا۔

رام پور ہی میں فالج گرا۔ ۲۷ محرم ۱۲۹۵ھ میں انتقال ہوا۔

ریاست کی طرف سے تجہیز و تکفین ہوئی۔ حافظ جمال اللہ صاحب کے مزار کی جنوبی دیوار کے باہر دفن ہوے۔ اب آپ کا مزار جنرل اعظم الدین خاں کے مقبرہ کے چبوترہ مین دب گیا ہی۔

قطعہ تاریخ وفات از مولوی الٰہی بخش صاحب خوشنویس شاگرد موصوف

آہ رقم چساں کنم وصف جناب اوستاد
بر صفت از صفا تہا فرد بد و نداشت جفت
بود بذات پاک شاں ہر کہ دمہ چو فیضیاب
سال وفات ہاتفم چشمۂ فیض گم بگفت

ایضاً از حکیم محمد حسین خانصاحب نیر رامپوری

جناب حضرت استاد سید عوض علی	بلند و اقف ہر نکتۂ خفی و جلی
ز سقم فالج و لقوہ گذاشت دار فنا	چناں گزید بفیض نبی و لطف جلی
بگفت مصرع صوری و معنوی نیر	سن ہزار و نوہست دو صد ای جلی

میاں غلام احمد تخلص تمیز

آپ کا اصلی نام رام دیال اور والد کا نام خیالی رام - قوم تمبولی ہے۔ رام پور میں گوجروں کے محلہ میں ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے شباب میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ استاد تو کوئی بظاہر نہ تھا۔ مگر شوق طبیعت نے راہبری کی میاں نظام شاہ نظام سے شاگردی کا برائے نام تعلق تھا۔ پھر نواب مرزا خاں داغ دہلوی سے استفادہ کیا۔ قوالی کے جلسوں میں بھی آتے جاتے تھے میاں احمد علی شاہ صاحب کے ہاں بھی سالانہ عرس بخلاف اسلاف نقشبندیہ قوالی کے ساتھ بڑے زور و شور سے ہوتے تھے۔ آپ ان میں بھی شریک ہوتے تھے۔ بیس برس کی عمر میں ایک دن شب کے وقت کوئی ایسی صورت راہ میں نظر پڑی جس سے صبر و قرار جاتا رہا۔ وحشت بڑھی۔ دوبارہ جمال میسر نہ آیا۔ اس حالت زار کو میاں نظام شاہ صاحب سے کہا وہ میاں احمد علی شاہ صاحب کے مرید تھے۔ میاں نظام شاہ صاحب اپنے ہمراہ میاں احمد علی شاہ صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ صورت کے دیکھتے ہی زنار توڑا اور اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے۔ طبیعت میں ذوق و شوق موجود تھا۔ شمع روشن کے قریب آتے ہی شمع سان محبت الٰہی میں جلنے لگے۔ نقشبندیہ طریقہ کے اوراد و اذکار میں مصروف ہوئے۔ محنت اور پیر کی محبت نے یہ رنگ جمایا۔ لباس پیر کا از سر تا پا سیاہ تھا۔ خود بھی وہی لباس اختیار کر لیا۔ پیر کی خدمت کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ خود کہتے ہیں۔

تیزاب ہو گیا یکساں ہمارا باطن و ظاہر سیاہی دل کی اندر تن پہ بھی پوشاک کالی ہے

ناگاہ غلبہ شوق حج و زیارت مدینۂ منورہ ہوا۔ سامان سفر مہیا نہ تھا۔ پیر و مرشد کے ہمراہ

حیدرآباد دکن جاکر محکمۂ مال میں ملازمت اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے جب سامان

سفر فراہم کر دیا۔ حج کو گئے۔ زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور پھر رام پور آگئے عزیز دیگا

چھوٹ چکے تھے۔ ایک مکان محلہ کھنڈسار قدیم میں خرید کیا اور اسمیں بود و باش

کی ایک مدت کے بعد پھر حج کا شوق غالب ہوا مگر زادراہ مفقود تھا۔ اتفاق سے

احمد علی خاں مرحوم ٹھیکہ دار نے ارادہ حج کیا۔ ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی

جو ارکان حج ادا کر چکا ہو۔ جذبۂ دل کا یہ کرشمہ تھا کہ آپ کو ہمراہی کے لیے منتخب کیا

سفر بھی نہایت اطمینان اور راحت سے ہوا۔ فرماتے تھے۔ کہ اس سفر حجاز میں آب

وضو موجود۔ صف جماعت تیار۔ دسترخوان چنا ہوا۔ بستر استراحت

بچھا ہوا اور سواری تیار پائی۔ الحمد للہ علی احسانہ۔ اس دوسرے سفر

کی نسبت کہتے ہیں۔

نازِ تقدیر پہ ہو کیوں نہ خدایا مجھکو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ میں بلایا مجھ

تنگدستی کی چلی پیش نہ کچھ ضعف کا زور پر لگا کر مری قسمت نے اُڑایا مجھ

عشرۂ محرم میں دس دن برابر روزہ رکھتے۔ عشرہ کے دن صبح کی نماز کربلا میں

جاکر پڑھتے۔ اور عصر کی نماز پڑھکر واپس آتے۔ تعزیوں کی توقیر اور تعظیم کرتے۔

مرتے وقت تک زہد و عبادت میں بسر کی۔ شادی نکاح کچھ نہ کیا۔ سیکڑوں آد

مرید ہیں میاں جان شاہ۔ چمن شاہ۔ اور داتا شاہ کو خلافت عطا کی میاں جا

شاہ پر زیادہ عنایت تھی۔ انتقال سے قبل یہ اظہار کیا کہ آرزو تو یہ ہے۔

پیر و مرشد کے مزار میں دفن ہوؤں۔ لیکن وہاں لوگ مانع ہوں گے اگر وہا

ممکن نہو تو میرے اپنے مکان میں دفن کر دینا۔ پچاسی برس کی عمر میں

جمادی الآخر کی تیسری تاریخ تیرہ سو سترہ ہجری (۱۳۱۷ھ) کو انتقال ہوا۔
پیرومرشد کے احاطہ میں دفن ہونے سے لوگ مانع ہوئے مگر آپ کے پیر بھا
صاحبزادہ مہربان علیخاں صاحب بہادر نے خود آکر قبر کھدوادی اور پیرومرشد
کے احاطہ میں دفن کیا۔ محلہ کھنڈسار میں جو ذاتی مکان تھا۔ وہ بطور خانقاہ
اور میاں جان شاہ صاحب سجادہ ہیں۔ سالانہ عرس اور قوالی وہاں ہوتی
آپ کا ایک دیوان عشقیہ اور ایک دیوان نعتیہ اور ایک مثنوی جسمیں ا
وسلام لانے کا حال و بزرگان سلسلہ کی تعریف ہے۔ اردو میں آپکے سجادہ نشین
کے پاس موجود ہیں۔ آپ کی قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

تھے جو وہ حاجی غلام احمد تمیز — صوفی و صافی و عالی منزلت
ہو گئے جسدم نہاں زیر زمیں — ایک عالم آیا بہر تعزیت
سال رحلت یہ ہے گر پوچھے کوئی — ڈوبا ہے آہ آفتاب معرفت
۱۳۱۷ھ

حکیم غلام اکبر خاں عرف حکیم کلو خاں

ولد حکیم محمد شاہ خاں ولد تراب خاں قوم پٹھان یوسف زئی قبیلہ گدازئی ساکن محلہ
کھاری کنواں رام پور میں پیدا ہوئے یہیں نشو و نما ہوئی۔ علوم عربی و فارسی
یہیں پڑھے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب سے صرف نحو پڑھی۔ طب اپنے باپ سے
پڑھی۔ سرکاری طبیبوں میں بھی ملازم رہے۔ صاحبزادے محمد علی خاں بہادر عرف
چھٹن صاحب اور صاحبزادے احمد رضا خاں عرف پیارے صاحب کے بھی اتالیق رہے
نہایت وضعدار۔ پابند صوم و صلوۃ۔ دوست نوازی اور مروت میں بے مثل تھے۔ حکیم
ابراہیم خاں لکھنوی سے بیحد اتحاد تھا۔ روزانہ اُن کے ذریعہ سے اکثر لوگ حکیم صاحب سے
کام نکال لیتے تھے۔ نواب خلد آشیاں کے اخیر عہد میں (۱۳۱۲ھ تا ۱۳۱۶ھ) انتقال
کیا اور شاہ درگاہی علیہ الرحمۃ کے مزار میں دفن ہوئے۔ انکے دروازہ پر ایک

بہت بڑا پلنگ بانڈ کا بنا ہوا پڑا رہتا تھا۔ جسکو پٹھان کھٹا کہتے ہیں۔ اس لئے
رام پور میں انکا خاندان کھٹے والے حکیم کے نام سے مشہور ہے۔

مولوی غلام جیلانی رفعت تخلص

مولوی احمد خاں شاہجہاں پوری کے پوتے پیلی بھیت کشنری بریلی میں رہتے تھے۔
پیلی بھیت سے آکر رام پور کے محلہ راجدوارہ میں ملا غیرت کی خام مسجد میں مقیم ہوئے۔
قوم کے بنگش پٹھان تھے۔ مولانا بحر العلوم لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے
اسی محلہ میں شرف الدین ولایتی مولوی عبد العلی خاں ریاضی داں کے دادا رہتے تھے
ان کی لڑکی سے شادی کی جس سے دو لڑکیاں ہوئیں۔ ایک مولوی غلام حضرت کو
اور دوسری مولوی حیدر علی ٹونکی کو منسوب ہوئی۔ ملا غیرت کا جو مکان اور احاطہ
تھا وہ خود خرید کر مکان بنا کے۔ اور اسی محلہ میں قیام کیا اور کثرت سے طلبا کو پڑھایا۔
فارسی میں بھی نہایت اعلیٰ لیاقت تھی۔ مولوی عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں
لکھتے ہیں۔ کہ آپ کی عربی غزل مفتی امیر اللہ خاں نے اپنی طرف نسبت کرلی۔
اس سے زور طبیعت معلوم ہوتا ہے۔ اور شیخ یمنی نے بھی اسکو مفتی امیر اللہ خاں کے
نام سے لکھ دیا ہے۔

نواب غلام محمد خاں بہادر کی اور لکھنؤ والوں کی جنگ کو شاہنامہ کی بحر میں نہایت
خوب نظم کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ور منظوم ہے ۱۲۱۳ھ میں تصنیف کی ہے۔
عام طور پر جنگ نامہ مشہور ہے۔ اسکا ایک نسخہ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب
بہادر خلد آشیاں نے معرفت حکیم علی حسین خاں لکھنوی سید احمد خاں ولد مولوی
غلام حضرت خاں مصنف کے نواسے سے ۱۲۸۱ھ میں خرید کیا۔ جو ریاست کے
کتب خانہ میں موجود ہے۔ صاحب تذکرہ تکملہ الشعرا فارسی لکھتے ہیں کہ اردو کا
دیوان اور فارسی اشعار اور متعدد مثنویاں بھی ہیں۔

علاوہ کمالات ظاہری کے درویشی کا بھی شوق ہے۔ صاحب تذکرہ انوار العارفین فارسی خلیل احمد خاں کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ایک روز مولوی صاحب خلیل احمد خاں شاہجہاں پوری سے رام پور میں ملنے آئے۔ خلیل احمد خاں نے فرمایا مولانا کچھ حدیث پڑھیئے۔ اس وقت مولوی صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ بالکل علم سلب ہوگیا ہے پھر خود خلیل احمد خاں نے باوجود اُمّی ہونے کے حدیث کا بیان کیا اور مولوی غلام جیلانی اُنسے بیعت ہوگئے۔ مولوی غلام نبی وحشت شاہجہاں پوری جو ایک نہایت ہی عالم و فاضل تھے۔ انکا جوانی میں انتقال ہوگیا ان کی وصیت کے موافق مولانا نے انکے کلام کی ترتیب کی اور تذکرہ تکملۃ الشعرا میں درج کرایا۔ تذکرہ انتخاب یادگار مولفہ منشی امیر احمد صاحب مرحوم میں لکھا ہے کہ مولانا کے باپ مولوی احمد صاحب مرحوم گیلان سے روہیلکھنڈ میں آئے۔ اور مولانا روہیلکھنڈ میں پیدا ہوئے علوم عقلی مولوی حسن صاحب میر ولد سے پڑھے۔ شاہجہاں آباد میں شاہ عبد العزیز سے کتابیں پڑھیں۔ اور وہیں اہل ایران سے فارسی زباندانی حاصل کی مولوی صاحب سے بڑا فیض جاری ہوا۔ مولوی حیدر علی خاں۔ مولوی خلیل الرحمٰن۔ مولوی محمد مفتی شرف الدین۔ کبیر خاں تسلیم۔ عنبر شاہ خاں عنبر۔ مولوی غیاث الدین عزت انکے شاگرد ہیں۔ مولوی احمد علی عباسی چڑیا کوٹی المتوفی ۱۲۸۰ھ نے بھی بہرا ہی مولوی حیدر علی ٹونکی آپ سے پڑھا ہے بہشت خلد نام ایک مجموعہ اشعار ہے جس میں اساتذہ کے اشعار سراپائے معشوق کے تعریف میں جمع کئے ہیں فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ قوت حافظہ کی یہ کیفیت سنی گئی کہ بعد ختم مشاعرہ اکثر شعرا کی غزلیں اول سے اخیر تک پڑھ دیتے تھے۔ انتی برس کی عمر ہوئی۔ چاشت کے وقت ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ بارہ سو چونتیس ہجری (۱۲۳۴ھ) کو رام پور میں انتقال کیا۔ اور ملا عزت کی مسجد میں جو لب مولوی صاحب

کے نام سے مشہور ہے۔ دفن ہوے۔ انکے مزار پر اکثر حاجتمند آتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں۔ زبانی روایت ہے کہ زمانۂ سابق میں اہل شہر کا مدفن متصل موضع گھیریا تھا وہیں مولوی صاحب دفن ہوے تھے۔ جب دریا میں سیلاب آیا اور قبریں دریابرد ہوگئیں۔ تو مولوی غلام حضرت صاحب ور مولوی رفیع الدین خاں صاحب نے قبر کھود کر نعش نکالی اور مسجد میں لاکر دفن کیا۔

مجموعۂ رفعت۔ یہ فارسی کا دیوان آپ کا ہے تاریخ اسکی بیاض دلکشا ہے جسکے اعداد (۱۱۶۸ھ) ہوئے۔ اسکے خاتمہ پر لکھا ہے کہ بتاریخ چہار دہم شوال در چھاونی متصل قصبہ سری نگر در لشکر نواب محمد صدیق علی خاں بہادر روز شنبہ بخاطر داشت عزیز القدر عبدالرحمٰن خاں از دست میاں سلطان شاہ بزودی تمام ارقام یافت ۱۲۰۱ھ یہ نسخہ کتاب خانہ ریاست میں موجود ہے۔ اِس سے ثابت ہے کہ مولف کے حیات کا لکھا ہوا ہے اور جب (۱۱۶۸ھ) میں دیوان مرتب ہوچکا تھا تو ظاہر ہے سو برس سے کم عمر نہوئی ہوگی۔

ہشت خلد فارسی۔ مختلف شعرا کے اشعار حمد و نعت اور سراپاے معشوق و اشعار شوقیہ اور احوال عاشق جمع کئے ہیں۔ اِس کتاب کی ترتیب ضیاء الدین عبرت نے شروع کی۔ ان کے انتقال کے بعد محمد کبیر خاں تسلیم۔ کرامت علی۔ شجاعت علی۔ عنبر شاہ خاں۔ مصاحب جنگ ہمت خاں ہمت وغیرہ تکمیل کرتے رہے۔ غلام مصطفیٰ خاں بہادر معروف بہ بخو خاں ولد محمد مستقیم خاں ولد شیخ محمد کبیر خاں کے حکم سے اسکی ترتیب ہورہی تھی جنگ دوجوڑہ میں وہ شہید ہوگئے جناب نواب سید غلام محمد خاں صاحب بہادر نے سپہ سالاری۔ سنو خاں بہادر برادر خرد کو دی اور کوہ کمایوں میں سری نگر کے کمان بھنجن درہ میں مورچہ بندی کرلی۔ نواب صاحب کے قریب صلح میں آکر انگریزوں کے پاس چلے گئے۔ پھر سنو خاں بہادر نے اس کتاب کی ترتیب

شروع کرائی۔ اور سنہ ۱۲۱۱ھ میں کتاب مکمل ہوئی۔
دیباچہ میں کئی سو شعرا کے تخلص حمد و نعت میں نہایت خوبی سے بیان کئے ہیں
۸۰۳ صفحہ کی کتاب کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔

مولوی غلام جیلانی خاں بہادر

والد کا نام لقمان خاں۔ قوم برکازی جو یوسف زی کا ایک قبیلہ ہی مکمل شجرہ
خاندان مولوی امام الدین کے حال میں ہی۔ ہندوستان میں ولایت سے آنے
کے اسباب معلوم نہیں۔ علم کا شوق تھا۔ مولانا بحر العلوم کے استاد مولوی
عباس علی سے اکثر علوم لطیفہ و فنون شریفہ حاصل کئے۔ مولانا بحر العلوم کے ہمراہ
رہے تحصیل علم کے بعد مرشد آباد گئے۔ نواب قاسم علی خاں نے دہلی کے دربار میں
سفیر مقرر کر دیا جن خدمات کے صلہ میں تاریخ ہفتم شعبان روز جمعہ ۱۱۸۰ھ موافق
جلوس سنہ عالم گیر ثانی شاہ دہلی نے خطاب خانی و بہادری۔ جاگیر و منصب سہ ہزاری
ذات و یک ہزار سوار عطا کیا۔ پروانے ابتک موجود ہیں۔ جنکی نقل درج کی جاتی ہی۔
بنگالہ پر انگریزی تسلط ہو جانے کے بعد نواب سید محمد سعد اللہ خاں صاحب بہادر
خلف نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر مرحوم نے بلا کر ایک ہزار پیدل کا سپہ سالار
کیا۔ اور دو ہزار کی تنخواہ و جاگیر مقرر کی۔ جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب
بہادر جب علاقۂ رام پور و بریلی پر قابض ہوے تو آپ کو اپنی رفاقت میں لے لیا۔
اور دو ہزار کی تنخواہ مقرر کی۔ ڈھیر پائی تحصیل بلاسپور کا علاقہ جاگیر میں عطا ہوا۔
مصطفیٰ آباد عرف رام پور کی بنیاد ڈالی گئی تو آپ نے چند وسیع محلسرائیں، اور
دیوان خانہ اور مسجدیں بنوائیں جو اس وقت تک موجود ہیں۔ جہاں یہ مکانات ہیں
وہ مولوی صاحب کے گھیر سے مشہور ہو گیا ہی مسجد میں سنگ سفید پر یہ تاریخ کندہ ہی۔

بنائے مسجد عالی ز فضل یزدانی ۔۔۔ چو کعبہ قبلہ در حق اہل ایمانی

طلب نمود چو از غیب سال تاریخش ندا رسید کہ اوید غلام جیلانی

جس کے گیارہ سو ستانوے ہجری ہوتے ہیں۔ شجاعت۔ مروت حسن اخلاق۔ ایثار میں بےمثل تھے۔ فلک کمٹیر پر سکھ متواتر یورشیں کرتے تھے۔ دریائے گنگا کے متصل دارانگر پر آصف الدولہ نے اپنی اور انگریزی پلٹنیں مقرر کر رکھی تھیں۔

جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کو بھی حکم تھا کہ ایک ہزار سوار اور پیادہ وہاں رکھیں۔ فوج زیر کمان مولوی صاحب موصوف تھی۔ مولوی صاحب کی فوج کا کوئی سپاہی بازار میں کچھ خرید رہا تھا صاحب سنگھ صوبہ دار کی پلٹن کا پوربیا سپاہی بھی سامان خرید رہا تھا۔ دونوں ہندو اور مسلمان سپاہیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ پوربیا مارا گیا صاحب سنگھ کو خبر ہوئی تو اُس نے قاتل کو مانگا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہم تحقیق کر کے خود سزا دینگے۔ غرضکہ دونوں طرف سے فوج تیار ہوئی۔ خوب جنگ ہوئی صوبہ دار بچکر نکل گیا۔ اور اُسکے آدمی بہت مارے گئے۔ اور اُس کی پلٹن کا سامان سپاہیان مولوی صاحب نے لوٹ لیا۔ ادھر سے الیاس خاں واحد خاں اور میاں صدیق خلف میراں صاحب جمعداران شہید ہوئے میاں صدیق حسن وجمال میں بےمثل تھے۔ یہ واقعہ رمضان ۱۱۹۵ھ کا ہے۔

اُسی روز سے دارانگر سے آصف الدولہ نے چوکی اُٹھوا دی۔ تفضل حسین خاں کشمیری کو رام پور بھیجا اور پندرہ لاکھ روپے پر فیصلہ ہوا۔ مولوی صاحب نے نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کی۔ حکیم عالم۔ اور سردار ہر قسم کے لوگ مصاحبوں میں رہتے تھے۔ آپ کی بیوی امیر خاں سوائے جھنڈے والی کی صاحبزادی تھیں۔ اولاد ذکور میں پانچ صاحبزادے تھے۔ غلام حسن خاں۔ غلام حسین خاں غلام حیدر خاں۔ غلام محمد خاں۔ اور غلام احمد خاں۔ اور چھ لڑکیاں تھیں۔ مولوی صاحب کا انتقال رام پور میں بارہ سو سات ہجری (۱۲۰۷ھ) میں ہوا

ے برس کی عمر ہوئی۔ اور اپنے ہی احاطہ میں دفن ہوئے۔

نقل فرمان

یخ روز جمعہ ہفتم شعبان سنہ جلوس مبارک معلی موافق سنہ ۱۱ھ مطابق ....
لت و امارت و ایالت منزلت شجاعت ...... و شہامت مرتبت مورد مراحم
ں بادشاہی مہبط اعطاف نمایاں خلیفہ الٰہی استظہار مجاہدان باعزم افتخار دلیران معرکہ
فدویان ہوا خواہ عمدہ نوائیتان بارگاہ خانہ زاد لایق العنایت والا احسان بخشی الملک
علی خاں بہادر و نوبت واقعہ نگاری کمترین بندہا ے عقیدت آہنگ تن سنگھ
یگر و دو حکم صادر شد کہ غلام جیلانی خاں ولد لقمان خاں بمنصب سہ ہزاری ذات
سوار و خطاب غلام جیلانی خاں بہادر سرفراز باشد۔ واقعہ سہ شعبان سنہ
ب تصدیق یادداشت قلمی شد۔

نقل حکمنامہ

زیر الممالک جملۃ الملک مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر فتح جنگ یار وفادار
پہ سالار فدوی بادشاہ سلیمان اقتدار عالمگیر غازی سنہ ۱۱ھ۔
ہریان و قانونگویان و متصدیاں و رعایا و مزارعان پرگنہ چرگانوں وغیرہ
ف صوبہ بہار بدانند کہ
ں مبلغ چہار لک و نود ہزار دام از پرگنات مزبور از تغیر محمد صالح خاں بہادر وغیرہ
بتدا ے سدس سیچ توشقان ئیل مطابق ضمن بجاگیر رفعت پناہ غلام جیلانی
ں مقرر گشتہ باید کہ مالواجب و حقوق دیوانی را از قرار واقع و راستی موافق
بطہ و معمول بخان مشارٌ الیہ جواب میگفتہ باشند و از ہیچ حساب و صلاح و صوابدید
ں موصی الیہ بیروں نروند تاریخ ششم ذی الحجہ سنہ ۶ جلوس قلمی گشت۔
ں اور حکمنامہ کے متعلق جسقدر دفاتر کی کارروائیاں ہیں اور واقع نویس ۱ مدد

دیگر عمال کے عملدرآمد ہیں وہ نقل سے چھوڑ دئے ہیں۔

سید شاہ غلام جیلانی تخلص قادری

ولد سید شاہ سرفراز عرف سید حقیقۃ اللہ وبھوری میاں۔ آپ کی ولادت قصبہ بلاسپور تحصیل ریاست رام پور میں بارہ سو چھ ہجری (۱۲۰۶ھ) میں ہوئی آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد نے حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ ایک لڑکا ہوگا اسکی تعلیم و تربیت کا تم انتظام نکرنا۔ اسی لیے آپ کا نام شیخ قدس سرہ کے نام پر رکھا۔ جوان ہوکر مختلف علما سے علم پڑھا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمۃ سے فیض پایا۔ شاعری کی طرف بھی کبھی کبھی توجہ کرتے تھے پہلے معلّم تخلص تھا پھر قادری اختیار کیا۔ نظم بطور خود لکھتے تھے۔ نہایت مرتاض اور پابند اوقات تھے۔ پہلے شاہ غلام احمد مرحوم متوطن قصبۂ نہٹور ضلع بجنور سے بیعت ہوے پھر خواجہ زبیر الدین شاہ مقیم مقام اچانک پھلتا گھاٹ سے مرید ہوے اور خلافت پائی۔ یہ مقام بنگالہ میں کلکتہ کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ حسن قبول عطا کیا تھا کہ سیاحت میں جس طرف جاتے تھے۔ لوگ خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور نذر پیش کرتے تھے۔ ریاست رام پور سے پانچ سو روپے سال مقرر تھے۔ حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں سید احمد صاحب راے بریلوی سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ایک خط نواب وزیر الدولہ بہادر والی ٹونک کے نام لکھدیا۔ حج سے واپس آکر ٹونک آئے۔ نواب وزیر الدولہ بہادر ایسے معتقد ہوئے کہ مثل غلاموں کے خدمت کرتے تھے۔ نظر باغ آپ کے قیام کے لئے ملا۔ ایک ہاتھی۔ ایک پالکی۔ مع کہار اور ایک گھوڑا ہر وقت آپ کے لئے ریاست سے باغ میں حاضر رہتا تھا۔ اسکے سوا یہ حکم عام تھا کہ جو سواری اور طلب فرمائیں بھیجی جائے۔ موضع بگڑی جسکی آمدنی بیس ہزار سالانہ کی تھی۔

بطور جاگیر دیا۔ یوں بھی روزانہ خدمت نقد و جنس سے کرتے تھے آپ کی بھی یہ حالت تھی کہ ہر وقت لنگر خانہ جاری ہے۔ جو آتا ہے۔ کھاتا ہے۔ جو مانگتا ہے ملتا ہے۔ ایک ہاتھ سے لیتے تھے دوسرے ہاتھ سے دیتے تھے کوئی حقیقت روپے کی نظر میں نہ تھی۔ اگر دنیا کا ذرا سا بھی لگاؤ ہوتا تو لاکھوں کی جائداد پیدا کر لیتے۔ نواب وزیر الدولہ بہادر آپ کو نہیں بلاتے تھے بلکہ روزانہ آپ کی خدمت میں عصر کے وقت حاضر ہوتے تھے۔ لاکھوں مرید تھے آپ کے خلفا میں۔ سید حسن شاہ صاحب محمد رشد۔ سید عبداللہ شاہ صاحب۔ شاہ جی عبدالقادر خاں خلف عبدالنبی خاں صاحب رام پوری۔ قاری احمد شاہ صاحب شاہجہاں پوری۔ شیخ داؤد صاحب و شیخ عبدالغفار صاحب ساکنان کلکتہ میاں غلام مرشد صاحب خلف ودیم صاحب تذکرہ اور میاں ابو الحسن صاحب برادر خرد صاحب تذکرہ مشہور ہیں۔ آپ کی تصانیف میں بزبان اردو تین قلمی کتابیں ہیں۔ ایک فقریں نظم ہدایت۔ دوسرے جنگنامہ حضرت امامین علیہ السلام تیسرے میلاد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ محرم کی اٹھارھویں تاریخ بارہ سو تہتر ہجری (۱۲۷۳ھ) کو انتقال ہوا۔ اور قصبہ بلاسپور کے موضع کھوند لپور میں عالیشان مقبرہ میں دفن ہیں[۱]۔ اولاد ذکور میں سے آپ کے سید غلام حسین۔ سید غلام مرشد اور سید غلام مخدوم تین فرزند تھے۔ اس وقت سید غلام مخدوم زندہ ہیں۔

میاں غلام حسن تخلص حسن

ولد میاں غلام حسین ابن شاہ عبدالکریم عرف ملا فقیر اخوند۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے چشتی صابری طریقہ میں اپنے والد سے مجاز تھے۔
شب و روز ورد و وظائف سے کام تھا۔ نظم فارسی اور اردو بھی کبھی لکھتے تھے

---

[۱] انتخاب یادگار۔

چالیس برس نو مہینے کی عمر میں ذیقعد کی ساتویں تاریخ بارہ سو سڑسٹھ ہجری (۱۲۶۷ھ) کو انتقال فرمایا۔

مولوی غلام حضرت خان حاذق تخلص

ولد غلام حسین خاں۔ رام پور میں تقریباً ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔
دو سال چار مہینے کی عمر میں مکتب ہوا۔ سو سال میں قرآن شریف ختم کیا اور کتب فارسی شروع کیں۔ دس سال کی عمر میں بہت کچھ کتابیں ختم کر لیں بیس سال کی عمر میں تمام درسیات ختم کر کے مدرسی پر نوکر ہوئے کچھ دن یہاں نوکری کر کے مالوہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے آئے اور الموڑہ میں گئے۔ ای۔ ایس۔ اوکلے۔ ایم۔ اے پرنسپل اسکول الموڑہ نے فارسی کا مدرس مقرر کیا۔ تیس سال کی عمر میں سحر حلال ایک ۷۰ صفحہ کا رسالہ فارسی بے نقط لکھا ہے۔ جو ۱۹۰۸ء میں رام پور میں چھپ گیا ہے۔ آپ کی علمی قابلیت بدرجہ غایت اس رسالہ سے عیاں ہے۔
اردو و نظم میں منشی امیر اللہ تسلیم سے تلمذ ہے۔ اور بفضلہ حیات ہیں۔ دوسری کتاب لمعات الصواعق المعروف بہ مسدس حاذق ۱۹۱۰ء میں طبع کرائی مثل مسدس حالی۔ شرک بدعات اور مراسم اہل شرک کی خوب تردید کی ہے۔ محاربات ترک با طالیہ نظم میں مسدس لکھی شمشیر ترک بر بلقان اسکا تاریخی نام ہے۔

مولوی غلام حضرت خاں

ولد مولوی طرہ باز خاں محلہ بنگلہ آزاد خاں پر مکان تھا۔ رام پور میں فارسی اور عربی کی تحصیل کی نوجوانی میں ایک شخص ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ باہر بھی تحصیل علم میں مشغول رہے ریاست نے عفو قصور کر دیا۔ پھر رام پور آئے۔ محلہ پیلو کی مسجد میں ایوب خاں کے گھر شادی ہوئی۔ بنگلہ آزاد خاں سے سسرال میں اٹھ آئے۔ پیلو کی مسجد میں جمعہ کو وعظ کہتے تھے۔ بعد نماز صبح

تفسیر حسینی فارسی کا درس ہوتا تھا۔ دیگر اوقات میں عربی اور فارسی کتابیں پڑھاتے تھے۔ طلبا کی کثرت تھی۔ فقہ میں بے مثل تھے۔ فتوی خوب لکھتے تھے بیوی کے انتقال کے بعد محلہ شاہ آباد دروازہ مکانات بنائے۔ جناب نواب سید مشتاق علی خاں صاحب بہادر عرش آشیاں کی تعلیم پر ملازم ہوئے شہر کے اکثر لوگوں نے آپ سے پڑھا ہے۔ تیرہ سو چار ہجری (سنہ ۱۳۰۴ھ) میں انتقال ہوا۔ اولاد میں کوئی خواندہ بھی نہیں ہے۔

غلام حسین خاں عرف فقیر شاہ

مرید اور خلیفہ حضرت غلام حسین ابن ملا فقیر اخوند رام پوری کے تھے۔ نواب دوندے خاں جنکا قبضہ مراد آباد پر تھا۔ اُن کی اولاد میں سے تھے۔ قوم بڑیچ ہے۔ لباس افغانی اور اُمرائی اُتار کر لباس درویشی پہن لیا۔

ان[1] کے پیر نے اپنے والد ملا فقیر اخوند کے عرس کے دن ان کو خرقۂ خلافت دیا۔ اور فقیر شاہ نام رکھا جسطرح کہ جوانی میں حسن کی شہرت تھی ایسی ہی بڑھاپے میں درویشی کے حسن و جمال میں مشہور تھے عین جوانی میں لباس فاخرہ دور کردیا۔ اور درویشی لباس پہنا۔ اکثر اپنے مریدوں کو کھانا اور کپڑا بھی خود دیتے تھے۔ تیرھویں شوال سنہ بارہ سو ستر ہجری (سنہ ۱۲۷۰ھ) کو انتقال کیا اور مراد آباد کے کاغذی محلہ میں اپنی تعمیر کردہ خانقاہ میں دفن ہوئے۔

میاں غلام حسین تخلص حریف

حضرت[2] ملا فقیر اخوند کے تیسرے بیٹے بیوی کے بطن سے تھے۔ تحصیل علوم ظاہری کے بعد اپنے والد کے خلفا حافظ عبدالرحمٰن۔ صاحبزادۂ عبدالقدوس حافظ محمد۔ ملا دریا خاں اخوند شاہ زماں اور شاہ غلام حسین مراد آبادی سے علم باطنی حاصل کیا

---

[1] انوار العارفین فارسی۔ [2] انوار العارفین فارسی۔

سنہ ۱۲۳۹ھ میں بزرگوں کی زیارت کے لئے دہلی گئے وہاں شاہ عبدالعزیز سے اجازت تلاوت قرآن ودلائل الخیرات حاصل کی مولانا شاہ عبدالقادر برادر شاہ عبدالعزیز سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا۔ میاں صابر بخش نے چشتیہ وقادریہ وغیرہ کی سند عطا کی۔ اسکے بعد مارہرہ جاکر سید آل احمد عرف اچھے میاں سے طریقۂ قادریہ اور اجازت دعاے سیفی واعمال وغیرہ حاصل کئے۔ اور پھر اپنے والد کی مسند ارشاد پر بیٹھے۔ سماع سنتے تھے کبھی کبھی حالت وجد طاری ہوتی تھی۔ تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ بار بار سینہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ اور کپڑے پھاڑ ڈالتے تھے۔ نہایت خلیق تھے۔ غربا کی حاجت روائی میں امیروں سے سعی فرماتے تھے۔ اگر کسی سے غریب آدمی کی کاربرآری نہوتی تو ناخوش ہوتے تھے۔ ۱۹ رمضان کو بارہ سو انسٹھ (۱۲۵۹ھ) میں انتقال فرمایا۔

فارسی[1] شاعری سے بھی قدرے شوق تھا۔ حاجی گل محمد خاں وفا کے شاگرد تھے حریف تخلص تھا۔

مفتی غلام حسین

ولد مولوی نصیر الدین۔ بن مولوی شیر محمد علوی رام پور میں پیدا ہوئے۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ بہت زبردست فاضل ہیں مولوی صاحب کے اِس لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت فاضل اور مقدس تھے۔ رام پور میں مفتی عدالت بھی رہے۔ سیکڑوں طلبا آپ سے فیضیاب ہوئے۔ ترجمہ فارسی شرح قانچی حل الفروق فن طب۔ چھوٹی تقطیع پر دوسو بیاسی صفحہ کی کتاب ہے۔ فارسی ترجمہ سے قابلیت عیاں ہے۔ یہ ترجمہ بموجب حکم جناب نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ (سنہ ۱۲۵۶ھ تا سنہ ۱۲۷۱ھ) لکھا ہے۔ کتب خانہ

---

[1] انتخاب یادگار۔

ریاست میں موجود ہی۔

نواب سید محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ نے تفسیر کبیر سے آیہ فما استمتعتم بہ کی تفسیر کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا۔ وہ ترجمہ کتب خانہ ریاست رامپور میں موجود ہے

مارب التحریر تحفۃ الامیر فارسی۔ فن ہیئت میں یہ کتاب اٹھتر صفحہ پر ہی۔

کتاب کو جناب نواب احمد علی خاں صاحب بہادر کے نام پر بارہ سو تینتیس (۱۲۳۳ھ) میں معنون کیا ہی۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ تحریر اقلیدس کا مقابلہ اول و دوم تعلیم میں داخل ہی۔ مجھے جو اِس فن میں اُستادوں سے پہونچا ہی۔ اُسکو ان دو مقالوں کے ترجمہ میں ظاہر کرتا ہوں۔ یہ قلمی نسخہ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔

اخیر میں عروض کا ایک منظوم رسالہ چھ صفحہ کا ہی۔ جسکا آغاز ہی۔

حمد ایزد واجب است وہم درودِ مصطفیٰ　　　نعت آل پاک وہم یارانِ آن خیر الوریٰ

ترجمہ رسالۂ غریبہ فارسی۔ یہ ترجمہ رسالۂ غریبہ حکیم محمد درویش کا بحکم جناب نواب محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ عربی سے فارسی میں کیا ہی۔ قلمی نسخہ بڑی تقطیع پر نہایت باریک خط کا سولہ صفحوں پر کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔

قاضی غلام رسول

میں نے ایک فیصلہ مورخہ چوبیسویں ربیع الاول سنہ بارہ سو اکیاون ہجری (۱۲۵۱ھ) دیکھا۔ پیرزادہ اعظم الدین خاں نبیرہ پیرزادہ جلال الدین خاں جنکے نام سے محلہ کٹرہ مشہور ہی۔ ان کے اور دیگر اعزہ کے باہم نزاع متعلق جائداد تھا جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے حکم سے علماء شہر نے فیصلہ کیا ہی۔ اسپر آپ کی مہر ہی۔ مہر کی یہ عبارت۔ خادم شرع مقبول قاضی غلام رسول یہ مہر ۱۲۳۲ھ کی کندہ ہی۔ دوسری مہر آپ کی میں نے سید جلیل شاہ کے محضر مورخۂ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۱ھ پر دیکھی۔ آپ قاضی تھے اور مفتی شرف الدین

مفتی ریاست تھے ۔ انکی مہر ۱۳۰۰ھ کی کھدی ہوئی ہے۔

مولوی غلام رسول خاں خوشنویس نسخ

عربی درسیات پر عبور تھا۔ خط نسخ بہت خوب لکھتے تھے۔ قرآن شریف ۔
املا پر خوب قدرت تھی۔ مولوی فضل الرحمن خاں آپ کے فرزند عربی کا
کے استاد۔ ریاضی اور ہندسہ میں بیمثل۔ نسخ۔ نستعلیق اور شکست کے اُسـ
فی الحال بھوپال میں ملازم ہیں۔ ہندسہ میں اسوقت رام پور میں انکا کوئی
نہیں ہے۔ غلام رسول خاں کا انتقال بارہ سو پچانوے ہجری کے قریب

میاں غلام رسول

چوتھے فرزند حضرت ملا فقیر اخوند کے دوسری بیوی کے بطن سے تھے خانہ
مجرد اور آزاد تھے۔

مولوی حکیم غلام رسول خاں

قوم پٹھان کمال زئی سعدی خیل۔ رجب ۱۲۸۰ھ تیرہ سو ہجری (سنہ ۱۳۰۰ھ
طورو مایار گدر ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر سے تحصیل علوم پر طبیعت مائل
ابتدائے تعلیم اپنے والد مولوی محمد امین اللہ خلیفہ اخون صاحب سواتی سے پڑ
زمانہ بلوغ تک کلام اللہ۔ خلاصہ کیدانی۔ منیۃ المصلی۔ قدوری۔ کنز الدقا
مختصر الوقایہ۔ شرح وقایہ ختم کیا۔ اسکے ساتھ ہی اُردو۔ فارسی۔ حساب بھ
رہے۔ پھر صرف کی تکمیل کے لیے مشہور درسگاہ مقام جبر بازار متصل تورڈھ
ڈیڑھ مہینے میں صرف کے اسی باب زبانی یاد کیے۔ ترکیب نحوی کے حصول
واسطے مقام شوہ کو گئے جو ترکیب کے لیے مشہور مقام ہے۔ اسکے بعد رام پور میں
سات سال میں تمام کتابیں مدرسہ عالیہ کی ختم کیں اور سند فضیلت پائی۔
شوق ہوا تو حکیم حسین رضا خاں لکھنوی مرحوم سے رام پور میں تکمیل فن

باقاعدہ مطب کیا۔ اسکے بعد مدرسہ عالیہ میں ملازم ہوگئے۔ طلباان کی طرز تعلیم سے بہت خوش ہیں۔ اب رام پور ہی وطن ہوگیا ہے۔ خالی اوقات میں طلبا کو بھی پڑھاتے ہیں اور مطب بھی کرتے ہیں۔

میاں غلام شاہ

ولد شاہ عبدالکریم عرف ملا فقیر اخوند ولد شاہ رحمت اللہ۔ ولد شاہ حافظ برخوردار ولد شاہ کبیر گجراتی ولد شاہ محمد صادق ولد شاہ فتح اللہ ولد شاہ عبدالصمد ولد شاہ عبدالمجید ولد شاہ عبدالقدوس گنگوہی۔ حضرت ملا فقیر اخوند کے فرزند دوم بیوی کے بطن سے گیارہ سو اسی ہجری (سنہ ۱۱۸۰ھ) میں پیدا ہوے جب عمر چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی۔ جمعہ کا دن تھا کہ آپ کے والد نے علوم ظاہری خود شروع کرائے۔ اور سات برس تک خود پڑھایا۔ اور تمام علوم سے مثل صرف نحو۔ فقہ۔ اصول حکمت۔ حدیث اور تفسیر سے فراغ کلی ہوا۔ گیارہ برس کی عمر میں آپ کے والد نے بیعت کیا۔ ایک حجرہ میں گڑھا کھود کر اسم جلالیہ کی زکوۃ جسکی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بیس ہزار ہے۔ ایک سال میں پوری کی۔ اس حالت میں چند بار رات کو باہر نکلے مگر کسی سے بات نہ کی۔ دو تین بار آپ کے والد حجرے میں گئے اور انکو قطب الاقطابی کی خوشخبری دی۔ ایک سال پورا کر کے حجرہ سے باہر نکالا۔ اور جمعہ کے دن خلافت عطا کی۔ جس حجرہ میں آپ نے ریاضت کی اسمیں سے نہایت عمدہ خوشبو نکلتی تھی۔ اور لوگ اس سے بیہوش ہوجاتے تھے آپ کے والد نے اسکو تیغا کرادیا۔ اور وصیت کی کہ یہیں اسی جگہ دفن کرنا چنانچہ ملا فقیر اخوند اسی جگہہ دفن ہیں۔ عطاے خلافت کے وقت اپنے خادم پیر بخش سے اپنے مستعمل تین کپڑے منگا کر عطا کئے۔ چھ سال کی عمر سے تکبیر اولی قضا نہیں کی۔ شب کو ایک پہر سے زیادہ نہیں سوتے تھے شب و روز عبادت الٰہی اور اپنے خادموں کو تعلیم طریقہ سے کام تھا درس بھی دیتے تھے سب سے اول مہمان اور خدام کو کھانا اپنے

ہاتھوں سے دیتے تھے۔ پھر بقدر سد رمق خود کھاتے تھے۔ ۱۹۔ شعبان سے روزہ رکھتے تھے اور شش عید کے بعد ترک کرتے تھے۔ اعتکاف بھی کرتے تھے بلکہ بعض سالوں میں کل ایام رمضان مسجد میں بسر فرما دیتے تھے۔ عشرۂ محرم میں بھی روزہ رکھتے تھے اور طرح طرح کے کھانے اور شربت مساکین کو دیتے تھے۔ ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ ہوتا تھا۔ اسیطرح ایام بیض میں تین روزہ رکھا کرتے تھے۔

ربیع الاول میں یکم سے گیارھویں تک روزہ ہوتا تھا۔ غرض کہ سال میں افطار کے دن تھوڑے۔ اور روزہ کے زیادہ تھے۔ جمادی الاخری کی ستاوین تاریخ بارہ سو پینتالیس ہجری (۱۲۴۵ھ) کو رامپور میں انتقال ہوا۔ اپنے والد کے مزار کے سامنے دفن ہوئے۔

مولوی غلام طیب بہاری

تاریخ جام جہاں نما میں لکھا ہے۔ کہ

"متوطن بہار مولوی وہاج الدین گوپاموی کے شاگردوں میں سے تھے اور بعض کتب مطولات ملا کمال الدین صاحب سے بھی پڑھی تھیں۔ جودت ذہن و وجاہت طبع بدرجۂ اتم تھی۔ علوم متداولہ میں کامل مہارت تھی۔ باوجود اشتغال علوم ظاہری کے اکثر اوقات ریاضت اور مجاہدۂ باطنی میں بھی کوشش کرتے تھے۔ خدمت فقرا خصوصاً شاہ قدرت اللہ صفی پوری کی خدمت میں حاضر ہو کر فائدہ حاصل کرتے تھے۔ فقر میں بھی کامل تھے۔ اکثر طلبا ان کی خدمت سے فیضیاب ہو کر فاضل ہوگئے۔ اِن اوراق کے مؤلف نے بھی ان سے فیض پایا۔ اور کتب مطولات انکی خدمت میں پڑھیں۔ اِس خاکسار کے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے۔

۱۱۹۶ھ میں مرگ مفاجات سے رحلت فرمائی۔ اور رامپور میں

مسجد عثماں کے نیچے مدفون ہوے۔ انتہی۔
عثمان خاں کی مسجد شمن رنگریز کی دُکان کے متصل ہی میں نے جب سے ہوش سنبھالا ایک قبر صحن مسجد میں بائیں کی طرف دیکھی ہو اہلِ محلہ سے کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ مگر غالبًا یہی مزار ہی۔ جو توسیع مسجد میں صحن میں کسی وقت آگیا ہو۔
مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے انکو نہیں دیکھا تھا مگر اُن کی ذہن وذکا کا وصف بہت سنا۔ اُنکے فرزند مولوی محمد حیات نے علوم رسمیہ کی تحصیل کر لی تھی۔ معلوم نہیں اب (۱۳۴۰ھ) کہاں ہیں۔

حکیم غلام عباس خاں

ولد حکیم محمد عمر خاں ولد احمد خاں آخوندزادہ۔ رام پور میں پیدا ہوے۔ اور رام پور کے علما سے کتابیں پڑھیں۔ صاحبزادہ مہدی علی خاں بہادر کے مصاحبوں میں ملازم تھے۔ پھر رام پور سے جاورہ چلے گئے۔
مولوی مقبول احمد صاحب ممبر بورڈ آف آوٹ ریاست رام پور سے مجھے ان کی حالت معلوم ہوئی تھی۔ انکا قیام بھی جاورہ میں تھا سید جعفر حسین صاحب نائب اول ضلع متھرا نے انکی بابت اپنے عنایت نامہ مورخہ ۲۴۔ دسمبر ۱۹۱۵ء میں یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ

> "حکیم صاحب موصوف چند روز بھرت پور میں ملازم رہے۔ پھر موضع اول ضلع متھرا میں غالبًا ۱۸۸۵ء میں آئے اور مطب شروع کیا۔ عرصہ تک مذہب کی تحقیقات میں مصروف رہے۔ کتب بینی کا نہایت شوق تھا۔ غرض کہ ۱۸۹۵ء میں اُنھوں نے شیعہ مذہب اختیار کیا اور تبدیل مذہب کا اعلان کر دیا۔ قوے نہایت اچھے تھے۔ بغیر عینک کے لکھتے پڑھتے تھے۔ اور انکا بیان تھا کہ میری سو برس سے زیادہ عمر ہی۔ شنبہ کے دن مئی کی چودھویں تاریخ انیس سو تیرہ

ہجری میں انتقال ہوا اور موضع اول میں سادات کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان کی دو بیبیاں تھیں ایک ان کے انتقال کے قریب مرگئی۔ ایک ابھی زندہ ہے۔ اولاد کوئی نہ تھی۔ ایک بھتیجا محمد باقر نامی موجود ہے۔ مگر ایک دو مہینے سے وہ وہاں نہیں ہے۔ انتہی۔

راقم سطور کو معلوم ہوا ہے کہ سید جعفر حسین صاحب کے ہاں وہ ملازم تھے۔

ملا غفران اخوندزادہ

رام پور میں آپ کے علم و فضل کی بہت شہرت ہے۔ صاحب تذکرہ علمائے ہند لکھتے ہیں کہ کلکتہ کو جاتے ہوئے راہ میں مع اپنے فرزند ملا محمد عمران کے مجھسے ملے تھے۔ بہت مسن تھے۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں دارالقضا کو محکمہ شریف سرکاری کاغذات میں لکھا جاتا تھا۔ آپ کی سرپنچی میں علمائے شہر نے پیرزادہ اعظم الدین خاں محلہ کٹرہ والے کے خاندانی نزاع کا فیصلہ ۲۴۔ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ میں کیا ہے اُس فیصلہ کی پیشانی پر جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کا یہ حکم ہے۔

دو رکن شریعت ملا غفران صاحب را معلوم باد کہ آنچہ فیصلہ شما کردہ اند منظور شد۔"

مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ فقیہ بحاث تھے اور اختلافات روایات مذہب حنفیہ پر خوب اطلاع ہے۔

غلام فرید

ملا محمد فقیر مرحوم کے نواسہ تھے عنبر شاہ خاں عنبر نے اپنے کلیات میں صرف تاریخ انتقال ذیل لکھی ہے:

تاریخ وفات از عنبر شاہ خاں

چون غلام فرید پاک سرشت　　بہر گلگشت رفت سوئے بہشت

ازپے یادگار سال وفات | کردم ایں بیت را بدل اثبات
نام نامی آں خجستہ خصال | گشت تاریخ فوت او بے قال

غلام فرید کے ۱۳۶۵ عدد میں سے قال کے عدد کم کرنے سے ۱۲۳۴ھ نکلتے ہیں۔

مولوی غلام قادر تخلص مسکین

ولد مولوی فخرالدین۔ ان کے متعلق اور کوئی حالت معلوم نہیں ہوئی۔ نظم[1] اُردو میں مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ پچھتر برس کی عمر ہوئی تیرھویں رمضان کو بارہ سو سولہ ہجری (۱۲۱۶ھ) میں انتقال ہوا۔

میر غلام علی تخلص عشرت

ابن[2] میر معظم علی مشہدی۔ نواب نصراللہ خاں بہادر کے زمانۂ نیابت میں (۱۲۰۸ھ لغایت ۱۲۲۵ھ) ریاست کے ملازم ہوئے۔ بریلی میں محلہ گڑھیا میں مکان تھا۔ مرزا علی لطف کے شاگرد تھے سُنا ہے صاحب فضل وکمال تھے۔ مثنوی پدماوت جو میر ضیاءالدین عبرت سے ناتمام رہگئی تھی اُس کی آپ نے تکمیل کی اور چند بار چھپ گئی ہے۔ پدماوت کا اُردو دیباچہ لکھا ہے۔ اسمیں کہتے ہیں کہ ۱۲۱۱ھ میں رام پور میں آیا تھا صاحبزادۂ محمد عثمان واحمد خاں خواہرزادہ اور داماد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے ہاں ملازم ہوگیا۔ چونکہ ان دونوں صاحبونکو سخن سنجی کا شوق تھا میں بھی غزلیں کہا کرتا تھا۔

مولوی قدرت اللہ شوق کے ہاں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ مشاعرہ میں شریک ہوتا۔ ایک روز مولوی صاحب نے فرمایا کہ حکیم میر ضیاءالدین عبرت شاہجہاں آبادی ملازم نجو خاں نے پدماوت کو زبان ریختہ میں لکھنا شروع کیا تھا۔ چہارم حصہ لکھنے پائے تھے کہ مرگئے۔ اب تم اسکو پورا کردو۔ اسکے علاوہ حافظ بدھن تخلص شیفتہ۔

---

[1] انتخاب یادگار۔ [2] انتخاب یادگار۔

سرآمد شعراے فارسی و ہندی اور انکے بیٹے حافظ شیخ الاسلام۔ مولوی غلام جیلانی رفعت۔ ہمت خاں ہمت۔ مرزا کرامت علی اکرم۔ عنبر شاہ خاں آشفتہ۔ شجاعت علی نسیم۔ کبیر خاں تسلیم۔ سید رفیع الدرجات فرزند میر ضیاء الدین عبرت اور دیگر احباب کے تقاضے سے اُسکو ڈیڑھ مہینے میں تمام کیا اور مادہ تاریخ تصنیف دو شاعر کہا (۱۲۲۶ھ) بارہ سو چھبیس ہجری میں (۱۲۲۶ھ) بعہد نواب احمد علی خاں صاحب بہادر (۱۲۲۵ھ) وفات (۱۲۵۶ھ) انتقال ہوا۔ مولوی عبد الملک ممتاز نے۔ ہاے میر عشرت۔ مادہ تاریخ کہا۔ آپ کا دیوان اُردو مکمل نہایت بوسیدہ مجھے مل گیا۔ ستمبر ۱۹۱۸ء میں میں نے ریاست کے کتب خانہ کے لئے خرید لیا۔ تقریباً تین سو صفحات ہیں۔ نہایت اچھا کلام ہے۔ معلوم ہوتا ہے اصل مسودہ ہے۔ کہیں کہیں شعروں کی جگہ خالی ہے۔ دوسری تصنیف کا نام سحر البیان ہے۔ اُردو نثر میں قصہ دو سو صفحوں کا کتب خانہ ریاست میں موجود ہے۔

تاریخ وفات از عنبر شاہ خاں

چو[1] موسم بہاراں در بوستان دوراں	گل کرد از شگوفہ ناگاہ مرگ عشرت
از شور عندلیباں اندر چمن بشنیون	تاریخ مردن او شد۔ آہ مرگ عشرت ۱۲۲۶ھ

مولوی سید قاضی غلام علی

یہ بزرگ شاہ آباد (ریاست رام پور) میں قاضی تھے۔ شاہ آباد میں دستی پنکھے کھجور کے اچھے بنتے ہیں۔ منشات عزت میں آپکے نام کا ایک خط خلیفہ غیاث الدین متوفی ۱۲۱۱ھ کا ایک پنکھیوں کی رسید میں ہے۔ اور حال معلوم نہیں ہوا۔

قاری غلام محمد علوی

رام پور کے رہنے والے۔ نواب جنت آرام گاہ کے رفقا میں سے تھے نہایت متقدس

---

[1] تشریق الخیال عنبر۔

اور پابند اوقات تھے جبسوقت رام پور سے نواب جنت آرام گاہ باہر گئے - وہ بھی ہمرکاب سایہ کی طرح رہے جبسوقت اللہ تعالیٰ نے رام پور کی ریاست عطا کی - آپ بھی ساتھ رام پور آئے - نواب صاحب ممدوح نے نہایت رعایت کی - نواب خلد آشیاں کے اتالیقوں میں رہے - صاحبزادہ کاظم علی خاں صاحب بہادر کو پڑھایا - ان کے ایک فرزند حافظ غلام محمد زندہ ہیں - وہ محلہ میں سڑک کے کنارہ مکان ہے - ریاست سے پنشن ہے - نہایت بزرگ آدمی ہیں - قاضی صاحب کے سنہ وفات کا پتا نہیں چلا -

غلام محمد خاں تخلص ماہر

ولد ناصر خاں ولد نجابت خاں افغان سالارزئی - ذی علم - ذہین اور شاعر تھے - نظم میں مولوی قدرت اللہ شوق سے مشورہ تھا - بائیس سال کی عمر میں لاولد بارہ سو پچیس ہجری میں انتقال ہوا - الکا دیوان بھی مرتب ہے - اور انکے خاندان میں حکیم تفضل حسین خاں کے پاس موجود ہے - کلام پاکیزہ ہے - نمونہ کلام یہ ہے -

حصول صحبت منعم سے جز ضرر کیا ہو ۔۔۔ کہ چاک باعث گوہر شکم صدف کا ہو

نہ تندرست ہوں نازک نفس دوائی سے ۔۔۔ شکست جاے نہ چینی کی مومیائی سے

سید غلام مرتضیٰ

نقیر محمد خاں حکیت کا بیان ہے کہ سید عبداللہ صاحب جنکا مزار بغدادی صاحب کے نام مشہور ہے - انکے رشتہ کے بھائی تھے - اور انکے ساتھ ہی رام پور آئے اور شیخ محی الدین جیلانی علیہ الرحمۃ کی اولاد سے تھے انکا مزار پختہ گنبد دار بریلی دروازہ کے قریب گوجروں کے محلہ میں موجود ہے -

سید غلام مرشد تخلص مرشد

ولد[1] مولوی غلام جیلانی - قصبہ بلاسپور ریاست رام پور میں پیدا ہوے - مولوی سید

---

[1] انتخاب یادگار -

محمد علی متوطن ٹونک سے علوم درسیہ حاصل کیئے۔ نہایت ذہن رسا اور مذاق عالی تھا اٹھائیس برس کی عمر میں بارہ سو چوراسی ہجری میں (۱۲۸۴ھ) میں رحلت فرمائی جب تک نواب وزیرالدولہ بہادر والیٔ ٹونک زندہ رہے۔ جاگیر اور لوازمہ بدستور آپ کے والد کی طرح قایم رہا۔ البتہ نواب صاحب کی آمدورفت کم ہو گئی تھی اسلئے کہ آپ کو جوانی کے اشغال کا شوق تھا ۱۲۸۱ھ میں نواب وزیرالدولہ بہادر کا انتقال ہوا۔ نواب محمد علی خاں بہادر نے مسند نشین ہو کر آپ سے روپیہ طلب کیا۔ درانداز وں نے نواب صاحب کے کان بھرے کہ آپ کے پاس روپیہ بہت ہے۔ مصارف سرکار سے ملتے تھے۔ بیس ہزار کی جاگیر کے علاوہ اور بھی روپیہ ملتا تھا۔ نواب صاحب نے سختی کی یہانتک کہ قلعہ کے توپخانہ میں آپکو نظر بند کر دیا۔ پانچ چار ماہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ یہاں سراج الدین احمد ولد سید احمد رام پوری سے اسی طرح نواب صاحب نے تین لاکھ روپے وصول کر لئے۔ نواب وزیرالدولہ انکے بھی بہت معتقد تھے۔

مولوی شیخ غلام محی الدین تخلص عشقی

ولد مولوی جان محمد ولایتی۔ اپنے والد سے کتب درسیہ پڑھیں۔ نوے برس کی عمر ہوئی ذیحجہ کی انیسویں تاریخ بارہ سو اکہتر ہجری (۱۲۷۱ھ) میں انتقال کیا۔

مولوی غلام محی الدین خاں

فرزند اکبر مولوی حافظ محمد جان خاں رام پور کے محلہ پھلوار میں پیدا ہوئے علوم عربیہ میں کامل دستگاہ تھی۔ ریاست سے بلا خدمت دس روپے ماہانہ ملتا تھا۔ طلبا کو دینیات پڑھاتے تھے۔ مولوی اکبر علی خاں اور انکے فرزند مولوی جعفر علی خاں نے بھی ان سے پڑھا تھا۔ سنہ بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ھ) میں رام پور میں انتقال کیا۔

غلام محی الدین خاں

نصرت خاں کی اولاد میں تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ اب جس جگہ کچہریاں صدر کی ہیں اس جگہ مکان تھا۔ تعمیر کچہری صدر کے بعد فرنگن کی گلی میں مکانات بنائے۔ فقہ اصول رام پور میں پڑھا۔ زہد و تقوے میں بےمثل تھے۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی سے بیعت تھے۔ اور حضرت شاہ ابوسعید صاحب سے بھی استفادہ کیا۔ خط نسخ اچھا تھا۔ قرآن شریف کے پارہ لکھ لکھ کر مساکین کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ نواب جنت آرام گاہ کے عہد میں گاؤ خانہ کے منصرم رہے۔ اور نواب فردوس مکاں کے عہد میں کارخانہ شکر سازی کے مہتمم ہوئے۔ ایسے امین اور متدین کم پیدا ہوں گے فقہ اور اصول فقہ میں خوب دستگاہ تھی۔ مگر پڑھانے کا مشغلہ نہ تھا۔ اسی سال کی عمر میں تقریباً بارہ سو ترانوے ہجری (۱۲۹۳ھ) میں انتقال ہوا۔ اور مولانا جمال الدین صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔ غلام مصطفیٰ خاں عرف جمعہ خاں اور عبداللہ خاں عرف بیچا خاں دو لائق فرزند یادگار چھوڑے۔

مولوی غیاث الدین تخلص عزت

ولد شرف الدین۔ ولد نظام الدین۔ ولد مولوی جلال الدین قوم شیخ رام پور میں پیدا ہوئے۔ مولوی غلام جیلانی رفعت سے کتب درسیہ پڑھیں۔ مولوی نورالنبی نبیرۂ شاہ عبدالحق محدث دہلوی سے طب حاصل کی۔ عنبر شاہ خاں عنبر اور کبیر خاں تسکیم سے بھی تلمذ تھا۔ استعداد کامل تھی۔ تصنیف اور تالیف کا بھی ذوق تھا۔ جری بھی تھے۔ منشات عزیزی میں آپ کی ایک عرضی جناب نواب احمد علی خاں بہادر کے نام ہی۔ اُس میں لکھتے ہیں کہ بلاقی نقیب نے اہلِ محلہ کو دق کر رکھا ہی۔ ایک روز آمادہ فساد ہوکر مسلح آیا۔ میں نے اسکے اسلحے لئے۔ اور کوتوالی کو بھیجنا چاہا۔ مردان خاں کے خاندان کے لوگ آئے منت سماجت کی چھڑا لے گئے۔ میرے محلہ کا آدمی اسکے گھر کی طرف نکلا تو اُس کو زخمی کر دیا۔ مجھے جو حکم ہو

تعمیل کروں۔ اس عسرت کی حالت میں کتابوں کا بھی شوق تھا۔ منشات عزت میں
ایک خط میں مولوی احمد کبیر مدرس اول کلکتہ کو لکھا ہے۔ کہ قاموس۔ الف لیلہ عربی
عجب العجائب مطبوعہ کلکتہ خرید کر بھیجد یجئے۔ تلاش معاش میں لکھنؤ بھی گئے تھے۔
منشی اعظم علی داروغہ معتمد الدولہ کو لکھتے ہیں کہ سات مہینے سے پڑا ہوں گرمی کی شدت ہے
ایک گھوڑا دو آدمی ہیں۔ اگر دو تین روز میں کوئی صورت ہو تو بہتر ہے ورنہ واپس جاؤں
برسات بعد پھر آؤں گا۔ شرح[له] بدر چاچ کے صلہ میں نواب غوث محمد خاں بہادر والئے
جاورہ نے ایک ہزار روپے معرفت قطب الدین خاں بھیجے تھے۔ اسکے جواب میں لکھا کہ ایک
پختہ کنواں بنواتا ہوں تاکہ آپ کو بھی ثواب ملے۔ مولانا جمال الدین رضی اللہ عنہ رام پوری
سے بیعت تھے ۱۲۵۹ھ میں شرح گلستاں لکھنا شروع کی تو دیگر شروح کی تلاش میں
لکھنؤ گئے۔ اور مولوی محمد مخدوم کی کتابوں سے مدد لی۔ غیاث اللغات انھیں کی یادگار ہے
منتخب العلوم بھی طبع ہو چکی جسمیں چالیس رسالہ ہیں۔ خلاصۃ الانشا رسالہ عروض و قافیہ۔
افسانہ باغ و بہار۔ شرح مثنوی غنیمت۔ شرح سکندر نامہ شرح ابوالفضل شرح گل گشتی
شرح بدر چاچ۔ مجربات غیاثی۔ جواہر التحقیق ازالۂ اغلاط الفاظ عربی و فارسی۔
خواص الادویہ وغیرہ ان کی تصنیف سے ہیں کچھ انشائیں بھی تھیں جنکا پتا نہیں چلتا۔
نواب فردوس مکاں اور نواب خلد آشیاں کے اُستاد تھے۔ سرکار سے وظیفہ مقرر تھا۔
اُسمیں سے بھی فقرا کو دیتے تھے۔ اور اپنے اوپر تکلیف گوارا کرتے تھے۔
اڑسٹھ برس کی عمر میں بائیسویں تاریخ ذی الحجہ کو بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ھ) میں
انتقال کیا۔ نواب دروازہ کو جاتے ہوے مفتی غلام حیدر خاں مرحوم کے
مکان کے قریب چوراہے پر داہنے ہاتھ کو جو مسجد ہے اُسمیں مزار ہے یہ مسجد اب
آپ کے نام سے مشہور ہے۔

[له] منشات عزت۔

کیفیت تصانیف مولوی شیخ غیاث الدین تخلص عزت

غیاث اللغات دیباچہ میں لکھا ہی کہ دس برس کی محنت میں بارہ سو بیالیس ہجری ۱۲۴۲ھ میں کتاب پوری ہوئی۔ غالباً پہلی بار یہ لغت مطبع میر حسن رضوی لکھنوی میں ۱۲۶۵ھ میں چھپا ہی مالک مطبع نے خود مصنف سے نسخہ منگا کر تصحیح کر کے چھپوایا۔ چند بار طبع ہو چکا ہے۔

جواہر التحقیق فارسی جدول میں الفاظ صحیح و غلط کی تصحیح کی ہی۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ جب میں جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ کے ملازموں میں داخل ہوا۔

زبان نواب ممدوح سے جن الفاظ کی صحت مجھے معلوم ہوتی گئی انکو حافظہ میں محفوظ رکھا ۱۲۶۱ھ میں جناب نواب سید کلب علی خاں بہادر کی تربیت پر ماموری ہوئی تو ان الفاظ کو بطریق جدول لکھا۔ یہ ساٹھ صفحہ کا قلمی رسالہ کتب خانۂ ریاست میں ہی۔

آمدنامہ فارسی۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب برائے تعلیم جناب نواب سید کلب علیخاں صاحب بہادر خلد آشیاں حسب الحکم جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں لکھی ہی۔ ۲۲۴ صفحہ کی کتاب ہی۔ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔

منشات عزت فارسی قلمی۔ یہ مجموعہ مکاتیب ۱۲۶۸ھ میں مصنف کے بیٹے مولوی محمد قمر الدین نے اپنے والد کے خطوط سے جمع کیا ہی۔ اور منشات عزت تاریخی نام ہی۔ ۱۶۰ صفحہ کی کتاب کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔

شرح گلستاں موسوم بہ بہار باراں فارسی تصنیف ۱۲۵۹ھ شرح سکندر نامہ غیاث اللغات۔ اور شرح بدر چاچ کی تکمیل کے بعد یہ شرح لکھی ہی۔

نواب وزیر الدولہ کو ایک عرضی میں لکھا ہی کہ صاحبزادہ امداد اللہ خاں و عبدالقادر خاں نبیرۂ نواب نصر اللہ خاں مرحوم کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور مجھے دریافت فرماتے تھے۔

شرح گلستاں آپ کے نام پر لکھی ہے۔ اور سید غلام جیلانی صاحب کی وساطت سے ارسال ہے۔ سات سودس صفحہ کا قلمی نسخہ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

خلاصۃ الانشا فارسی قلمی ۸۷ صفحہ کی ہے۔ جب جناب نواب کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے مصنف سے گلستاں پڑھ لی تو ۱۲۵۹ھ میں یہ انشا اُنکی تعلیم کے واسطے لکھی ہے کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

قصۂ شاہزادہ مہر نظیر و ملکۂ ماہ منیر فارسی۔ تاریخی نام باغ و بہار ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں بعبارت رنگین لکھا اور نواب سید محمد احمد علی خاں صاحب کے نام پر معنون کیا۔ ایک سو بیس صفحہ کی چھوٹی سی کتاب قلمی کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

شرح سکندر نامہ۔ ۴۲۵ صفحہ کی کتاب ہے۔ اکبر شاہ ثانی شاہ دہلی کے نام کا بھی خطبہ ہے ۱۲۳۰ھ میں تصنیف کی اور ۱۲۶۵ھ میں نظر ثانی کر کے مکمل کیا۔ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

قصۂ گل و گیندا فارسی۔ یہ قصہ نواب بیگم صاحبہ کی فرمائش سے لکھا تھا۔ کتب خانہ ریاست میں دس جلدیں موجود ہیں۔ مگر قصہ ناتمام ہے۔ دس جلدوں کے صفحہ کی تعداد (۱۰۵۹) ہے۔ منتخب العلوم فارسی تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۸۱ھ نکلتے ہیں۔ یہ چالیس سالوں کا مجموعہ ہے۔ زیادہ تر ادب فارسی کے متعلق ہیں۔ مصنف نے جو رسائل ناتمام چھوڑے تھے۔ مولوی قمر الدین پسر مصنف نے تکمیل کر کے ترتیب دئے (۸۸۰) صفحہ کی کتاب قلمی کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

مولوی غلام ناصر خاں

ولد قاسم خاں ساکن محلہ راجدوارہ۔ مولوی حیدر علی ٹونکی و مفتی شرف الدین سے جمیع کتب درسیہ حاصل کیں۔ انشاپردازی فارسی میں خاص ملکہ تھا۔ جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ کے عہد میں رسالہ عالیہ

رام پور میں مدرس تھے۔ دس روپے تنخواہ پاتے تھے۔ رام پور کی پلٹن کا افسر اس زمانہ میں ایک انگریز تھا۔ اور نواب سید محمد علی خاں صاحب بہادر کے مقبرہ کے دروازہ پر رہا کرتا تھا۔ ایک روز کوئی خط اُسنے فارسی میں مولوی غلام ناصر خاں سے لکھوایا اور مراد آباد کے کلکٹر کو بھیجا۔ مراد آباد کے کلکٹر نے انکی انشا پردازی اس قدر پسند کی کہ پچاس روپے کی تنخواہ پر اپنے پاس نوکر رکھ لیا۔ اسکے ہاں خطوط نویسی کرتے تھے۔ چند تحریریں اسکی گوالیار کی ریذیڈنسی کے صدر میں پہونچیں وہاں سے اڑھائی سو روپے پر طلبی ہوئی۔ اور میر منشی ایجنٹ گورنر جنرل کے ہاں ہو گئے۔ مہاراجہ گوالیار کا کوئی مقدمہ ایجنسی میں تھا۔ راجہ صاحب نے ایک لاکھ روپیہ اُنکو دینا چاہا۔ مولوی صاحب نے اسکی اطلاع ایجنٹ گورنر کو کردی۔ وہ بھی ایسا بھلا انس تھا کہ اُس نے کہا معاملہ تو راجہ صاحب کے حق میں ہی قوت رکھتا ہے تم روپیہ لیلو۔ مگر مولوی صاحب نے انکار کر دیا۔ راجہ صاحب مقدمہ جیت گئے۔ تو انھوں نے مولوی صاحب کو پچیس سو روپے کی تنخواہ پر بلا لیا۔ نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کی علوم کی درس و تدریس چھوٹ گئی تھی۔ جائداد کثیر پیدا کی گوالیار میں اعلی درجہ کے اہلکاروں میں شمار تھا۔ گوالیار میں انتقال ہوا۔ ایک لڑکا عبد القادر خاں عرف منا خاں چھوڑا۔ اسنے تمام دولت و ثروت چند روز میں اُڑا دی اور بحالت افلاس انتقال کیا۔ سنا ہے اسکا ایک لڑکا کاشی پور ضلع ترائی میں ہے۔ راجہ صاحب کاشی پور نے کچھ مدد معاش مقرر کر دی ہے۔

ملا غیرت

ولایت کابل سے محلہ راجدوارہ میں بعہد جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر آئے۔ ایک بڑا احاطہ خام بناکر اسمیں رہنے لگے۔ اور مکان کے متصل ایک خام مسجد بھی بنائی جو غدر تک خام تھی۔ بعد غدر حافظ عبد الرحمن خاں

کھنڈسالی نے اس مسجد کو پختہ بنایا۔ یہ مسجد عرصہ سے مولوی غلام جیلانی رفعت کے نام سے مشہور ہوا اور آجکل اُسکو اونچے والی مسجد کہتے ہیں۔

شاہ محمد فاروق

ولد مولوی محمد حسن خاں مرحوم۔ سنہ بارہ سو اُنتر ہجری (۱۲۶۹ھ) میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ ضروری تعلیم سے فارغ ہوکر صحبت مشائخ کا شوق ہوا۔ ڈاکٹر محمد حسن صابری سے بیعت ہوئے۔ مرشد کی ایسی خدمت کی جیسے کہ سلف میں ہوا کرتی تھی۔ ابتدائے عمر سے صلاحیت پیدا تھی۔ اکتساب اور عنایت مرشد سے چار چاند لگ گئے۔ صاحب اجازت اور خلیفہ ہوئے۔ آپ کا لباس صابری رنگ کا ازسرتاپا تھا تہ بند اور کرتہ چپلین پانوں میں۔ آپ کی ذات سے چشتیہ صابریہ طریقہ کی اشاعت بدرجۂ کمال تھی۔ اخبار دبدبہ سکندری کے آپ مالک تھے۔ اور ارشاد وتلقین کے علاوہ مطبع کا کام بھی کرتے تھے۔ نہایت خلیق اور متواضع۔ اکثر مہمان آپ کے خوانِ کرم سے فیض پاتے تھے۔ اولاد سعید اللہ تعالیٰ نے دی۔ وہ بھی قدم بقدم آپ کے ہیں۔ ۱۳۔ رمضان المبارک کو پنجشنبہ کے دن سنہ تیرہ سو چالیس (۱۳۴۰ھ) میں انتقال ہوا۔ اور بنگلہ آزاد خاں کے محلہ میں اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

حکیم فتح علی خاں

ولد حکیم غلام محمد خاں قوم افغان بنیروال رام پور کے ٹھوٹر محلہ میں سنہ اٹھارہ سو کتیس عیسوی (۱۸۳۱ع) میں پیدا ہوئے کتب متداولہ فارسی اور عربی اساتذۂ رام پور سے پڑھیں۔ طب آپ کے ہاں کئی پشت سے چلی آتی ہے۔ اس لیے طب پر زیادہ توجہ کی اور اپنے والد سے تکمیل کی آپ کے خاندان میں حکیم سعید الدین خاں عرف شعور اخون زادے جناب نواب سیف اللہ

خاں صاحب بہادر کے عہد میں ملازم ریاست اور نہایت ذی وجاہت تھے۔
حکیم فتح علی خاں خود بھی طب پڑھاتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں اولاد کے سوا سید جعفر علی۔ حکیم غفران خاں ولایتی حکیم نیاز علی خاں حکیم سبحان علی خاں ساکن ضلع سیتا پور حکیم بوستاں خاں ولایتی اور حکیم عبداللہ خاں ہیں نہایت خلیق اور سادہ وضع کے بزرگ پابند شرع تھے۔ کسی کی ملازمت نہیں کی۔
غربا سے نذرانہ معالجہ میں نہیں لیتے تھے۔ خوشحال جو دیتے تھے قبول کرتے تھے۔ باہر بھی لوگ بلاتے تھے۔ شہر بھر میں بچوں کے علاج میں آپ کی بہت شہرت اور رجوع خلق تھے۔ اور بکثرت فائدہ ہوتا تھا شوال کی ستائیسویں تاریخ سنہ تیرہ سو اٹھائیس ہجری (۱۳۲۸ھ) میں انتقال فرمایا۔ اور پیر برخوردار کے مزار کے حاطہ میں دفن ہوئے سنا ہے کوئی کتاب مجربات طبیہ میں لکھی تھی۔ اور وہ ان کے اخلاف کے پاس موجود ہے۔ اس وقت چار فرزند حکیم اسعد علی خاں۔ حکیم الطاف علی خاں حکیم یوسف علی خاں اور حکیم مشتاق علی خاں سلامت موجود ہیں۔ اول الذکر دونوں صاحب اپنا مطب مستقل رکھتے ہیں اور اپنے والد کے شاگرد ہیں۔

حکیم فتح محمد خاں

ولد حکیم دوست محمد خاں قوم افغان بڑہیچ۔ رام پور میں سنہ بارہ سو بہتر ہجری (۱۲۷۲ھ) میں پیدا ہوئے۔ فارسی مولوی محمد شاہ خاں اور خلیفہ شیخ احمد علی رام پوری سے پڑھی۔ عربی اور طب اپنے والد سے حاصل کی۔ زمینداری علاقہ انگریزی وجہ معاشس تھی۔
سلسلہ تعلیم کا نہیں رکھا۔ اور نہ کبھی ملازمت کی۔ ماہ رجب سنہ تیرہ سو آٹھ ہجری (۱۳۰۸ھ) میں انتقال کیا۔ اور اپنے خاندانی مقبرہ میں گوجر ٹولہ میں دفن ہوئے۔

دو پسر فرزند محمد خاں اور ارشاد محمد خاں موجود ہیں علم اور دولت دونوں کا زوال ہے۔

مولوی حافظ فدا احمد مجددی تخلص حافظ

رام پور میں ۱۲۷۰ھ پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کتابیں رام پور میں پڑھیں نہایت نیک نفس اور متبع شرع تھے ابتدائے عمر سے اعمال حسنہ میں ساعی رہے اُردو شاعری کا بھی مذاق تھا۔ بعد کو ترک ہو گیا۔ حضرت مولانا ولی النبی مجددی سے بیعت تھی۔ حضرت مولانا نے بوجہ ضعف رمضان میں محراب سنانا موقوف کی تو آپ نے اِن کی جگہ قرآن پڑھنا شروع کیا۔ مولانا ہمیشہ آپ کا قرآن سنتے تھے۔ اور اخیر زمانہ میں آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ بہت مجاہد تھے۔ کارخانجات سرکاری میں پیشکار تھے۔ جمعہ کے دن ۶۔ جمادی الآخر سنہ تیرہ سو تینتالیس (۱۳۴۳ھ) میں انتقال ہوا۔ مولانا ولی النبی صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔

مولوی سید فدا علی

ابن سید احمد علی تخلص رسا۔ ابن مولوی سید امام الدین ابن مولوی محمود علی نقوی سید ہیں۔ مولوی محمود علی ملتان سے رام پور آئے۔ اس خاندان میں عجیب بات ہے کہ ہر شخص کے بازو پر تل ہوتا ہے۔ مولوی فدا علی ۱۲۸۵ء میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتابیں رام پور کے اساتذہ سے پڑھیں۔ فقہ اصول فقہ اور دیگر کتب درسیہ مولوی ارشاد حسن صاحب سے پڑھیں۔ حدیث و تفسیر میں میاں حسن شاہ صاحب محدث سے استفادہ کیا چھ برس تک گورنمنٹ کے مدرسہ المورڑہ میں عربی و فارسی کے پروفیسر رہے پھر وہاں سے ترک تعلق کر کے رام پور میں سلسلۂ ملازمت شروع کیا۔ اجلاس ہمایوں حضور پرنور میں حکم نویس رہے۔ اور محکمۂ مال۔ دیوانی اور فوجداری میں پیشکاری پر کام کیا۔ نہایت متین بہت

ثقہ اور مہذب تھے۔ دعائے حیدری اور چہل کاف کے عامل تھے۔ ایکبار مکان میں آگ لگی اور یہ اسکے اندر گھر گئے۔ نہایت مشکل سے لوگوں نے نکالا۔ کپڑوں پر آنچ نہ آئی۔ جفر میں بھی مہارت تھی۔ موسی کا بہت شوق تھا۔ تیس چالیس برس کامل اس فن کے حاصل کرنے کے لیے شہروں شہروں اور جنگل جنگل پھرے بوٹیوں کی شناخت بہت اچھی تھی۔ اور اکثر کشتے اور دوائیں مفید بناتے تھے اور لوگوں کو فائدہ پہونچاتے تھے۔ کہتے ہیں پارہ کو بستہ کرکے چاندی بناتے تھے سونے کا جوڑا بھی خوب بناتے تھے۔ مگر اصلی سونا بنانا نہ آیا۔ انکے نسخوں سے اکثر مایوس العلاج مریضوں کو نفع ہوا۔

مارچ سنہ ۱۹ء میں بعارضہ نمونیا انتقال کیا۔ اور شاہ درگاہی صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔ تین لڑکے سید ابن علی۔ سید منظور علی اور سید ابراہیم علی یادگار ہیں۔ منظور علی تحصیل علوم عربیہ میں کوشاں ہیں اللہ تعالی کامیاب کرے۔

حاجی حافظ قاری فخر اللہ

ولد شیخ محمد اسلم صدیقی۔ قاری محمد نسیم کے شاگرد اور داماد تھے۔ آپ نے ایک رسالہ قرأت میں بزبان اردو بارہ سو اٹھاون ہجری (سنہ ۱۲۵۸ھ) میں حافظ لبیر احمد مجددی مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ اور مفتی محمد شرف الدین رام پوری کی فرمایش سے لکھا تھا۔ اور خطبہ جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ کے نام پر لکھا ہے ۲۰۸ صفحہ کا رسالہ نوشتہ دست مصنف کتب خانہ ریاست میں موجود ہے۔

مولوی فصیح الزماں خاں تخلص فصیح

خلف مولوی محمد وجیہ الزماں خاں رفیق مغفور نسبا صدیقی ہیں۔ وطن آبائی قصبہ

فرخ آباد عرف جلالاواں ضلع بجنور صوبہ اودھ ہے آپ بانس بریلی میں ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے ۱۸۵۸ء میں بریلی سے اپنے والدین کے ساتھ رام پور آ گئے۔ بچپن میں بالکل خاموش رہتے تھے۔ بچوں کی طرح نہ ضد کرتے تھے نہ مچلتے تھے۔ ایک آپ کی کھلائی مولوی سبحان شاہ صاحب کے پاس لے گئی اور عرض کیا یہ گم صم رہتے ہیں۔ آپ دَم ڈالدیں وہ دیر تک انکی جانب متوجہ رہے۔ اور فرمایا ہمارا مرید ہے۔ اسکو ہمارے پاس لایا کرو۔ چنانچہ ہفتہ میں ایک دو بار کھلائی لیجاتی تھی بسم اللہ کے بعد حافظ نیاز محمد پنجابی رام پوری ایک جوان صالح پڑھانے پر مامور ہوئے۔ قرآن شریف اور کچھ اردو کی کتابیں پڑھیں۔ شوق پڑھنے کا بالکل نہ تھا۔ پھر مولوی سید احمد علی صاحب فرخ آبادی استاد نواب صدیق حسن خاں جو رام پور چلے آئے تھے۔ تعلیم پر مامور ہوئے۔ سید احمد علی صاحب بھوپال چلے گئے تو مولوی عبداللہ صاحب ساکن قصبہ نوتنی ضلع اوناؤ ملک اودھ تعلیم کے لئے بلائے گئے۔ مولوی صاحب کو تعلیم میں ایسی مہارت تھی کہ کرامت معلوم ہوتی تھی۔ ہدایۃ النحو تک انھوں نے کتابیں پڑھائیں۔ دس گیارہ سال کی عمر ہوگی کہ مولوی سبحان شاہ صاحب کا انتقال ہوا۔ اور فصیح الزماں خاں صاحب پر ایسا جذب غالب آیا کہ لکھنا پڑھنا چھوٹ گیا۔ آپ کے والد نے کہا ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو کوئی روک ٹوک نہ کرو۔ اسی سال حضرت شاہ مجید الزماں صاحب کے ہاں حسب معمول یکم صفر سے ساتویں صفر تک عرس ہوا مولوی فصیح الزماں خاں پر شدت سے وجد و حال طاری ہوا۔ بیعت کا شوق ہوا تو حاجی عبدالقادر خاں صاحب رام پوری ساکن محلہ نالہ پار سے قادریہ طریقہ میں بیعت کی علاوہ ذکر و شغل کے کتب بینی کا شوق ہوا۔ ابتدائً اردو کی کتابیں دیکھیں۔ پھر قدما کی تصانیف اور تالیفات کا مطالعہ شروع کیا۔ کتابوں کا یہ شوق تھا

کہ جو کچھ والدین سے ملتا تھا سب خرید کتب میں صرف کرتے تھے۔ رات دن کتب بینی کا مشغلہ رہنے لگا۔ اور روزانہ مولوی مفتی ریاض الدین صاحب مولوی مسیح الدین خاں صاحب کاکوروی۔ مولانا سید حسن شاہ صاحب محدث اور مولوی مفتی سعد اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ علما کی صحبت اور کتب بینی سے وہ کمال حاصل کیا کہ سب کو تعجب ہوتا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد اسباب معشت میں نقصان کلی پیدا ہوا۔ مگر انکے شوق کتب میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ حضرت نواب خلد آشیاں نے مبلغ تیس روپے بلا خدمت مقرر کر دئے تھے۔ اُسی میں کتابیں جمع کرتے تھے۔ اور اپنی گذر بھی اُسی میں تھی۔ حاجی عبد القادر خاں آپ کے مرشد کا انتقال ہوگیا۔ تو سید علی نقی صاحب ساکن قصبہ بانگر مئو ملک اودھ سے تجدید بیعت کی اور خلافت پائی۔ عہد نواب عرش آشیاں میں جنرل اعظم الدین خاں نے خدمت کی شق لگائی۔ مدرسئہ عالیہ میں فارسی کے پروفیسر رہے۔ تذکرۂ انتخاب یادگار میں لکھا ہو کہ فارسی کا دیوان پورا ہو گر مرتب نہیں ہوا ہو مگر اب اُسکا پتا نہیں ہو۔ بہت سی تصانیف کا سلسلہ شروع کیا مگر آزادی طبع سے کوئی کام پورا نہیں ہوا۔ راقم الحروف کے حال پر نہایت کرم فرماتے تھے۔ ہفتہ میں دو بار قدم رنجہ فرماتے تھے کثرت ذکر وشغل سے یہ حالت تھی کہ راہ میں اگر قریب آکر کوئی زور سے آواز نکالتا تو چونک پڑتے تھے۔ باوجود عسرت وتنگی مداخل کے کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ میں نے دیکھا کہ انکے پلنگ کے پاس چوکیاں بچھی ہیں اور اُن پر کتابیں چنی ہوئی ہیں۔ ایسے نیک نہاد۔ نیک نفس اور خلیق بہت کم ہوتے ہیں۔ اُردو میں بھی کبھی شعر موزوں کرتے تھے اور جناب منشی محمد امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم کو کلام دکھاتے تھے۔ شنبہ کی شب میں رات کے دس بجے جمادی الاولیٰ کی گیارھویں تاریخ تیرہ سو گیارہ

ہجری (۱۳۱۰ھ) میں ۳۹ سال کی عمر میں بعارضۂ تپ محرقہ انتقال کیا۔ اور جناب امیر شاہ صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔ نسیم الزماں خاں و سعید الزماں خاں دو فرزند یادگار ہیں۔ دونوں نے انگریزی تعلیم حاصل کر لی ہے۔

مولانا فرخی

آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ اِن کے والد نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے رفقا میں تھے۔ ابتدائی تعلیم ان کے صاحبزادوں کے ساتھ حاصل کی۔ غدر کے ہنگامہ میں آٹھ دس سال کی عمر تھی۔ اور اسکے انقلاب اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جوان ہو کر سیاحت کا شوق ہوا۔ بمبئی میں کچھ دن قیام کر کے بوشہر اور برما کی سیاحت کی۔ ایک فارسی اخبار بمبئی سے نکالا۔ ایک بار بعہد نواب خلد آشیاں رام پور آئے اور پھر چلے گئے۔ تقریباً ۱۸۸۰ء میں پھر رام پور تشریف لائے۔ میرے بھائی محمد عظمت علی خاں مرحوم سے ملاقات ہو گئی۔ اُنھیں کے مکان پر مقیم ہو گئے۔ نواب خلد آشیاں کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔ نواب خلد آشیاں کے انتقال کے بعد مدرسۂ عالیہ میں پروفیسر فارسی کے ہوئے۔ اور پھر حضور پر نور نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام حشمتہم کے استاد مقرر ہو گئے حضور پر نور کے سفر یورپ اور امریکہ میں ہمرکاب گئے۔ اور دو جلدوں میں سفرنامہ مرتب کر کے مشتہر کیا۔ فارسی زبان قدیم اور جدید میں کامل ہیں۔ بطور خود انگریزی حاصل کی اور عربی کی استعداد حاصل کر لی۔ سفرنامہ شاہ ایران کا ترجمہ کیا۔ اور اسکی ایک فرہنگ لکھی۔ اسکے علاوہ چند اور کتابیں تصنیف کیں۔ اعلیٰ حضرت حضور پر نور دام ملکہم کی توجہ سے فارغ البالی کے ساتھ ہمہ وقت کتاب بینی کرتے ہیں۔ منظوم کلام بہت سا غیر مرتب ہے۔

قصائد میں بدرجۂ اتم روانی ہے۔ دوست پرور اور احباب نواز ہیں صبح و شام اُن کے مکان پر احباب کا جلسہ رہتا ہے۔ چار کے دور چلتے ہیں۔ اِن کے فرزند

عبدالحمید صاحب ایڈی۔ سی ہیں۔

مولوی فضل حق رام پوری

ابن مولوی قاری حافظ عبدالحق بارہ سوا ٹھتر (۱۲۷۸ھ) میں رام پور میں
پیدا ہوے۔ یہی سال مولانا فضل حق خیرآبادی کی رحلت کا ہے۔
گویا اللہ تعالیٰ نے مرحوم کا جانشین پیدا کیا۔ ابتداءً اپنے والد سے حفظ
قرآن شروع کیا مگر وہ بوجہ تعلق تدریس نواکھالی بنگالہ میں رہتے تھے۔
اسلیے دیگر مشہور حفاظ شہر سے قرآن شریف حفظ کیا اور دس سال کی عمر میں
ختم کیا۔ کتب درسیہ فارسی کی حکیم احسن ساکن محلہ کھاری کنویں سے پڑھیں اور
عربی صرف ونحو مولوی عبدالرحمن مندھاری جو محلہ کی مسجد میں رہتے تھے ان سے
اور دیگر ہمسی طلبا سے پڑھیں۔ اسی طرح ابتدائی کتب منطق بھی رام پور میں پڑھیں
تحصیل علوم کے لئے سفر علما کی قدیم سنت ہے۔ اسلیے یہاں سے بھیکم پور علاقہ
علی گڈھ کو مولوی حکیم عبدالکریم خاں رام پوری سے استفادہ کے لئے گئے۔
حکیم صاحب وہاں ملازم تھے۔ وہاں ملاحسن اور شرح وقایہ اور اس درجہ کی دیگر کتابیں
پڑھیں۔ حکیم صاحب آپ پر نہایت درجہ عنایت فرماتے تھے وہاں سے علیگڈھ آئے
اور مولانا لطف اللہ علی گڈھی سابق مفتی عدالت حیدرآباد دکن کی خدمت میں
حاضر ہوے۔ یہاں اکثر کتب معقول ومنقول حدیث وتفسیر کی تکمیل کی۔ مولانا
لطف اللہ صاحب کی توجہ اور آپ کی ذہانت کے سبب سے بہت سی درس
نظامیہ کی کتابیں پوری ہوگئیں۔ اب قدما کی کتابوں کے حاصل کرنے کا
شوق پیدا ہوا۔ اسلیے علی گڈھ سے رخصت ہو کر چلے آئے۔ اور مولوی ہدایت علی
بریلوی شاگرد مولانا فضل حق خیرآبادی کی خدمت میں بریلی جاکر کتب قدما
مثل شرح اشارات وغیرہ کا استفادہ کیا۔ کل علوم وفنون کی تکمیل کے بعد بریلی

کے مدرسۂ طالبیہ میں مدرس اول مقرر ہوگئے۔ نہایت تھوڑی عمر میں تحصیل علوم سے فراغت پائی اور خود پڑھانا شروع کیا۔ صبح سے شام تک تیئیس تیئیس سبق پڑھاتے تھے۔ ہر ملک کے طلبا کے کثیر کا مجمع ہوگیا۔ حکیم نور الحسن مرحوم افسر الاطبا ریاست بھوپال نے اکثر کتب درسیہ آپ سے بریلی میں پڑھی تھیں۔ نواب عرش آشیاں کے عہد حکومت میں (۱۸۶۵ء تا ۱۸۸۷ء) مدرسۂ عالیہ رام پور کا نیا انتظام ہوا۔ مولوی ہدایت علی مرحوم کو بریلی سے بلا کر مدرس اول مقرر کیا۔ تو آپ کو بریلی سے بلا کر مدرس سوم مقرر کیا۔ اوقات مدرسہ کے علاوہ شب کے دس گیارہ بجے تک اپنے مکان پر طلبا کو پڑھاتے تھے۔ چونکہ پڑھانے میں سخت محنت کرتے تھے۔ اسلئے طلبا کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ کی خدمت سے مستفیض ہو کر سیکڑوں طلبا باہر چلے گئے۔ اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ مولوی محمد دین مدرس ہزارہ۔ مولوی غلام جیلانی مدرس تناول علاقۂ سرحد۔ مولوی عبد العزیز مدرسہ رمضانیہ کلکتہ۔ مولوی فضل کریم مدرس چکوال۔ مولوی حمید الدین مدرس مانسہرہ۔ مولوی محمد صدیق قندھاری۔ مولوی سیف اللہ ہراتی۔ مولوی عبد الودود بدخشانی۔ اخوندزادہ محمد دین مدرس قندھار۔ مولوی احمد امین مدرس دویم مدرسۂ عالیہ رام پور۔ مولوی عبد الصمد مدرس مدرسۂ کلکتہ۔ مولوی عبد الحمید مدرس مدرسہ چاٹگام۔ مولوی اسلم جونپوری مدرس مدرسۂ آرہ۔ مولوی عبد الکریم مرحوم مدرس مدرسہ ندوۃ العلما۔ مولوی خلیل اللہ بانی مدرسہ مطلع العلوم۔ مولانا سید یوسف مدراسی مدرس مدرسۂ نعمانیہ دہلی۔ اور مولوی غلام محمد ملتانی مدرس اول و مہتمم مدرسۂ انوار العلوم رام پور۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں بحالت مدرسی درجۂ سوم بھوپال سے مولوی عبد الجبار خاں وزیر ریاست نے طلب کیا۔ یہاں سے ایک سال کی رخصت لیکر گئے۔ وہاں نہایت اعزاز ہوا۔ اور مدرسۂ سلیمانیہ میں تقرر ہوگیا۔

رام پور سے طلبا کی ایک کثیر جماعت ساتھ گئی۔ بھوپال میں مولوی عبدالہادی اور مولوی نظام الدین مدرسین مدرسۂ سلیمانیہ لے معقول کی انتہا کی کتابیں پڑھیں۔ بھوپال میں شیخ حسن عرب یمنی مرحوم سے تیمنًا حدیث کا سند حاصل کی شیخ صاحب نے سند میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ وہو فی الحقیقۃ بحر زخار وعباب زخار کما لعلم ذلک من حالہ ومقالہ۔ شیخ موصوف ایک واسطہ سے امام شوکانی کے شاگرد تھے۔ وطن کی محبت کی وجہ سے بھوپال سے رام پور تشریف لائے۔

شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی مدرسۂ عالیہ رام پور کے پرنسپل مقرر ہوئے تو اُنسے بھی معقول کی کتابیں پڑھیں۔ پھر درجہ بدرجہ ترقی ہوکر مدرس اول مدرسۂ عالیہ رامپور مقرر ہوئے غالبًا ۱۹۰۶ یا ۱۹۰۷ء میں مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں منجانب گورنمنٹ بنگال آپ کی طلبی ہوئی۔ ایک سال وہاں ملازمت کی۔ بحصول رخصت رام پور تشریف لائے۔ تو اعلیٰ حضرت بندگان حضور پرنور عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر ادام اللہ ملکہم کا حکم ہوا کہ ان کو یہیں روک لیا جائے۔ اور جناب صاحبزادہ مصطفیٰ علی خاں صاحب بہادر مرحوم سکریٹری جنکے ماتحت صیغۂ تعلیم تھا۔ انکی معرفت گفتگو ہوئی جناب مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ مجتہد ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم بھی ساعی ہوئے حکم سرکار سے مجبوری تھی۔ کلکتہ کی ڈیڑھ سو کی ملازمت ترک کی مدرسۂ عالیہ رام پور میں پرنسپل مقرر ہوئے اگر کلکتہ کی ملازمت کا سلسلہ باقی رہتا تو آپ ہی وہاں پانچسو کی تنخواہ پر فائز ہوتے۔ آپ کے اوقات نہایت عمدہ ہیں۔ بدعات اور زوائد فی الدین سے نفرت ہے گفتگو میں الفاظ قلیل سے جواب دیتے ہیں۔ باوجود درس و تدریس فلسفہ قرآن شریف وسنت سے اعتقادًا وعملًا سر مو تفاوت نہیں ہے۔ مسائل غیر منصوصہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں۔ عقائد میں مسئلہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق صوفیہ وجودیہ کا مسلک ہے اکثر مسائل مختلف فیہا میں اشاعرہ ومعتزلہ کو نزاع لفظی پر محمول کرتے ہیں۔

ب کتاب میں آپ نے لکھا ہے کہ اُن مسائل میں جن میں صحابۂ کرام اور سلف صالحین
سے کچھ روایت نہیں ہے بحث کرنا بدعت اور غیر ضروری ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے
اشیہ میر ایساغوجی۔ شرح ایساغوجی۔ حاشیہ میرزاہد امور عامہ۔ النظفر الحامدی۔
فضل التحقیقات فی مسئلۃ الصفات طبع ہو چکی ہیں۔ حاشیہ تلویح۔ حاشیہ حمداللہ
شرح وروس البلاغہ ابھی طبع نہیں ہوئی ہے۔
اخلاق نہایت وسیع ہیں۔ احباب کی مراعات نہایت فرماتے ہیں۔
طلبا کے ساتھ بیحد شفقت ہے۔ طریقہ تعلیم ایسا اچھا ہے کہ غبی سے غبی طالب العلم کو
بھی مطالب ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دین کی محبت رگ و پے میں پیوستہ ہے
راقم کے حال پر الطاف بے پایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے
آپ کے فرزند مولوی افضال الحق ماشاء اللہ فارغ التحصیل اور بہت ذہین و ذکی
ہیں۔ حفظہ اللہ تعالیٰ۔

سید فضل حق

ولد سید عبداللہ عرف ننھے میاں از اولاد حضرت سید عبدالرزاق خلف اکبر حضرت
شیخ جیلانی علیہ الرحمہ۔ رام پور میں جناب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد
میں پیدا ہوئے۔ کتب فارسی و عربی مولوی عبداللہ و مولوی عبدالرحمٰن اولاد
مولانا مدن و سدن شاہجہاں پوری سے پڑھیں۔ سید شاہ سیادت علی صاحب
بمرۂ سید عبدالرزاق صاحب بانسوی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ بڑے پرہیزگار
ور برگزیدہ تھے۔ تمام عمر کسی نے اُنکے جسم کو برہنہ نہیں دیکھا۔
نواب جنت آرام گاہ کے عہد میں نائب سررشتہ دار محکمہ صدر تھے۔ پھر بریلی
کی کمشنری کے سررشتہ دار ہو گئے۔
ایام غدر میں بیلی بھیت یا بھیڑی میں تحصیلدار تھے۔ اُسی زمانہ میں یہ نیت

جہاد مرزا فیروز شاہ کے شریک ہو گئے۔ نواب فردوس مکاں نے ہر چند چاہا کہ رام پور چلے آئیں۔ آپ نے یہ عرض کیا کہ اب تو تمنائے شہادت ہے چنانچہ جھانسی میں شہید ہوئے۔ کوئی اولاد ذکور نہ تھی۔

فیض اللہ خاں اخوند زادہ

یہ حضرت مرزا مظہر جاناں کے مرید تھے۔ اور حال معلوم نہیں ہوا۔

ملا فقیر اخوند

نام آپ کا شاہ عبدالکریم عرف ملا فقیر اخوند ہے۔ آپ کے والد کا نام شاہ رحمت اللہ تھا ولادت آپ کی مقام گجرات سرحد پنجاب میں تخمیناً ۱۱۴۷ھ میں ہوئی۔ علم ظاہری میں دستگاہ کامل تھی۔ تصوف و فقر میں شاہ منور علی الہ آبادی سے خلافت پائی نواب حافظ رحمت خاں کی حیات تک پیلی بھیت میں زیادہ قیام رہتا تھا۔ اور بڑے شان و شوکت سے رہتے تھے۔ آپ کے تقدس اور بزرگی نے تمام روہیلکھنڈ کو مسخر کر لیا تھا۔ آپ کے بھائی حکیم بایزید صاحب اپنی کتاب فصول فیض اللہ خانی میں آپ کو سرکار کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً در سرکار برادر صاحب چنیں و چناں بود۔ پیلی بھیت کے زمانۂ قیام میں رام پور بھی کبھی کبھی آتے تھے۔ حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد رام پور تشریف لائے۔ (۱۱۸۸ھ) جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر طاب ثراہ نے موضع ٹاہ جو اب موضع مونڈہ کے تھانے کے پاس مراد آباد کی سڑک پر ہے اور اب انگریزی حکومت میں ہے جاگیر میں نذر کیا۔ آپ اکثر اُس موضع میں بھی قیام فرماتے تھے۔

شادی کہاں ہوئی اسکا حال معلوم نہیں مگر سالے کا نام شادی خاں تھا۔ موضع کی کاشت اپنے غلاموں سے کراتے تھے۔ باہر غلام اور اندر زنانہ میں چھوکریاں

سلہ آثار الصنادید نجم الغنی خاں۔

کام کرتی تھیں۔ بنگال اور ملنگا نامی دونوں مسلم غلام تھے ایک چھوکری کا نام کلیا تھا۔ اشاعت علم ظاہری و باطنی کے ساتھ تبلیغ اسلام بھی جاری تھی۔ بہت سے آدمی مسلمان کر لئے تھے۔ دسترخوان وسیع تھا۔ طالب علم۔ اور طالب خدا۔ مہمان اور مسافر بہت سے رہتے تھے اور سب کو کھانا ملتا تھا۔ احمد نامی ایک مرید تھا۔ صاحبزادہ عبدالقدوس کے حجرہ کے برابر حجرہ میں رہتا تھا۔ اسکے متعلق یہ خدمت تھی کہ کتابوں کی نقل کرے اور کتاب خانہ کی کتابوں کی جلدیں باندھا کرے۔ طلبا میں نظام خاں گردوں۔ ملا اکرم سواتی۔ ملا احمد خاں رزڑ۔ ملا شاہ زماں خاں مہمند زئی اکثر حاضر رہتے تھے۔ عوام کے سوا مولوی بھی بہت سے مرید تھے جیسے ملا موتم اخوند ملا حاتم اخوند۔ مختصر یہ کہ علوم دین۔ علوم باطنی کی اشاعت کا آپ مرکز تھے۔ سُنا ہے کئی برس تک زمین پر پیٹھ نہیں لگائی۔ آپ کے سلسلہ کو خوب ترقی ہوئی۔ شعباں کی دوسری تاریخ بارہ سو چھ ہجری (۱۲۰۶ھ) میں وفات پائی۔ رام پور میں حلقہ والی مسجد میں آپ کا مزار ہے۔

ملا فقیر محمد صاحب ولایتی

مولوی محمد گل صاحب ولایتی صاحب سجادہ میاں سبحان شاہ صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ عربی علوم رام پور میں حاصل کئے۔ حاجی محمد نبی صاحب عرف حاجی صاحب دہنے کے معتقدین میں سے تھے۔ بہت سے طلبا نے انسے فیض پایا۔ حالت درس میں کبھی کبھی طلبا سے فرماتے تھے۔ کہ یہ مقام حاجی صاحب کی صحبت میں حاصل ہوا تھا۔ بڑے فقیہہ تھے۔ تحصیل علوم کے بعد باجوڑی محلہ میں عقد کیا اور اسی محلہ میں مزار ہے۔ انکے بیٹے نیاز محمد صاحب کامل درویش ہیں۔ مگر آجکل مفقود الخبر ہیں انتقال کا سنہ معلوم نہیں ہوا

حافظ محمد فیاض

رام پور میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف خوب حفظ تھا۔ موتی مسجد کے امام تھے۔

عظمت اللہ خاں خلیفہ حافظ ناصر احمد خاں شاہجہاں پوری کے مرید تھے مولوی محمد یوسف محدث شاہ مجددی آپ سے بیعت تھے۔ اور آپ کی وجہ سے تا دم مرگ موتی مسجد میں آپ کے پاس حاضر رہتے تھے۔ نہایت بزرگ اور باخدا تھے ظاہری حالت ایسی بنا رکھی تھی۔ کہ لوگ اُن کی طرف مطلق درویشی کا گمان نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی آتا تو ایسی دنیاداری کی باتیں کرتے کہ آدمی پریشان ہو کر چلا جاتا۔ مولوی محمد یوسف محدث انکی اکثر خرق عادات بیان کیا کرتے تھے۔ دوشنبہ کے دن ربیع الآخری کی اکیسویں تاریخ تیرہ سو بارہ ہجری (۱۳۱۲ھ) میں انتقال فرمایا۔ اور پیر برخوردار صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔

مولوی نفیۃ الدین تخلص نفیۃ

ولد مولوی سید جمال الدین قدس سرہ رام پور میں پیدا ہوئے۔ مختلف علماے شہر سے کتابیں پڑھیں۔ اپنے بہنوئی مولانا منیر علی سے بھی استفادہ کیا ـــ سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ حافظہ ایسا تھا۔ کہ سال بھر تک دور نہیں کرتے تھے۔ اور رمضان میں بے تکلف سناتے تھے۔ حکیم عطار اللہ کا فارسی قصیدہ ایک بار سنکر مطلع سے مقطع تک اپنے کلام کی طرح پڑھ دیا۔ جوانی کے عالم میں بانکپن مزاج میں تھا۔ شاعری کا بھی بہت ذوق تھا۔ خود اپنے مکان پر مشاعرے کرتے تھے بیس برس کی عمر میں دوشنبہ کے دن صفر کی دوسری تاریخ بارہ سو چالیس ہجری (۱۲۴۰ھ) میں انتقال فرمایا۔ اور اپنے والد کے مزار کے چبوترہ کے کنارہ شمال کی جانب دفن ہوئے۔

مولوی محمد فیاض

ولد اخوند سید احمد خاں مولوی محمد حیات کے حقیقی بھائی تھے۔ علوم عقلی و نقلی میں مولانا محمد اسحٰق دہلوی کے شاگرد تھے۔ محلہ لال مسجد میں رہتے تھے تخمیناً

ساٹھ برس کی عمر میں ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا محلہ لال مسجد میں ہی دفن ہوئے

مولوی فیض احمد

فیصلہ جائداد پیرزادہ اعظم الدین خاں محلہ کٹرہ والے مورخہ ۲۴- ربیع الاول ۱۲۵۸ھ پر آپ کی مہر ہے- اور حال معلوم نہیں ہوا-

حکیم فتحیاب خاں آنحکر

ولد مظفر خاں گرم ولد محمد خاں قوم افغان رام پور میں پیدا ہوئے- کسب فنون رسمی مختلف مقامات پر کیا- اکثر ہندوستان کی سیاحت میں عمر بسر کی اور دست شفا سے مریضوں کو فائدہ پہونچایا- آپکے فرزند مولوی فدا علی خاں علاوہ علوم عربی کے انگریزی میں ایم-اے ہیں اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں-

مولوی سید قدرت علی

ولد سید رجب علی ولد سید قاسم علی- ولد ولایت علی- اولاد حضرت شاہ شرف الدین شاہ ولایت امروہہ سے ہیں- امروہہ سے سید ولایت علی رام پور میں آئے- سید قدرت علی رام پور میں محلہ ٹھوٹر میں پیدا ہوئے- درسیہ کتب فارسی وعربی خلیفہ احمد علی سے پڑھیں- دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کیا- طب حکیم علی حسین خاں ولد حکیم احمد خاں فاخر سے پڑھی- طلبا کو پڑھاتے تھے- مطلب بھی کرتے تھے- وسی سے بسر اوقات تھی پچاسی برس کی عمر ہوئی (۱۳۱۸ھ) تیرہ سو اٹھارہ ہجری کے قریب وفات ہوئی- عیدگاہ دروازۂ قدیم کے متصل اخون خیلوں کے محلہ میں مسجد کے سامنے قبرستان میں دفن ہوئے- اولاد میں سید محبوب علی فارسی کے صاحب استعداد تھے انکا بھی انتقال ہو گیا-

مولوی قطب الدین ولایتی

ولایت سے آکر رام پور میں پوری کتابیں پڑھیں- نواب محمد یار خاں کے مکان کے

متصل لب راہ مسجد ہے اس میں رہتے تھے۔ اور پڑھایا کرتے تھے نہایت مقدس اور باخدا آدمی تھے۔ اسی مسجد کے پاس دفن ہوئے ہیں۔ نواب احمد یار خاں کے مکانات ٹوٹ کر شفاخانہ انگریزی بنا۔ اور آجکل شفاخانہ توڑکر قلعہ وسیع کر دیا ہے۔ مسجد سڑک کے کنارہ اب بھی موجود ہے۔

مولوی قطب الدین خاں

محلہ کڑہ جلال الدین خاں میں مسجد کے سامنے پختہ مکان تھا۔ رام پور میں اکتساب علوم متداولہ کیا۔ جاورہ میں وکیل ریاست ہو گئے اور وہیں انتقال ہوا انکے بیٹے مولوی سراج الدین خاں تھے۔

مولوی قطب علی

عنبر شاہ خاں عنبر رام پوری کے اُستاد تھے۔

تاریخ وفات از عنبر شاہ خاں عنبر

قطب[1] علی کہ از سر اندوہ ماتمش ۔۔۔ آشفتہ زلف حور نمط سنبل بہشت

چوں رفت سوے خلد بریں زیں جہاں پست ۔۔۔ نالید از وفور غمش بلبل بہشت

تاریخ فوت سال مصیبت فزاے او ۔۔۔ رضواں بگفت۔ باو نصیبش گل بہشت

۱۲۱۶ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳

مولوی قمر الدین خاں

فرزند سوم مولوی حافظ محمد جاں خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ یہیں علم حاصل کیا۔ پورے عالم تھے۔ مگر درویشی طبیعت پر غالب تھی۔ یہاں سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ کو گئے۔ اور وہیں انتقال فرمایا۔

سید قمر علی

یہ بزرگ عرب کے رہنے والے حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔

---

[1] تسریق الخیال عنبر شاہ خاں۔

اتفاق قضاو قدر سے رام پور آئے موضع ملک و ستورہ جو حضور تحصیل میں ہے اور رام پور سے شمال کو چار کوس ہو وہاں سکونت اختیار کی۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر نے آپ کے تقدس کی وجہ سے ایک سو روپے ماہانہ مقرر کردیے اور یہ خدمت مقرر ہوئی کہ ہمیشہ سواری میں ساتھ رہا کریں۔ شہر میں آکر محلہ چوک محمد سعید خاں میں قیام کیا۔ اور ۱۲۵۰ھ میں انتقال فرمایا سید قاسم علی خادم قدم رسول اور قاری علی حسن دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔

مولوی قمر الدین تخلص جانی

ولد مولوی خلیفہ غیاث الدین تقریباً ۱۲۲۳ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے فارسی میں کامل تھے۔ عربی بھی خاصی تھی۔ زیادہ تر رام پور میں پڑھا۔ فرخ آباد میں مولوی وزیر علی صاحب سے بھی جاکر پڑھا۔ اپنے والد کا خط لیکر گئے تھے وہ خط نشاٰت عزت میں موجود ہے۔ انتقال کو تقریباً پینتیس سال کا زمانہ ہوا۔

شیخ قیام الدین چاند پوری تخلص قائم

قصبہ[1] چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ فارسی اور عربی کی تکمیل مختلف مقامات پر کی۔ پہلے بادشاہی توپخانہ میں نوکر رہے۔ پھر رام پور میں صاحبزادے محمد یار خاں بہادر کی سرکار میں ملازم ہوئے۔ تذکرہ تکملۃ الشعرا میں لکھا ہے کہ محمد قائم نام ہے۔ اُردو شاعری میں مشہور ہیں۔ اُردو دیوان موجود ہے۔ کبھی کبھی فارسی شعر بھی موزوں کرتے تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں پر قادر تھے۔ اُردو میں مرزا رفیع سودا سے تلمذ تھا۔ بارہ سو دس ہجری (۱۲۱۰ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔ اور محلہ مدرسہ کہنہ میں جناب نواب سید محمد علی خاں صاحب بہادر کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

---

[1] انتخاب یادگار۔

مولوی قیام الدین خاں اخوندزادہ

ابن مولوی محمد حیات خاں اخوندزادہ۔ قوم پٹھان پیرزادہ اعظم الدین خاں کی مسجد واقعہ محلہ کٹرہ جلال الدین خاں کے امام تھے۔ عربی کتابیں کو سب پڑھیں تھیں مگر تکمیل نہیں ہوئی۔ انکا انتقال ۱۲۸۰ھ کے قریب ہوا۔ مدفن کا پتا نہیں معلوم ہوا۔ ان کے دو بھائی نصر الدین خاں اور شرف الدین خاں بے علم تھے۔ آپ نے دو بیٹے یادگار چھوڑے ایک مولوی غلام رسول خاں اور دوسرے مولوی نبھے۔ اول الذکر کو علم عربی تھا دونوں باپ کے سامنے انتقال کر گئے۔ آپ کی چھوٹی لڑکی کی اولاد موجود ہے۔ جنکا نام امانت علی خاں ہے اور اہلمد ریونیو سکرتری کے دفتر میں ہیں۔

حکیم کبیر علی خاں انصاری سنبھلی

نواب[1] محمد یار خاں بہادر کے ملازم تھے۔ ایک روز نواب صاحب کی آنکھ میں سال کی لکڑی کا ایک ریزہ گھس گیا۔ حکیم صاحب نے محمد حیات جراح کو بلا کر کہا کہ اسکو نکال لے۔ چنانچہ اس کام کے لیے جو آلات مقررہ ہیں اس سے وہ ریزہ نکال لیا مگر آنکھ سے خون جاری ہوگیا۔ حکیم صاحب نے فوراً دوا تجویز کر کے آنکھ پر باندھی۔ تیسرے دن پٹی کھولی آنکھ اچھی تھی۔ مگر سرخی شدید آنکھ میں پیدا ہوگئی تھی۔ ایک ہفتہ کے علاج میں وہ بھی جاتی رہی۔ نواب صاحب نے غسل صحت کی خوشی میں۔ ڈوم ڈھاریوں کو خلعت اور بہت روپے دئے۔ اسی طرح مصاحبین کو مثل سید حسن شاہ و میر ضیاء الدین عبرت۔ و میر محمد قاسم شاعر۔ اور میاں معز الدین وغیرہ کو خلعت و دوشالے تھان کمخواب اور بنارسی دوپٹوں سے دئے۔ لیکن حکیم صاحب چونکہ نوکر تھے۔ ایک پان بھی نہیں دیا۔ حکیم صاحب نے ذیل کی رباعی لکھکر نوازی نامی

---

[1] فصول فیض اللہ خانی صفحہ ۱۰۔

ورذی کے ہاتھ نواب صاحب کو بھیجدی۔

جنابعالی کر آج غسل صحت کا ہر ایک ندیم کے تئیں عطر اور پان ملے
بجائے خلعت بست پارچہ واسپ عراق حکیم جی کو بھی کہتے ہیں تھان ملے

حکیم صاحب کا سنہ ۱۲۲۰ھ میں انتقال ہوچکا تھا۔

نواب محمد یار خاں جناب مستطاب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر کے چوتھے فرزند تھے۔ آنولہ کے متصل ٹانڈہ میں رہتے تھے۔ جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر اپنے ہمراہ رام پور میں لائے۔

اور پچاس ہزار روپے ماہانہ مقرر کر دیا۔ غرہ ماہ ذیقعدہ کو گیارہ سو اٹھاسی ہجری (۱۱۸۸ھ) میں انتقال ہوا۔ حکیم صاحب[۱] کو شاعری کا بھی شوق تھا۔ کبیر تخلص تھا۔

محمد کبیر خاں تخلص تسلیم

صاحب تذکرہ تکملۃ الشعرا لکھتے ہیں کہ باپ کا نام امیر خاں ہے۔ اور بدو خاں رئیس رام پور کے پوتے ہیں۔ قوم بنیر وال پٹھان ہے۔ جوان قابل اور اہل ہنر کا قدر دان ہے۔ ذہن سلیم اور طبع مستقیم ہے۔ نہایت خوشگو اور خوش مقال ہے کبھی فارسی اور اردو میں شعر کہتا ہے۔ انتہی۔ صاحب تذکرہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ کبیر خاں زندہ تھے۔ ان کے فارسی کلام کا انتخاب جو تذکرہ میں موجود ہے۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم عربی و فارسی میں کامل مہارت تھی۔ فارسی کا کلام نہایت پاکیزہ ہے۔ مولوی غلام جیلانی رفعت کے شاگرد تھے۔ تین برس استاد کی خدمت میں حاضر رہے۔ ستر برس کا سن ہوا بارہ سو اکاون ہجری (۱۲۵۱ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔ راج دوارہ میں پیلو والی مسجد کے برابر قبرستان میں کنکر کی قبر ہے۔ یہی محلہ مسکن ہے۔ اب اولاد میں کوئی نہیں ہے۔

---

[۱] تذکرہ مصحفی اردو شعرا۔ ۵۲ انتخاب یادگار۔

بڑوخاں امرائے جناب نواب سید غلام محمد خاں صاحب بہادر غفراں مآب میں بڑے رتبہ کے آدمی تھے۔ فوز الکبیر شرح مکاتبات علامی ان کی تالیف ہی۔
خلیفہ غیاث الدین کا ایک خط نشات عزت میں بنام مولوی منیر علی صدر اعلی ہی۔ اسمیں لکھتے ہیں کہ آپ نے شرح مکاتبات علامی کریم خاں کی طلب کی ہی۔ دراصل وہ کبیر خاں کی ہی جو شاگرد مولوی غلام جیلانی رفعت کے ہیں۔ مولوی حیدر علی نے کبیر خاں کی وصیت کے موافق اسکی اصلاح کی ہے اور ایک مہینے کے وعدہ پر مستعار نسخہ بھیجتا ہوں۔ یہ شرح ابوالفضل کے دو دفتروں کی ہی ۱۲۱۲ صفحہ کی کتاب قلمی ہی۔ اور کتب خانۂ ریاست میں موجود ہی۔

مولوی کریم اسد خاں

ولد امیر خاں ابن الف خاں لودھی قندھاری۔ محلہ گھیر سیف الدین خاں سکن ہی رام پور میں پیدا ہوے کتب فارسی مولوی غیاث الدین عزت اور شیخ احمد علی مرحوم سے پڑھیں۔ علوم عربی مفتی محمد سعد اللہ سے حاصل کئے۔ خوشنویسی میں میر عوض علی ملیح آبادی کے شاگرد تھے۔ عربی و فارسی کی نظم و نثر صنائع و بدائع و تاریخ گوئی میں مستند استاد تھے۔ اور سید عبد الرشید کے شاگرد تھے۔ خوشنویسی نستعلیق خفی و جلی میں بہت شہرت حاصل کی۔ اور سیکڑوں شاگردوں نے فیض پایا میاں نعیم شاہ رام پوری سے طریقہ قادری میں بیعت تھے۔ تہجد گزار اور خوش اوقات تھے۔ ہر ہائنس جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام اقبالہٗ والی ریاست رام پور کی استادی کا بھی شرف حاصل تھا۔ نواب جنت آرام گاہ کے عہد سے نمک خوار ریاست تھے۔ دستور قدیم کے موافق سرکار سے محض اسلئے تنخواہ عطا ہوئی تھی کہ خوشنویسی کی مشق کریں۔ بعد انتقال نواب خلد آشیاں جنرل اعظم الدین خاں نے مدرسۂ عالیہ رام پور میں حاضری کی قید لگادی ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء کو ملازمت سرکاری

اپنے فرزند اصغر محمد رشید اللہ خاں خوشنویس کے نام منتقل کرادی سنہ ذیقعدہ کی بائیسویں تاریخ تیرہ سو چوبیس ہجری (۱۳۲۴ھ) میں فالج سے رام پور میں انتقال کیا۔ اور کلن شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے۔ مطبوعہ کتاب دفتر خطاطی ہے جس میں فن خوشنویسی کو خوب تفصیل سے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ نولکشور پریس میں چھپی ہے تصنیف ۱۳۰۸ھ معنون بنام نامی جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں ہے۔

حکیم کرامت علی امروہوی

۲۵-رجب ۱۲۳۰ھ میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب درسیہ مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ مولوی حکیم امداد علی امروہوی سے حمد اللہ تک عربی کتابیں پڑھیں۔ اور انہیں سے طب کی کتابیں شروع کردیں۔ حکیم کفایت اللہ امروہوی سے مطب شروع کیا۔ اور مطب کے ساتھ ساتھ طب کی تحصیل بھی ختم کی جب حکیم کفایت اللہ رام پور آئے۔ تو یہ بھی رام پور میں انکے ساتھ پندرہ سال تک مطب میں حاضر رہے۔ اور دیگر کتب درسیہ مولوی محمد علی رام پوری سے پڑھتے رہے۔ حکیم کفایت اللہ صاحب سے سند لیکر امروہہ میں اپنا مطب شروع کیا۔ ۱۲۶۹ھ میں نواب مجید الدین خاں عرف مجو خاں رئیس مرادآباد نے طبیبوں میں رکھ لیا۔ ۱۲۷۲ھ میں جناب نواب سید یوسف علیخاں صاحب بہادر فردوس مکاں مرادآباد تشریف لے گئے وہاں آپ کو طلب فرمایا۔ اور یہ حکم دیا کہ جب کبھی رام پور میں طلب فرمائیں حاضر ہوا کریں۔ چنانچہ وہ طلب ہوکر احمد شاہ خاں کے گھیر میں سرکاری مکان میں مہمان ہوئے جب ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا تو رام پور میں قیام ہوا۔ اکثر بغرض معالجہ آنولہ۔ مرادآباد۔ بھیکم پور۔ دادون وغیرہ میں بلائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تشخیص اور دست شفا اچھی عطا کی تھی لوگوں کو آپ کے علاج پر نہایت اعتقاد تھا۔ نہایت باخدا اور دیندار آدمی تھے ۱۲۸۰ھ میں ریاست رام پور میں ملازم ہوکر شاہ آباد علاقہ رام پور کے شفاخانہ میں تقرر ہوا۔ چار پانچ

ماہ کے بعد ہی تپ محرقہ میں مبتلا ہوئے بحالت علالت رام پور آئے۔ شعبان کی چوتھی تاریخ بارہ سو نوے ہجری (۱۲۹۰ھ) میں دوشنبہ کے دن ظہر کے وقت انتقال ہوا۔ محلہ پھلواری میں متصل مسجد اخون صاحب جنوب کی جانب مدفون ہوئے۔

تاریخ وفات تصنیف منشی نہال علیخانصاحب سررشتہ دار صدر

حکیم کرامت علی نامور ۔۔۔ بہ فن طبابت عجیب و غریب

رواں شد چو زیں دار فانی بخلد ۔۔۔ خرد گفت سالش حکیم غریب

۱۲۹۰

آپ کے لائق فرزند مولوی حکیم نظیر الدین حیات ہیں۔

مرزا کاظم حسین تخلص حسن

عرف مرزا حسنو ولد مرزا عطا بیگ وطن انکا دہلی ہے۔ مگر عہد جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرامگاہ سے رام پور میں ملازم ہوئے طبیعت رنگین صاحب علم و فضل تھے۔ تاریخ و سیر میں دستگاہ کامل تھی۔ داستان بھی خوب کہتے تھے۔ اردو کا دیوان مختصر کتب خانہ ریاست میں موجود ہے۔ ستر برس کی عمر ہوئی تیئیسویں جمادی الاخرہ کو بارہ سو بیاسی ہجری (۱۲۸۲ھ) میں انتقال ہوا اور صاحبزادہ باقر علی خاں مرحوم کے مکان کے سامنے اپنے مکان کے دروازہ کے آگے دفن ہوئے۔ آپ شیعہ تھے۔ لیکن آپ کے فرزند مرزا ذاکر حسین نہایت متقی پرہیزگار سنی تھے انکا بھی انتقال ہوگیا۔ اب ایک پوتا آنکھوں سے معذور باقی ہے۔

مولوی سید کاظم علی عرف قاضی میاں

ولد سید نور شاہ ابن سید سلطان احمد عرف شاہ بھولے میاں اولاد حضرت جلال بخاری سے تھے۔ شاہ بھولے میاں جناب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر کے

عہد میں بخارا سے آئے۔ اور موضع کلیا پرگنہ آنولہ میں مقیم ہوئے۔ آنولہ اس وقت
دارالحکومت تھا سلسلہ بیعت جاری تھا۔ نواب صاحب بہادر نے موضع کلیا اور کربلا
اور اسکے ملحق دو اور موضع برائے کفاف خدام شاہ صاحب عطا کئے۔ انکی نہایت
تعظیم و تکریم فرماتے تھے شاہ بھولے میاں صاحب کا انتقال چھیانوے برس کی عمر
میں موضع کلیا میں ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے فرزند سید نور شاہ کا بھی
وہیں انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد سید کاظم علی مع اپنے بھائی مولوی
سید حسن شاہ حصول علم کے شوق میں رام پور آئے۔ دیگر اعزہ کو موضع کلیا میں
چھوڑا جن کی اولاد اب تک وہاں موجود ہے۔ اور اس جائداد پر قابض ہے۔
سید کاظم علی کو صرف و نحو۔ تفسیر فقہ۔ اور طب میں مہارت تھی۔ چوراسی سال کی
عمر میں انتقال ہوا۔ بیرون نواب دروازہ غریب شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے۔
اب یہ قبرستان دریائے کوسی نے کاٹ لیا ہے۔

کاظم خاں

صاحب تذکرہ تکملۃ الشعرا لکھتے ہیں خاں عالیشان رئیس قوم افغان خٹک انسان
فرشتہ کی صورت میں ہیں۔ زاہد۔ پرہیزگار۔ عابد۔ متشرع۔ نہایت عالی حوصلہ
خوش سلیقہ۔ نازک دماغ۔ صاحب تمکنت۔ نہایت بردبار۔ تحمل۔ اور وقار کا گویا
پہاڑ ہے۔ تمام انسانی صفات سے متصف مجمع ہنر و قابلیت و سخندانی صاحب فضل و
کمال شاعر خوش مقال۔ نازک خیال معنی یاب تازہ تر اکت بند۔ متلاشی مضامین
دل پسند و بلند۔ اس وقت تک قوم افاغنہ۔ روہ میں ایسا خوش فکر اور خوش گو۔
آدمی نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ بلکہ بحث ایران میں بھی ہے نازک خیالی اور
ادا بندی میں مثل سلیم۔ حکیم۔ شوکت بخارای۔ صائب تبریزی۔ ناصر علی سرہندی
اور غنی کشمیری کے یکتا ہے۔ زبان پشتو میں آپ کا دیوان خوش خیالی اور سخندانی

میں مشہور ہی۔ کبھی کبھی فارسی میں بھی غزل کہتے تھے۔ چند برس ہوے کہ انتقال کیا۔
راجہ نول رائے ناظم صوبۂ اودھ کے قتل کی تاریخ یہ نظم کی ہی۔

خان احمد بروز رزم وغا — تیغ قطاع از نیام کشید
سر گردن کنوں بروز ہمش — بازوے خصم را نخست برید
آن نول کافر لعین دشقی — نائب خاص رافضی شدید
زود بشتافت از جہان بجحیم — گشت تاریخ او، خبیث پلید

نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر کی تاریخ ہی ہی۔ افغان (۱۱۵۷ھ) کہی ہی
نادر شاہ کے حملہ ہندوستان کی تاریخ۔ غم عام۔ (۱۱۵۱ھ) سے نکالی۔
تاریخ فتح نواب ابوالمنصور خاں برافغانان اور چلکیا کے جنگل میں دامن کوہ
کمایوں میں محصور ہونے کی لفظ۔ فساد عظیم۔ (۱۱۶۵ھ) سے نکالی۔
شیدا کے دو نسخہ دیوان پشتو کے کتب خانۂ ریاست میں موجود ہیں۔
ایک نسخہ جلی قلم کا لکھا ہوا چار سو سولہ صفحے پر ہی۔ خاتمہ پر یہ عبارت ہی۔
تمت تمام شد دیوان شیدا تصنیف خان والاشان مظہر لطف والاحسان حاتم زماں
خانزادہ کاظم خان سلمہ الرحمن بتاریخ بست و دویم شہر جمادی الثانی ۱۱۹۲ھ بخط
بندہ احقر العباد فیض علی ولد قاسم بیگ متوطن شاہ جہاں آباد بپاس خاطر
اخون زادہ میاں غلام حیدر سلمہ اللہ تحریر یافت۔
دیباچہ پشتو زبان میں کہتے ہیں۔ کہ راقم محمد کاظم شیدا تخلص خٹک نسب حنفی
مذہب نقشبندی مشرب ہی۔ ایک مدت سے آوارہ وطن ہوں۔ شاعری مشکل چیز ہی۔
بیساختہ کچھ موزوں ہو جاتا ہی۔ مسودات نظم کو جمع کرنے کا خیال نہ تھا۔ خوشحال
خٹک اور رحمن سترہ بنی کا کلام پاکیزہ مشہور ہی۔ اِن کے سامنے کیا وقعت
میرے کلام کی ہوگی۔ ایک میرا ہم نام شاعر ہے۔ میرے نام کی اشتراک سے

اسکے کلام کو شہرت ہوئی۔ میاں محمد بن خلف الصدق شیخ اجل ولی الاکمل میاں محمد عمر دامت برکاتہ نے میرے کلام کو پسند کیا۔ اور برادر محمد عطا بدخشاں طال عمرہ نے اظہار شوق کیا اسلئے یہ مسودہ نظم مکمل کیا۔ اور اسکی تدوین ۱۱۸۱ھ میں کی۔ اس دیباچہ کے بعد مثنوی ہے جس میں حمد نعت اور منقبت خلفاے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اور اپنے مرشد غلام معصوم کی تعریف لکھی ہے۔ پھر اس نظم میں بیان کیا ہے کہ پشتو کی نظم بالکل بے نظم ہے۔ اگر میزان عروض پر جانچو تو سب نظمیں تہ و بالا ہو جائیں۔ تقطیع میں کوئی نظم نہیں آسکتی۔ اس زبان کی شاعری میں چونکہ اوزان اور بحور نہیں ہیں۔ اس لئے ناقص اور کامل سب برابر ہیں پھر اپنی تعلی میں اپنے وطن۔ سراے بکرام اودھ کی تعریف لکھی ہے اور اس مقام کو اپنا وطن بتایا ہے۔ مثنوی کے بعد دیوان ہے دیوان کے بعد اپنا شجرہ بیعت نظم لکھا ہے۔ غلام معصوم خلیفہ پیر صبغتہ اللہ خلیفہ خواجہ محمد معصوم مجددی سے سلسلہ ہے۔ اسکے بعد دو قصائد ہیں۔ قصیدۂ احریہ میں ہندوستان کی گرمی کا خاکہ کھینچا ہے۔ اور قصیدہ بہاریہ میں مضامین رنگین ہیں۔ پھر چند رباعیاں ہیں۔ اسکے بعد قطعات تاریخ پشتو اور فارسی کے ہیں۔ تاریخوں سے کچھ پتا زمانے کا چلتا ہے۔ اسلئے نقل کرتا ہوں۔

قطعۂ تاریخ رحلت حضرت محمد معصوم

بود تا معصوم ثانی چوں قیوم — میتواں گفتن مجدد بیگماں

بود احیاء العلوم ظاہری — علم باطن را بجسم اندر رواں

ہمچو موج بحر باداماں پاک — زود بگذشت از سراے خاکداں

گفت ہاتف مصرع تاریخ را

معرفت وے کرد زندہ جاوداں

(۱۰۹۱ھ)

تاریخ وفات تین دوستوں اور ایک فرزند کی

آہ بد و ماہ سنہ مشفق مرا | چار میش قرۃ عینم بداں
زاں دو شہید و دو سعید ازل | طبل رحیلی زدہ سوے جناں
سال وصالش ہمہ گرو جلی | بود غموم سے پے ہم آہ خواں

تاریخ وفات محمد عمر ولی ساکن سٹرہ زبان پشتو

دمیاں پہ درد و غم کشی | نالہ ڈیر شوہ ہسم آہ
دا یہ وا عمر ولی | در سٹرہ رحمت اللہ
علیہ در سٹرہ ضم کڑہ | پہ تاریخ پہ شبی آگاہ

اعداد رحمت اللہ علیہ کو سٹرہ میں ملانے سے ۱۰۹۴ھ نکلتے ہیں۔

تاریخ جناب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر بانی ریاست رامپور

طبل رحلت زد سوے ملک بقا | تا علی محمد[1] نواب نامدار
چرخ نیلی خود بروز از موج غم | کور شد با دیدہ ہاے صد ہزار
صبح را خورشید بردل گشتہ داغ | با لباس نیلہ گوں شب سوگوار
ریخت شبنم از سرشک عندلیب | گل گریباں میدرو بے اختیار
کرد زیں غم کشور ہندوستاں | چشم خود گنگ و جمن لیل و نہار
از بلا و ہند تا مسکوں ردہ | نیست افغاں را ورا سے گریہ کار
سال ایں ماتم بتو گردد جلی | ہے ہے افغاں۔ را اگر گیری شمار

اخیر میں کچھ مخمس ہیں۔ اس دیوان کے سرلوح پر حاشیہ میں کسی کابلی نے شیدا خاں کے انتقال کی یہ تاریخ لکھدی ہے۔

وشیدا پہ آشیان جہاں تریخ شہ | وکباب خوندکون ومکاں ینغ سفہ

---

[1] اسم محمد پٹھانوں کے لہجہ میں پڑھیے۔

درست بدنی گویا زڑو پسینے کے — دل نظیر - وہ کاظم خاں ومرگ تاریخ شہ

دل نظیر سے ۱۱۹۲ھ برآمد ہوتے ہیں - غالبًا یہی تاریخ انتقال ہے - انکے متعلق کسی کتاب اور زبانی روایت سے کوئی اور حال معلوم نہیں ہوا۔

حکیم محمد کفایت اللہ

ولد حکیم محمد علم اللہ قریشی تمیمی صدیقی امروہہ ضلع مرادآباد محلہ کوٹ میں ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوے۔ معلوم نہیں فارسی کس سے پڑھی۔ عربی علوم وفنون مفتی شرف الدین رام پوری سے تمام وکمال حاصل کئے۔ اور فاضل اجل ہوے طب اپنے والد سے پڑھی۔ تشخیص میں گویا الہام ہوتا تھا۔ معالجہ میں یکتائے زمانہ تھے نسخہ اکثر قلیل الاجزا لکھتے تھے۔ اور غربا کے لیے ہمیشہ کم قیمت دوائیں تجویز کرتے تھے۔ رام پور میں پرانے قلعہ کی محلسرائے سرکاری میں قیام تھا۔ صبح سے شام تک مجمع مریضوں کا رہتا تھا۔ طمع نام کو نہ تھی۔ انکے معالجہ کے سیکڑوں واقعات زباں زد خاص وعام ہیں۔ اکثر لوگوں کے پاس ان کے نسخہ اس وقت تک موجود ہیں۔ اور نہایت مفید ہیں۔

رام پور میں عبدالنبی خاں ولد جنگی خاں نامی ایک نوجوان کو تپ دق ہوئی حکیم صاحب نے علاج شروع کیا مگر جماع سے سخت ممانعت فرمائی اور کہا کہ اگر عورت سے مقاربت ہوئی تو یقینًا مرجاؤ گے۔ چند ماہ کے علاج میں وہ بالکل تندرست ہوگیا۔ شامت اعمال کہ ایک روز جماع کیا۔ فورًا شدت سے تپ آئی مریض کا بھائی محمد سعید خاں قارورہ لیکر حاضر ہوا۔ قارورہ دیکھکر اور حال سنکر نسخہ لکھدیا۔ یہ شخص ناخواندہ تھا۔ سعدو عطار کی دوکان پر دوا لینے گیا۔ عطار نے کہا اس میں تو سامان کفن ودفن لکھا ہوا ہے۔ وہ مایوس ہوکر گھر آیا۔ دیکھا تو عبدالنبی خاں مرچکا تھا۔ اس قسم کے بہت سے حالات لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ صاحب تاریخ آئینۂ عباسی صفحہ (۲۸) پر لکھتے ہیں کہ نواب جنت آرام گاہ مجھسے فرماتے تھے۔ کہ حکیم کفایت اللہ اپنے وقت کے

بوعلی سینا تھے ہم نے کابل سے کلکتہ تک بڑے بڑے حکما کو دیکھا حکیم شریف خاں سے
استفادہ کیا۔ ایسا ذی کمال ذی مروت ذی اقبال آدمی نہیں دیکھا۔ شاگرد کثیر تھے۔
منجملہ اُنکے مولوی حکیم کرامت علی امروہوی جو ریاست رام پور میں ملازم تھے انہیکے
شاگرد تھے۔ ریاست نے ہمیشہ انعام و عنایت سے سرفراز کیا۔ خان بہادری کا خطاب
عطا کیا اور موضع یعقوب پور ضلع بجنور کے پندرہ بسوہ انعام میں دئے۔
نواب جنت آرام گاہ اس طرح القاب لکھا کرتے تھے حکیم صاحب بسیار مہربان دوستان
حکیم محمد کفایت اللہ خاں بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ بعد شوق ملاقات واضح باد۔ اور نواب
فردوس مکاں یہ القاب تحریر فرماتے تھے حکیم صاحب مشفق مہربان کرم فرماے
مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔
نواب جنت آرام گاہ کے انتقال سے چند سال پہلے ترک ملازمت کرکے خانہ نشین
ہوگئے۔ اٹھارہ سو چون عیسوی (۱۸۵۴ء) میں امروہہ میں انتقال کیا اور اپنے
والد کے پہلو میں دفن ہوے۔
بعض کتب درسیہ طبیہ پر حواشی لکھے تھے۔ ایک رسالہ قواعد استخراج مزاج نسخہ
میں لکھکر نواب جنت آرام گاہ کے حضور میں پیش کیا تھا مگر کوئی تصنیف طبع نہیں ہوئی
حکیم حکمت اللہ خاں و محمد نعمت اللہ خاں دو فرزند یادگار چھوڑے۔

ملا کمال

یہ صاحب[۱] حافظ شاہ جمال اللہ صاحب کے مریدوں سے تھے۔ ایک عرصہ تک دکھن
میں رہے ۱۲۲۳ھ تک زندہ تھے۔
تذکرۂ تکملۃ الشعرا میں لکھا ہی۔ ملا کمال رام پوری بس نامور زیست۔ شاید یہ وہی
ملا کمال ہیں۔ مولوی عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں۔ کہ انکا نام ہی

---

[۱] مجمع الکرامات فارسی امام الدین خاں۔

شرح مسمی ہے۔ ان کے بیٹے مولوی جلال الدین کی بہت تعریف سنی ہے۔ ان کی ملاقات کا آرزومند ہوں۔

شاہ کمال الدین

شاہ[۱] درگاہی صاحب کے خلیفہ تھے۔ روزانہ پہر دن رہے سہ پہر کو حاضر خدمت شاہ درگاہی صاحب ہوا کرتے تھے۔

حاجی گل محمد تخلص وفا

صاحب تذکرہ تکملۃ الشعرا لکھتے ہیں۔ رام پور کا رہنے والا ایک جوان نہایت پرہیزگار۔ دیندار اور متقی ہے۔ گو نومشق ہے۔ مگر نہایت خوشگو ہے۔ دیوان اپنا مرتب کر لیا ہے۔

مولانا محمد گل خاں

قوم لوہانی پٹھان۔ علوم و فنون عربیہ ولایت میں پڑھے۔ اخوند درویزہ کے خلفا میں سے تھے۔ تقریباً اسی برس کی عمر میں رام پور میں بعہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر آئے۔ نواب صاحب نے محلہ راجدوارہ میں ٹیڑھی مسجد جہاں ہے ایک آراضی خرید کر دیدی۔ اب جو مسجد ہے یہ بیٹھک تھی اور جو زنانہ مکان اب ہے وہ زنانہ مکان تھا۔ بیٹھک کو مسجد بنالیا۔ نواب صاحب ڈیڑھ سو روپیہ مہینا دیتے تھے اور کبھی کبھی خود ملنے آتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کو بھی ولایت سے بلا لیا تھا۔ اسی بیٹھک میں درس دیتے تھے۔ رام پور میں انتقال فرمایا اور غریب شاہ کے تکیہ میں دفن ہوئے جواب زیر آب ہے۔ اولاد میں مولوی سعداللہ خاں اور عبداللہ چھوڑے۔ عبداللہ خاں حمداللہ پڑھتے تھے۔ بائیس سال کی عمر میں انکا انتقال ہوا۔

حاجی حافظ مفتی محمد لطف اللہ

ابن حاجی مفتی محمد سعداللہ۔ قوم شیخ بارہ سو چون ہجری میں لکھنؤ میں پیدا ہوے

---

[۱] مجمع الکرامات۔

تاریخی نام ظہر الحق ہے۔ اپنے والد اور دیگر اساتذہ رام پور سے فارسی۔ عربی اور طب پڑھی۔ طلبا کو بھی پڑھایا۔ مدرسہ عالیہ رام پور میں ابتداءً مدرس اول مقرر ہوئے۔ پھر بھوپال میں مہتمم بخشگری ہوئے۔ مفتی محمد سعد اللہ مرحوم کے انتقال کے وقت رام پور آئے۔ تو جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے مفتی صاحب مرحوم کی جگہہ قاضی مفتی۔ اور حاکم مرافعہ مقرر فرمایا۔ نماز عیدین بھی آپ ہی پڑھاتے تھے۔ نہایت پرہیزگار اور شب بیدار تھے۔ اشاعت علوم دینیہ کا عشق تھا۔ مدرسہ انوار العلوم جاری کیا۔ اور اپنے پاس سے بھی بہت صرف کرکے اسکو بنایا۔ شہر کا چندہ بھی اسوقت بہت تھا۔ جب مرافعہ کا کام چھوٹا مدرسہ کی حالت خراب ہوتی گئی۔ مگر وہ برابر مصروف تھے۔ اور مرتے وقت تک جاری رکھا۔ الحمد للہ کہ اب وہ مدرسہ راقم سطور کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ یہ مفتی صاحب کا فیض جاری ہے۔ اور حسن نیت کا نتیجہ ہے معاملات عدالت میں کبھی کسی دباؤ اور وجاہت سے مغلوب نہیں ہوے تمام شہر میں آپ کے انصاف کا چرچا ہے۔ نواب خلد آشیاں بہادر کے انتقال کے بعد آپ کی پنشن ہوئی۔ ربیع الثانی کی اکیسویں تاریخ تیرہ سو اکتیس ہجری (۱۳۳۱ھ) میں دوشنبہ کے دن انتقال ہوا۔ اور شاہ بغدادی صاحب کے مزار میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوے۔ اسوقت مولوی فضل اللہ اور شکر اللہ دو فرزند حیات ہیں۔ اول الذکر نے کتب عربیہ پڑھی ہیں دوسرے فرزند ناخواندہ ہیں آپ کی تصانیف سے حل الدقائق فی تحقیق صبح صادق۔ اور ضمیمۂ فتاواے سعدیہ۔ رسالہ دربیان نکاح سنی بازن شیعہ فارسی۔ یہ اٹھارہ صفحہ کا فتوی قلمی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔ نواب خلد آشیاں بہادر نے لکھوایا تھا۔

مولوی لطف اللہ

حافظ کلام اللہ تھے۔ عیدین اور نماز استسقا کے امام تھے۔ محفلوں میں بلهران

سلہ روزنامچہ مولوی عبد القادر خاں۔

فن سے ہر فن میں مناظرہ کرتے تھے۔ انکی یادگار حافظ عبداللہ تھے ۱۲۱۲ھ میں زندہ تھے۔

ملا لطیف

قوم پٹھان۔ کتب فقہیہ کو جسطرح کہ اساتذہ سے پڑھا تھا اپنی مملوکہ کتابوں کے حاشیوں پر لکھ رکھا تھا۔ زیادہ تر امرا کی صحبت میں رہتے تھے۔ تیرھویں صدی ہجری کی اوائل میں زندہ تھے۔

حافظ مجیب علی تخلص احقر

تذکرہ انتخاب یادگار میں ہو کہ یہ بزرگ اصل میں نگینہ کے رہنے والے تھے پانچ برس کی عمر سے اس ریاست (رام پور) میں آئے۔ قرآن شریف قاری نسیم صاحب سے حفظ کیا اور علم قرأت بھی انسے سیکھا۔ علوم درسیہ مولوی حافظ سید علی دہلوی سے پڑھے۔ مولانا محمد رفیع الدین دہلوی کے مرید ہوے کبھی کبھی فارسی شعر کہتے تھے۔ اور مولوی حافظ سید علی کو کلام دکھاتے تھے۔ پچاسی برس کی عمر ہوئی۔ ربیع الآخر کی چودھویں تاریخ بارہ سو پچھتر (۱۲۷۵ھ) میں انتقال کیا۔

راقم نے ان کے دیکھنے والوں سے سنا کہ خوب لحیم وشحیم آدمی تھے۔ رنگ کھلا ہوا گندمی اور چہرہ پر ہلکے چیچک کے داغ تھے۔ ہمیشہ نماز تہجد سے صبح تک تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے۔ انکے کثرت سے شاگرد تھے۔ علوم عربیہ پڑھاتے تھے۔ چرخ والی مسجد کے حجرہ میں رہتے تھے۔ شاگرد بھی خدمت کرتے تھے۔ اور چلنپلی ورناس بنوا کر فروخت کرتے تھے اُس سے زندگی بسر ہوتی تھی۔ سال میں ایک بار نگینہ کو بھی جایا کرتے تھے۔ مولانا جمال الدین صاحب کے مقبرہ احاطہ واقع بریلی دروازہ میں دفن ہیں۔

حکیم محب علی خاں

ولد مولوی عبد علی عباسی ساکن امروہہ ضلع محلہ کوٹ۔ امروہہ میں چہارشنبہ

سلہ روزنامچہ مولوی عبد القادر خاں۔

کے دن آٹھویں رجب کو بارہ سو اکیس ہجری (۱۲۲۱ھ) میں پیدا ہوئے۔
فارسی حاجی محمد مہدی اکبرآبادی سے اور عربی مفتی شرف الدین رام پوری
سے پڑھی۔ طب میں حکیم محمد عنایت اللہ خاں ساکن امروہہ کے شاگرد تھے۔
امروہہ کے ذی عزت رؤسا میں شمار تھا۔ جائداد کثیر تھی مگر رام پور میں
مستاجری کی بدولت اور اخراجات کثیر کی وجہ سے سب تلف ہوگئی۔ ریاست
رام پور سے حقوق دیرینہ کی وجہ سے تیس روپے ماہانہ وظیفہ بلا خدمت ملتا تھا۔
راقم کے والد سے نہایت دوستی تھی۔ میرے ہی مکان پر فروکش ہوتے تھے۔
مولانا شاہ عبدالرحمن نقشبندی مجددی شاہ جہاں پوری سے بیعت تھے۔
تہجد کے پابند تھے۔ نہایت خلیق اور با مروت تھے آخر عمر میں بینائی جاتی رہی
تھی۔ ایام غدر میں ریاست رام پور کی طرف سے پرگنہ امروہہ کا انتظام آپکے سپرد تھا۔
ایک مختصر تاریخ موسومہ آئینۂ عباسی فارسی میں لکھی ہے۔ جو طبع ہوگئی ہے۔
شعبان کی چودھویں تاریخ تیرہ سو تیئیس ہجری (۱۳۲۳ھ) میں امروہہ میں
انتقال فرمایا اور حیات خاں والے باغ میں دفن ہوئے۔
مولوی غلام صادق خاں۔ مولوی حافظ غلام نبی خاں اور مولوی غلام قاسم خاں
تین صاحبزادے تھے سب کا انتقال ہوگیا۔

مولوی سید محبوب علی

ابن مولوی سید رستم علی۔ رام پور میں سنہ بارہ سو بارہ ہجری (۱۲۱۲ھ) میں
پیدا ہوئے۔ علوم و فنون فارسی و عربی اپنے والد سے حاصل کئے۔ سترہ سال کی
عمر میں معقول و منقول علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ
شروع کردیا۔ مراد آباد میں شاہ بلاقی صاحب کے خاندان میں شادی ہوئی۔
اسلیے مراد آباد میں رہنے کا زیادہ اتفاق ہوتا تھا۔ اپنے والد سے بیعت ہوئے

اورا جازت پائی۔ مراد آباد کی رستم خاں والی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد وعظ فرماتے تھے۔
بیان میں خاص تاثیر تھی۔ جناب سید احمد علی خاں صاحب بہادر (۱۲۲۵ھ تا ۱۲۵۶ھ)
کے عہد میں رام پور میں مفتی عدالت بھی رہے۔ اہلِ معاملہ کے ہاں پان بھی نہیں کھاتے
تھے۔ صاحبزادۂ عباس علی خاں بہادر کا بیان تھا کہ جب ہم دہلی میں رہتے تھے۔
تو مولانا صاحب اتفاقاً دہلی تشریف لے گئے ہم نے ان سے مسجد جامع دہلی میں
وعظ کہلوایا۔ آپ کے بیان سے اکثر لوگ بیہوش ہو گئے۔ لوگوں کا بیان تھا
کہ شاہ عبد العزیز کے ہم پلہ بیان ہے۔ مولوی غلام نبی رام پوری کا بیان ہے کہ میں
اکثر آپ کے وعظ میں شریک ہوتا تھا۔ اول قاری سے تلاوت قرآن کراتے۔
پھر خود تلاوت کرتے۔ پھر ترجمہ لفظی بیان کرکے قواعد صرفیہ اور نحویہ کی بحث بیان
کرتے۔ اس کے بعد مفسرین کے بیان اور احادیث کا ذکر کرتے۔ اور پھر فقہ کے
اصول اور اختلافات ائمہ اربعہ کی وجوہ بیان کرتے۔ اور اخیر میں صوفیہ کے مسلک
کو بیان کرتے تھے۔ آپ کی تحقیق یہ تھی کہ جمعہ ایک شہر میں ایک ہی جگہ ہونا چاہیے۔
آپ لکھنؤ گئے شاہ پیر محمد کے ٹیلہ پر شیخ علی محمد اور حافظ حیات اللہ کے مکان پر مقیم تھے۔
سنہ ۱۲۶۰ھ میں آپ سے مفتی سعد اللہ مرحوم نے مناظرہ کیا تھا۔ علمائے فرنگی محل بھی جمع
تھے اسکی حالت آپ کے فرزند مولوی شاہ علی مرحوم نے اپنی کتاب ازالۃ الفرقہ در رد
اشاعۃ الجمعہ کے اخیر میں شایع کرائی ہے مراد آباد میں سل کے عارضہ سے ربیع الاخریٰ
کی بارھویں تاریخ سنہ بارہ سو چونسٹھ ہجری (۱۲۶۴ھ) میں انتقال فرمایا۔ باون سال
کی عمر ہوئی۔ اور مسجد قلعہ رستم خاں والے کے متصل احاطہ میں دفن ہوئے۔
مولوی شاہ علی آپ کے فرزند رشید تھے آپ کی تصنیف سے منتخب النفائس مطبوعہ
مطبع نظامی سنہ ۱۲۸۰ھ لغت اردو میں ہے اردو لغت کو پہلے لکھکر پھر فارسی اور عربی
معنے لکھے ہیں۔ اسکے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ انفس النفائس لغت کے مؤلف نے

نفائس اللغات مولفۂ مولوی اوحدالدین بلگرامی سے سرقہ کیا ہے۔ یہ کتاب امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے نام پر معنون کی ہے۔

میاں محبوب شاہ

یہ ایک مجذوب تھے۔ کسی کو تکلیف نہ دیتے تھے۔ نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے قلعہ کے دروازہ پر بلاسنامی بھوجن کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ نواب صاحب کی ملازمہ گجیا کے گھر میں بھی بے پردہ جایا کرتے تھے۔ قلعہ کے سامنے ہی بارود خانہ سرکاری تھا۔ ۷۔ جمادی الآخر ۱۲۷۱ھ کو گجیا کے مکان میں گئے اور کاغذ کے ذرا ذرا سے ٹکڑے جابجا دیواروں پر تھوک سے چپکانے لگے۔ گجیا نے دریافت کیا کہ میاں کیا کر رہے ہو۔ غصہ سے کہا کہ اگر یہ نہو گا تو حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ اُسی دن عصر اور مغرب کے درمیان میں بارود خانہ میں اتفاقیہ آگ لگ گئی۔ قلعہ کے سب مکان پھٹ گئے۔ مگر گجیا کے مکان پر آنچ نہ آئی اس آفت سے بہت سے مکان مسمار ہو گئے۔ زخمیوں کا تو شمار نہیں جو نسٹھ آدمی مرگئے۔ میاں محبوب شاہ کو اُن کی وصیت کے موافق بیرون شہر دفن کیا۔ بڈن صاحب والے بنگلہ کے متصل جو چند پختہ قبریں خاص باغ میں ہیں اُنہیں اُنکا بھی مزار ہے۔

مولوی محمد

قوم پٹھان۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے صغر سنی میں ان کو دیکھا تھا فقہ میں انکی ایک کتاب کتابخانۂ ریاست میں موجود ہے۔ انکا انتقال بارھویں صدی ہجری کے اخیر میں غالبًا ہوا۔

مولوی محمد حسن خاں عرف مولوی مٹھو

خلف اکبر مولوی حافظ غلام محی الدین خاں ابن مولوی حافظ محمد جاں خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور چچا سے علوم عربیہ حاصل کئے۔ نہایت

ذکی اور ذہین تھے۔ طلبا کو پڑھاتے تھے۔ کچھ دنوں وکالت بھی کی پھر بدایوں
چلے گئے۔ صاحبزادہ محمد یوسف خاں اور انکے بیٹے صاحبزادہ محمد نبی خاں بیرون والے
اور صاحبزادہ عبدالرحمٰن خاں کو بھی پڑھایا تھا بدایوں سے رام پور آکر (۱۳۰۵ھ)
سنہ تیرہ سو پانچ ہجری میں انتقال ہوا اور محلہ پھلوار کے قبرستان میں دفن ہوئے۔
بڑے بیٹے عبدالرشید خاں ضلع بدایوں میں انسپکٹر پولس تھے۔ اب پنشن پاتے ہیں۔
(۱۳ ستمبر ۱۹۱۵ء)۔

مولوی مرزا محمد احمد

ولد مرزا محمد حسن ولد مرزا غلام باسط ولد مرزا محمد اکرم آشنا۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔
یہیں علوم درسیہ فارسی اور عربی کی تکمیل کی۔ پنجاب یونیورسٹی میں منشی فاضل کا
امتحان پاس کیا۔ کچھ دن رام پور میں ملازمت کی اور اب کہ بارہ سو چونتیس ہجری
(۱۳۳۴ھ) میں سری نگر گڑھوال میں ہیڈ مولوی ہیں۔

مولوی حکیم محمد اسحٰق خاں عرف مسیح الدین

ولد حکیم مولوی فیاض خاں ولد مولوی عبداللہ اخوند قصبہ بلاسپور تحصیل ریاست
رام پور وطن ہے۔ ابتدائی کتب صرف ونحو وغیرہ اپنے والد سے پڑھیں۔ ذہین اور
طباع بہت تھے۔ اپنی کوشش اور رسائی ذہن سے خوب علمی ترقی کی۔
اپنے والد کے انتقال کے بعد مدت تک سیاحی کی۔ شیخ احمد ابن علی افندی خادم
حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طریقہ چشتیہ وقادریہ میں خلافت پائی۔
کچھ دنوں ریاست بانسواڑہ میں اور ریاست علی راج پور میں بعزت ملازمت کی۔
وہاں سے ریاست ڈونگر پور میں مہاراجہ اودے سنگھ جی کے پاس ملازم رہے۔
پھر وہاں سے بھی ترک ملازمت کرکے دنیوی تعلقات چھوڑ کر رام پور میں گوشہ نشین
ہو گئے۔ اخیر عمر میں سلب امراض میں خوب دسترس ہو گئی تھی۔ آپ کے مریدین

ملک میواڑ میں بکثرت ہیں۔ جمعہ کے دن شوال کی پہلی تاریخ تیرہ سو چھ ہجری (۱۳۰۶ھ) میں رام پور میں انتقال فرمایا۔ بخشی کے گھر میں آپ کا خام مزار بموجب وصیت موجود ہے حکیم محمد امین خاں۔ حکیم محمد مشتاق خاں اور حکیم محمد اشفاق خاں تین فرزند یادگار چھوڑے۔

حکیم مولوی محمد اسمٰعیل خاں

ولد حکیم مولوی محمد فیاض خاں ولد مولوی عبداللہ اخوند ساکن قصبہ بلاسپور تحصیل رام پور۔ فن طب کے ماہر ہیں۔ درویشی کی طرف بھی توجہ ہے۔ مولانا محمد شیر پیلی بھیت والوں سے خلافت پائی۔ کبھی کبھی نظم بھی لکھتے ہیں۔ اپنے بھائی حکیم مولوی محمد یوسف خاں سے اصلاح لیتے ہیں۔ متوکلاً علی اللہ علاج مرضا میں مصروف ہیں آپ کی تصانیف میں سے مجربات اسمٰعیلی فارسی فن طب میں۔ رسالہ متعلق تعویذ۔ اور رسالہ طریقۂ قادریہ کے متعلق اردو زبان میں ہیں۔ آپ کے دو لڑکے حکیم عبدالباقی خاں و عبدالجلیل خاں ہیں اور مطب کرتے ہیں۔

حکیم محمد اشفاق خاں

ولد حکیم محمد اسحاق خاں عرف مسیح الدین ولد حکیم مولوی محمد فیاض خاں ساکن قصبہ بلاسپور تحصیل ریاست رام پور تیرہ سو ایک ہجری (۱۳۰۱ھ) میں پیدا ہوئے مختلف مقامات میں پھر کر علم حاصل کیا۔ طب میں خوب مہارت ہے۔ اپنے چچا حکیم مولوی یوسف خاں سے بھی استفادہ کیا۔ اور مولوی صاحب موصوف کے داماد بھی ہیں۔ طب میں تشخیص اور تجویز بہت اچھی ہے اپنے خسر کی عدم موجودگی میں ان کے مطب میں بھی مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ لڑکپن میں مولوی محمد ابراہیم کراچوی نقشبندی سے بیعت کی پھر طریقۂ نقشبندی مجددی قادری میں اپنے چچا اور خسر سے بیعت کی اور خلافت پائی۔ قاری اور خوش آواز ہیں۔ وعظ بھی

فرماتے ہیں۔ ریاست جاورہ جوناگڈھ۔ بالاسندور۔ اور ڈونگرپور میں آپ کے
وعظ کی شہرت ہے۔ نعتیہ نظم بھی لکھنے کا شوق ہے۔ مولوی محمد یوسف خاں اپنے چچا سے
اصلاح لیتے ہیں مثنوی ہدایات عجیب فارسی متعلق تصوف۔ فالنامہ قرآنی
منظوم اُردو۔ ترجمہ دعائے سریانی منظوم اُردو۔ مفتاح ابواب الرزق والفتوحات۔
میلاد شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مثنوی شرح روایت استن حنانہ منظوم
اُردو منقبت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نظم و نثر۔ دیوان اشفاق فارسی۔
دیوان اشفاق اردو۔ آپ کی تصانیف سے ہیں۔ ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں۔

حکیم محمد امین خاں

ولد حکیم محمد اسحٰق خاں عرف مسیح الدین ولد حکیم مولوی فیاض خاں ساکن قصبہ
بلاسپور تحصیل رام پور۔ اپنے بھائیوں میں اعلیٰ درجہ کے نباض اور طبیعت کے
ذہین تھے۔ اوائل عمر میں ریاست ڈونگرپور میں باختیارات مجسٹریٹی تھانہ دار تھے۔
پھر ملازمت ترک کر کے متوکلانہ زندگی نیکنامی سے بسر کی۔ اُنیس سو چھ عیسوی
(سنہ ۱۹۰۶ء) میں جاورہ میں انتقال کیا۔ اور وہیں نہر کے کنارہ قبرستان میں
دفن ہوئے۔ ایک فرزند محمد ابراہیم خاں نامی تھا اسکا بھی انتقال ہوگیا۔

حکیم محمد اباز خاں

ولد عبداللہ اخوند۔ ولد مولوی بشارت اللہ اخوند قصبہ بلاسپور تحصیل رام پور میں
پیدا ہوئے۔ طب میں مہارت کامل تھی۔ بلاسپور ہی میں انتقال ہوا۔

مولوی حافظ محمد جان خاں

قوم کے پٹھان۔ افغانستان سے دہلی میں آکر مقیم ہوئے۔ کسی تقریب سے
جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر عرش منزل سے بھی ملاقات ہوگئی
نواب صاحب اہلِ علم کے عاشق تھے آپکی تبحر اور زہد کو دیکھکر سو روپے ماہانہ

بلا ملازمت مقرر کر کے رام پور لے آئے۔ شہر کے طلبا کو رات دن پڑھاتے تھے سے کام تھا۔
جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں (۱۲۱۹ھ تا ۱۲۵۶ھ) انتقال ہوا۔
مدفن کی جگہ معلوم نہیں ہوئی۔ مولوی غلام محی الدین خاں۔ مولوی وجیہ الدین خاں
اور مولوی قمر الدین خاں تین لائق فرزند یادگار چھوڑے۔

حکیم محمد مجتبیٰ خاں

ولد حکیم محمود خاں ابن محمد اکبر خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ معقول اور منقول کی
کتابیں علمائے لکھنؤ اور علمائے رام پور سے پڑھیں۔ تحصیل علوم کے بعد ضلع گورکھپور
میں منصف ہوگئے۔ غدر کے بعد ترک ملازمت کر کے ایک لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے
پیلی بھیت میں لکڑی کی تجارت شروع کی۔ اور طبابت بھی کرتے تھے۔
تقریباً بارہ سو پچانوے ہجری (۱۲۹۵ھ) میں پیلی بھیت میں انتقال کیا
اور وہیں دفن ہوئے۔

حافظ محمد رضا خاں

ولد حافظ محمد عمر خاں محدث قوم افغان ساکن محلہ کھنڈسار کہنہ ۱۲۶۵ھ میں
رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے اول قرآن شریف حفظ کیا۔ صرف و نحو
مولوی حافظ غلام نبی ساکن محلہ پیلا تالاب سے۔ معقول۔ فقہ۔ اصول فقہ۔
تفسیر۔ فرایض۔ عروض۔ ادب۔ فصاحت و بلاغت کی کتابیں مولوی محمود عالم
ساکن محلہ باغ کرم خاں سے اور علم ہندسہ اور چند کتب معقول مولوی عبد العلی
خاں ریاضی داں سے پڑھیں۔ چرخ والی مسجد رام پور میں بہت دنوں تک
درس دیا۔ عربی کے کل علوم کے کامل تھے۔ مگر فقہ و اصول فقہ اور صرف و نحو
میں بے مثل تھے۔ کتب فارسی بھی رام پور میں تمام و کمال حاصل کی تھیں۔ عابد
زاہد۔ متقی۔ اور پرہیزگار تھے۔ اپنے والد سے بیعت بھی تھے۔ شوال کی

پانچویں تاریخ تیرہ سو پندرہ ہجری (۱۳۱۵ھ) میں لاولد انتقال فرمایا۔ اور اپنے والد کے مزار کے متصل محلہ کھنڈسار کہنہ میں دفن ہوئے۔ غفرلہ مادہ تاریخ ہے۔

صاحبزادہ محمد رضا خاں

ابن حافظ محمد مجتبیٰ خاں ابن حافظ محمد ضیا خاں یا قتح ابن محمد اکبر خاں ابن حافظ الملک حافظ رحمت خاں بڑیچ حافظ خیل۔ رام پور میں بارہ سو اڑسٹھ ہجری میں (۱۲۶۸ھ) پیدا ہوئے۔ فارسی کتابیں مولوی زین الدین اعظم گڈھی سے عربی صرف ونحو مولوی جمال شاہ خاں سے معقول مولوی نورالنبی سے پڑھی حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت بھی اللہ نے عطا کیا۔ ثروت اور دولت بھی پائی۔ نوجوانی میں ہوا دار میں سوار ہوکر نکلتے تھے۔ آٹھ دس نوکر ساتھ ہوتے تھے۔ عیش وعشرت کا بازار گرم تھا۔ سید محمد مشتاق صاحب ابن سید محمد جمال شاہ صاحب سے بیعت ہوئے۔ جذبۂ الٰہی غالب آیا۔ سب عیش پر خاک ڈالی ہوئے کپڑے پہن کر مرشد کے دروازہ پر جا پڑے۔ جو شخص کہ ہوادار میں آٹھ دس ملازموں کے گروہ میں نکلتا تھا۔ اسکی یہ حالت دیکھی کہ کمل اوڑھے ہوئے۔ مرشد کے گھر کا سودا گلی گلی خریدتا پھرتا ہے۔ برسوں اسی محنت اور مجاہدہ میں سرگرم رہے۔ آخر عمر میں معمولی لباس اختیار کیا۔ سر پر عربی عمامہ۔ لمبا کرتہ اور صدری۔ حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ امور خیر میں سعی سے دریغ نہ تھا۔ مدرسہ انوار العلوم رام پور کے بڑے سرپرست تھے۔ سفارش کے لئے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ ۱۲۔ جمادی الاولیٰ کو سنہ تیرہ سو چوالیس ہجری (۱۳۴۴ھ) میں یکشنبہ کے دن انتقال ہوا اور مولانا جمال الدین کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے۔

مفتی محمد زبیر

جناب[1] نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب کے عہد میں (۱۲۰۸ھ تا سنہ ۱۲۰۸ھ) تھے

---

[1] روزنامچہ عبدالقادر خاں۔

برسوں مفتی رہے۔ اور تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ خوب تیز ذہن تھے۔ اور فن فقہ میں مشق کامل تھی۔ جب چاہتے مدعی کے دعوے کو دلائل شرعیہ سے باطل کر کے مدعا علیہ کے مفید مطلب امور ثابت کر دیتے۔

مولوی حکیم حافظ محمد حسن خاں تخلص نیر

ولد حکیم مولوی علی حسین خاں مرحوم شیخ صدیقی لکھنؤ جوہری محلہ وطن ہے۔ ۲۴۔ محرم ۱۲۶۸ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ طفلی سے آثار رشد و سعادت پیدا تھے۔ گیارہ برس کی عمر میں تمام و کمال قرآن شریف حفظ کر کے محراب سنائی۔ کتب ابتدائی فارسی و حساب و صرف و نحو و مشق تحریر مفردات اور مرکبات سے حفظ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ فراغ حاصل کیا۔ اب باقاعدہ عربی تعلیم شروع ہوئی۔ کئی ملازم استاد رکھے گئے۔ والد ماجد نے بھی پڑھایا۔ ابتدائے فنون کی تکمیل کے بعد مشاہیر علما سے استفادہ شروع کیا۔ حافظ حاجی قاری احمد علی خاں لکھنوی سے جنکی قرآن خوانی اور قرأت کی شہرت تھی تجوید سیکھی یہ بزرگ غدر میں مہیت مئو میں شہید ہوئے۔ مولوی منشی ہادی علی خوشنویس و نثار اور مرزا رجب علی سرور مصنف فسانہ عجائب سے فارسی نظم و نثر کی تکمیل کی۔ مولوی حکیم احمد سعید تلمیذ حکیم علی حسین خاں مرحوم۔ مفتی محمد سعد اللہ۔ مولوی الٰہی بخش مرحوم فیض آبادی مصنف تحفۂ شاہجہانیہ اور مولوی خادم علی مرحوم فرنگی محلی سے کتب معقول و منقول پڑھیں۔ موجز سے لیکر قانون شیخ تک علی وجہ الکمال طب کی کتابیں اپنے والد اور اپنے چچا حکیم نبا صاحب لکھنوی سے پڑھیں۔ اور دونوں صاحبوں کے مطب سے فیض کامل حاصل کیا۔

بحالت قیام رام پور میاں حسن شاہ محدث رام پوری سے بعمر ۲۰ سال صحاح ستہ من اولہ الی آخرہ پڑھیں۔ عروض و قافیہ میں بھی دستگاہ تھی۔ شعر گوئی کا بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ذوق تھا جس وقت آپ کے والد ماجد اول ۱۲۸۸ھ

سفر حجاز کو روانہ ہوئے۔ اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ اُسی عمر سے مستقل مطب شروع کر دیا۔ ایسی شہرت ہوئی کہ ہندو اور مسلمان سب نے رجوع کیا۔ نواب شرف الدولہ سید ابراہیم علی خاں بہادر وزیر شاہی نے اپنا معالج بنایا اور تنخواہ مقرر کر دی۔ اسی طرح امرائے شہر اور تعلقداران کی آپکی طرف بہت رجوع تھے۔ غدر کے بعد نواب فردوس مکاں جب کلکتہ سے واپس تشریف لائے۔ تو تقریب شادی صاحبزادہ حیدر علی خاں صاحب بہادر مرحوم آپ کو یاد کیا کہ پیدل سپاہی دو سوار رجو بیس کہار۔ دو رتھیں دو گاڑیاں رام پور سے بھیجیں اور حسب الحکم آپ رام پور کو مع اہل و عیال آئے۔ اور زمرۂ معالجین خاص میں تقرر ہوا۔ ابتدائے عہد نواب خلد آشیاں میں اپنے والد کے ہمراہ بعض وجوہ سے رام پور سے چلے گئے تھے۔ محمد علی بخش خاں مرحوم نے اپنے علاج کے لئے نواب خلد آشیاں سے بلانے کے لئے عرض کیا اور دونوں صاحب آکر بدستور ملازم ہو گئے۔ آپ کی تنخواہ تین سو روپے ماہانہ تھی۔ آپ نے حضرت شاہ عبد الرزاق فرنگی محلی سے قادریہ میں اور حضرت سید امیر شاہ رام پوری سے چشتیہ میں اور حضرت شاہ امین الدین لکھنوی سے نقشبندیہ میں بیعت کی۔ آپکی عمر پندرہ سال کی تھی کہ آپ نے اپنے والد کے اساتذہ کے معیت سے شرح قانون شیخ رئیس علی گیلانی اور محمود آملی کو ۱۲۶۴ھ میں الشرح نام رکھکر مطبع علوی میں طبع کرایا۔ بینتالیس سال کی عمر سے امراض مختلفہ پیدا ہوئے اکاون برس کی عمر میں وجع الفواد ہوا مگر زائل ہو گیا۔ دس مہینے کے بعد دوسرا دورہ ہوا اور اُسکے صدمہ سے دوشنبہ کی رات میں ذیقعدہ کی سولھویں تاریخ علیل ہوئے۔ اور سہ شنبہ کی آخر شب میں ذیقعدہ کی سترھویں تاریخ سنہ ۱۳۰۱ھ میں انتقال کیا۔ دن کے دس بجے مسجد جامع رام پور میں نماز ہوئی۔ اور حضرت شاہ جمال اللہ صاحب کے مزار کے باہر متصل مقبرہ جنرل علی اصغر خاں مرحوم دفن ہوئے۔ مادۂ تاریخ رحلت یہ ہے

ع وہ کہ برآسماں مسیحا رفت۔
اولاد ذکور میں مولوی حکیم حافظ احمد حسن صاحب علم وفضل اور منشی انوار الحسن وحکیم ظہیر الحسن سلمہا موجود ہیں۔

مولوی محمد حسن

بن قاضی غلام مصطفیٰ بن ملا محمد اسعد خلف اکبر ملا قطب الدین سہالوی شہید ملا نظام الدین لکھنوی کے بھتیجے اور شاگرد رشید عالم متبحر تھے اور فہم بہت اچھا تھا۔ کل علوم میں دستگاہ تھی خصوصاً منطق وحکمت میں تو کامل تھے۔ چھپن برس تک لوگوں کو پڑھایا۔ اسی برس کی عمر میں ماہ صفر ۱۱۹۹ھ (یکہزار یکصد ونود ونہ) میں رام پور میں انتقال کیا۔ محلہ مدرسہ میں نواب محمد علی خاں کے مقبرہ میں دفن ہے۔
ان کی بہت سی تالیفیں ہیں منجملہ ان کے حاشیہ میرزاہد۔ وحاشیہ میرزاہد ملا جلال وشرح سلم۔ وحواشی صدرا۔ شرح مسلم الثبوت تا مبادی الاحکام معارج العلوم منطق میں۔ غایۃ العلوم طبعی میں۔ حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ صدر الدین شیرازی حاشیہ شمس بازغہ۔ حواشی زواہد ثلثہ مشہور ہیں۔
ایک[1] زمانہ میں دہلی گئے۔ وہاں سے پلٹ کر فرنگی محل میں رہے۔ ایک فساد عظیم کی وجہ سے روہیلکھنڈ کو چلے آئے۔ اور بعہد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خانصاحب بہادر محلہ مدرسہ میں قیام کیا۔ رام پور میں ایک نکاح کیا جس کے دو لڑکے مولوی عبداللہ ومولوی عبدالرزاق پیدا ہوئے۔ تیسری بیوی سے غلام دوست محمد لڑکا پیدا ہوا جنکے لڑکے مولوی غلام محمد ومولوی غلام ذکریا۔ بنارس میں گورنمنٹ انگریزی کے ملازم ہیں۔ اور اچھے عہدوں پر ہیں۔ انکے شاگردوں میں مولوی مبین لکھنوی ومولوی عماد الدین لبکنی مشہور ہیں۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔

مولوی محمد حیات تخلص حیاتؔ

ولد سید احمد خاں اخوند قوم افغان قدرزی حسب۔ سید نسب مولوی صاحب کی
ماں کمال زی۔ اور نانی سیدانی تھیں۔ رام پور کے محلہ لال مسجد میں اپنے والد کے
مکان میں سنہ گیارہ سو ننانوے ہجری (سنہ ۱۱۹۹ھ) میں پیدا ہوے۔ کوکب رخشاں
تاریخ ولادت ہی۔ عبد الحق خاں حقی وصفا ان کے نواسے کا بیان ہی کہ سحاب خانصاحب
کے مرید تھے۔ ابتدائے عمر میں تحصیل علم فارسی و عربی و فقہ و اصول رام پور کے
علما سے مثل مفتی شرف الدین و مولوی غلام جیلانی رفعتؔ وغیرہ کی صرف نحو
مولوی عبد الرحمن پنجابی سے پڑھی۔ پھر مراد آباد جاکر مولوی سید محبوب علی سے
علوم عربیہ حاصل کیے۔ اُردو کی شاعری کے شوق میں دہلی جاکر ذوق کے شاگرد
ہوے۔ ابتدا میں گویاؔ تخلص تھا۔ کلام عشقیہ جمع نہیں کیا۔ اسکا کچھ پتا نہیں ملتا ہی
پھر حیاتؔ تخلص اختیار کیا۔ کلام نعتیہ اردو فارسی دو جلدوں میں مدون تھا۔ ایک
مثنوی اُردو نعت میں مسمّیٰ بہ گلشن نور بھی لکھی تھی۔ سب کلام سرقہ میں ضایع ہو گیا۔
کلام نعتیہ لوگوں کی زبانوں پر موجود ہی۔ محلہ نالہ پار کی مسجد میں تنہا شب و روز
رہتے تھے۔ قرآن شریف اور درود شریف کا ورد تھا۔ ہر مہینے میں خواب میں زیارت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے تھے۔ انکے نواسے عبد الحق خاں کا بیان ہی
کہ درود مجھے بھی بتایا تھا۔ بارہ سال کی عمر میں میں نے اسکو پڑھا تھا۔
دو بار زیارت سے مشرف ہوا۔

مولانا مجالس میلاد شریف میں نہایت محبت سے شریک ہوتے تھے۔
بیسویں رمضان المبارک سنہ بارہ سو اکیاسی ہجری (سنہ ۱۲۸۱ھ) میں جمعرات کے
روز شب میں انتقال کیا اور مسجد ہی کے حجرہ میں دفن ہوے۔ جہاں کہ رہا
کرتے تھے۔ جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے

مزار پختہ بنوا دیا ہو انتخاب یادگار ہیں تاریخ رحلت بارہ سو تاسی ہجری لکھی ہی۔

ملا محمد حسن

یہ صاحب محلہ گنج میں کمہاروں کی مسجد میں رہتے تھے۔ بہت عمر پائی سو برس سے متجاوز عمر ہوئی۔ صاحبزادہ مہدی علی خاں صاحب بہادر انکے شاگرد تھے۔ اور وہی ان کے کفیل تھے مفتی محمد سعد اللہ۔ میاں حسن شاہ محدث۔ حافظ غلام نبی۔ اور مولانا محمود عالم۔ اور اکثر علماے رام پور نے ان سے صرف و نحو پڑھی تھی۔ تقریباً ساٹھ سال ہوے کہ انتقال کیا۔

شاہ محمد حسن صابری

ولد حکیم حافظ عبد اللہ حضرت عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اولاد سے اور حضرت ملا فقیر اخوند قدس سرہٗ کے بھائی کے پر پوتے ہیں۔

فن جراحی میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ چند بار رام پور میں امتحان ہوا کہ ڈاکٹروں نے پھوڑے میں ریم کا پیدا ہونا تسلیم نہ کیا۔ مگر آپ نے آنکھ پر پٹی باندھکر ریم کی جگہ انگلی رکھدی۔ اور شگاف ہونے پر ریم نکلی طریقت میں حضرت میاں امیر شاہ قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ بہت سے مرید شب و روز حاضر رہتے تھے۔ شب کو ذکر جہر ہوتا تھا اُس محلہ کے اکثر آدمی اس ذکر کی بدولت تہجد گزار ہو گئے۔ اُردو شاعری کا بھی ذوق تھا۔ پہلے اپنے ماموں حکیم محمد حنیف رضا سے پھر اپنے پیر و مرشد سے اصلاح لی۔ رسالہ اسرار احدیت بزبان فارسی کلمۂ طیبہ کی شرح میں ۱۳۰۳ھ میں لکھا تھا۔ مطبع حسینی رام پور میں ۳۰ صفحہ پر طبع ہوا ہی۔ اس کے علاوہ حقیقت گلزار صابری اور تواریخ آئینہ تصوف بھی آپ کی تصنیف سے ہیں۔ جمعہ کے دن تہجد کے وقت ۲۰ شعبان ۱۳۱۳ھ سنہ تیرہ سو تیرہ ہجری کو انتقال ہوا اور اپنی خانقاہ میں دفن ہوے۔

مولوی محمد حسن خاں تخلص شیدا

ولد محمد یوسف خاں ۔علوم کی تحصیل کا حال نہیں معلوم ہوا۔ بارہ سو انتیس ہجری (۱۲۲۹ھ) میں مولوی سید احمد صاحب کے ساتھ جہاد کیا۔ وہاں سے واپس آکر مکہ معظمہ کو گئے۔ ایک عرصہ تک وہاں حاضر رہے ۔پھر وطن کو واپس آئے۔ بارہ سو بیاسی ہجری میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ احمد خاں غفلت کے شاگرد تھے۔فارسی اور اردو دونوں میں نظم لکھتے تھے۔ اردو کلام کا نمونہ تذکرہ شمیم سخن میں موجود ہے۔
تفسیر فتح العزیز سورہ تبارک کا ترجمہ غالبًا آپ ہی کا ہے۔یہ ترجمہ فارسی سے آپنے بموجب فرمائش محمد علی بن محمد حسین روگھی رئیس بمبئی ۱۲۶۲ھ میں کیا تھا۔ اور اول اول مطبع محمدی میں چھپا۔پھر مطبع نظامی میں ۱۲۸۰ھ میں طبع ہوا۔

مولوی محمد حسین خاں

ولد کمال خاں قوم باجوڑی۔ جامع معقول و منقول تھے۔ مولوی محمد علی حافظ شبراتی۔ سید احمد اخوند وغیرہم سے عربی علوم پڑھے۔ فارسی میں عظیم خاں سے تلمذ تھا۔ چالیس سال کے سن میں بارہ سو اٹھتر ہجری میں (۱۲۷۸ھ) میں انتقال ہوا اور پیلے تالاب پر مسجد کے پاس دفن ہوے۔مولوی عبدالحق حقی وصفا کے حقیقی ماموں تھے۔حقی نے فارسی اور معقول کی کتابیں اُنسے پڑھی تھیں۔ مولوی محمد نیب خاں مرحوم کے حقیقی ماموں تھے اور ابتدائی تعلیم مولوی نیب خاں نے انہیں سے حاصل کی تھی۔

مولوی محمد روشن

ان کے بزرگ موضع تادریہ علاقہ بھرت پور کے رہنے والے تھے۔ جو انگریزی عملداری میں ہے۔ خود انکے بود و باش دگانوں کا نام نہیں پڑھا گیا۔) ہے یہ مقام فیض محمد خاں فرزند نجابت علی خاں بطریق کی مدد معاش میں دیا گیا ہے وہاں سے طلب علم میں

سلہ تذکرۂ شمیم سخن۔ ںلہ روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں۔

غوث گڑھ گئے (ضلع مظفر نگر) اور پھر رام پور آئے۔ مولوی احمد خاں اور مولوی سلام اللہ سے چند کتابیں بطور تبرک پڑھیں۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ ایسے ذہن اور حافظہ کا آدمی ابھی تک نہیں دیکھا۔ بے تعلیم استاد اکثر چیزوں کو جیسا کہ چاہیے جانتے تھے اور سب کے ساتھ مثل برادروں کے بے تکلف رہتے تھے۔ یہ زمانہ تیرھویں صدی ہجری کی ابتدا کا ہے۔

مولوی محمد سعید خاں

نبیرہ مولوی مغل خاں۔ اخون خیلوں کے محلہ میں رہتے تھے۔ رام پور میں پیدا ہوئے یہیں علوم معقول و منقول حاصل کئے۔ عربی کے بڑے فاضل تھے۔ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ تمام فنون درسیہ میں مناسبت تھی۔ نظم و نثر میں بھی قدرت تھی کلکتہ جاکر انگریزی زبان میں بھی کمال حاصل کیا مفتی شرف الدین کے داماد تھے۔ برٹش گورنمنٹ میں منصف تھے۔ قانونی محکمہ میں بھی بہت کام کیا اخون خیلوں کے محلہ میں مہدی علی خاں ٹھیکہ دار کے مکان کے سامنے والی دونوں مسجدیں آپ ہی نے بنوائیں۔ بحالت ملازمت برٹش گورنمنٹ فتحپور ہسوہ میں انتقال کیا۔ اور وہیں سید شاہ راجی قدس سرہٗ کے مزار میں دفن ہوئے۔ مولوی امان علی احمد آبادی خلف حکیم شیر علی نے بھی کتب مطولات آپ سے پڑھی تھیں۔

ملا محمد سواتی

مولانا غلام جیلانی رفعت کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ کتب فقہ پر اچھی طرح عبور تھا۔ درس و تدریس انکے مکان پر ہوتا تھا۔ حدیث اور فقہ میں اچھی مہارت تھی۔ محلہ راجدوارہ میں جو اونچا محلہ کہلاتا ہے۔ وہ انھیں کا تھا۔ مکان کا بڑا دروازہ خام تھا اندر مکان خام بھی اچھا تھا۔ رام پور سے ٹونک چلے گئے۔ نواب وزیر الدولہ نے چار کنویں اور کچھ اراضی دی جواب تک ان کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔

۱۔ تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمٰن علی صفحہ ۸۰

ٹونک ہی میں انتقال ہوا۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک محمد عادل خاں دوسرے محمد عبدالرؤف خاں دونوں عالم تھے۔ عبدالرؤف خاں کا انتقال رام پور میں ہوا۔ اور پیلو والی مسجد کے جنوبی پہلو میں ان کی قبر کنکر کی بنی ہوئی ہے۔ عادل خاں کا انتقال ٹونک میں ہوا۔ وہاں ان کی اولاد موجود ہے۔

شاہ محمد شرف مجددی

ولد[1] شیخ ضیاء الدین مجددی۔ حافظ قرآن۔ اور عالم و فقیہ اور صاحب تقوی تھے نسبت باطنی شیخ ضیاء الدین یوسف مشہور بہ چھٹو میاں سے جو آپ کے دادا کے بھائی تھے۔ حاصل کی اور نقشبندی۔ قادری چشتی۔ سہروردی۔ اور کبروی۔ وغیرہ طریقوں کی خلافت اور اجازت سے مشرف ہوکر طالبوں کی ہدایت میں سرگرم رہے اور طریقہ قادریہ کی اجازت اپنے چچا شاہ گدا ابن زین العابدین سے بھی پائی تھی۔ حدیث مسلسل الراحمون یرحمہم اللہ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء کی اجازت حضرت محمد ارشد مجددی سے تھی۔ آپ اپنے آبائے کرام کی طرح اوقات بسری کرتے تھے۔ انتقال سے پہلے شب برات کو بزرگوں کا فاتحہ پڑھکر مراقبہ کیا۔ ایک لحظہ کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ اس فقیر کا نام آج رات میں زندوں کی فہرست سے خارج ہوگیا۔ اور اسی سال میں فقیر کا انتقال ہوگا۔ چنانچہ اسی سال تیسری جمادی الاخری بارہ سو تین ہجری (۱۲۰۳ھ) میں شہید ہوے۔ مادہ تاریخ ہے۔ شرف شد شہید۔ رام پور ہی میں دفن ہوے۔ وجہ شہادت مجھے معلوم نہیں ہوئی۔

مولوی محمد شاہ صرفی نحوی

رام پور کے رہنے والے محلہ قاضی کی گلی میں رہتے تھے۔ مدرسہ رام پور میں ملازم تھے۔

---

[1] جواہر علویہ۔

مراح الارواح اور شرح جامی وغیرہ کتابیں خوب پڑھاتے تھے۔

مولوی سید محمد شاہ محدث

والد میاں حسن شاہ محدث ساکن محلہ زینہ عنایت خاں رام پور میں تقریباً ۱۲۵۰ھ
میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اپنے والد سے صرف و نحو اور فارسی کی کتابیں پڑھیں
مینا بازار اور ظہوری شیخ احمد علی صاحب سے پڑھی۔ فقہ حنفیہ کی کل کتابیں ابتدا
سے اخیر تک اپنے والد سے پڑھیں۔ بعض کتب اصول فقہ مولوی عزیز اللہ ولایتی
اور بعض اپنے والد سے پڑھیں۔ کتب تفسیر اور صحاح ستہ۔ مشکوۃ حصن حصین اور موطا
امام مالک بھی والد سے پڑھیں۔ کچھ معقول کا استفادہ مولوی معظم شاہ ولایتی شاگرد
مفتی سعد اللہ سے کیا۔ قصیدۂ بردہ۔ حرز یمانی۔ اسمار بدرین حزب البحر اور دیگر
وظائف اپنے والد کو سنائے۔ اور اجازت حاصل کی۔

دلائل الخیرات کی اجازت قاضی عبد السلام بدایونی سے جو مولوی شمس الاسلام کے
والد تھے پائی۔ قادریہ طریقہ میں اپنے والد سے ذکر و شغل سیکھا۔ ہمیشہ سفر و حضر میں
اپنے والد کی خدمت سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت کا
شوق غالب ہوا تو دو بار اجمیر گئے۔ دہلی میں اخبار الاخیار کی روایت کے موافق
اکثر مزارات کو تلاش کر کے فاتحہ پڑھا۔ جے پور میں مولانا بہاء الدین کے مزار پر
حاضر ہوئے۔ دو بار پیران کلیر گئے۔ آگرہ میں شاہ ابو العلا اور سلیم چشتی کے مزار پر
حاضر ہوئے۔ گنگوہ میں عبد القدوس اور کرنال میں شاہ بو علی قلندر کے مزاروں
پر فاتحہ خوانی کی۔ لکھنؤ میں شاہ مینا اور جونپور میں وہاں کے اولیاء اللہ کے
مزاروں پر گئے۔ بنگالہ میں مقام گوڑ و پنڈوہ میں اخی سراج خلیفہ نظام الدین
محبوب الٰہی اور انکے خلیفہ شاہ علاء الحق اور انکے خلیفہ حضرت نور قطب عالم کے
مزاروں پر حاضر ہوئے۔ شاہ نعمت اللہ نارنولی۔ اور مرتضیٰ آنندی کے مزار

بھی دیکھے۔ دکھن میں جاکر گلبرگہ میں شیخ محمد گیسو دراز خلد آباد میں برہان الدین غریب نواز۔ اور سید زین الدین شیرازی وغیرہ بزرگوں کے مزارات پر گئے۔
جون پور کے چار مہینے کی اقامت میں مولانا کرامت علی جونپوری خلیفہ مولوی سید احمد رائے بریلوی نے شاہ صاحب کو نقشبندی طریقہ میں تعلیم فرمائی اور خلافت عطا کی۔
آپ کو حدیث کے شوق کا باعث ایک خواب ہوا۔ آپ نے ایک بار خواب دیکھا کہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ایک خرمے کا درخت ہے اور میں خرمے توڑ رہا ہوں۔ کسی شخص نے آواز سے کہا۔ کہ تم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے درخت سے خرمے توڑتے ہو۔ شاہ صاحب نے اس خواب کی یہ تعبیر سمجھی کہ مسجد جامع دہلی کی سیڑھیوں سے شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان مراد ہے۔ اور خرمے کے درخت سے میرے والد۔ اسی دن سے شوق حدیث کی تکمیل اور اشاعت کا غالب آگیا۔
جس زمانہ میں نواب محمد علی خاں بہادر والیٔ ٹونک بحالت معزولی بنارس میں مقیم تھے۔ شاہ صاحب انکے متصل مسجد میں جاکر مقیم ہوے۔ نواب صاحب نے فرمایا ہمارے لڑکے عبدالوہاب خاں صاحب کو حدیث پڑھایا کرو۔
آپ نے مسجد میں پڑھانا قبول کیا۔ موطا امام مالک حصن حصین مشکوٰۃ اور شمائل ترمذی چار کتابیں پڑھائیں۔ وہاں سے رخصت لیکر آپ اپنے گھر آئے۔ خواب میں دیکھا کہ سید معصوم صاحب کی مسجد کے بالاخانہ پر جو ضلع مالدہ ملک بنگالہ میں ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث حدیث پڑھا رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ نواب ٹونک کے صاحبزادے کو بنارس پڑھانے آیا کرتا ہوں۔ گو وہ مسجد میں پڑھتے ہیں۔ مگر یہ امر مجھے شاق ہے۔ آپ دعا کیجیے کہ میں اپنے مکان پر پڑھایا کروں۔ شاہ صاحب نے فرمایا اچھا اور ہاتھ بلند فرما کر دعا کی اس خواب کے بعد آپ بنارس کو نہیں گئے۔ اور مکان پر رہنے لگے۔ مولوی عبدالحق خیرآبادی کی تحریک سے نواب خلد آشیاں نے

آپ کا تعلق مدرسہ میں کر دیا۔ نواب خلد آشیاں کے انتقال کے بعد مدرسہ میں انگریز اور دیگر حکام آنے لگے آپ بہنگام سبق کسی کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔ اسلئے بعض حکام نے آپ کو اپنے مکان پر حدیث پڑھانے کی اجازت دی۔ پچاس برس تک رات دن حدیث ہی کا ذکر رہا۔ اور یہی فکر رہی۔ اپنی ضرورتوں کو تنگ کر کے نہایت عمدہ ذخیرہ کتابوں کا جمع کر لیا تھا۔ طلبا کا ہجوم رہتا تھا۔ بہت سے طالبعلم فیضیاب ہو کر چلے گئے۔ آپ کے شاگردوں میں مولوی منور علی محدث۔ حافظ وزیر محدث۔ حافظ عبدالوہاب خاں۔ میاں نزاکت علی۔ ملا اعظم الدین بنگالی۔ مولوی محمد رضا خاں مرحوم۔ حافظ محمد عمر خاں مرحوم۔ مولوی عبدالکریم ولایتی مدرس حیدرآباد دکن۔ مولوی مجاہد الدین سلہٹی۔ مولوی عبدالواحد ولایتی۔ مولوی عبدالعلی قاضی زادہ سواتی۔ مولوی محمد درویش بنگالی قاضی غلام احمد تلبانی شافعی۔ مدرس اول مسجد جامع بمبئی۔ مولوی شرافت اللہ۔ اور شاہ صاحب کے فرزند میاں حامد شاہ معروف ہیں۔ ان کے علاوہ ناتمام کتب سیکڑوں نے پڑھی ہیں۔ صورت سے نور مجسم معلوم ہوتے تھے۔ اخلاق نہایت وسیع۔ حلم میں بیمثل۔ امور خیر میں ساعی رہتے تھے۔ اور اپنے ملنے والوں کی ہر طرح مدد فرماتے تھے۔

بحر العلم شرح عین العلم اردو میں بموجب حکم نواب محمد علی خاں بہادر والی ٹونک لکھی اور ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی چھ سو اسی صفحہ ہیں۔

۲۲۔ شعبان چہارشنبہ کے دن ۱۳۰۳ھ میں انتقال فرمایا۔ بغدادی صاحب کے مزار میں چبوترہ پر دفن ہوے۔ مولانا جلیل نے تاریخ کہی اور مزار پر کندہ کرائی۔

ثبت بر لوح مزارش کن جلیل

وارث دین رسول دوسرا
۱۳۰۳ھ

قاضی مولوی محمد حامد شاہ صاحب محدث آپ کے فرزند جانشین ہیں۔

میاں محمد عاشق

ولد شاہ غلام بولن۔ ولد شاہ کریم اللہ ابن شاہ رحمت اللہ ابن حضرت شاہ بلاقی رحمۃ اللہ علیہم۔ قوم کے سید تھے۔ بارہ سو بیالیس ہجری ۱۲۴۲ھ میں قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ راقم نے اُنکے مکانات منہدمہ کی زیارت کی ہے جو آپ کے مسکونہ تھے ۱۸۵۷ء کے بعد رام پور کی سکونت اختیار کی۔ کتب عربی و فارسی معمولی پڑھیں تھیں۔ اور کریم بخش ساکن نہٹور ضلع بجنور آپ کے اُستاد تھے اپنے والد ماجد شاہ غلام بولن سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی ہزاروں آدمیوں کو فیض پہونچا بہت لوگ خلیفہ ہوئے۔ ان میں سے حسن موسی ساکن کلکتہ اور بخشی تصدق حسین ساکن کرت پور۔ ضلع بجنور بڑے خلفا میں سے ہیں۔

ایک بار میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ خدمت میں عصر و مغرب کے درمیان میں حاضر ہوا مسجد میں مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے بار بار آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ آنکھوں سے خون ٹپکتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اکثر خاموش رہتے تھے۔ مسجد کے متصل مکانات تھے۔ وہیں گاڑیبان وغیرہ آکر ٹھہر جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ گاڑیبان کو گھر میں لاکر کھانا کھلا دیا گھر میں سب پر فاقہ ہوگیا۔ نہایت کم سخن تھے۔ جائداد زمینداری معقول تھی مگر اُسکا کوئی حساب کتاب نہیں جو آیا خرچ کر دیا۔ اکثر گھر بھر فاقہ سے رہتا۔ روپیہ اور ضرورت مند لیجاتے۔ بدھ کے دن صفر کی دسویں تاریخ تیرہ سو گیارہ ہجری (۱۳۱۱ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔ جنازہ میں اسقدر کثرت تھی کہ بلاسپور دروازہ کے باہر نماز ہوئی راقم کو بھی شرکت نماز کا فخر ملا۔

محلہ بلاسپور دروازہ میں اندرون شہر آپ کا وسیع باغ ہے۔ اُسمیں مزار ہے اور باغ کے قریب ہی آپ کے مکانات ہیں۔ آپ کے دو فرزند محمد معشوق علی و محمد صادق علی نے کم سنی میں انتقال کیا۔ اب صرف سید خواجہ احمد آپکے فرزند

موجود ہیں۔ عالم متقی پرہیزگار۔ ہمدرد قوم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو زندہ رکھے۔

مولوی محمد عظیم اخوندزادہ

جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد کے عالم اور اہلکار ہیں۔

مولوی سید محمد علی

مولوی حیدر علی رام پوری کے بھائی تھے۔ سید احمد صاحب کے خلیفہ اور حقیقی بھانجے تھے۔ حج بیت اللہ اور جہاد کے قصد سے بنارس گئے تھے۔ ایک لاکھ کے قریب آدمی تھے وہاں انسے بیعت ہوے شہر میں جہاں وعظ کہتے تھے ہزاروں لوگ مرید ہوکر انکی ہمراہی پر آمادہ ہوجاتے تھے۔ بنارس میں ٹھٹھری بازار کی کوئلہ والی مسجد میں شاہ امان اللہؒ خلیفہ مولانا عبدالرحمٰن موحد لکھنوی رہتے تھے۔ اُن سے بھی ملے تھے۔ اور جہاد کی ترغیب دی تھی۔ بڑے شاعر فارسی کے تھے۔ باغ رحمت بزبان فارسی ان کی تصنیف سے چھپ گئی ہے۔ نواب محمد علی خاں بہادر والیٔ ٹونک نے طبع کرائی تھی۔ چہل حدیث کا ترجمہ ہے۔ الہ آباد میں انتقال ہوا۔

مولوی محمد علی

ابن مولوی وزیر احمد محدث بن علی محمد بن غلام محمد قوم شیخ فضلی رام پور کے ٹھوٹر محلہ میں تیرہ سو آٹھ ہجری (۱۳۰۸ھ) میں غرہ محرم پنجشنبہ کے دن پیدا ہوے۔ ساڑھے نوسال کی عمر میں مولوی عبداللہ امرتسری سے قرآن شریف حفظ کرلیا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ ارشاد الصرف۔ نحو میر۔ شرح مأتہ عامل مع ترکیب ہدایۃ النحو اور کافیہ کو حفظ کیا۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں مولوی معز اللہ خاں۔ مولوی احمد امین۔ مولانا فضل حق پرنسپل سے کل درجوں کی کتابیں علی الترتیب

سلہ انوار الرحمٰن لتنویر الجنان صفحہ ۲۹۴۔

پڑھکر امتحان میں کامیاب ہوے۔ اور دو سال درجۂ تکمیل کی کتابیں پڑھکر امتحان دیکر سند فراغ حاصل کی۔ ادب اور حدیث میں سب کتابیں اپنے والد سے حاصل کیں ہے۔ فی الحال مدرسہ انوار العلوم رام پور میں مدرس عربی ہیں۔ فہم بہت خوب۔ استعداد اچھی ہے۔ طلبا کو طرز درس بہت پسند ہے۔ جوان صالح ہیں۔ اور امید ہو کہ علمی دنیا میں بہت شہرت حاصل کرینگے۔

مولوی محمد علی خاں

ولد مولوی محمد شفیع خاں ولد مولوی شاہ نواز خاں نو سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کیا۔ مولوی عبد الرزاق خاں سے فارسی کی تکمیل کی۔ مولانا سلامت اللہ سے عربی کتب پڑھیں۔ سنہ ۱۹۰۸ع میں بعمر ۱۹ سال محافظ خانہ فوجداری رام پور میں محرر ہوگئے۔ بحالت ملازمت سنہ ۱۹۱۲ع پنجاب یونیورسٹی کے درجہ منشی میں اور سنہ ۱۹۱۳ع میں منشی عالم کے امتحان میں کامیاب ہوے۔ اور تمام یونیورسٹی میں پہلا نمبر رہا۔ سنہ ۱۹۱۴ع میں منشی فاضل کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اور ریلوے ہائی اسکول ٹونڈلہ میں ہیڈ مولوی مقرر ہوے۔ سنہ ۱۹۱۸ع میں ذخیرہ معلومات نامی کتاب تالیف کی جو طلباے فارسی کے لئے نہایت مفید ہو اور طبع ہوگئی ہے۔

مولوی محمد علی

ولد ملا خواص افغانی سنہ ۱۲۱۱ھ تک زندہ تھے۔ مطالب امور عامہ و مباحث الاجسام حواشی سید زاہد۔ اور سلم کی شرحیں برزبان یاد تھیں۔[1]

حاجی مولوی محمد علیخاں

ولد منشی محمد عمر خاں ولد اخونزادہ مولوی محمد عیاض ولد اخونزادہ محمد شاہ خاں باجوڑی رام پور میں بارہ سو ستر ستھ ہجری (سنہ ۱۲۷۶ھ) میں پیدا ہوے۔

---

[1] روزنامچہ مولوی عبد القادر خاں غمگین۔

اور بوجہ اپنے چچا مولوی محی الدین خان کے تعلق کے جے پور چلے گئے یہاں
فروری ۱۸۶۶ء میں انگریزی اسکول میں داخل ہوئے۔ گھر پر عربی فارسی
اور ہندی کی تعلیم ہوتی تھی۔ انٹرنس تک تعلیم ہوئی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا
۱۲۔ مئی ۱۸۷۲ء کو اسکول چھوڑا عربی کی اور انگریزی کی اچھی استعداد
ہو گئی تھی۔ ۲۲۔ مئی ۱۸۷۲ء سے دسمبر ۱۸۷۵ء تک کمیٹی واضع قوانین جے پور
کے سررشتہ دار پچھتر روپے کی تنخواہ پر رہے۔ پچیس ایکٹ بنا کر پیش کئے۔
یکم جولائی ۱۸۷۷ء کو اس عہدہ کا استعفا دیا۔ مگر ریاست نے آپ کے والد کی
پنشن پچھتر روپے بحال کر دی۔

۲۰۔ جون ۱۸۷۸ء سے ستمبر ۱۸۷۸ء قحط کے کام کی نگرانی سپرد ہوئی۔ ڈاکٹر ویلی ٹائن
نے رپورٹ میں اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ ۹۔ ستمبر ۱۸۷۸ء سے چار مہینے کے لئے
اسسٹنٹ مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ علاوہ پنشن کے پچھتر روپے الاونس مقرر ہوا۔
۱۱۔ دسمبر ۱۸۷۸ء سے ۲۹۔ اپریل ۱۸۸۱ء تک دو سو آٹھ روپے کی تنخواہ پر کونسل کے میر منشی رہے کونسل
نے ۲۰۔ اپریل و ۳۰۔ مئی ۱۸۸۱ء کو دو سارٹیفکٹ دیے ۳۰۔ اپریل ۱۸۸۱ء سے
۲۸۔ اکتوبر ۱۸۸۲ء تک اسسٹنٹ مجسٹریٹ اور قائم مقام کوتوال رہے - قواعد
متعلق انسداد چوری کے صلہ میں کونسل نے انعام دیا۔ کرنل ڈبلیو ایچ بینن
نے بھی ۵۔ مئی ۱۸۸۱ء کو سند دی ۱۸۸۲ء میں قائم مقام ناظم سوائے
مادھوپور مقرر ہوئے ۱۲۔ دسمبر ۱۸۸۲ء سے ۲۱۔ جولائی ۱۸۸۶ء تک شیخاواٹی کے
ناظم رہے۔ اور وہاں بہت سی اصلاحیں کیں جسکا راج اور گورنمنٹ انگریزی
دونوں نے اعتراف خدمت کیا۔ ۲۲۔ جولائی ۱۸۸۶ء سے ۵۔ جولائی ۱۸۹۲ء تک
جج عدالت اپیل پانسو کی تنخواہ پر رہے ۶۔ جولائی ۱۸۹۲ء سے ممبر کونسل آٹھ سو
روپے ماہانہ پر مقرر ہوئے۔ اور اس عہدہ پر ۱۶۔ مارچ ۱۸۹۵ء تک کام کیا۔

پولیٹکل ایجنٹ اور ریاست دونوں بہت خوش رہے۔ اسکے بعد تین سو روپے کی
پنشن لیکر رام پور آئے۔ ۱۱ جولائی ۱۹۲۶ء کو اعلیٰ حضرت بندگان حضور پرنور جناب
نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام ملکہم نے تین سو روپے کی تنخواہ پر
ڈسٹرکٹ و سشن جج رام پور کا عہدہ عطا کیا۔ آپ نے نہایت دیانت سے بلا رو
رعایت خدمت انجام دی۔ تنخواہ میں سے ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ اپنے
پیرو مرشد حضرت مولوی محمد امیر صاحب جے پوری کو اور حضرت خواجہ معین الدین
چشتی اجمیری کی درگاہ کو بھیجتے تھے۔ اسکے سوا ہر صادر و وارد کے لیے ان کا گھر
مہمان خانہ تھا۔ نقد سے بھی امداد کرتے تھے وضع نہایت سادہ او متشرع۔ لباس شرعی
نشست و برخاست میں سنت کا لحاظ تھا۔ تہجد کی نماز قضا نہیں کرتے تھے۔
کتب دینیات کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ محلہ کے لوگوں کو نرمی اور تشدد
سے صوم و صلوۃ کا پابند کر دیا۔ غربا کے بچوں کے لئے گھر پر مدرسہ کھولدیا تھا۔
شیرینی سے بہت ذوق تھا۔ عرصہ سے ذیابیطس میں مبتلا تھے مگر پرہیز کے
پابند نہ تھے باوجود مشائخانہ وضع وقطع کے کرکٹ کا شوق تھا اور خوب
کھیلتے تھے آپ نے شبنا والی اور قلعہ رنتھمبور واقع جے پور کی اردو میں تاریخ
لکھی اور دینیات میں فلاح دارین اُردو کتاب تصنیف کی دونوں طبع ہوگئی ہیں
ذیابیطس کی وجہ سے پھنسیاں نکلیں۔ دو مہینے تک شکایت رہی۔ انتقال سے
دو ہفتہ پیشتر ایک چھوٹی سی پھنسی گدی پر نکلی۔ سوزش زیادہ تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ
سرطان ہے۔ اسکے صدمہ سے تپ بھی آگئی۔ ضعف بڑھتا گیا۔ بیہوشی رہنے لگی۔
عالم بیہوشی میں ہر وقت نماز پڑھتے تھے۔ پانی تین گھونٹوں میں پیا کرتے تھے۔
حالت غفلت میں بھی تین ہی دفعہ میں پانی پیتے تھے۔ اُس حالت سکرات
میں پاجامہ بدلوایا۔ آدمی نے بائیں پانوں میں پاجامہ ڈالنا چاہا۔ پانوں

سمیٹ لیا۔ داہنا پانوں پھیلا دیا۔ اسی حالت میں رمضان کی چھبیویں تاریخ سنہ تیرہ سو تیس ہجری (۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء) میں یکشنبہ کے دن ایک بجے دن کو انتقال ہوا۔ اور مولانا حافظ جمال اللہ شاہ صاحب کے احاطۂ مزار میں جانب مشرق دفن ہوئے۔ ایک فرزند فیاض علی خاں رام پور میں اور دوسرے جے پور میں ملازم ہیں۔

صاحبزادہ محمد علیخاں عرف چھٹن صاحب

ابن صاحبزادہ محمد کاظم علی خاں ابن نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ والیٔ ریاست رام پور ۱۲۷۲ھ کے قریب رام پور میں پیدا ہوئے۔ آٹھ نو سال کی عمر تھی کہ آپ کے والد رام پور سے ترک وطن کرکے بریلی میں مقیم ہو گئے۔ رام پور میں اس وقت جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں رئیس تھے نواب صاحب نے آپ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ والدین شیعی تھے۔ مگر آپ کی تربیت حنفی طریقہ پر ہوئی۔ علمائے شہر سے نہایت محنت سے علوم و فنون فارسی و عربی پڑھے۔ مولانا عبدالحق شمس العلما خیرآبادی سے معقول پڑھی۔ والد نے آپ کو محروم الارث کر دیا۔ نواب خلد آشیاں کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد نواب فردوس مکاں کی صاحبزادی سے عقد ہوا جو تا بہ حیات ہیں نواب خلد آشیاں کے عہد میں صدر کے حاکم رہے۔ بغداد جا کر نقیب سید عبدالرحمان افندی سے بیعت ہوئے۔ اور شافعی مذہب اختیار کیا۔ عربی کی نہایت اعلیٰ استعداد تھی۔ خط نسخ کے خوشنویس تھے۔ معقول میں ید طولیٰ تھا۔ بتاریخ ۲۸۔ محرم ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء یوم چہارشنبہ علی الصباح شب کے دو بجے کے بعد انتقال فرمایا۔ بغدادی صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔ دو صاحبزادے ہیں۔ چھوٹے اچھن صاحب لندن میں انجینیری میں تعلیم پا رہے ہیں۔

حکیم محمد عمر خاں

ولد اخون زادہ ۔ ولد حکیم بایزید اخون زادہ ۔ علوم و فنون فارسی و عربی رام پور میں پڑھے ۔ صاحبزادہ سید مہدی علی خاں بہادر مرحوم کے ملازم تھے ۔ انکی صحبت میں شیعہ مذہب اختیار کیا ۔ پھر رام پور سے باہر چلے گئے ۔ اخر میں جاورہ میں ملازم ہوے ۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں بہادر مرحوم کے بااختیار ہونے سے پہلے جاورہ میں انتقال کیا ۔ اور وہیں دفن ہوے ۔ طب میں اچھی دستگاہ تھی ایک فرزند غلام عباس خاں یادگار چھوڑے ۔

مولوی محمد نور خاں

ابن بشارت خاں ولد ملا حجاب خاں افغان قوم رزڑ رام پور میں پیدا ہوے ۔ محلہ چوک محمد سعید خاں کے متصل مکان تھا ۔ ان کی اولاد اب بھی اِسی محلہ میں مقیم ہے ۔ ملا حجاب خاں افغان سے تجارتی گھوڑے لیکر بعہد جناب نواب سید علی محمد خاں بہادر بدایوں آئے ۔ ملا بشارت خاں کو جمعداری ملی اور بدایوں میں انتقال ہوا ۔ اپنے والد اور علماے رام پور سے نہایت محنت سے علم حاصل کیا اور بے بدل عالم ہوئے ۔ حافظہ بہت اچھا تھا ۔ ایک جلسہ میں دو دو تین تین طلبا کو پڑھاتے تھے ۔ فقہ ۔ حدیث و تفسیر کا زیادہ درس ہوتا تھا ۔ طلبا کو مکان پر پڑھاتے تھے ۔ حضرت نواب فردوس مکاں صاحبزادہ عباس علیخاں ۔ اور صاحبزادہ ہدایت علی خاں نے بھی آپ سے پڑھا ۔ مفتی محمد سعد اللہ نے بھی آپ سے فیض پایا ۔ مولوی جعفر علی خاں نے صرف و نحو آپ سے پڑھی تھی ۔ درس کا طریقہ مقبول عام تھا ۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے ہنگامہ میں شوق شہادت دامنگیر ہوا ۔ اپنے بیٹے امداد علی خاں اور عبد العلی خاں کو لیکر دہلی گئے ۔ کالی پہاڑی پر انگریزوں کے مقابلہ میں ۱۶ ۔ ذیقعدہ کو مع امداد علی خاں فرزند کے شہید ہوے ۔

امداد علی خاں کی اٹھارہ سال کی عمر تھی۔ کتابیں ختم ہو چکی تھیں۔
عبدالعلی خاں زندہ واپس آئے۔ امداد علی خاں کی اولاد میں حافظ اسد علیخاں
افسر فیل خانہ زندہ ہیں۔ اور ذی عزت ہیں۔

حکیم مولوی محمد فیاض خاں

ولد عبداللہ اخوند۔ ولد مولوی بشارت اللہ اخوند قصبہ بلاسپور ریاست رام پور
میں پیدا ہوئے۔ یہ قصبہ تحصیل ہے اور رام پور سے شرق کو بارہ کوس کے فاصلہ پر ہے۔
ابتدائً مولوی حفظ اللہ مدفون موضع ستورہ پرگنہ بلاسپور سے کتابیں پڑھیں۔
پھر مولانا فضل حق خیرآبادی۔ اور مولانا شاہ عبدالعزیز سے علم حاصل کیا۔
صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ ساکن کھڑہ کھوندل پور
پرگنہ بلاسپور کے مریدان خاص میں سے تھے۔ ریاست ٹونک میں بزمانہ نواب
وزیرالدولہ بہادر مرحوم بعہدہ وکالت دوسو روپے کے نوکر تھے۔ چھیالیس برس
کی عمر میں رجب کی پچیسویں تاریخ بارہ سو بہتر ہجری (۱۲۷۲ھ) میں رام پور
میں انتقال ہوا۔ آپ کا مزار قلاش خاں کی مسجد کے قریب کے قبرستان میں
مولانا منبر علی مرحوم کے دروازہ کے سامنے ہے آپ کے فرزند حکیم محمد یوسف خاں
نے ذیل کی تصانیف بتائی ہیں۔

تصانیف کے نام

خرد آموز۔ کثیر الفوائد۔ ضرور المبتدی سراج الصبیان۔ گلزار جنت۔ آزمائش نامہ۔
رسول معروف بہ فاختہ و باز نامہ۔ صولت حیدری۔ جواہر معانی۔ خلاصۃ القوانین۔
بحرالفیوض۔ سرچشمۂ فیض۔ منابع الفوائد۔ مجربات فیاضی۔ معروضات
فیاضی۔ رسالۂ جراحت۔ رسالۂ ادویۂ مفردہ۔ قرابادین فیاضی۔ خلاصۃ العلاج۔
مثنوی شب چراغ۔ فالنامہ قرآنی۔ ترجمہ تاریخ سبع الجہان۔ شرح شعر غنیمت۔

"گزارد پا اگر در چشم بلبل　　نخاردازخیال خندۂ گل"

(اس شعر کے پچیس معنے لکھے ہیں) شرح شعر حافظ۔

از نام چہ پرسی کہ مرا ننگ زنام ست　　وز ننگ چہ پرسی کہ مرانام زننگ ست"

(اس شعر کے پندرہ معنے لکھے ہیں۔) ملک العلما شرح شعر نظامی۔

بہ بیں شیر گردوں جہاں چوں گرفت　　کہ خرگوش باماہ گردوں گرفت

اِس شعر کی شرح نواب وزیر الدولہ بہادر نے امتحاناً لکھوائی تھی۔

ضوابط تخمین متعلق وکلا۔ اِن کتابوں میں سے آزمائش نامہ اور جواہر معانی طبع ہوچکی ہیں۔ جواہر معانی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ اُردو میں تین ہزار سات سو باون شعروں میں نظم کیا ہے۔

مولوی مرزا محمد اکرم تخلص آشنا

ولد مرزا محمد اسلم۔ ولد مرزا احمد ولد مرزا محمد اسحق برلاس ولد مرزا ابراہیم مسعود برادر خالہ زاد سلطان محمود خراسانی۔

مرزا محمد اسحق برلاس ۱۰۹۰ھ میں تبریز میں پیدا ہوے۔ سن شعور میں سپہ سالار ملک ہرات ہوے۔ اور نادر شاہ کی جنگ میں ہرات میں فوت ہوے۔ مرزا محمد اسحق کے بیٹے مرزا احمد تحصیل علوم و فنون عربیہ و احادیث و تفسیر کے بعد ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۵۰ھ کے درمیان دہلی آئے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی نے آپ کے تبحر علمی کی وجہ سے نواب غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کے مدرسہ میں مدرس اعلی مقرر کردیا۔ آپ نے برلاس خاندان میں امرائے شاہی میں سے ایک جگہ شادی کی۔ اُن سے مرزا معظم۔ مرزا عظیم۔ اور مرزا محمد اسلم پیدا ہوے۔ مرزا معظم عین شباب میں گھوڑے سے گر کر مر گئے۔ مرزا عظیم باپ کی حیات میں دکن کو گئے۔ پھر انکا پتا نشان نہیں معلوم ہوا۔ مرزا محمد اسلم دہلی میں باپ کے پاس رہے۔ مرزا محمد امین کی

بیٹی سے شادی ہوئی۔ مرزا محمد امین بھی امرائے دربار میں سے تھے۔ ان کی بیٹی کے بطن سے مرزا محمد اکرم پیدا ہوئے۔ مرزا احمد محدث کا انتقال دہلی میں ۱۱۷۰ھ میں ہوا ۱۱۷۲ھ میں مرزا محمد اسلم نواب عالی جاہ قاسم علی خاں والیِ بنگالہ کے دربار میں سپہ سالار ہو گئے۔ آپ کے اہل و عیال دہلی سے مراد آباد آئے اور بنگالہ کا قصد تھا۔ کہ نواب قاسم علی خاں کی حکومت ختم ہو گئی۔ مرزا محمد اسلم بنگالہ سے بریلی آ گئے۔ اور بحالت علالت مراد آباد پہونچے۔ اور مراد آباد میں ۱۱۸۰ھ میں انتقال ہوا۔ سید احمد صاحب کے طویلہ کی کھڑکی کے باہر دفن ہوئے۔ اُس وقت مرزا اکرم کی عمر سات سال کی تھی۔ آپ اپنی والدہ کے ساتھ ۱۱۸۰ھ میں اپنی خالہ مولوی محمد مقیم کی بیوی کے گھر رام پور آئے۔ یہ مولوی صاحب جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے صاحبزادوں کے استاد تھے آپ بھی خلاف نواب صاحب کے ساتھ پڑھتے تھے مولوی محمد مقیم بطور سفیر ریاست گورنر ہندوستان کے پاس بھی بھیجے جاتے تھے۔ تحصیل علم کے بعد اٹھارہ برس کی عمر میں ۱۱۸۹ھ میں آپ کی شادی مراد آباد محلہ مغل پورہ میں مرزا غلام مصطفےٰ بیگ کی دختر سے ہو گئی۔ علما کی صحبت سے رغبت تھی اُردو شاعری کا بھی مذاق تھا۔ آشنا تخلص تھا۔ تمام عمر صاحبزادہ سید محمد نظام علی خاں صاحب بہادر خلف جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے مصاحبوں میں رہے۔ اُردو کلام کا نمونہ انتخاب یادگار میں ہے ۱۲۳۳ھ میں رام پور میں انتقال ہوا۔ اور شاہ بغدادی صاحب کے مزار میں چبوترہ کے نیچے دفن ہوئے۔

آپ نے تین فرزند یادگار چھوڑے۔ مولوی مفتی عبدالقادر خاں، مرزا محمد ناصر، مرزا غلام باسط۔

حکیم محمد محسن خاں دہلوی

جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) تھے

خضر خاں[۱] خاصوں کے جامہ دار کے درد سر کا علاج کرتے تھے۔ مگر فائدہ نہوا تو حکیم بایزید سے نواب صاحب بہادر نے رجوع کیا۔ انکے بزرگ اصلی[۲] باشندہ کشمیر کے تھے۔ کول قوم تھی۔ اتفاق سے بعد جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر رام پور آئے۔ نواب صاحب موصوف کے صاحبزادہ نظام علی خاں صاحب سخت علیل تھے۔ کل طبیب عاجز آگئے۔ آپ کا علاج مفید ہوا۔ نواب صاحب نے اپنا اور کل خاندان کا علاج آپ سے متعلق کردیا۔ شہر میں حذاقت کی شہرت تھی۔
جناب عالیہ والدہ نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے انتقال کے بعد نواب نصر اللہ خاں صاحب کی نیابت کے زمانہ میں دہلی چلے گئے۔ طب کے علاوہ خوشنویس منشی۔ مورخ۔ اور موسیقی داں بھی تھے۔ فنون رسمیہ کے مصطلحات سے آگاہ تھے۔ مسائل کلامیہ۔ اختلافیہ۔ امامیہ۔ اور اشاعرہ سے خوب واقف تھے۔ لیکن گفتگو میں اپنی برتری کے خیال میں رنجیدہ بھی ہوجاتے تھے۔ کستری صاحب انگریز کے عہد میں میرٹھ میں پرمٹ کے داروغہ ہوگئے تھے۔ مگر میر عبداللہ عظیم آبادی کے جھگڑے میں موقوف ہوگئے۔ ۱۲۳۳ھ تک دہلی میں زندہ تھے۔
ایک لڑکا محمد احسن خاں باپ کے مرنے کے بعد زندہ تھا۔ ایک لڑکا محمد عابد خاں تھا۔ جو نوجوان قطب صاحب اور دہلی کے درمیان راہ میں رہزنوں کے ہاتھ سے مرہٹوں کے تسلط دہلی کے زمانہ میں مارا گیا۔
یہ دونوں فرزند منکوحہ سے تھے۔ ایک تیسرا لڑکا اور بھی تھا۔

سید محمد مشتاق

ابن سید محمد جمال شاہ صاحب نبیرہ پیر بابا صاحب۔ رام پور میں جمعہ کے دن شعبان کی پچیسویں تاریخ بارہ سو ترپن ہجری (۱۲۵۳ھ) میں بطن بی بی شمس النسا

---

[۱] فصول فیض اللہ خانی۔ [۲] روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں۔

بنت مولانا فقیہ الدین سے پیدا ہوئے صرف نحو مولوی محمد شاہ سے حدیث مفتی
سعد اللہ اور فقہ ملا فقیر محمد افغانی سے حاصل کی پھر اکتساب طریقۂ باطنی پر
متوجہ ہوئے سکر و مستی ایسی غالب ہوئی کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ بہت جوش
و خروش اور غیر مقیدی سے زمانہ بسر کرتے رہے۔ جب سکر دور ہوا اپنے والد سے
خرقۂ خلافت پایا اور مسند ارشاد کو زینت دی چالیس سال سے گھر سے قدم باہر
نہیں نکالا البتہ اس درمیان میں حج و زیارت کو ضرور تشریف لے گئے تھے۔
کسی کے مکان پر نہیں گئے۔ شب و روز یاد الٰہی میں بسر ہوتی ہے۔ مریدین حاضر
ہوتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ اخلاق ایسے وسیع کہ ہر امیر اور غریب پر یکساں
شفقت ہے۔ آپ کے خلفا میں صاحبزادہ محمد رضا خاں۔ مولوی تجمل حسین گڈھ مکتیسری
سید غضنفر علی شاہ دہلوی اور منشی رضا علی رام پوری ہیں۔ آپ نے کتاب سی حرفی
مصنفۂ مولانا عبد الکریم عرف کریم داد بابا اور سی حرفی تصنیف مولانا امام الدین
ننگرہاری عرف درویزہ بابا جسکا نام مخزن المعانی بھی ہے۔ اور پشتو زبان ہے
اپنے والد سے پڑھکر اردو ترجمہ کیا۔ مگر ابھی اسکی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ کہ آپکے
والد سے کسی مرید نے دیباچہ آپکے نام سے لگا کر اسکو چھاپ دیا۔ ۱۳۱۲ھ میں
اپنے ترجمہ کی تصحیح کرکے اس کا نام مرج البحرین رکھا۔ اور ریاست رام پور کے
سرکاری مطبع میں طبع کرایا۔ اس کتاب کے اخیر میں آپکے والد کے مکتوبات اور
کلام منظوم اور شجرہ خاندان بھی شامل ہے۔

حکیم محمد مشتاق خاں

ولد حکیم محمد اسحٰق خاں عرف مسیح الدین ولد حکیم مولوی فیاض خاں ساکن قصبہ بلاسپور
تحصیل ریاست رام پور۔ اپنے چچا حکیم عبد الرزاق خاں مرحوم کے شاگرد رشید
ہیں طب میں طبیعت رسا ہے۔ تیس سال سے جونا گڈھ میں مقیم ہیں۔ بطور خود

مطب کرتے ہیں کسی کی ملازمت نہیں کی۔ آپ کے فرزند محمد اسحٰق خاں ثانی اور محمود الآفاق خاں طلب علم میں مصروف ہیں۔

حکیم محمد مصطفیٰ خاں

ولد حکیم محمود خاں ولد محمد اکبر خاں رام پور میں پیدا ہوئے محلہ گھوٹر میں رہتے تھے۔ اپنے والد اور علمائے رام پور سے کل علوم فارسی و عربی اور طب حاصل کئے۔ اور طبابت ہی کا مشغلہ تھا۔ ۱۲۸۹ھ بارہ سو نواسی ہجری میں رام پور میں انتقال کیا۔

سید مظفر حسین

ولد سید عباد اللہ عرف عیدو میاں صاحب سید حسنی از اولاد سید عبدالرزاق صاحب خلف اکبر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہم رام پور میں جناب نواب سید محمد علی خاں صاحب بہادر کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اول حفظ قرآن مجید کیا۔ پھر کتب فارسی و عربی خلیفہ غیاث الدین اور مولوی محمد علی شاگرد مفتی شرف الدین صاحب اور دیگر علمائے شہر سے پڑھیں۔ سید شاہ شبیر علی قادری رزاقی سے بیعت تھے۔ تمام عمر کسی کی نوکری نہیں کی۔ عبادت الٰہی اور درس تفسیر و حدیث سے کام تھا۔ کتابت کا بھی شوق تھا۔ بہت سی کتابیں نقل کیں۔ والد جبر گیراں تھے۔ تاریخ وفات کا حال معلوم نہیں ہوا۔ بیرون سرائے دروازہ منا شاہ کے تکیہ میں دفن ہیں۔ سید محمد مظہر امام لڑکا چھوڑا تھا۔ آپکے شاگردوں میں سے اخوند زادہ احسان خاں و حافظ محمد حسن خاں وغیرہ بہت سے ہیں۔

مولوی محمد مقیم

ان کا تعلق نواب مصطفیٰ خاں بہادر کے ہاں تھا۔ جو نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے سالے تھے۔ ان[1] کی بیوی بھی نواب صاحب کے ہاں رہتی تھیں

[1] فصول فیض اللہ خانی۔

مولوی محمد کرم آشنا کے خالو تھے۔ اور جناب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کی طرف سے بطریق سفارت گورنر کے پاس آتے جاتے تھے۔

مولوی سید محمد گل خاں مشوانی

ابن[1] بخشی مولوی محمد عنایت اللہ۔ ابن مولوی عبدالحکیم (محشی شریفی میراث) ابن ملا محمد ظریف۔ ابن اخوند عبداللہ (جنکی اولاد نجیب آباد میں اخوند خیل مشہور ہے) ابن ملا یوسف ابن ملا بدرالدین عرف بدورے ابن ملا تفضل علی عرف تفض۔ ابن سید مشوانی۔ ابن سید محمد گیسو دراز (مدفون گلبرگہ جنکے ملفوظات مطبوع ہیں) ابن سید یوسف۔ ابن علی۔ ابن محمد۔ ابن یوسف۔ ابن حسین۔ ابن ابو عبداللہ الحسین الفدان۔ ابن ابی منصور محمد الاکبر۔ ابن عمر ابن یحیٰی۔ ابن حسین۔ ابن زید الشہید۔ ابن حسین۔ ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کنزالانساب مصنفہ حضرت سید مشوانی میں مفصل حال اس نسب کا لکھا ہے اور ہر ملک میں اپنی شاخ کے نامی بزرگوں سے منسوب ہیں۔ مکۂ مکرمہ۔ مدینۂ منورہ۔ ایران و خراسان وغیرہ میں حسینی۔ زیدی۔ جندی کے نام سے اور افغانستان۔ کوہ سلیمان۔ اور بلوچستان کے حصوں میں جہاں آباد ہیں مثل کابل و قندھار۔ مواضع کوہ چین نواح قندھار۔ موضع کرانی۔ ژوب۔ لورالائی۔ شہیلا باغ زیارت وغیرہ مصطفیٰ آباد عرف رام پور اور نجیب آباد میں مشوانی کہلاتے ہیں حسن آباد گلبرگہ۔ حیدرآباد دکن مالیر کوٹلہ۔ دہلی اور امروہہ وغیرہ میں سید محمد گیسو دراز کی وجہ سے گیسوی نام ہے سادات پر جب مظالم عرب و عراق میں ہونے لگے تو سید محمد گیسو دراز کے مورث اعلیٰ وہاں سے افغانستان میں آئے۔ قوم تارن جو اولاد سید طاہر آپ شناس کی تھی۔ اور جنکے مورث اعلیٰ سید طاہر سلطان محمود غزنوی کے لشکر میں تھے۔ اور وہ قبیلہ کانکڑ کے قریب آباد تھے۔

---

[1] از سفرنامہ مولوی مجتبیٰ خاں مطبوعہ۔ جولائی ۱۹۱۱ء و خط مولانا موصوف۔

ان میں پناہ لی اور دختران قبیلہ شیرانی بختیاری اور کڑرانی سے نکاح کئے۔ اور وہیں اُن کی اولاد آباد ہو گئی۔ بی بی مشو دختر سادات قوم تارن کے بطن سے جو اولاد ہوئی اُنکا نام مشوانی ہو گیا۔ مسماۃ پنجنی دختر قوم شیرانی بختیاری کی اولاد کا نام شیرانی ہو گیا۔ دختر قوم کڑرانی کے بطن کی اولاد کا نام وَرْدَک اور ہنی رکھا گیا۔

مولوی محمد گل کے والد مولوی سید عنایت اللہ احمد شاہ درّانی کے لشکر کے ساتھ پانی پت کی لڑائی میں شریک تھے اور نواب نجیب الدولہ بہادر کی فوج کے منجانب شاہ درانی مددگار تھے بعد ختم جنگ نواب صاحب نے شاہ سے آپ کو مانگ لیا۔ شاہ درانی نے تلوار اور مرصع کمر بند عطا کیا۔ اور ہندوستان میں رہنے کی اجازت دی نواب نجیب الدولہ نے اپنی فوج کا بخشی مقرر کیا اور خان کا خطاب بخشا جواب تک اُن کی اولاد کے نام میں ہے۔ مولوی محمد گل کے والد کا انتقال نجیب آباد میں ہوا۔ اور نواب عبدالقادر خاں کے ہنگامہ کے بعد نجیب آباد سے ترک وطن کر کے اپنے دو بیٹے مولوی عبدالرحیم خاں اور مولوی عبدالصمد خاں کو ساتھ لیکر اول حافظ رحمت خاں کے پاس گئے اور وہاں سے رام پور میں آکر محلہ فیل خانہ کہنہ میں مقیم ہوئے۔ اور انتقال کے بعد اُسی محلہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کا حال نہیں معلوم ہوا۔ مگر فضل و کمال میں مشہور تھے۔ ظاہری علوم کے سوا باطنی فیضان سے بھی بہرہ یاب تھے۔ شافیہ شرح جامی پر ان کے حواشی ہیں۔

مولوی مرزا محمد ناصر

ولد مرزا محمد اکرم ۱۲۱۳ھ رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم درسیہ عربی کی تحصیل کے بعد انگریزی حکومت میں سلسلہ ملازمت اختیار کیا۔

مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ بمقام اجمیر تاریخ ۱۹ صفر سنہ ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۵-۲۶ اکتوبر سنہ ۱۸۲۳ء میرا بھائی غلام ناصر جو مجھ سے تیرہ سال چھوٹا ہے

ملنے آیا۔ علوم رسمیہ کی تحصیل کرلی ہی۔ ریاضی سے بہت مناسبت ہی۔ وبلڈر صاحب
اور طامس پریرٹ کی عنایت سے جبل پور کا صدر امین ہی۔ حلیم خوش خو۔ وجیہہ
اور بے آزار ہی۔ مگر آرام دوست۔ اور کاہل وقت بہت ضائع کرتا ہے۔ ترقی دانش
وعلم میں کوشش کم ہی۔ طبع موزوں ہی۔ لیکن سب کام سرسری ہیں تنقید نہیں ہی
طب میں بہت مشق ہی۔ فصد میں نہایت دسترس ہی۔
ہوشنگ آباد میں صدر امین تھے۔ وہاں سے علیل ہو کر رام پور آئے۔ اور یہاں
انتقال ہوا۔ مولانا جمال الدین علیہ الرحمہ کے مزار میں مولوی عبدالقادر خاں
صدر الصدور کے برابر دفن ہوے۔ تاریخ وفات کا پتا نہیں ملا۔ ان کے ایک بیٹے
عبدالاحد تھے۔ نہایت حسین تھے۔ اودھ کے شاہی محلات میں کسی سے عقد کرلیا تھا
کلکتہ میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں انتقال ہوا۔ مرزا محمد ناصر کو شاعری کا بھی ذوق تھا۔
یہ دو رباعیاں یادگار ہیں۔

رباعی بطرح جناب نواب سید محمد یوسف علیخانصاحب بہادر فردوس مکاں

پیش تو بہ دہر شہ سوارے نہ بود ۔ چوں من بزمانہ خاکسارے نبود
خواہم کہ رکاب تو بہ بوسد خاکم ۔ بر خاطر شہ اگر غبارے نبود
جسدن کہ بوتراب علی کو ملا خطاب ۔ حیران تھے سب کہ معنی ہیں کیا اس خطاب کے
ابن علی نے اپنے تئیں خاک میں ملا ۔ معنی سبھوں پہ کھولدیے بوتراب کے

مولوی حافظ محمد نذیر

ابن حافظ حاجی محمد صدیق بن حافظ محمد ہاشم بن محمد الغیر خاں غلزی ساکن رام پور
شاگرد مولانا ارشاد حسین مرحوم مجددی۔ نہایت متقی اور صالح تھے۔
سنہ ۱۲۸۹ھ میں کعبتہ اللہ کو گئے۔ اور وہاں دوار الشفا شرح قصیدہ بردہ نامی کتاب
فارسی زبان میں لکھی اور جناب نواب کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں کے نام پر

معفون کی اس شرح کو ان کے بیٹے مولوی محمد بشیر خاں نے ۱۳۱۱ھ میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپوایا ہے۔

مولوی محمد نبی خاں

ولد محمد شفاعت خاں قوم افغان۔ رام پور میں محلہ شاہ آباد دروازہ میں اٹھارہ سو ستر عیسوی (۱۸۷۰ء) میں پیدا ہوے۔ آپکے والد علی غول کے سپاہیوں میں ملازم تھے۔ اور ناخواندہ تھے۔ مگر آپ کو تعلیم دلانے میں ہمت صرف کردی۔ آپ نے قرآن شریف قاری عبدالمولی مرحوم مرادآبادی سے حفظ کیا۔ انبیٹھہ ضلع سہارنپور جاکر مولوی سخاوت علی مرحوم سے صرف و نحو عربی کی کتابیں پڑھیں پھر حسن پور ضلع مرادآباد میں مولوی احمد الدین ولایتی ساکن باجبام خیل ضلع پشاور سے۔ کافیہ شرح جامی منطق میں قطبی تک اور فقہ میں کنز الدقائق تک کتابیں پڑھیں۔ دہلی جاکر مولوی عبدالعلی ساکن عبداللہ پور ضلع میرٹھ سے ادب پڑھا۔ اور رام پور آکر مدرسۂ عالیہ میں درجۂ پنجم سے لیکر درجۂ اول تک کتب درسیہ پڑھیں۔ مولوی ارشد علی مرحوم مولوی مجاہد الدین بنگالی۔ مولانا فضل حق رام پوری مولانا ظہور الحسن رام پوری۔ مولانا محمد طیب مکی شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی اور مولانا اسد الحق خیرآبادی جو اس وقت مدرسۂ عالیہ میں ملازم تھے۔ سب آپ کے اساتذہ میں ہیں اور کل کتابیں قراۃ پڑھی ہیں۔ نسائی اور ابن ماجہ مولوی جعفر علی خاں مرحوم رام پوری سے اور باقی صحاح ستہ مولانا منور علی رام پوری محدث سے قراۃ پڑھیں۔ کتب طبیہ حکیم حسین رضا خاں مرحوم سے پڑھیں۔ مدرسۂ عالیہ میں ملازم ہیں نہایت نیک صاف باطن اور بے تکلف ہیں۔ تکالیف دنیوی پر صبر کی عادت ہے۔ اور استغنا کامل ہے۔ مدرسۂ عالیہ کے وقت کے علاوہ اپنے مکان پر حسبۃً للہ طلبا کو بکثرت پڑھاتے ہیں سلمہ اللہ تعالیٰ۔

محمد نبی خاں تخلص معجز

ولد محمد سردار خاں ولد خدایار خاں رسالدار قوم افغان - جمادی الاولی کی تیرھوس یا چودھویں
تاریخ بارہ سو ساٹھ ہجری میں رام پور میں پیدا ہوئے سن شعور میں کتب درسیہ فارسی کی
تحصیل کے بعد علوم عربیہ مولوی حکیم عبد الکریم خاں رام پوری مفتی عبد القادر مہدوی عبدالعلی
جونپوری - اور سید لعلی حیدرآبادی سے حاصل کئے مولوی سید علی فی الحال حیدرآباد میں جج ہیں -
فارسی کلام نظم سید منصور علی مرحوم کو اور اردو داغ دہلوی کو دکھایا دیوان ہے -
مگر ابھی تک غیر مرتب ہے - اور طبع نہیں ہوا ہے خط نستعلیق مولوی سلام اللہ رام پوری
اور میر عوض علی لکھنوی سے حاصل کیا - اس پیرانہ سالی میں بھی جلی اور خفی میں
وہ قوت ہے - کہ آجکل نوجوان کے ہاتھ میں نہیں ہے - راقم سطور کے پاس دونوں
قسم کے آپ کے کتبہ موجود ہیں سلسلۂ نقشبندیہ میں شاہ محمد امین الدین قدس سرہٗ ساکن
دیوا سے بیعت ہے - آپ کے دادا خدایار خاں رسالدار ولایت سے آکر ٹونک میں
نواب محمد امیر خاں مرحوم کے پاس قیام پذیر ہوئے تھے - آپ کے والد کی معافیات
مراد آباد فتح گنج ضلع بریلی میں تھیں - اور لکڑی کی تجارت بھی کرتے تھے - اور
نواب جنت آرام گاہ جناب نواب سید محمد خاں صاحب بہادر کے عہد میں آپ کے
والد کوتوالی میں جمعدار تھے - اور شہر کی سولہ چوکیوں پر افسر تھے - آپ نے بھی تحصیل
علم کے بعد دیہات استاجری میں چند گانوں لے لئے تھے بارہ سو نوے ہجری
(سنہ ۱۲۹۰) میں بھوپال گئے منشی وصیت علی صاحب کی وساطت سے نواب
صدیق حسن خاں بہادر کی خدمت میں باریاب ہوئے - آپکی قابلیت کی وجہ
سے نواب صاحب موصوف نے امیدواری کا سلسلہ قائم کرادیا مولوی احمد رضا
خاں کا تقرر گورنمنٹ کی طرف سے بھوپال میں ہوا - انھوں نے آپکی سفارش
نہایت اچھے الفاظ میں کی - پھر آپ نے نائب ناظم اور تحصیلدار یکا امتحان دیا -

اور درجۂ اول کی وکالت کی سند حاصل کی اب تک وکالت کرتے ہیں۔
آپ کے اوقات نہایت اچھے ہیں۔ باوجود وکالت دینی امور میں سرگرم ہیں۔
ذکر وشغل بھی جاری ہے۔ خوش اخلاق اور محبت آپ کا خمیر ہے۔ آپ کا ایک فرزند
الطاف علی خاں نامی تیرہ سو اکتیس ہجری (۱۳۳۱ھ) میں اکیاون برس کا ہو کر مر گیا۔
اب تین پوتے موجود ہیں۔ اِن میں سے بڑا لڑکا محمد جعفر علی خاں فارسی۔ عربی۔ اور
دینیات میں استعداد کامل رکھتا ہے۔ اور بھوپال میں ملازم ہے۔ اُردو کلام کا نمونہ
تذکرۂ آثار الشعرا مطبوعۂ بھوپال میں موجود ہے۔

حکیم مولوی حاجی منور علی محدّث

ولد حکیم محمد مظہر حق۔ رام پور میں ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان میں
کئی پشت سے طبابت چلی آتی ہے۔ آپ کے دادا حکیم محمد حسن۔ اور اُن کے والد حکیم
محمد عظیم اور اُن کے والد حکیم محمد عبد الرحیم مشہور طبیب تھے۔
آپ نے درسیات عربیہ وفارسی کی تکمیل رام پور میں کی ہے۔ اپنے والد سے فارسی
حافظ محمد صدیق شمس العلما مولانا عبد الحق خیر آبادی اور دیگر اساتذہ سے دیگر
کتابیں پڑھیں۔ صحاح ستہ کی سند مولانا سید محمد شاہ محدث رام پوری سے
حاصل کی۔ طب کی تکمیل طالب علمی میں کر چکے تھے۔ اور کتب درسیہ طب حکیم
محمد یعقوب خاں رام پوری سے پڑھیں۔ اور مطب بھی کیا۔ حکیم محمود خاں کی حیات
میں حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں کی خدمت میں بھی کچھ دن رہے اور اپنے
مکان پر چھبیس ستائیس سال سے مطب کرتے ہیں۔ مکان پر جو مریض آتے ہیں
اُن کا علاج ہمیشہ مفت کیا۔ مریض کو مکان پر جا کر دیکھا تو احباب میں کبھی بد
قبول نہیں کیا۔ کسی پہلو سے مریض کو اپنی فیس کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا
ابتدائے عمر سے پابندی صوم وصلوۃ ہے۔ اخلاق نہایت وسیع۔ دوستوں ا

عزیزوں سے محبت غربا کی حاجت براری میں شفقت ہی۔ اب مدرسۂ عالیہ میں کئی
سال سے حدیث پڑھاتے ہیں۔ قانع اسقدر ہیں کہ باہر سے سو ڈیڑھ سو کی
ملازمت کے پیام آئے مگر نہیں گئے۔ کبھی کبھی ترک ملازمت کا ارادہ ہوا مگر
راقم الحروف کی التماس سے فسخ کر دیا۔ وعظ بھی ہر جمعہ کو اپنی مسجد میں فرماتے ہیں
نہایت اثر زبان میں ہی۔ وجہ یہ ہو کہ ظاہر و باطن یکساں ہی طلبا کو پڑھانے سے
کسی حالت میں عذر نہیں۔ اب بہت ضعف ہو گئے ہیں سال گذشتہ میں ایسے
علیل ہوے کہ امید زندگی نہ تھی۔ صورت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نمایاں ہو
خدا زندہ رکھے۔ فی الحال ڈھاکہ یونیورسٹی میں پروفیسر عربی ہیں۔

حاجی محمدی صاحب

عرف حاجی صاحب دھنے۔ والد کا نام معلوم نہیں ہوا۔ قوم کے دھنے موضع حیات نگر
متصل پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ گیارہ سو نوے ہجری میں
(۱۱۹۰ھ) حیات نگر میں پیدا ہوے۔ معلوم نہیں کن اسباب سے رام پور آئے اور لال مسجد
میں قیام کیا۔ کچھ دنوں کے بعد رام پور میں عقد کر لیا اور پھلوار کے محلہ میں رہنے لگے۔
جس مسجد میں مزار آپ کا ہو۔ اسکو خام بنایا۔ اور اکثر اوقات اس مسجد کے جنوبی حجرہ میں
رہتے تھے۔ لکھے پڑھے نہ تھے۔ مگر حق پرستی کا ذوق تھا اسلئے مسائل سے خوب
واقف تھے۔ جس زمانہ میں آپ کا قیام لال مسجد میں تھا۔ اُس وقت میں لال مسجد کے
حجرہ میں یا مسجد کے قریب عبد اللہ شاہ صاحب نامی ایک افغانی رہتے تھے۔ اُن کی
یہ عادت تھی کہ پچھلی شب میں قیام گاہ سے برآمد ہوتے۔ اور ضرورتوں سے فارغ ہو کر پھر
بند ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ اکثر لوگ ان سے ملاقات کی تمنا کرتے تھے۔ مگر وہ کسی سے
ملتفت نہیں ہوتے تھے۔ حاجی صاحب کو بھی ان سے اعتقاد ہوا۔ رات کو روزانہ انکے
حجرہ سے قریب حاضر رہتے تھے۔ اور اپنی حاضری کسی نہ کسی طریقہ سے ثابت کر دیتے تھے۔

ایک روز موقع پاکر خالی حجرہ میں حاجی صاحب بھی جا بیٹھے۔عبداللہ شاہ صاحب تشریف لائے۔تو حاجی صاحب کو باہر دھکیلنے لگے۔حاجی صاحب نے پاؤں پکڑ لیے۔ اور عرض کیا۔کہ میں آپ کا غلام بننا چاہتا ہوں۔اور میرا حصّہ آپ کے ہاں ہے۔ شاہ صاحب نے پھر مزاحمت نہ کی اور حاضر باشی کا یہ اثر ہوا کہ پاؤں بھی دبانے لگے اور باتیں بھی ہونے لگیں۔ایک روز موقع پاکر حاجی صاحب نے بیعت کی استدعا کی۔اور عبداللہ شاہ صاحب نے چشتیہ طریقہ میں مرید کر لیا اور تعلیم و تلقین شروع کی۔ شاہ صاحب مولانا فخر الدین دہلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔حاجی صاحب نہایت خوش اوقات تھے۔دھنائی میں بھی یہ کمال تھا کہ ایک چھٹانک روئی کو ایک انگرکھ میں بھرتے تھے۔اور جب آفتاب کے رخ پر انگرکھ کو دیکھا جاوے تو کسی جگہ روئی کی کمی بیشی معلوم نہیں ہوتی تھی۔مگر اُجرت معمولی لیتے تھے۔بازار سے پُرانا گودڑ خرید کر اسکے فتیلے بنا کر فروخت کرتے تھے۔یہی بسر اوقات کا ذریعہ تھا۔شہر کے غربا۔امرا۔عالم۔ جاہل۔اور طلبائے علم اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔اور آپ کی کرامتیں مشہور رہیں اکھڑے ہاتھ اور پاؤں کو بھی چڑھاتے تھے۔اور یہ اُنکی برکت خاص تھی۔ کہ فوراً آرام ہو جاتا تھا۔راقم کے برادر معظم جناب محمد حشمت علی خاں صاحب بہادر کا ہاتھ لڑکپن میں اکھڑ گیا تھا۔آپ خدمت میں حاجی صاحب کے حاضر ہوئے۔مالش کرتے ہی درد وغیرہ جاتا رہا۔اور ہاتھ کام دینے لگا۔آپ کے خلفا میں محب اللہ صاحب مدنی اور آپ کے فرزند محمد صدیق صاحب مشہور ہیں۔معتقدین کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔ دیگر خلفا کا حال معلوم نہیں ہوا۔حاجی صاحب نے نوے برس کی عمر میں اتوار کے دن عید کی گیارھویں تاریخ بارہ سو اسی ہجری (۱۸۶۳ء) میں انتقال فرمایا اور خاص بازار قدیم میں لب راہ مسجد میں مزار ہے۔تمام تجہیز و تکفین کے مصارف نواب خلد آشیاں بہادر نے بھیجے اور انکے حکم سے مزار پختہ بنا۔ریاست سے دس روپیہ سال سالانہ

عرس کے لئے ملتے ہیں۔ آپ کے فرزند مولوی محمد صدیق صاحب کا انتقال ہوگیا حاجی صاحب کے پوتے شاہ عبدالرزاق صاحب آجکل سجادہ نشین ہیں۔

مولوی محمد منیب خاں

ابن مولوی محمد اکبر خاں عرف حاجی عجیب گل خاں قوم افغان باجوڑی ساکن محلہ لال مسجد صفر کی بیسویں تاریخ سنہ بارہ سو اٹھاون ہجری (۱۲۵۸ھ) میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتابیں اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں شیخ احمد علی اور اپنے والد اور ماموں سے پڑھیں۔ معقول اور ریاضیات مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں رام پوری وہدایت اللہ خاں رام پوری سے حاصل کی۔ فقہ اور اصول فقہ اخوند نالہ یار والے سے پڑھیں۔ حدیث اور فقہ مولانا عالم علی مرادآبادی سے اور طب کی کتابیں حکیم یعقوب لکھنوی اور مولوی نور کریم سے پڑھیں۔ پچاس سال سے برابر طلبا کو بغیر کسی معاوضہ کے پڑھاتے ہیں۔ کربلائے معلی اور نجف اشرف بھی گئے۔ سرکار مرزا سے صحبت رہی۔ حیدرآباد دکن سے ساٹھ روپے منصب کے پاتے تھے۔ چھ سات سال سے ریاست رام پور سے بھی پچاس روپیہ مہینا ملتا تھا۔ آپ کے ایک فرزند محمد حنیف خاں ایف۔ اے پاس ہیں۔ اور گھر پر ستاجری دہات کا کام کرتے ہیں۔ افسوس کہ مولانا نے ۲۳۔ دسمبر ۱۹۲۰ء میں رام پور میں انتقال فرمایا۔ میاں سبحان شاہ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد کثیر رہی۔

ملا محمد یار

رام[1] پور کے رہنے والے تھے۔ شاہ درگاہی صاحب کے خلیفہ تھے۔

حکیم سید محمد یحییٰ عرف متا میاں

ولد سید کاظم علی عرف قاضی میاں ابن سید نور شاہ ابن سید سلطان احمد عرف

[1] مجمع الکرامات۔

شاہ بھولے میاں صاحب۔ حضرت جلال الدین بخاری کی اولاد سے تھے رام پور محلہ راجدوارہ میں پیدا ہوئے۔ کتب فارسی و عربی کی تحصیل کے بعد کتب طبیہ چھ سال تک حکیم علی حسین خاں لکھنوی سے پڑھیں اور مطب بھی کیا۔ اسکے بعد پچیس سال تک حکیم محمد ابراہیم خاں سے پڑھا۔ اور ان کے مطب میں حاضر رہے۔ حکیم ابراہیم خاں کو آپ کی لیاقت پر ناز تھا۔ اور امراض متضادہ کے متعلق اکثر آپ ہی سے نسخہ لکھایا کرتے تھے۔ اور اپنے والد حکیم یعقوب صاحب اور اُستاد حکیم سید محمد مرتعش صاحب کا مطب تمام وکمال آپ کو دیدیا تھا۔ اُس میں سے کچھ حصہ آپ نے حکیم حافظ عبد العلی خاں مرحوم خلف حکیم محمد ابراہیم خاں صاحب مرحوم کو نقل کرادیا تھا شفاخانہ تحصیل شاہ آباد علاقہ رام پور میں ملازم تھے۔ اٹھاون سال کی عمر میں ۱۳۱۶ھ میں عارضہ ورم و اسہال کبدی سے انتقال فرمایا۔ اور شاہ بغدادی صاحب کے مزار میں دفن ہوئے۔ اغفر لہ مادۂ تاریخ وفات ہی۔

حکیم محمود خاں

ولد محمد اکبر خاں جنگ دوجوڑہ میں ان کے والد اکبر خاں مارے گئے۔ محمود خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم عربی و فارسی اور طب یہاں کے علما سے حاصل کی ریاست بھوپال میں پانچسو روپیہ ماہانہ تنخواہ تھی۔ رئیس کو اس قدر اعتقاد تھا کہ کبھی رخصت نہ دی بیس برس کی ملازمت کے بعد بھوپال میں غالباً ۱۲۹۰ھ میں انتقال ہوا۔ حکیم مولوی محمد مصطفیٰ خاں۔ مولوی محمد مرتضیٰ خاں اور حکیم محمد مجتبیٰ خاں تین فرزند عالم فاضل۔ اور طبیب یادگار چھوڑے۔

مولوی محمود

جناب[۱] نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) کے

---

[۱] انوار الرحمٰن لتنویر الجنان مولوی نور اللہ مطبوعہ صفحہ ۲۷۔

عہد میں جامع معقول و منقول استاد مشہور تھے۔ مولانا عبدالرحمن موحد لکھنوی نے انھیں سے ساڑھے چار برس تک رام پور میں کتابیں پڑھیں اور صدرا و شمس بازغہ تک کتابیں ختم کیں۔

مولوی محمود عالم

قوم کے سواتی والد کا نام مولوی محمد شاہ صرفی نحوی ہے۔ علوم مدرسہ ملا عبدالرحیم مفتی شرف الدین۔ مولانا تراب علی لکھنوی۔ مفتی محمد سعد اللہ۔ مولوی عبدالجلیل علی گڈھی وغیرہ سے پڑھے۔ اسکے بعد بنگالہ میں مختلف مقامات پر ملازمتیں کرتے رہے بعد وفات اپنے والد کے مدرسۂ عالیہ رام پور میں ملازم ہوئے۔ جمیع فنون کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ ان کے تلامذہ میں سے مولوی محمد وزیر محدث حافظ محمد رضا خاں۔ ملا سید ولی۔ ملا معظم شاہ وغیرہم اور حکیم عبدالرشید خاں ہیں آغا جو لکھنوی نے بھی تمام کتب درسیہ ان سے پڑھیں۔ اور ملا سید ولی ولایتی رام پوری سے بھی پڑھیں۔ اعظم شاہ ولایتی بھی رام پور میں ان کے شاگرد تھے۔ اور مدرسہ میں نوکر تھے۔ صرف و نحو میں تو اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ تیرہ سو دو ہجری (۱۳۰۲ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔

قطعہ تاریخ رحلت از مولانا محمد سعید حیرت

مولوی محمود عالم عالم پرہیزگار ‌ ‌ ‌ چوں ز عالم شد قلوب عالمے را شد غمے

گفت حیرت سال فوت آنجناب از روئے درد ‌ ‌ ‌ رحلت محمود عالم کرد بیدل عالمے

۱۳۰۲ھ

مولوی محی الدین خاں

اصل میں ولایتی تھے۔ رام پور میں نشو و نما ہوئی۔ نواب وزیر الدولہ کے عہد میں ٹونک گئے۔ وہاں ملازم ہو گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔ عالم کامل تھے۔ اور عملیات کا بہت شوق تھا۔

مداری شاہ

یہ نہایت[1] صغیر السن تھے۔ کہ والدین مرگئے۔ کوئی سرپرست نہ تھا۔ خود کھانا پینا بھی نہ آتا تھا۔ شاہ درگاہی صاحب نے اُن کو اپنے پاس رکھا دونوں وقت اپنے ہاتھ سے کھلاتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی تک انکو اسی طرح رکھا شاہ صاحب کہا کرتے تھے۔ میرا بھولا مداری۔ نہایت درویش صفت آدمی تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے کوئی غرض نہ تھی۔ عبادت اور مجاہدہ سے کام تھا۔ ان کا مزار شاہ درگاہی علیہ الرحمہ کے مزار کے احاطہ میں ہے۔

مولوی حکیم مرتضیٰ تخلص مرتضیٰ

ولد قاری علی حسین ابن سید قمر علی حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے رامپور میں پیدا ہوئے۔ محلہ کٹرہ جلال الدین خاں میں رہتے تھے۔ علوم عربیہ مولوی فضل حق خیرآبادی شمس العلما مولوی عبدالحق خیرآبادی۔ مفتی طالب حسن۔ مولوی عبیداللہ خاں رامپوری اور مولوی عالم علی محدث مرادآبادی سے پڑھے۔ طب حکیم محمد ابراہیم خاں لکھنوی سے پڑھی۔ خوشنویسی نستعلیق میں میر عوض علی کے شاگرد رشید تھے۔ شاعری میں نواب مرزا خاں داغ اور منشی احمد حسن خاں عروج خواجہ بشیر احمد۔ اور منشی امیر احمد صاحب مینائی سے تلمذ تھا۔ خواجہ اللہ بخش صاحب چشتی ساکن تونسہ ضلع ڈیرہ غازیخاں سے بیعت تھے۔ نواب عرش آشیاں بہادر اور اعلیٰ حضرت جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام ملکہم کے استاد تھے۔ صاحبزادہ سید محمد علی خاں بہادر عرف چھٹن صاحب صاحبزادہ سید مصطفیٰ علی خاں بہادر مرحوم ہوم سکرتری۔ اور ان کے والد صاحبزادہ سید محمود علی خاں صاحب بہادر مرحوم صاحبزادہ شبیر علیخاں صاحب بہادر ابن نواب خلد آشیاں بھی آپ کے زیر تربیت رہے۔ ضلع علی گڈھ میں عبدالجلیل خاں

---

[1] مجمع الکرامات فارسی۔

خلیل الرحمن خاں۔ محمود صالح خاں۔ حافظ عبدالعلیم خاں۔ اور محمد عمر خاں کو بھی پڑھایا۔ شہر میں اور بہت سے شاگرد موجود ہیں۔ خوشنویسی میں بھی بہت سے تلامذہ زندہ ہیں۔ جلی و خفی نستعلیق خوب لکھتے ہیں۔ تصانیف میں تحفۂ حامدیہ منظوم اُردو طبع ہو چکی ہے۔ علاج الاطفال طب فارسی موجود ہے۔ حامد النحو عربی۔ نظم المعجزات نبوی اُردو بھی آپ کی تصانیف سے ہیں۔ مگر مکان میں آگ لگ جانے سے تلف ہو گئیں۔ رجب کے مہینے میں نوچندی جمعرات کے دن جولائی ۱۹۲۰ء میں انتقال فرمایا۔ جمعہ کے دن شاہ رفیق کے تکیہ میں دفن ہوئے۔ سید احمد حسن۔ سید رضا حسن خوشنویس۔ سید مبارک حسن۔ سید محمود حسن۔ زندہ ہیں۔ رسالہ تشبیہ فارسی مصنف کے قلم کا لکھا ہوا ۸۹ صفحہ کا کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

مولوی مرتضیٰ خاں

ولد حکیم محمود خاں ابن محمد اکبر خاں رام پور میں پیدا ہوئے یہیں علوم عربی و فارسی حاصل کئے۔ نہایت فاضل اور بڑے فقیہ تھے ضلع کانپور میں انگلش گورنمنٹ کی ملازمت میں منصف کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ علیل ہو کر بحصول رخصت بھوپال گئے۔ تقریباً بارہ سو اٹھاسی ہجری میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے متاہل نہیں ہوئے تھے۔

پیر جی مرتضیٰ خاں

قیمت خاں جمعدار کے بیٹے رام پور میں جھولے والی املیوں کے محلہ میں رہتے تھے۔ مولانا سعد اللہ خاں رام پوری سے صرف و نحو پڑھی۔ غازی سید احمد رائے بریلوی سے بیعت ہوئے اور خلافت ملی۔ رام پور میں ریاست سے بطور پرورش چالیس روپے مہینا ملتے تھے۔ نواب وزیر الدولہ نے بہت اصرار سے ٹونک بلا لیا۔ وہاں بہت دولت و عزت ملی۔ نواب محمد علی خاں والیٔ ٹونک اور اُن کی کل اولاد اُن سے بیعت ہوئی۔ ٹونک ہی میں اُن کا انتقال ہوا اور موتی باغ میں مزار ہے۔

کتاب احسن الوصایا اُردو مطبوعہ ۱۲۹۰ھ۔ اور دافع الفساد نافع العباد قاطع الشرک والبدعات اُردو مطبوعہ ۱۲۸۲ھ ان کی تصنیف سے ہیں۔ ترجمہ اُردو راہ نجات۔ لکھکر بغرض تعلیم نسواں طبع کرایا۔ اولاد ٹونک میں ہے۔ مگر کوئی عالم نہیں ہوا۔ البتہ ایک بیٹا حکیم احسن اللہ خاں نے حکیم دایم علی اور حکیم برکات احمد سے طب پڑھی اور علاج کرتے تھے شوال ۱۳۳۲ھ ٹونک میں انتقال ہوا۔

پیرجی مرتضیٰ خاں

ولد مصری خاں ساکن محلہ محل کمیدان۔ ابتدا میں علوم دینی حاصل کئے پھر جناب حافظ شاہ جمال اللہ صاحب سے بیعت کی اور ریاضت و مجاہدہ کرنے لگے۔ حافظ صاحب کی رحلت کے بعد (۱۲۰۹ھ) شاہ درگاہی کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ رام پور میں انتقال کیا اور اپنے محلہ کی مسجد میں جو خود تعمیر کرائی تھی دفن ہوئے۔ ایک سو پانچ سال کی عمر ہوئی۔

مستجاب خاں عرف بیرنگ شاہ

ولد مصطفیٰ خاں قوم افغان موضع شیخوپورہ تحصیل سوار ریاست رام پور میں رجب کی دوسری تاریخ سنہ بارہ سو ستاون ہجری (۱۲۵۷ھ) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے کلام شریف پڑھا۔ اسکے سوا کوئی تعلیم نہیں ہوئی۔ مگر اخیر میں اردو بے تکلف پڑھ لیتے تھے۔ بچپن میں آپ کو حالت بیداری میں حسین عورتیں ہنستی ہوئی نظر آتی تھیں۔ یہ حالت آپ نے اپنے والد سے کہی۔ آپ کے والد نے کہا ایسے وقت آیت قطب پڑھ لیا کرو۔ جب آپ یہ آیت پڑھتے وہ صورتیں ہنسی ہوئی نظر سے غائب ہوجاتیں۔ تھوڑے دنوں میں یہ حالت بالکل جاتی رہی آپ کے والد نے شیخوپورہ سے ترک سکونت کرکے موضع خان پور تحصیل سوار میں اقامت اختیار کی اور آپ کی شادی موضع کھود تحصیل سوار میں ہوئی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد

آپ اپنی سسرال میں کھود چلے آئے۔ اور وہیں تا حیات رہے۔ ایک بار حالت جوانی میں ایک بزرگ کی صورت بحالت بیداری نظر آئی اور غائب ہو گئی۔ دوبارہ پھر وہ صورت حالت بیداری میں نظر آئی تو آپ نے نام دریافت کیا۔ اُس صورت نے اپنا نام جعفر شاہ بتایا۔ یہ شعر پڑھا۔

مست ہی رہتے ہیں ہم دن رات کیا　　　ہم قلندر رہیں ہماری ذلت کیا

اس شعر کو سنکر آپ کو جذب لاحق ہوا۔ بڑے بڑے لکڑ جو پانچ چھ آدمی نہیں اُٹھا سکتے اپنے ہاتھوں پر لئے پھرتے تھے۔ موضع کھود کے نیچے دریائے کوسی رواں ہے۔ گرمیوں کے موسم میں اسکے گرم ریت میں جاکر اپنے آپ کو دبا دیتے اور گھنٹوں اُس دھوپ میں ریت پر لوٹا کرتے۔ اُسی حالت مستی میں حج کے ارادہ سے گھر سے نکلے۔ دہلی کے پاس کوئی موضع مالم ہے وہاں میاں جعفر شاہ رہتے تھے۔ یہ وہی صورت تھی جو ان کو دوبارہ نظر آئی تھی۔ میاں جعفر شاہ نے حکم دیا کہ تمھیں کھانا ملا کریگا۔ خانقاہ کے لئے جنگل سے لکڑیاں لایا کرو۔ چھ مہینے تک اس کام کو کیا۔ عادت تھی نہیں ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے چھ مہینے کے بعد میاں جعفر شاہ نے حکم دیا کہ اب تم خواہ کعبۃ اللہ کو جاؤ یا مکان کو اب تمھیں اجازت ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ میں سمندر کے کنارہ تک گیا۔ اسکے سوا کچھ نہیں فرمایا۔ لوگ کہتے ہیں حج ادا کیا تھا پھر اپنے مکان کو واپس آئے۔ جذب بالکل جاتا رہا تھا۔ میاں دیدار شاہ خلیفہ میاں احمد علی شاہ نقشبندی سے بیعت ہوے۔ میاں دیدار شاہ کا مزار موضع لسوی علاقہ ترائین میں تحصیل بلاسپور سے جانب شمال علاقہ انگریزی میں تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ مزار کے متعلق باغ اور مسجد اور خانقاہ بہت خوشنما دریائے ہیگل کے کنارہ ہے اسی جگہ میاں نظام الدین ترک خلیفہ شاہ درگاہی کا بھی مزار ہے میاں دیدار شاہ سے بیعت ہو کر ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف ہو گئے بسرنگ شاہ نام آپ کے پیر نے رکھا ہے۔ اور پیر و مرشد آپ کے

فرمایا کرتے تھے کہ بیرنگ شاہ ایسا فقر کم دیکھنے میں آیا۔ بہ حالت سلوک تا حیات قائم تھی۔ نماز روزہ کی سخت پابندی تھی۔ دروازہ میں آپ کا جہاں مصلا نماز کا بچھا تھا سانپ آجاتے تھے۔ آپ اُن کو نہیں مارنے دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ ہم انھیں تکلیف نہ دینگے۔ تو یہ ہمیں نہ ستائیں گے۔ آپ کے والد کی گذر کاشتکاری پر تھی۔ آپ کا گزر توکل پر تھا۔ سنہ اٹھارہ اکیانوے عیسوی (۱۸۹۱ء) میں ریاست نے آپ کو ایک قطعہ اراضی موضع کھودیں دیا اس میں چھوٹا سا باغ لگایا اور کچھ اراضی میں کاشت ہوتی تھی۔ لوگوں نے وہاں ایک قبہ اور چبوترہ پختہ بنوادیا تھا۔ ایک بڑا کنواں بھی بنوایا۔ مہمانوں کے لئے مکان بھی بنے ہوے ہیں۔ آپ کے مرشد بھی کبھی کبھی آپ کے پاس آتے تھے۔ رجب کی دوسری تاریخ سنہ تیرہ سو بارہ ہجری (۱۳۱۲ھ) میں انتقال ہوا اور اُسی قبہ میں دفن ہوے۔

مرید بہت سے تھے۔ لیکن اجازت بیعت کسی کو نہیں دی اور فرماتے تھے میرے پیر و مرشد حیات ہیں جسکو وہ قابل سمجھیں گے خلیفہ کر دینگے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے مرشد میاں دیدار شاہ نے چند لوگوں کو خلافت عطا کی منجملہ ان کے میاں محمد شاہ اب صاحب سجادہ ہیں۔ اور مزار پر تمام امور کے متکفل ہیں۔

میاں محمد شاہ ہندو کایستھ موضع تربت نگر تحصیل سوار کے باشندے ہیں پہلے خواب میں میاں بیرنگ شاہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ اور خواب کی بدولت اسلام سے مشرف ہوے۔ میاں بیرنگ شاہ کے ایک لڑکا عبدالوہاب نامی تھا مگر وہ بچپن ہی میں مرگیا۔ اب کوئی اولاد نہیں ہے۔

مسترشد النسا بیگم معروف بہ روشن جہاں آرا بیگم

بنت[۱] مولانا محمد ارشد۔ شاہ رؤف احمد مجددی کی والدہ ہیں۔ ولادت آپ کی

---

[۱] جواہر علویہ۔

نجیب آباد میں ہوئی۔ جب ان کے والد مع تمام عیائل کے رام پور میں آئے تو نواب نصر اللہ خاں نائب نواب سید احمد علی خاں بہادر مرحوم ان کے والد مولانا محمد ارشد کے مرید ہو گئے۔ ان کو اپنے والد سے بیعت تھی۔ ہر وقت اذکار اور عبادات میں مشغول رہتی تھیں۔ آپ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے یہ اثر رکھا تھا کہ جس کے لئے دعا کرتیں قبول ہو جاتی۔ اخیر عمر میں بصارت بالکل جاتی رہی مگر اوقات نماز پر سب گھر والوں کو ہدایت کرتیں۔ کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے نماز پڑھو۔ خصوصاً برسات کے موسم میں متواتر تجربہ ہوا۔ ایک نماز کے لئے وضو کر کے دوسری نماز کے واسطے پانی بھر کر پاس رکھ لیتیں مرنے سے چھ مہینے پہلے قسم قسم کے امراض پیدا ہوئے۔ پنجشنبہ کو عشا کی نماز کے بعد بائیسویں محرم بارہ سو اکتالیس ہجری (۱۲۴۱ھ) کو رام پور میں انتقال فرمایا۔ محلہ بڑے پیر صاحب کے جھنڈے میں اپنے والد کے مزار کے متصل دفن ہوئیں۔

مولانا محمد مرشد

ولد[1] مولانا محمد ارشد ولد مولوی فرخ شاہ ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہم۔ آپ گیارھویں صفر گیارہ سو ستر (۱۱۷۰ھ) کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلی اور نقلی میں کامل۔ اعلیٰ درجہ کے محدث اور مفسر تھے۔ نسبت باطنی میں بھی کمال تھا۔ کتاب سر المرشدین میں حالات مفصل ہیں۔

گیارہ سو ننانوے (۱۱۹۹ھ) میں سرہند کو تیسری بار جب سکھوں نے تباہ و برباد کیا تو آپ مع اہل و عیال رام پور تشریف لائے۔

باطنی سلوک کی اجازت حدیث کی سند مصافحہ کی سند اور صحاح ستہ کی سند اپنے والد سے لی۔ قادریہ۔ خرقہ جو شاہ سکندر سے مجدد علیہ الرحمہ کو ملا تھا۔ وہ آپ کو اپنے والد سے ملا۔ اپنے آبا و اجداد کے سجادہ نشین تھے آپ سے بہت سے خرق عادات ظاہر ہوئے۔

[1] جواہر علویہ۔

ایک مرتبہ میاں ضیاء النبی (جنکی مسجد اور گھیر مشہور ہے) کو خفقان ہوا آپ کی توجہ سے بالکل صحت ہوگئی۔ ایک[1] بار انگریزوں نے رام پور پر چڑھائی کی جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر نے آپ سے دعا کی التماس کی انگریز چند روز کے بعد چلے گئے ایک شخص محتلم ہوا آپ کے حلقۂ مراقبہ میں آگیا۔ آپ نے اسکو آگاہ کردیا۔ ایک شخص اجنبی عورت کے ساتھ کھانا کھا کر آیا آپ نے مکاشفہ سے حالت معلوم کرکے اس کو منع کیا۔ ملا محمد ارم۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے علوم ظاہری کی تکمیل کرکے بہت سے بزرگوں کی خدمت میں سلوک باطنی کے واسطے حاضر ہوے۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ایک روز خواب میں دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ کے پیرزادہ کے پاس جانا ملا ارم صبح کو حاضر ہوے۔ آپ نے فرمایا ملا تم سفارش لیکر آئے ہو پھر بیعت کرلیا۔

ملا کا بیان ہے کہ ہاتھ پکڑتے ہی زمین و آسمان آئینہ کی طرح روشن ہوگئے۔ میرے پیر و مرشد منشی محمد رشد علی خاں قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ شاہ درگاہی علیہ الرحمہ کو حالت استغراق بہت رہتی تھی۔ اور قلبی جوش و خروش کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُس حالت میں آپ کو یہ خیال ہوا کہ اب تکمیل باطنی ہوچکی ایک روز حافظ شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ کے حضور میں حسب عادت حاضر ہوے۔ حافظ صاحب نے فرمایا درگاہی کبھی مولانا مرشد کے ہاں بھی حاضر ہوتے ہو عرض کیا کبھی نہیں ارشاد ہوا کہ کل جانا۔ عصر و مغرب کے درمیان میں۔ شاہ درگاہی صاحب مولانا مرشد کی خدمت میں حاضر ہوے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات پڑھا رہے تھے۔ جسوقت شاہ درگاہی پہونچے اُسوقت یہ درس تھا کہ جوش و خروش اور واردات قلبی تو سلوک باطنی کی ابجد ہے۔ درس ختم ہوا تو ہوا تو شاہ صاحب جناب حافظ شاہ جمال اللہ کی خدمت میں حاضر ہوے۔ اور عرض کیا کہ حضور آج تو کمر ٹوٹ گئی ہمت پست ہوگئی۔ ارشاد ہوا کہ درگاہی پھر ایسے خیالات

[1] اس واقعہ کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ہے۔

سد کیوں باندھے تھے۔ مولانا مرشد تقوی۔ طہارت۔ اتباع سنت میں نہایت مقصد
ے۔ علوم ظاہری بھی پڑھاتے تھے۔ اور تلقین باطنی بھی کرتے تھے شنبہ کے دن
رکی نماز کے وقت انیسویں رجب کو بارہ سو ایک ہجری (مطابق ۱۲۰۱ھ) میں رام پور میں
نتقال فرمایا۔ محلہ بڑے پیر صاحب کے جھنڈے میں وسیع قبرستان میں ایک مختصر
جد ہے اُس مسجد کے صحن سے ملحق ایک چھوٹی سی چاردیواری میں مزار ہے۔

مولوی مسعود خاں ولد مولوی نظام الدین خاں

م پور کے رہنے والے پورے عالم تھے۔ روزگار پیشہ تھے۔ اخیر میں ٹونک میں
اکر دیوانی کے ناظم نواب محمد ابراہیم علی خاں صاحب کے عہد میں ہوئے۔ نواب عبید اللہ
اں ساعی تھے۔ نواب ابراہیم علی خاں صاحب کو عبید اللہ خاں صاحب سے تکدر ہوا
۔ یہ موقوف ہو گئے۔ عبید اللہ خاں نے ان کو بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کے
س بھیج دیا وہاں جاکر ملازم ہو گئے۔ رام پور میں ۱۹۔ جون سنہ اُنیس سو چار عیسوی
(۱۹۰۴ء) میں انتقال ہوا۔ اور اپنے والد مولوی نظام الدین خاں مرحوم کے برابر
یر باز خاں کے گھر میں دفن ہوئے۔

ملا مسعود عالم خاں

لد میاں احمد اخون زادہ تمام کتب عقلیہ و نقلیہ مفتی شرف الدین مولوی عبد الرحیم
ولوی تراب علی لکھنوی۔ مفتی محمد سعد اللہ وغیرہ سے پڑھیں۔ جھولے والی املیوں کے
لہ میں مکان تھا۔ رام پور ہی میں پیدا ہوئے۔ نہایت متورع متوکل اور عابد زاہد تھے۔
انہ نشین تھے۔ ابتدا میں تمام کتابیں پڑھاتے تھے۔ اخیر عمر میں درس و تدریس
وڑ دی تھی۔ اور رات دن زہد و عبادت میں رہتے تھے۔
سن سیرت کے ساتھ حسن صورت بھی بدرجۂ کمال تھا۔ قوی ہیکل اور دلیر بھی تھے۔
احبزادہ باقر علی خاں بہادر مرحوم کے ہاں کبھی کبھی آتے جاتے تھے۔

تقریباً بارہ سو اٹھانوے ہجری (سنہ ۱۲۹۸ھ) میں انتقال ہوا۔ اور محلہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

مصاحب جنگ

یہ کوئی ذی علم بزرگ تھے۔ ہشت خلد فارسی مولفہ غلام جیلانی رفعت کے دیباچہ میں ہشت خلد کی ترتیب دہندوں میں انکا نام بھی ہے۔

تاریخ وفات از عنبر شاہ خاں عنبر

چوں گزشت از جہاں مصاحب جنگ — رگِ جانم کشاد نشتر آہ
وز پے استطار سال وفات — از دِ غمِ سینہ سوز (؟) شد سر آہ

مولوی مصری خاں

احمد شاہ کے حملہ کے زمانہ میں ولایت سے آئے۔ آنولہ میں مقیم ہوئے۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں بہادر نے اپنے مصاحبوں میں رکھ لیا اور رام پور کو ہمراہ لائے۔ ایک سو روپے مینا مقرر کر دیا۔ علوم عربیہ خصوصاً علم دین میں کامل تھے۔ ایک مسجد اور دو تین مکان بنائے جو اب تک محلہ کمیدن میں موجود ہیں۔ رام پور میں انتقال کیا۔ ایک سو دس سال کی عمر ہوئی دریا خاں کے گھیر میں دفن ہوئے۔

مظفر خاں تخلص گرم

ولد محمد خاں قوم پٹھان۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ علوم و فنون متداولہ حاصل کر کے دہلی میں نواب محمد عبد اللہ خاں برادر حقیقی جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ کے مصاحبوں میں مدتوں رہے۔ جب وہ میرٹھ گئے۔ تب بھی اُن کے ساتھ تھے۔ ذوق سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ اخیر میں جے پور چلے گئے تھے۔ وہاں جمادی الآخر کی دسویں تاریخ بارہ سو پچاسی ہجری

(سنہ ۱۲۸۵ھ) میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال ہوا اور جے پور ہی میں دفن ہوئے۔
نمونہ کلام گلستانِ سخن قادر بخش صابر اور انتخاب یادگار میں ملاحظہ ہو۔

حاجی حافظ مولوی حکیم مظہر علی

اصل وطن مراد آباد محلہ کسرول تھا۔ قوم شیخ مفتی محمد سعد اللہ کے داماد تھے۔ عربی۔ فارسی۔ طب۔ علمائے رام پور اور مفتی محمد سعد اللہ۔ حکیم علی حسین خاں و حکیم محمد ابراہیم خاں لکھنوی سے حاصل کی۔ فن ڈاکٹری کی بھی تحصیل کی۔ آپ کی ذہانت اور علمیت کی زبانوں پر داستانیں ہیں کچھ دنوں مدرسۂ عالیہ ریاست رام پور میں مدرس رہے۔ ریاست اندور میں ابتداً بزمرۂ اطبا سو روپے ماہانہ پر اور پھر سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر مقرر ہو گئے تھے۔ رام پور اور باہر کے اکثر طلبا کو پڑھایا۔ عربی کے اکثر فنون میں مہارت تھی۔ ہدیہ سعیدیہ پر کچھ اعتراض کئے تھے۔ معلوم نہیں چھپے یا نہیں۔ ماہ شوال سنہ بارہ سو اٹھانوے ہجری (سنہ ۱۲۹۸ھ) میں لاولد اندور میں انتقال کیا۔ عیدگاہ اندور کے متصل بڑھ کے درخت کے نیچے مزار ہے۔

حکیم مظہر احسن خاں تخلص احسن

ولد حکیم مجتبیٰ خاں۔ ابن حکیم محمود خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کی تکمیل مولوی عبد المجید خاں۔ سید علی حسین اور مولوی نور النبی صاحب سے کی۔ خطِ نسخ میں حافظ فیاض کے نستعلیق میں میر عوض علی صاحب کے شکست و شفیعا میں منشی عطا حسن کے شاگرد تھے۔ خط گلزار اور غبار اپنی ایجاد تھی۔ ہفت قلم تھے۔ عروض و قافیہ میں مولوی جمال شاہ خاں اور منشی مظفر علی خاں اسیر کے شاگرد تھے۔ شاعری میں پہلے مرزا اسد اللہ خاں غالب کے شاگرد تھے پھر اسیر سے اصلاح لینے لگے۔ ایک دیوان فارسی ایک دیوان اردو یادگار ہے۔ عروض سیفی فارسی کی شرح اردو میں نہایت بسط سے لکھی۔ طبیب حاذق تھے۔ بہت بڑا مطب تھا۔

پیلی بھیت ہی میں قیام تھا۔ لکڑی کی تجارت بھی کرتے تھے مطب کی ترقی کی وجہ سے
لکڑی کی تجارت ترک کی اور زمینداری خرید لی ۱۳۰۲ھ میں پیلی بھیت سے
خورشید آفاق نامی اُردو کا ہفتہ وارا اخبار نکالا۔ اور مطبع کا نام مطبع مظہری رکھا۔
درس کا شغل بھی جاری تھا۔ پیلی بھیت میں بہت سے شاگرد ہیں۔ تصانیف کے
طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ مارچ کی پندرھویں کو اٹھارہ سو اکیا نوے عیسوی
(۱۸۹۱ء) میں سنتالیس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ اور پیلی بھیت ہی میں دفن ہوئے
اولاد میں کوئی عالم نہیں ہوا۔

مولوی منظہر جمیل

فرزند اصغر مولوی مفتی شرف الدین۔ اکتساب علوم و فنون کے بعد اپنی حسن لیاقت
سے ساگر ملک متوسط کے منصف مقرر ہوئے۔ پھر ہرداہنڈیا میں اکسٹرا اسسٹنٹ
کمشنر کے عہدہ پر ترقی کی۔ غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں آپکے حسن انتظام سے ضلع
ہوشنگ آباد اور اسکے اطراف میں امن رہا۔ برٹش گورنمنٹ نے اِس خیر خواہی
کے صلہ میں خلعت و شمشیر و گھڑی وغیرہ کے علاوہ راجہ گنگا دھر باغی کی ضبط شدہ
علاقہ میں سے چار ہزار سالانہ کی جاگیر آپ کو دی۔ اور اسکی بقیہ علاقہ کا انتظام آپکے
فرزند مولوی فضل القادر کے نام ہوگیا۔ مولوی منظہر جمیل کی شادی حافظ سید
علی جان ساکن رام پور محلہ تھانہ جیانی کی دختر سے ہوئی تھی۔ سید صاحب زمیندار
موضع پیپل گانوں اور موضع بھرت پور واقع تحصیل بسولی ضلع بدایوں تھے۔ مقام
ہردا میں انتقال کیا اور اسٹیشن کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کے دو فرزند تھے۔
ایک مولوی فضل القادر اور دوسرے مولوی حفظ الکبیر اور تین بیٹیاں تھیں۔ مولوی فضل القادر
۱۸۵۸ء میں تحصیلدار سونی ملک مالوہ تھے۔ بعد کو ڈپٹی کلکٹر اضلاع منڈلا ہوشنگ آباد
اور گونڈوانا کے ہوگئے۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہو کر پنشن لیلی۔ انکی شادی رام پور میں

محلہ مدرسہ کے خانزادوں میں ہوئی تھی مولوی فضل القادر کے فرزند مولوی ظہور الاسلام تھے جو ہاتی پکڑنے کے شوق میں سیلون کو گئے۔ اور علیل ہوکر وہیں لاولد انتقال کیا۔ ایک بیٹی تھیں جو مولوی منظر المحمود فرزند مولوی حفظ الکبیر کو منسوب ہیں۔

مولوی حفظ الکبیر فرزند اصغر جبل پور میں سیرشتہ دار منشی ہوے۔ چند روز کے بعد ملازمت ترک کردی۔ شکار کا شوق تھا۔ غریب پروری اور دوست نوازی کی کوئی حد نہ تھی بڑی شان وشوکت اور مجمع کے ساتھ سیر وشکار کرتے تھے اپنی جاگیر کمڑپابڑہ ضلع ہوشنگ آباد کی آمدنی بھی بڑھائی ۱۹۱۸ء میں اندور میں انتقال کیا۔ اور مہو ہی کی چھاونی میں دفن ہوے۔ مولوی منظر المحمود اور ظہیر السعید دو فرزند یادگار ہیں۔ مفتی شرف الدین صاحب کی اولاد بعنایت الٰہی رام پور میں موجود ہے۔ چونکہ اب اِس خاندان کا تعلق سکونت بالکل رام پور میں نہیں ہے۔ اس لئے مجمل حالات یہاں لکھدئے۔

مولوی منظر جمیل کی تین بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی حافظ محمد حسن خاں ساکن رام پور محلہ تھانہ جیانی کو منسوب ہوئیں جنکی اولاد میں حافظ محمد یعقوب خاں ملازم محکمہ صدر رام پور موجود ہیں۔ دوسری بیٹی سید عفیف الدین پسر عبدو میاں ساکن محلہ تھانہ جیانی خالہ زاد بھائی کو منسوب ہوئی تھیں۔ جو لاولد مریں تیسری بیٹی ابھی تک کہ ۲۸ صفر ۱۳۴۳ھ ہے زندہ ہیں۔

مولوی معزالدین خاں

قوم کے خٹک تھے۔ ولایت سے رام پور آئے۔ علم فقہ ولایت میں حاصل کرلیا تھا۔ ملا عرفان کی مسجد کے قریب رہتے تھے۔ چھیانوے برس کی عمر ہوئی تقریباً بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔ خسرو باغ کے مشرق میں جو قبرستان کے اندر مسجد ہے اُسکی پشت پر دفن ہوے۔ تین اولادیں یادگار

چھوڑیں ایک عبدالرشید خاں - دویم - مولوی حکیم حافظ عبدالمجید خاں سویم عبدالصمد خاں -

معظم خاں عرف فقیرجی

قوم پٹھان شاہ آباد دروازہ رہتے تھے - ابتدا میں گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے - ایک بار رہردوار سے گھوڑے لیکر دہلی گئے - وہاں سید غلام حسین صاحب عرف خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہم سے بیعت ہوکر خلافت پائی -
گھوڑوں کی تجارت ترک کرکے ٹٹو پر غلہ باہر سے لاکر لاتے اور فروخت کرتے - پھر اسکو بھی ترک کیا اور بھینسیں پالکر دودھ فروخت کرنے لگے - دودھ کے خریدار کے سامنے اول دودھ کے برتن کو آنچ پر رکھکر خوب خشک کرلیتے - پھر دودھ دوہتے - اسکو بھی پھر ترک کردیا - اور گھاس کھودکر سر پر لاتے اور بازار میں فروخت کرتے - اِس زمانہ میں ایک بوجھا گھاس کا دو منصوری پیسے کو فروخت ہوتا تھا - وہی دو پیسے منصوری روزانہ مصارف کا ذریعہ تھے - لیکن اِن تمام حالات میں جا نماز اور مٹی کا برتن وضو کے لئے ساتھ رکھتے تھے - اخیر عمر میں گھانس چھیلنا ترک کردی تھی - اور اسکی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز گھانس چھیلتے چھیلتے یہ صدا آئی کہ کب تک مجھے قتل کروگے - غالباً اسکے بعد اُنکی اولاد کفیل تھی -
شہر کے باہر اکثر چلے جاتے کسی ضعیف مرد یا عورت کو بوجھ لاتے ہوے دیکھتے توخود اپنے سر پر رکھکر اُسکا بوجھ پہونچا دیتے تھے - مرض فتق اور پتھری کا تھا - مؤلف انوار العارفین سے فرماتے تھے - کہ جو ریزہ پتھری کا نکلتا ہی اُسمیں بھی لذت محسوس ہوتی ہی - اور اُن سے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے میاں حسن شاہ محدث کو کچھ نصیحت کی تھی - خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا نیک ہی کہ ہماری اولاد کو نصیحت کرتا ہی - بہت سے آپکے مرید تھے - حافظ محمد عمر خاں

مرحوم۔ شاہ جی نظر محمد خاں مرحوم اور میاں حسن شاہ محدث آپ کے خلیفہ تھے۔
جمادی الاولی کی پچیسویں تاریخ بارہ سو سترسٹھ ہجری (۱۲۶۷ھ) میں انتقال ہوا اور
بیرون شاہ آباد دروازہ متصل روشن باغ سڑک سے غرب کی جانب چھوٹے سے
احاطہ میں پختہ مزار ہے۔ آپ کے قدموں میں شاہ جی نظر محمد خاں دفن ہیں۔
پوتوں کی اولاد موجود ہے۔ مگر درویشی کا اثر نہیں۔

مولوی محمد مغل خاں

رام پور میں رہتے تھے۔ دس برس سے عارضہ درد ریحی سوداوی مراقی تھا سید محمد قاسم
شاہ صاحب اور مولوی محمد بادشاہ صاحب کے ایما سے حکیم بایزید اخون زادہ نے علاج
کیا۔ اور اچھے ہو گئے۔ مولوی عبدالقادر خاں صدر الصدور اپنے روزنامچہ میں انکو
محدث لکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ میں نے انکو نہیں دیکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
۱۲۲۱ھ سے قبل انتقال ہو گیا تھا۔ یہ بھی روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ آجکل اُن کے
پوتے مولوی محمد سعید موجود ہیں۔ حافظ قرآن ہیں اور جملہ فنون درسیہ میں
مناسبت ہے۔ اور فتح پور میں قائم مقام صدر امین ہیں۔ طبع موزوں ہے اور
نثر نویسی میں قدرت ہے۔[1]

مُلّا معظم شاہ ولایتی

رام پور میں آکر مفتی سعد اللہ۔ مولوی عبد العلی خاں اور مولوی محمود عالم سے کتابیں پڑھیں۔
مدرسۂ عالیہ رام پور میں مدرس بھی ہو گئے تھے۔ محلہ کیلے والے تالاب پر شادی کی
ایک بیٹا چھوڑ کر یہیں رام پور میں انتقال کیا۔ بیٹا علم سے بے بہرہ ہے۔

مولوی معین الدین

ولد مولوی ظہور الدین وکیل۔ آپ کے والد بنگالہ کے رہنے والے تھے۔ رام پور میں

---

[1] فصول فیض اسد خانی ورق ۲۱۰۔

تکمیل علم کے بعد عقد کرلیا۔ اور وکالت کی سند لیکر وکالت کرنے لگے۔ رام پور ہی کو
وطن بنالیا۔ مولوی معین الدین کی تعلیم میں پوری کوشش کی۔ مولانا محمد طیب مکی
مرحوم کے تلامذہ میں داخل ہوے۔ درسیات عربی سے فارغ ہوکر مدرسۂ عالیہ میں
مدرس مقرر ہوگئے۔ تخمیناً تیس بتیس سال کی عمر میں ۱۹۱۵ء کی طاعون میں
رام پور میں انتقال ہوا۔

مولوی سید منصور علی

اصل[1] نام سید زین العابدین عرف منصور علی بن سید حسن علی۔ مولانا رستم علی کے
نواسہ تھے۔ آپ کی والدہ امام النسا مولانا رستم علی کی بڑی صاحبزادی تھیں آپ
تین برس کا سن تھا۔ کہ والدہ کا انتقال ہوا۔ نانا کے گھر میں پرورش ہوئی
میاں رفیع الدرجات نزہت تخلص سے کتابیں پڑھیں۔ علم کا زیادہ مشغلہ نہ رہا۔ مگر
طبیعت قدرتی طور پر رنگین اور ذہن رسا تھا۔ نظم فارسی اور اردو میں کامل دستگاہ
تھی۔ فارسی نظم میں طبیعت گویا بحر رواں تھی۔ تاریخ گوئی میں بیمثل تھے۔ فی البدیہ
مادۂ تاریخ نکالتے تھے۔ نکاح نہیں کیا تمام عمر تجرد اور عبادت میں گزاردی۔
جب نکاح کے لئے لوگوں نے مجبور کیا تو یہ قطعہ طبعزاد پڑھ دیا۔

بنامرادیِ من سرو کے رسد کہ من — بروں ز گلشن وازآشناں ہمی ما...
دگر ز حالتِ آزادیم چہ مے پرسی — کہ در محلۂ آزاد خاں ہمی ما...

رام پور میں محلہ بنگلہ آزاد خاں کے نام سے موسوم ہے وہیں آپ کا مکان تھا۔ جناب
نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں ۱۸۵۵ء تا ۱۸۶۵ء
ایام ولیعہدی سے دس روپے ماہانہ عطا فرماتے تھے۔ یہ دس روپے آپ...
لئے دس ہزار کا حکم رکھتے تھے نہ کسی کے گھر گئے نہ کسی چیز کے طالب ہوئے...

---

[1] تواریخ عجیبہ مولوی نثار علی رام پوری۔

ماموں مولوی محبوب علی سے جنکا مزار مراد آباد میں ہے بیعت تھے ہر وقت داڑھی کو کپڑے سے چھپائے رکھتے تھے۔ ایک بڑی چادر کندھے سے اُوڑھے رہتے تھے چھ چھ مہینے تک کپڑے نہیں بدلتے تھے۔ کبھی ایک ایک سال ہو جاتا کہ گھر سے قدم باہر نہیں نکالتے۔ اور کبھی شہر اور جنگل میں روزانہ مہینوں سب بھر پھرا کرتے۔ ہر وقت ایک چھوٹی سی چھڑی۔ ایک پشت خار۔ ایک تسبیح اور پیتل کی چھوٹی سی تختی پاس رہتی تھی۔

ہر وقت اُس تختی پر انگلی سے کلمۂ طیبہ لکھا کرتے تھے۔ اپنا کلام کبھی تحریر نہیں کرتے تھے۔ لوگ لکھکر لیجاتے تھے۔ کل کلام برزبان یاد رہتا تھا۔

بجواب گلستان سعدی ایک گلستان لکھی سات باب لکھے تھے۔ کہ خواب میں سعدی کو دیکھا کہ وہ منع کرتے ہیں۔ وہ ناتمام لوگوں کے پاس رہی۔ کریما۔ مامقیما۔ اور مجموعہ کو تضمین کیا تھا۔ خالق باری کو واقعہ کربلا کے بیان میں تضمین کیا۔

کہتے ہیں کسی بوٹی سے چاندی بھی بنا لیتے تھے۔ مگر کبھی اپنی ضرورت کے لئے نہیں بنائی۔ آپ کا مکان برسات میں گرنے لگا جس طرف کا حصہ گر گیا دوسرے حصہ میں جا بیٹھے یہانتک کہ چند سال میں کل مکان گر گیا۔ نہ کسی کو عملہ اُٹھانے سے منع کیا نہ کسی سے مرمت کرائی کل عملہ کا خاتمہ ہو گیا۔ کسی خدمت میں حاضر ہونے والے نے چھیڑ دیا تو اُسی میں مر کر اُٹھے ہر وقت حاضر باشوں کا دربار لگا رہتا تھا۔ کبھی ملنا بھی ترک کر دیتے تھے صوم صلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ رمضان میں ایک شب میں پورا قرآن بھی سنا کرتے تھے۔ کسی کو مرید نہیں کیا۔ نہ کبھی اِس قسم کی گفتگو کرتے تھے۔ تحقیق زبان فارسی۔ شعر و شاعری۔ فقہ اور تصوف کی باتیں اکثر کرتے تھے۔ کلام اور تصانیف کو کسی نے جمع نہیں کیا۔ ذیقعدہ کی اکیسویں تاریخ تیرہ سو چھ ہجری ۱۳۰۶ھ میں انتقال ہوا۔ اور اپنے نانا مولانا رستم علی کے مزار میں

دفن ہوے۔ نماز جنازہ میں اکثر علما صلحا اور امراء شہر یک تھے۔

حافظ مولوی سید منیر علی

ابن[1] مولوی رستم علی ابن مولوی سید محمد اسمٰعیل ابن مولوی سید محمد اسحٰق۔ رمضان کی پانچویں تاریخ بارہ سو بائیس ہجری میں بعہد جناب نواب سید احمد علی خانصاحب بہادر ۱۲۲۲ھ مو ۱۸۰۷ء رام پور میں پیدا ہوے۔ آپ کی والدہ مولانا جمال الدین کی صاحبزادی تھیں۔ بچپن میں سوتے سوتے لفظ اللہ کہتے اور ایک آہ کھینچتے۔ مولانا جمال الدین نے یہ حالت دیکھکر فرمایا کہ یہ بچا بزرگ اور ولی ہوگا۔ اپنے والد اور دیگر اساتذہ شہر سے فارسی عربی کے کل علوم و فنون حاصل کئے اپنے بھائی مولوی محبوب علی اور اپنے والد کے تلامذہ مولوی عبد الرحیم اور مولوی بزرگ علی جو کول میں منصف تھے اُنسے بھی استفادہ کیا۔ حافظ تھے۔ اور قرأت خوب جانتے تھے۔ اپنے والد سے سلسلہ قادری میں بیعت کی اور مثل خدام کے والد کی خدمت میں ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ آپ کی شادی مراد آباد میں بنت سید محمد علی شاہ صاحب سجادہ شاہ بلاقی سے ہوئی جنکا نام دولت النساء تھا۔ بیوی بھی نہایت مرتاض اور اہل دل تھیں۔ علوم ظاہری کی ساتھ باطنی ریاضت اور مجاہدہ بھی خوب کیا۔ میاں محمد علی خلف اصغر حافظ محمد امین ہنوری کی خدمت سے بھی باطنی فیض پایا۔ قرآن شریف اس طرح پڑھتے تھے کہ لوگ روتے تھے۔ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

حافظ غلام نبی ساکن رام پور۔ سید حسین شاہ محدث رام پوری۔ مولوی غلام ناصر خاں اہلکار گوالیار۔ مولوی غلام حضرت خاں رام پوری۔ حکیم مولوی نظر علی مراد آبادی مولوی اشرف علی مراد آبادی۔ فتح جنگ خاں۔ مولوی محمد اسحٰق مولوی

---

[1] تواریخ عجیبہ سید نثار علی رام پوری قلمی۔

اکبر علی خاں رام پوری سید ظہور حسین وکیل ہائی کورٹ الہ آباد۔ سید منصور علی رام پوری۔ مولوی عبد الواحد مہاجر۔ حکیم رحمٰن بخش جو جیپور رہتے تھے۔ حافظ عبد الحکیم برادر قاری عبد الرحیم۔ اور مولوی احمد حسن وغیرہ آپ کے شاگرد و مشہور ہیں۔ نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ کے دربار میں علمائے شہر سے ایک جگہ نماز جمعہ ہونے پر گفتگو بہت خوب کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسیکا لحاظ نہ تھا۔ مراد آباد میں ایک روز مسجد خواجہ مصطفٰے صاحب سے صبح کی نماز پڑھکر مکان کو آتے تھے۔ سید احمد علی شاہ صاحب سجادہ مزار شاہ بلاقی بھی ساتھ تھے۔ راہ میں آتے ہوئے۔ دیکھا کہ سید مظہر علی شاہ اپنے دیوان خانہ میں مع احباب کے بیٹھے ہیں۔ امیر بخش رنڈی ستار بجارہی ہی۔ سید احمد علی شاہ سے کہا تم اپنے بھائی کو منع نہیں کرتے یہ کیا بدعت کرتا ہی۔ انھوں نے عرض کیا کہ جوان آدمی ہی میری نہیں سنتا۔ آپ ایک ڈنڈا لیکر گئے۔ ڈھولک اور ستار توڑ دیا اور سب مجمع درہم برہم ہوگیا۔ سید مظہر علی شاہ سے کہا یہ وہ مکان ہی جس میں طالبان خدا نے برسوں عبادت کی ہی۔ تو اولاد ہو کر عبادت خانوں میں یہ فسق کرتا ہے۔ وہ خاموش ہوگئے۔ لوگوں نے آپ کے مارنے کا ارادہ کیا ظہر کی نماز تو گھر میں پڑھی اور عصر کو لکڑی لیکر مسجد میں آئے۔ کچھ لوگ جمع تھے۔ فرمایا جسکا حوصلہ ہو آئے۔ مگر کسی کی جرأت نہیں ہوئی۔ پہلے آزاد خاں کے بنگلہ پر رہتے تھے۔ پھر مسجد قلاش خاں کے پاس رہنے لگے مسجد بالکل شکستہ تھی۔ اُسکو درست کرایا۔ ملازمت کے بہت سے پیام آئے مگر قبول نہیں کی۔ ایک ملک تحصیل سوار میں بلکھیڑہ نامی ہی۔ اُس سے گزر تھی ۱۸۵۷ء کے غدر میں فوج رام پور اور مراد آباد کے باشندوں سے مراد آباد میں جھگڑا ہوگیا۔ یہ واقعہ کدو خانی کے نام سے مشہور ہی۔ مراد آباد میں اہل مراد آباد کو جو رام پور والا ملتا مار ڈالتے تھے پچیس تیس

آدمیوں کو آپ نے بچایا اور پھر اہلِ شہر سے مصالحت کرادی جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں نے بلاکر تیس روپے ماہانہ مقرر کردیے۔ آپ کی علمت اور کرامتیں مشہور ہیں۔ انتقال سے ایک ہفتہ پہلے ملنے والوں سے کلمات رخصت فرماتے تھے۔ پنجشنبہ کے دن عثمان خاں خادم سے فرمایا کل بعد نماز جمعہ ہمارے ساتھ والد کے مزار پر چلنا۔ اور شبیر علی لینے جانا۔ تم کو فائدہ ہوگا۔ انھوں نے عرض کیا آپ پیدل کیونکر جائیں گے۔ فرمایا خیر کچھ نہیں ہو تو تمھارے کندھوں پر چلے چلیں گے۔ شبِ جمعہ میں ایک پلنگ قبلہ رُخ بچھوایا۔ اور خود باہر سے اُٹھکر قبلہ کی طرف منھ کر کے لیٹ گئے۔ اور ذکر شروع کردیا۔ جمعہ کے دن بعد نماز صبح رجب کی ستائیسویں تاریخ بارہ سو نوے ہجری (۱۲۹۰ھ) میں انتقال فرمایا۔ اور اپنے والد مولانا رستم علی کے مزار میں بیرون شہر دفن ہوے۔ قبر پر آپ کے فرزند مولوی نثار علی کی تصنیف یہ تاریخ کندہ ہے۔

شد فوت آن سراج منیر و فروغ دیں سالش نثار گفت کہ مخدوم متقیں

مولوی محی الدین خاں

آپ رام پور میں (۱۸۰۲ء) سنہ اٹھارہ سو دو عیسوی میں پیدا ہوے۔ اخون زادہ محمد عیاض خاں سے جو عالم متبحر تھے کل علوم عربیہ پڑھے۔ اخون زادہ موصوف کا انتقال ۱۸۱۸ء میں ہوگیا۔ اسکے بعد آپ کو ملازمت کی تلاش ہوئی ٹونک میں جناب نواب امیر خاں بہادر کے ہاں ملازم ہوے۔ اور وہاں سے جاورہ گئے۔ نواب محمد غفور خاں بہادر کے میر منشی مقرر ہو گئے۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد ۱۲۳۳ھ میں کلکتہ گئے۔ اور مدرسۂ عربیہ کمپنیہ میں تین سال تک عربی کی تکمیل کی۔ اور انگریزی بھی حاصل کی۔ علمائے کلکتہ نے اپنی تحریر مورخہ ۲۱۔ جولائی ۱۸۲۴ء مطابق ۵۔ ربیع الآخر ۱۲۴۰ھ میں آپ کی استعداد اور ہمہ دانی کی بہت تعریف کی ہے۔

کلکتہ میں سرہنری فین کمانڈر انچیف کے دفتر میں نوکر ہو کر میر منشی کے عہدہ تک ترقی پائی۔ اس کے بعد سندھ کو گئے۔ وہاں کپتان ولیم فریڈرک کرٹس اور کرنل اوٹرم کے رسالہ میں میر منشی ہوئے۔ میجر جنرل سر چارلس نیپیر گورنر ممالک مفتوحہ سندھ نے اپنے پروانہ مورخہ ۴۔ جنوری ۱۸۴۶ء میں لکھا ہی کہ تم نے استعفا پیش کیا ہی۔ ابھی کام تمھارا باقی ہی۔ مگر بوجہ تمھاری ضرورت کے منظور کیا جاتا ہے۔ تم نے اپنی ابتدائی ملازمت میں ۱۴۔ جون ۱۸۴۲ء سے ۴۔ جنوری ۱۸۴۶ء تک سکھر کی ایجنسی میں کرنل اوٹرم رزیڈنٹ سندھ کے پاس نہایت محنت اور خیر خواہی سے کام کیا۔ اور ایک سال چار مہینے ہمارے پاس ایام صلح اور جنگ میں نہایت امانت اور ہوشیاری سے خدمتیں انجام دی ہیں وہاں سے ترک تعلق کے بعد لاہور میں میجر ایف۔ گریگر ڈپٹی کمشنر کے پاس آئے اور سررشتہ دار قلعہ لاہور مقرر ہوئے۔ میجر موصوف نے تحریر مورخہ ۵۔ مئی ۱۸۵۱ء میں آپ کی خدمتوں کا نہایت اچھی طرح اعتراف کیا ہی۔ اسکے بعد راجہ دلیپ سنگھ کی تعلیم و تربیت پر بحکم گورنمنٹ انگریزی مقرر ہوئے۔ جب راجہ ولایت کو گئے۔ آپ لاہور سے آکر ریاست جے پور میں فیصلہ سرحدات کے لیے بطور امین مقرر ہوئے۔ اور وہاں بھی انگریز اور ریاست کے حکام دونوں خوش رہے۔ اور پھر جے پور میں نائب فوجداری پر ترقی پائی۔ یہاں سے ترک تعلق کر کے آبو پر راجپوتانہ ایجنسی کے میر منشی ہو گئے۔ آبو سے علٰحدہ ہو کر اودے پور کی ایجنسی کے میر منشی مقرر ہوئے۔ اسکے بعد راجپوتانہ کی ایجنسی میں ۲۔ اپریل ۱۸۵۶ء کو مستقل میر منشی مقرر ہوئے۔ اور چودہ سال تک اس خدمت کو نہایت احتیاط اور بیدار مغزی سے انجام دیکر مستعفی ہو کر ریاست جے پور میں سکونت اختیار کر لی۔ ایام غدر کی خدمات کے صلہ میں برٹش گورنمنٹ نے آگرہ کے دربار میں ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۹ء کو دو ہزار روپیہ کا خلعت دیا اور سو روپے ماہانہ بلا خدمت وظیفہ مقرر کیا۔ اور ریاست جے پور نے

غدر ۱۸۵۷ء کی خدمت کے صلہ میں اپنی ریاست میں دو گانوں کھوکا پاسں اور سرہرام پور عنایت کئے اسکے علاوہ بھی ریاست نے مکان اور چند دوکانیں انعام میں دی تھیں۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۳ء کو بانوے برس کی عمر میں انتقال کیا۔
اور جے پور میں مولانا شاہ ضیاء الدین کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے۔ مرنے کے قریب مال کا کثر حصہ اعانت غربا۔ کفالت فقرا اور اشاعت و تقویت دین میں صرف کیا۔
کتابیں شاہی۔ بہت عمدہ اور روافر جمع کی تھیں وہ بالکل تلف ہوگئیں۔ ایک فرزند شرف الدین خاں رام پور میں فوت ہوگئے۔ دوسرے بطن کی اولاد جے پور میں ہے۔
حاجی محمد علیخاں مرحوم ممبر کونسل جے پور اور سشن جج ریاست رام پور نے آپ کے مختصر حالات اور اسناد و پروانہ وغیرہ ۱۹۰۴ء میں مطبع مفید عام آگرہ میں طبع کرائے تھے اس مختصر سوانح عمری سے یہ حالات لکھے ہیں۔

مولوی موسیٰ خاں

ولد احمد خاں۔ محلہ راج دوارہ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ کتب معقول مولوی فضل حق خیر آبادی۔ مفتی شرف الدین۔ مولوی جلال الدین نابینا۔ مولوی جمال شاہ خاں صرفی نحوی۔ مولانا عبد العلی خاں ریاضی داں سے پڑھیں۔ فقہ اخون صاحب سے پڑھا۔ جو چھوٹے صاحب کے باغ کے پاس رہتے تھے۔ طب میں قانون تک حکیم علی حسین خاں لکھنوی سے کتابیں پڑھیں کتابیں خصوصاً طب کی پڑھاتے بھی تھے۔ مگر شطرنج میں ید طولیٰ تھا۔ رات دن شطرنج کھیلتے تھے۔ اور خوب کھیلتے تھے۔
غالباً ۱۳۳۳ھ میں انتقال ہوا محلہ نالہ پار کے قبرستان میں دفن ہوئے۔
اولاد ناخواندہ ہے۔

حکیم سید مہدی علی کمال

ولد حکیم سید ضامن علی جلال لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فارسی۔ عربی۔ عروض کی تکمیل

کرنے کے بعد طب پڑھی۔ مطب خوب تھا۔ والد کے انتقال کے بعد رام پور آئے۔
ریاست نے پچاس روپے مہینا مقرر کر دیا تھا۔ اور اپنے مکان پر مطب بھی کرتے تھے۔
حامد اللغات جو امیر اللغات کا فی الحال نام ہے۔ اور اسکی ترتیب ریاست میں ہو رہی ہے
اسکی تدوین میں بھی شریک تھے۔ نہایت خلیق۔ بیحد متین۔ اور قابل تھے۔ آپکی
کئی تصنیفیں عروض وغیرہا کے متعلق چھپ گئی ہیں۔ صفر کی دوسری تاریخ سنہ تیرہ سو
انتیس ہجری (۲ صفر ۱۳۲۹ھ) میں رام پور میں انتقال فرمایا۔

میر ملھو تخلص صنعت

صاحب تذکرہ تکملۃ الشعرا لکھتے ہیں کہ شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے۔
آنولہ کمشنری بریلی میں نشو ونما پائی۔ چند روز سے رام پور قیام ہے۔
سادات حسینی سے ہیں۔ زید بن علی کرم اللہ وجہ سے سلسلۂ نسب ملتا ہے۔
جوان صالح اور بردبار ہیں۔ درویشی کا شوق ہے۔ تنہائی میں بسر ہوتی ہے۔
دولتمندوں سے نہیں ملتے ہیں۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کبھی کبھی
شعر کہتے ہیں اپنے ہاتھ سے جو اشعار لکھکر دئے وہ درج تذکرہ ہیں۔ انتہیٰ
کلام فارسی سے معرفت علمی اور قوت بیان ظاہر ہے۔ تعلیم عربی کی تفصیل نہیں
معلوم ہوئی۔ آپ کا دیوان اردو قلمی کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے، ۴۰ صفحہ ہیں۔
جناب نواب سید احمد علی خاں بہادر کا کوئی بٹیر مر گیا جو بہت پسند تھا اُس کی
تاریخ اور نوحہ مخمس میں لکھا ہے۔ اس تاریخ سے واضح ہے کہ ۱۲۵۳ھ کے بعد انتقال ہوا ہے۔

دل سے نکلتی ہے مرے درد سے اسکے غم میں آہ — کھانچے سے تن کے ہو خفا ہائے بغیر اشتباہ
ہفتہ کے روز لی وہیں ملک بقا کی اُسنے راہ — غرہ دومی ربیع اور بوقت چاشت گاہ
دار فنا سے کیا کہوں حیف وہ اُڑ گیا بٹیر
آنکھوں[1] کے میرے سامنے ہائے وہ اُڑ گیا تو پھر — جانے سے اسکے آہ آہ دل پہ قلق ہوا تو پھر

[1] اصل نسخہ میں یہی عبارت ہے۔

دل کو تشفی دی تو بیں اور قلق گھٹا تو پھر　　سال وفات اسکا جب دل سے طلب کیا تو پھر
آئی ندا یہ طالبا آہ بصیر و ہٹیر

میر حسین تخلص تسکین ۱۲۶۷ھ

ولد میر حسن عرف میرن صاحب شاہ جہاں آباد کے رہنے والے۔ آپ کا نسبی سلسلہ فرخ سیر بادشاہ کے وزیر حسین علی خاں کے قاتل میر حیدر سے ملتا ہے آپ کی ولادت دہلی میں ۱۲۱۸ھ میں ہوئی۔ فارسی کی تکمیل مولوی امام بخش صہبائی سے کی۔ شاہ نصیر اور مومن خاں سے نظم میں استفادہ کیا۔ طبیعت بہت پاکیزہ اور ذہن رسا تھا۔ تلاش معاش میں لکھنو گئے۔ ناکام آئے۔ کئی سال میرٹھ میں رہے رام پور میں آئے۔ تو ریاست نے قدر دانی کی۔ زمرۂ ملازمین میں داخل ہوئے۔ سکڑوں شاگردوں نے فائدہ حاصل کیا۔ شوال کی سترھویں تاریخ بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ھ) میں رام پور میں انتقال کیا۔ جناب نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے مقبرہ کے متصل دفن ہوئے۔ پچاس برس کی عمر ہوئی۔ آپ کے بیٹے میر عبدالرحمن کو مومن خاں نے فرزندی میں لیا تھا اور میر عبدالرحمن ہی نے مومن خاں کا دیوان مرتب کیا تھا۔ آپ کا مختصر دیوان اردو ۷۲ صفحہ کا کتب خانہ ریاست میں موجود ہے۔ قربان علی سالک نے تاریخ وفات لکھی ہے۔

ارم میں مومن و تسکین و عارف

یہ تینوں شاعر ایک ہی سال مرے ہیں۔ ان کے بیٹے میر عبداللہ غمگین نہایت حسین و خوبرو تھے باپ کے ساتھ رام پور میں آکر علاء عدالت میں نوکر ہو گئے تھے تیئیس برس کی عمر میں ۱۲۶۶ھ میں ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ انتقال ہوا باپ بیٹوں کی قبریں برابر ہیں۔ کلام کا نمونہ انتخاب یادگار اور گلستان سخن قادر بخش صابر میں ملاحظہ ہو۔

سلہ انتخاب یادگار۔ خمخانۂ جاوید جلد دوم۔ سلہ گلستانِ سخن۔

مولوی محمد

قوم افغان - غالباً انکا انتقال بارھویں صدی کے اخیر میں ہوا مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں - کہ میں نے صغرسن میں ان کو دیکھا تھا فقہ میں ایک کتاب ان کی کتب خانہ ریاست میں موجود ہے - آپ کے شاگردوں میں مولانا سید عالم علی مرادآبادی مشہور ہیں - حیدر علی خاں ولد انور خاں رئیس اور جلال الدین شاگرد تھے -

مولوی معوان حسین

پسر دوم حضرت مولانا ارشاد حسین مغفور - رام پور کے کماری کنویں محلہ میں تیرہ سو چار ہجری (سنہ ۱۳۰۴ھ) میں پیدا ہوئے - فارسی و عربی کتب مولانا شاہ سلامت اللہ اعظم گڈھی - اور مولانا عبدالغفار خاں رام پوری سے پڑھیں - اب خدا کے فضل سے خود درس دیتے ہیں - مدرسۂ ارشادیہ میں طلبا کو پڑھاتے ہیں - طلبا کا ہجوم ہے - اللھم زد فزد - بہت خلیق اور متواضع ہیں - زہد و تقویٰ میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم ہیں - مولوی حافظ محمد عنایت اللہ خاں سے نقشبندی طریقہ میں مجاز ہیں - مدرسۂ ارشادیہ جسکی عمارت نو تعمیر عالیشان بن چکی ہے - اسکے مہتمم اور منتظم آپ ہی ہیں - بلکہ یہ مدرسہ بھی اب آپ کی ذات سے وابستہ ہے اللہ تعالیٰ اسکو ترقی دے - ریاست سے آپ کا وظیفہ مقرر ہے - اور کچھ جائداد بھی ہے -

ناصر خاں

ولد نجابت خاں - نجابت خاں پٹھان سالارزی ساکن بونیر تھے - دولت و ثروت بہت تھی - نواب سید علی محمد خاں بہادر غفران مآب سرہند سے انکو اپنے ہمراہ لائے تھے - زیادہ قیام بریلی میں رہا اور محمد عمر خاں کی بہن ان کو منسوب تھیں -

---

سلہ تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمٰن علی صفحہ ۱۰ + سلہ روزنامچہ مولوی عبدالقادر خاں -

اور دہلی ہی میں انتقال ہوا۔ ناصر خاں ذی علم اور شاعر تھے۔ ولادت کی تاریخ معلوم نہیں ہوئی۔ پیر بیرام خاں کی دختر سے عقد ہوا جنکا حال اسی کتاب میں ہے۔
ملا احمد خوش بیانی ناصر خاں کا انتقال رام پور میں ہوا اور اللہ ہو کے تکیہ میں دفن ہوئے۔ غلام محمد خاں اور حکیم غلام احمد خاں فاخر دو فرزند یادگار رہے۔

ناصر خاں

صاحب تذکرہ تکملۃ الشعرا لکھتے ہیں کہ "ناصر خاں پسر اکڑ خاں قوم بونیروال محمد عمر خاں اکوزی کے بھانجے تھے۔ ذاتی اور صفاتی خوبیوں کا مجموعہ تھے حسن صورت و سیرت دونوں پائے تھے۔ ذہن صائب اور فکر مناسب بھی۔ اُردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ باوجود نو مشقی کے مضامین خوب نکالے تھے راقم الحروف کے ساتھ کمال ربط تھا۔ اکثر باہم بیٹھکر غزلیں کہا کرتے تھے۔ عین جوانی میں دق ہو گئی اور انتقال کیا برسوں کی گردش میں بھی ایسا آدمی نہیں پیدا ہو سکتا۔ انتہی"
نظم جو تذکرہ میں موجود ہے اسکے دیکھنے سے علمی قابلیت بخوبی عیاں ہے اس نو عمری میں نہایت ہی کمال پیدا کیا۔ اور کلام میں خوب رنگ ہے۔

محمد ناصر خاں تخلص حشمت

ولد محمد یوسف خاں۔ مرد عالم تھے۔ ناگپور میں اخوندزادے عبداللہ احمد خاں سے کتب درسیہ پڑھیں۔ نظم فارسی میں سید رفیع الدرجات نزہت رام پوری سے تلمذ تھا۔ ناگ پور میں رسالدار تھے۔ ستر برس کی عمر ہوئی۔ کنز العابدین مسائل فقہیہ اردو منظوم کتاب ۱۲۵۲ھ میں لکھی۔ اسکا خطبہ حمد و نعت عربی میں ہے اور نثر فارسی میں۔ اپنی کتاب کے ماخذ میں نام بنام پچھتر کتابوں کے نام لکھے ہیں دیباچہ میں اپنا نام اور والد کا نام لکھا ہے۔ اور اپنے استاد کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے۔ حضرت مولانا عارف باللہ عبداللہ احمد خاں قاضی زادہ کنجورہ قدس اللہ سرہما

اور کل ابواب اور فصول کی تفصیل لکھی ہے

ابتداے کتاب

حمد کہتا ہوں تری اے ذوالجلال — ذات تیری لم یزل ہے لایزال
کل شیٔ ھالک الا تو ئی — لیس فیھا مالک الا تو ئی
کرد پیدا این جہان و آن جہان — نیز کل مخلوق در یک کن فکان
نیست بر خلقت مگر دانا ئے تو — ہم ز فضل و صنعتش بینائے تو
تو ہے دانا جملہ اخفائے جلی — جو کہ کرتے ہینگے جن و آدمی
بھید سب خلقت کا ہے تجھپر عیاں — من چہ گویم اے علیم دو جہاں

خاتمہ

اختتام اسکا ہوا اہل نجات — روز شنبہ کے بشہر شب برات
دوازدہ پینتیس سن میں اہل دین — اور نام اس کا ہے کنز العابدین
جو کوئی اسکو پڑھے اور یا لکھے — وہ دعا حق میں مصنف کے کرے
شیخ من عبدالاحد ذو برکت ست — اسم من ناصر تخلص حشمت ست
مصطفےٰ آباد جاے مسکنم — از آبا و اجداد آں ہو طنم

یہ کتاب قلمی ۲۵۰ صفحہ کی کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔ بارہ سو ساٹھ ہجری (سنہ ۱۲۶۰ھ) میں قضا کی۔

مولوی محمد ناصر خان تخلص ناصر

ولد مولوی کرم آشنا۔ پہلے سرکار انگریزی میں جبل پور وغیرہ اضلاع دکن میں صدر امین تھے۔ پھر آکر اس ریاست میں نوکر ہوے۔ قدردانی سرکار سے معزز اور مقتدر رہے۔ علم بہت اچھا تھا۔ طبیعت عالی تھی۔ مزاج مستقل ذہن رسا تھا۔ ساٹھ برس کی عمر ہوئی۔ شعبان کی نویں تاریخ بارہ سو اسّٹھ ہجری

د ۱۲۵۹ھ) میں قضا کی شعر میں عبدالقادر خاں غمگین سے تلمذ تھا۔

ناصر احمد خاں

ولد خلیل احمد خاں شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے۔ لکھے پڑھے نہ تھے۔ اپنے والد کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کے والد کسی سے بیعت نہ تھے۔ صرف درود صلوٰۃ بھیجنا کا ورد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں پہونچا تھا۔ اُسکی برکات سے باوجود اُمی ہونے کے مطالب و نکات علمی بیان کرتے تھے بعض وقت یہ حالت ہوتی تھی کہ لفظ اللہ زبان سے نکالنا مشکل ہو جاتا تھا اور کہتے تھے کہ وہ اسم کہو جو تکبیر اولی میں پڑھتے ہیں۔ ان کی صحبت میں قلب میں جوش و خروش پیدا ہوتا تھا۔ رام پور میں شادی ہوئی تھی۔ آخر میں رام پور آگئے۔ دسویں جمادی الاول ۱۲۶۷ھ کو رام پور میں انتقال کیا۔ موتی مسجد کی پشت پر اپنے سالے اور خلیفہ عظمت اللہ خاں کی دیوار کے نیچے دفن ہوئے۔

ملّا نین

محلہ کیلے والے تالاب کے رہنے والے تھے۔ ملا معظم شاہ ولایتی سے کتب ابتدائی منطق کی پڑھیں۔ اسکے بعد مولانا عبدالعلی ریاضی داں سے کتب کی تکمیل کی۔ صاحبزادہ رضا علی خاں صاحب کے ہاں شہر یار دولہا انکے فرزند کی تعلیم پر تین برس ملازم رہے۔ اسکے بعد دیو بند چلے گئے۔ دیو بند میں بالاستیعاب حدیث و فقہ و اصول پڑھا۔ گوالیار جا کر کسی مدرسہ میں مدرس ہو گئے تھے۔ اور وہیں عقد کر لیا تھا۔ عہد نواب خلد آشیاں (۱۲۸۱ تا ۱۳۰۵ھ) میں زندہ تھے۔ اور حال معلوم نہیں ہوا۔

مولوی سید نثار علی

ولد سید منیر علی۔ ولد مولانا رستم علی رام پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور دیگر اساتذۂ شہر

سے فارسی عربی اور طب کی تکمیل کی مدرسۂ عالیہ ریاست میں ملازم تھے۔ اپنے والد سے خلافت پائی۔ نہایت نیک باطن پابند شریعت تھے۔ طب میں بھی خوب مہارت تھی۔ نہایت خلیق اور مسلمانوں کے خیرخواہ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوشاں رہتے تھے۔ یکشنبہ کے دن صبح سات بجے دوسری ربیع الاول سنہ تیرہ سو بیس ہجری (۲ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ) مطابق ۸۔ جون سنہ ۱۹۰۲ء کو رام پور میں انتقال فرمایا۔ اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مولوی محمد یوسف حسن مدرس مدرسۂ عالیہ رام پور۔ مولوی محمد ابرار حسن۔ مدرس اول۔ و مولوی جمیل حسن مدرس آپ کے فرزند صاحب درس ہیں۔ مولوی محمد خورشید حسن طالب علمی کر رہے ہیں سلمہم اللہ تعالیٰ۔ تصانیف سے گلشن فیوض فارسی ہے۔ یہ تاریخی نام رسالہ کا ہے جس میں آداب تلاوت قرآن ۴۵ صفحہ پر لکھے ہیں۔ نام کتاب سے ۱۲۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ تصنیف ہے۔ خطبہ جناب نواب سید محمد کلب علی خاں بہادر خلد آشیاں کے نام پر لکھا ہے۔ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔ تواریخ عجیبہ فارسی نام تاریخی ہے۔ جسکے اعداد ۱۳۱۰ھ ہیں۔ بموجب حکم جناب نواب سید مشتاق علی خاں صاحب بہادر عرش آشیاں۔ مولانا جمال الدین۔ مولانا رستم علی۔ مولانا منیر علی۔ مولانا محبوب علی۔ مولانا منصور علی کے حالات ہیں۔ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست میں ہے۔

ملا نسیم

قوم[1] افغان۔ سوات کے طلبا کا مرجع اپنے وقت میں تھے۔ طلب حق میں کوئی عار نہ تھی۔ اخیر عمر میں شمس بازغہ کو مولوی کمال سے پڑھا۔ حالانکہ بارہا خود طلبا کو پڑھا چکے تھے۔ تیرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں غالبًا انتقال ہوا۔

مولوی نجم الغنی خاں

ولد مولوی عبد الغنی خاں ابن مولوی عبد العلی خاں ابن مولوی عبد الرحمن خاں

[1] روزنامچہ مولانا عبد القادر خاں۔

ابن مولوی محمد سعید خاں ان کے اسلاف میں سے مولوی محمد سعید خاں جنکا نسب چنگیز خاں سے ملتا ہے۔ طلب علم کے شوق میں اپنے وطن تراہ سے دہلی آئے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے فنون تفسیر وحدیث کی تکمیل کی۔ اور انکی رفاقت میں حج کیا۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد بریلی آئے حافظ رحمت خاں نے اپنے بیٹے عنایت خاں کی تعلیم پر مقرر کیا۔ مولوی محمد سعید خاں کے انتقال اور حافظ رحمت خاں کی حکومت کے زوال کے بعد ان کے پانچوں بیٹوں کو جناب نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر نے رام پور بلالیا۔

نجم الغنی خاں کی ولادت ۱۰۔ ربیع اول ۱۲۷۶ھ کو رام پور میں ہوئی۔ انکی ماں رضی خاں عرف روزی خاں اکوزئی مشہور روہیلہ سردار کی پوتی ہیں۔ اوائل عمر میں اودے پور اپنے والد کے پاس چلے گئے اور فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں ۱۳۱۱ھ میں رام پور آکر علوم عربیہ کی تکمیل کی۔

شمس العلما مولانا عبد الحق۔ مولوی محمد طیب مکی اور مدرسۂ عالیہ کے اساتذہ سے فیض پایا۔ ۱۸۹۵ء کے امتحان سالانہ مدرسۂ عالیہ سے درجۂ اول پر کامیاب ہوئے۔ یونانی طب حکمائے لکھنؤ اور اپنے ماموں حکیم محمد اعظم خاں سے حاصل کی۔

کچھ دن رام پور میں ریاست کی ملازمت کی اور یکم نومبر ۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۳ء تک اودے پور کے ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی رہے۔ وہاں سے ترک تعلق کر کے تمام توجہ تصنیف اور تالیف پر مصروف کی۔ ان کی تصانیف کا سلسلہ بہت وسیع ہے اور اہل رام کو انکی ذات پر فخر کرنا بجا ہے۔ باوجود قلت معاش اپنے سرمایہ سے اپنی تالیفات کو مشتہر کراتے ہیں۔ اپنی صحت اور تن آسانی کا مطلق خیال نہیں ہے۔ شب و روز تالیف اور تصنیف کا مشغلہ ہے۔ اور انکے قلم سے رام پور اور اہل رام پور کی علمی شہرت کا سارے ہندوستان میں چرچا ہے۔ مخصوص علم دوست احباب کے سوا

کسی رسے ملتے نہیں ہیں۔ اور استغنا ایسا ہی کہ کسی دولتمند سے کبھی اپنی حاجت بیان نہیں کی۔ اپنے بیٹے شمس الغنی خاں کی نہایت اعلیٰ درجہ پر تربیت کی اور وہ فخر رام پور فی الحال اجمیر کے سی۔ ٹی۔ اسکول کے پرنسپل ہیں۔ نجم الغنی خاں کی تصانیف کی یہ فہرست ہے:

۱۔ مذاہب الاسلام۔ چند بار طبع ہوچکی ہے۔ ۲۔ عقود الجواہر فی احوال البواہر مطبوعہ۔ ۳۔ سلک الجواہر مطبوعہ۔ ۴۔ اخبار الصنادید تاریخ رام پور۔ ۵۔ تاریخ اودھ پانچ جلدوں میں دوبار طبع ہوچکی ہے۔ ۶۔ کارنامہ راجپوتاں مطبوعہ۔ ۷۔ وقائع راجستان مطبوعہ۔ ۸۔ تاریخ راجپوتانہ زیر طبع۔ ۹۔ نہج الادب قواعد فارسی مطبوعہ۔ ۱۰۔ رسالہ نجم الغنی قواعد فارسی مطبوعہ۔ ۱۱۔ منتہی القواعد مطبوعہ۔ ۱۲۔ بحر الفصاحت مطبوعہ۔ ۱۳۔ مفتاح البلاغت مطبوعہ۔ ۱۴۔ خواص الادویہ مطبوعہ۔ ۱۵۔ خزائنۃ الادویہ مطبوعہ۔ ۱۶۔ قرابادین نجم الغنی۔ ۱۷۔ مختصر الاصول مطبوعہ۔ ۱۸۔ مزیل الغواشی مطبوعہ۔ ۱۹۔ تہذیب الفوائد مطبوعہ۔ ۲۰۔ تعلیم الایمان مطبوعہ۔ ۲۱۔ تذکرۃ السلوک مطبوعہ۔ ۲۲۔ شرح سراجی مطبوعہ۔ ۲۳۔ معیار الافکار مطبوعہ۔ ۲۴۔ شرح چہل کاف مطبوعہ۔ ۲۵۔ مفتاح المطالب مطبوعہ۔ ۲۶۔ تسہیل اللغات زیر تالیف۔

قاری محمد نسیم

حکیم بانز براخون زادہ کے ہم عصر ہیں۔ ولایت سے آئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے خود اپنے آنے کا قصہ حکیم موصوف سے بیان کیا تھا آپ قاری عبیداللہ کے شاگرد تھے۔ اور قاری عبیداللہ مولانا مغربی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ علم قرأۃ اور خوش الحانی میں مشہور روزگار و امصار تھے۔ مولوی عبدالقادر خاں غمگین اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ تحقیق قرأت۔ اور حروف۔ مخارج۔ مدات۔ اوقات۔ اور رسم خط میں آیات الٰہی سے ایک نشانی تھے۔ میں نے نہ اُن سے پہلے نہ اُن کے بعد کوئی ایسا آدمی دیکھا۔

ملہ فصول فیض اللہ خانی صفحہ ۲۰۴۔

اور دیگر علوم و فنون میں بھی کامل تھے۔ آپ کی اولاد میں سے کسی کا پتہ نہیں معلوم ہوا البتہ آپ کے داماد حاجی حافظ قاری فخر اللہ ولد شیخ اسلم کا نام معلوم ہوا ہے جس کی تصنیف سے علم قرأت میں اُردو رسالہ فخر المتعلمین ہے غالباً قاری نسیم صاحب کا انتقال الے ۱۲۸۰ھ کے قریب ہوا۔ مولوی[1] احمد علی عباسی چریاکوٹی المتوفی ۱۳۲۷ھ نے آپ سے علم تجوید حاصل کیا تھا۔

مولوی نصیر احمد خاں تخلص سحاب

ولد محمد سعید خاں افغان امان زی۔ رام پور کے محلہ بدریا خانساماں میں ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی مولوی مقبول ولایتی۔ اور خلیفہ شیخ احمد علی رام پوری سے پڑھی۔ عربی مولانا عبد العلی خاں رام پوری۔ مفتی عبد القادر رام پوری اور دیگر اساتذۂ رام پوری سے حاصل کی۔ ذہن رسا۔ اور طبیعت نہایت سنجیدہ تھی۔ شاعری میں سید اسمٰعیل حسین منیر کے شاگرد تھے۔ اور خوب کہتے تھے اخبارات میں بھی کبھی کبھی مضامین لکھتے تھے۔ ریاست کے گاؤں مستاجری میں تھے۔ اور کھنڈسار بھی کرتے تھے۔ زمانہ نے فرصت نہ دی ورنہ یہ جوہر قابل ہندوستان میں بےمثل ہوتا۔ ۱۲۔ اگست ۱۹۰۹ء کو انتقال کیا۔ نذر احمد خاں جمیل احمد خاں شفیع احمد خاں۔ طفیل احمد خاں۔ اور عزیز احمد خاں پانچ فرزند یادگار ہیں۔ عزیز احمد خاں بی۔ اے۔ ال ال بی ہیں۔ اور اُمید ہے کہ اُن سے خاندان کو نمود ہوگی۔

مولوی نصیر الدین

ولد مولوی شیر محمد رام پور میں پیدا ہوئے۔ اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔

ملا نصیر اخوند

قوم کے میمند۔ اشنغر کے رہنے والے تھے۔ ولایت سے رام پور میں آئے۔

[1] تذکرہ علمائے ہند۔

احمد شاہ خاں خٹک کی مسجد میں ٹھہرے۔ بڑے عالم اور نہایت پرہیزگار تھے۔ اعمال میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ کیمیا بناتے تھے۔ پوشاک نہایت عمدہ پہنتے تھے۔ اکثر طلبا کو مسجد میں بلا معاوضہ پڑھاتے تھے۔ عہد جنت آرام گاہ میں آئے۔ ۵۰؁۱۸ء سے پہلے مکۂ معظمہ کو گئے۔ اِن کے ساتھ میاں رحیم الدین ولایتی بھی گئے۔ ان کی نسبت بھی لوگوں کو گمان کیمیا کا تھا۔ ملا نصیر اخوند ہندوستان کو حج کرکے واپس آئے اور سورت میں انتقال ہوا۔

مولوی نصیر الدین خاں تخلص صابر

ولدِ غلام حسین خاں خلف مولوی غلام جیلانی خانصاحب ساکن محلہ دو محلہ۔ ابتدائی کتب فارسی مولوی غلام جیلانی رفعت سے شروع کیں۔ انھوں نے ایک اپنے صاحب استعداد شاگرد کو ان پر مامور کردیا۔ مگر آپ ایسے ذہین تھے کہ اُنسے کام نہ چلا۔ پھر مولوی صاحب نے خود پڑھانا شروع کیا۔ یہ روزانہ مطالعہ کرکے جاتے تھے۔ اور شل آموختہ کے سبق پڑھتے تھے۔ عربی کی تحصیل مولوی نور الاسلام رامپوری سے کی جو شاہ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ کے اولا سے تھے اور نواب جنت آرام گاہ کے عہد میں یہاں مفتی عدالت بھی رہ چکے تھے۔ علم ادب میں بڑے ذی کمال۔ علم معقول میں بے عدیل نثر عربی لکھنے میں بیمثال تھے۔ فارسی اور اُردو نظم بھی لکھتے تھے۔ کلام انتخاب یادگار میں ملاحظہ ہو۔ باز کے شکار کا بیحد شوق تھا۔ گھوڑے پر سوار ہیں طلبا کا گروہ ساتھ ہے۔ ابتدائی کتب علمیہ راہ میں پڑھاتے جاتے ہیں۔ شکار کے شوق میں طلبا کی طرف توجہ کم تھی۔ مولانا ارشاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ کسی طالب علم نے اُن سے ایک پوری کتاب نہیں پڑھی۔ یہ میرا ہی کام تھا کہ شرح جامی میں نے تمام وکمال آپ سے پڑھی۔ اور میں پچھلی شب میں حاضر ہو کر پڑھتا تھا۔ صبح کی نماز تک پڑھایا کرتے تھے۔ اس طرح میری کتاب

پوری ہوگئی۔ حافظ غلام نبی صاحب جنکا تبحر مشہور ہی۔ آپ ہی کے شاگرد تھے۔
حکیم عثمان خاں باشندہ محلہ گھیر سیف الدین خاں نے کتب طبیہ کا علمی حصّہ
آپ ہی سے پڑھا تھا۔ نواب خلد آشیاں بہادر نے بزمانۂ ولیعہدی آپ سے بھی
کچھ پڑھا تھا۔ بعض اوقات نواب صاحب ممدوح خود آپ کے مکان پر پڑھنے تشریف
لاتے تھے۔ آپ کے پاس کتابوں کا بھی اچھا ذخیرہ تھا۔ سنا ہی اپنی مسجد کے حجرہ
میں کتابیں بند کرکے رکھدی تھیں۔ اور یہ وصیت کی کہ اولاد میں سے جو
اسکا اہل ہو وہ تصرف کرلے ان کی اولاد میں کوئی علمی مذاق کا نہ تھا۔
اسلیے سب کتابیں تلف کردیں۔ معتدبہ حصہ ریاست کے کتب خانہ میں پہونچ گیا
آپ کے پاس نہایت خوشخط قلمی نسخہ الفیۂ ابن حاجب کا تھا نواب خلد آشیاں نے
طلب فرمایا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کتاب کی کیا ضرورت ہی خوشنویس بھیج دیجیے
میں کتاب نقل کرادوں گا۔ پوری کتاب خود حفظ پڑھکر لکھادی۔ فرمایا کرتے تھے۔
کہ اگر مشاغل سے چالیس روز کی بھی مہلت ملے تو قرآن شریف حفظ کرلوں صاحبزادہ
مہدی علی خاں صاحب بہادر سے بہت بے تکلفی کی دوستی تھی۔ عربی میں کئی رسالے
لکھے وہ انھیں کے پاس رہے۔ ایک کتاب حکمار یونان کے عقائد کی تردید میں
لکھی تھی جس کی خود بھی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ وہ کتاب صاحبزادہ صاحب
موصوف کو دیدی تھی۔ قطع وضع آپ کی مولویانہ نہ تھی۔ بلکہ سپاہیانہ طرق سے ہتھیار بند
رہا کرتے تھے۔ ایکبار دہلی گئے۔ اتفاق سے کسی مسجد میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے
سامنا ہوا۔ مولوی صاحب نے کسی مسئلہ میں گفتگو شروع کردی اور بہت دیر تک
گفتگو ہوتی رہی۔ جب چلے آئے تو مولوی اسمٰعیل صاحب نے لوگوں سے کہا کہ آج
ایک سپاہی سے ایک مسئلہ میں خوب بحث ہوئی واقف لوگوں نے کہا وہ سپاہی
نہیں ہیں بلکہ مولوی نصیر الدین خاں صاحب رام پوری تھے۔

مولوی صاحب نہایت زندہ دل تھے۔ اکثر میووں کی فصل میں شاہ اور دوستوں کے ساتھ باغوں میں جاکر نوروز کرتے تھے۔ آپ کی مرض موت میں نواب جنت آرامگاہ نے مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی کو بلایا۔ آپ کے ایک دوست مولوی جلال الدین آپ کے ہمسایہ تھے اُن سے کہا کہ اگر صحت ہوگئی تو میں اُن سے گفتگو کرونگا۔ مگر تم اُن سے ہرگز گفتگو نہ کرنا اس لئے کہ وہ نہایت زبردست معقولی ہیں۔ مولوی فضل حق صاحب جس وقت رامپور پہونچے آپ کا انتقال ہوچکا تھا۔ مولوی فضل حق صاحب آپ کے مکان پر فاتحہ خوانی کو آئے۔ اور بہت افسوس سے کہتے تھے۔ کہ گو میرا آنا نواب صاحب کے حکم سے ہوا ہی۔ مگر زیادہ تر شوق یہاں آنے کا مولوی صاحب مرحوم کی ملاقات کے لئے تھا۔ مولوی صاحب کے تین بیٹے عبدالقادر خاں عبدالرزاق خاں اور محمد شفیع خاں نامی تھے۔ عبدالقادر خاں نے اپنے والد سے صرف و نحو اور کچھ ادب پڑھا تھا۔ باقی دونوں صاحبزادوں کو علم نہ تھا۔ چون برس کی عمر ہوئی۔ ذیحجہ کی ستائیسویں تاریخ بارہ سو چھیاسٹھ ہجری (۱۲۶۶ھ) میں انتقال ہوا۔ اپنے دادا کی قبر کے متصل دفن ہوے۔ عبدالقادر خاں آپ کے فرزند کو بوجہ پاس استادزادگی کے ستر روپے تنخواہ ملتی تھی۔ اب صرف محمد شفیع خاں کا ایک فرزند محی الدین خاں باقی ہے۔ اور کوئی اولاد نہیں ہی۔

مولوی سید نظام الدین

نادون کے رہنے والے تھے۔ نواب جنت آرام گاہ کے عہد میں ۱۲۶۱ھ تا ۱۲۶۸ھ) مدرسۂ رامپور میں تمام کتب درسیہ پڑھیں۔ سید عبدالقادر کے ہاں شادی ہوئی۔ میاں مجدالزماں سے بیعت تھے۔ تمام عمر زہد و تقویٰ و ذکر و اشغال میں گزری۔ شفاخانہ یونانی میں محرر تھے۔ آٹھ دس سال ہوئے کہ انتقال ہوا۔ شاہ بغدادی صاحب کے مزار میں دفن ہوے۔ اب ایک بیٹا سید فخرالدین زندہ ہی۔

میاں نعیم شاہ

آپ کے والد ولایتی تھے۔ نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد میں آپکے والد مع چھ ولائیتوں کے آئے تھے۔ یاغستان کے رہنے والے اور اخون درویزہ بابا کی اولاد سے تھے۔ آپ کے والد کو یہ گھیر سرکار سے عطا ہوا جسمیں آپکا مزار اور مکان ہے۔ اور فوج میں معزز عہدہ دیا۔ دو جوڑہ کی لڑائی میں آپ کے والد شریک تھے۔ آپ کی ولادت رام پور کی ہے۔ یہیں علوم و فنون عربی حاصل کئے۔ عین طالب علمی کی حالت میں محبت الٰہی غالب آئی۔ حضرت شاہ درگاہی صاحب سے بیعت کی۔ اور اسقدر محنت و مجاہدہ کیا کہ خلافت ملی۔ شاہ درگاہی صاحب نے اپنے مریدین کو وصیت فرمائی تھی کہ ہمارے بعد آپ کو ہماری مثل تصور کرنا۔ نہایت پرہیزگار اور متقی تھے۔ کسی امیر کے ہاں نہیں گئے۔ نواب سید احمد علی خاں بہادر اور نواب جنت آرام گاہ نے ہرچند بلایا مگر انکار کر دیا۔ حاضر نہیں ہوئے۔ اور کہلا بھیجا کہ میں نے اپنے توکل اور آزادی کو نہایت ناز سے پالا ہے اسکا خون کرکے خدا کو کیا جواب دونگا۔ فقر و فاقہ میں زندگی بسر ہوتی تھی باوجودیکہ اہل و عیال تھے۔ مگر کسی پر حالت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ مرض موت میں اکثر بیہوشی طاری رہتی تھی۔ مگر نماز کے وقت ہوشیار ہوجاتے تھے۔ اسی برس کی عمر میں گیارھویں ربیع الاول سنہ بارہ سو بہتر (۱۲۷۲ھ) کو وفات ہوئی اپنے دروازہ کے سامنے صحن مسجد میں کھلا ہوا مزار ہے۔ یہ محلہ تھانہ جھپاتی کے متصل ہے۔ اور میاں نعیم شاہ صاحب کے مزار کے نام سے مشہور ہے (بہشت نعیم شاہ امام) مادۂ تاریخ رحلت ہے۔ آپ کے خلفا میں سید غلام نجف صاحب نہایت باخدا تھے۔ انکے علاوہ حاجی سید علی حسین صاحب قاری سید سعادت علی صاحب۔ سید رکن عالم صاحب اور

سلہ انوار العارفین۔

کئے بازخاں صاحب بھی خلیفہ تھے۔ مرض موت میں آپ کے خلفا نے عرض کیا کہ آپ اپنے صاحبزادوں میں سے کسکو سجادہ نشین فرماتے ہیں۔ جواب میں ارشاد ہوا یہ سلطنت نہیں ریاست نہیں۔ وراثت بس کہ انتظام کیا جاوے میں اپنی اولاد کو۔ وصیت کرتا ہوں کہ ہر ایک اپنی قوت بازو سے روزی پیدا کرے خواہ نوکری سے خواہ تجارت سے خواہ مزدوری سے میں ان کو پیرزادہ اور مرجع عالم خود بناکر خدا کو کیا جواب دونگا۔ ہاں اللہ تعالیٰ جسکو چاہے اُسی پر فضل وکرم کرے۔ توچشم ما روشن دل ماشاد۔ میری روح بھی اُسکے لئے دعا کریگی۔ اور اگر کوئی خود پیرزادہ بنکر بیٹھے گا تو اُسکو بددعا کریگی۔

مولوی نظیرالدین احمد

ولد حکیم کرامت علی امروہوی۔ ذیقعدہ کی ۲۲ تاریخ سنہ ۱۲۶۰ھ کو امروہہ میں پیدا ہوے۔ تاریخی نام نظیر علی ہے۔ سنہ ۱۲۷۰ھ میں اپنے والد کے ساتھ رامپور آئے۔ ابتدائی کتابیں فارسی۔ صرف ونحو اور کتب طبیہ اپنے والد اور اپنے چچا مولوی عنایت علی سے پڑھیں مولوی نظیر علی سے ظہوری وغیرہ اور مولوی رفیع اللہ خاں مولوی ہدایت اللہ خاں مولوی عبدالعلی خاں اور مولوی نورالنبی علمار رامپور سے میرزاہد تک پڑھا مفتی سعداللہ سے تفسیر۔ فقہ۔ عروض۔ فرائض اور مناظرہ کی درسیات پڑھے شمس العلما مولوی عبدالحق خیرآبادی سے سماعۃ وقراۃ ہدیۂ سعیدیہ سے تا شمس بازغہ استفادہ کیا سنہ ۱۲۹۶ھ میں بھوپال جاکر صیغۂ مال۔ فوجداری سررشتہ دار دیوانی دسشن ججی اور تحصیلداری کی خدمات پر مامور رہے۔ مدرس طبابت اور ارکان مجلس علما میں بھی شریک ہوے۔ سنہ ۱۳۰۲ھ میں بھوپال میں مولوی عبدالقیوم تلمیذ وداماد شاہ اسحٰق دہلوی جاگیردار ریاست بھوپال سے کتب حدیث کا سماع کیا۔ بھوپال سے ترک تعلق کر دیا ہے۔ رامپور کے مدرسۂ عالیہ

میں مدرس تھے۔ اب آنکھیں جاتی رہی ہیں۔

نظیر شاہ خاں تخلص خادم

ابن[1] غلام محمد خاں۔ رام پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں مراد آباد گئے مولوی کریم الدین آرزو کے شاگرد ہوئے۔ عربی فارسی کتابیں انھیں سے پڑھیں اور شعر میں بھی ان سے اصلاح لی۔ علم عروض و قافیہ میں بھی مداخلت پیدا کی۔ سنا ہے کہ قصۂ لیلیٰ مجنوں فارسی میں نظم کیا ہے۔ مگر خدا جانے کیا ہوا۔ اس کا پتا نہیں ملتا۔ اخیر عمر میں دہلی گئے۔ اور زمرۂ شعرائے بادشاہی میں نوکر ہوئے۔ پھر وہاں سے بیمار ہوکر رام پور آئے۔ اور بارہ سو اکتالیس ہجری (۱۲۴۱ھ) میں قضا کی۔

مولوی سید محمد نظام الدین خاں

ابن مولوی سید عبدالصمد خاں رام پور کے محلہ مدرسۂ کہنہ میں پیدا ہوئے۔ علوم فارسی و تصوف مولانا شاہ رفیع الدرجات اور دیگر اساتذہ رام پور سے پڑھے۔ علوم عربیہ کی تکمیل مولانا رکن عالم۔ مولانا رستم علی مفتی شرف الدین علوی مولانا عبدالرحیم ترابی۔ اور مولانا نعیم شاہ وغیرہم سے کی علوم باطنی میں اکثر بزرگوں سے فیض لیا۔ اور خلافت اپنے والد سے حاصل کی۔ صاحبزادہ محمد رضا خاں رام پوری۔ نواب غوث محمد خاں بہادر والیٔ جاورہ۔ اور شیخ علی اعظم وزیر جاورہ آپ کے شاگرد تھے۔ نواب غوث محمد خاں والیٔ جاورہ کی صغیر سنی میں ریاست کے کا مدار رہے نواب صاحب کے با اختیار ہونے پر جاگیر۔ انعام اور پنشن پائی پھر ریاست اودے پور کے ناظم اور کا مدار ہو گئے۔ اسکے بعد ریاست گوالیار میں تیمچ کے صوبہ ہوئے۔ وہاں سے آکر جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کے دربار میں بزمرۂ فضلا داخل ہوئے۔ آپ کی شادی سکینہ بیگم دختر مولوی عبدالعلی خاں ابن

---

[1] انتخاب یادگار۔

مولوی عبدالرحمن خاں ابن مولوی محمد سعید اخون تراہی سے ہوئی تھی۔
یکم مارچ سنہ اٹھارہ سو نوے عیسوی (۱۸۹۰ء) کو رام پور میں انتقال کیا۔
عزت کے ساتھ جائداد کثیر رام پور جاورہ اندور اور اضلاع بریلی و مرادآباد میں
چھوڑی۔ ۱۸۵۷ء میں تانتیا ٹوپے کے ہنگامہ میں جاورہ کو بچایا۔ علم و فضل
کے ساتھ نہایت خلیق اور متین تھے۔ معاملات میں فہم و ذکا اعلیٰ درجہ پر تھی۔
پولیٹکل امور میں نہایت سنجیدگی سے کامیاب رہے۔ دوست پروری گویا طبیعت کا
خمیر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی لایق عطا کی۔ مولوی صدرالدین خاں۔ مولوی حکیم
عمادالدین خاں۔ مولوی محمد ضیاءالدین خاں۔ اور مولوی جلال الدین خاں
فرزند یادگار چھوڑے۔

میاں نعمت اللہ

ولد شاہ رحمت اللہ ولد حافظ برخوردار قدوسی۔ آپ کی ولادت گجرات پنجاب
میں ہوئی۔ حضرت ملا فقیر اخوند اور حکیم بایزید کے آپ بھائی ہیں۔ نہایت ذہین
اور ذکی تھے آپ کے بڑے بھائی حکیم بایزید نے آپ کو فن جراحی سکھایا اور
جرائب النعمت کتاب جراحی میں۔ اور فوائد النعمت علاج آتشک میں آپ ہی
کے نام پر آپ کی تعلیم کے واسطے ۱۰۵۰ھ میں لکھی۔ یہ فن آجتک اس
خاندان میں چلا آتا ہے۔ آپ کے پوتے شاہ محمد حسن صابری کا تو
اس فن میں جواب نہ تھا۔
آپ کو پتا بھی بہت اچھا آتا تھا۔ نصر خاں اخوندزادہ ساکن محلہ چاہ خرماں خاں
رسالدار پٹنے میں آپ کے شاگرد تھے۔ صفر کی سترھویں تاریخ بارہ سو پینتیس ہجری
(۱۲۳۵ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔ حضرت ملا فقیر اخوند رحمتہ اللہ کی مسجد کے
پاس مزار ہے۔

ملا نواب

ولد[1] سعد اللہ خاں قوم افغان۔ اصلی نام آپ کا نواب خاں تھا۔ بوجہ تواضع خاں کا لفظ نام سے ساقط کر دیا تھا۔ آپ کے بزرگ احمد شاہ درانی کے عہد سے ضلع پشاور میں آباد ہوئے۔ اور آپ کی ماں سیدانی تھیں۔ ملا صاحب کی ولادت موضع کوبی میں ہوئی۔ عربی فارسی کتابیں اپنے ملک میں پڑھیں۔ بیس برس کا سن ہوا تو زمینداری کو چھوڑ کر ہندوستان آئے۔ لکھنؤ اور رام پور میں قیام کیا۔ منطق اور فلسفہ مولانا فضل حق خیرآبادی سے پڑھا۔ دہلی جاکر کتب حدیث کی تجدید کی۔ اور حکیم امام الدین خاں دہلوی سے فن طب کی تحصیل کی۔ اسکے بعد لکھنؤ جاکر حکیم مسیح الدولہ سے مطب کیا اور عطیات شاہی سے سرفراز ہوئے اور ملا نواب خاں خطاب پایا۔ چالیس برس کی عمر میں خالص پور (اودھ) کے ایک شریف خاندان افغان کے ہاں شادی ہوئی۔ اگرچہ آپ علوم دینیات میں اکمل وقت تھے۔ مگر دنیا کے سامنے اپنے آپ کو بطور ایک طبیب کے پیش کیا۔ جناب نواب سید کلب علی خانصاحب بہادر خلد آشیاں کی تعلیم کے واسطے آپ منتخب ہوئے۔ اور حسب ایماے مولانا فضل حق خیرآبادی رام پور آئے حق اُستادی کی وجہ سے جناب نواب صاحب زندگی بھر انکے کفیل رہے مہر زبیدہ کی مرمت میں ایک لاکھ پچیس ہزار روپے آپ ہی کی تحریک سے ریاست رام پور نے دیا۔ رام پور سے بھوپال گئے۔ اور نواب سکندر بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال کے طبیبوں میں ملازم ہوئے۔ وہیں ہجرت کا ارادہ کیا بمشکل اجازت ملی ۱۲۸۵ھ میں بادبانی جہاز کے ذریعہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ راہ میں مخا میں اُترے جو یمن کا بندرگاہ ہے۔ مکہ معظمہ سے پھر واپس نہیں آئے ۱۲۸۵ھ میں نواب سکندر بیگم صاحبہ والیۂ بھوپال اور ۱۳۰۴ھ میں جناب نواب سید کلب علی خانصاحب بہادر خلد آشیاں والئ رام پور

---

[1] نوشتہ منشی مظفر حسین خاں سلیمانی شاہ آبادی (اردو)۔

حج کو گئے اور ملا صاحب کو دونوں نے ہمراہ لانا چاہا مگر نہ آئے۔ اخیر عمر تک طبابت کے ذریعہ سے بسر کی علوم دین کو آلۂ رزق نہ بنایا۔ اخیر عمر میں طبابت سے بھی گھبراتے تھے۔ اکثر مریضوں کو اپنے فرزند حکیم مولوی محمد اسمٰعیل کے پاس بھیجدیتے تھے باوجود افغانی ہونے کے اُردو زبان بھی اعلیٰ درجہ کی جانتے تھے۔ انکے ادب کی شہرت سنکر واجد علی شاہ بادشاہ اودھ بھی مشتاق ہوئے تھے۔ مکۂ معظمہ کے علما میں آپ کو متکلم مانا جاتا تھا۔ شریف مکۂ عبداللہ شاہ پاشا۔ شیخ عمر شیبی کلید بردار کعبۃ اللہ سید ولی جو اہلِ مکہ میں دولتمند اور بارسوخ تھے اور شریف حسن پاشا سے جو سلطنت ٹرکی میں شاہی مقرب تھے۔ انسے بہت دوستانہ تھا اور اہلِ حاجت کے کام آپ کے ذریعہ سے نکلتے تھے۔ مگر اپنے لئے کوئی مفاد مدنظر نہ تھا پیرانہ سال میں قرآن شریف بھی حفظ کرلیا۔ مرتے دم تک نماز تہجد میں ایک منزل پڑھتے رہے۔ ابتدا میں حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی دہلوی سے بیعت کی تھی۔ اور مکۂ معظمہ میں شیخ ابراہیم رشیدی شیخ خضرویہ طریقہ سے خلافت پائی۔ کسی کو مرید نہیں کیا۔ ہر جلسہ میں گفتگو مرغوب طبع کرتے تھے۔ ابتدا میں خلاف شرع امور پر لوگوں کو تشدد سے روکتے تھے۔ مگر اخیر عمر میں نہایت نرمی سے نصیحت کرنے۔ ذاتِ باری کے صفات بیان کرتے وقت روتے جاتے تھے کسی کی غیبت نہیں سنتے تھے۔ جو عیب دیکھتے خفیہ متنبہ کرنے ماکناشہ اظہار کرتے تھے۔ دوستوں کے ساتھ نہایت خلوص تھا۔ مخلوق کی حاجت روائی میں کوشش کرنا سرشتی شعار تھا۔ مولوی محمد احسن صاحب کنبوہ مہاجر ہندی پر محمد احمد مہدی سوڈانی کی سازش کا الزام لگا اور وہ بحکم گورنمنٹ مکۂ معظمہ میں گرفتار ہوئے۔ اُس وقت عثمان پاشا گورنر مکۂ معظمہ تھے ملا صاحب نے اِن سے سفارش کی اور اہلِ مکہ کی طرف سے اُن کی بریت کی درخواست بابِ عالی کو بھیجی۔ اُس خطرناک وقت میں کسی کو دستخط کرنے کی جرأت نہ تھی۔

ملا صاحب نے سب سے اول خود مُہر لگائی۔ انتقال سے چھ سال پیشتر مصر اور قسطنطنیہ میں ان کی شہرت کی وجہ سے مجمع عظیم ہوا۔ حکومت نے اُنکو نظر بند کر دیا۔ اور بعد تحقیق بے قصور ثابت ہوکر رہا ہوئے۔ دو برس کے سفر کے بعد پھر مکہ معظمہ میں آ گئے مقلد تھے مگر ائمہ کی تقلید کو فرض نہیں جانتے تھے۔ خوش خوراک اور ٹھنڈے پانی کے شائق تھے۔ گرمی کے موسم میں اکثر طائف میں جا کر رہتے۔ نہایت خوبصورت بلند قامت اور سرخ سفید رنگ کے آدمی تھے۔ ہندوستانی وضع کا لباس پہنتے تھے۔ لمبا کرتا اُس پر جبہ۔ ہندی قطع کا عمامہ باندھتے تھے۔ چہار شنبہ کے دن جمادی الاخری سنہ تیرہ سو نو ہجری (۱۳۰۹ھ) مطابق ۱۸۹۱ء میں خناق کے مرض سے اسی بچاسی برس کی عمر میں مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ اور اپنے مرشد شیخ ابراہیم رشید کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کے بڑے فرزند حکیم مولوی اسمٰعیل صاحب فاضل تھے۔

اب چار صاحبزادہ زندہ ہیں۔

معالج الدولہ حکیم حاجی مولوی سید فرزند علی مرحوم افسر الاطباء شاہ آبادی اور حضرت مولانا ارشاد حسین مرحوم رام پوری آپ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

مولوی نوازش علی

علم فرائض میں مشہور تھے۔ رسالہ منظومہ بزبان فارسی متعلق فرائض انکی یادگار ہے۔ (روزنامچہ مولوی عبد القادر خاں) ان کا زمانہ بھی بارھویں صدی ہجری کے اخیر میں ہے۔

مولوی نظام الدین ثانی

نگراھر کے رہنے والے۔ دہلی اور رام پور میں کتابیں پڑھیں۔ اسمٰعیل خاں کی لڑکی سے رام پور میں شادی ہوئی۔ مدرسہ عالیہ ریاست رام پور میں درجہ ہفتم کو پڑھاتے تھے تیرہ روپے تنخواہ تھی۔ صرف و نحو میں کمال تھا۔ نہایت متقی

پرہیزگار تھے۔ کسی سے غرض نہ تھی۔ اس قلیل تنخواہ میں اپنی گزر کرتے تھے
کثرت عیال سے عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ مگر کسی پر اطلاع نہیں ہوتی تھی۔
تاریخ ۲۔ جنوری ۱۹۱۸ء ۱۳۳۶ھ کو انتقال کیا۔ اکثر علماے شہر جنازہ میں شریک تھے۔
سید عبدالقادر صاحب کے مقبرہ میں دفن ہوے۔ عمر تخمیناً ساٹھ سال کی تھی۔ تین لڑکے
چھوڑے دو صغر السن بچے عربی کی تحصیل میں مصروف ہیں۔

ملا نوبت اخوند

قوم کے چمرزی ہیں۔ ولایت سے فقہ واصول پڑھکر آئے۔ رام پور میں ملا حسن صاحب
سے کتب منطقی پڑھیں۔ متوکل آدمی تھے۔ اپنے گھر پر درس وتدریس کرتے تھے۔
اِن کے بیٹے شاہ میر خاں نواب امیر خاں کے لشکر میں رسالہ دار تھے وہی متکفل
تھے۔ انکا مکان محلہ گنج میں کمھاروں کی مسجد کے قریب تھا۔ اور اسی مسجد کے قریب
اُنکا مزار ہی۔ اب اُن کی اولاد میں کوئی نہیں ہی۔
شاہ میر خاں کے نواسوں میں سے کچھ لوگ باقی ہیں علم نہیں ہی۔

مولوی نذیر احمد خاں

ولد مولوی محمد خاں قوم پٹھان عثمان زی۔ رام پور میں شرف الدین خاں کے گھیر میں
رہتے تھے۔ یہیں پیدا ہوے۔ علمائے رام پور سے علوم دینیہ پڑھتے تھے۔ دہلی میں
بھی علما سے پڑھا۔ فن طب بھی حاصل کیا۔ عربی ادب میں بھی کامل دستگاہ تھی۔
ایک معتبر صاحب کا چشم دید بیان ہی۔ کہ حکیم بدرالدین خاں دہلوی اور حاذق الملک
حکیم عبدالمجید خاں سے دہلی میں رسالہ بازی ہوئی تو بدرالدین خاں کے رسائل عربی
کے کاتب یہی خاں صاحب تھے۔ رام پور پھر نہیں آئے۔ نکاح بھی نہیں کیا۔ احمد آباد
گجرات میں سیٹھ احمد آباد کے طبیہ مدرسہ میں ملازم تھے۔ تقریباً بارہ سو تیئیس ہجری
(۱۳۲۳ھ) میں احمد آباد میں انتقال ہوا۔ ان کے بھتیجے موجود ہیں۔ مگر کوئی تفصیلی

حالت نہیں بتا سکتے۔ میاں شفاعت الرسول فرزند مولوی ہدایت الرسول مرحوم سے معلوم ہوا کہ احمد آباد میں آپ کے علم و فضل کی بہت شہرت تھی طب میں بھی کمال کا درجہ حاصل تھا۔ ذیل کی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں رسالہ النذیر الاحمد ۱۰ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ کو بریلی کے مطبع اہل سنت والجماعت میں چھپا ہے۔ ندوۃ العلما کی تائید میں رسالہ ہدایۃ الالبا کا اُردو میں ۴۴ صفحہ پر ردہے جس میں لکھا ہے۔

پے مفسد ان شد محمد نذیر ۱۳۱۶ھ۔

رسالہ امطار الحق اُردو بجواب میاں امیر الدین غیر مقلد صفحہ ۷۶، مطبوعہ مطبع دت پرشاد بمبئی۔

السیف المسلول علی منکر علم غیب الرسول اردو ۲۳۹ صفحہ کی کتاب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ کو لکھی اور مطبع گلزار حسنی بمبئی میں چھپی۔

البوارق اللامعہ علی من اراد اطفاء الانوار الساطعہ الملقب بالدلائل الفاضحہ لمن قصد ابطال المرج من المیلاد والفاتحہ اردو صفحات ۲۳۶ رد غیر مقلدین مطبوعہ مطبع دت پرشاد بمبئی

قاضی سید نور الحق تخلص منعم

عرف[۱] قاضی منعم ولد قاضی سید معصوم۔ تحصیل ملک ریاست رام پور میں ایک گاؤں کھانا نامی ہے۔ وہاں رہتے تھے۔ رام پور سے آٹھ کوس کا فاصلہ ہے بڑے ذی کمال تھے۔ علم و فضل میں بے مثال تھے۔ تذکرہ نشتر عشق میں لکھا ہے کہ ایک تفسیر کلام اللہ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) کی فرمائش سے لکھی تھی۔ تذکرہ طبقات الشعرا سے چار دیوان اور کئی مثنویوں کا بھی پتا چلتا ہے انتخاب یادگار میں مثنوی سرود جان نواز مثنوی ظفرنامہ قصیدہ مدحیہ منور الدولہ نواب نصر اللہ خاں بہادر سے کچھ کلام فارسی لکھا ہے۔ تریسٹھ برس کی عمر ہوئی بارہ سو تیئیس ہجری (۱۲۲۳ھ) میں رحلت کی اور گاؤں ہی میں دفن ہوئے۔ اولاد موجود ہے مگر علم کا پتا نہیں۔

---

[۱] انتخاب یادگار۔

تذکرہ صبح گلشن میں بحوالۂ تذکرۂ آفتاب عالمتاب قاضی محمد صادق خاں اختر لکھا ہے کہ منعم کو علوم رسمیہ میں مہارت تام تھی۔ نظم میں یہ استعداد تھی کہ ایک ساعت نجومی میں سو شعر موزوں کرتے تھے۔ سفر کلکتہ کی اثنا میں سفر کی تعب دور کرنے کے لئے ہوگلی میں قاضی محمد صادق خاں اختر کے مکان پر چند روز قیام کیا تھا۔ کلکتہ پہونچکر سید لطف الحق پسر مفتی صدر علی پر طبیعت آگئی۔ یہاں تک کہ رسوائی ہوئی اور محبوب کے عزیزوں سے بہت اذیت پہونچی۔ آخر کار لطف الحق کا عنفوان شباب میں انتقال ہوگیا اور منعم اپنے مکان پر چلے گئے۔ اور اسکے قریب زمانہ میں انتقال کیا تذکرۂ صبح گلشن میں قاضی نور الحق منعم کے علاوہ ایک منعم مرادآبادی کے نام سے بھی حال اور کلام لکھا ہے اور کہتے ہیں کہ منعم سادات مرادآباد اور بریلی سے تھے۔ اور انکے آبائے کرام حکومت واقتدار سے بسر کرتے تھے۔ افاغنہ کے تسلط کے وقت منعم کے باپ نے مقابلہ افاغنہ سے کیا۔ اور انکے غلبہ اور قوت کی وجہ سے مصالحت کرلی۔ یہ تلاش وجہ معاش بارہ سو ایک ہجری سنہ ۱۲۰۱ھ میں لکھنؤ آئے مگر جوہر شناسی کسی نے نہیں کی۔ اور نواب محمد فیض اللہ خاں بہادر کی فرمایش سے قرآن کی تفسیر لکھی ہے۔ انتہی۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی منعم ہیں کیونکہ جس منعم نے تفسیر لکھی ہے۔ وہ کہاتے کے رہنے والے تھے۔ تذکرہ نویس کو اشتباہ ہوگیا۔ کلکتہ کی آمدورفت میں لکھنؤ میں بھی گزر رہا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ملا نور محمد

ابن ملک محمد فیصلہ جائداد پیرزادہ اعظم الدین خاں ساکن محلہ کٹرہ مورخہ ۴ھ ربیع الاول سنہ ۱۲۰۰ھ پر آپ کی مہر ہے مفصل حال معلوم نہیں ہوا۔

مولوی نور الدین بن اسمٰعیل

مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ملازم ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے ہندوستان کے

اکثر شہروں کا دورہ کرکے انگریزی میں کتابوں کی فہرست مرتب کی ہو اُس میں لکھتے ہیں کہ لکھنؤ محلہ یحیٰی گنج میں واجد حسین کتاب فروش کے ہاں ایک کتاب کہ فیکون نامی مولفۂ مولوی محمد اسمٰعیل شاہ رام پوری ہو۔ میں تو علمائے رام پور کے حالات جمع ہی کررہا ہوں۔ میں نے اُس کتاب کو سرکاری کتاب خانۂ رام پور کے لیے خرید لیا۔ اس کتاب میں عربی کے کئی رسالہ ہیں سب کی ایک ہی تقطیع ہو ایک ہی خط ہو۔ اور ذیل کے رسالے موجود ہیں۔

توبۃً نصوحا

دیباچہ میں لکھا ہو۔ کہ مذہب حنفی سے آجکل لوگوں کو انکار رہو۔ جو حنفی مذہب کا بلاضرورت منکر ہو۔ وہ کافر ہے۔ سلاطین روم جو خادم کعبۃ اللہ ہیں حنفی ہیں۔ اور آجکل کہ سنہ بارہ سو ستر ہجری (۱۲۷۰ھ) میں سلطان روم حنفی ہیں۔ مؤلف کا نام کسی نے کاٹ کر احمد خلیل اللہ محمد اسمٰعیل شاہ لکھا ہو۔ جب غور کیا گیا تو یہ عبارت پڑھی گئی۔ وانا المسمی بہ نورالدین بن اسمٰعیل بالحق والیقین جعل اللہ مسکنی فی بلدۃ سمہا المسلون بالمصطفا با د والمشرکون بالرام فور وھی بلدۃ طیبۃ فی الھند الطیب الثمرات من المسک والکافور جعل اللہ سلطانہا نوابا۔ یوسف العالی خان من سبط نواب فیض اللہ خان ابن نواب العالی محمد خان۔ قیل ھو عالم فی المنطق سلم العلوم وفی الاصول مسلم بل بسائر کتب الاحادیث والتفاسیر۔ کتاب کو چار بابوں پر تقسیم کیا ہو۔ باب الاول فی بیان توبۃ نصوح۔ باب الثانی فی عرفان ذات اللہ۔ باب الثالث۔ فی رویۃ اللہ بالبصر۔ باب الرابع۔ فی بیان شفاعۃ الرسل۔ چودہ صفحہ ہیں عربی بدخط ہو۔ اور کل رسائل ایک ہی خط اور ایک پیمانہ کے ہیں۔ کتاب کی تقطیع ۲/۳ ۷ × ۱/۲ ۶ انچہ ہو۔ رسالہ کی ابتدا یہ ہو۔

الحمد للہ ھو من وذاتہ یقتضی وجودہ مع الایمان والاسلام الحنیف

ان کل رسائل کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب مولوی سید اسمٰعیل شاہ ساکن بریلی کی ملکیت تھی جن کا نام مع وطن کے اِس رسالہ کے اول صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔ رسالہ کے دوسرے صفحہ کے حاشیہ پر ایک مربع مہر تین جگہ لگی ہوئی ہے۔ اور اُس کے اندر یہ نام کندہ ہے۔ (وا ذکر فی الکتاب اسمعیل ۱۲۵۳ھ) چوتھے صفحہ کے حاشیہ پر ایک عبارت لکھکر لکھا ہے۔ من احمد خلیل اللہ محمد اسمٰعیل اللہ شاہ۔ معلوم نہیں یہ کون سید صاحب ہیں کہ مصنف کتاب کا نام کاٹ کر اپنا نام کئی رسالوں میں لکھدیا ہے۔ محرف صاحب کا خط عربی نہیں ہے۔ اور کتاب میں کئی جگہ ہے۔ بلکہ ایک جگہ محمود اللہ محبوب شاہ بھی لکھا ہے۔ شاید ان کے کوئی بھائی ہوں۔ افسوس کہ غیر کی تصنیف کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ مولوی نورالدین ہر جگہ مخالف مذہب حنفی کو کافر لکھتے ہیں۔ مگر مولوی سید اسمٰعیل شاہ محرف کتاب نے کافر کو کاٹ کر کئی جگہ مبتدع اور فاسق بنایا ہے۔

رسالہ ثانی بدیہی فی المذہب الحنفی

اول الذکر رسالہ کی سی بالکل حالت ہے۔ تالیف کا وہی مقصد ہے۔ اس رسالہ میں بھی نورالدین بن اسمٰعیل کو مٹا کر احمد خلیل اللہ محمد اسمٰعیل شاہ بنایا ہے۔

اور جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر والیِ رام پور کا ذکر انھیں الفاظ میں کیا ہے۔ جو اول رسالہ میں ہیں۔ سلطان روم کا ذکر اس طرح لکھا ہے۔

اسمہ عبد المجید خان غازی ابن سلطان محمود خان الرومی۔ ابن عبد الحمید خانی العثمانی وھو السلطان الحجازی اللھم ایدالاسلام والمرسلین ببقاء سلطنتك الحجازی خلد الله ملکه وسلطانه۔

ابواب کی یہ تفصیل ہے۔ باب فی بیان توبۃ نصوح عن سائر الادیان الباطلہ باب فی بیان اثبات ذات اللہ۔ باب فی بیان اثبات کلام اللہ۔ باب فی بیان بدیھۃ وجود رسول اللہ۔ باب فی بیان بدیھۃ العلما۔ باب فی بیان

بدیھۃ الکفر باللہ - باب فی بیان بدیھۃ رویت ذات اللہ - باب فی بیان
بدیھۃ الشفاعۃ - اٹھائیس صفحہ کا رسالہ ہے - ابتدا رسالہ یہ ہے -
الحمد للہ خلصا لانہ مومن فلا حمد لمن لم یکن مومنا مثلہ لانہ کافر -

رسالہ نصر اللہ بجمیع خلفاء بیت اللہ

مقاصد اور اغراض کتاب مثل اول الذکر رسالہ کے لکھے ہیں - اس رسالہ میں بھی نور الدین بن اسمٰعیل کا نام کاٹ کر احمد خلیل محمد اسمٰعیل شاہ بریلوی نے اپنا نام لکھدیا ہے - مصنف کے نام کے بعد پوری عبارت جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر کے نام تک بلفظہا وہی ہے جو اول رسالہ میں ہے - ۱۲۶۸ھ اور عہد عبد المجید خاں غازی کا نام لکھا ہے - ابواب یہ ہیں - باب فی بیان الایمان - باب فی بیان اثبات وجود ذات ممکن الوجود - خاتمہ کی یہ عبارت ہے - قد تم نصر اللہ بجمیع خلفاء بیت اللہ یوم السبت وقت الضحیٰ من ۱۲۶۸ھ ہجریہ فی شہر الشوال ابتدائی عبارت یہ ہے - الحمد للہ فلا حمد لغیر اللہ والشکر للہ فلا شکر لغیر اللہ ۵۳ صفحے ہیں تقطیع مثل اول الذکر رسالہ کے ہے -

بیعۃ الرضوان

اس رسالہ کا مقصد اور غرض خط و کاغذ تقطیع مثل اول الذکر رسالہ کے عربی ہے سنہ تالیف ۱۲۶۸ھ اور عہد سلطان عبد المجید خاں غازی کا لکھا ہے نور الدین بن اسمٰعیل کو مٹا کر احمد خلیل اللہ اسمٰعیل شاہ غیر قلم سے مؤلف کا نام لکھا ہوا ہے - مؤلف کے نام کے بعد رام پور کا ذکر اول رسالہ کے موافق ہے - نوابوں کے نام نہیں لکھے ہیں تفصیل ابواب یہ ہے - باب الوجود - باب الذات وھو ثلثۃ - باب فی بیان عرفان - باب فی بیان تقدیر - باب فی بیان ذات الواجب الوجود - باب فی بیان کمال ذات - باب فی بیان رویۃ - باب شفاعۃ الرسل -

نہ کی عبارت یہ ہی۔ خاتمہ ھذا الکتاب فی رابع عشر من شہر الرمضان
لدا داء صلوۃ الظھر یوم السبت من ۱۲۸۸ھ شروع کی عبارت یہ ہے۔
مد ھو الکمال اللہ لا نہ سلام مومن دینہ الاسلام الحنیفا تعداد صفحات ۱۹۔

بیعۃ الرحمٰن

صد۔ خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل اول الذکر رسالہ کے ہی۔ اصل مصنف کا نام
الدین بن اسمٰعیل کاٹ کر احمد خلیل اللہ محمد اسمٰعیل شاہ لکھدیا ہی۔ وطن رام پور کے
ر کے ساتھ جناب نواب سید یوسف علی خاں صاحب بہادر اور جناب نواب سید
ز اللہ خاں صاحب بہادر اور جناب نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر کے نام لکھکر کہتا ہی۔
ہم اصحاب الحشمۃ والحکم والدولۃ من الدراھم والدنانیر۔ ابواب کی یہ تفصیل ہی۔
قدمۃ البیعۃ مبادلۃ النفس باب فی بیان ملک الحاکم۔ باب فی بیان
لومات اللہ۔ باب فی بیان مقدور اللہ۔ باب فی بیان تدبیر اللہ
ب فی بیان حسین بن علی رضی اللہ عنہما رسالہ کی ابتدا یہ ہی۔
مد للہ ھو مومن و انزل القران۔ اٹھارہ صفحات ہیں۔

نور الھدایہ

صد۔ کاغذ۔ خط۔ تقطیع۔ زبان عربی۔ مثل اول رسالہ کے ہی۔ اس رسالہ پر نور الدین
اسمٰعیل نہایت واضح طور پر نمایاں ہی اسکو کاٹ کر احمد خلیل اللہ محمد اسمٰعیل شاہ لکھدیا ہی۔
م پور کا ذکر کر کے کتاب کو خلیفہ بیت اللہ کے نام پر معنون کیا ہی۔ سنہ تصنیف
۱۲۹۲ھ ہی۔ تفصیل ابواب یہ ہی۔
ب الایمان باللہ۔ باب فی بیان عرفان۔ باب فی بیان شرائط الایمان
ب التدبیر و التقدیر۔ باب فی بیان رویۃ۔ باب فی بیان شفاعۃ
فات ۲۳ ہیں۔ ابتدائے کتاب۔ الحمد للہ ھو من خیف عن الباطل الی الحق

فی دین الاسلام دائماً۔

کتاب اللہ الوہاب

مقصد۔ خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل اول الذکر رسائل کے ہے سنہ تصنیف ۱۲۸۱ھ اور عہد سلطان عبدالعزیز خاں کا لکھا ہے۔ تفصیل ابواب یہ ہے۔
باب فی بیان اول ما فرض اللہ۔ باب فی بیان لفضل لتوبۃ۔ باب فی بیان قصص انبیا و اولیاء اللہ۔ صفحات چودہ ابتدار کتاب۔
الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق۔

میزان العقل

مقصد۔ کاغذ۔ خط۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل اول الذکر رسائل کے ہے۔ نام کے ساتھ رام پور کی سکونت کا بیان ہے۔ تصنیف ۱۲۸۱ھ عہد سلطان عبدالعزیز خاں غازی۔
تفصیل ابواب۔ باب توبۃ النصوح۔ باب فی بیان الایمان۔ باب فی بیان اتباع الشیطان۔ صفحات ۱۴۔ ابتدار کتاب۔ الحمد للہ ھو من قال للممکن الوجود کن فیکون حنیفا مسلماً و ما کان من المشرکین۔

رسالہ بلا اسم

مقصد۔ خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل اول کے رسالہ کے ہے۔ مصنف نے نام کتاب اور اپنا نام کہیں نہیں لکھا۔ تصنیف ۱۲۸۱ھ کی ہے۔ سطر تحریر گواہ ہے۔ کہ نورالدین بن اسمٰعیل کی تصنیف ہے۔ تفصیل ابواب۔ باب فی بیان توبۃ نصوح۔ باب فی بیان طریق عرفان۔ باب فی بیان ملک اللہ۔ باب فی بیان خلیفۃ اللہ۔ صفحات ۲۹۔ ابتدار کتاب الحمد للہ ھو منفرد بصفاتہ و جمیع احکامہ

کن فیکون

مقصد۔ خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل اول رسائل کے ہے۔ نورالدین مصنف کا

نام بالکل سیاہی سے مٹا کر اسمٰعیل شاہ لکھا ہے۔ یہ بھی حرکت مولوی سید اسمٰعیل شاہ بریلوی کی ہے۔ اور اس کتاب کو سلطان عبدالمجید خاں غازی کے نام پر معنون کیا ہے۔ فہرست ابواب۔ مقدمہ السنۃ لطریق اللہ حقیقتہ۔ باب اول فی عرفان ذات اللہ۔ باب الثانی۔ فی بیان سلسلۃ الکمال التام۔ باب ۳ فی بیان عرفان کلام اللہ۔ باب ۴ فی بیان رسول اللہ۔ باب ۵ فی بیان خلفاء۔ باب ۶ فی بیان اولیاء اللہ۔ باب ۷ فی بیان اصحاب رسول اللہ۔ باب ۸ فی بیان مذہب علماء اہل السنتہ۔ باب ۹ فی بیان شرائط الصلوٰۃ۔ باب ۱۰ فی بیان الایمان۔ باب ۱۱ فی بیان مکہ۔ باب ۱۲ فی بیان اہل الفسق۔ باب ۱۳ فی الکسب والاکتساب۔ باب ۱۴ بیان الباغی۔ باب ۱۵ فی بیان اہل الکفر تصنیف سنہ ۱۲۷۱ھ اور اسی سنہ کی کتابت ہے۔ صفحات ۲۳۸-۱ ابتدا کتاب۔

الحمد للہ ہو مؤمن فی المخالف عند کافر۔

رسالہ ۱۱ ذبح

خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل دیگر رسائل کے ہے۔ تصنیف سنہ ۱۲۷۱ھ و تعداد صفحات ۱۰-۱ ابتدا کتاب۔ الحمد للہ جعل الحلال عن الحرام مفصلا۔

رسالہ ۱۲ ذبح ثانی

خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل دیگر رسائل کے ہے۔ مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ مگر طرز کلام سے اس مصنف کی معلوم ہوتی ہے۔ صفحات ۱۶-۱ ابتدا کتاب۔

الحمد للہ فی ملک اللہ قال لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار۔

توبۃ ۱۳ النصوح

تقریباً سب حالت اول نمبر کے رسالہ کے موافق ہے۔ ابواب اور فصول اور عبارتیں بدلی ہوئی ہیں۔ مصنف کا نام بھی ہے تصنیف سنہ ۱۲۷۱ھ صفحات ۲۹-۱ ابتدا کتاب

الحمد للہ ھو سلام مومن دینہ الاسلام۔

بدیہی فی المذہب الحنفی

رسالہ موافق رسالۂ دوم کے ہے۔ عبارت کو کہیں کہیں بدل دیا ہے صفحات ۹۰ ابتدائے کتاب الحمد للہ لانہ مومن فالمخالف عنہ عمدا بلا عذر شرعی کافر تصنیف ۱۲۸۰ھ۔

ایمان الٰہ الحمید

خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل دیگر رسائل کے ہے۔ اس رسالہ کو مکہ معظمہ میں ۱۲۸۰ھ میں سلطان روم کی نصرت کے لئے لکھا ہے۔ اور حنفی مذہب کی حمایت کے ساتھ احکام شرعی کے ساتھ سلطان روم کی اطاعت کو واجب کیا ہے۔ دیباچہ میں انانام اور رام پور کو مسکن بتایا ہے۔ اس کتاب میں نو صفحہ کے بعد ایک دوسرا دیباچہ لکھا ہے۔ صفحات ۴۴۔ ابتدائے خطبۂ اول۔ الحمد للہ لانہ واجب الوجود والا فلا یکون الوجود لازما لذاتہ و ھذا خلف۔ ابتدائے خطبۂ ثانی الحمد للہ رب العالمین۔ والعاقبۃ للمتقین۔

بیعۃ الرضوان

خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی سب مثل دیگر رسائل کے ہے۔ نمبری چہارم رسالہ کے مثل یہ بھی ہے۔ عبارت میں تغیر کر دیا ہے۔ تصنیف ۱۲۸۰ھ صفحات ۴۴۔

کتاب الحیف

خط۔ کاغذ۔ تقطیع۔ زبان عربی مثل دیگر رسائل کے ہے۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ لوگ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ مگر مومن نہیں ہیں۔ اس لئے میں ایک کتاب بطریق مذہب احناف لکھتا ہوں جس میں احکام الٰہی ہونگے۔ اپنے نام کو اس طرح لکھا ہے۔ وانا المسمیٰ نورالدین ابن اسمٰعیل بالحق والیقین مسکنے فی بلدۃ بنو اسرائیل سمہا المسلمون بالمصطفا باد والمشرکون بالرام فور

وهی بلدۃ طیبہ فی الھند اطیب الثمرات من المسك والکافور۔
تفصیل ابواب۔ باب عرفان اللہ۔ باب فی بیان عرفان صفات اللہ۔ باب
فی بیان ملك اللہ۔ باب فی بیان خلفاء اللہ۔ باب فی بیان صفت ایمان۔
باب فی بیان غلبۃ الحنفیۃ فی الملکۃ۔ باب العلماء الراسخین فی العلم۔
باب فی بیان اهل السنۃ والجماعۃ۔ تصنیف ۱۲۶۵ھ صفحات ۱۰۸۔ ابتدائے کتاب
الحمد للہ جعل دین الاسلام لنا اماما ومذھبا حنیفا فی بلدۃ مکۃ اسمہ نعمان۔
مصنف کے متعلق اور کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ ان تصانیف کے دیکھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کے قیام میں لکھی ہیں۔ رام پور میں کسی شخص سے انکا حال معلوم نہیں ہوا۔

میاں نور الدین

حضرت ملا اخوند فقیر کے بڑے صاحبزادے تھے۔ جاریہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔
تعلیم باطنی اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کی۔ بیوہ اور محتاجوں کا کاروبار خود کرتے تھے۔
عورتوں کی عادت ہے۔ کہ سامان لایا ہوا بار بار پھرا کرتی ہیں۔ آپ کبھی اس سے
آزردہ خاطر نہوتے تھے۔ بار بار بازار کو جاکر سامان لاتے تھے۔ ذکر جہر نہایت
خوش آوازی سے فرماتے تھے ماہ رجب سنہ بارہ سو باون (۱۲۵۲ھ) میں انتقال کیا۔

مولوی نور النبی

ولد مولوی محمد اسحٰق ولد مولوی احمد۔ نسب حضرت محمد ابن حنیفہ تک منتہی ہوتا ہے
آپ کے دادا مولوی احمد پنجاب سے آئے تھے۔ اپنے خاندان میں علوم و فنون فارسی
اور عربی کی تحصیل کیے۔ مولوی محمد علی جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے ان سے بھی
استفادہ کیا۔ اور دیگر علما اور فضلا سے کتابیں پڑھیں۔ کل علوم عربیہ میں دستگاہ تھی۔
تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اور ریاضی میں خاص ملکہ تھا۔ مدرسۂ عالیہ رام پور میں

سلہ انوار العارفین۔

مدرس تھے۔ اکثر فتووں پر آپ کی مُہریں ہیں۔ آپ کے بہت شاگرد ہیں۔ ساٹھ
برس کی عمر میں عارضہ ہیچش سے تقریبًا بارہ سو ستاسی ہجری (۱۲۸۷ھ) میں
رام پور میں انتقال ہوا۔ راہ نجات مطبوعہ مطبع نظامی ۱۲۸۶ھ کے اخیر میں ایک
فتوے پر آپکی مُہر ہے گویا اس سنہ تک زندگی یقینی ہے۔ اور شاہ بغدادی صاحب کے
مزار میں دفن ہوے۔ آپکے فرزند اکبر مولوی محمد نبی عرف مولوی ننو آپکے حیات میں
انتقال فرما چکے تھے۔ مولوی ننو کے انتقال سے چند ماہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔
فرزند اصغر مولوی حیات النبی تھے۔ جنکا انتقال ۱۳۰۹ھ ہوا۔
اب مولوی ننو کے ایک فرزند اشفاق النبی خاں زندہ ہیں ریاست ہذا میں
سب انسپکٹر ہیں۔ مگر علوم عربیہ میں دستگاہ نہیں ہے۔ مولوی نور النبی نے قرآن شریف
کے تین پاروں کی تفسیر عربی میں نہایت ضخیم لکھی تھی۔
مولوی حیات النبی اپنے ساتھ مع دیگر کتب کے ہوشنگ آباد لے گئے تھے۔
وہاں کسی صاحب کے قبضہ میں رہی۔ رام پور نہیں آئی۔

مولوی نور عالم

مولوی عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے بیضاوی کے چند
جز تبرکًا پڑھے تھے۔ بیضاوی کے حاشیہ سے ان کی لیاقت ظاہر ہے۔ اور انکے بیٹے
مولوی محب اللہ انکی خبر جاری مرادآباد میں ہیں۔ بہ زمانہ تیرھویں صدی ہجری کی ابتدا کا معلوم ہوتا ہے۔

مولانا نور الاسلام

ابن مولوی سلام اللہ محدث۔ شاہ رفیع الدین دہلوی کے پوتوں میں ہیں۔ کتب
متداولہ اور طب اپنے چچا حکیم اسد علی خاں تلمیذ حکیم میر محمد ہاشم المخاطب حکیم معتمد الدولہ
سید علوی خاں خلف و شاگرد حکیم میر محمد ہادی اور اپنے والد سے پڑھیں۔
ریاضی میں خاص مہارت تھی۔ فنون میں متعدد تصانیف موجود ہیں۔

نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں دہلی سے رام پور آئے۔ اور سو روپے ماہانہ کے ملازم ہوئے۔ مولوی عبدالعلی خاں ریاضی میں انھیں کے شاگرد ہیں اس وقت رام پور میں ان کے مثل کوئی ریاضی داں نہ تھا۔ فن ریاضی ان کی وجہ سے رام پور میں شائع ہوا۔ طب میں بھی درجۂ کمال حاصل تھا حکیم محمد اعظم خاں آپ کے ہی شاگرد رشید ہیں۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ سلامت طبع رسائے فکر، اصابت رائے میں مغتنمات روزگار ہیں۔ رام پور میں انتقال فرمایا اور حضرت شاہ بغدادی صاحب کے احاطۂ مزار میں دفن ہوئے رسالۂ اسطرلاب فارسی۔ اٹھائیس صفحہ کا قلمی ہے جسکو نواب نصر اللہ خاں بہادر درزمانۂ نیابت ۱۲۱۶ھ لغایت ۱۲۲۵ھ) کے نام پر معنون کیا اور تاریخ ۲۷۔ ربیع الثانی روز پنجشنبہ کو بارہ سو بیس ہجری (۱۲۲۰ھ) میں ختم کیا۔ کتب خانۂ رام پور میں موجود ہے۔ رسالۂ فی تحقیق ماہیۃ مکان عربی قلمی ۴۲ صفحہ کا رسالہ ہے۔ اسکے اخیر میں اپنے قلم سے لکھا ہے۔ کہ یہ رسالہ ۲۹۔ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ میں ختم ہوا۔ کتب خانۂ ریاست میں موجود ہے۔

ملا نور محمد فقیہ

محلہ کنڈہ میں میاں گانوں کی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ بڑے فقیہ تھے مولوی عبدالعلی خاں ریاضی داں نے انسے پڑھا ہے۔

حکیم نیاز احمد خاں

ولد ملا دوست محمد خاں۔ طب حکیم مولوی عبدالمجید خاں رام پوری سے پڑھی ۱۳۱۰ھ کے قریب انتقال ہوا۔ اب کوئی حال بتانے والا بھی نہیں ہے۔

مولوی نیاز اللہ

ولد مولوی عظمت اللہ۔ تقریباً بارہ سو چھبیس ہجری (۱۲۲۶ھ) میں رام پور میں پیدا ہوئے کتب فارسی اور سخنگوئی میں مولوی غلام علی فرحت اپنے ماموں کے شاگرد رشید تھے

خاندان قادریہ میں مولوی ببقم صاحب کے مرید تھے۔
عالم۔ فاضل۔ عابد۔ زاہد۔ متقی۔ فرشتہ صورت و سیرت تھے۔ شیخ احمد علی باوجود معاصرت آپ کے کمال کے معترف تھے۔ نواب فردوس مکاں نے آپکی لیاقت جانچ کر صاحبزادہ حیدر علی خاں بہادر کی تعلیم پر مقرر کیا۔ اکثر شہر کے عمائد اور بزرگ آپ کے شاگرد ہیں۔ راقم الحروف کے والد اور چچا بھی آپکے شاگرد تھے۔
راقم الحروف کو بھی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ آپکا فارسی کا کلام اور کتب درسیہ پر حواشی آپ کے فرزند کے پاس موجود ہیں۔ تخلص نیاز ہے۔ ماہ رمضان سنہ بارہ سو چھیانوے ہجری (۱۲۹۶ھ) میں انتقال ہوا۔ بڑے پیر صاحب کے جھنڈے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

ملا نیک محمد

قوم[۱] افغان۔ علم فرائض میں بہت شہرت تھی۔ ہندوستانی تو انھیں افغانی شمار کرتے تھے۔ اور افغانی ہندوستانی خیال کرتے تھے۔ لیکن فضلائے افغانان کے مشیر تھے۔ جناب نواب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے عہد (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۱۸ھ) میں تھے۔

مولوی وجیہ الدین خاں

فرزند دوم مولوی حافظ محمد جان خاں رام پور میں پیدا ہوئے۔ یہیں تحصیل علم کی۔ دس روپے ماہانہ سرکار سے وظیفہ ملتا تھا۔ جناب نواب سید یوسف علی خاں بہادر فردوس مکاں نے ولیعہد ریاست جناب نواب سید کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کی تعلیم پر مقرر کیا۔ تین روز تک انھیں پڑھایا۔ چوتھے روز گئے تو نواب ولیعہد بہادر کو شطرنج کھیلتے دیکھا۔ ویسے ہی واپس چلے آئے۔ اور پھر کبھی نہیں گئے۔ نواب فردوس مکاں

---

[۱] روزنامچہ مولوی عبد القادر خاں۔

نے اصرار بھی کیا۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ ایسے لہو ولعب کے ساتھ تعلیم بے فائدہ ہے۔
تمام عمر تجرد میں گزاری۔ اور ہمیشہ درس تدریس کا مشغلہ تھا۔
سنہ بارہ سو انہتر ہجری (۱۲۶۹ھ) میں انتقال ہوا۔ اور محلہ پھلوار کے
قبرستان میں دفن ہوئے۔

مولوی وجیہ الزماں خاں تخلص رحیق

ابن شیخ منعم الزماں خاں قصبۂ فرخ آباد عرف جلالہ داں ضلع بجنور صوبۂ اودھ میں پیدا
ہوئے۔ فارسی اور عربی کی تحصیل تمام وکمال تھی۔ محکمۂ صدر آگرہ (ہائی کورٹ)
میں مدت تک سررشتہ دار رہے۔ جناب نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر
جنت آرام گاہ کے عہد (۱۲۵۶ھ تا ۱۲۷۱ھ) میں رام پور آئے۔ پولیٹکل ایجنٹ
کے سفیر منجانب ریاست مقرر ہوئے۔ بصلۂ خدمات غدر ۱۸۵۷ء متعلق ریاست رام پور
۱۵۔ نومبر ۱۸۵۹ء کو لارڈ کیننگ نے بمقام فتح گڑھ دو ہزار روپے کا خلعت عطا کیا۔
جاگیر نہیں ملی۔ آپ کے چھوٹے بھائی شیخ فرید الزماں اور بھتیجے بغاوت میں ملزم تھے
مولوی صاحب نے دونوں کی جان بچانے کی درخواست کی۔ اور نواب سید محمد یوسف علی
خاں صاحب بہادر فردوس مکاں نے جاں بخشی کرا دی۔ اس لئے گورنمنٹ سے صرف
خلعت ملا۔ مگر ریاست نے پوری قدردانی کی۔ شیخ فرید الزماں کو بھی ریاست میں
جگہ دیدی۔ مولوی صاحب نہایت عابد۔ زاہد۔ اور پرہیزگار تھے۔ جس کسی نے
آپ سے برائی کی آپنے اُسکے ساتھ بھلائی کی۔ چوہتر برس کی عمر میں رام پور میں
جمادی الاولیٰ کی دوسری تاریخ بارہ سو نواسی ہجری (۱۲۸۹ھ) کو انتقال فرمایا۔

مولوی وحید اللہ خاں

ولد عباد اللہ خاں قوم پٹھان۔ صغرسنی میں یتیم ہوگئے۔ ہوش سنبھالا اور اپنی
محنت سے علمائے رام پور سے علوم عربیہ و فارسی میں کمال پیدا کیا۔ ریاضی میں

بے مثل تھے۔ خط پاکیزہ تھا۔ مدرسۂ عالیہ میں ملازم رہے۔ پھر جوڈیشلی میں منتقل ہو گئے۔ چند کتابوں کے ترجمے شروع کئے مگر ناتمام رہے۔ نہایت متین۔ نیک نہاد۔ خلیق اور مہذب تھے۔ خالی اوقات میں پڑھاتے بھی تھے۔ تقریباً چالیس سال کی عمر میں ذی الحجہ کی بیسویں تاریخ سنہ تیرہ سو سینتیس ہجری میں قریب مغرب انتقال کیا اور میاں محمد عاشق صاحب مرحوم کے مزار میں دفن ہوئے۔

سید وزیر علی شاہ تخلص وزیر

ولد سید امام علی ولد سید اکبر علی۔ قوم سید حسنی حسینی۔ آپ کے دادا گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کے والد رام پور میں آئے اور محلہ دو محلہ میں سکونت اختیار کی۔ آپ ۱۲۲۲ھ میں اسی محلہ میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی دونوں میں دستگاہ تھی۔ شاعری کا بھی شوق تھا۔ فارسی اردو ہندی تینوں زبانوں میں کبھی کبھی کچھ موزوں کرتے تھے۔ شاہ کمال الدین خاں عرف بھورے میاں سے نقشبندی طریقہ میں خلافت پائی۔ پیر و مرشد کی حیات تک اُن کی خدمت کی انتقال کے بعد گوشہ نشین ہو گئے۔ شب و روز میں دو بار حجرہ کھلتا تھا۔ ملنے والے اور خادم اُسوقت حاضر ہو کر قدمبوس ہوتے تھے۔ شب کو بہت کم سوتے تھے۔ روزانہ صبح کو حضرت حافظ جمال اللہ صاحب کے مزار پر حاضر ہوتے تھے۔ توکل پر گزر تھی کسی سے التجا نہ تھی۔ نہ کسی کی طرف اہل دنیا میں سے رغبت تھی۔ مریدین بہت تھے۔ خلفا میں عبدالحکیم خاں ولد ابراہیم خاں مرحوم شاہ مرزا محمد اسحٰق بیگ مرحوم سید بہادر شاہ مرحوم مدفون موضع ٹانڈہ تحصیل بلاسپور علاقہ ریاست رام پور۔ اور نصرت یار خاں مرحوم بتائے جاتے ہیں۔ اِس سلسلہ میں اب کوئی رام پور میں صاحب ذکر و شغل نہیں معلوم ہوتا۔ شوال کی ستائیسویں تاریخ بارہ سو چھیانوے ہجری (۱۲۹۶ھ) میں لا ولد انتقال فرمایا۔ مزار گنبد دار محلہ دو محلہ میں موجود ہے۔ انتخاب یادگار میں آپ کی

ولادیت محمد علی لکھی ہے وہ غلط ہے۔

مولوی سید ولایت علی

ولد مولوی سید بہادر علی ابن مولوی سید جمال علی حضرت امام موسی رضا رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں رام پور میں پیدا ہوئے۔ فارسی مولوی غیاث الدین سے اور عربی دیگر علمائے شہر سے پڑھی۔ ریاست میں ملازم تھے بارہ سو نوے ہجری (۱۲۹۰ھ) میں بعارضۂ حمی دق وسل چھیالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ میاں ٹاٹا شاہ صاحب کی زیارت میں دفن ہوئے۔

مولانا ولی النبی مجددی

ولد مولوی حبیب النبی بن مولانا ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہم۔ آپ کی ولادت بارہ سو چوالیس (۱۲۴۴ھ) میں رام پور میں ہوئی۔ بعد حفظ قرآن شریف اوائل علوم رام پور میں پڑھے۔ پھر کلکتہ جاکر چند سال وہاں تحصیل علوم کی۔ پھر رام پور آئے۔ تکمیل علم کے بعد طبیعت کسب نسبت مجددیہ کی طرف راغب ہوئے۔ دہلی جاکر حضرت شاہ احمد سعید کے دست مبارک پر بیعت کی۔ شاہ صاحب گو خود بھی مجددی تھے مگر اولاد مجدد صاحب کی بہت تعظیم وتکریم فرماتے تھے۔ شاہ صاحب کے فرزند اکبر مولانا عبدالرشید کو طلبائے راہ خدا سے عشق تھا۔ آپ نے مولانا سے فرمایا کہ اگر لطف صاحبزادگی اٹھاتا ہے۔ تو خیر ورنہ نسبت حاصل کرنے کی یہ ترکیب ہے کہ جب شاہ صاحب پالکی میں سوار ہوکر تشریف لیجائیں آپ جوتے ہاتھ میں لیکر پالکی کے ساتھ جایا کریں۔ چنانچہ آپ ایسا ہی کرتے تھے۔ مولانا عبدالرشید اپنے والد کے سچے جانشین تھے۔ ان سے مریدین شاہ صاحب کو حصول نسبت باطنی میں بہت مدد ملتی تھی۔ تین سال کے قریب حاضر خدمت رہے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ شاہ احمد سعید صاحب جب غدر میں مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ تو راہ میں سے مولانا ولی النبی اور آپ کی بیوی کو

اور ملازم کو حکم دیا کہ رام پور چلے جاؤ۔ لباس میاں بیوی کے پاس وہی تھا جو جسم پر تھا اور ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ زادِ راہ بھی پاس نہ تھا۔ اس وقت مجھے مقام کا نام یاد نہیں۔ اسکی سرائے میں آپ بیٹھے تھے ایک بہلی والے نے کہا کہ خالی بہلی جاتی ہے۔ اگر چلنے کا قصد ہو تو چلئے مولانا نے فرمایا کرایہ نہیں ہے۔ اُس نے کہا خالی تو جا رہا ہوں بیٹھ جایئے اگر آپ کو میسر ہو جائے۔ دینا ورنہ خیر۔ تینوں آدمی بہلی میں سوار ہو کر چلے منزل کے قریب شہر کے باہر ایک شخص نے کورا کپڑا اور کچھ نقد دیا۔ آپ نے فرمایا آپ کو دھوکا تو نہیں ہوا ہے کسی اور کو آپ دینا چاہتے ہونگے اُن صاحب نے کہا نہیں آپ ہی کو دیتا ہوں۔ چنانچہ اسی طرح منزل بہ منزل رام پور بخیریت آگئے یہاں آکر مشغول ریاضت و مجاہدہ ہوئے۔ چنانچہ برسوں یہی معمول رہا کہ دن کو روزہ رکھتے اور شب کو جو ملجاتا افطار فرماتے اُسوقت ظاہری وجہ معاش کچھ نہ تھی۔ آپ کا خط نسخ بہت پاکیزہ تھا۔ پارہ ہائے قرآن شریف اور دلائل الخیرات لکھتے اور اُن کو ہدیہ کرا کر اُس سے کھاتے پیتے پابند جماعت اسقدر تھے۔ کہ دیکھا گیا ایسا سنا بھی نہیں دن ہوتا یا رات سردی ہوتی یا گرمی کھلا ہوتا یا بارش ہر حال میں اول وقت آپ مسجد میں تشریف لیجاتے اور نمازیوں کے انتظار میں وہاں بیٹھے رہتے۔ جب نمازی جمع ہو جاتے تو نماز پڑھا کر تشریف لاتے۔ مکان میں ایک مقرر جگہ آپ کا پلنگ رہتا اُسپر بیٹھے یا لیٹے رہتے۔ تسبیح ہر وقت سوائے وقت خواب کے ہاتھ میں رہتی۔ اکثر حالت سکوت میں رہتے تھے۔ کوئی بات کرتا تو مختصر اور مفید جواب دیتے۔

نواب خلد آشیاں نے اپنے ولیعہدی کے زمانہ میں مولانا عبدالرشید صاحب کو بلایا۔ اور بیعت ہوئے۔ اُسوقت اور بھی لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ مولانا عبدالرشید نے نواب خلد آشیاں سے کہا تھا۔ کہ اگر آپ کو شوق ہو تو آئندہ مولانا ولی النبی سے استفادہ کیا کیجیے۔ نواب خلد آشیاں نے حاکم مرافعہ کرنا چاہا مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔

پھر فرمایا ماہانہ مصارف کیا ہے آپ نے پچیس روپے ماہانہ بتائے یہی تنخواہ مقرر ہوگئی
امام الدین خاں آپ کے ایک مخلص دوست تھے۔ آپ کے مکانوں میں رہتے تھے۔
اِس تنخواہ میں سے اُن کو بھی دیا کرتے تھے۔ سید یوسف علی خدمت میں رہتے تھے۔
اُنھوں نے بہت سے مکانات کا جو آپ کی ملکیت سے تھے اکثا ملہ وغیرہ بیچ لیا۔
مگر مولانا نے کچھ نہیں فرمایا۔ وہی مصارف اُٹھاتے تھے۔ جب دہلی چلے گئے تو
امام الدین خاں کے بیٹے کارپرداز ہوے۔ مولوی رحیم بخش صاحب شاہ غلام علی
صاحب دہلوی کی خانقاہ کے متولی تھے۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو آپ کے
پیرزادوں نے آپ کو متولی قرار دیا۔ نواب خلد آشیاں نے پچاس روپے ماہانہ
خانقاہ کے نام سے مقرر کر دیا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ خواہ خود صرف میں لائیں یا درویشوں
کو کھلائیں۔ سال کا زیادہ حصہ آپ دہلی میں صرف فرماتے تھے۔ پچاس ساٹھ
درویشوں کو خانقاہ میں کھانا ملتا تھا۔ صادر وارد بھی آتے تھے۔ اور خانقاہ میں
کھانا کھاتے تھے یہ فقیر بھی ایک بار مع اہل وعیال کے اندور کو جاتے ہوے خانقاہ
میں ایک شب و روز مقیم رہا۔ مولانا نے بندہ نوازی فرماکر اپنے زنانہ میں میرے
متعلقین کو رکھا۔ اُسوقت کا خانقاہ کا نقشہ میری آنکھوں میں ہے نماز تہجد کے وقت
سے مسجد میں اہتمام ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا گو یا دن ہے۔ بعد نماز ختم خوانی ہوتی پھر مراقبہ کا
حلقہ ہوتا تھا سب پھر کو سب درویش مل کر کنویں سے حوض میں پانی بھرا کرتے تھے مولانا خود بھی
کبھی کبھی چرسے کو ہاتھ لگاتے تھے۔ حاجتمندوں کا ایک ہجوم رہتا تھا یہ حالات
میں نے ۱۸۶۰ء میں دیکھے تھے۔ خانقاہ میں عمارت بہت بنی ہوئی تھی اُسکی مرمت
کے لئے اسوقت ہزاروں کی ضرورت تھی۔ لیکن مولانا کو دنیا اور اہل دنیا سے غرض
نہ تھی۔ روپیہ کہاں سے آتا۔ درگا داس نامی ایک بنیا تھا تنخواہ وصول کرنے کی
مہر اُس کے پاس رہتی تھی۔ اور اِس صلہ میں وہ دو روپے مہینا پاتا تھا۔ چند بار

میں نے خود حساب دیکھا مگر نہ کوئی رقم ہوتا تھا نہ پرچہ ہمیشہ ہزار آٹھ سو روپے اُسکے
قرض رہتے تھے۔ مولانا سے عرض کیا جاتا حضرت اُسکا کوئی حساب ٹھیک نہیں ہے۔
فرماتے کیا وہ جھوٹ بولیگا۔ میں نے دیکھا دہلی سے تشریف لائے ہیں پیدل مرادآباد
تک تھی لوگ استقبال کے لئے دریاے کوسی پر جاتے تھے۔ آپ لوگوں کو دیکھکر بہلی سے اُتر
پڑتے تھے۔ اور شہر تک سب کے ساتھ پیدل آتے تھے۔ مکان پر پہونچنے کا وقت
اکثر قریب مغرب کا ہوتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ بہلی سے اسباب اُتار کر کوئی لحاف لے گیا۔
کوئی فرد لے گیا۔ کوئی توشک لے گیا۔ اکثر گھر میں اُسی لباس سے پہونچتے تھے۔ چوبدن پر
ہوتا تھا۔ روزانہ شب کو ایک بجے اُٹھ بیٹھتے تھے۔ مگر اپنی مزدورتوں کے واسطے کبھی
کسی کو نہیں جگاتے تھے۔ ایک چھوٹی ڈوچی بنوائی تھی۔ گھر میں کوئیاں تھی۔ سردی ہو
یا گرمی۔ خود اُٹھکر پانی بھرتے اور وضو کرتے۔ اخیر عمر میں شب کو ضعف بصر کی
وجہ سے پلنگوں کی ٹھوکریں کھاتے میں نے دیکھا تھا۔ گھٹنے سے نیچے سب پنڈلی پر
زخموں کے نشان تھے۔ پہلی بیوی سے تین لڑکیاں ہوئی تھیں جو خردسال انتقال
کر گئیں۔ بھتیجیاں کئی تھیں اُن کو پرورش کیا اور پالا شادیاں کیں اور وہ سامنے ہی
مر بھی گئیں۔ گھر میں یا باہر کبھی کسی شخص سے کسی کام کا سوال نہیں کیا۔ گھر میں کھانے
کے وقت اُس جگہ بیٹھ جاتے جہاں کھانے کا معمول تھا۔ اگر کھانا آگیا تو کھالیا ورنہ
خاموش اُٹھکر چلے آئے۔ ایک بار بڑی بیوی صاحبہ نے تین وقت کھانا نہیں دیا۔
مگر آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔

ابتدا میں کھانے کا یہ معمول تھا کہ صبح کو ایک چھٹانک مونگ کی کھچڑی اور شب کو
آٹے کا نصف پراٹھا غالبًا وہ بھی چھٹانک سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔
باہر مسجد میں یا خانقاہ میں گرمیوں کے دنوں میں ایک مٹی کی بدھنی میں پانی بھرکر
اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ جب شدت کی پیاس ہوئی ایک گھونٹ پی لیا۔

ترک لذات کی یہ کیفیت تھی کہ ایک بار میرے پیرو مرشد اور مولانا کے خلیفہ لکھنؤ سے خربوزہ لائے اور عرض کیا آپ اس میں سے ضرور نوش فرمائیں۔ فرمایا بہت اچھا چکھ لونگا۔ مجھے اسکا مزہ بھی یاد نہیں رہا۔ یہی حال آم کا تھا۔

میرے پیرو مرشد فصلی میوہ باصرار کھلایا کرتے تھے۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد زندہ نہ تھی۔ آپ کے ایک پیر بھائی نے کہا کہ شاہ غلام علی صاحب نے خواب میں فرمایا ہے کہ مولانا کو اور عقد کرنا چاہیے۔ چنانچہ دہلی میں دوسرا عقد کیا۔ دو صاحبزادے ماشاءاللہ اور ایک صاحبزادی موجود ہیں۔ ۱۸۵۸ء میں آپ دہلی سے رام پور حسب عادت تشریف لائے۔ خانقاہ دہلی میں مولانا محمد عمر صاحب کے صاحبزادے مولانا ابو الخیر چلے آئے۔ مولانا پھر دہلی کو نہیں گئے۔ پچاس روپے ماہانہ خانقاہ کے نام سے جو ملتے تھے وہ بند ہو گئے۔ اہلِ دہلی جو مولانا ولی النبی صاحب کے معتقد تھے۔ آمادہ انتظام ہوے۔ مگر مولانا نے سخت تاکید کی کہ ہرگز کوئی امر خلاف نہونے پائے وہ مالک ہیں میں خادم ہوں۔ جب مالک خود آگئے تو میری کیا حاجت ہے۔ اب یہاں وہ پچیس روپے ماہانہ کی آمدنی تھی بچے بھی ہو گئے مصارف بھی بڑھ گئے مگر کبھی کسی نے متردد نہیں دیکھا۔ نواب خلد آشیاں اسقدر عظمت کرتے تھے کہ جس کسی کی آپ سفارش فرماتے فوراً قبول کرتے۔ اب کونسل کا دور دورہ ہوا۔ نواب اسحٰق خاں صاحب خلف نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ مدار المہام ہو کر یہاں آئے۔ وہ بھی عقیدتمندوں میں سے تھے کبھی کبھی آیا کرتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کے آنے سے لوگ سفارشوں کے لئے مجھے تنگ کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے بلا لیا کیجیے خود نہ آئیے۔ اُن کی بیوی بھی زنانہ میں آیا کرتی تھیں۔ اس زمانہ میں ہز ہائنس جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ کو بھی مولانا سے محبت ہوئی۔ اور علاوہ اس پچیس روپے قدیمی تنخواہ کے سو روپے مہینا مقرر ہوا۔ مگر مولانا کی وہی حالت رہی۔ جناب نواب صاحب بہادر بالقابہ

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک تعویذ مانگا۔ تعویذ دیتے وقت فرمایا کہ کام ہو جانے کے بعد واپس کر دینا۔ کام ہو گیا اور تعویذ کو احتیاط سے قفلوں میں مقفل کر کے میں نے رکھ دیا۔ کامیابی کے بعد ملاقات ہوئی تو مولانا نے تعویذ کی واپسی کی نسبت کہا۔ میں نے انکار کر دیا۔ مولانا مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ ہفتہ عشرہ میں جب صندوقچہ کھول کر دیکھا تو تعویذ غائب تھا۔ اِس واقعہ کو حضور پرنور نے جلسۂ عام میں چند بار بیان فرمایا ہے۔ اخلاق کی یہ حالت تھی کہ کبھی کسی سے غصہ سے بات نہیں کی۔ آپ کی عادت تھی کہ نمازیں مسنونہ طریق پر اول وقت میں ادا فرماتے تھے۔ گرمیوں میں ایک بجے دن کے مسجد میں آ جاتے تھے۔ محلہ میں مولوی شفاعت خاں نامی ایک صاحب رہتے تھے وہ نماز میں دیر کو آتے تھے چند بار اسقدر الفاظ رکیک استعمال کئے کہ دوسروں کو غصہ آیا۔ مگر آپ نے غصہ نہیں فرمایا۔ ایک صاحب سرزنش کو اُٹھے تو آپ نے فرمایا یہ میرے محلہ دار ہیں تم نہ بولو۔ میں اُسوقت خود بھی حاضر تھا۔ اپنے پیران عظام کا سالانہ عرس کرتے تھے۔ صبح کو اپنے خدام سے فرمایا آج فلاں صاحب کے فاتحہ کا دن ہے۔ مخصوص آدمی دس بیس آ گئے۔ دس بارہ پارہ خود پڑھ لیتے تھے۔ دو تین قرآن شریف حاضرین نے پڑھ لئے۔ وقت پر جو ممکن ہوا بازار سے منگا کر تقسیم کرا دیا۔ رمضان میں خود بھی دو دو چار چار پارہ تراویح میں پڑھا کرتے تھے۔ دو ڈھائی گھنٹہ میں تراویح پوری ہوتی تھیں۔ سوائے مخصوص خدام کے اور لوگ طول نماز سے کسلمندی کا اظہار کرتے تھے۔ جب ضعف ہو گیا تو تراویح میں قرآن پڑھنا ترک کر دیا۔ حافظ فدا احمد مجددی سے پڑھوایا کرتے تھے۔ اخیر میں تو نماز بھی حافظ صاحب کے پیچھے ادا فرماتے تھے۔ میاں ضیاء النبی صاحب والی مسجد یہی اُن کی مسجد تھی۔ انتقال سے قبل متوسلین سے اپنے دفن کے لئے مسجد کے سامنے افتادہ آراضی میں جو مولانا کی اپنی ملکیت تھی اجازت لیلی تھی۔ انتقال سے چند مہینے پہلے حواس وقوائے ظاہری میں بہت فرق آ گیا۔ مگر شب و روز نماز کا خیال تھا۔ ابھی مسجد سے نماز صبح ادا کر کے

آئے ہیں چاشت کا وقت بھی نہیں ہوا کہ کھڑے ہوگئے۔ اور عصا ہاتھ میں اٹھایا کہ باہر تشریف لیجائیں۔ گھر والوں نے دریافت کیا کہاں جاتے ہو تو جواب دیتے کہ نماز کو۔ وہ کہتے کہ جناب نماز کا وقت ابھی نہیں ہوا ہے۔ فرماتے تھے ہوگیا۔ اور باہر جانے کا قصد کرتے بڑی مشکل سے روکتے رات کو بھی تقریباً گھنٹہ بھر کے بعد یہی کیفیت ہوتی۔ بارہ بجے رات کے گھر سے نکل جاتے۔ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں میں زخم لگ جاتے۔ پھر شب کو دروازہ میں قفل لگایا جاتا تھا۔ اکثر رات کو کواڑوں پر کھڑے ہوتے اور کھولنے کی کوشش کرتے۔ کسی کی آنکھ کھلتی تو جاکر بڑی دقت سے واپس لاتا۔ غرض کہ ہر لمحہ نماز کا دھیان تھا اور مسجد کا رخ تھا۔

ربیع الثانی کی بارھویں تاریخ بیرہ سو اکیس (۱۳۲۱ھ) میں انتقال فرمایا۔ اعلیٰ حضرت بندگان حضور پرنور دام ملکہم کو جب انتقال کی خبر ہوئی اپنے چیف سکرٹری اور دیگر اہلکاران کو شرکت جنازہ کا حکم دیا۔

جنازہ پر ایک ہجوم تھا۔ کثرت سے لوگ نماز میں شریک تھے مسجد کے سامنے اپنی ملکیت زمین میں دفن ہوئے۔

حضرت کے پیر و مرشد شاہ احمد سعید صاحب نے جو خطوط آپ کو لکھے انہیں سے ایک خط آپ کے خلیفہ جناب منشی رشد علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی اولاد کے پاس موجود ہے جس کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

برادر عزیز از جاں ولی النبی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ از فقیر احمد سعید بعد از سلام مسنون اشتیاق مشحون مطالعہ فرمایند۔ بعد مدت کہ چشم نگراں بود ورود مکتوب مرغوب مسرتہا گردید۔ و احوال مندرجش بوضوح انجامید استیلائے رابطہ از اجل نعم الٰہی سبحانہ است از ہزاراں یکے را بایں نعمت سرفراز فرمایند۔ چنانچہ حضرت امام ربانی

در جلد ثانی بخواجہ محمد اشرف ارقام فرمودہ اند۔ جست قال خواجہ
محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ نوشتہ بودند کہ بحدے استیلا یافتہ است۔
کہ در صلوٰۃ آں را مسجود خود میداند و مے بیند۔ واگر فرضا ایں دولت
متمنائے طالبان از ہزاراں یکے را مگر بدہند صاحب آں معاملہ
مستعد تمام ایں مقام است محتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتدا جمیع کمالات
اورا جذب نماید۔ رابطہ را چرا نفی کنند کہ او را مسجود الیہ است نہ مسجود لہ۔
چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند ظہور ایں دولت سعادت منداں را
میسر است انتہی قدر الحاجۃ والسلام دیگر آنچہ در باب سستی حرکت ذکر
نوشتہ بودند مضائقہ نیست زیرا کہ مقصود از ذکر فنائی المذکور است
کہ عبارت از نسیان ماسوا است و دوام حضور کہ دل را نگرانی بطرف حق جل علا
ہمیشہ باشد حرکت قلب خواہ سریع باشد۔ یا بطی۔ وتہلیل لسانی پنج ہزار بار
کردہ باشند و مراقبہ معیت مفہوم آیۂ شریف وھو معکم اینما کنتم۔
یعنی فیض مے آید از ذاتیکہ با ما است بر لطیفہ قلب نیز نمودہ باشند
وتعویذ مطلوب ملفوف میرسد۔ زیر ناف لبستہ بکنانند۔

نواب محمد اسحٰق خاں صاحب بہادر نے ۲۵۔ مارچ ۱۹۱۵ء کو خاص باغ میں مجھسے فرمایا
مولانا نے خود مجھسے بیان کیا کہ میں نے بحالت قیام کلکتہ وکالت کا امتحان دیا اور سند
حاصل کرلی۔ ایک صاحب نے مجھسے کہا کہ وکالت کی آمدنی توکل کے خلاف ہے۔
میں نے اس سند کو پھاڑ ڈالا۔ دوسرے دن ایک ناآشنا سا شخص میرے پاس آیا۔
اور کہا تمھیں ایک روپیہ یومیہ سے کم کبھی نہیں ملیگا۔ فرماتے تھے اسی روز سے یہ حالت ہے
کہ اس سے زیادہ تو ملتا ہے۔ مگر کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ایک روپیہ روز سے کم ملا ہو
مولانا ولی النبی صاحب جب کلکتہ میں اپنے والد کے ہمراہ تھے اور مدرسۂ عالیہ کلکتہ

پڑھتے تھے۔ تو آپ کو فن طب کے حاصل کرنے کا بھی شوق ہوا۔ آپ کے والد کی
تاکید تھی کہ سوائے علوم دین کے کوئی چیز نہ پڑھیں۔ مگر آپ نے پوشیدہ طور پر
ایک شیعہ مذہب کے طبیب سے کلکتہ میں طب تمام وکمال پڑھی۔ اپنے استاد کی نسبت
فرماتے تھے کہ وہ اپنے فن میں بےمثل تھے۔ اور شہر میں کسی سے علاج کی فیس نہیں
لیتے تھے۔ اور انھیں مسمیریزم بھی آتا تھا اور اُسکے ذریعہ سے اکثر لوگوں کو بیہوش کرکے
جراحی کا عمل کرتے تھے فرماتے تھے میری نسبت استاد نے یہ کہا تھا کہ تم سے مطب
کبھی نہیں ہوگا چنانچہ یہی ہوا جس وقت چار برس اور چار مہینے کے ہوے تو بسم اللہ
کے وقت ساڑھے تین پارے حفظ پڑھ دیے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی
فرمایا بچے قرآن شریف پڑھتے تھے جسقدر سنتا تھا یاد ہوجاتا تھا۔

مولوی ولی محمد خاں بسمل

ولد جان محمد خاں قوم پٹھان۔ رام پور میں پیدا ہوے۔ یہیں علماے شہر سے فارسی وعربی
علوم حاصل کئے۔ بحث مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ اور تقریر طویل کرتے تھے۔ ابتدا میں
معلمی سے گزر تھی۔ راقم کے برادر اکبر محمد حشمت علی خاں صاحب نے بھی اُنسے پڑھا ہے۔
اخیر میں مدرسۂ عالیہ میں نوکر تھے۔
اعلیٰ حضرت جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ کی تعلیم پر بھی
مامور رہے۔ پھر اس خدمت سے علیحدہ ہوگئے۔ وظیفہ سرکاری تا انتقال پاتے رہے۔
نظم ونثر کا بھی شوق تھا۔ میر محمد حسین کربلائی متخلص بہ فیض سے اصلاح لیتے تھے۔
سیکڑوں شاگرد فیضیاب ہوے۔ محلہ فرنگن کی گلی میں مکان تھا۔ عقد نہیں کیا کوئی
مستقل تصنیف نہیں پائی جاتی۔ ان کے انتقال کے بعد اعلیٰ حضرت جناب نواب
سید حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ کے حکم سے صاحبزادہ محمد مصطفیٰ علی خاں
صاحب بہادر سابق ہوم سکریٹری نے کل مسودہ ان کے مکان سے لیکر ادرہ

جو کچھ ان کے پاس تھے۔ وہ سب نظم و نثر کو ایک مجموعہ کی شکل میں جمع کر دیا۔ مجموعہ نظم و نثر مولوی ولی محمد خاں بسمل کے نام سے کتب خانہ میں موجود ہے۔ قصائد۔ غزلیں۔ رباعی۔ فارسی زبان میں ہیں۔ بعض نثریں ناتمام ہیں۔ ستمبر کی چوبیسویں تاریخ سنہ اٹھارہ سو چورانوے (۱۸۹۴ء) میں انتقال ہوا۔ نالہ پار کے قبرستان میں آفریدیوں کے مکانوں کے پاس دفن ہوئے۔

مولوی حکیم خواجہ محمد ہادی رضا خاں تخلص ماہر

ابن مولوی حکیم محمد حسین رضا خاں ابن حکیم حاجی حسن رضا خاں ابن حاجی محمد علی رضا خاں لکھنوی شاگرد حکیم مرزا محمد مرتعش قوم مغل لکھنؤ میں اکتوبر ۱۸۸۵ء مطابق محرم ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں اردو فارسی اور کچھ انگریزی پڑھی۔ پھر مولوی غلام محمد پنجابی سے عربی کی صرف نحو حاصل کی۔ دیگر علوم عربیہ مولانا فضل حق رام پوری اور اور مولوی عبدالغفار خاں رام پوری سے پڑھے طب تمام و کمال اپنے والد سے حاصل کی ۱۹۱۰ء میں آپ کے والد کا رام پور میں انتقال ہو گیا تو سلسلہ میں باقاعدہ شروع کیا۔ اور مطب کو خوب ترقی دی۔ اخلاق نہایت عمدہ جوان صالح ہیں۔ معالجہ میں نہایت توجہ کرتے ہیں۔ ہمدردی بہت ہے۔ مریضوں کے باقاعدہ رجسٹر ہیں اسی طرح شاگردوں کے نام بھی باقاعدہ لکھے جاتے ہیں سند یافتہ شاگردوں کی فہرست وسیع ہے۔ طبی رسائل لاہور میں بھی آپ کے اقوال شائع ہوئے ہیں۔ طاعون کے علاج میں خوب شہرت ہے رام پور چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے۔ جہاں وسیع پیمانہ پر مطب ہے۔ آپ کی تالیفات میں سے القانون فی علاج الطاعون اردو۔ قرابادین رضائی بزبان فارسی اور القول الکامل فی زجر الحق والباطل عربی میں ہے۔

مولوی ہادی رضا خاں

ولد محمد حسن خاں قوم پٹھان کمال زی رزڑ کے محلہ میں رہتے تھے۔ رام پور میں

شستہ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے - عربی کتابیں مولوی گوہر علی - مولوی سلامت اللہ اور مولانا ارشاد حسین سے پڑھیں - فارسی کی درسی کتابیں مولوی حسن شاہ خاں سے پڑھیں - درسیہ کتب عربی و فارسی میں پوری دستگاہ تھی - کتابیں پڑھاتے بھی تھے - ابتدائے عمر سے لہو و لعب کی طرف خیال نہ تھا - خط منشیانہ تھا نفرد بہت صاف تھی - اور تحریر بھی بہت شستہ تھی - راقم کے دوست تھے اٹھائیس سال کی عمر تھی کہ شب کو محلہ میں چور آئے - جاگ ہوگئی - یہ بھی باہر نکلے اور ایک چور کو پکڑ لیا - ایک چور نے تنچہ اور دوسرے نے تلوار ماری - زخم شدید آئے - اُسی دن ۱۳۲۸ھ میں انتقال فرمایا - کچھ اراضی زرعی تھی وہی معاش تھی - ایسے ذہین کم پیدا ہوتے ہیں اگر زندہ رہتے تو ایک بےمثل عالم ہوتے -
شادی نہیں ہوئی تھی -

مولوی ہاشم خاں

ولد[۱] مولوی شرف الدین ولایتی - رام پور میں پیدا ہوئے - فارسی اور عربی یہیں حاصل کی - علم خوب تھا فکر رسا تھی - میاں عظیم اللہ خوشنویس سے خط نسخ سیکھا - نظم و نثر دونوں میں نامور تھے - مولوی غیاث الدین عزت سے شاعری میں مشورہ تھا - ساٹھ برس کی عمر ہوئی نویں محرم کو بارہ سو بہتر ہجری (۱۲۷۲ھ) میں انتقال ہوا -

مولوی ہدایت

قوم[۲] افغان - تحصیل علوم کے بعد کسب ملکات فاضلہ پر متوجہ ہوئے شریعت پر نہایت مستحکم تھے - ۱۲۷۱ھ کے بعد مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے -

مولانا ہدایت اللہ خاں

ولد مولوی رفیع اللہ اخون زادہ ولد مولوی عبداللہ اخون سواتی - رام پور میں

---

[۱] انتخاب یادگار - [۲] ایضاً -

پیدا ہوئے الف خاں کے گھیر میں مکان تھا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ صرف نحو کی تکمیل حافظ غلام نبی صاحب سے کی منطق میں میرزاہد تک مولوی جلال الدین سے کتابیں پڑھیں۔ جب مولانا فضل حق خیرآبادی رام پور تشریف لائے اُن کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ اور جب تک مولانا فضل حق کالے پانی کو گئے یہ ان کے ساتھ برابر رہے۔ مولانا کے چلے جانے کے بعد رام پور آئے اور درس شروع کیا مدرسۂ عالیہ رام پور میں ملازم ہو گئے ۱۸۷۰ء سے جونپور کے مدرسہ حنفیہ کے مہتمم بالاستقلال رہے۔ آپ نے صحاح ستہ مولوی عالم علی محدث مرادآبادی سے پڑھی۔ شاگرد بہت کثرت سے ہوئے۔ مولوی لطف الرحمٰن ملازم مدرسۂ عالیہ کلکتہ۔ مولوی محمد عمر وکیل بنارس۔ حکیم سید علی منصبدار حیدرآباد دکن۔ مولوی شاہ سلیمان اشرف اور مولوی عبدالاول پسر خرد مولوی کرامت علی واعظ جونپوری آپ کے شاگرد ہیں۔ مولوی کرامت علی کا انتقال رنگ پور بنگال میں ۱۲۹۰ھ میں ہوا۔ مولوی[۵] عنایت حسین خاں پسر رعایت حسین خاں لودھی پٹھان ساکن جونپوری بھی آپ کے شاگرد ہیں ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ جون پور میں اُن کے دم سے درس خوب جاری ہے۔ مولوی[۶] محمد اسمٰعیل خاں ولد بدھو خاں افغان یوسف زئی ساکن جونپور محلہ رسول آباد بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ اخلاق بہت وسیع تھے۔ زندگی بہت سادہ طالب علمانہ وضع پر بسر کردی دوست آشنا کا بہت پاس کرتے تھے۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ حافظ غلام نبی صاحب کے چھوٹے بھائی جنکو چھوٹے میاں کہتے تھے۔ ان سے طریقہ قادریہ میں بیعت تھے۔ دوشنبہ کے دن شام کے پانچ بجے رمضان کی پہلی تاریخ ۱۳۲۶ ہجری

---

[۴] حصۂ دوم تجلی نور معروف بہ تذکرہ مشاہیر جون پور مولفہ سید نور الدین زیدی جونپوری مطبوعہ مارچ ۱۹۰۸ء [۵] حصۂ دوم تجلی نور۔ [۶] حصۂ دوم تجلی نور۔

میں جونپور میں انتقال ہوا۔ بمقام رشید آباد صاحب رشید ہے کے خطیرہ میں دفن ہیں۔ اولاد ذکور نہیں رہی۔

قطعۂ تاریخ رحلت از تصنیف جناب سید عبدالحکیم صاحب تخلص حکیم تقوی نظامی گنجوی

مولوی ہدایت اللہ خاں	صاحب علم و زہد و عقل و شعور
چوں بماہِ صیام رحلت کرد	از جہاں سوئے خلد و حور و قصور
بر دلِ دوستان و شاگرداں	رنجش و کرب و غم نمود ظہور
داشت در جملۂ علوم و کمال	بود معقول او مگر مشہور
فکر تاریخ چوں نمود حکیم	گفت ہاتف کہ ہاں بگو مغفور

مولوی ہزار میر خاں اخون زادہ

ولد عبدالحمید خاں۔ نواب سید احمد علی خاں صاحب بہادر کے عہد میں کابل سے ساٹھ ستر ہمراہیوں کے ساتھ آئے۔ عربی فقہ وغیرہ علوم کابل میں ختم کر چکے تھے یہاں نواب صاحب نے آپ کی تنخواہ مقرر کر دی اور کل ہمراہیوں کو بھی فوج میں جگہ دیدی۔ رام پور میں مفتی شرف الدین اور دیگر علما سے بھی استفادہ کیا۔ اور ہمیشہ علمی مشاغل میں زندگی بسر کی میاں فقیر محمد خاں جمعدار کے ہاں شادی ہوئی بڑی عزت اور دولت کے ساتھ زندہ رہے۔ تمام شہر میں لوگ عزت کرتے تھے شجاع بے مثل تھے۔ غریبوں کی امداد خمیر طبیعت تھی۔ آپ کی قبر اخون خیلون کے محلہ میں ہے۔

اخوند یار محمد خاں

حضرت[1] عباس ابن علی کرم اللہ وجہ کی اولاد سے تھے۔ شاہ درگاہی کے مرید تھے۔ سماع میں شریک ہوتے تھے معترض کو جواب دیتے تھے کہ سماع کی اجازت میرے پیر نے عطا کی ہے۔ پنجاب کے رہنے والے تھے رمضان کی تیسری تاریخ بارہ سو ساٹھ (سنہ ۱۲۶۰ھ) میں انتقال کیا اور اپنے پیر کے مزار کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

---

[1] انوار العارفین۔

حکیم یعقوب خاں

باپ کا نام یوسف خاں۔ علوم درسیہ عربی پر عبور تھا۔ فن طب میں خوب ماہر تھے۔ ریاست میں تعلق تھا۔ مکان پر مطب بھی کرتے تھے۔ اور پڑھاتے بھی تھے۔ سنہ ۱۳۰۱ھ کے قریب انتقال ہوا۔ ایک فرزند حکیم دولھا خاں یادگار ہیں۔ اور اپنے والد کی جگہ مطب کرتے ہیں۔

حاجی حکیم مولوی محمد یعقوب خاں

ولد حکیم مولوی محمد فیاض خاں ولد مولوی عبداللہ اخوند۔ ساکن قصبۂ بلاسپور تحصیل ریاست رام پور۔ مطب جاری ہے۔ کشتہ سازی کا شوق ہے وعظ بھی فرماتے ہیں۔ ایک مدت تک حیدر آباد دکن میں صاحب منصب رہے۔ حاسدوں نے وہاں چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ حیدر آباد سے ترک تعلق کر کے چلے آئے۔ خانہ نشین ہیں اور مطب کرتے ہیں۔ عثمان خاں عبدالجبار خاں اور عبدالحی خاں تین لڑکے حصول علم میں کوشاں ہیں۔ عبدالغفار خاں ابھی خرد سال ہے۔ آپ کی تصنیف سے ایک رسالہ نظم العقائد طبع ہو چکا ہے۔

مولوی یعقوب علی خاں

ابن مولوی عبدالعلی خاں تیراہی رام پور میں محلہ ٹھوٹر میں پیدا ہوئے علوم متداولہ یہیں حاصل کئے۔ عدالتہائے ریاست میں وکالت کرتے تھے۔ اور ریاست کے بھی وکیل تھے۔ بیس روپے تنخواہ ملتی تھی۔ نہایت منکسر المزاج اور انتظام خانہ داری میں بہت ذی ہوش۔ اپنے چال چلن کی خوبی سے جائداد تقریباً تین سو روپے ماہانہ کی انگریزی میں پیدا کی۔ تیرہ سو بیس ہجری (سنہ ۱۳۲۰ھ) میں رام پور میں انتقال کیا۔ فرزند اکبر مولوی یوسف علی خاں علوم عربیہ کے ماہر اپنی جائداد کے انتظام میں مصروف ہیں۔

یمین الدین احمد تخلص احمد

ابن[1] معین الدین احمد سلسلہ ان کے نسب کا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ تک پہونچتا ہے بارہ سو پینتالیس ہجری میں رام پور میں پیدا ہوے بزمانۂ ولیعہدی نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال ڈیوڑھی خاص کے کامدار تھے ملازمان درجۂ اعلیٰ میں شمار تھا۔ علوم متداولہ فارسی و عربی میں صاحب دستگاہ تھے۔
نظم[2] اردو کا بھی شوق تھا۔ میاں احمد حسین راحت سے تلمذ تھا۔ اردو نظم میں سکندر نامہ نظم کیا تھا۔ تذکرہ آثار الشعرا میں نظم فارسی کا نمونہ موجود ہے۔ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ بارہ سو بیاسی ہجری (۱۲۸۲ھ) میں رام پور میں انتقال ہوا۔

مولانا محمد یوسف

ولد غلام مجدد۔ فاروقی مجددی۔ غدر میں مولانا کی عمر آٹھ دس سال کی تھی دہلی میں پیدا ہوے وہیں تحصیل علم شروع کی۔ ہنگامۂ غدر میں ان کے والد گولی سے شہید ہوے شاہ احمد سعید صاحب سجادہ نشین مزار مرزا مظہر جان جاناں کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مین انگریزوں کے تسلط کے وقت شاہ صاحب نے ہجرت کی ان کے ساتھ مولانا اور مولانا کی ماں بھی ہجرت کر گئیں۔ مولانا کی ماں خاندان شاہ عبد العزیز صاحب سے تھیں۔ تکمیل علوم مدینۂ منورہ اور مکۂ معظمہ میں کی۔ مدینۂ منورہ میں مولانا عبد الرشید صاحب مجددی کی دختر سے شادی ہوئی۔ اور ایک لڑکی پیدا ہوئی جو ابتک زندہ اور صاحب اولاد ہے۔ مولانا محمد عمر صاحب کے ہمراہ رام پور آئے۔ بیوی کا انتقال ہو گیا تھا صاحبزادہ میاں جاں خاں صاحب نے بعد انتقال نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب دس روپے سرکار سے مقرر کرا دئے تھے۔ آزاد اور سخت پابند سنت نبوی تھے امرا سے کبھی نہیں ملتے تھے۔ اور اکثر وقت

---

[1] انتخاب یادگار۔ [2] تذکرہ آثار الشعرا اردو۔

مسجد اور مطالعہ کتب میں صرف کرتے تھے۔ راقم کے حال پر بہت کرم فرماتے تھے
اسماء الرجال میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ سنا ہے کہ ایک کتاب بھی رجال میں
لکھی ہے مگر مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔ کثرت مجاہدہ اور وظائف و اہتمام تہجد سے
بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ مرحوم کی لڑکی مدینہ منورہ میں آج کل ۵۔ دسمبر (۱۹۱۱ء)
میں زندہ ہے۔ مرحوم کی لڑکی پانچ روپے ماہانہ ریاست سے ملتا ہے۔ مرحوم حافظ
محمد فیاض صاحب امام موتی مسجد سے بیعت تھے سنہ ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ اور پیر بزرگوار
صاحب کے مزار میں اپنے مرشد کے متصل دفن ہوئے۔

حکیم مولوی محمد یوسف خاں تخلص یوسف

ولد حکیم مولوی محمد فیاض خاں ولد مولوی عبد اللہ اخوند۔ ساکن قصبہ بلاسپور تحصیل
رام پور۔ بارہ سو اٹھ سٹھ ہجری میں تقریباً ولادت ہے۔ ابتدا میں صرف و نحو اور طب
اپنے بھائیوں سے پڑھی۔ خصوصاً حکیم محمد عبد الرزاق خاں مرحوم سے زیادہ فیض پایا۔
شیخ احمد علی رام پوری سے کتب درسیہ فارسی پڑھیں۔ اور نظم شعر میں بھی اُن سے
تلمذ ہے۔ جب تک ریاست رام پور میں یونانی شفاخانہ قائم تھا۔ آپ بھی ملازم تھے۔
ابتدائے عمر سے متقی اور پرہیزگار اور علوم عربیہ کے خوب ماہر ہیں۔ تقریر دلکش اور تحریر
دلچسپ ہے۔ عزیزوں سے محبت اور دوستوں سے بیحد مودت کرتے ہیں۔ اب عرصہ دراز
سے بلاسپور میں خانہ نشین ہیں۔ اور وطن کے علاوہ دور و نزدیک کے مریضوں کے
علاج کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور مولانا فضل الرحمن
گنج مراد آبادی سے نقشبندی طریقہ میں صاحب اجازت ہیں۔ سیکڑوں شاگرد اور
مرید ہیں۔ نظم فارسی اور اُردو کا بھی شوق ہے۔ نمونہ کلام [illegible] یادگار میں
ملاحظہ ہو آپ کی ذات سے بلاسپور کو شرف حاصل ہے۔ اور ظاہری و باطنی فیضان
جاری ہے۔ آپ کی تصانیف میں کتب ذیل قلمی ہیں۔

معیار المعانی۔ شرح کریما نثر فارسی۔ قانون علاج منظوم اردو تصفیۃ العرفان منظوم اردو۔ تکملہ منظوم۔ منتخب منظوم فارسی۔ فاتحۃ الصرف اردو۔ رسالہ نحو منظوم فارسی۔ تفسیر مقطعات قرآنیہ منظوم فارسی معروف باسم تاریخی تفسیر بے مثل (۱۳۳۳ھ) رسالہ جراحت۔ رسالہ علاج اطفال۔ طب یوسفی فارسی۔ دیوان یوسف اردو۔ معروف بہ دیوان امیر المشاعرہ بلاسپوری۔

مولوی سید محمد یوسف

ولد سید محی الدین۔ قصبہ کاربکل ضلع جنوبی کنڑا علاقہ مدراس میں سنہ تیرہ سو ہجری (۱۳۰۰ھ) میں آپ پیدا ہوئے۔ بمبئی میں کچھ کتابیں مولوی محمد موسیٰ سے اور گلستاں بوستاں زلیخا وغیرہ حافظ یسین خاں ضمیر میرٹھی سے پڑھیں۔ کچھ کتابیں مولوی عبد الغفور پیلی بھیتی سے بھی مدرسہ ہاشمیہ بمبئی میں پڑھیں۔ رام پور آکر مدرسہ عالیہ میں مولوی فضل حق پرنسپل سے استفادہ کیا۔ ادب۔ عروض۔ اور فرائض کی کتابیں مولوی محمد وزیر رام پوری سے حاصل کیں۔ دورہ حدیث میں مولوی منور علی محدث رام پوری کے درس میں شریک رہے۔ مولوی محمد امین سے بھی رام پور میں فیض پایا مدرسہ عالیہ میں درجہ اول و درجہ حدیث میں نمبر اول کامیابی پر انعام بھی پایا۔ رام پور سے سند فراغ لیکر مدرسہ مصباح العلوم بریلی میں ملازمت کرلی۔ پھر مدرسہ انوار العلوم رام پور میں مدرس اول و مہتمم ہو گئے مفتی محمد لطف اللہ ولد مولانا مفتی سعد اللہ مرحوم نے اپنی لڑکی سے آپ کا نکاح کردیا۔ اور مثل فرزندوں کے جانتے تھے۔ مفتی صاحب مرحوم کے انتقال کے رام پور سے ترک تعلق کرکے انجمن ہدایت الاسلام دہلی میں مفتی مقرر ہوئے۔ اور مدرسہ نعمانیہ دہلی میں مدرسی بھی کرتے تھے۔ مدرسہ انوار العلوم رام پور میں مدرس اول و مہتمم مدت تک رہے۔ نہایت

توجہ سے طلبا کو پڑھاتے تھے۔ اور محنت کا خوب تحمل تھا۔ بہت خلیق اور متواضع ہیں۔
طلبا کو آپ کی طریقۂ تعلیم سے دلچسپی ہوئی۔ اب گویا رام پور ہی وطن ہو گیا ہے۔
فی الحال مدرسۂ عالیہ ریاست میں ملازم ہیں۔

مولوی یوسف محدث

مولوی محمد عبد القادر خاں اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ہندوستانی علما
میں سے تھے میں نے ان کی زیارت نہیں کی۔ مگر شہرت سنی۔ یہ ابتدائی تیرھویں
صدی ہجری کے علمائے رام پور میں سے ہیں۔

حالات خاندان مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم

محبوب بخش خاں

ولد امان اللہ ولد طفیل محمد۔ ولد فیض محمد۔ ولد مدار بخش۔ ولد محمد اعظم اللہ ولد حیات اللہ
ان کے مورث اعلی پشاور کے اطراف سے اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ پنجاب
کے اکثر حصوں میں بود و باش کرتے ہوئے دہلی۔ اور دہلی سے ضلع مرادآباد کے اغوان پور
موضع میں جو ایک زمانہ میں حاکم نشین مقام تھا آئے۔ قضا و قدر نے وسعت رزق کے
ساتھ اولاد کا سلسلہ بھی وسیع کیا۔ اغوان پور کا اصلی نام مغل پور تھا۔ افغانوں کی آبادی
پر افغان پور اور پھر بگڑ کر اغوان پور ہو گیا۔ اغوان پور سے مرادآباد کے ضلع میں
جا بجا وقتاً فوقتاً آبادی ہوتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ محبوب بخش خان کے اجداد میں
شیخ محمد دایم اس علاقہ کے صوبہ دار تھے۔ ان کے ہاں کاربرداز فتح پور بشنوی کا
ایک بشنوی تھا۔ اُس نے اخیر میں سازش کر کے محمد دایم کے صوبہ داری سے معزول
کرایا اور صوبہ دار خود بن گیا۔ پیر بھرام بھی اسی خاندان کے ایک بزرگ تھے جن کا
پختہ مزار اور احاطہ درگاہ ابھی اغوان پور میں موجود ہے۔ پہلے مقابر پر سنگین کتبے
بھی تھے۔ لوگ پتھر نکال کر لے گئے۔ ایک زمانہ تک حکومت قضا یہاں کی سادات
میں اور حکومت مال اس خاندان میں رہی۔

محبوب بخش خاں کے والد شیخ امان اللہ اور اُن کے نانا دونوں نواب نجیب الدولہ
بہادر کے دربار میں معتمد ملازموں میں تھے۔ اس وقت کے تاریخی کارنامے پیش نظر
نہیں اس لئے تفصیلی حالات کیونکر لکھے جائیں۔

محبوب بخش خاں کی ولادت اغوان پور ۱۱۸۴ھ میں ہوئی۔ اسی سال میں نواب
نجیب الدولہ کا انتقال ہوا۔ یہ بھی ہوشیار ہو کر اپنے باپ اور نانا کے ساتھ
خدمت کرنے لگے۔

نواب نجیب الدولہ بہادر کو عروج کے وقت سے لیکر انتقال تک نہایت سخت
انقلابوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نواب سید علی محمد خاں صاحب بہادر کی زندگی تک
کسی کو روہیلکھنڈ پر نظر اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ۱۱۶۱ھ میں نواب صاحب
بہادر نے انتقال فرمایا۔ اسی وقت سے نواب نجیب الدولہ بہادر کے معاملات میں
مشکلیں پڑنا شروع ہوئیں۔ صفدر جنگ افغانوں کا دلی دشمن تھا۔

دہلی کا دربار امرا کے ہاتھ میں ایک کھلونے سے زیادہ نہ تھا۔ بادشاہ عیش پرست
اور کاہل۔ نہ بادشاہ کا اہلکاروں پر اعتبار نہ اہلکاروں کو بادشاہ پر بھروسا۔ رذیل
اور کمینے مصاحبوں میں داخل تھے پاس سوائے نالائقی کی کوئی چیز نہیں۔

سرفروش اہلکاروں کی شکایتیں کر کے اپنا رسوخ دربار میں بڑھاتے تھے
بادشاہ ان یاوہ گویوں کی دراندازیوں پر صبح و شام اہلکاروں کو بدلتے تھے۔
کوئی معیار لیاقت باقی نہ تھا۔

صفدر جنگ نے مراد آباد کا صوبہ دار قطب الدین خاں کو بنایا۔ وہ دھام پور میں
نواب دوندے خاں کے مقابلے میں مارا گیا۔

پھر صفدر جنگ نے ۱۱۶۳ھ میں فرخ آباد والوں کو اُبھار کر بدایوں کے قریب
روہیلیوں سے لڑا دیا۔ فرخ آباد والوں کو شکست ہوئی تو صفدر جنگ نے مرہٹوں کے

دامن میں پناہ لی اور روہیلکھنڈ کو ان سے تباہ کرایا۔
اِس بے اطمینانی میں بھی نجیب الدولہ بہادر نے سہارن پور تک اپنا قبضہ کر لیا۔
سنہ ۱۱۶۹ھ میں نجیب الدولہ کا خطاب دہلی سے ملا۔ تو بجائے جلال آباد نجیب آباد کو اپنا مرکز بنایا۔ پتھر گڑھ کا قلعہ تعمیر کیا۔
سنہ ۱۱۷۱ھ میں ابدالی آیا تو امیر الامرا کا خطاب ملا۔ ابدالی نے دہلی سے پیٹھ پھیری تھی کہ غازی الدین حیدر نے سازش کر کے دہلی سے انھیں علنحدہ کرا دیا۔
وہ سہارنپور چلے آئے۔ پھر بھی وزیر اودھ کو چین نہ آیا اور سیندھیا سے مدد لیکر نواب نجیب الدولہ بہادر کو سکرتال میں محصور کیا۔ ادھر مرہٹوں نے بجنور اور مراد آباد کے ضلعوں کو خوب لوٹا۔ ان واقعات کو دیکھکر اندازہ ہوسکتا ہے کہ نواب نجیب الدولہ بہادر کے ملازموں کو کیا کیا مصیبتیں اُٹھانا پڑی ہونگی۔ وہ وقت تلوار کا تھا۔ قلم کا نہ تھا۔
اب ایک اور سخت امتحان کا وقت آیا جسکی نظیر روہیلکھنڈ کی تاریخ میں کم ملے گی۔ جس وقت نواب ضابطہ خاں بہادر مسند نشیں ہوئے، دہلی میں وزیر اودھ اور مرہٹوں کا تسلط تھا۔ وزیر اودھ نے تو گویا پٹھانوں کی تباہی کا حلف اُٹھا لیا تھا۔ وہ شاہ دہلی کو بدظن کر کے نواب ضابطہ خان بہادر پر چڑھا لایا۔ مرہٹوں کی فوج بھی ساتھ تھی۔ سکرتال پر مقابلہ ہوا۔ بادشاہی گو شطرنج کی بادشاہت سے کچھ زیادہ وقیع نہ تھی۔ تاہم عام مسلمانوں کو ظل اللہ کا پاس و لحاظ تھا۔ اسلیے نواب ضابطہ خاں کو شکست ہوئی۔ مگر نواب صاحب اور اہلکاروں کے اہل و عیال سب شاہی قید میں آگئے۔ اسوقت امان اللہ خاں کے اہل و عیال بھی آقا کی حرم کے ساتھ محبوس ہے۔
یہ واقعات ہیں جنکی بنا پر نواب نجیب الدولہ بہادر کے اخلاف نے اس خاندان کو مثل اپنی اولاد کے پرورش کیا۔ اور کبھی جدا نہیں کیا۔

محبوب بخش خاں کی عمر پندرہ یا سولہ سال کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔
اور اشرف الدولہ امیر الامرا نواب ضابطہ خاں بہادر نے باپ سے زیادہ سرپرستی کی۔
۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ء) میں نواب ضابطہ خاں بہادر کا بھی انتقال ہوگیا۔ تو نواب غلام قادر
خاں اور نواب معین الدین خاں بہادر نے بھی وہی قدیمی عزت قایم رکھی۔
نواب غلام قادر خاں بہادر کے حادثہ کے بعد ریاست نجیب آباد کی بساط بالکل
اُلٹ گئی۔ سہارن پور میں جو سامان تھا وہ سکھوں نے لوٹ لیا۔ سوائے رام پور
کے کل روہیلکھنڈ پر شجاع الدولہ کا قبضہ ہوگیا۔ نواب معین الدین خاں بہادر پنجاب
میں رہے سرداران پنجاب نے قلعہ بھول گا۔ اور دھرم کوٹ وغیرہ کا علاقہ جسکی
آمدنی پچاس ہزار روپے سالانہ تھی نسلاً بعد نسلٍ نواب معین الدین خاں کو دیدیا۔
دولت راو سیندھیا جسونت راو ہلکر اور نواب امیر خاں والیِ ٹونک سے نواب
ضابطہ خاں بہادر ایک معاہدہ کر چکے تھے اسلیے یہ لوگ بھی نواب معین الدین
خاں بہادر کی معاونت پر آمادہ ہوے۔ اُس زمانہ میں روہیلکھنڈ پر سکھوں کی
یورشیں بھی ہوتی تھیں۔ گنگا کو عبور کر کے وہ آتے تھے اور روہیلکھنڈ کو تباہ
کرتے تھے۔ شجاع الدولہ نے گنگا کے کنارے فوج معین کی تاکہ سکھوں کی آمد بند ہو۔
لارڈ لیک کو یہ خیال ہوا کہ نواب معین الدین خاں بہادر کی پنجاب کے والیانِ ملک
نے مدد کی اور مرہٹے اور رئیس ٹونک بھی اِن سے مل گئے تو پھر ملک میں فساد کا اندیشہ ہے
اس لئے لارڈ لیک نے منجانب کمپنی نواب صاحب موصوف سے ایک معاہدہ کیا کہ وہ
کل والیانِ ریاست سے قطع تعلق کرلیں اور پنجاب کی جاگیر بھی چھوڑ دیں تو ہم انھیں
اجازت دیتے ہیں کہ وہ ملک ہریانہ پر اپنا قبضہ کرلیں۔
اُس وقت کوئی خزانہ پاس نہ تھا۔ چاروں طرف طوائف الملوکی تھی۔ فوج کی بھرتی
گو اُس وقت آسان تھی مگر ایسی فوج محض لوٹ کے واسطے بھرتی ہوتی تھی۔

تاہم اپنے بھائی بندوں کے ساتھ تھوڑی فوج نئی بھرتی کی لیکر نواب معین الدین خاں بہادر نے ہریانہ کا رخ کیا۔ محبوب بخش خاں ہمرکاب تھے۔ باقاعدہ رسد کا سامان نہ تھا۔ فوج جہاں جاتی گاؤں کو لوٹ لیتی اور اپنی جیب میں نقد و جنس رکھتی۔
اسی طرح روزانہ علاقہ تباہ ہوتا تھا۔ رعایا گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئی۔ کوئی انتظام نواب صاحب بہادر کے عزیز کرنے نہ دیتے تھے۔ ہر عزیز بجائے خود آپ کو نواب جانتا تھا اس انتظامی معاملہ میں نواب صاحب سے گفتگو ہوئی تو وہ لوگ محبوب بخش خاں کے قتل کے درپے ہو گئے۔ نواب صاحب نے بمشکل ان کی جان بچائی۔ ایک عرصہ تک وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ فی الجملہ انتظام ملک کا بھی ہوا۔ پنجاب میں رعایا کی شورش تھی لارڈ لیک نے ملکی مصلحتوں کے خیال سے نواب صاحب سے ہریانہ کا ملک بھی نکال لیا۔ اور سنہ ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء میں پانچ ہزار کی تنخواہ کر دی۔ یہ بالکل غلط ہو کہ نواب صاحب نے خود تنخواہ کی درخواست کی تھی۔ چنانچہ اسکا ذکر خود نواب صاحب کے دونوں صاحبزادوں کے خریطہ مورخہ ۳۰۔ دسمبر سنہ ۱۸۲۳ء میں موجود ہو۔ اور اسکی نقل آئندہ کے صفحات میں ہو تنخواہ کے تقرر کے ساتھ یہ حکم بھی ہوا کہ نجیب آباد یا ضلع مراد آباد میں نہ رہیں بلکہ بریلی میں قیام کریں۔
تقریباً دس سال تک بریلی میں نواب صاحب کا قیام رہا۔ اتفاق سے مکان میں آگ لگی۔ بہت سا قیمتی سامان اور دفتر جل گیا۔
سنہ ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں نواب صاحب کو نجیب آباد کے رہنے کی اجازت ملی۔ سرکاری محلسرائیوں میں سے محبوب بخش خاں صاحب کو بھی ایک محلسرا مل گئی۔ جس میں سرکاری محلسرائیوں میں آمد و رفت کی راہ تھی۔ عورتیں اور بچے نواب صاحب کے محل میں آتے جاتے تھے۔ بچوں سے پردہ نہ تھا۔ نواب صاحب کے صاحبزادوں کے ساتھ ساتھ ان کے بچے بھی پرورش پاتے رہے۔

افسوس کہ دفتر کے کاغذات قدیم بریلی میں جل گئے۔ ورنہ ان کی خدمات کا پورا پورا
انکشاف ہوتا۔ لیکن اِن واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۱۱۸۴ھ میں نواب
نجیب الدولہ بہادر مرحوم کے انتقال کے بعد ریاست نجیب آباد کو کیا کیا
آفتیں آئیں۔ ۱۱۸۵ھ میں شاہی فوج اور مرہٹوں نے حملہ کیا۔ ۱۱۸۸ھ میں
شجاع الدولہ نے فوج کشی کی۔ حافظ رحمت خاں قتل ہوئے۔ لکھنؤ کی فوجوں نے
تمام روہیلکھنڈ کو برباد کیا۔ ۱۱۹۵ھ میں ابوالقاسم خاں نے شاہی فوج کے
ساتھ ضلع بجنور کو پامال کیا۔ سہارنپور کے اطراف میں سکھوں کی یورشیں۔
غوث گڑھ کا قیامت خیز واقعہ جس کے بدلہ میں سلطنت مغلیہ نے اپنی بادشاہت کھوئی۔
دہلی کے دربار میں وزرا کے روزانہ تغیر، سلطنت کی تلون مزاجی سے ایک اہلکار صبح کو
ہاتھی پر سوار ہوتا ہے تو شام کو گدھے پر۔ ۱۲۰۲ھ میں ریاست نجیب آباد کا خاتمہ ہو گیا۔
اگر اِن اٹھارہ سال کے واقعات لکھے جائیں تو مستقل ایک جلد ہو جائے۔ کوئی
لمحہ نواب ضابطہ خاں بہادر کو آرام نہیں ملا۔ شب و روز جنگ کا سامنا اور حفاظت
خود اختیاری کا سامان مہیا کرنا۔ اِن مصائب کو دیکھکر اندازہ ہر شخص خود کر سکتا ہے
کہ نواب صاحب کے ملازموں پر کیا گزرتی ہوگی۔ رات دن دشمنوں سے مقابلہ۔
آج یہاں ہیں تو کل وہاں۔ اِن رفاقتوں اور جان نثاریوں کی وجہ سے ریاست
نجیب آباد نے اپنے عزیزوں سے بھی زیادہ عزت کی اور کسی حالت میں اُن کو جُدا
نہیں کیا۔ وہ زمانہ آج کا زمانہ نہ تھا۔ وہ وقت شمشیر زنی۔ تدبیر۔ جفاکشی۔ اور محنت
کا تھا۔ آجکل ہر شخص جہاں چاہے روپے اچھالتا ہوا چلا جائے۔ اُس وقت نہ پل
تھے۔ نہ سڑکیں تھیں۔ نہ فوجوں کے لئے ایسی باربرداریاں تھیں۔ پایاب دریا کو
عبور کرنا۔ فوج کے لئے سامان رسد مہیا کرنا۔ شاہی فوجوں و وزیر اودھ کی فوجوں سے
مقابلہ گویا ہر شخص اس وقت سربکف۔ مرنے پر تیار رہتا تھا۔

بہرحال نہایت نیک نامی اور عزت کے ساتھ اپنے آقا کی خدمت گزاری میں ہفتم صفر ۱۲۹۹ھ کو محبوب بخش خاں کا انتقال نجیب آباد میں ہوا۔ نواب نجیب الدولہ بہادر مرحوم کے مقبرہ کے چبوترہ کے نیچے سیڑھیوں سے الٹی طرف آپ کو دفن کیا۔

آپ نے علی بخش خاں۔ حسین بخش خاں۔ کریم بخش خاں۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑیں۔ ان سب کی شادیاں نواب معین الدین خاں بہادر نے کیں۔

علی بخش خاں کا مفصل حال آگے بیان ہوگا۔

حسین بخش خاں ابتداءً انگریزی فوج میں تیرھویں رسالہ میں جمعدار رہے پھر انگریزی میں تھانہ دار ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کے قریب رام پور میں آ گئے۔

ابتداءً حسینی رسالہ میں رسالدار ہوئے۔ ۱۸۵۷ء میں خدمتیں کیں۔ پھر باورچی خانہ انگریزی کے افسر رہے۔ بسم صفر ۱۳۱۲ھ روز چہارشنبہ رام پور میں لاولد انتقال کیا۔ مولانا جمال الدین صاحب قدس سرہ کے احاطہ مزار میں اپنے بڑے بھائی کے متصل دفن ہوئے۔

کریم بخش خاں صاحب کی اولاد مراد آباد میں ہے۔

بیٹی سنبھل ضلع مراد آباد میں بیاہی گئی تھیں۔ ان کی اولاد مراد آباد و سنبھل وغیرہ میں بعزت اور فارغ البال ہے۔

آپ نے اغوان پور میں ایک باغ جس کے اندر بہت وسیع پختہ کنواں ہے۔

اور مراد آباد محلہ کسرول میں ایک عالیشان عمارت موسوم بہ دیوان خانہ اور اس کے ساتھ نہایت وسیع تین محلسرائیں اور کچھ املاک چھوڑیں جن کی آمدنی دو سو روپے ماہانہ کے قریب تھی۔

دیوان خانہ ابھی تک اس خاندان کے قبضہ میں ہے۔ اس مکان میں عالی جناب نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر بھی فروکش ہو چکے ہیں۔ نوبت خانہ۔

جلو خانہ۔ ہاتھی اور گھوڑوں کے تھان بڑا کنواں سب سامان مثل ریاستوں
کی عمارت کے ہے۔

علی بخش خاں

ولد محبوب بخش خاں۔ آپ سنہ ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۴ع میں نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ نواب معین الدین
خاں بہادر مرحوم نے اپنے فرزندوں کی طرح پالا پرورش کیا۔
پندرہ سولہ سال کی عمر میں گو باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا مگر نواب صاحب نے اِس
رنج کو محسوس نہیں ہونے دیا۔ اور انھیں ان کے باپ کی خدمت پر مامور کر دیا۔
اس وقت تک نواب معین الدین خاں بہادر مرحوم کی سرکار میں نوبت موجود تھی۔
مصاحبین۔ حکیم۔ علما۔ اور تھوڑی فوج بھی تھی۔ پچھلا اندوختہ۔ کچھ املاک۔ اور
تنخواہ سے گزر ہوتی تھی۔ اخیر میں اساسہ ریاست کو قائم رکھنے میں کچھ قرض بھی
ہوگیا۔ کارخانہ جات ریاست میں ہر طرح کا تھوڑا تھوڑا اساسہ موجود تھا۔ ان سب
کاموں کا تعلق آپ سے تھا۔ اور نہایت خوبی سے اِس تھوڑی حیثیت کو قائم رکھا۔
نواب صاحب بہادر جو باپ سے زیادہ شفیق تھے اُن کا انتقال سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ع میں ہوا۔
اکیس سال کی عمر۔ باپ پہلے مر چکے۔ نواب صاحب پر پورا بھروسا تھا۔ وہ تمام دکمال
اخراجات کے کفیل تھے۔ یہ وقت بہت سخت تھا اور گویا کہ آفت کا آسمان ٹوٹ پڑا
نواب صاحب کے انتقال کے بعد تنخواہ انگریزوں نے بند کر دی۔ تاہم
مٹکاف صاحب گورنر آگرہ نے ماتم پرسی کا خریطہ مورخہ ۱۴۔ اکتوبر سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ع
بنام نواب امیر الدولہ ضیاء الملک ذوی القدر نواب محمود خاں بہادر مظفر جنگ خلف
اکبر اور رفیع الدولہ حافظ الملک محمد جلال الدین خاں بہادر منصور جنگ خلف اصغر
کے نام بھیجا۔ اس وقت تک عزت اور مرتبہ میں کوئی فرق نہ تھا۔ خط کتابت میں
منجانب انگریزی گورنمنٹ مذکورہ بالا خطاب ناموں کے ساتھ لکھے جاتے تھے

اور القاب یہ تھا:۔ "نواب صاحبان بسیار مہربان استظہار مخلصان سلامت" ریاست کی جانب سے مٹکاف صاحب گورنر آگرہ کو یہ القاب لکھا جاتا تھا:۔
"نواب صاحب مشفق قدردان امیدگاہ نیازمنداں سلامت" مگر خالی القابوں سے کیا کام چل سکتا ہے۔ تنخواہ بند ہوگئی۔ ملازم بدستور موجود۔ اخراجات کی تکلیف ہونے لگی۔ ۳۰۔ دسمبر ۱۸۳۵ء کو دونوں صاحبزادوں نے ذیل کا خریطہ نواب منتظم الدولہ مختار الملک اخلاص یار خاں سر چارلس مٹکاف بہادر صولت جنگ بیرونیٹ گورنر آگرہ کو روانہ کیا:۔
نواب صاحب مشفق قدردان امیدگاہ نیازمنداں سلامت۔ بعد تمنائے استحصال شرف ملازمت کیمیا خاصت کہ خارج از حیطۂ امکان است مبرہن خاطر دریا مقاطر میگرداند قطعہ خریطہ عنایت نامہ۔ استمالت آمود محتوی تاسف خاطر آں قدردان بدریافت واقعۂ ہائلہ اسیرالامرا نجیب الدولہ نواب غلام معین الدین خاں بہادر مرحوم والد ماجد ما نیازکیشاں مرقومہ سی ام ماہ اکتوبر ۱۸۳۵ء لمعہ وصول شفقت شمول آوردہ مبانی نیاز قدیمہ ترقی خواہاں را استحکام تازہ بخشید۔ و باطلاع اعتدال مزاج فیض امتزاج شرف وانشراح بے اندازہ دست داد۔ قدردانا از سابق واسطہ اتحاد نواب ضابطہ خاں بہادر مرحوم جد ما نیازمنداں وگرفتن دامن حیات الد مغفور از عرصۂ سی سال منقوش خاطر فیض مآثر است چگونہ تاسف خاطر گرامی نمیشد و ہر قدر کہ بعلو ہمتی تشفی خاطر ما محروماں غربا بند دیباے بفیض رسانی آں فیض رسان باشد اللہ تعالیٰ آں قدرداں را باین استمالت فرماے تا ابدالدہر روز بہ وارد۔ و سابقا کہ حال قرض بودن مبلغ نوزدہ ہزار روپیہ عہد جناب والد مرحوم و دیگر اخراجات قلمی ساختہ شدہ بود۔ و بسبب بیربادی اخراجات روزمرہ چشم بر شاہراہ میداشتند ہر چند بہ آوازہ قدردانی سرکار جہاں مدار کہ آویزہ گوش رئیسان جلیل القدر است

بہر صورت تقویت و اطمینان خواطر نیاز منداں۔ لیکن از عرصۂ سہ ماہ کہ بسبب امداد نشدن زرِ مشاہرہ از صاحب اجنٹ بہادر ضلع مرادآباد تکلیفات اخراجات میگذرد۔ درحال طلب جناب قبلہ مرحوم کہ از ملک پنجاب طلبیدہ بر ملک ہریانہ قابض فرمودند۔ و گردیدن اختفاع کثیر از ملک ہریانہ بر سرکار جہاں مدار بعد تقرر مشاہرہ جناب مرحوم از دیگرکا غذات وخصوصاً از نقل چٹھی اند السٹین صاحب بہادر بنام اجنٹ مالکم صاحب بہادر محررہ تاریخ چہاردہم ستمبر ۱۸۰۵ء معلوم سرکار جہاں مدار۔ لہذا شرح دیگر ارادت و نیاز خود را بر قدردانی آں قدرداں داشتہ مکرر قطعہ خریطہ نیاز نامۂ معرفت صاحب اجنٹ بہادر ضلع مرادآباد مرسل داشتہ مستدعی فیض رسانی سرکار جہاں مدار اند کہ رفع تردد اخراجات ایتیاں کہ بجز تقرر مشاہرہ متعینہ سرکار جہاں مدار وجہ روز بسر نیست۔ بصاحب اجنٹ بہادر موصوف اجازت شود کہ از تکلیفات اخراجات مقررہ ضروریہ مطمئن بودہ متوقع ترقی حشمت و اقبال سرکار دولتمدار باشد۔

اس خریطہ کے جواب میں مسٹر بولڈرسن ایجنٹ گورنر جنرل آگرہ نے ۱۸۔ فروری ۱۸۳۵ء کو یہ جواب لکھا اور سوار کے ہاتھ بھیجا اور گورنر جنرل کا خریطہ بھی ملفوف کر دیا۔

خط مسٹر بولڈرسن

نواب صاحب مشفق و مہربان مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد شوق ملاقات مسرت آیات کہ مزید ے بر آں متصور نیست مکشوف ضمیر خلت تخمیر باد۔ پیش ازیں خریطہ مرسلہ آں مشفقاں بنام نامی نواب مستطاب معلی القاب نواب گورنر جنرل بہادر کہ باطلاع حال عسرت و تکلیف خود از باعث فقدان ہیچ کدام وجہ کفاف معرفت ایں مخلص فرستادہ شدہ بود بجواب آں امروز خریطہ مرسلہ نواب ممدوح و خط انگریزی بنام مخلص بایں مضمون کہ بلحاظ خلاف ضابطہ و دستور بودن درخواست آں مشفقاں در بارۂ تقرر مشاہرہ

والد مرحوم بنام خود شان منظوری آن صورت نہ بست موصول گردید چنانچہ خریطہ مذکور ملفوف رقیمہ ہذا مرسل است بمطالعۂ آں حال مفصل معلوم خواہد گردید۔ باقی خیریت است۔ ایام جمعیت و شادمانی بکام باد۔

نقل خریطہ مسٹر مٹکاف صاحب گورنر مرقومہ یکم جنوری ۱۸۳۵ء

نواب صاحب بسیار مہربان اظہار مخلصاں سلامت مکاتبہ تودد افزا متضمن وصول رقیمۃ الاخلاص مرقومہ سی ام ماہ اکتوبر ۱۸۳۴ء و استدعاے اجراے مشاہرہ والد ماجد ایشاں با دیگر مدارج محبت و ارادت موصول شدہ مسرور و شادماں ساخت ہماناچوں دوام و بقاے وجہ معینہ سرکار و لستمرار مادام الحیات نواب صاحب مرحوم اعنی والد امجد آں مہرباناں بود دریں صورت کمال حسرت و افسوس بخاطر اخلاص ماثر است کہ اجرای ہیچو مشاہرہ چگونہ میتواند شد۔ اطلاعاً بخامہ یک جہتی نگارود آورد۔ ترصد کہ دوستی دوست را ہموارہ خواہاں مژدۂ خیریت مزاج خود ہا انگاشتہ بارقام آں مسرور و خورسند میداشتہ باشند۔ زیادہ چہ برطراز د۔

سرکار کمپنی نے تنخواہ کے متعلق صاف جواب دیدیا۔ قدیمی ملازم اور کارخانجات بدستور موجود تھے۔ ملازموں کا تنخواہوں کا تقاضا تھا۔ قرض کہاں تک ملے اور اب قرض خواہوں نے بھی تنخواہ کے بند ہو جانے کا یقین کر کے قرض دینے سے ہاتھ روک لیا۔ اب سب بھائی اور بہنوں اور بہنوئیوں میں اساس البیت اور مال و متاع کا نزاع شروع ہوا۔ نواب محمود خان صاحب بہادر خلف اکبر تھے وہ چاہتے تھے کہ اساس البیت فروخت کر کے باپ کی قدیمی شان و شوکت کو قائم رکھیں۔ دوسرے بھائی حصہ بٹانے پر آمادہ تھے۔ بہنوں کو بھی تقسیم میراث کا دعویٰ تھا۔ اسلئے نہایت خطرناک صورت گھر کی ہو گئی۔ تاہم تنخواہ کے بارے میں پھر دونوں صاحبزادوں نے ایک خط ایجنٹ ضلع مراد آباد کو اور دوسرا خریطہ اسکے ساتھ گورنر آگرہ کے نام حسب ذیل روانہ کیا:۔

خط بنام اجنٹ مراد آباد مورخہ پنجم ماہ مارچ ۱۸۳۵ء

نواب صاحب شفیق مہربان کرم فرماے مخلصان زاد اشفاقکم۔ بعد آرزوے استحصال
نعمت مواصلت گرامی کہ بسان اخلاق آں زبدۃ الاشفاق مالایطاق است مشہود
خاطر تلطف ذخایر بیگر داند۔ مفاوضہ سامی مورخہ بست ہم فروری ۱۸۳۵ء با خریطہ
صحیفۃ العنایت نواب معلی القاب گورنر جنرل بہادر درعین انتظار وہجوم افکار رنگ
وصول ریختہ ممنون عنایت گردانید۔ وبر مضامین مندرجۂ آں مشروحاً آگہی بہم رسانید
ہر چند آں شفیق بہ مقتضاے مروت وفتوت جبلی وبلحاظ خلت قدیم وشفقت صمیم عند التحریر
رپورٹ در حسن تقریر وخوبی تمہید دریغ نفرمودہ بودند۔ لیکن از ناسعادت ایام نواب
ممدوح درخواست ما نیاز منداں را خلاف دستور وضابطہ تصور دیدہ زیب رقام فرمودہ ہم
کہ اجراے ہمچو مشاہرہ چگونہ شدن سوائد فقط بدریافت ایں مضمون ابواب تشویش
وتردد برروے امیدواران کشود۔ طلب تقاضاے خواہندگان دماہہ بیشتر از پیشتہ
رو نمود۔ درجواب صحیفہ ممدوحہ مراتب واجب الالتماس موافق ضابطہ ودستور مندرج
ساختہ ابلاغ خدمت سراپا افادت نمودہ مے آید۔ از محبت صمیم وشفقت قدیم امید است
کہ نیاز نامہ اسمی نواب مستطاب را بعد ملاحظہ وترجمہ انگریزی فرمودہ روانہ خدمت
فیض درجت جناب معظم الیہ کردہ شود۔ وبمقتضاے ہمت وفتوت مردانہ در
چٹھی خود دیگر وجوہ موثرہ کہ از تحریر نیاز منداں باقی ماندہ باشد ارقام فرمودہ
ممنون لطف واحسان بیکراں گردانند ما از امداد ذراعانت آں شفیق جواب
باصواب حاصل گردد۔ وایں معنی موجب مزید نیکنامی آں شفیق درچار دانگ
عالم شود۔ وبنابر گزارش دیگر حالات ومکروہات اینجا کہ قابل تحریر نیست سادت
ونجابت مرتبت سید مولوی حکیم منصور علی را روانہ خدمت سامی نمودہ شد۔
دیگر خیریت ست مدام بارقام صحائف مزاج یاد فرمایند۔

خریطہ بنام گورنر آگرہ مورخہ پنجم مارچ ۱۸۳۹ء

ب صاحب مشفق قدردان امیدگاہ نیازمنداں سلامت - بعد تمنائے حصول
رت ملازمت سامی کہ بدل نیازمنزل جاگرفتہ است نہ آں چناں کہ بحیطۂ تسطیر خامہ
وت تحریر درآید مشہود ضمیر عنایت تخمیر میگرداند - خریطۂ صحیفۃ العنایت مورخۂ
ل دیکم ماہ جنوری ۱۸۳۹ء درپاسخ نیازنامہ اخلاص کیشاں معرفت صاحب
بنٹ بہادر بدیں مضمون شرف ورود یافت کہ چوں بدوام وبقائے وجہ جمیعنہ
رکار مادام الحیات نواب صاحب مرحوم بود - دریں صورت حسرت وافسوس بخاطر
لاص مآثر است کہ اجرائے ہیچ مشاہرہ چگونہ میتوانند شد فقط بدریافت این مضمون
رہ رمد رسیدہ وچشم انتظار کشیدہ را سرمۂ ظلمت وتیرگی حاصل گردید ونوبت ہجوم
زاہ داران وقرضخواہان تبضاعف رسید - لاکن چوں خاطر شفقت مظاہر آں
روان مغبر بغبار حسرت وافسوس گشتہ متوجہ ترحم وتسلیہ زدگاں بے یار ویاور
ست لہذا بگذارش ماوجب تصدیعہ افزائے خدمت گراں فیض والا افادت میگردد
ح نظر از ینکہ نواب محمد ضابطہ خاں بہادر جدامجد نیازمنداں باسرکار دولتمدار
سطہ اتحاد داشتند - چوں والد راجد مانقلعہ بھونگاؤ دھرم کوٹ وغیرہ جاگیر ملک
جہ ہائے پنجاب گذاشتہ - وبراحسان وسلوک مہاراجہ دولت راؤ سیندھیہ چشم دوشت
اؤ ہلکر کہ نواب مرحوم را شریک دولت خودمے نمود نظر نہ ساختہ در خیرخواہی سرکار
شیدہ از عہد وپیمان نواب معلی القاب گورنر لارڈ جنرل جرار ڈلیک بہادر بعروۃ الوثقی
سل سرکار دولت مدار کمپنی انگریز بہادر متمسک شدند - بنابرآں استحقاق ما نیازمنداں
ہ سرکار بچند وجوہ متحقق است -

اولا نواب لارڈ جنرل بہادر ممدوح وعدہ احسان وسلوک واعزاز واحترام
روزافزوں تابقائے عمل سرکار کمپنی معزز بہ مہر ودستخط خود نوشتہ دادہ اند -

مطلب و مرادش همین است کہ تا حیات نواب صاحب با وشان و بعد وفات با ولادآں
مرحوم مراسم احسان و سلوک منقطع نخواہد شد۔

ثانیاً عادت مستمرہ اہالی سرکاران سوابق بہ آئین جہانداری با جملہ متوسلان دامن
دولت همین است کہ بعد انتقال ہر یک رئیس وظیفہ مقرری از وابستگانش منقطع
نساختہ اند۔ چنانچہ در سرکار نیز ملک و نقدی مقرر کردہ جنرل جرارڈ لیک بہادر
بہ تعداد لکھوکھا روپیہ بنام بسیارے از روسا بقید حیات بود بعد ارتحال آنان متعلقان
شان با وصف استطاعت و سرمایہ جمعیت محروم ماندہ وظیفہ خوار سرکار اند۔

و حال نواب صاحب مرحوم ایں بود کہ پنج ہزار روپیہ مقررے سرکار بضروریات شان
کفایت نمیکرد و در ہر ماہ یک دو ہزار روپیہ با مقروض میشدند۔ چنانچہ نقد و جنس اندوختہ
زمان پیشیں بالکل صرف نمودہ وام کثیر بر سر یتیماں گزاشتند۔ پس انسداد کفاف ما
اینچنیں بے مایہ گاں صریح موجب ہلاکت است۔

ثالثاً۔ رسم و آئین سلطنت و جہانداری از قدیم است کہ بعد رحلت ہر یک امیر از امرا خسروان
کیفیت و کمیت مصارف پس ماندگاں ملاحظہ فرمودہ حکم بحالی یا کمی بیشی وجہ معیشت
متعلقان امیر مرحوم صادر فرمودہ اند۔ ایں چنیں دستور نبودہ است کہ گاہی مالکان
ملک و سلاطین زماں در رزق بر روے مرزوقے قاطبۃً مسدود کردہ باشند۔

رابعاً در مملکت ہندوستان سرکارہا متعدد بودند اگر احیاناً وظیفہ و روزی کدام امیر
حسب تقدیر از یک سرکار برمیخاست در سرکار دیگر ہماں قدر یا زیادہ ازاں مے یافت۔
اکنوں کہ از عنایت الٰہی حکومت و دولت جملہ والیان ملک در سرکار کمپنی انگریز
یک جا شدہ است۔ محرومان ایں سرکار بہ کدام جا رجوع سازند و کیست کہ اورا
ملجاے و ملاذ خود گردانند۔

خامساً۔ ملوک و سلاطین روے زمین کہ وجوہ معیشت و مدد معاش براے شرفا و نجبا

وامراد روسائے ہر یک قوم مقررے فرمودند بہ سہ جہت بودہ است یکے اینکہ سلطان زماں خلیفۃ اللہ فی الارض مے باشد ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا۔ مقتضائے خلافت الٰہی است کہ بادشاہ کفیل رزق جملہ جانداراں مملکت خود باشد دویم اینکہ وظیفہ خواراں اہل دعا بروز کارزار بکارے آیند۔ وروزی اہل دعا بناخن عزایم عقدہ ہائے مالاینحل مے کشایند۔ سوم اینکہ اگر بندگان خدا بوجے متعلق سرکار والی ملک نباشند وجمیع وجوہ معیشت وگزران آنہا از سرکار مقرر باشد مسدود ومنقطع گردد لامحالہ بربادی مملکت ظہور گیرد۔

ساداتان مانیازمنداں صرف از اہل استحقاق شکم پرورنیستم۔ والد ماجد ما ہمیشہ برائے رفاقت سرکار دولت مدار کمر بستہ مے نشستند۔ وسوار وپیادہ وساز وبراق وسلاح وسامان ضروری مدام آراستہ ومہیا میداشتند۔ وفیلاں وشتراں۔ وخیمہ وخرگاہ ونوبت ونشان وغیرہ لوازمہ سفر وحضر در وقت ہنگامہ برائے ہمراہی صاحبان عالیشان موجودمی ساختند۔ واز ابتدا توسل تا الی الآن امریکہ خلاف مرضی اہالی سرکار باشد بعمل نیاوردند۔ مانیازکیشاں نیز بروتیرہ آبا واجداد خود ہا ہنوز ہیچ کدام بیگانہ وبیگانہ را از خود جدا نکردہ ایم وبرائے جاں نثاری وخیرسگالی سرکار بہ دل وجان حاضر ایم۔ چوں والد ماجد مانیازمنداں در رفاقت سرکار جاں بجاں آفرین سپردند مانیازکیشاں نیز باوجود ایں چنیں استحقاق وارادت چگونہ دامن دولت ابد مدت گزاریم وبہ کدام جرم وقصور از پرورش سرکار محروم مانیم۔

نظر بوجوہات مرقومۃ الصدر مکلف خدمت گراں موہبت آں مکرم وارباب کونسل ایم کہ آں شفقت فرما وصاحبان عالیشان کونسل بمقتضائے کریمی وشان رحیمی ولحاظ یتیمی وبیکسی ایں دولت خواہاں وجہ کفاف مقرر فرمودہ برائے عطائے آں بنام صاحب ایجنٹ بہادر حکم فرمایند تا آں را صرف معیشت نمودہ باستحکام

مبانی دولت ابد مدت سرکار مشغول و مصروف باشیم۔ زیادہ ایام حشمت
و کامرانی بکام باد۔

اِس تحریر کو بدست حکیم مولوی سید معصوم علی صاحب روانہ کیا۔ اور ۱۹۔ مارچ ۱۸۳۵ء
کو اور بھی ایک تحریر گورنر جنرل کو بھیجی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ بعد انتظار کثیر صاحب
کمشنر بہادر کا ذیل کا خط آیا۔

نواب صاحب مشفق مہربان مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد اشتیاق ملاقات بہجت آیات
واضح ضمایر محبت مظاہر باد کہ قبل ازیں بجواب نوشتہ ایں جانب مورخہ سوم اپریل
۱۸۳۵ء چٹھی صاحب سکرٹری گورنمنٹ مرقومہ ششم ماہ مئی سنہ الیہ باستفسار تعین
مقدار مشاہرہ آں صاحبان کہ تقررش بدانست مخلص مناسب باشد ورود آوردہ بود
چنانچہ بپاسخش رپوٹ مکتوبہ بستم ماہ مسطور باندراج مقدار پانزدہ یا نزدہ صد روپیہ
مشاہرہ برائے آں ہر دو صاحبان تبلیغ یافت بجوابش اکنوں قطعہ چٹھی صاحب سکتر
ممدوح بدیں مضمون موصول گشتہ کہ بہ تجویز نواب معلی القاب گورنر جنرل بہادر
باجلاس کونسل عطائے ہمچو مشاہرہ بآں مشفقاں غیر ممکن محض و مندرج حکم نواب
مغفور الیہ است کہ والد آں صاحبان باوجود نداشتن ہیچ دعوی اصلی بر سرکار
مبلغ بقدر زیادہ از ہجدہ لکھ روپیہ اصل کہ ہیچ زر سودش دریں حساب شامل
نیست از خزانہ سرکار وصول یافتند۔ اگر منظور خاطر شان مے بود ازیں قدر
زر کثیر معاشی دجا بمراد معقول حاصل کردہ برائے بسر اوقات متعلقان و پس ماندگان
خود میگذاشتند۔ مگر الحال دعوی در ماہہ شان بہ نہجے بر سرکار نمیرسد۔

و بالفرض اگر کدام ماہیانہ بنام وارثان از طرف سرکار دادہ شود محض بطریق مدد معاش
و بقدر اصراف لابدی خواہد بود نہ بطور دیگر فقط چونکہ بموجب حکم مصدرہ صدر اطلاع
ایں حالات بآں صاحبان واجب بود لہذا بنوک قلم در آمدہ۔

اس کے بعد پھر صاحبزادگان نے مرزا ولی بیگ کے ہاتھ صاحب کمشنر کو لکھا کہ دس ماہ ہو چکے تنخواہ نہیں ملی ہے۔ اگر کوئی امر طے ہوا ہو تو اطلاع بھیجیے ورنہ پروانہ راہداری بھیجد یجیے کہ ہم خود گورنر جنرل کے پاس جائیں۔ مگر کمشنر نے ۱۴۔ جولائی ۱۸۳۳ع کی تحریر سے یہ جواب دیا کہ آپ کا خط آیا۔ نواب گورنر جنرل نے جو کچھ مجھے لکھا تھا اسکی اطلاع میں آپ کو کر چکا۔ اور کوئی اطلاع مجھے نہیں ہے اور پروانہ راہداری بھی یہاں سے دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے جواب میں صاحبزادوں نے ۲۵۔ ربیع الآخر ۱۲۵۱ھ کو ایک اور تحریر بدست شیخ امام بخش خاں روانہ کی۔ اس میں لکھا کہ ہماری پریشانی کی کوئی حد نہیں رہی نہ کوئی اپنا مآل کار معلوم ہوتا ہے۔ پروانہ راہداری بھی نہیں ملتا تا کہ نواب معلی القاب صدر کلکتہ کے پاس جاکر اپنی تباہی کو اخیر منزل تک پہونچا دیں۔ نواب غفراں مآب کا کوئی استحقاق ہو یا نہو لیکن ہم اپنی مصیبت تو اظہار کردیں۔ پروانہ راہداری نہیں دیا جاتا تو اس ہماری تحریر کو اپنی انگریزی چٹھی کے ساتھ والے جار وانگ ہندوستان کے پاس بھیجدیں۔ اگر یہ بھی دشوار ہے تو ہم بارش کے دو مہینے گزرنے کے بعد مجبوراً کلکتہ کو چلے جائیں گے۔

ابھی تک گورنمنٹ سے کوئی تصفیہ تنخواہ کا نہیں ہوا مگر امید ہوگئی کہ کچھ وظیفہ ہو جائیگا۔ اسی اثنا میں نواب محمود خاں صاحب سے نواب جلال الدین خاں اور دونوں بہنوئی آمادہ فساد ہو گئے۔ منافشہ کی یہ نوبت پہونچی کہ نواب محمود خاں صاحب نجیب آباد چھوڑ کر مراد آباد چلے آئے۔ خیموں میں قیام تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اگر خاطر خواہ فیصلہ ہوا تو خیر ورنہ کسی اور سمت کو چلدیں۔ نزاع کو زیادہ طول ہوا تو کلکٹر مراد آباد اور کمشنر نے باہم صلاح کی کوشش کی۔ اور نواب محمود خاں صاحب کو بھی آمادہ کیا کہ وہ نجیب آباد چلے جائیں۔

اور ۲۶ جون ۱۸۳۳ء کو کمشنر بریلی نے یہ خط نواب جلال الدین خاں صاحب بہادر کو لکھا:-

نواب صاحب مشفق مہربان مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد اشتیاق ملاقات بہجت آیات کہ مزیدی برآں متصور نیست مشہود ضمیر خلعت پذیر باد۔

نواب صاحب مشفق امیر الدولہ ضیاء الملک ذوی القدر محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ برادر آں مہربان کہ از چندے مقیم مراد آباد بودند حالا عازم نجیب آباد مشوندوظا ارادہ درستی وانتظام امور خانہ باتفاق وصلاح آں صاحب وارند لہذا انوکریز میگردد وحسب مقتضائے مصلحت ترقیم مے پذیرد کہ آں مشفق وصاحب موصوف باتفاق یکدیگر بانتظام امورات خصوصاً درباب تدابیر ادائے زر قرضہ کہ نواب صاحب مرحوم برآں صاحبان گزاشتہ اند واستخلاص علاقجات از رہن وتقرر شخص سربراہ کار ومردم کارگزار وحسن کردار بنابر درستی معاملات وانجام مرجوعات پردازند۔ وسخن غرض گویاں وگفتگوے برہم کاراں راکہ باعث تخلل امور ریاست است بسمع قبول اصغا نکردہ وبر مشاورت ہیچو اشخاص عامل نگشتہ موافق ہدایت عقل سلیم وخرد صالح کاربند شوند واز داشتن مردان فضول وغیر ضرور کارخانہ زیرباری باز کشند۔ ومراتبا تیکہ بالمشافہ ہردو صاحبان بخوبی فہمائش رفت وذہن نشین گردانیدہ شدہ ملحوظ دارند۔ ودرباره مشاہرہ آں صاحبان ہنوز حکمے از صدر صدور نیافتہ غالباً سبب توقف ہمیں خواہد بود کہ بہ باعث کثرت امور ملکی فرصت نبودہ دریں خصوص بہ نواب معلی القاب گورنر جنرل نشدہ باشد اکنوں یقین کہ بعرصۂ قریبہ بہ نفاذ رسد قبل ازیں دوش لازم است حسب مرقومہ بالا بہ تفہیم سابق باتفاق رائے ہردو برادر تنظیم وتنسیق کارہا بعمل آوردہ شو زیادہ خیریت است۔

اس تحریر کے موافق نواب محمود خاں صاحب نجیب آباد تشریف لے گئے۔

نواب جلال الدین خاں صاحب نے بھائی سے صفائی کرلی۔ مگر مختار کار اور کار پرداز کے مقرر کرنے میں پھر بھی نزاع رہا۔ نواب جلال الدین خاں صاحب نے منشی مولنا تھ کو مختار کرنا چاہا۔ نواب محمود خاں صاحب کو یہ امر پسند نہ تھا۔ یہ قضیہ پھر کمشنر صاحب تک پہونچا اور ۱۴ جولائی ۱۸۳۵ء کی تحریر میں پھر کمشنر صاحب نے مختار مقرر کرنے کی تاکید لکھی۔ تب دونوں صاحبزادوں نے علی بخش خاں کو اپنا مختار اور سربراہ کار مقرر کیا اور یہ تحریر کمشنر صاحب کو ۱۴۔ ربیع الثانی ۱۲۵۱ھ کو روانہ کی۔

نواب صاحب مشفق کرم فرمائے مخلصان زاد اشفاقکم۔ بعد تمنائے استجمال سامی مواصلت کثیر الافادت کہ منجا وز البیان است مرفوع خاطر توجہ مظاہر میگرداند سامی نامہ مودت آمود بمصحوب عزت آثار عزیز القدر منشی مول ناتھ پیرتو ورود افگندہ انچہ از راہ توجہات مربیانہ نصائح ہوش افزا ارقام فرمودہ اند جواب آں از عقب نگارش پرداختہ بگزارش درآوردہ خواہد شد۔ بالفعل رفعت و عوالیمر نسبت علی بخش خاں را کہ از جمیع امورات واقف و نوکر موروثی و لیاقت و نمک حلالی و دیانت او ثابت است لہذا بر مختار کاری مقرر نمودہ شد۔ مختار مذکور بجو بی جملہ امورات انشاء اللہ تعالیٰ بانجام خواہد رسانید۔ مترصد کہ پروانہ تسلی او ارقام فرمایند کہ بطمانیت بانصرام کاروبار پردازد و دوام بارقام سامی نامجات مضمون نوید صحائح مزاج یاد فرما و کرم نما باشند۔

گو نواب صاحب بہادر مرحوم کے وقت سے علی بخش خاں کارپرداز تھے اور بعد انتقال بھی کام کر رہے تھے لیکن یہ تعلق گورنمنٹ انگریزی میں نیا پیدا ہوا۔ اور تمام کاروبار جو انگریزوں سے متعلق تھے ان کے سپرد ہوئے۔

نواب صاحب بہادر مرحوم کے انتقال کے بعد دونوں صاحبزادوں میں صفائی خاطر نہ تھی اور اسکے طول ہوجانے کا قوی اندیشہ تھا تاہم علی بخش خاں نے اپنی تدبیر سے بدمزگی کو بڑھنے نہ دیا۔ نواب معین الدین خاں بہادر مرحوم نے اپنی حیات میں ایک ہبنامہ کے ذریعہ سے اپنی کل جائداد۔ زرعی ۔مسکونہ۔کارخانہ جات۔ دواب۔ اسباب خانہ داری ۔زروزیور۔خرید خود وعطیہ سرکار کو اپنے دونوں صاحبزادوں کے نام بقیمت دو لاکھ منتقل کر دیا تھا۔ اس میں ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد نواب محمود خاں صاحب بہادر کے نام اور اسی ہزار کی تعداد نواب جلال الدین خاں صاحب بہادر کے نام لکھدی تھی۔

یعنی تین حصہ بڑے بیٹے کے اور دو حصہ چھوٹے کے قرار دیے تھے۔ دونوں صاحبزادیوں کو علیحدہ دیگر نزاع کا انسداد کر دیا تھا۔ سعداللہ خاں صاحب اور عظمت اللہ خاں صاحب دونوں نواب صاحب بہادر کے داماد تھے۔ ان دونوں صاحبوں نے اپنی بیویوں کے حصہ طلب کئے۔ اور یہاں تک آمادہ ہوگئے کہ میر قمر علی صاحب مرحوم ساکن سیمن کی زبانی کہلا بھیجا کہ ہم دونوں آتے ہیں اور کل سامان پر قبضہ کرلیں گے۔ نوبت اسکے قریب تھی کہ کشت وخون ہوجائے لیکن علی بخش خاں کی تدبیر سے یہ فساد رفع ہوگیا۔ اور ۱۶۔ ستمبر ۱۸۳۵ء کو نواب محمود خاں صاحب اور نواب جلال الدین خاں نے ایک اور اقرارنامہ اسی مضمون کا لکھکر رجسٹری کرادیا۔ اس اقرارنامہ میں یہ بھی لکھا گیا کہ پنڈت سیو سہائے ساہو بلاس رائے اور رانی دھن کور کے سولہ ہزار چھتر روپے چھ آنے علاوہ سود کے جو نواب صاحب مرحوم کے ذمہ قرض ہیں وہ ہم دونوں بحصہ رسدی ادا کرینگے۔ ادھر کمشنر صاحب کو بھی اطلاع دی کہ عظمت اللہ خاں صاحب و سعد اللہ خاں صاحب آمادہ فساد ہیں ان کا انتظام کیا جائے۔

کمشنر صاحب نے ۱۴ ستمبر ۱۸۳۵ء کو جواب لکھا کہ عظمت اللہ خاں اور سعد اللہ خاں کی طرف سے ایسے نامناسب امور کا سرزد ہونا بعید ہے لیکن احتیاطاً دونوں کے نام حکمنامہ جاری کردئے ہیں۔ اور مجسٹریٹ ضلع بجنور کو بھی ایک چٹھی لکھدی ہے آپ کو بھی چاہیے کہ ان کے واجبی مطالبہ سے آپ بھی گریز نہ کریں۔ اس فساد کو بھی علی بخش خاں نے نہایت سعی اور خوش تدبیری سے طے کیا۔ گو دلوں میں نقار رہا مگر کوئی فساد نہونے پایا۔ اور باہمی معاملات طے ہوگئے۔

اِدھر تو نواب معین الدین خاں بہادر کا انتقال ہوا۔ تنخواہ بند تھی۔ باہم خاندان میں رنجشیں۔ اُدھر یہ نیا قضیہ درپیش ہوا کہ نواب صاحب مرحوم کے مکانات نجیب آباد پر رائے ہمت سنگھ زمیندار نے دعویٰ کردیا یہ پرگنہ نجیب آباد میں بہت بڑا زمیندار اور حکام رس تھا۔ اُسکو یہ دعویٰ تھا کہ یہ مکانات مسکونہ میری زمینداری میں داخل ہیں اور میرے قبضہ میں رہیں۔ یہ تشویش بھی سخت تھی۔ علی بخش خاں نے اسمیں کوشش کی کمشنر صاحب نے کل کاغذات طلب کئے اور حکم اخیر لکھدیا کہ یہ مکانات بقبضۂ نواب امیر الدولہ اور نواب رفیع الدولہ بہادر بدستور رکھے جائیں۔ اسی مضمون کا پروانہ بنام پنڈت بخت نرائن پیشکار نجیب آباد جاری ہوگیا۔

صاحبزادوں کی تنخواہ بند ہوے تیرہ سال ہوگیا۔ اخراجات کی ترقی۔ آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ رمضان ۱۲۵۲ھ میں رفیع الدولہ نواب جلال الدین خاں صاحب بہادر نے ترک وطن کا ارادہ کرلیا۔ یہ قصد تھا کہ پہلے آگرہ میں نواب لفٹنٹ گورنر سے ملیں اگر کوئی صورت گزارہ کی ہوجائے تو بہتر ورنہ دکن کو چلے جائیں گھر میں کہرام پڑگیا۔ آخرکار شوال ۱۲۵۲ھ میں آگرہ میں داخل ہوگئے۔

اِس وقت نواب گورنر جنرل آگرہ میں نہ تھے۔ دس دن کے بعد وہ آگئے۔ تو آپ نے ۲۰ شوال ۱۲۵۲ھ کو گورنر جنرل کو ایک خریطہ لکھا اور ہمدست

منشی ہر پرشاد اپنے وکیل کے بھیجا۔ اُس میں لکھا تھا کہ میں دس روز سے یہاں مقیم ہوں۔ اور محض ملاقات کے لئے آیا ہوں۔ اِدھر نواب رفیع الدولہ کی روانگی آگرہ کے ساتھ ہی ۳۱۔ دسمبر ۱۸۳۶ء کو مسٹر ولڈرسن کمشنر بریلی نے کمپ فتح گنج سے ایک چٹھی بوسٹر صاحب سکرٹری گورنر جنرل کو اس مضمون کی روانہ کی کہ میں نے نواب صاحب مرحوم کے بیٹوں کے گزارہ کے واسطے ۹۔ جولائی۔ ۲۴۔ جولائی۔ ۱۸۔ اگست۔ ۴۔ ستمبر۔ ۴۔ اکتوبر۔ ۱۴۔ اکتوبر۔ ۳۰۔ اکتوبر ۱۸۳۶ء۔ ۱۶۔ جنوری ۳۱۔ جنوری۔ ۳۰۔ اپریل۔ ۶۔ مئی۔ ۲۱۔ مئی۔ بکم جولائی ۱۸۳۸ء۔ ۱۰۔ فروری۔ ۲۰۔ فروری۔ ۱۳۔ مارچ۔ دوم اپریل۔ ۱۳۔ اپریل ۱۱۔ مئی۔ ۲۸۔ مئی۔ ۲۵۔ اگست ۱۸۳۶ء کو متواتر چٹھیاں لکھیں لیکن کوئی انتظام تنخواہ کا نہیں ہوا۔ اگر گورنر جنرل نے پرورش نہیں کی تو وہ بالکل خراب ہو جائیں گے۔

اب میں نے سنا ہو کہ چھوٹا بیٹا اکبر آباد کو گیا ہے اگر وہاں پرورش نہیں ہوئی تو وہ دکن کو چلا جائے گا۔ میرے نزدیک اِن کو دکن جانے نہ دیا جائے۔ دکن کا جانا مناسب نہیں ہے۔

مضمون بالا کی چٹھی کا خلاصہ نواب رفیع الدولہ بہادر کو آگرہ میں کسی طریق سے مل گیا اور کلو ہرکارہ یہ خلاصہ لیکر نجیب آباد میں ۷۔ ذی الحجہ ۱۲۵۲ھ کو پہونچا۔
لیکن نواب رفیع الدولہ سے پھر بھی ملاقات نہیں ہوئی۔

۱۱۔ فروری ۱۸۳۸ء کو مکرر خریطہ نواب گورنر جنرل کو لکھا۔ اسکے بعد ملاقات ہوئی۔ تمام حالات سُنکر لفٹننٹ گورنر نے سو سو روپے دونوں بھائیوں کے مقرر کئے۔ اور نواب جلال الدین خاں صاحب بہادر کی حقیقی بہن فیض بیگم صاحبہ ڈیوڑھی سعد اللہ خاں صاحب کے دس روپے ماہانہ مقرر ہو گئے۔

سیدہ بیگم صاحبہ ڈیوڑھی عظمت اللہ خاں صاحب نواب محمود خاں صاحب کی حقیقی بہن تھیں اِن کا کوئی ذکر ہی نہیں آیا۔ نواب جلال الدین خانصاحب سو روپے

ماہانہ پر رضامند ہو کر نجیب آباد چلے آئے۔

لیکن امیر الدولہ نواب محمود خاں صاحب بہادر اس تجویز وظیفہ پر رضامند نہ ہوئے اور بوساطت علی بخش خاں سلسلہ خط کتابت حکام انگریزی سے پھر بھی جاری رہا۔

۱۰ فروری ۱۸۳۵ء ۱۲۵۰ھ کو کیمپ بیگم آباد میں خود جاکر نواب لفٹنٹ گورنر جنرل سے ملے لیکن تنخواہ کے معاملہ میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور ۱۲ فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۶ ذیقعدہ ۱۲۵۰ھ کو ایک خریطہ گورنر جنرل کو اس مضمون کا لکھا:۔

کہ ایسے بارگاہ سے کوئی دادخواہ محروم نہیں رہا۔ لیکن میں محروم ہوں۔ آپ سے ملاقات کا سامان بھی میسر نہ تھا تاہم ۱۰ فروری ۱۸۳۵ء کو ملاقات ہو گئی۔

میرے معاملات طول وطویل ہیں اس لئے بپاس ادب زبانی گزارش نہیں کیے۔ اب ذریعہ خریطہ عرض حال ہو کہ میرے بے مات بھائی جلال الدین خاں اول حاضر ہوئے اور انکے گزارہ کے موافق گورنمنٹ نے تنخواہ کر دی۔ مگر ان کے عیال و اطفال نہیں ہیں اور کوئی ریاست کا بھی خرچ نہیں ہو۔ لیکن مجھے تو اس میں (سو روپے میں) نان خشک بھی کسی طرح میسر نہیں ہو سکتی۔ چند خریطہ پیش کرکے کوئی جواب نہیں ملا۔ اسی طرح میری بڑی بہن سید بیگم کی بھی تنخواہ مقرر نہیں ہوئی۔ لہذا اب کوئی تجویز گزارہ کے قابل کر دیجائے۔

اسی تاریخ کو ایک تحریر میگنائن صاحب کو لکھی کہ یہ خریطہ پیش کرکے جواب دیں۔ اور اسی تاریخ ایک تحریر ٹارنس صاحب نائب سکرٹری کو لکھی جسکا یہ مضمون تھا۔ کہ میرے حالات آپ پر روشن ہیں۔ اور زیادہ توضیح علی بخش خاں میرے مختار کی زبانی معلوم ہوگی جنکو مع خریطہ گورنر جنرل و چٹھی اسمی میگناٹن صاحب آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

علی بخش خاں نے یہ کاغذات بیگم آباد ہی میں پیش کئے مگر کوئی شافی جواب نہیں ملا۔

اسی زمانہ میں نواب گورنر کا کیمپ میرٹھ میں آیا۔ نواب محمود خاں صاحب بہادر نے ان سے ملاقات کی مگر کوئی صورت تنخواہ کی نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل شملہ کو روانہ ہو گئے اس لئے بمشورہ میگناٹن صاحب سکرٹری نواب صاحب نے بھی شملہ کا سفر شروع کر دیا۔ شملہ میں پہونچکر معلوم ہوا کہ مکانات قیام کے لئے نہیں ملتے ہیں اسلئے خود تو مقام باڑہ میں قیام کیا اور علی بخش خاں کو حکم دیا کہ شملہ میں رہیں اور تنخواہ کے بارہ میں کوشش کی۔

۱۹۔ اپریل ۱۸۳۸ء کی تحریر کے ذریعہ سے اسکاٹ صاحب سکرٹری کو اطلاع دی کہ میں گورنر جنرل کے کیمپ کے ساتھ ساتھ یہاں آگیا ہوں۔ آپ معاملہ میں کوشش کریں۔ یکم مئی ۱۸۳۸ء کو اسی مضمون کی تحریر میگناٹن صاحب کو بھی لکھی اور یہ بھی اطلاع کر دی کہ میرا مختار علی بخش خاں حاضر خدمت رہیگا۔ مولوی علی جان خاں وکیل کو بھی علی بخش خاں نے پیروی کے لیے مقرر کر لیا۔

اِن تمام کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ میگناٹن صاحب نے شملہ سے ذریعہ تحریر مورخہ ۱۴۔ اپریل ۱۸۳۸ء مسٹر جیمس ڈیوڈسن اجنٹ بریلی سے دریافت کیا کہ اول مسٹر بولڈرسن نے نواب معین الدین خاں کے بیٹوں کے لئے فی اسم پندرہ سو روپے لکھے تھے مگر اسکے عوض سو سو روپیہ مقرر ہوئے۔ اب آپ لکھئے کہ اس سو روپے میں انکا گزارہ ہو سکتا ہے یا نہیں رپورٹ بھیجدیجیے۔

علی بخش خاں نے اِس تحریر کا پتا لگا کر نواب صاحب کو مطلع کیا۔ اور نواب صاحب نے بھی ۲۴۔ اپریل ۱۸۳۸ء کو ایک خط مسٹر جیمس ڈیوڈسن صاحب ایجنٹ بریلی کو لکھا جس میں اپنے تمام حقوق کا ذکر کرکے یہ بھی لکھا کہ شجاعت خاں۔ مرتضیٰ خاں۔ جنگی خاں۔ اور ہدایت اللہ خاں۔ وغیرہ قدیمی امراے روہیلکھنڈ کے بھی گورنمنٹ نے وظیفہ کئے تھے اور ان کے مرنے کے بعد بعض ورثا کو نصف اور بعض کو

نصف سے زیادہ وظیفہ دیا گیا ہے۔ اگر آپ سے اس بارہ میں مکرر دریافت کیا جائے
تو دریغ نہ کیجیے۔

غرضکہ بہزار دقت ۷۔ جون ۱۸۳۸ء کو شملہ میں مثل تنخواہ نواب صاحب پیش ہوئی
اور حکم اخیر صادر ہوا کہ مسٹر جیمس ڈبوڈسن تنخواہ کا فیصلہ کریں۔ شملہ سے نواب
امیر الدولہ بہادر نے ۲۹۔ جون ۱۸۳۹ء کو پھر ایک خط مسٹر جیمس ڈیوڈسن کو لکھا
اور اس تمام کوشش کا یہ نتیجہ ستمبر ۱۸۳۸ء میں نکلا کہ نواب محمود خاں صاحب کی
ایک ہزار روپے کی تنخواہ مقرر ہوئی۔

بارہ کے قیام میں وہاں کے ساہوکاروں کا بھی قرضہ ہو گیا تھا۔ اس لئے نواب
محمود خاں صاحب بہادر نے ۲۔ اکتوبر ۱۸۳۸ء کو مسٹر ولیم۔ جے میگناٹن صاحب
سکرٹری کو لکھا کہ اس وقت تین ہزار روپے ملجائیں اور پھر تنخواہ سے مجرا ہو جائیں
یہ کارروائی بھی ہو گئی۔ لیکن اس تنخواہ میں یہ شرط لگا دی گئی کہ ازروئے حصص
شرعی سب اولاد کو بہ روپیہ ملا کرے گا۔ اس کی بابت پھر کوشش شروع ہوئی اور
نواب محمود خاں صاحب بہادر کے منشا کے موافق کل معاملات طے ہو گئے۔

نواب محمود خاں صاحب تو واپس نجیب آباد آ گئے اور علی بخش خاں شملہ پر رہے۔
اور کل معاملات کو طے کرایا۔ نواب محمود خاں صاحب کی والدہ سرفراز بیگم صاحبہ
کے لئے دس روپے ماہانہ مقرر ہوا۔ اور نواب صاحب کی حقیقی بہن سیدہ بیگم کی
تنخواہ آٹھ روپے اور انکے شوہر عظمت اللہ خاں صاحب کو بجنور کی منصفی ملی۔

فیض بیگم صاحبہ زوجہ سعد اللہ خاں صاحب کے آٹھ روپے ماہانہ مقرر ہوئے اور
سعد اللہ خاں صاحب کو منصفی سنبھل کی دی گئی۔ ان سب کاموں کو طے کر کے
علی بخش خاں بھی نجیب آباد آ گئے۔ تنخواہ کا فیصلہ چار سال میں ہوا۔ اور پھر قرضہ
کا بار بھی بہت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد بھی علی بخش خاں نجیب آباد میں تقریباً

چار سال وہ رہے۔ لیکن نواب محمود خاں صاحب بہادر کی آمدنی قلیل اخراجات کثیر اس لئے اِن کی گزر کی کوئی صورت نہ تھی۔ سنہ ۱۲۵۰ھ میں آپ نے نواب صاحب سے اجازت لیکر لکھنؤ کا سفر کیا۔ آپ کی تنخواہ نواب محمود خاں صاحب نے آپکے فرزند اکبر علی خاں مرحوم کے نام مقرر کردی لکھنؤ میں قسمت آزمائی کر رہے تھے۔
نواب سید محمد سعید خاں صاحب بہادر جنت آرام گاہ پہلے سے علی بخش خاں سے واقف تھے۔ نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں ولیعہد تھے۔ اِن کے پاس ایک اہلکار کی ضرورت تھی جنت آرام گاہ نے لکھنؤ سے طلب فرماکر نواب فردوس مکاں کی خدمت میں سنہ ۱۲۵۹ھ میں مقرر کردیا اور خانساماں کا عہدہ دیا۔ نواب فردوس مکاں اِن کی خدمات سے اس قدر خوش ہوئے کہ انکا کل کارخانہ ولیعہدی آپ کے سپرد کردیا۔ سامان لباس۔ زیور۔ کتاب خانہ۔ علاقہ متاجری سب کام علی بخش خاں کرتے تھے۔ چنانچہ نواب جنت آرام گاہ نے ذریعہ پروانہ نمبر ۱۶ مورخہ ۷۔ رمضان سنہ ۱۲۶۹ھ ارقام فرمایا کہ ولیعہد بہادر کی گزارش سے معلوم ہوا کہ انکی تمام علاقہ مالگذاری کی نگرانی تم کرتے ہو۔ اور تمہاری کوشش سے آبادی بڑھ گئی۔ اور چین و تردد زیادہ ہوا۔ اور بغیر جبر و تشدد کے جمع کاری ادا کی اِس وجہ سے مزاج حضور بہت خوش ہوا۔ اسی طرح نواب جنت آرامگاہ نے ۱۰۔ رمضان سنہ ۱۲۶۹ھ کے پروانہ کے ذریعہ سے بھی خدمات کا اعتراف فرمایا۔ تیرہ سال کامل ولیعہد بہادر کی خدمت کی۔ کل علاقہ مالگذاری کا بھی انتظام کرتے تھے۔ نواب جنت آرام گاہ بھی نہایت خوش رہے۔ اور کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں آیا۔
۲۲۔ رجب سنہ ۱۲۷۱ھ کو نواب فردوس مکاں مسند نشین ریاست رامپور ہوئے رئیس ہونے کے ساتھ جو پہلا پروانہ ۱۸۔ رجب سنہ ۱۲۷۱ھ نمبری (۱) نافذ فرمایا

اُس میں علی بخش خاں کو سینگن کھیڑہ کا تحصیلدار مقرر کیا۔

اور مسند نشینی سے دو مہینے بعد جو سرکاری روپیہ قرض بذمۂ علی بخش خاں بہ تعداد چھ ہزار روپیہ تھا ذریعہ پروانہ دوم جون ۱۸۵۵ء نمبری (۱۴۶) معاف کیا۔

نواب فردوس مکاں کے الطاف کی کوئی حد نہ تھی۔ مسند نشین ہو کر خیال ہوا کہ دنیا کا اعتبار نہیں خدا جانے کل کیا پیش آئے۔ اس لیے علی بخش خاں کی خدمات زمانۂ ولیعہدی کے اعتراف اور انکے محاسبہ سے بریت کے لیے ایک پروانہ نمبری (۱۶۲) مورخہ یکم جولائی ۱۸۵۵ء جاری فرمایا۔

رفعت و عوالی مرتبت گرامی قدر شیخ علی بخش خاں بعافیت باشند۔ از آنجا کہ ایشاں از روز ملازمی تا حال یعنی من ابتدائے ۱۲۵۹ھ لغایت دوازدہم رجب ۱۲۷۱ھ کار مفوضہ خود تحویل زیور و پارچہ و پشمینہ و زرینہ و متفرقات و تحصیلداری و سائر و عمارت و دواب بدیانت و امانت و مستعدی تمام بانجام رسانیدہ۔ الحال کہ ترتیب و تہذیب جمع و خرچ از ابتداے لغایت حال بمیان آمدہ از ملاحظۂ آں نوعے تفاوت و نجاوزے کدامی امر کاہے بظہور نہ پیوستہ دریں صورت مزاج ایں جانب از دیانت و کارگزاری ایشاں بسیار راضی و خوشنود گشت و چونکہ الحال مواخذہ و محاسبہ و مطالبہ کدام نوع من ابتداے ملازمی لغایت اخیر مارچ ۱۸۵۵ء مطابق دوازدہم رجب ۱۲۷۱ھ ایام قبل از اجلاس حضور بر مسند ریاست بذمۂ ایشاں باقی نماندہ لہذا پروانۂ ہذا بطور سند کارگزاری و نیک نامی بایشاں مرحمت گردید۔ قلمی میگردد کہ آیندہ ہم بریں نمط بدیانت و ہوشیاری و مستعدی تمام کار سرکار انجام میدادہ باشند و مزاج حضور را متوجہ حال خود شناسند۔

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ تیرہ سال کا کل حساب تیار کرایا اور اہلکاروں سے جانچ کرائی اور حساب فہمی کے بعد پروانہ جاری کر دیا تاکہ کسی کو محاسبہ کی گنجائش نہ رہے۔

۲۰۔ اگست ۱۸۵۴ء کے مورخہ پروانہ نمبری (۲۷) کے ذریعہ سے آپ کو صنو تحصیل کا تحصیلدار مقرر کیا اور صاحبزادہ سعید اللہ خاں صاحب بہادر کو تحصیلدار سینگن کھیڑہ مقرر کیا لیکن پروانہ میں لکھا گیا کہ نگرانی علی بخش خاں کی رہیگی۔

ستمبر ۱۸۵۵ء میں حکم ہوا کہ ہر مہینے کی یکم تاریخ کو فیل خانہ۔ شتر خانہ۔ گاؤخانہ۔ اصطبل اور نقار خانہ کا معائنہ کرایا کریں یہ کارخانہ بھی نگرانی میں دئے گئے۔ ریاست میں نواب جنت آرام گاہ کے وقت سے یہ قاعدہ تھا کہ یکم تاریخ ہر مہینے کو کل فوج۔ کل کارخانوں کے جانور مع گاڑیوں کے شہر کے باہر میدان میں جمع ہوتے تھے اور رئیس وقت انکا معائنہ کرتے تھے اس کا نام گنتی تھا شاہی زمانہ میں اس کو سان لینا کہا کرتے تھے۔

صاحبزادہ فدا علی خاں کی ڈیوڑھی نواب فردوس کی دختر تھیں ان کی آمدنی اور مصارف پر نواب فردوس مکاں خود دستخط فرماتے تھے۔ فردوس مکاں اب رئیس ہوئے تو ۱۸ مئی ۱۸۵۵ء کے پروانہ نمبری (۲۰۱) کے ذریعہ سے حکم ہوا کہ آئندہ انکے مصارف کے رقعوں پر ہمارے صاد کی ضرورت نہیں ہے علی بخش خاں دستخط کیا کریں اور مجرائی ہوا کرے۔

اب ۱۸۵۷ء کے غدر کا واقعہ ظاہر ہوا۔ ۱۵ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ اور دہلی کی فوج کی سرکشی کی خبر مرادآباد میں آئی۔ ولسن صاحب جج مرادآباد نماز صبح کے وقت رام پور میں جناب نواب فردوس مکاں کے حضور میں حاضر ہوے۔

دونوں صاحب گاڑی میں سوار ہوکر ہواخوری کو گئے۔ ولسن صاحب نے سب واقعات بیاں کئے۔ دن میں شہر میں بھی جا بجا سے خبریں آگئیں اور کھلم کھلا ہر جگہ شہر میں چرچا ہوگیا۔ بریلی میں خبر پہونچ گئی۔

۱۲۔ مئی کو رام پور سے ایک ایک دو آدمی شہر کے باہر جاکر جمع ہوے اور ایک مجمع کثیر

جمع ہو کر مراد آباد کو روانہ ہوا۔ ولسن صاحب جج نے ان کو دریائے رام گنگ کے ساحل پر آلیا اور وہ گروہ منتشر ہو گیا۔

۳۱- مئی کو بریلی میں غدر ہوا۔ مسٹر الگزنڈر کمشنر و پولیٹیکل ایجنٹ ریاست رام پور نینی تال چلے گئے۔ مولوی وجیہ الزماں خاں صاحب مرحوم وکیل ریاست مقیم بریلی نے ریاست کو اطلاع دی اور یہاں سے حسین بخش خاں صاحب مرحوم برادر خرد علی بخش خاں صاحب کو جناب نواب صاحب نے ولسن صاحب جج مراد آباد کے پاس بغرض اطلاع بھیجا۔

رام پور میں بھی لوگوں میں فاسد خیالات پیدا ہو گئے۔ لوگ لوٹ مار کے لئے باہر کو روانہ ہونے لگے۔ کچھ دہلی کان پور اور لکھنؤ کو چلے گئے۔ بریلی میں خان بہادر خاں کی نوابی کا رنگ جا وہاں رام پور کا زیادہ حصہ جمع ہو گیا۔ اس وقت مشیر خاص جناب نواب فردوس مکاں کے علی بخش خاں اور حکیم سعادت علی خاں مرحوم تھے۔ فوج کا تعلق حکیم صاحب سے تھا اور علی بخش خاں کے متعلق حسب ذیل خدمتیں تھیں۔

۱- نینی تال کو رسد پہونچانا اور روپیہ بھیجنا۔

۲- دہلی۔ لکھنؤ۔ مراد آباد نجیب آباد۔ بجنور۔ میرٹھ۔ اور بریلی سے روزانہ خبریں منگانا اور نینی تال تک پہونچانا۔

۳- نینی تال سے میرٹھ تک یورپین افسروں کی خط کتابت کا پہونچانا اور بھیجنا۔

۴- برٹش گورنمنٹ کے ہاتھیوں کے کھیدہ کی نگرانی اور کل مصارف کا انتظام۔

۵- برٹش فوج کے افسروں کو سامان اور فوج کے لیے آدمیوں کا مہیا کرنا۔

۶- کانفیڈنشل کل معاملات کی ذمہ داری

۷- باغیوں کے متعلق نگرانی۔ اور انکی گرفتاری۔

۸- کانفیڈنشل معاملات میں خود نینی تال جا کر مسٹر الگزینڈر کمشنر سے گفتگو کرنا۔

۹۔ کل معارف ایام غدر فوجی وملکی کی نگرانی۔

ہنگامۂ غدر کی مصیبتیں شمار سے باہر ہیں۔ علی بخش خاں موروثی نکھوار نجیب آباد کے تھے۔ نجیب آباد میں جب شورش شروع ہوئی تو بنظر خیر خواہی نواب محمود خاں صاحب کے پاس اپنے بھائی حسین بخش خاں کو بھیجا اور عرض کرایا کہ آپ شورش میں شریک نہوں۔ اس عرض ومعروض کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ وہاں حسین بخش خاں کی جان کے لالے پڑ گئے۔ جس زمانہ میں نجیب آباد میں قیام تھا صاحبزادہ محمد شفیع خاں سے اور حسین بخش خاں سے خانہ جنگی ہوئی تھی۔ جانبین سے آدمی مارے گئے تھے۔ محمد شفیع خاں نے اُس وقت اُنکا تنہا پہونچنا غنیمت سمجھا۔ چند آدمی تعینات کئے کہ راہ میں ان کو قتل کر ڈالیں۔ اتفاق سے انکو شب میں خبر ہوگئی۔ وہ پیادہ پا شب میں چل دیئے اور اس مہلکہ سے نجات پائی۔

علی بخش خاں پہلی بار ۱۰۔ جون ۱۸۵۸ء کو ذریعۂ تحریر سرکاری مورخہ ۴۔ جون نینی تال جاکر اگز ینڈر صاحب کمشنر سے ملے۔ اسکے بعد آتے جاتے رہے۔

ایک بار یہاں سے اشرفیاں لیکر نینی تال کو روانہ ہوئے۔ نواب خان بہادر کی فوج مامور تھی کہ نینی تال کو رسد نہ جانے پائے علی بخش خاں کے سر کا اشتہار تھا۔ اشرفیاں لیکر روانہ ہوئے تو دس سوار چھٹے رسالہ رام پور کے لے لئے۔ سواروں کو ہدایت دی کہ دور دور آگے پیچھے رہیں۔ راہ میں بعد مغرب نواب خاں بہادر خاں کی فوج نظر آئی۔ یہ گھوڑے کو درخت سے الجھا کر اشرفیاں لیکر درخت پر چڑھ گئے۔ رات بھر درخت پر بسر کی گھوڑا چھوٹ کر چلدیا۔ تھوڑا راستہ پیدل طے کیا کہ ایک سوار ہمراہی مل گیا اسکا گھوڑا لیکر نینی تال چلے گئے۔ اُن کا ذاتی گھوڑا مکان پر آگیا۔ گھر پر کہرام مچ گیا کہ قتل ہو گئے۔ واپس آئے تو سب کو تسکین ہوئی۔

۹۔ جون ۱۸۵۸ء کو بخت خاں کئی ہزار باغی فوج کے ساتھ رام پور آیا۔

مولوی سرفراز علی اسکی طرف سے سفیر تھے۔ تمام شہر کو مورچہ بند کیا۔ شہر کے مفسد خود جاکر بخت خاں کو بھڑکاتے تھے۔ اُن کا منشا تھا کہ روپیہ دیا جائے اور ولیعہد بہادر ریاست مع فوج کے دہلی کو ساتھ چلیں۔ یہ مرحلہ سب سے زیادہ سخت تھا۔ علی بخش خاں نے اس مرحلہ کو بلطائف الحیل طے کیا۔ اور ۱۳۔ جون کو بخت خاں رام پور سے چلا گیا۔
مراد آباد۔ امروہہ۔ سنبھل۔ ٹھاکردوارہ۔ چندوسی۔ علاقہ ترائین میں ہر جگہ فساد تھا۔ رام پور کی فوجیں حفاظت کرتی تھیں انکی رسد رسانی بھی علی بخش خاں کے ذمہ تھی۔ کچھ عورتیں اور بچے یورپین و کرسچین مراد آباد میں نواب مجو خاں کی قید میں تھے۔ اہلکاران ریاست نے ان کو اپنی حفاظت میں لیا۔ اور علی بخش خاں نے اپنے چھوٹے بھائی حسین بخش خاں رسالدار کی نگرانی میں میرٹھ کو روانہ کیا۔
۱۶۔ نومبر ۱۸۵۷ء کو انہیں گڈھ مکتیسر میں برٹش گورنمنٹ کے ملازموں کے سپرد کیا۔ عام طور پر یہ خیال تھا کہ نہ کوئی یورپین و کرسچین زندہ بچے گا نہ حسین بخش خاں رسالدار بچیں گے۔
اِس وقت ڈاک رسانی اور خبروں کو حاصل کرنا نہایت دشوار کام تھا۔ کسی کے پاس انگریزی کا ذرا سا رد ی پرچہ بھی راہ میں کوئی دیکھ لیتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔
لیکن اسکو خوش قسمتی کہیے یا حسن اتفاق کہیے علی بخش خاں کا کوئی مخبر نہ قتل ہوا نہ گرفتار ہوا۔ میرٹھ سے نینی تال کو اور نینی تال سے میرٹھ کو سامان بھی آتا جاتا رہا۔ الگزینڈر صاحب کمشنر روہیلکھنڈ بعد وقوع غدر دہلی یکایک نینی تال چلدیے۔ بریلی میں اُن کا کتا رہگیا۔
۱۲۔ فروری ۱۸۵۸ء کی تحریر میں آپ لکھتے ہیں کہ میرا کتا میرٹھ میں ایک صاحب کے پاس ہے۔ انکی نام کی تحریر ملفوف ہے میرٹھ سے منگا کر نینی تال بھیجدو۔ چنانچہ وہ بھیجدیا گیا۔ ایک تحریر بغیر تاریخ کی ہے اُسمیں لکھتے ہیں کہ آج نینی تال کو ڈاک نہ بھیجی جائے۔

فوجی خدمات برٹش گورنمنٹ کی پوری حالت کہاں تک بیان کی جائے۔ ان دو تین واقعات سے پتا چل جائیگا کہ علی بخش خاں نے کیا کیا۔ کپتان کراسمن کمانڈنگ روہیلا ہارس ۱۷۔ اگست ۱۸۵۸ء کی تحریر میں لکھتے ہیں کہ سوار بھرتی کر کے اور گھوڑے خرید کر بھیجدو۔ ۲۱۔ جولائی ۱۸۵۸ء کی تحریر میں لکھتے ہیں کہ عالم شاہ خاں کے ہمراہ جو سوار آئے ہیں دو چار کے سوا سب ہمکو پسند ہیں۔ سو آدمی اور درکار ہیں پچاس ہمارے لئے اور پچاس آدمی کپتان پی۔ اے رابرٹن (P.A. Roberton) کمانڈنگ ملیٹری پولس مراد آباد کے لئے۔ اور پچاس آدمی ولیم باول (William Bovell) روہیلا ہارس کو درکار ہیں وہ ایک نیا رسالہ کھڑا کرتے ہیں۔

ایک بار دس بارہ گاڑیاں رسد کی رام پور سے نینی تال کو علی بخش خاں نے روانہ کیں۔ کمشنر صاحب روہیلکھنڈ نے ایک گارد شفاخانہ پر بھیجدیا تھا۔ حکم تھا کہ رسد گارد کے سپرد کر دیجائے۔ انگریزی گارد شفاخانہ سے سامان لیکر روانہ ہوا کالاڈھونگی کے قریب سب سامان لٹ گیا۔

الگذینڈر صاحب کمشنر نے ۲۴۔ جولائی ۱۸۵۸ء کی تحریر میں علی بخش خاں کو لکھا کہ تمسے چند زبانی پیغام کہنا ہیں سرکار سے اجازت لیکر جلد آؤ۔ آپ گئے رسد کا بھی بہت سا سامان لے گئے۔ پچیس سوار اپنی قوم کے ساتھ لئے۔ شب میں کالاڈھونگی کے قریب پہونچے تو وہاں نواب بریلی کی فوج کی مورچہ بندی دیکھی۔ وہاں سے پلٹ کر ہلدوانی کو سامان لے گئے۔

ہلدوانی پر انگریزی فوج نے حفاظت کر رکھی تھی وہاں سامان رسد دیکر خود پہاڑ پر گئے اور جو کچھ ہدایتیں ملیں اسکی اطلاع واپس آکر سرکار میں کی۔ ضلع ترائین میں موضع گنتی پتریاں لٹ گیا۔ اس کے کل سامان اور مویشی کی واپسی آپ نے کرائی۔

ٹ انگریزی کا ہاتھیوں کا کھیدہ کپتان بو صاحب (W. Bough)
ماتحت تھا۔ ترائین میں فساد ہوا تو یہ کھیدہ رام پور بھیجدیا گیا اور اسکی
نی بھی علی بخش خاں کے سپرد ہوئی۔
یدہ ۱۶۔ ستمبر ۱۸۵۸ء سے فروری ۱۸۵۹ء تک رام پور میں رہا۔
ن بو صاحب سے اسکے متعلق رات دن خط کتابت رہتی تھی۔
د آباد میں امن ہونے کے بعد نینی تال سے کمشنر صاحب مع کل یورپین کے آئے
ب خلد آشیاں ولی عہد تھے وہ مع فوج کے کالاڈھونگی سے ان کو لائے تھے۔
ب فردوس مکاں مع فوج کے ڈروہیال تک تشریف لے گئے تھے۔
د آباد میں یعقوب خاں صاحب رسالدار ولسن صاحب کے اصطبل میں گھوڑے
ھور رہے تھے۔ اتنے میں ولسن صاحب آگئے۔ یعقوب خاں کو گرفتار کرلیا اور
تم باغیوں کے شریک تھے۔ نواب فردوس مکاں کو خبر ہوئی علی بخش خاں کو بھیجا
وہ اسن کو چھڑاکر لائے۔
ہیلکھنڈ میں جب انگریزی تسلط تمام وکمال ہوگیا تو ۱۹۔ نومبر ۱۸۵۹ء کو گورنر
رل نے فتح گڈھ میں غدر کی خیر خواہیوں کے خدمات کا اعتراف کرنے کے لئے
لیشان دربار کیا۔ نواب فردوس مکاں کی امداد کا بہت اعتراف کیا۔ ملکۂ معظمہ
طرف سے شکریہ ادا کیا۔ علاقہ انگریزی میں سے ملک کاٹ کر شامل ریاست کیا۔
لامی بڑھی۔ خلعت ملا۔ اسی دربار میں گورنمنٹ کی طرف سے ایک خلعت مع تلوار
طلائی گھڑی کے علی بخش خاں کو عطا ہوا۔ تین ہزار چودہ روپے سالانہ کی جمع
علاقہ ضلع مرادآباد میں دیا جسکی باقاعدہ سند ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۶۰ء میں جاری
ہوئی قبضہ اسی وقت سے ہوگیا تھا۔
ی بخش خاں کی خدمات کی بابت مسٹر ہنری رامزے (Henry Ramsay)

کمشنر کمایوں نے اپنی تحریر مورخہ ۲۶۔ اپریل ۱۸۵۹ء میں جو کچھ لکھا ہے اسکا یہ خلاصہ ہے :۔

"علی بخش خاں نواب صاحب رام پور کے دست ہیں ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء کے ہنگامہ میں کسی یورپین کی خاصی طرفداری بھی نہایت خطرناک تھی۔ اس خطرِ عظیم میں یہ اپنے آپ کو مبتلا کر کے اپنے آقا کی طرف سے روپیہ اور نہایت اہم خبریں لیکر نینی تال آئے۔ وہ مستحق ہیں کہ ہر یورپین ان کی عزت اور قدر کرے۔"

مسٹر آر۔ الگزینڈ کمشنر بریلی اپنی تحریر مورخہ یکم اپریل ۱۸۵۹ء میں لکھتے ہیں :۔

"علی بخش خاں رام پور خاص کے تحصیلدار ہیں۔ نواب صاحب رام پور کے نہایت ہی معتمد نائب ہیں۔ انھوں نے منجانب نواب صاحب رام پور اور بحیثیت ایجنٹ گورنمنٹ ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء میں میری پبلک خدمتیں خوب داکیں انھوں نے اپنے آپ کو شجاع۔ مستقل ارادہ اور پیش بین ثابت کیا۔

میں جب نینی تال میں پناہ گزیں تھا میں نے وقتاً فوقتاً ان سے سامان منگایا۔ اور اِس لئے میں اِن کا شکرگزار ہوں۔ مجھے امید ہو کہ نواب صاحب رام پور ان کو اسلحہ سے مستثنیٰ رکھیں گے۔ میں نے اِن کو تحفۃً ایک ریوالور دیا جس کی بابت اُن سے کوئی سوال نہوگا۔ میں ہر ایک انگلش افسر سے سفارش کرتا ہوں کہ جب یہ میرا نوٹ پیش کیا جائے تو ان کی قدر کریں۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں اور ان کی ترقیاں سُنکر ہمیشہ خوش ہونگا"

نواب فردوس مکاں نے بھی خلعت عطا کیا اور بموجب پروانہ نمبری (۱۱۴۱) مورخہ ۱۵۔ اگست ۱۸۶۲ء مواضعات ذیل واقع ضلع مراد آباد عطا کئے۔

حقیت موضع سیملی۔ حقیت بھوالپور۔ حقیت عمرپور کا نگو عرف گوہرپور۔ حقیت گنگداس پور۔ حقیت ہری پور۔ حقیت بابوکھیڑہ۔ حقیت ڈھکیا سار اضی ملک گوارہ۔

موضع رتوپور جاگیر معافی۔
اس کے علاوہ موضع نرندپور زمینداری کا خریدکردہ ریاست میں انگریزی سے منتقل ہوا تو اس کی جمع بھی معاف فرمادی۔
نواب فردوس مکاں کی جو عنایت اُن پر تھی اس کا بیان محال ہے۔ ۲۲۔شوال ۱۲۷۱ھ کو جناب نواب فردوس مکاں کا انتقال ہوا۔علی بخش خاں پر یہ وقت سخت مصیبت کا تھا۔
رئیسوں کی حیات میں ان کی اولاد کو اہلکاروں سے کم زیادہ ناخوشی رہتی ہے۔ اس کے اسباب عیاں ہیں۔اگر اولاد کی منشا کے موافق تعمیل کی جائے تو رئیس مشکوک اور آقا کو خوش رکھا جائے تو اولاد ناراض۔نواب خلد آشیاں مسند نشین ہوئے۔علی بخش خاں سے بدرجہ کمال تکدر تھا۔عام طور پر خیال تھا کہ اب ان کی خیر نہیں ہے۔علی بخش خاں نے مسند نشینی کی نذر کے وقت عرض کیا کہ ملازم کا خاصہ شمشیر برہنہ کا سا ہوتا ہے جس کے قبضہ میں ہو اُس کی ساتھی ہے۔جب تک نواب فردوس مکاں زندہ تھے آپ سے غرض نہ تھی اب آپ مالک ریاست ہیں تو آپ کی اولاد سے غرض نہ ہوگی۔
نواب خلد آشیاں ارسطوئے زمانہ تھے۔وہ تکدر ہی برطرف نہیں ہوا بلکہ الطاف وکرم کا دریا بہا دیا۔
نواب فردوس مکاں کے انتقال کے بعد تین سال تک زندہ رہے۔باوجود نواب خلد آشیاں کے الطاف وکرم کے لطف زندگی جا رہا تھا۔درد گردہ کا دورہ ہوتا تھا۔اخیر میں حرقت مثانہ کی تکلیف بڑھ گئی۔قدیمی چاندی خانہ کے اوپر حضور تحصیل تھی۔وہیں شب و روز رہتے تھے۔بحالت علالت دو بار نواب خلد آشیاں عیادت کو تشریف لائے۔ایک بار فرمایا کہ اگر باہر سے کسی طبیب کو بلانا ہو تو بلا لیا جائے

عرض کیا کہ حکیم علی حسین خاں مرحوم لکھنوی کو طلب فرما لیا جائے۔
یہاں سے سواری باربرداری لکھنؤ کو بھیجی گئی اور وہ بسواری ڈاک پالکی تشریف لے آئے۔ حکیم صاحب موصوف کی بابت محض بربنائے نفس پرستی ایک رکن ریاست نے بدگوئی کرکے نواب خلد آشیاں کو برہم کردیا تھا۔ حکیم صاحب موقوف ہو کر لکھنؤ چلے گئے۔ اب واپسی پر سرکار کو سازش بھی کھل گئی اور اس حیلہ سے وہ پھر ملازم ہو گئے۔
حکیم صاحب موصوف نے بھی علاج کیا مگر وہ مرض موت تھا۔ محرم کی دوسری تاریخ ۱۲۸۱ھ کو انتقال ہوا۔ مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار میں دفن ہوئے۔ نواب خلد آشیاں نے تجہیز و تکفین کے لیے پانچسو روپے بھیجے اور خود مزار پر فاتحہ خوانی کو تشریف لے گئے۔ لوح مزار پر یہ تاریخ کندہ ہے:

علی بخش خاں گشتہ جنت پناہ — ز دنیا گرفتہ سوئے خلد راہ
پئے مغفرت سال رحلت بخواں — بآل علی بخش بار الٰہ

علی بخش خاں کو انگریزی نہیں آتی تھی۔ انگریزی حکام ضلع بریلی، بدایوں اور بجنور کے اردو کی تحریریں بھیجتے تھے۔ یورپین افسروں میں ان کے دوستوں کا حلقہ وسیع تھا۔ گورنمنٹ کی خدمات کے علاوہ ان کے ذاتی کاموں کو بھی دوستانہ طریقہ پر انجام دیتے تھے۔ کوئی صاحب تلوار کا سامان بنواتے ہیں۔ کوئی نمدہ منگاتے ہیں۔ کوئی چھڑیوں کی فرمایش کرتے ہیں۔
رامزے صاحب کمشنر کمایوں اپنی طولانی تحریر مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء میں لکھتے ہیں کہ راجہ سودرسن ساہ بہادر والی گڑھوال کے مرجانے سے سابق کی سند کے ذریعہ سے گورنر جنرل نے راج کو خالی ٹھہرایا تھا لیکن بنظر پرورش و خیر خواہی راجہ مرحوم کے لاٹ صاحب بہادر نے گڑھوال کا راج بڑے بیٹے کنور بھگوان سنگھ صاحب

کے نام انہ سر نو مرحمت فرمایا۔ اسکے بندوبست اور راجہ کو مسند نشین کرنے کو میں ٹھیری کو جاتا ہوں۔ کل نواب صاحب کو بھی اس کی اطلاع دی ہے۔ اور دو ہزار کی آتشبازی کے لئے لکھا ہے۔ لیکن اب تین ہزار کی آتشبازی کی ضرورت ہے اور یہ سامان ۱۶۔ اکتوبر ۱۸۴۸ء کو دیرہ دون پہونچ جاے۔ چنانچہ یہ سامان آتش بازی مع آتش بازوں کے بہمراہی اپنے فرزند دوم محمد محمود علی خاں صاحب سالدار مرحوم روانہ کیا۔ یہ سامان ٹھری میں وہ لیکر گئے۔ اس زمانہ میں ٹھری کی آبادی بہت قلیل تھی۔ کئی ہمراہی آدمی وہاں مرگئے۔

اسی طرح مختلف واقعات اور کاموں کی بابت جیمس کالون (J. Colvin) اسسٹنٹ مجسٹریٹ مرادآباد و لسن صاحب اسپشل کمشنر (J. Cracroft wilson) میم صاحبہ الگزنڈر صاحب کمشنر (C. S. Alexander) کپتان رابرٹن صاحب ملیٹری پولس مرادآباد (F. A. Roberton) مسٹر بیٹن (Batten) جوئنٹ اسسٹنٹ کمشنر کماہوں۔ ولیم جانسن (W. Johnson) ڈپٹی مجسٹریٹ۔ مسٹر بارویل (Barwell) ایجیٹن روہیلکھنڈ ہارس۔ کپتان براس کین صاحب (R. Braskean) افسر رجمنٹ دویم سکھ پلٹن کارمیکل صاحب ڈپٹی کلکٹر (Carmicheal) ولیم صاحب (Williams) کمشنر میرٹھ الگزنڈر شکسپیر (A. Shakespear) جج مرادآباد۔ مسٹر الیٹ کالون (E. Colvin) سینیر اسسٹنٹ بہا بر ترائین۔ کرنل بریند صاحب (Col. Brand) کرنل توپخانہ۔ کپتان ہنٹر صاحب (Hunter) روہیلکھنڈ ہارس۔ مسٹر تھارن ہل (Thorn hill) وغیرہ بہت سے افسروں کی تحریریں موجود ہیں ایک تحریر میں کپتان کراسمن کمانڈنگ روہیلا ہارس لکھتے ہیں کہ آپ کو بخوبی روشن ہے کہ فرخ آباد میں میں نے کیسا کام کیا۔

ساہو لچھمی نرائن ساکن بریلی نواب صاحب کے مکانوں میں عرصہ سے رہتے ہیں
اگر ان کو بیچنا منظور ہو تو ساہو مذکور سے قیمت لے لیجائے آپ سرکار میں
سفارش کریں۔

علی بخش خاں کی خدمات کا حال ریاست کے دفتروں سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہی
جو چند کاغذات میرے قبضہ میں ہیں اُن سے ملخص کرکے یہ حالات لکھے ہیں۔
بعض انگریزی تحریروں اور پروانوں کی نقل شامل کردی ہے تاکہ ان سے
خدمات کا اندازہ ہوسکے۔

جس زمانہ میں انگلز بیڈ صاحب کمشنر بریلی اور دیگر یورپین نینی تال میں پناہ
گزیں تھے وہاں کمشنر صاحب موصوف نے اُردو بھی سیکھنا شروع کردی۔
ایک پرچہ اُردو زبان کا انکے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی جسکا عکس اس کتاب میں ملیگا۔
یہ ایک واقعہ تاریخی ہی اس لیئے عکس شامل کردیا ہی۔

علی بخش کو سلام بانسدان داب صاحب کی وا لکھی بھیجا
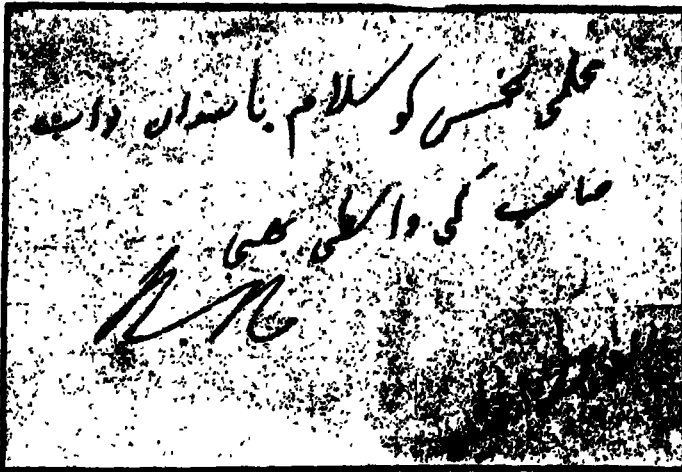
نقل سارٹیفکٹ و پروانجات متعلق علی بخش خانصاحب مرحوم

Certificate by Mr. R. Alexender
Commissioner of Rohilkhand
Dated april 1st 185 .

Ali Baksh Khan is the Tehsildar of Rampur Khas. He is one of the most Confidential agent of the Nawab of Rampur. He made him-self of the greatest public service to the Nawab and to me as the agent of the Government in the year 1857/58. He showed himself brave resolute and Careful. He was occassionally employed by me in procuring articles necessary to me when a refuge at nainital for which I feel as I ought to be grateful, as I Know him to be one who will be expected by the Nawab and entrusted with arms. I have presented him with a Deane & Adams Revolver, and mention this last his having it should be questioned. I commend him to the notice and Consideration of any English officer to whom this note may be presented, and I take leave of him as of one of whose welfare I shall

Certificate by Mr. Henry Ramsay
Commissioner of Kamaon
Dated 26 April 1857.

Ali Baksh Khan was the Rampuri nawab right hand man, during the year of 1857/58, when it was dangerous to show the slightest partiality to Europeans.

Ali Baksh at great risk came up to Nainital with money & important intelligence from his master and he is entitled to respect and consideration from all English gentlemen.

سند عطائے جاگیر منجانب برٹش گورنمنٹ

سنہ ۱۸۵۹ء

ممالک مغربی شمالی

مہر محکمہ صدر بورڈ

Sanad

In consideration of the good services by Ali Baksh Khan Tahsildar of Rampur territory resident of Moradabad the Government north west provinces has been pleased to grant to the said Alli Bakoh Khan property right subject to payment of revenue now and hereafter of the following estates in the Moradabad district.

District	Pargana	Names of villages	Jama	Date of Expiry of settlement
Moradabad	Hasanpur	Jarrah	712. 0. 0	
Do.	Do	Patti Jaitaly 14 Bis.	1127. 3. 4	
Do.	Do.	Gangachalu 2 Mozad	825. 0. 0	
Do.	Do.	Nazirpur Patti 5 Bis.	350. 12. 0	

Total 2014. 15. 4

Board of Rcocnue
N. W. P.

Allahabad
The 26 Mool

Certificate of H.E the Commander in Chief

Camp Dhamora

Dated 18th Febry 1857

Ali Baksh Khan Tehsildar of Kumorah Dhamora has been in attendance on me to-day and has furnished supplies of good quality for the Camp of H.E The Commander in Chief.

Lieutent. H. A. Bradford 36 Regt:

Dated 18 Feby: 1857

Ali Bux Khan Tehsildar of Rampur (Nawabee) has paid me a visit and as he was very active in the discharge of his duties and decidedly a very worthy man in every respect.

Brigadier General Jones C. B.
Commandent Roorki Field Force

Dated 4th May 1858

Brigadier General Jones C.B. Comdt. Roorki Field Force has much pleasure in acknowledging the services of Ali Baksh Khan Tehsildar of Rampur during the passage of the Column through the teritory of His Highness the nawab of Rampur. The troops were furnished with every thing required in the way of supplies and the Brigadier General is much indebted for the exertions of Ali Baksh in removing the timbers of the bridge Kosee to Meerganj.

Letter of A. F. P. Harcort

Bareilly, August 27th 58

My dear Sir,

I have to thank you very much for your kind offer of horses to ride in Moradabad, but on account of rain, I think I must go Palki-dak and so now will not trouble you. I start this evening & may perhaps meet you at Rampur.

تحریر کپتان کراسمین کمانڈنگ روہیلا بارس

مورخہ ۶- اکتوبر ۱۸۵۸ء

خانصاحب مہربان علی بخش خاں صاحب سلمہٗ۔
بعد سلام شوق کے واضح ہوا ایک ضرب پستول کہ جو بہمہ صفت موصوف ہے براہ محبتانہ واسطے تمہارے روانہ کرکے قلمی ہے کہ راہ دوستانہ سے اس کو اپنے پاس رکھیں اور رسید سے مطلع کریں۔
دیگر خط کپتان کراسمین کمانڈنگ روہیلا بارس مورخہ ۱۲- اگست ۱۸۵۸ء
خاں صاحب مہربان علی بخش خانصاحب سلمہٗ۔ بعد سلام شوق کے واضح ہو خط مرسلہ آپ کا مع ۳۶ نفر سوار مع ایک جمعدار کے وصول ہوا باعث خوشی کا ہوا۔ آپ کو واضح ہوگا کہ درخواست مخلص واسطے پنجاہ سوار اور ایک جمعدار کے تھی۔ کو تھو دفعدار کی طلبی میں آپ کو نہیں لکھا تھا۔ اب ہمراہ سواروں کے آپ نے کوتھو دفعدار روانہ کیا ہے۔ اور یہاں رجمنٹ میں عہدہ کوتھو دفعداری کوئی بھی خالی نہیں ہے اسلیئے رکھنے عہدہ کوتھو دفعداری سے درجہ مجبوری ہے۔
اس معاملہ میں جیسا مناسب تصور ہو عمل میں لاویں۔ اور چونکہ سو سواران طلبیدہ مخلص ہیں ۳۶ سوار آپ نے روانہ کئے ہیں ۶۴ سوار اور باقی رہے ہیں۔ لازم ہے کہ راہ مہربانی سے ۶۴ سوار وہ بھی بھرتی فرماکر جلد روانہ فرماویں۔ کسواسطے کہ مخلص کو ضرورت سواران کی بہت ہے۔
اور گھوڑے جو کچھ اور آپ نے خرید کرلئے ہوں اُن کو بھی بھیجدیویں۔
اور حضرت نور خاں مغل بندہ وہ رام پور میں ہے یہاں نہیں ہے اُسکو گرفتار کرکے روانہ فرماویں۔

پروانهٔ مہری و دستخطی امیر الدوله ضیاء الملک نواب محمد محمود خان صاحب بہادر مظفر جنگ

مورخهٔ ۱۴ ربیع الثانی سنه ۱۲۵۱ھ

رفعت و عوالی مرتبت علی بخش خان حفظه الله تعالی

چوں از قدیم الایام جمله امور متعلقه بحضور نواب امیر الامرا نجیب الدوله غلام معین الدین خاں بہادر ثابت جنگ مرحوم والد ایں جانب بدیانت و امانت طوریکه بباید بتقدیم رسانیده و والد مرحوم از ایشان راضی و خوشنود ماندند باین جانب نیز ثابت و متحقق - و دیانت داری ایشاں دیده و جمله حساب والد خود فہمیده لہذا بعهدهٔ مختاری سرکار خود ایشاں را مقرر نموده شد و باطلاع تقرر ایشاں باین عهدهٔ خط بخدمت صاحب کمشنر بہادر ہم ابلاغ یافته لازم که باطمینان تمام بکار متعلقه مامور و سرگرم بوده جمله امورات ایں سرکار بانجام رسانند بهر نوع در ہر یک امور ساخته و پرداخته ایشاں منظور خاطر ایں جانب است۔ دریں باب تاکید مزید دانسته حسب المسطور بعمل آرند۔

پروانهٔ جناب نواب سید محمد یوسف علیخاں صاحب بہادر فردوس مکاں از اول تا آخر خط ہمایوں است مورخه غره محرم سنه ۱۲۶۵ھ

۶ ۱۸۴۸

خان عزیز القدر شجاعت نشاں علی بخش خاں بعافیت باشند۔

امروز که یوم سه شنبه تاریخ غرهٔ محرم ست حسین بخش بضرورت کارے روانه لکھنو گردید و کار و بار اینجا ہمه خراب افتاده است ایشاں را باید که بلا توقف ساعتے خود را درینجا رسانند و تاکید بسیار دانسته تاخیر یک لحظه جائز ندارند و یقین کلی است که از کار ہائے آنجا فراغت ہم حاصل شده باشد و اگر چیزے باقی خواهد بود از اینجا نموده خواهد شد۔

پروانہ جناب نواب سید محمد سعید خانصاحب بہادر جنت آرامگاہ مع مہر و دستخط انگریزی

مورخہ ۱۷۔ رمضان ۱۲۶۶ھ ۱۸۴۹ء نمبر ۶۱

رفعت و عوالی مرتبت عزیز القدر گرامی نش علی بخش خاں خانساماں ولیعہد بہادر حفظ اللہ تعالیٰ۔
حسب گزارش ولی عہد بہادر دریافت شد کہ ولی عہد بہادر انتظام جملہ امورات
علاقہ مالگذاری خود تفویض ایشاں نمودہ اند و ایشاں سرانجام علاقہ مالگذاری شان
چہ بابت افزونی ابادی و تکسیر چین و تردد و چہ تحصیل زرباقی از کاشتکاراں بلاجبر
و تشدد بر احدے باحسن وجوہ نمودند و بخوبی زرجمع سرکاری ادا و بیباق کردند
ازینمعنی مزاج حضور از کارگزاری و حسن لیاقت ایشاں راضی و خوشنود
گردیدہ اطلاعاً قلمی یافت باید کہ پروانہ ہذا را بطور سند نیکنامی نزد خود دارند۔

پروانہ جناب نواب سید محمد خانصاحب بہادر جنت آرامگاہ مع دستخط بخط

انگریزی و مہر خرد ۱۸۵۱ء مورخہ ۱۰۔ رمضان ۱۲۶۷ھ نمبر ۶۹

رفعت و عوالی مرتبت عزیز القدر گرامی نش علی بخش خاں خانساماں ولیعہد بہادر حفظ اللہ تعالیٰ
ازآنجا کہ ایشاں بذریعہ ٹھیکہ سائر و نیم محال ادائے زرجمع مال واجب سرکار بموجب
اقساط معینہ بروقت و بلاعذر و بلا طلب ادا و بیباق کردند و ہم انتظام و سرانجام
علاقہ مسطور چنانکہ باید و شاید نمودند از حسن سرانجام کاری و خوش معاملگی و خوش
دہندی ایشاں مزاج حضور بسیار راضی و خوشنود گردید۔ قلمی میگردد کہ ایشاں
پروانہ ہذا را بطور سند نیکنامی نزد خود دارند۔

پروانہ جناب نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں

مورخہ ۱۸- رجب ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۵ء نمبر ۱۔

رفعت و عوالی مرتبت گرامی منش علی بخش خاں حفظ اللہ تعالیٰ۔
از آنجا کہ تحصیلداری جدید پرگنہ سیگن کھیڑہ تجویز گردیدہ لہذا حسب روبکار امروزہ ایشاں را بعہدۂ تحصیلداری پرگنہ مذکور مقرر کردہ شد قلمی میگردد کہ دہا نیکہ از پیشتر تعہد آں بنام حضور بودہ است متعلق ایشاں کردہ شدند منجملہ آں دہا تیکہ بنام کنکنہ داران مشخص ہستند بخانہ مالگذاری نام کنکنہ داراں و بخانہ مال ضامن نام ضامنان شان مندرج سازند۔ و دہا تیکہ خام تحصیل ہستند آنہا را خام تحصیل دارند و سرانجام کار متعلقہ تحصیل دہات مذکور مینمودہ باشند۔

پروانہ ایضاً مہر خاص خود و دستخط خاص جناب نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں مورخہ یکم جولائی سنہ ۱۸۵۵ء نمبر ۲ ۱۲۷

رفعت و عوالی مرتبت گرامی قدر شیخ علی بخش خاں بعافیت باشند۔
از آنجا کہ ایشاں از روز ملازمی تا حال یعنی من ابتدائے سنہ ۱۲۵۹ھ لغایت دوازدہم رجب سنہ ۱۲۷۱ھ کار مفوضہ خود تحویل زیور۔ و پارچہ و پشمینہ و نقدینہ و متفرقات و تحصیلداری و سائر و عمارت۔ و دو آب بدیانت و امانت و مستعدی تمام بانجام رسانیدہ الحال کہ ترتیب و تہذیب جمع خرچ از ابتدائے لغایت حال بمیان آمدہ از ملاحظہ آں نوعے تفاوت و تجاوز در کدامی امر گاہے بظہور نہ پیوستہ دریں صورت مزاج ایں جانب از دیانت کارگزاری ایشاں بسیار راضی و خوشنود گشت و چونکہ الحال مواخذہ و محاسبہ و مطالبہ

کدام نہج من ابتدائے ملازمی لغایت آخر مارچ ۱۸۵۵ء مطابق دوازدہم
رجب ۱۲۷۱ھ ایام قبل از اجلاس حضور بمسند ریاست از ایشاں باقی نماندہ
لہذا پروانہ ہذا بطور سند کارگزاری و نیکنامی بایشاں مرحمت گردیدہ قلمی میگردد
کہ آیندہ را نیز ہمیں نمط بدیانت و ہوشیاری و مستعدی تمام کار سرکار انجام
میدادہ باشند و مزاج حضور را متوجہ حال خود شناسند۔

پروانہ جناب نواب سید محمد یوسف علی خانصاحب بہادر فردوس مکاں

مورخہ ۲۰-اگست ۱۸۵۵ء نمبر ۷۲

رفعت و عوالی مرتبت گرامی منش شیخ علی بخش خاں تحصیلدار سنگین کھیڑہ بعافیت باشند
حسب روبکار امروزہ لالہ جواہر لال تحصیلدار حضور تحصیل را بجائے لالہ مہیکا رام
تحصیلدار بلاسپور مقرر کردہ شد و ایشاں را بجائے تحصیلدار حضور تحصیل و بجائے
ایشاں برخوردار محمد سعید اللہ خاں بہادر را بعہدہ تحصیلداری مقرر کردہ شد
قلمی میگردد کہ ایشاں کاغذات حضور تحصیل از لالہ جواہر لال بگیرند۔ و کاغذات
تحصیل سنگین کھیڑہ تفویض برخوردار محمد سعید اللہ خاں بہادر نمایند و بکمال
مستعدی و ہوشیاری انجام کار حضور تحصیل میکردہ باشند۔ و برخوردار
موصوف را نگارش رفتہ است کہ کار متعلقہ خود بتبعیت ایشاں میکردہ باشند
لازم کہ ایشاں کار تحصیلداری سنگین کھیڑہ از برخوردار مذکور سرانجام
میکنانیدہ باشند و جوابدہی آں بابت ہر یک امور بذمہ خود دانند۔

پروانہ جناب نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں

دوم جون ۱۸۵۵ء نمبر ۱۴۶

رفعت و عوالی مرتبت شیخ علی بخش خاں حفظہ اللہ تعالیٰ۔
از آنجا کہ مبلغ شش ہزار روپیہ بابت قرضہ سرکار بذمۂ ایشاں باقیست لہذا حسب روبکار امروزہ بنظر پرورش ایشاں از قرضہ مذکور معاف کردہ شد اطلاعاً بایشاں نگارش رفت۔

ایضاً مورخہ ستمبر ۱۸۵۶ء نمبر ۱۶۸

رفعت و عوالیمرتبت گرامی منش شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشندہ حسب الحکم امروزہ قلمی میگیرد کہ ایشاں بتاریخ یکم ہر ماہ آیندہ ملاحظہ کارخانہ جات مفصلہ ذیل بحضور میکنانیدہ باشند۔ فیل خانہ۔ شتر خانہ۔ گاؤ خانہ۔ اصطبل۔ تازی خانہ۔

پروانہ جناب نواب سید محمد یوسف علی خانصاحب بہادر فردوس مکاں

مورخہ ۱۵۔ نومبر ۱۸۵۵ء نمبر ۴۸۲

رفعت و عوالیمرتبت گرامی منش شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند امروز توزیع حضور تحصیل مع توزیع محال سیگن کھیڑہ کہ انصرام تحصیل محال مذکور نیز تعلق ایشاں است بملاحظہ در آمد چوں در توزیع حضور تحصیل کہ قسط ماہ کنوار ۱۲۶۳ فصلی بہ تعداد مبلغ بست و دو ہزار پانصد ہفتاد و دو روپیہ بودہ است صرف مبلغ شش صد ہشتاد و چار روپیہ دوازدہ آنہ پائی بالا بہ قسط کنوار باقی مبلغ

یکہزار ہفت صد پانزدہ روپیہ ہشت نیم آنہ فاضل برآمدہ دراں باقی نیز مبلغ یکصد نود وہشت نیم روپیہ بعد تحریر توزیع و محصول و مبلغ دو صد و بست روپیہ عذری رہیں و مبلغ ہفدہ روپیہ ہشت آنہ عذری نفادی صرف اصل باقی بہ بعداد مبلغ یکصد و چہل وہشت روپیہ دوازدہ آنہ پاؤ بالا در حضور تحصیل برآمدہ و اینقدر باقی نہایت قلیل است و دال بر محنت و جانفشانی و کارگزاری ایشاں است و صرف مبلغ یکصد و ہفتاد و سہ روپیہ سہ آنہ در محال سینگن کھیڑہ باقی است دریں صورت از محنت و کارگذاری ایشاں مزاج ایں جانب خوشنود گردید قلمی میگردد کہ آیندہ را نیز بہمیں عنوان کاربند باشند و آنچہ در محال سینگن کھیڑہ در حضور تحصیل باقی ست فوراً بمعرض ایصال در آرند۔

پروانہ جناب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں

مورخہ ۶- نومبر ۱۸۵۶ء نمبر ۲۸۰

رفعت و عوالی مرتبت گرامی منش شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل حفظ اللہ تعالیٰ امروز در اصل باقی سال تمام ۱۲۶۳ فصلی بابت محالات مشخصی ملک رام پور مرتبہ عمو صاحب محمد عبد العلی خاں بہادر بملاحظہ در آمدہ دریافت شد کہ منجملہ سہ لکھ سی و سہ ہزار ہفتصد ہفتاد و چار روپیہ شش نیم آنہ پاؤ بالا جمع سال تمام علاقہ مفوضہ ایشاں سہ لکھ پنجدہ ہزار ہفتصد و پنجاہ و سہ روپیہ نیم آنہ پاؤ بالا نقد وصول شدند۔ و نسبت پانزدہ ہزار و بست و یک روپیہ شش آنہ بیباقی داخل گردیدند۔ دریں صورت از حسن مساعی ایشاں زرمال واجب کار بخوبی وصول گردیدہ و باقی قلیل و صول طلب ماند۔ لہذا از حسن کارگزاری ایشاں مزاج حضور بسیار راضی و خوشنود است۔

پروانہ جناب نواب سید محمد یوسف علی خانصاحب بہادر فردوس مکاں

مورخہ ۱۸ - مئی ۱۸۵۷ء نمبر ۲۶۱

رفعت و عوالیمرتبت گرامی منش شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند عرضی دیوان جانکی پرشاد معروضہ چہاردہم ایں ماہ مشعر نافذ گردیدن حکم حضور کہ رقعجات مصارف صاحبزادہ فدا علی خاں بہادر روبروی شان مزین بصاد گنانیدن ضرورت ندارد۔ مہر یا دستخط ایشان بر ہر رقعہ کنانیدہ مجرا دادہ باشند و ایشان مسندعی پروانہ اسمی خود اند۔ لہذا پروانہ در بار ثبت کردن مہر یا دستخط خود بر مصارف صاحبزادہ مسطور از سابق و آیندہ نافذ شود۔ بملاحظہ گذشت قلمی میگردد کہ حسب استدعاے دیوان بر مصارف صاحبزادہ مسطور مہر یا دستخط ثبت کردہ باشند۔

پروانہ جناب نواب سید محمد یوسف علیخانصاحب بہادر فردوس مکاں

مورخہ ۹ - مارچ ۱۸۵۹ء نمبر ۸۴

رفعت و عوالیمرتبت گرامی منش شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند بملاحظہ توزیع ماہ مانگہ سنہ ۱۲۶۶ فصلی بابت علاقہ حضور تحصیل دریافت گردید کہ ایشان صرف مبلغ ہشتاد روپیہ دوازدہ نیم آنہ پاؤ بالا در توزیع مذکور باقی نوشتہ اند دریں صورت بنظر بودن باقی قلیل مستعدی و کارگزاری ایشان بہ تحصیل زر مالگذاری پیداست لہذا کارگزاری و مستعدی ایشان بہ تحصیل زر مالگذاری مزاج ایں جانب راضی و خوشنود است۔

پروانہ جناب سید محمد یوسف علی خانصاحب بہادر فردوس مکان

مورخہ ۱۹ جولائی ۱۸۵۹ء نمبر ۲۰۵

رفعت و عوالی مرتبت گرامی قدر شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند۔
بملاحظۂ نمبر اول خانۂ دوم گوشوارہ واصل باقی سال تمام ۱۲۶۶ فصلی بابت
ملک رام پور گزرانیدہ واصل باقی نویس صدر بوضوح انجامید کہ محالات
تحصیل ایشاں کہ جمعے قریب پنج لکھ روپیہ اند باوصف سفامت فصل ربیع بسبب
ژالہ زدگی سوائے زر مکتوبات مکفوسہ از دام و درم بیباق گردید۔ و علاوہ براں
از تحقیقات شستہ بدریافت رسید کہ بندوبست دہات خام تحصیل کہ تفویض
ایشاں شدہ بود تشخص آں بکمال احتیاط و خیر خواہی و تدابیر مناسبہ بجمع قریب
مبلغ دو نیم لکھ روپیہ کنانیدند۔ پس ظہور ایں جملہ امور باعث مزید لیاقت و حسن
کارگزاری و فرط خیر خواہی و کمال مستعدی ایشاں بکار تحصیل متصور شدہ
سبب وفور مسرت و رضائے ایں جانب گردید۔ لازم کہ بہمیں نمط ہموارہ بکار
سرکار مستعد و سرگرم باشند کہ موجب خوشنودی حکام و وسیلۂ بہبودی و فلاح
ایشاں است و پروانۂ ہذا را بطور سند کارگزاری نگاہدارند۔

پروانہ گورنمنٹ انگریزی دستخطی مولوی امداد علی ڈپٹی کلکٹر مراد آباد

مورخہ ۱۹ مئی سنہ ۱۸۶۰ء نمبر ۳۱۹

رفعت و عوالی مرتبت علی بخش خاں تحصیلدار رام پور عافیت سے رہو۔
جو کہ آج بدر بیشی مسل مقدمہ حکم عطائے دہات مفصلہ ذیل کا حکم صادر ہوا۔

گنگاچوبی پرگنہ حسن پور	جیتولی پرگنہ حسن پور	جیولہ پرگنہ حسن پور	ناظر پور پرگنہ مراد آباد
لمائعہ	المامہ	لماعہ	ماعہ

میزان جمع سمہ اور پروانجات بنام تحصیلداران مراد آباد اور حسن پور واسطے دلانے دخل دہات مذکور پر صادر ہوا۔ لہذا اطلاعاً آپ کو لکھا گیا۔

پروانہ ایضاً مورخہ ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۸۶۰ء نمبر ۲۴۹

رفعت و عوالی مرتبت گرامی قدر شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند عرضی ایشاں معروضہ دہم ایں ماہ مشعر عطا گردیدن نرند پور و بیا پور از سرکار دولت مدار جمعی یک ہزار یکصد روپیہ سالانہ عوض جاگیر تعدادی یکہزار پانصد روپیہ سالانہ با ایشاں بدر خواست مرحمت چہار صد روپیہ سالانہ بقیہ یکہزار پانصد روپیہ مذکور از سرکار نا میعاد بندوبست انگریزی موضع مسطور بملاحظہ رسید از انجا کہ ایشاں بایام غدر مراسم خیر خواہی و حسن کارگزاری و عرقریزی فراواں بکار ہائے سرکار بعمل آوردند کہ بجلدوے آں از سرکار ابد پائدار صاحبان عالیشان انگریز بہادر بہم مورد عطائے خلعت و زمینداری گردیدند و از ایں سرکار بہم پرورش و پرداخت ایشاں بعطائے خلعت و معافی لائق حاصل یکہزار پانصد روپیہ سالانہ بعمل آمدہ۔ چنانچہ در دوبست بسوہ موضع نرند پور و بیاپور مشمولہ

تحصیل شاہ آباد (ریاست رام پور) کہ از سابق بذریعۂ زمینداری مقبوضۂ ایشاں است برائے دوام عنایت کردہ شد و چوں جمع موضع مذکور فی الحال یکہزار یکصد روپیہ سالانہ مقرراست لہذا تا میعاد بندوبست انگریزی موضع مذکور ہر قدر کہ باقیست عوض کمی از تعداد مذکور الصدر سوائے حاصلات دیہ معافی مذکور چہار صد روپیہ سالانہ از خزانۂ سرکار دولت مدار ایشاں خواہند یافت۔ بنابراں حسب الحکم روبکار امروزہ پروانہ بنام دیوان برائے دادہ ماندن چہار صد روپیہ سالانہ از سرکار تا میعاد بندوبست موضع مذکور اجرا یافت ایشاں زر مذکور وصول کردہ باشند و بعد میعاد بندوبست دیہ مذکور عوض جمع یکہزار پانصد روپیہ در معافی ایشاں قرار یافت اطلاعاً قلمی شد۔

پروانہ جناب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں مہری و دستخطی خاص مورخہ ۱۹۔ صفر ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۸۶۲ء نمبر ۱۸۹

رفعت و عالیمرتبت گرامی نش علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند از انجاکہ آں عالی مرتبت ملازم قدیم ایں سرکار بوجہ حسن لیاقت و کارگزاری و دیانت۔ و ہوشیاری و مستعدی بعہدۂ تحصیلداری مامور بودہ لوازم خدمت حسب دلخواہ حضور بجا آوردند خصوص در ایام غدر کہ افواج نمک حرام در سال ۱۸۵۷ء برپا نمودہ بودند۔ مراتب خیرخواہی و وفاداری و لوازم اطاعت و انقیاد و بجا آوری خدمات باستقامت و صداقت و خلوص۔ و دلسوزی و جاں فشانی در محل خطر و زیان در آمد و رفتن کوہ نینی تال و سرانجام سامان رسد و انصرام امور فرمائشات و تکمیل احکام حکام۔ و نہائش و باز داشت کوتہ اندیشاں از مقاصد و گرد آوری کساں لائق کار برائے ملازمی سپاہ و گرفتاری باغیاں اطہر ستانی وغیرہ

امورات خیرسگالی واقدام درخطر از روئے کمال دلیری وتوانادلی بمقتضائے خیراندیشی روفاشعاری وسعی درحفظ اموررا نہ بحد کمال رسانیدند چنانچہ درجلدوئے ہمین حسن خدمات ازپیشگاہ جناب معلی القاب نواب گورنر جنرل بہادر مورد امتیاز بعطائے خلعت فاخرہ ودہات زمینداری شدند۔ لہذا از حضور نیز بجلدوئے ہمچو خدمات خیرسگالی باعلاوہ برعطائے خلعت تعدادی پنج ہزار روپیہ موضع رتوپورہ دیہ معافی دائمی وزمینداری مواضع بھوال پور وغیرہ ضلع مرادآباد حسب تفصیل ذیل بنابر مؤنت ودجہ معیشت ایشاں واولاد ایشاں عطاگشتہ سندآں جداگانہ عنایت شد۔ ومزاج حضور از حسن کارگزاری وخیرسگالی ہائے ایشاں خصوص ایام غدر بسیار راضی وخوشنود است۔ وپروانہ ہذا بطور سند کارگزاری وخیرخواہی ایام غدر بایشاں عنایت شد لازم کہ پروانہ ہذا را ذریعہ سود وبہبود خود دانستہ نزد خود دارند۔

معافی	دہات زمینداری	
موضع رتوپورہ ویکصد بیگہ خام از خرید از جانب برخوردار محمد کلب علیخاں ولیعہد بہادر۔ عسگہ	اراضی ملک گدارہ ا	
	عمرپور کانگو عرف گوہرپورہ	۲
	محمد پور	۲
	بھوالپور	۱۵ بسوہ
	احمدپور جونا شمول بھوال پور	۶ م
	سیملی	م
	گنگداس پور	م
	ہری پور	م
	دبوڈی اگن شمول ہری پور	م
	غالب پور	م
	موضع بابوکھیڑہ	۱۰ بسوہ
	موضع ڈھکیا	۱۰ بسوہ

پروانہ جناب نواب سید محمد یوسف علیخانصاحب بہادر فردوس مکاں

مورخہ ۱۵۔ اگست سنہ ۱۸۶۳ء نمبر ۱۱۴۲

رفعت و عوالیمرتبت گرامی منش شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند
حسب روبکار امروزہ مواضع نرندپور و دیاپور دہات جدید متعلقہ تحصیل شاہ آباد
عطیۂ سابقہ بایشاں بجلدوی خیر خواہی ایام غدر موافق درخواست ایشاں
بازیافت سرکار کردہ شدند و عوض آں دیہات زمینداری و معافی متعلقہ ضلع
مرادآباد ملکیت سرکار مفصلہ ذیل بنام ایشاں معاف کردہ شدند۔ و سندات از
سررشتہ دارالانشا جاری شد لہذا قلمی میگردد ایشاں مواضع زمینداری مصرحہ
ذیل را بنام خود معاف دانستہ از توزیع محال حضور تحصیل خارج گردانند و اندریں
مقدمہ پروانہ بنام سید مہربان علی تحصیلدار شاہ آباد حسب ضابطہ تحریر یافت۔

اسم	تعداد بسوات	اسم	تعداد بسوات
سیملی	۴	بہابہو کھیڑہ	۱۰ بسوہ
عمرپور گانگو عرف گوہرپور	۴	ڈبکیا	۱۰ بسوہ
گنگ داس پور	۴	اراضی ملک گروارہ	عسگہ
ہری پور	۴	رتوپورہ معافی ولیعہد بہادر مع ملک	
بہوال پور	۱۸ بسوہ	اراضی لاخراجی	
	قدیم ۱۰/۷ — از خرید حال ۱ بسوہ	واقع رتوپورہ	ما بیگہ خام
غالب پور	۲	از خرید ولیعہد بہادر	

پروانہ دستخط خاص جناب نواب خلد آشیاں از کلکتہ

۷- جنوری ۱۸۶۷ء

رفعت و عوالیمرتبت گرامی منش محمد علی بخش خان تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند
دیروز بتاریخ ۶- جنوری ۱۸۶۷ء بوقت نواخت دہ گھنٹہ روز دائرہ دولت
حضور مع الخیر داخل مقام کلکتہ گردید بعنایت ایزدی مزاج حضور بہمہ وجوہ
خوش و خورم است- امروز بتاریخ ۷- جنوری سنہ الیہ دو قطعہ عرضی ایشاں
مشعر حال خیریت و حسن انتظام آنجا و استجازت نسبت کنانیدہ شدن پردہ
زنانہ و بنا بر مرمت و درستی آتش خانہ کوٹھی طلائی بہ کنانیدہ شدن چیزے
سقف آں و خرید آلہ لعلٹین ہا برائے کوٹھی خورشید منزل موصول ملاحظہ
گردیدہ مسرور ساخت چو درستی آتش خانہ کوٹھی مذکور بخوبی مناسب است
لہذا قلمی میرود کہ معرفت نواب ناظر پردہ زنانہ کنانیدہ درستی آتش خانہ
کنانیدہ دہند . . . زیادہ چہ نگارش رود-

پروانہ ہنری رامزے صاحب بہادر کمشنر کمایوں مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء

رفعت و عوالی مرتبت گرامی قدر علی بخش خاں تحصیلدار رام پور بعافیت باشند جو کہ راجہ سودرسن ساہ صاحب بہادر والی گڑھوال کے انتقال ہو جانے سے سابق سند کی رو سے گورنر جنرل صاحب نے راج خالی ٹھہرایا تھا۔ لیکن بہ نظر پرورش و خیر خواہی راجہ صاحب مرحوم کے لاٹ صاحب بہادر نے راج گڑھوال کے بڑے بیٹے کنور بھگوان سنگھ صاحب کے نام از سر نو مرحمت فرمایا۔ اس بات کے بندوبست اور راج گدی بٹھانے کے واسطے ہم ٹہری کو جاتے ہیں۔ کل کے روز نواب صاحب بہادر کو بھی اطلاع اس بات کی دی گئی تھی لیکن اُس خط میں ہم نے دو ہزار روپیہ کی آتش بازی کیواسطے لکھا تھا۔ اب ہم کو تین ہزار روپیہ کی آتش بازی چاہیے۔ اور یہ چیز ۱۶۔ تاریخ ماہ اکتوبر سنہ الیہ کو مقام دہرہ دون میں پہونچا چاہیے۔ اسواسطے آپ کو لکھا جاتا ہے۔ آتش بازی کے معاملہ میں نواب صاحب بہادر سے عرض کر کے اور آپ بھی جلد بھیجنے کا بندوبست کرنا۔

اور جب آتش بازی روانہ ہوے اُس کے ساتھ ایک فرد بھی تعداد کی بھیجنا جس سے راستہ میں نقصان کا حال معلوم رہے اور آتشباز بھی ساتھ رہے۔

محمد اکبر علی خاں خلف اکبر محمد علی بخش خاں

نجیب آباد ضلع بجنور میں ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امیر الدولہ ضیاء الملک نواب محمد محمود خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے ساتھ شروع ہوئی۔ اس وقت تک نجیب آباد کی نوابی کا سامان تھوڑا سا باقی تھا۔ تعلیم کے لئے اچھے اچھے اُستاد موجود تھے۔ یہ خود بھی نہایت ذکی اور فہیم تھے۔ بہت جلد ترقی کی۔ علی بخش خاں صاحب ۱۳۰۹ھ میں رام پور میں ملازم ہوئے۔ تو یہ بھی باپ کے ساتھ رام پور آ گئے۔

رام پور میں فارسی جناب مولوی محمد عثمان خاں صاحب بہادر مدار المہام ریاست سے پڑھنا شروع کی۔ مدار المہام موصوف نے آپ کے لئے گلبن اکبر نامی کتاب تصنیف کی وہ طبع ہو چکی ہے۔ علمی لیاقت بہت اچھی تھی۔ فارسی نظم میں میر حسین تسکین دہلوی سے اصلاح لیتے تھے۔ اُردو نظم بطور خود لکھتے تھے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ فارسی نظم و نثر جمع نہیں کی۔ سنبھل میں شیخ عظیم اللہ مرحوم کی دختر سے عقد ہوا۔ ایک لڑکا ہوا اور صغیر السن مر گیا۔ ۲۰ شوال ۱۳۱۶ھ میں لاولد انتقال ہوا۔

اِن کی موت کے متعلق ایک بڑا راز ہے جنکو معلوم ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے وفادار نوکر بھی دنیا میں ہوتے ہیں۔

محمد اصغر علی خاں خلف دوم محمد علی بخش خاں

۱۲۹۸ھ میں نجیب آباد ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام مظہر حق ہے۔ ابتدائی تعلیم نجیب آباد میں شروع ہوئی۔ رام پور میں ۱۳۰۹ھ میں آئے۔ فارسی کتابیں ابتدائی مختلف لوگوں سے پڑھیں۔ انتہائی کتابیں جناب مولوی محمد عثمان خاں صاحب بہادر مدار المہام ریاست رام پور سے تھوڑی تھوڑی پڑھیں۔ اور تکمیل فارسی کی خلیفہ احمد علی صاحب مرحوم سے کی۔

عربی کی کتابیں چند اساتذہ سے پڑھیں واخیر میں عربی کا استفادہ حکیم مولوی محمد گل صاحب مرحوم ولایتی سے کیا۔
یہ حکیم صاحب گوالیار میں آپا صاحب کھنکے کے ہاں اطبا میں ملازم ہوگئے اور وہیں انتقال کیا۔
عالی جناب نواب یوسف علی خاں صاحب بہادر والیِ رام پور بعہد ولی عہدی روزانہ انکا سبق سماعت فرماتے تھے۔ اِس زمانہ میں گوٹے کی ٹوپیوں کا یہاں بہت رواج تھا۔ ایک روز گوٹے کی ٹوپی پہنکر سبق سنانے حاضر ہوئے۔
سبق کی سماعت کے بعد حضرت نواب صاحب نے فرمایا۔ اصغر یہ گوٹا ٹھپا پہننا ڈوم ڈھاریوں کا کام ہے۔ شریف استعمال نہیں کرتے ہیں۔ پھر کبھی کامدار ٹوپی نہیں پہنی۔
اصغر علی خاں کا حافظہ بہت قوی طبیعت رسا تھی۔ ایام طالبعلمی میں جن اشعار یا مضامین پر بحثیں ہوئی تھیں وہ اکثر یاد تھیں۔ کتاب بینی کا بہت شوق تھا۔
علم نجوم عربی اور ہندی میں بڑی مہارت تھی زائچہ خود بنا لیتے تھے۔ کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ جمع کیا۔ فقہ۔ حدیث۔ اور تفسیر کی کتابیں چند بار جمع کیں اور طلبا کو تقسیم کردیں۔ طب کی کتابیں بھی بہت جمع کیں اور انکا بھی مطالعہ کرتے تھے۔
حضرت مولانا محمد امیر شاہ صاحب سے بیعت ہوئی تو ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف ہوگئے۔ تہجد مرتے وقت تک ترک نہیں کیا۔ تصوف کی کتابیں زیادہ مطالعہ فرماتے تھے۔ ہر کام کے لئے اوقات مقرر تھے۔ آٹھ دس سال تک روزانہ بعد مغرب مثنوی مولانا روم کا درس ہوتا تھا۔ جناب سید حسن شاہ صاحب محدث مولوی ظہور الحق صاحب اور چند دیگر صاحب مذاق جمع ہوتے تھے دو دو بارہ گھنٹہ مثنوی پڑھی جاتی تھی۔ مطالب و نکات پر بحثیں ہوتی تھیں۔
کونسل آف ریجنسی ریاست رام پور میں قائم ہوئی تو اعلیٰ حکام سب

انگریزی داں تھے۔ ایک روز فرمایا یہ حکام باہم انگریزی میں بات چیت کرتے ہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا ہوں۔
گھنٹہ بھر کے لئے انگریزی پڑھنا شروع کی۔ ایک سال میں اخبار کا مطالعہ کرنے لگے اور روزانہ انگریزی اخبار پڑھا کرتے تھے۔
آپ کی عادت تھی کہ کسی شخص کی تقریر کی تردید نہیں کرتے تھے خاموش سنتے رہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تردید سے دل شکنی ہوتی ہے۔ روزانہ دو پارہ قرآن شریف کے۔ اور پوری حزب ایمانی پڑھا کرتے تھے۔ خالی اوقات میں کبھی حدیث کی کتابیں اور کبھی تصوف کی دیکھتے رہتے۔ باتیں بہت کم کرتے تھے۔ دوستوں کی پاسداری بدرجہ غایت ملحوظ تھی۔ مصارف خیر میں خوب صرف کرتے تھے اور اسکو نہایت پوشیدہ رکھتے تھے۔
بعہد نواب فردوس مکاں والی رام پور عدالت دیوانی میں ناظر مقرر ہوئے۔ دو تین سال وہاں کام کیا۔ پھر چھٹے رسالہ میں رسالدار مقرر ہوئے۔ اور اپنے والد کی پیشدستی میں مختلف خدمتیں انجام دیتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ غدر میں خاص خاص خدمات پر مراد آباد آتے جاتے رہے۔ نواب مجو خاں نے مراد آباد میں جن کرسچین لوگوں کو قید کر لیا تھا ان کی خبر گیری کو چند بار مراد آباد گئے۔
آپ کے والد ہمرکاب نواب فردوس مکاں دورہ پر گئے تو بموجب پروانہ ۱۴- دسمبر ۱۸۶۳ء نمبری (۱۶۴۰) پہلی بار آپ قائم مقام تحصیلدار اپنی اولاد کی جگہ چند روز کے لئے ہوئے۔ بموجب پروانہ ۲۴- ستمبر ۱۸۶۳ء نمبری (۱۶۴۲) علاوہ رسالہ داری سواران کے تازی خانہ بھی آپ کے سپرد ہوا۔
عہد نواب خلد آشیاں تک یہ تازی خانہ قائم تھا۔ اور اُسمیں نہایت عمدہ نسل

عرب کے کتے تھے اور بہت کثرت سے تھے۔

بحالت رسالہ داری جو امور متعلقہ رسالہ سرکار سے استمزاج طلب ہوتے تھے۔ ان کو اپنے والد سے عرض کر دیتے تھے اور وہ حضور میں عرض کر کے حکم حاصل کیا کرتے تھے۔ چند روز کے بعد آپ کے والد نے کہا کہ خود جا کر معاملات کو حضور میں پیش کیا کرو۔

یہ خود جا کر عرض حال کرتے مگر آپ کو سرکار کوئی جواب نہیں دیتے تھے آپکے والد سے فرمادیا کرتے تھے کہ آج اصغر علی خاں نے فلاں معاملہ پیش کیا تھا اُسمیں یوں کارروائی ہو۔ چند بار یہی حالت رہی تو آپ نے اپنے والد سے عرض کیا میری عرض و معروض بیکار ہے مجھے سرکار کوئی جواب نہیں دیتے ہیں۔ آپ کے والد نے فرمایا نواب فردوس مکاں کی عادت ہے کہ جب تک اہلکار کا تجربہ نہیں فرمالیتے ہیں اسکو جواب معاملات کا نہیں دیتے ہیں۔ تم اسی طرح اظہار واقعات کئے جاؤ۔

۱۸۶۲ء میں جناب نواب فردوس مکاں بحیثیت ممبر کونسل کلکتہ کو گئے۔ علی بخش خاں علیل تھے وہ رام پور میں رہے۔ روانگی سے پہلے نواب فردوس مکاں نے حکم دیا کہ اصغر علی خاں اور فتح محمد خاں یہاں سے کانپور جائیں ایک لاکھ روپیہ کی روئی خرید کر کلکتہ لیجائیں اور وہاں فروخت کر دیں۔ اصغر علی خاں نے سرکار سے عرض کیا کہ میرے متعلق کیا خدمت ہے۔ ارشاد ہوا جو کام تمہارے سپرد ہے وہی کام فتح محمد خاں کے سپرد ہے۔ یہ پہلی بار جواب ملا۔ دونوں صاحب کانپور گئے روئی خرید کر ذریعہ کشتی کلکتہ کو روانہ کی خود ریل میں گئے۔ کلکتہ میں اسکی فروخت سے اچھا نفع ہوا۔ نواب فردوس مکاں بھی کلکتہ پہونچ گئے۔ وہاں دونوں صاحبوں کو حکم ہوا کہ بانات اور سفید قسم کا پارچہ خرید کر رامپور کو

روانہ کرو۔ فتح محمد خاں انگریزی داں تھے ۔ وہ دکان پر انگریزی میں باتیں کرکے معاملہ طے کرتے تھے۔

اصغر علی خاں کو شبہہ ہوا۔ اُسی قسم کا کپڑا اُنھوں نے دوسری دکانوں سے تلاش کیا۔ کپڑے کے نمونہ لیکر نواب فردوس مکاں کے حضور میں پیش کئے۔
حکیم سعادت علی خاں صاحب بھی ہمراہ تھے اور فتح محمد خاں انھیں کے آوردہ تھے۔
سب اہلکاروں نے تجویز کیا کہ اصغر علی خاں کا خرید کیا ہوا کپڑا دس ہزار کم میں آیا ہے۔ سرکار نے حکم دیا کہ فتح محمد خاں کا کپڑا واپس کردو۔
حکیم سعادت علی خاں نے سفارش کی دس ہزار کی رقم فتح خاں سے نقد واپس لی گئی۔ اِس واقعہ کے بعد نواب فردوس مکاں نے ایک شقہ علی بخش خاں کو لکھا اور اُس کی پیشانی پر یہ شعر تھا۔

آج یکتائی کا دعویٰ اُسکی باطل ہوگیا   بحث کرنے کو جب آئینہ مقابل ہوگیا

اور سب واقعہ کپڑے کی خرید کا لکھا۔ اُس روز سے بلا واسطہ نواب فردوس مکاں اصغر علی خاں کو معاملات میں حکم دینے لگے۔
۱۸۵۷ء کے غدر میں مرادآباد کے متعلق جو کام خفیہ و ضروری ہوتے انکی تعمیل کو اصغر علی خاں آتے جاتے تھے۔
۲۵۔ دسمبر ۱۸۶۵ء کو پروانہ نمبری (۱۲۴۷) کے موافق جناب نواب خلد آشیاں نے منو خاں تحصیلدار بلاسپور کو معطل کیا اور انکی جگہ آپ کو تحصیلدار مقرر فرمایا۔
اور بموجب پروانہ ۱۰۔ مئی ۱۸۶۷ء نمبری (۱۰۰) آپ اپنے والد کی جگہ تحصیلدار حضور تحصیل مقرر ہوے۔ اُسی وقت سے اعزاز و اکرام میں ترقی ہوئی۔
حضور تحصیل کی تحصیلداری اُس زمانہ میں ایک عظیم الشان خدمت تھی۔ خرید سامان طلائی و نقرئی و ریشم و پشمینہ۔ باغات۔ انتظام ٹھیکہ علاقہ محلات کی

خدمت میں۔ خرید جواہر درستی زیور۔ مہمانوں کی مہمانداری۔ سرکار کے لئے نینی تال اور شہر میں آسمانی برف کی فراہمی۔ فراہمی برف کا ایک پورا محکمہ تھا۔ روزانہ موسم سرما میں ہزاروں مٹی کی رکابیاں جنگل میں پانی بھر کر رکھی جاتی تھیں اور ان میں سے برف نکال کر کھتوں میں جمع کی جاتی تھی۔

انعام وعنایات۔ امور ریاست میں مشورہ۔ اخیر میں یہ بھی ہوتا تھا کہ ریاست کا پورا جمع خرچ ماہانہ بنکر پہلے اصغر علی خاں صاحب کے دستخط ہوتے پھر نواب صاحب بہادر دستخط فرماتے۔ جیب خاص کا ایک صیغہ تھا۔ خفیہ عطیہ اور انعام انہیں سے دئے جاتے تھے اس کی رقم بھی آپ کے پاس رہتی تھی۔ اور روزانہ اسکے حساب کو نواب صاحب کو ملاحظہ کرایا جاتا تھا۔ نواب صاحب اُسپر دستخط فرماتے تھے۔ یہ حسابات ابھی تک آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں۔ گویا کہ کل امور ریاست اُن کے زیر نگرانی تھے۔

جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں حج کو تشریف لیگئے۔ اور ذریعہ پروانہ مورخہ ۲۴۔ نومبر ۱۸۷۲ء نمبری (۲۲) حکم جاری فرمایا کہ ما بدولت حج کو جاتے ہیں۔ صاحبزادہ مہدی علی خاں صاحب بہادر ریاست کے کام انجام دینگے اور ضرورت کے وقت مولوی محمد عثمان خاں صاحب بہادر سے مشورہ کرینگے۔ لیکن اگر کوئی اہم معاملہ واقع ہوگا تو تم کو (اصغر علی خاں) بھی شریک مشورہ کرینگے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُمور اہم میں اُنکی رائے کسقدر صائب تھی اور نواب صاحب بہادر کو اُن کی رائے پر کسقدر اعتماد تھا۔

اس وقت ایک محکمۂ عدالت دویم محکمۂ مرافعہ سوم محکمۂ صدر مرافعہ تھا۔ بموجب پروانہ ۵ ۔ ۱۴ اپریل ۱۸۷۵ء حکم ہوا کہ صدر مرافعہ باجلاس جناب نواب سید محمد مشتاق علی خاں صاحب بہادر ولی عہد ریاست پیش ہوا کرے اور پیشی میں

محمد اصغر علی خاں صاحب اور عبداللہ خاں صاحب شریک ہوا کریں۔ ان دونوں ملعوں
کی موجودگی میں اجلاس کامل کی تجویز نافذ ہوا کرے گی۔
ریاست سے جو پروانے اصغر علی خاں کے نام جاری ہوتے تھے انکا عنوان اسطرح ہوتا تھا۔
" رفعت و عوالی مرتبت گرامی منش محمد اصغر علی خاں بعافیت باشند "
جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں نے ذریعہ پروانہ
۲۹۔ مئی ۱۸۷۴ء نمبری (۱۳۸) یہ عنوان تجویز فرمایا " معتضد دودمان عزیز بدل
محمد اصغر علیخاں حفظہ اللہ تعالیٰ " اور ایک سو روپے کا اضافہ بھی فرمایا۔
عالی جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں کے عہد دولت میں
جو عزت اور اعتماد ان کو تھا اس کی شہادت وفاتر ریاست اور کل اہل شہر
سے مل سکتی ہے ۱۸۸۷ء میں نواب خلد آشیاں کا انتقال ہوا۔
عالی جناب نواب سید مشتاق علی خاں صاحب بہادر عرش آشیاں سند نشیں ہوئے۔
تمام ریاست میں تغیر و تبدل ہوگیا۔ گویا زمین و آسمان ہی بدل گیا لیکن آپکے
دفاتر میں کوئی فرق نہیں آیا۔
نواب عرش آشیاں کی سند نشینی کا دربار ۲۵۔ مارچ ۱۸۸۷ء کو ہوا بموجب
روبکار اجلاس ہمایوں مورخہ ۲۳۔ مارچ ۱۸۸۷ء آپ اہلکاران ریاست کی
نشست اور نظروں کے منتظم مقرر ہوئے۔
نواب عرش آشیاں بریلی کو تشریف لے گئے۔ صاحبزادہ حمید الظفر خاں صاحب بہادر
مرحوم اسوقت حاکم صدر تھے وہ ہمرکاب نواب صاحب بریلی گئے۔ اور آپ
بموجب پروانہ ۲۵۔ اپریل ۱۸۸۷ء نمبر (۱۳۸) صاحبزادہ صاحب موصوف کی
جگہ صدر کے کام پر مقرر ہوئے۔
۲۔ جون ۱۸۸۷ء کو جنرل محمد اعظم الدین خاں صاحب بہادر مرحوم مدارالمہام

ریاست کے روبکار کے موافق آپ حضور تحصیل کی تحصیلداری سے کمیٹی انتظامیہ کے ممبر مقرر ہوے۔ اور آپ کی جگہ اپکے فرزند اکبر محمد حشمت علیخاں رسالدار رسالہ ششم سواران تحصیلدار حضور تحصیل مقرر کیے گئے۔
یہ بات بھی قابل بیان ہی کہ سواروں کے رسالہ ششم و رسالہ پنجم کی خدمت خاص نواب صاحب کی ذات کے متعلق تھی۔ نواب صاحب کی اردلی۔ بیرونی خدمات۔ ڈاک رسانی یہ سب کام ان رسالوں سے لیے جاتے تھے۔ اور سب سے اول ان رسالوں میں علی بخش خاں کے خاندان کے ہی افسر تھے۔ اور نواب خلد آشیاں کے عہد تک یہی حالت قائم رہی۔ جنرل کا عہدہ قائم تھا مگر ان رسالوں پر کسی قسم کا اثر محکمہ جنرل کا نہ تھا۔ تقسیم تنخواہ۔ وردی۔ خدمات۔ تقرر۔ تنزل۔ موقوفی بحالی براہ راست رئیس وقت کی ذات سے متعلق تھی۔
اصغر علیخاں کے اعزاز کی حالت اس تغیر ریاست کے زمانہ میں بھی یہ تھی کہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۸۷ء کے روبکار کے موافق آپ نے مدار المہامی کا کام بھی بطور قائم مقام کیا۔
پھر کونسل ریجنسی قائم ہوئی۔ کونسل انتظامیہ روبکار اجلاس کامل مورخہ ۷ مئی ۱۸۸۸ء کے ذریعہ سے توڑ دی گئی۔ باہر سے ممبر بلائے گئے۔ اور آپ کو اسسٹنٹ ممبر مال بنایا گیا اور ڈپٹی کلکٹر انہار کی خدمت بھی سپرد ہوئی۔ اور یہ بھی حکم ہوا کہ معاملات مستاجری ریاست میں بھی مدد دیا کریں۔
۱۸۹۱ء میں جنرل اعظم الدین خاں کا قتل ہوا یکم جولائی ۱۸۹۱ء کو میجر ونسنٹ پریسیڈنٹ کونسل مقرر ہوے۔ تمام انتظامی حالت بدل گئی اسسٹنٹی کے عہدے توڑ دیے گئے۔ میجر ونسنٹ نے آپ سے کہا کہ تحصیلداری پر کام کیجیے آپ پہلے بھی تحصیلدار تھے۔ آپ نے یہ جواب دیا کہ جس زمانہ میں میں تحصیلدار تھا

اور جو اختیارات میرے تھے وہ آپ کو بھی اس وقت نہیں ہیں ۔ کام چھوڑ کر خانہ نشین ہو گئے ۔

جب ہز ہائنس عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام ملکہم نے عنان حکومت سنہ ۱۸۹۶ء میں دست مبارک میں لی حضور پر نور نے اپنے قدیمی نمک پروردوں کی طرف بھی التفات فرمایا ۔ بحکم یکم جون سنہ ۱۹۰۱ء اصغر علیخاں صاحب کو عہدہ نظامت پر مامور فرمایا ۔ اور تا انتقال اسی عہدے پر رہے ۔

ابتدا جوانی سے حقہ پیتے تھے ۔ جب حضرت امیر شاہ صاحب رام پوری خلیفہ میاں غلام شاہ صاحب خلیفہ و فرزند حضرت شاہ عبدالکریم صاحب معروف بہ اخون صاحب سے بیعت ہوئے ۔ حقہ فوراً چھوڑ دیا ۔ اور مراقبات و ذکر و اذکار طریقہ چشتیہ کے پابند ہوئے ۔ روزانہ دو بارہ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ۔ نماز تہجد کے بعد پھر نہیں سوتے تھے ۔ پیر و مرشد نے ان کو خلافت عطا کی اور اپنے مزار کی تولیت بھی ۔ چنانچہ مرشد کے انتقال کے بعد انکا مزار پختہ تعمیر کرایا اور خود زمین خرید کر کے اسکے احاطہ کی توسیع کی ۔ کتاب تعلیم الخواص لکے مرشد کی تصنیف خاص ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عطا کی جو ابتک موجود ہے ۔

ناظم صاحب مرحوم کا سلسلۂ بیعت جاری ہے اور ان سے جن لوگوں نے تعلیم پائی ہے ابھی وہ بقید حیات ہیں ۔

رام پور کے سوا ان کے احباب کا وسیع سلسلہ بیرونجات میں ہے ۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں آپ گھوڑے سے گرے ۔ حضرت نور خاں صاحب وزیر و کا مدار ریاست جاورہ نے ذریعۂ تحریر ۲۶ ۔ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء مزاج پرسی کی ۔

راجہ امر سنگھ صاحب بہادر والی نادون کی تحریر مورخہ ۷ ۔ اپریل سنہ ۱۹۰۸ء بہ دست حکیم بدرالدین خاں آئی ۔ راجہ امیر چند صاحب بہادر والی نادون نے ذریعہ

تحریر چیت سمت ۱۹۳۳ جناب ٹیکا نرا ندر صاحب بہادر کی شادی میں مدعو کیا۔ مسٹر میگڈا نلڈ کمشنر ترائی سے بہت دوستی تھی۔ را مزے صاحب کمشنر کمایوں تو سر پرست ہی تھے۔

ابتداے شعبان میں زکام معمولی ہوا۔ ۱۰ شعبان کو نمونیا کا اثر ظاہر ہوا ہوش و حواس میں مطلق تغیر نہیں ہوا۔ ۱۱۔ شعبان ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۔ نومبر ۱۹۱۶ء عصر کے وقت انتقال فرمایا۔ دوسرے دن صبح کے وقت مزار مولانا جمال الدین علیہ الرحمہ میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوے۔

جنازہ میں تقریباً دو ہزار آدمی شریک ہوے۔ ہر شخص انکے اخلاق کا مداح ہے۔ اعلیٰ حضرت عالی جناب نواب سید حامد علی خاں صاحب بہادر دام ملکہم والی ریاست رام پور نے یہ بندہ نوازی فرمائی کہ ماتم پرسی کو مکان مرحوم پر رونق افروز ہوے پسماندگان کی تسکین فرمائی۔ اتفاق سے اُسوقت سرکار کے ہمرکاب جناب نواب امیر الدین احمد خاں صاحب بہادر نواب لوہارو بھی تشریف لائے۔ مرحوم کے انتقال کے بعد حضور پر نور دام ملکہم نے اِس خاندان کی حالت سنبھالی اور اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ نامرعی نہ رکھا۔

نقل پروانجات اسمی جناب محمد اصغر علیخانصاحب مرحوم

پروانۂ عالی جناب نواب سید محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکاں مورخہ ۱۴۔ دسمبر ۱۸۶۲ء نمبر ۱۶۴۔

خان عزیز القدر شجاعت نشان محمد اصغر علی خاں رسالدار بعافیت باشند از آنجا کہ شیخ علی بخش خاں تحصیلدار حضور تحصیل ہمراہ حضور پر نور برید ورہ معوا ہند است لہذا حسب الحکم بایشاں قلمی میگردد کہ ایشاں تا آمدن تحصیلدار مسطور از مقام دورہ سرانجام کار تحصیل متعلقۂ مشار الیہ بعزم و ہوشیاری کردہ باشند۔

بشرح صدر مورخہ ۲۴-ستمبر ۱۸۶۳ء نمبر ۱۴۲

خان عزیز القدر شجاعت نشان محمد اصغر علی خاں رسالدار بعافیت باشند۔
ازآنجاکہ پیشتر تازی خانہ سرکار دولت مدار متعلق عباس خاں رسالدار بود اکنوں
بسبب فوت رسالدار مذکور تازی خانہ متعلق ایشاں کردہ شد قلمی میگردد کہ ایشاں
کارخانہ مذکور را متعلق خود دانستہ سرانجام کار آنجا مینمودہ باشند۔

پروانہ عالی جناب نواب سید محمد کلب علیخاں بہادر خلد آشیاں

مورخہ ۲۵-دسمبر ۱۸۶۵ء نمبر ۱۴۴۷

خان عزیز القدر شجاعت نشان اصغر علی خاں تحصیلدار بعافیت باشند۔
حسب الحکم امروز مصدرہ کیفیت مولوی محمد عثمان خاں معروضہ امروز بمقدمہ
تحقیقات معدومی احمد علی ولد سلامت علی سپاہی از روز ملازمی و وصول
کردن حبیب اللہ خاں ولد اسد اللہ خاں از تنخواہ تعدادی ما ع/ باعتماد
مستو خاں تحصیلدار بلاسپور مستو خاں را برائے دو ماہ معطل کردہ شد نگارش
میرود کہ ایشاں تا معطلی مستو خاں انصرام کار تحصیلداری نمایند۔

بشرح صدر مورخہ ۱۰-مئی ۱۸۶۷ء نمبر ۱۰

رفعت و عوالی مرتبت گرامی منش محمد اصغر علی خاں بعافیت باشند۔
حسب الحکم امروزہ ایشاں را بعہدۂ تحصیلداری پرگنہ حضور تحصیل ڈالی خانہ
بجائے محمد علی بخش خاں مرحوم مقرر و مامور کردہ شد۔ باید کہ بحسن کارگزاری
انجام امور متعلقہ کردہ باشند۔

بشرح صدر مورخہ ۲۴-نومبر ۱۸۶۷ء نمبر ۲۲

رفعت و عوالی مرتبت گرامی منش محمد اصغر علیخاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند۔
ازآنجاکہ ما بدولت بنابر حصول شرف زیارت خانۂ کعبہ معظمہ و مرقد سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم فردا روانہ سفر حجاز خواہیم شد و برائے انصرام و انجام امورات متعلقہ ریاست ماموری عموی صاحب محمد مہدی علی خاں بہادر بعمل آمدہ۔ بنا برآں حسب روبکار امروز پروانہ بنام عموی صاحب جاری گردید کہ بایام تشریف بری ما بدولت بانصرام امور مملکت بہ پابندی قواعد و ضوابط و دستورات مقررہ سابقہ پرداختہ باشند و حین احتیاج در امور لاحقہ از مولوی محمد عثمان خاں بہادر استیشار بعمل آوردہ باشند و اگر کدام معاملہ اہم نیز واقع شود ایشاں را شریک شورہ نمایند و ہر جانب کہ غلبہ آرا باشد مطابق آں موافق قاعدہ و ضابطہ کاربند شدہ باشند۔ نقلی میگردد کہ ایشاں ہم ازیں حکم مطلع باشند۔

روبکار اجلاس ہمایوں عالیجناب نواب سید محمد کلب علیخاں صاحب بہادر خلد آشیاں ۲۹۔ اپریل ۱۸۸۳ء

ازانجا کہ از ابتدائے اجلاس نواب صاحب قبلہ جنت آرام گاہ برائے انفصال مقدمات عدالت سہ محکمہ یعنی عدالت۔ مرافعہ۔ و صدر مرافعہ مقرر بودند و ما بدولت بایام مسند نشینی خود بسبب ہجوم کار بیش حاکم صدر مرافعہ و لاحق شدن ثقل سماعت بہ ماموں صاحب محمد عباس علی خاں بہادر حاکم آنجا ہم بنظر دادرسی خلائق بعجلت یک محکمہ اپیل دیگر مقرر فرمودہ بودیم کہ بمحکمۂ موصوف حضور پرنور یا کدام کس بقائم مقامی حضور پرنور تجویز بعمل مے آورد و فی الحال باعث رنجوری ماموں صاحب محمد عباس علی خاں بہادر بعوارض شدیدہ انتظام و سرانجام کار محکمہ جات مذکور بدیں طور مناسب منصور شدہ کہ بنا بر انفصال مقدمات مذکور مثل ایام سابق یعنی عہد مسند آرائی نواب صاحب قبلہ جنت آرام گاہ و فردوس مکاں صرف سہ محکمہ مقرر مانند یعنی محکمۂ اول عدالت۔ دویم مرافعہ و سویم صدر مرافعہ۔ و تجویز مقدمات دائرہ صدر مرافعہ باجلاس برخوردار محمد مشتاق علی خاں ولی عہد بہادر بعمل آمدہ باشد۔ و محمد عبداللہ خاں و محمد اصغر علیخاں ہنگام پیشی مقدمات مذکور پیش برخوردار موصوف حاضر باشند۔ و بموجودگی مشار الیہما

باجلاس کامل تجویز آخر بعمل آمدہ باشد و اگر در تجویز کدام مقدمہ در رائے ولیعہد بہادر و محمد عبداللہ خاں و محمد اصغر علی خاں اختلاف وقوع یابد۔ درآں صورت بحالت اتفاق یک رائے منجملہ ہر دو کساں صدر الذکر با رائے ولیعہد بہادر کہ بمنزلہ دو رائے است تجویز ولی عہد بہادر اجرا یابد و اگر رائے ہر دو اشخاص مسطور از رائے ولیعہد بہادر مختلف باشد دراں حالت بالتماس کیفیت مفصل از حضور استمداد نمایند و آنچہ مقدمات سپرد پیش ماموں صاحب صدر الوصف انفصال مے یافتند تفویض ولی عہد بہادر شوند۔ و بہ تجویز آں ہم کساں صدر الذکر شریک باشند۔ و ہدایت بعمل آید کہ بمقدماتیکہ اتفاق رائے محکمہ جات ماتحت باشد دراں دست اندازی ضرور نیست۔ البتہ در کدام مقدمہ اتفاق رائے ماتحت باجلاس کامل احتیاج دست اندازی باشد بہ گذارش وجوہات مفصل استجازہ در حضور نمودہ باشند۔ و در ہفتہ دو اجلاس برائے تجویز ایں مقدمات مقرر نمایند حکم شد کہ احکام ضابطہ جاری شوند۔

پروانہ عالی جناب نواب سید محمد مشتاق علی خاں صاحب بہادر عرش آشیاں ۲۵- اپریل ۱۸۸۶ء نمبر ۱۳۸

معتضد دوستاں عزیز بدل محمد اصغر علی خاں تحصیلدار حضور تحصیل حفظ اللہ تعالیٰ۔ جو کہ صاحبزادہ محمد حمید الظفر خاں بہادر برکاب حضور انور بریلی جاتے ہیں لہذا حسب الحکم امروزہ صادرہ رقعہ محمد اعظم الدین خاں بہادر معطوفہ روبکار جرنیلی تمکو لکھا جاتا ہے کہ تم بجائے محمد حمید الظفر خاں بہادر حاکم صدر انجام کار کرو۔

روبکار اجلاس جنرل محمد اعظم الدین خاں بہادر مدار المہام ۲- جون ۱۸۸۶ء

حسب الحکم امروزہ محمد اصغر علی خاں کو کار حضور تحصیل سے علیحدہ کیا گیا اور کام کمیٹی میں بمشاہرہ سابق ان کی ماموری ہو۔ وہاں حاضری اور سرانجام کار میں ان کو سعی بلیغ مناسب ہے کہ نو بجے سے چار بجے تک حاضر رہیں۔ اور ہم ممبر کمیٹی کو

لازم ہو کہ بدون حصول اجازت سرکار غیر حاضر نہوں ورنہ مواخذہ ہوگا۔
اور حشمت علی خاں آج کی تاریخ سے بمشاہرہ یکصد روپیہ ماہواری تحصیلدار
حضور تحصیل بجائے اصغر علی خاں مامور کیا گیا۔ اور اختیارات فوجداری بھی
بموجب روبکار اُسے دئے گئے اور حافظ مبارک علی خاں بمشاہرہ پچاس روپے
ماہواری مقررہ سابق بجائے حشمت علی خاں رسالدار ششم رسالہ مقرر ہوئے۔

حکم اجلاس مدارالمہام صاحب بہادر ۳۰۔ اکتوبر ۱۸۸۷ء

بنام محمد اصغر علی خاں ممبر کونسل۔ جو کہ میں بکار سرکار بریلی جاتا ہوں اس لیے
میری غیبت میں آپ کاغذات ضروری روزمرہ پر دستخط کردیا کریں کہ ہرج
اجرائے کار میں نہو۔

روبکار اجلاس کامل کونسل ریاست رام پور ، مئی ۱۸۸۹ء

(عہد دولت جناب نواب سید محمد مشتاق علی خاں صاحب بہادر عرش آشیاں)
بلحاظ انتظام جدید جو ہنگام دربار خلعت حضور پرنور دام ملکہم ظہور میں آیا ضرورت
کونسل کی جو پہلے سے مقرر تھی نہیں رہی۔ الا ممبران کونسل جو ریاست کے
اہلکار ہیں اور اُن سے امداد بھی ملتی ہے ان کی پرورش سرکار کو مدنظر ہے
لہذا تجویز ذیل مناسب معلوم ہوتی ہی۔
محمد اصغر علی خاں کا تعلق ممبر رشتہ مال و نہر سے کیا جائے۔ یعنی نہر کوسی
وغیرہ کی آب پاشی کا انتظام کریں۔ و دیگر مقدمات جو وقتاً فوقتاً اجلاس
ممبر مال سے انکے سپرد ہوں اِن کی تحقیقات و تکمیل کریں اور معاملات ٹھیکہ
و مستاجری میں ان سے مدد لی جائے۔ محمد اصغر علی خاں کو اختیارات ڈپٹی کلکٹر
نہر کے دیئے جائیں۔

احباب کے خطوط

(خط جناب حضرت نور خانصاحب بہادر مرحوم وزیر وکا مدار ریاست جاورہ)

خاں صاحب مشفق و مہربان مجمع اخلاق بیکراں سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد سلام مسنون وتمنائے ملاقات محبت آیات واضح رائے محبت پیرائے میگرداند کہ بفضلہ قرین خیریت بودہ خواہان نوید مزاج محبت امتزاج میباشم۔ دریں ولا برسیدن خط رام پور حال علیحدہ شدن آں معدن اتحاد از اسپ ورسیدن ضرب شنیدہ تفکر بیکراں افزود و تردد و تشویش رخ نمود مخلص دست بدعاست کہ خداوند کریم بفضل عمیم خویشتن زود صحت وشفا عطا فرماید۔ براہ مہربانی از مژدہ صحت مزاج مطلع فرمایند و دائماً دوستدار را جویائے نوید مزاج تصور زیدہ بہ تحریر مکاتبات خیریت آیات نشرح البال میفرمودہ باشند والسلام مورخہ ۲۶۔ جولائی ۱۸۹۸ء۔

(خط راجہ امر سنگھ صاحب بہادر والیِ ریاست ناودن مورخہ ۷۔ اپریل ۱۸۹۸ء)

بعد از شوق ملاقات واضح باد۔ کہ ان ایام ناقرجام میں حادثہ جگر سوز وصدمہ غم اندوز واقعہ شہادت جناب قبلہ گاہی صاحب رونما ہوکر زندگانی گزار عالمیان کا ہوا۔ گویا قہر ایزدی نازل ہوا۔ اور ایک بھاری کوہ ستم آسمان سے گرا۔ سفینہ صبر و قرار گرداب اضطراب میں سرگرداں ہی اور حکمت پناہ حکیم بدر الدین کو مع مراسلہ نواب صاحب روانہ کیا جاتا ہی اسکو بحضور نواب صاحب بہادر پیش کرادیں اور امورات مندرجہ مراسلہ اور جوکہ موصی الیہ زبانی ظاہر کرے۔ انکی پیام رسانی آپ کے ذمہ ہی۔ اور آپ کے واسطے سے مجھے اس دربار عالی وقار میں ہر طرح سے حصول مراد کی امید ہی۔

اور توقع کافی وامید شافی ہو کہ آپ کسی طرح میری امداد میں دریغ نفرمائیں گے اور ہمیشہ خیریت مزاج سے اطلاع دیتے رہیں۔

خط راجہ امر چند صاحب بہادر والیٔ ناوون (مع مہر ضادی)

دریں ایام فرخندہ تواماں کہ ایزد متعال بفضل وکرم بے ہمال از ہر چہار سو ابواب خورمی وخورسندی برروے دلہا کشادہ وطنطنہ شادی وشادمانی آغاز نہادہ۔ تاریخ شادی مبارکبادی برخوردار ٹیکہ نراندر سنگھ بتاریخ ۵۔ ماہ ہاڑ سمت ۱۹۳۳ قرار یافتہ چوں اطلاع دہی ایں بشارت نشاط افزا وطرب راحت انتما بمخلصان صمیمی ومحبان قلبی للازم ست۔ لہذا بذریعہ مراسلہ اطلاعاً بخدمت جناب صاحب بہادر آقاے ایشاں گزارش کردہ شد ومسمی جبار خاں ملازم مع مصری بطور بھاجی بخدمت جناب نواب صاحب بہادر بوساطت آں صاحب حاضر خواہد شد اغلب کہ ایشاں پیش جناب نواب صاحب بہادر گزرانیدہ دہند۔

چراکہ درآں در بار دُربار ازیں جانب بہمہ وجوہ ذمہ داری ایشان است ونیز علیحدہ مصری براے ایشاں بہدست خاں رسال داشتہ است منظور خواہد شد۔

محمد محمود علی خاں خلف سوئم محمد علی بخش خاں

آپ ۱۸۳۸ء میں نجیب آباد میں پیدا ہوے۔ بحالت صغر سنی اپنے والد کے ساتھ رام پور آئے۔ یہیں تعلیم شروع ہوئی۔

عالی جناب نواب یوسف علی خاں صاحب بہادر بعہد ولیعہدی روزانہ سبق سنا کرتے تھے تحصیل فارسی کے بعد ۱۸۵۵ء میں بعمر سترہ سال علی غول کے رسالہ میں رسالداری ملی۔ ذریعہ پروانہ ۱۸۔ جون ۱۸۶۵ء نمبر ۱۰۱ اپچاس روپے کی تنخواہ مقرر ہوئی اور پروانہ ۱۸ ستمبر ۱۸۶۵ء نمبر ۱۲۰ کے ذریعہ نائب جیلر مقرر ہوے۔ اور جیل میں خوب خدمت انجام دی۔

بموجب پروانہ ۱۰۔ فروری ۱۸۶۶ء نمبر ۷۷ رسالۂ پنجم سواران میں رسالدار مقرر ہوے۔ رسالۂ پنجم وششم سواران خاص جناب نواب صاحب بہادر

کی خدمات اردلی وغیرہ انجام دیتا تھا۔ اور کوئی تعلق محکمۂ جرنیلی سے نہ تھا۔
۹۔ جولائی ۱۸۶۷ء کو پروانہ نمبر ۹۰۶ کی بنا پر علاوہ خدمت رسالداری کے جیلری کا کام بھی سپرد کیا گیا۔
۱۷ استمبر ۱۸۶۸ء کو بموجب پروانہ نمبر ۱۳۵۷ علاوہ خدمات سابقہ کے مسلح خانہ بھی نگرانی میں دیا گیا۔ اسی عرصہ میں تعمیرات کے افسر بھی مقرر کئے گئے۔
عہد جناب نواب خلد آشیاں کی عمارتیں سب آپ کی زیر نگرانی بنی ہیں۔ کوئی انجینیر یا اوورسیر نہ تھا۔ شہر کے معمار اور نقشہ نویس تھے۔ وہی نقشہ بناتے تھے۔ اور کام جاری ہوتا تھا۔ کوسی کا بند اور نہر آپ کے زیر اہتمام بنی تھی۔
بائیس سال رسالداری۔ عمارت۔ اور ریاستہائے بیرونجات کی سفارت کا کام انجام دیا۔ اسکے علاوہ بھی فیلخانہ۔ اصطبل۔ فراشخانہ۔ تازنجانہ۔ وشترخانہ کی نگرانی بھی کی۔
ایک معقول رقم سالانہ امداد مسافرین عرب کے لئے مقرر تھی۔ جسقدر عرب آتے تھے۔ اُن کے وظیفہ۔ اور امداد کا کام بھی آپ کے سپرد تھا۔ حسن کارگزاری کے صلہ میں ۱۹۔ مارچ ۱۸۸۰ء بموجب پروانہ نمبر ۱۳۱ پرچہ اخبار خفیہ بھی آپ کے سپرد ہوا اور ۳۱۔ جولائی ۱۸۸۰ء کو ذریعہ حکم نمبر ۲۵۳ دو سو روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔
۲۴۔ رمضان ۱۲۹۸ھ میں حضرت نواب خلد آشیاں حج و زیارت کے واسطے حرمین شریفین کو روانہ ہوئے۔ محمود علی خاں ہمرکاب تھے اور جملہ انتظام کمپ اور اور نقل و حرکت لشکر کی آپ کے سپرد تھی۔ سخت سے سخت موقعوں پر دلیری اور شجاعت سے کام کیا۔ اور حضور پرنور کی راحت و آرام کا بخوبی انتظام کیا۔
۱۸۸۷ء میں بعد انتقال حضرت نواب خلد آشیاں صرف رسالداری کی خدمت باقی رہی اور کچھ دنوں بعد پنشن ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں اعلیٰ حضرت عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر ادام ملکہم نے ریاست کے کاروبار کو بنفس نفیس دیکھنا شروع کیا۔ اور اپنے قدیمی جان نثار دل کو جمع فرمایا۔ محمود علی خاں کے سپرد پرچہ اخبار خفیہ کیا۔

۲۲- اپریل سنہ ۱۹۰۲ء مہتمم بندوبست کے عہدہ پر ترقی ملی۔ اسی سنہ میں پرسنل اسسٹنٹ فارنسٹر مقرر ہوئے۔

۲۱- فروری سنہ ۱۹۰۸ء کو بموجب پروانہ نمبر ۱۶۶ ناظم مال بنائے گئے۔

۶- اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو فورٹ کمانڈنگ مقرر ہوئے۔ کپتان کا رنک اور فورٹ مجسٹریٹی کے اختیارات ملے۔ شب و روز حاضر قلعہ رہتے تھے۔

عالی جناب حضرت نواب صاحب بہادر ادام اللہ ملکہم نے ایسی ذرہ نوازی فرمائی کہ وہ تمام وکمال قرضہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اسی حالت ملازمت میں علیل ہوئے۔ اور مرض کی شدت میں مکان پر آئے۔

۱۹- ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء کو دوشنبہ کے دن ۹ بجے کے بعد انتقال فرمایا۔ حضور پرنور دام ملکہم نے قدم رنجہ فرما کر میت کو دیکھا۔ پس ماندگاں کی تسلی فرمائی۔ اور جنازہ کو فوجی اعزاز سے اٹھایا گیا۔ مزار حضرت مولانا جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں اپنے بڑے بھائی اصغر علی خاں کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ایک فرزند محمد عباس علی خاں یادگار چھوڑا۔

حافظ محمد مبارک علی خاں خلف چہارم محمد علی بخش خاں

ولادت تقریباً سنہ ۱۸۳۹ء میں نجیب آباد ضلع بجنور میں ہوئی۔ والد کے ساتھ رام پور آئے۔ ابتداءً حفظ کلام الٰہی سے فرصت پا کر تعلیم فارسی حاصل کی۔ نواب فردوس مکاں ان کا سبق بھی اکثر سنا کرتے تھے۔

یکم مئی سنہ ۱۸۶۵ء کو ششم رسالہ سواران میں جمعدار مقرر ہوئے۔

بوجہ معطلی احمد نور خاں جیلر ۴۔ مارچ ۱۸۶۹ء کو ایک مہینے کے واسطے جیلر رہے

۴۔ مئی ۱۸۶۹ء کو منصرم فیل خانہ مقرر ہوئے۔

یکم جون ۱۸۶۹ء کو ذریعۂ پروانہ نمبر ۴۲ ۱۵۔ شتر خانہ بھی سپرد ہوا۔

۲۷۔ دسمبر ۱۸۷۱ء کو بموجب پروانہ نمبر ۴ ۵ ۴۔ کوٹھی خورشید منزل دیوانخانہ۔
رنگ محل۔ مچھلی بھون۔ خرد باغ۔ اور بے نظیر کے سامان کی نگرانی سپرد ہوئی۔

۲۵۔ ستمبر ۱۸۷۵ء کو فیلخانہ شتر خانہ کے علاوہ تازیخانہ بھی نگرانی میں دیا گیا۔

۱۹۔ مارچ ۱۸۷۵ء بموجب پروانہ نمبر ۴ ۵ ۹ کو رسالۂ پنجم و ششم سواران کے
وردی بیجری پر ترقی ہوئی۔

۲۹۔ مارچ ۱۸۷۵ء باقر علی خاں تحصیلدار رخصتی کی جگہ تحصیلدار سوار ہوئے۔

۲۱۔ ستمبر ۱۸۷۸ء میں ذریعۂ پروانہ نمبر ۳۶ ۱۶ منصرم کھاپخی ملک مقرر ہوئے۔

۱۳۔ اگست ۱۸۷۹ء کو بوجہ وفات منشی نہال الدین داروغہ پرمٹ مقرر ہوئے۔

۹۔ ستمبر ۱۸۷۹ء ذریعہ پروانہ نمبر ۴ ۱۵۔ نگرانی کھنڈسار ملک پر متعین ہوئے۔

۲۷۔ دسمبر ۱۸۸۱ء کو ذریعہ پروانہ نمبر ۷۶ ۵ ۴ خاص تحصیل کے تحصیلدار مقرر ہوئے۔

دویم جون ۱۸۸۰ء کو رسالۂ ششم سواران میں رسالداری پر تقرر ہوا۔

۲۔ جون ۱۸۹۰ء کو بموجب پروانہ نمبر ۴۲ ۵۲ منصرم نزول کا عہدہ ملا اور اس میں
نگرانی جائداد آنولہ۔ جائداد بریلی۔ جائداد بیرونجات۔ گھاٹ۔ باغات۔
جائداد اوقاف۔ شورہ۔ محصول جواز۔ محصول ذبیحہ۔ جائداد نزول۔ آبکاری۔
و مسکرات وغیرہ صیغہ شامل کیے گئے۔

ہر سال تراویح میں رمضان میں پابندی سے قرآن شریف پڑھتے تھے۔
نہایت خلیق اور منکسر المزاج تھے۔ ہمرکاب عالی جناب نواب خلد آشیاں
حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس سفر مبارک کے متعلق ان کی اپنی

لکھی ہوئی ایک نوٹ بک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ۱۵۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو مع اسباب کے چھکڑوں کے یہ خود اور اُن کے بڑے بھائی محمود علی خاں صاحب مرحوم اور چھوٹے بھائی عبدالعلی خاں مرحوم و اسمٰعیل خاں روانہ رام پور سے ہوئے۔

۲۰۔ نومبر کو علی گڈھ سے برائے انتظام طعام و آسائش نواب صاحب جبل پور کو گئے اور وہاں سے ہمرکاب سرکار ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو بمبئی پہونچے۔ ۹۔ دسمبر ۱۹۰۳ء کو جہاز میں سوار ہو کر ۲۳۔ دسمبر کو مکۂ معظمہ پہونچے۔ اس سفر کی آمد و رفت میں کل انتظام باورچی خانہ و سامان آسائشی اِن کے سپرد تھا۔ اور ۷۔ مارچ ۱۹۰۴ء کو رام پور واپس آئے۔

اِس نوٹ بک میں ہر مقام کا داخلہ اور روانگی تاریخ وار لکھی ہے۔

راقم الحروف نے دریافت کیا کہ خانۂ کعبہ میں آپ نے کیا دعا مانگی۔ فرمایا کہ کوئی اور خیال ہی نہیں آیا صرف شہادت کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے وہ اُنکو نصیب کی۔

۱۳۔ اپریل ۱۹۱۰ء مطابق ۳۔ رمضان ۱۳۲۸ھ عبداللہ خاں صاحب مرحوم کے مکان پر جنرل اعظم الدین خاں مرحوم کی دعوت تھی۔ منجملہ دیگر اصحاب یہ بھی مدعو تھے۔

شب کو کھانا کھا کر وہاں سے مکان کو پیدل آرہے تھے کہ کاروانسرائے کے فدا آگے کوتوالی جدید کے محاذی جنرل اعظم الدین خاں مرحوم کی ممٹم پر بدمعاشوں نے فیر بندوق کے کئے۔ یہ آگے نکل گئے تھے۔ جنرل صاحب کے ملازم کی آواز پر پلٹ کر گئے۔ بدمعاش موجود تھے۔ اِن کی زبان سے یہ نکلا کہ بدمعاشو میں نے پہچان لیا ہے۔ برہنہ ہاتھ تھے۔ تلوار کے واروں کو ہاتھوں پر لیا۔ پیچھے سے ایک ظالم نے شانہ پر وار کیا شانہ بالکل کٹ گیا عقب سے گردن پر ایک نے تلوار کا وار کیا گردن برائے نام اُلجھی رہگئی اور سامنے سے ایک نے تمنچہ پیٹ پر مارا۔ یہ وہیں اوندھے مُنھ زمین پر مرے ہوئے گرے۔ لوگ جنرل صاحب کو بحالت زخمداری اُٹھا کر لے گئے۔ یہ وہیں پڑے رہے۔ کچھ رہگیروں نے دیکھا گھر پر خبر ہوئی بڑے بھائی محمد اصغر علی خاں

دوڑے ہوئے گئے۔ مگر پر نعش آئی۔ میں نے نعش کو اٹھا کر دوسرے پلنگ پر ڈالا۔
دوسرے دن مولانا جمال الدین صاحب علیہ الرحمہ کے مزار میں دفن کیا۔
حافظ شہید تاریخ شہادت ہے۔
جنرل صاحب کو بچانے گئے تھے۔ خود بھی مارے گئے۔ ان کی اولاد نرینہ پانچ فرزند یک بطنی ہیں۔ ایک کا انتقال ہوا۔ ایک فرزند امتیاز علی خاں بورڈ آف آوٹ کے ممبر ہیں۔ فدا علی خاں پیشکار عدالت دیوانی ہیں۔ ایک کا انتقال ہوگیا۔ منور علیخاں دفتر ہمدرد دہلی میں کام کرتے تھے اُنکا بھی انتقال ہوگیا۔
واحد علی خاں امپیریل لانسر ریاست میں رسالدار تھے انعام لیکر علیحدہ ہو گئے۔ اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

عبد العلی خاں خلف نجم محمد علی بخش خاں

اِن کی پیدائش رام پور میں ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ہوئی۔ ابتداءً حفظ کلام اللہ کیا بیس پارہ حفظ کرکے چھوڑ دئے۔ فارسی تعلیم اچھی حاصل کی۔ صرف و نحو عربی اس میں بھی خوب دستگاہ تھی۔ فارسی نثر میں آغا بشیر صاحب سے تلمذ تھا۔
جناب نواب فردوس مکاں اِن کا امتحان لیا کرتے تھے۔ پیدائش کے وقت سے دس روپے ماہانہ وظیفہ ریاست سے پاتے تھے۔ جوان ہوکر رسالہ ششم سواران میں جمعدار مقرر ہوئے۔ طبیعت رنگین تھی۔
جناب نواب خلد آشیاں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ تو انکے متعلق سرکاری کھانے اور آسائش کا انتظام جبل پور پر تھا۔ ۱۵۔ نومبر ۱۹۲۷ء کو رام پور سے روانہ ہوئے اور علی گڈھ سے ۲۲۔ نومبر کو جبل پور روانہ ہوئے۔
۲۷۔ نومبر ۱۹۲۷ء کو صبح کے وقت نواب خلد آشیاں الہ آباد سے جبل پور رونق افروز ہوئے۔ شب کو وہیں قیام فرمایا سب انتظام درست تھا۔

ریاست رام پور سے ترک تعلق کرکے جیپور چلے گئے۔ وہاں کی ملازمت کی کوشش میں بہت روپیہ صرف کیا۔ ۱۲۹۶ھ کے رمضان میں رام پور آئے۔ ۱۷۔ رمضان کو روزہ کی حالت میں ہیضہ ہوا۔ اُس وقت رام پور میں ہیضہ کی نہایت شدت تھی۔ جناب نواب خلد آشیاں باغ بے نظیر میں رونق افروز تھے۔ جناب ممدوح نے جواہر مہرہ بھیجا۔ حکیم ابراہیم صاحب لکھنوی اور شہر کے دیگر اطبا معالج تھے۔

۱۷۔ رمضان ۱۲۹۶ھ مطابق ۲۰۔ اگست ۱۸۷۹ء کو آخیر شب میں انتقال ہوا۔ مزار مولانا جمال الدین صاحب مرحوم واقع بریلی دروازہ میں دفن کیا۔ تیس سال کی عمر ہوئی۔ اپنی یادگار بندہ علی خاں۔ ذوالفقار علی خاں۔ شوکت علی خاں۔ نوازش علی خاں۔ محمد علی خاں۔ اور ایک لڑکی چھوڑی۔

بندہ علی خاں اور نوازش علی خاں کا انتقال ہوگیا۔ ذوالفقار علیخاں گورنمنٹ انگریزی کے مختلف عہدوں پر رہے اور انسپکٹر آبکاری کے عہدہ سے پنشن لیکر قادیان ضلع گورداس پور میں مقیم ہوگئے۔ احمدی جماعت کے شریک غالب ہیں۔ شوکت علی خاں بی۔اے برٹش گورنمنٹ کے محکمہ افیون میں ڈپٹی کے عہدہ سے پنشن لیکر علیحدہ ہوے۔ سیاسی جماعت میں شامل ہیں۔ قید بھی بھگتیں اب خلافت کے علم بردار ہیں۔ محمد علی خاں۔ بی۔اے۔ آکسن۔ عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں بہادر والیِ رام پور دام ملکہم کی توجہ سے ولایت گئے۔ سول سروس کے امتحان میں ناکامیاب ہوے۔ ریاست رام پور اور بڑودہ میں ملازم رہے۔ اُردو کا ہمدرد روزانہ اخبار اور انگریزی کامریڈ ہفتہ وار پرچہ جاری کیا۔ سیاسیات کے لیڈروں میں شمار ہوگیا۔ ان کی سوانح عمریاں چند بار شائع ہو چکی ہیں۔ اور ایک عالم ان کے حالات سے واقف ہے۔ اور آیندہ زمانہ اُن کے متعلق بہت کچھ حالات لکھیگا۔

محمد حشمت علی خاں فرزند اکبر اصغر علی خاں

ولادت رام پور یوم دوشنبہ ہفتم جمادی الاول ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) رام پور میں ہوئی۔ تاریخی نام نظیر علی ہے۔ ابتدائی تعلیم مولوی عبدالصمد صاحب۔ مولوی حکیم محمد احسن صاحب۔ مولوی حسن علی خاں صاحب رام پوری سے ہوئی۔ کئی سال مولوی ولی محمد خاں بسمل تعلیم پر مقرر رہے۔ فارسی کی چند کتابیں مولوی خلیفہ احمد علی صاحب سے بھی پڑھیں۔ عربی میں صرف ونحو کے بعد چند روز تک فقہ پڑھتے رہے۔ عربی کی اسقدر استعداد تھی کہ کتب فقہیہ کے مطالب سمجھ لیتے تھے۔ کشتی۔ پھری گتکا۔ نیزہ بازی۔ گھوڑے کی سواری اچھی آتی تھی۔

۱۸۸۱ء میں رسالہ ششم سواران کے رسالدار مقرر ہوئے۔ بموجب پروانہ نمبر ۳۶۳۵ مصدرہ ۱۴۔ جنوری ۱۸۸۶ء تیس روپے اضافہ ہوئے۔

دوم جون ۱۸۸۸ء کو پروانہ نمبر ۱۱۳۸ کے ذریعہ سے اپنے والد کی جگہ حضور تحصیل کے تحصیلدار مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد بلاسپور کی تحصیلداری پر تبادلہ ہوا۔ اس تبادلہ کا منشا مدار المہام صاحب کا سوء ظن خاطر تھا۔ اسلئے استعفا داخل کردیا اور اس ترکیب سے اپنی جان بچاکر گھر بیٹھ رہے۔

جب عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں بہادر دام اللہ دولتہ نے کاروبار ریاست خود سنبھالا تو ۲۔ جون ۱۸۹۶ء کو بموجب پروانہ نمبر ۱۹۳۷ حضور پرنور دام ملکہم نے حضور تحصیل کا تحصیلدار مقرر فرمایا۔ اور حکم ہوا کہ چوبیس گھنٹہ کے اندر چارج لے لیا جاوے۔ ۲۰۔ ستمبر ۱۹۰۱ء کو بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپے ماہانہ مہتمم بندوبست مقرر ہوئے۔

بہ تقریب سالگرہ مبارک حضور پرنور دام ملکہم بموجب روبکار ۱۳۔ اگست ۱۹۱۰ء پچیس روپے اضافہ ہوئے۔

بموجب روبکار اجلاس ہمایوں حضور پرنور دام ملکہم مصدرہ یکم اگست ۱۹۱۳ء
باضافہ پچیس روپے چیف مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ میجر محمود علیخاں کمانڈنٹ قلعہ
کے انتقال کے بعد بموجب روبکار اجلاس ہمایوں حضور پرنور دام ملکہم مصدرہ
۹۔ مارچ ۱۹۱۴ء کمانڈنٹ قلعہ مقرر ہوئے اور کپتان کا رینک عطا ہوا۔
حدود قلعہ میں مجسٹریٹی درجۂ اول کے اختیارات ملے۔ نہایت خوبی سے
خدمات انجام دیں۔

۱۹۲۰ء میں قلعہ میں ایک فروگزاشت پر موقوفی عمل میں آئی۔ آخر عمر تک
خانہ نشین رہے۔ ۱۹۲۳ء میں علیل ہوئے۔ علالت کا سلسلہ ایک سال تک
باقی رہا۔ یکم جنوری ۱۹۲۴ء کو انتقال ہوا۔

اپنے پیر و مرشد حضرت حضرت مولانا شاہ امیر احمد صاحب علیہ الرحمہ کے مزار میں
دفن ہوئے۔ ایک فرزند محمد منظر علی خاں یادگار چھوڑا۔

اعلیٰ حضرت حضور پرنور عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خانصاحب بہادر خلد اللہ ملکہ
نے مرحوم کی حیات میں انکے فرزند کو ایڈی سی کا عہدہ بنظر پرورش عطا فرما دیا تھا۔
اب منظر علی خاں ٹانڈہ کے تحصیلدار ہیں۔

نقل پروانجات

بحکم حضور پرنور جناب نواب سید محمد کلب علی خاں صاحب بہادر خلد آشیاں

مُہر ۵۶۳

خاں عزیز القدر شجاعت نشان محمد حشمت علیخاں رسالدار رسالہ ششم سواراں بعافیت باشند۔
ازآنجاکہ بمزید محبت و جانفشانی و دیانت و امانت بکار سرکار منظر پرورش بر دخت سی روپیہ ماہیانہ
اضافہ بر تنخواہ ایشاں بعمل آمدہ یعنی یکصد روپیہ ماہانہ مقرر نمودہ شد لہذا حسب الحکم بکار امروزہ نگارش
نمودہ کہ ہمیں نمط بکار سرکار مصروف بوجہ بہبودی خود بپردازند۔ مرقوم چہاردہم جنوری ۱۸۸۰ء۔

بحکم مدار المہام صاحب بہادر

مہر

۱۱۳۸

رفعت وعوالی مرتبت محمد حشمت علیخاں رسالدار ترپ ششم بعافیت باشند۔

حسب روبکار امروزہ محمد اصغر علی خاں تحصیلدار حضور تحصیل کو کام کمیٹی میں بمشاہرہ سابق مامور کیا گیا۔ اور تمکو آج کی تاریخ سے بمشاہرہ یکصد روپیہ ماہوار بجاے تحصیلدار مامور کیا گیا اور اختیارات فوجداری بھی بموجب روبکار ۳۰ مئی دئے گئے لکھا جاتا ہے کہ کار تحصیلداری باحسن وجوہ انجام دو۔ دویم ماہ جون ۱۸۵۸ع

بحکم حضور پر نور دام اقبالہم وملکہم

مہر

۹۳۷

رفعت وعوالی مرتبت محمد حشمت علی خاں بعافیت باشند۔

چونکہ علی رضا خاں تحصیلدار حضور تحصیل شاہ آباد کو منتقل کئے گئے اور حضور تحصیل خالی ہے۔ لہذا بجائے علی رضا خاں کے انھیں اختیارات سے آپکو بمشاہرہ یکصد روپیہ ماہوار تحصیلدار حضور تحصیل مقرر کیا گیا آپ حضور تحصیل کا کام حسب ضابطہ انجام دیں۔ یہ پروانہ سنداً عطا کیا گیا۔ ۲ - جون ۱۸۹۶ع

محکمۂ عالیہ صدر۔ بحکم اجلاس مدار المہام صاحب بہادر

مہر

۱۳۸۰

رفعت وعوالیمرتبت محمد حشمت علی خاں تحصیلدار حضور تحصیل بعافیت باشند۔

حسب منشائے حکم بندگان حضور پر نور دام اقبالہم وملکہم تبادلہ آپ کا بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار بعہدۂ مہتمم بندوبست عمل میں آیا بجائے آپکے صاحبزادہ احمد رضا خاں بہادر تحصیلدار سوار حضور تحصیل تبدیل کئے گئے احکام جاری ہوئے یہ پروانہ آپ سنداً رکھیں۔ مرقوم ۳۰ - ستمبر ۱۹۰۲ع

نقل روبکار اجلاس ہز ہائنس جناب نواب صاحب بہادر دام اقبالہم وملکہم والی ریاست رام پور مورخہ ۳۱-اگست سنہ ۱۹۰۶ء

مہر
۲۳۹۴

بہ تقریب سالگرہ مابدولت باقبال بصلہ حسن خدمات اہلکاران مفصلہ تحت احکام عطیہ تمغہ حامدیہ و ترقی تنخواہ ومناصب جاری کئے جاتے ہیں۔

تمغہ حامدیہ۔ منشی حسن رضا خاں حاکم صدر۔
حاجی محمد ہادی حسن خاں سپرنٹنڈنٹ ذات خاص۔
کپتان مہر شاہ خاں۔ کمانڈنگ توپخانہ وایڈیسی۔
حافظ احمد علی خاں۔ افسر کارخانجات۔

ترقی متعلق فوج۔ خان بہادر کپتان محمد فتحیاب خاں کو میجر کا رینک عطا ہوا

اضافہ تنخواہ متعلق سول

نام	تنخواہ موجودہ	اضافہ
خان بہادر منشی احمد حسین چیف مجسٹریٹ	مارصہ	صہ
سید مرتضیٰ سپرنٹنڈنٹ پولس	ماصہ	صہ
منشی حشمت علیخاں مہتمم بندوبست	ماصہ	صعیہ
رسالدار محمد محمود علیخاں ناظم	مار	صہ
منشی راج بہادر دیوان صدر	مارصہ	صعیہ

حسب وضاحت صدر احکام ضابطہ جاری ہوں اور روبکار ہذا درج گزٹ غیر معمولی ہو فقط

محکمۂ عالیہ صدر ریاست رام پور، واقع یکم ماہ اگست ۱۹۱۱ء

مہر

نقل روبکار بحکم اجلاس ہمایوں حضور پر نور دام اقبالہم وملکہم۔

چونکہ خاں بہادر منشی احمد حسین چیف مجسٹریٹ نے یوم تقرر سے خدمات متعلقہ محنت ومستعدی سے پسندیدہ طور پر انجام دیں

اور اب بوجہ ضعف وپیرانہ سالی وہ سبکدوشی کے مستدعی ہیں اور اُنکی جگہ دوسرے انتظام کی ضرورت ہے۔ لہذا بنظر پرورش وبہ لحاظ خدمات دیرینہ پچاس روپیہ کی پنشن پر اُنکی سبکدوشی اور بجائے اُنکے حسب صراحت تحت انتظام منظور کیا جاتا ہے

۱۔ منشی حشمت علیخاں مہتمم بندوبست باضافہ پچیس روپیہ ماہوار چیف مجسٹریٹ مقرر کیئے جائیں اُن کو وہی اختیارات عطا کیے جاتے ہیں جو خان بہادر منشی احمد حسین کو حاصل تھے۔

۲۔ محکمہ بندوبست کا کام منشی سید محمود حسن اسسٹنٹ ریوینیو سکرٹری کے متعلق کیا جائے اور علاوہ بندوبست کے کام کے صاحب ریوینیو سکرٹری بہادر جو کام وقتاً فوقتاً سپرد کریں وہ بھی انجام دیں۔

۳۔ منشی حشمت علی خاں مہتمم بندوبست کو اختیارات مجسٹریٹی سرسری جو بصورت خاص حاصل تھے آئندہ قائم رہیں۔ بجائے اُن کے دوسرا انتظام کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔

سارٹیفکٹ جنرل اعظم الدین خانصاحب بہادر مدار المہام رامپور

Hashmat Ali khan is an old resident of Rampur. His family is considered one of the richest and most respectable here.

Several high appointments are held by his relatives. His father is an assistant member of Council. I have known Hashmat Ali khan personally for a long time. He is clever and as his intelligence shows will make a very good Govt: Police officer.

ترجمہ

حشمت علی خاں قدیمی باشندہ رام پور ہیں۔ ان کا خاندان بہت دولتمند اور نہایت معزز ہے۔ چند بڑے عہدوں پر ان کے اعزہ ملازم ہیں۔ ان کے والد اسسٹنٹ ممبر کونسل رام پور ہیں۔ میں بذات خاص ان کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ یہ ہوشیار اور فہیم ہیں اور گورنمنٹ انگریزی میں پولس کے لیئے موزوں ہیں۔

سارٹیفکٹ محمد اسحاق خاں صاحب بہادر مدار المہام ریاست رام پور مورخہ یکم جون سنہ ۱۹۰۰ء

Mohammed Hashmat Ali Khan Tehsildar of Sadar has worked under me for the last 4 years and from what I saw of him and his work I was able to form a good opinion of both. He is a good executive officer and as a judicial officer his recessions have stood the test of appeal. I never had occassion to find fault with him.

محمد عظمت علیخاں تخلص عظمت فرزند دوم اصغر علیخاں

ولادت بمقام رام پور بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ ہوئی۔ یوم ولادت سے وظیفہ خوار ریاست تھے۔ فارسی درسی کتابیں مولوی حسن علی خاں مرحوم۔ مولوی ولی محمد خاں بسمل سے پڑھیں۔ عربی کی کتابیں شرح ملا تک مختلف علما سے پڑھیں۔ پھری گتکہ استاد میر محمد خاں مرحوم سے۔ اور کشتی اُستاد تفضل حسین خاں سے سیکھی۔ گھوڑے کی سواری برچھیتی استاد مدد علی خاں ورسالدار فیاض خاں اور جنگی خاں مرحوم سے سیکھی۔

اس زمانہ میں رام پور اہل کمال کا مخزن تھا۔ شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ ریاست کی طرف سے مشاعرہ ہوتا تھا۔ ان کو بھی شاعری کا شوق ہوا۔

نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ روزانہ چند سال تک مغرب سے دس گیارہ بجے شب تک ان کی صحبت میں رہتے تھے۔

جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی بزرگانہ شفقت فرماتے تھے۔ ان کے فرزند اکبر جناب منشی محمد احمد صاحب مینائی سے بھائی چارہ تھا۔ وہاں بھی آتے جاتے تھے۔

ان کا کلام سب محفوظ ہے۔ ہنوز طبع نہیں ہوا ہے۔

۲۵۔ ستمبر ۱۸۸۰ء میں سواروں کے رسالہ ششم میں جمعداری پر تقرر ہوا قاعدہ کے موافق فوجی خدمت انجام دیتے رہے۔

۲۲۔ اپریل ۱۸۸۲ء کو جناب مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر رام پور تشریف لائے۔ ان کی مہمانداری محمد اصغر علی خاں صاحب مرحوم کے سپرد ہوئی۔ کل خاندان اس خدمت میں مصروف تھا۔

مہاراجہ صاحب بہادر بدری ناتھ کے تیرتھ کو رام پور سے گئے اور براہ نینی تال پھر رام پور میں واپس آئے۔ حافظ مبارک علی خاں مرحوم اور عظمت علی خاں مرحوم

نینی تال میں مہانداری پر مقرر تھے۔ جو تاریخ داخلہ نینی تال کی مہاراجہ صاحب
نے مقرر کی تھی اُس تاریخ کو مغرب کے بعد تک مہاراجہ صاحب نہیں پہونچے۔
سب کو تشویش ہوئی کہ راہ میں کوئی حادثہ نہ ہوا ہو۔ اُس روز بارش شدید
ہو رہی تھی عظمت علی خاں گھوڑے پر سوار ہو کر اُس بارش اور اندھیری رات
میں تنہا بدری ناتھ کی طرف روانہ ہوے۔ اور رات کے بارہ بجے مہاراجہ صاحب
کے کیمپ میں پہونچ گئے۔ مہاراجہ صاحب بارش کی کثرت کی وجہ سے راہ میں
مقیم ہو گئے۔ عظمت علی خاں کی اطلاع ہوئی۔ اُسی وقت سامنے بلایا۔ اور
اُن کی اِس ہمت پر آفریں کی۔ وہ بالکل پانی میں تر تھے۔ لباس اپنے پاس سے
دیکر بدلوایا۔ اور شب واپس نہیں جانے دیا۔ دو پہاڑیوں کو خط دیکر اُسی وقت
نینی تال کو بھیجدیا۔ یہ جواں مردی ان کو اس قدر پسند آئی کہ رام پور آکر جناب
نواب خلد آشیاں بہادر سے اِن کو مانگ لیا اور اپنے ہمراہ اندور لے گئے۔
اندور میں جب پہونچے تو مہاراجہ صاحب نے سرکاری مکان رہنے کو دیا اور
تیس روپے یومیہ مہانداری کے مقرر ہو گئے۔ رام پور سے کچھ اور لوگ بھی انکے
ساتھ عظمت علیخاں کے والد اور چچا کی سفارشی گئے تھے۔ ان میں عبدالعزیز خاں
مرحوم بھی تھے اِن کو مہاراجہ صاحب نے فوج میں جگہ دیدی۔ اور مختلف صیغوں
میں اور لوگ بھی ملازم ہو گئے۔
عظمت علی خاں نے خود مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر سے عرض کیا کہ تیس روپے یومیہ کی
ضرورت نہیں ہے۔ میں تو ملازم ہوں اسلیے میرے لیے دس روپے یومیہ کافی ہیں۔
چنانچہ اِن کے دس روپے یومیہ مقرر ہوے۔ اور مجسٹریٹ درجۂ اول کے مقرر
کئے گئے۔ طبیعت رسا تھی۔ ذہن صاف تھا۔ ایک سال کے اندر اندر مرہٹی زبان
کو اس طرح حاصل کیا کہ بے تکلف لکھنے پڑھنے لگے۔ اندور کی کل عدالتوں

اور دفاتر میں اس وقت مرہٹی زبان تھی۔
کچھ عرصہ کے بعد سول جج مقرر ہو گئے۔ مہاراجہ سیواجی راؤ ہلکر سے بعہد ولیعہدی نہایت خصوصیت تھی۔ جب سیواجی راؤ ہلکر مسند نشیں ہوے تو ان کو کارخانجات کا افسر مقرر کیا۔ افسر کارخانجات کے سامنے جو بدار چلتا ہے۔ کارخانجات کے دفاتر میں بہت سی خرابیاں تھیں اُنکو دور کیا۔ رات کو مہاراجہ صاحب اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرتے تھے۔ دن میں باورچیخانہ سے روزانہ خوان آتا تھا۔
کچھ مدت تک جنتم بندوبست رہے۔ اس کام کو اسطرح انجام دیا کہ ریاست اور رعایا دونوں میں نیک نام رہے۔
پھر نماڑ کے صوبہ مقرر ہوے۔ کھرگون اور منڈلیشر میں دس بارہ سال صوبہ رہے۔ کھرگون میں ان کے نام پر عظمت بازار اب تک آباد ہے۔ منڈلیشر میں نربدا کے کنارہ ریاست کی شاندار کوٹھی ہے۔ صوبہ کے لئے علیحدہ مکان ہے۔ مگر ریاست نے انکے قیام کے لئے کوٹھی کی اجازت دیدی تھی۔ ان کے تجویز کئے ہوئے سرکلر اب تک اندور کے صیغۂ مال میں بطور قانون جاری ہیں۔ ریونیو کا صیغہ اندور میں بہت ہی خراب تھا۔ مگر انھوں نے ہر شاخ میں اصلاحیں کی۔
بقایا سرکاری برسوں سے کاشتکاروں کے ذمہ چلی آتی تھی اس کے وصول کے لئے مقرر ہوئے تو چالیس لاکھ روپے سرکاری بہ آسانی وصول کئے اور ریاست سے انعام پایا۔
افیون کی کاشت سے اندور کی بڑی آمدنی تھی۔ جب اس کی کاشت میں ملک کی کمی کی گئی تو عظمت علی خاں نے دربار کو متوجہ کیا۔ اور روئی کی کاشت کو ترقی دی۔ سب سے پہلا کاٹن پریس انھیں کی سفارش سے کھولا گیا اور اسکے بعد جابجا کاٹن پریس قائم ہوے۔

مہاراجہ سیواجی راؤ ہلکر نے اپنے فرزند کے حق میں ریاست سے دست برداری کی۔ کونسل قائم ہوئی۔ بوزنکٹ صاحب رزیڈنٹ ہوئے۔ مولوی علی حسن صاحب وزیرمال ہوکر باہر سے آئے۔ اور لوگوں نے عظمت علی خاں کی طرف سے مولوی علی حسن صاحب کو بھڑکایا۔ عظمت علی خاں نے ان کی ماتحتی میں رہنے سے انکار کیا اور مہدپور کو تبادلہ کرالیا۔ یہ صوبہ خالصہ تھا۔ اور مولوی صاحب کے اختیارات سے باہر تھا۔ مہدپور کو جاتے وقت رزیڈنٹ بوزنکٹ صاحب سے ملنے گئے۔ رزیڈنٹ نے دریافت کیا تم کب آئے اور کیونکر آئے۔
تبادلہ مہدپور کا حال بیان کیا۔ رزیڈنٹ نے مولوی صاحب کو بلاکر دریافت کیا کہ آپ نے تبادلہ کس کے حکم سے کیا۔ اُنھوں نے کارباری صاحب کے حکم کا حوالہ دیا۔ بوزنکٹ صاحب نے تبادلہ کے احکام مسترد کئے اور حکم لکھا کہ نماڑ کے صوبہ کا کام عظمت علی خاں سے بہتر کوئی اور نہیں کرسکتا ہے۔
بوزنکٹ صاحب رزیڈنٹ کے دورہ کے نوٹ سنہ ۱۸۸۹ء کی نقل سے جو اِن اوراق میں شامل ہے معلوم ہوگا کہ وہ کسقدر اُن کی خدمات سے خوش تھے۔
اسی طرح سارٹیفکٹ نانا موروجی وزیر ریاست اندور مورخہ ۱۳۔ اگست سنہ ۱۸۸۶ء اور سارٹیفکٹ کے۔ سی۔ بیدرکر وزیر اندور مورخہ ۷۔ مارچ سنہ ۱۸۹۲ء اور سارٹیفکٹ ۲۱۔ جون سنہ ۱۸۹۶ء بخشی کھماں سنگھ وزیر اندور اور سارٹیفکٹ ایجنٹ گورنر جنرل سنٹرل انڈیا مورخہ ۲۵۔ اپریل سنہ ۱۹۰۳ء متعلق مردم شماری سے انکی حسن کارگزاری کی حالت معلوم ہوسکتی ہے۔
جب تک مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر اول زندہ رہے۔ جناب نواب خلد آشیاں ضروری امور کی عظمت علی خاں کے ذریعہ سے مہاراجہ صاحب کو اطلاع فرمایا کرتے تھے اور خاص خاص باتیں یوں ہی طے ہوا کرتی تھیں۔

تحفہ تحائف جانبین سے آتے رہتے تھے اسکے متعلق جناب منشی میر احمد صاحب مرحوم کی ایک تحریر عظمت علی خاں کے نام کی موجود ہے۔ چونکہ یہ رازداری کے امور ہیں اس لئے اسکو نقل نہیں کیا جاتا ہے۔

ہمت بہت عالی اور دل کے بہت قوی تھے۔ صوبہ نماڑ میں مقام چکل دہ میں بھیلوں نے سرکشی کی۔ قرب وجوار میں قتل و ڈاکہ ڈال کر رعایا کو پریشان کردیا تھا۔ عظمت علی خاں خود پولس کو لیکر گئے

ایک پہاڑی کے اوپر بھیلیوں نے اپنی حفاظت کرلی تھی۔ جب اُن کا محاصرہ شروع ہوا وہ فیر کرنے لگے۔ پولس کی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ عظمت علی خاں پیش قدمی کرکے خود اوپر گئے۔ اور ان کے پیچھے پیچھے پولس نے جاکر گرفتاری شروع کی۔

سناود میں ایک شخص شیر لیکر آیا اور وہ پنجرہ میں جاکر شیر سے لڑتا تھا۔ یہ تماشا شروع ہوا۔ صوبات کے کل حکام اور شہر کے بڑے چھوٹے سب جمع تھے۔ شیر بگڑ کر پنجرہ سے باہر نکل آیا اور عظمت علی خاں کی کرسی کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ مجمع میں ہل چل پڑگئی اور سب لوگ بھاگ گئے مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔

مہاراجہ سیواجی راؤ ہلکر ریاست سے دست برداری کے بعد بڑواہہ میں رہتے تھے۔ یہ مقام داخل صوبہ عظمت علی خاں تھا۔ یہ کبھی کبھی مہاراجہ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ کل ملازموں کی ہمارے پاس آنے کی ممانعت ہے تم کو خوف نہیں ہے۔ عرض کیا کہ میں ہر حالت میں نمک خوار ہوں۔ اگر اس قصور پر کوئی موقوف کردیگا گھر کو چلا جاؤنگا۔

مہاراجہ صاحب سیواجی کبھی کبھی خود بھی ان کے پاس دفتر میں آجاتے تھے۔

اور اکثر میوہ وغیرہ بھیجتے تھے۔

عظمت علی خاں کی یہ جبلی عادت تھی کہ جو کوئی ان کے پاس جائے وہ خود کبھی اسکو یہ نہیں کہتے تھے کہ چلے جاؤ۔ دسترخوان پر روزانہ ہر وقت میں پچیس آدمی ہوتے تھے۔ جن کو کپڑے کی ضرورت ہوئی ان کو کپڑا بنوا دیا۔

سیواجی راؤ ہلکر نے ان کو ڈھائی لاکھ روپے کا نقد و جنس دیا مگر وہ سب صرف کر دیا۔ کوئی جائداد پیدا نہیں کی وہی موروثی حصہ جائداد کا ہی جو ترکہ میں ملا تھا۔ حسن مراعات اور مروت کا یہ حال تھا کہ ایک ملازم کو ایک ہزار روپے کے نوٹ دیکر بازار کو بھیجا۔ انھوں نے آکر کہدیا کہ وہ جیب سے نوٹ جاتے رہے سنکر خاموش ہو گئے۔ اور ملازم کی تسلی کی۔

ابتدا میں جناب عباس علی خاں صاحب مرحوم اور وہوی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اندور جا کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حسن اعتقاد ہوا اور مولانا محمد امیر صاحب مرحوم خلیفہ شاہ عبدالرزاق لکھنوی سے ارادت ہوئی۔

اجمیر میں خواجہ غریب نواز کے مزار میں وضو کے لئے سقایہ بنوائے اور تا زندگی اسکے مصارف ادا کرتے رہے۔

کئی برس سے ذیابیطس تھا۔ اسکا علاج بھی کرتے رہے۔ نماڑ کے علاقہ کی آب و ہوا گرم ہو اسکا اثر صحت پر بہت برا ہوا۔ پانوں میں جوتے سے خفیف زخم ہوا۔ اسکی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ دو ہفتہ میں اسکی حالت خطرناک ہو گئی۔

صوبہ سے اندور خاص میں آئے اپنی اراضی میں جہاں مکان بنانا تجویز کیا تھا۔ کیمپ لگایا گیا۔ اور ڈاکٹر رابرٹس اور ڈاکٹر کھنڈار کرنے عمل جراحی کیا زخم روز بروز خراب ہوتا چلا۔ بڑا لڑکا معظم علی خاں بیرسٹر ولایت میں بغرض تعلیم گیا ہوا تھا

انتقال سے ایک روز قبل امتحان بیرسٹری کی کامیابی کا تار آیا۔ اُسی وقت فاتحہ شکر پڑھا۔ مٹھائی تقسیم کی۔ ۶۔ نومبر ۱۹۱۶ء کو اندور میں انتقال ہوا۔ تکوگنج کی سڑک پر جو پلاسیہ کا تکیہ ہے۔ وہاں مسجد کے سامنے دفن کیا۔

منشی امیر اللہ تسلیم نے تاریخ کہی۔

بجوارِ جناں تسلیم رضواں گفت تاریخش　　رئیس جم حشم آمد امیر کامراں آمد
۱۳۳۴ھ

مرحوم نے معظم علی خاں بیرسٹرایٹ لا حال ملازم اندور، مسعود علی خاں تحصیلدار ریاست اندور اور مظفر علی خاں طالب علم ڈاکٹری اور ایک لڑکی اہلیہ مولانا محمد علی صاحب آکسن مالک ہمدرد و کامریڈ وارث چھوڑے۔

معظم علی خاں مرحوم کے انتقال کے بعد ہندوستان کو ولایت سے واپس آئے۔ اندور جاکر رزیڈنٹ مسٹر بوزنکٹ سے ملے۔ اُنھوں نے ملازمت دینا چاہی مگر انکار کردیا۔ انھیں بیرسٹری کرنا تھی اسلیے ان کے والد کی خدمات کے لحاظ سے پانچ ہزار روپے ریاست نے دئے تاکہ بیرسٹری شروع کریں۔

مہاراجہ سیواجی راؤ ہلکر کے حضور میں حاضر ہوئے۔ تو فرمایا عظمت علی خاں کی علالت کا حال ہمیں معلوم نہیں ہوا ورنہ ہم ان کو دیکھنے جاتے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ تم پھر آؤگے تو ہم تمھارا ہاتھ مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر رئیس حال کے ہاتھ میں دیدینگے۔

Testimonials given to Mr. Azmat Ali Khan
Durbar Officer of Indore

13th August 1888

I have known Mr. Azmat Ali Khan for nearly two years. He belongs to a high and respectable family of Rampur Bareli. He has successively held two responsible offices at Indore, that of Chief Magisterate and that of the City civil Judge and each of these capacities has given entire satisfaction to the Durbar. He is a good Persian scholar and possesses a fair Knowledge of Colloquial Marathi. He has a keen perception and strong Common sense which he has invariably brought to bear on the performance of his various duties, as I can testify from his numerous proceedings which have) come under review in the usual course of business before the Durbar. His manners in private life are straight forward and Courteous, as I have great pleasure in certifying.

(Sd) Nanamoragi
Minister of His Highness Maharaja Holkar

The Palace Indore
27th March 1892

My dear Mr. Azmat ali Khan

Having Completed the tour of H. H. The Mahraja Holkar's Rampura District in your Company I feel bound to write & tell you how hard working, useful and intelligent I found you Ameens were absent on leave both on Narayan gad and Manasa; and I do not think I could possibly have got on as well as I did but in your willing and effective Co-operation. I found your Knowledge of the Rampur District very extensive as well as very accurate. Your acquaintance with the intricacies of the Mahal accounts served as a corrective check upon the performances of the Cunning Daftardars, and your persistently hard work with me in the fields and villages aided me materially in Carry out the wishes of H. H. The Maharaja Holkar

I trust your work will be appreciated by our August Master and all others who may require your services.

Yours very truly
K. C. Bedarkar, Minister.

Malpura, Ajmere
21st June 1896

My dear Azmat ali Khan Saheb

I was very glad to see you when you Called on me the other day on your way to Ram-pur.

As you had served the Indore State for about 14 years and we passed most of that time together, I therefore take this opportunity to review your career briefly. H.H. The late Maharaja Tukujee Rao brought you to Indore in 1882 as you belonged to one of the most respective family of Rampore.

You were already a Persian Scholar and shortly after you arrived at Indore, you made yourself quite fimilian with Marahti which is the Court languge of Indore. You held various Judicial + revenue posts of high rank there and I am glad to say that you discharged your duties with great tact, ability + straight forwardness. You worked with great zeal + loyalty and gave every satisfaction to your superiors both as a judge

and as a Subha, and it is my firm belief that if you are instructed with any work of any importance you will discharge it creditably. In short I have the greatest confidence in your ability and honesty.

Your very Sincerely
Bukhshi Khooman Singh
C. S. I.
Late Minister of H.H. The Maharaja
- Holkar

Central India Census 1901

This certificate is presented to Munshi Azmat Ali Khan Subha of Nimsar by order of the Honourable the Agent to the Governor-General in Central India as a mark of appreciation in recognition of excellent and willing service render-ed in the Census Operation of 1901.

Sd Captain

Indore
25th April 1903

Superintendent Census operator
in Central India

Extract from the Resident at Indore's Inspection
- notes.

The Subha Mr. Azmat Ali Khan needs no special mention. He accompanied me everywhere and to thank him for making my tour a pleasant one. He has the interests of the State at heart; and his knowledge of the District and the attention he has bestowed on the various measures for developing it make his opinion valuable.

I am much indebted to Mr. Azmat ali Khan for my pleasant trip in Nimsar, the comfort of which was largely due to his pre-parations while its interest was greatly enhanc-ed by his local experience which he freely placed at my disposal.

No. 242 of 1906

Dated Durbar Revenue Department Indore
The 23rd February 1906

Forwarded to the Subha of Nimsar for inform-ation.

By order
Secretary Durbar Rev: Department

یوسف علی خاں فرزند سوم محمد اصغر علی خاں

ولادت رام پور میں تاریخ ۱۱۔محرم ۱۲۹۵ھ ہوئی۔فارسی کی تعلیم پائی۔تھوڑی انگریزی بھی پڑھی۔ ۱۸۸۰ء میں عظمت علی خاں صوبہ اندور نے طلب کیا اور اندور کی تیسری رجمنٹ سواروں میں کپتان کے عہدہ پہ تقرر ہوا۔ اور پھر ترقی پاکر کمانڈنٹ مقرر ہوئے تین سو روپے تنخواہ تھی۔ ۱۹۲۰ء میں اندور سے پنشن پاکر رام پور چلے آئے۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر خلد اللہ ملکہٗ و اقبالہ نے مجسٹریٹ درجۂ سوم کے عہدہ پر مقرر فرمایا۔

اسکے بعد میونسپل سکرٹری مقرر ہوئے۔ اخیر میں صیغۂ اسٹامپ سپرد تھا۔ ذیابیطس کا مرض لاحق ہوا۔ ۳۰۔ستمبر ۱۹۲۷ء کو انتقال ہوا۔ اور مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار میں دفن ہوئے۔

ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اور خاطر و تواضع میں بہت اہتمام کرتے تھے۔ سپاہیانہ کام میں بہت کمال تھا۔ محمد فاروق علی خاں۔ عثمان علی خاں دو لڑکے یادگار ہیں۔

احمد علی خاں فرزند چہارم محمد اصغر علیخاں
مؤلف تذکرۂ ہذا

رام پور میں ولادت ۱۰۔شعبان ۱۳۰۸ھ مطابق ۲۱۔جنوری ۱۸۹۱ء شنبہ کے دن ہوئی۔ ابتداءً کلام اللہ حفظ کیا۔ اور پھر فارسی تعلیم بقدر نصاب مقررہ مولوی حسن علی خاں مرحوم۔ میر شجاعت علی صاحب مرحوم۔ مولوی فضل الرحمن خاں صاحب مرحوم ریاضی داں اور مولوی عبدالحمید خاں صاحب مرحوم سے حاصل کی۔

بموجب پروانہ حضرت نواب خلد آشیاں مورخہ دوم اکتوبر ۱۹۰۸ء نمبر ۳۔ رسالہ ہشتم سواراں میں جمعدار ہوا۔ کئی سال قواعد وغیرہ کی۔ محمد عظمت علیخاں مرحوم کی وجہ سے

جناب مہاراجہ سیواجی راو ہلکرنے اندور طلب فرمایا۔ حضرت نواب خلد آشیاں کے حکم سے اندور گیا۔ ۶۔ اگست سنہ ۱۸۸۸ء کو اول پلٹن اندور میں کپتان مقرر ہوا دو سال تک اِس خدمت کو انجام دیا۔ اُس زمانہ میں گوالیار اور اندور کی فوج بہتر سمجھی جاتی تھی۔ قواعد بالکل انگریزی فوج کے مطابق ہوتی تھی۔ دو سال کے بعد مصاحبوں میں تبدیلی ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں ترک ملازمت کرکے میں رامپور چلا آیا۔ اور یہاں اپنے گھر کے کاروبار میں مصروف رہا۔

مارچ سنہ ۱۸۹۱ء میں میرے چچا حافظ مبارک علی خاں مرحوم جنرل اعظم الدین مرحوم کے بچانے میں شہید ہوئے۔

چچا صاحب مرحوم کے فرزند کو نائب اور مرحوم کی جگہ مجھے قائم مقام منصرم نزول مقرر کیا۔ یہ بھی ملازمت ترک کی۔

عالی جناب نواب سید محمد حامد علی خاں صاحب بہادر دام اقبالہ نے انتظام ریاست کی طرف بہ نفس نفیس توجہ فرمائی۔ تو قدیمی نمک خواروں کو جمع فرمایا۔

مجھے پرورش شاہانہ سے کتاب خانہ کا منصرم ۱۳۔ فروری سنہ ۱۸۹۶ء میں باتحتی جناب حکیم محمد اجمل خاں صاحب دہلوی بنایا۔ ابتداءً تیس روپے تنخواہ مقرر کی۔ اِس خدمت کو قبول کرنے میں سب عزیزوں کو انکار تھا۔ مگر مجھے کتابوں کا شوق تھا اسلیے یہی خدمت پسند کی۔ باوجود میری علمی کم مائگی حکیم صاحب موصوف نے میری ترقی کے متعلق نہایت توجہ فرمائی۔ میرے خاندان پر جناب حکیم صاحب موصوف کے احسانات کثیر ہیں۔

بموجب پروانہ ۲۶۔ جولائی سنہ ۱۹۱۵ء میرے متعلق مصرف خیر۔ اوقاف۔ مرمت مساجد کا کام بھی سپرد ہوا۔ ۱۲۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء کو افسر کارخانہ جات کا عہدہ ملا۔ اور کتابخانہ کی بھی خدمت رہی۔ ۲۷۔ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء کو کمیٹی نیابت خاص کا ممبر بنایا گیا۔

۲۰- فروری سنہ ۱۹۱۶ء کو مدرسۂ عالیہ کی کمیٹی کا ممبر بھی مقرر کیا گیا۔
۳۱- اگست سنہ ۱۹۲۶ء کو پیشگاہ عالی سرکار دام اقبالہم سے تمغہ حامدیہ عطا ہوا۔
فی الحال کتاب خانۂ ریاست اور جواہر خانہ کا نگراں ہوں سردار یدیوڑھی کے لقب سے ملقب ہوں۔

محمد ابراہیم علیخاں فرزند پنجم اصغر علی خاں

رامپور میں ۲۲- ذی قعدہ سنہ ۱۲۹۶ ہجری کو ولادت ہوئی۔ ابتدائی فارسی تعلیم کے بعد کچھ انگریزی بھی پڑھی۔ والد مرحوم کو اُنسے بہت الفت تھی۔ اپنی پیشی کے کام میں انسے بھی کام لیا کرتے تھے۔ قانونی لیاقت اچھی ہے۔
اعلیٰحضرت بندگانِ عالی حضور پر نور جناب نواب سید محمد حامد علیخاں صاحب بہادر دام ملکہم نے پرورش فرماکر نائب تحصیلداری عطا فرمائی۔ اور پھر حسن کارگزاری کی بدولت تحصیلداری پر تقرر ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد خدمت سے سبکدوش ہوکر اپنا تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ سرفراز علی خاں طالب علم بی اے کلاس اور طاہر علیخاں ان کے دو فرزند ہیں۔

محمد حامد علی خاں فرزند ششم اصغر علی خاں

رامپور میں ۲۵- شوال سنہ ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی تعلیم ہوئی۔ ابتداءً کچھ روز تک رسالہ پولس سواروں میں جمعدار رہے۔ وہاں سے استعفا دیکر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ سردار علی انٹرنس پاس اور سعادت علی اور شرافت علی تین لڑکے ہیں۔

محمد منصور علی خاں فرزند ہفتم اصغر علی خاں

رامپور میں ۲۰- رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی پوری تعلیم حاصل کی۔ تجارت کرتے ہیں۔

تصحیح و اضافہ

تذکرۂ کاملانِ رام پور

۱

تصحیح و اضافہ شعائر اللہ خاں ابن نصرت اللہ خاں صاحب کی محنت و محبت کا نتیجہ ہے۔ یہ مولوی وجیہ الدین احمد خاں صاحب کے نواسے نصرت اللہ خاں صاحب کے صاحبزادہ، ہیڈ ماسٹر خلیل اللہ خاں صاحب کے بھتیجے، فاضل علوم عربیہ اور ایم، اے ہیں۔ ۲۵-۳۰ سال کی عمر ہوگی، لیکن علم سے شغف گیرائی اور گہرائی ۵۰-۶۰ سالہ جیسی ہے۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے اور ان سے بہتر سے بہتر کام لے۔ آج کل وجیہ الدین صاحب کے قائم کردہ مدرسہ فرقانیہ میں تدریس اور کتب خانہ دونوں کو دیکھتے ہیں۔

از

شعائر اللہ خاں

تصحیح

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵/۲۴	۱۲۸۷ء	۱۲۸۷ھ
۱۲/۲۶	انتیسویں	انیسویں
۱۷/۴۹	۱۲۸۲ھ	۱۲۸۶ھ
۴/۵۵	انوار	انور
۱۸/۸۲	جمال اللہ علیہ	جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ
۷/۱۰۰	۱۳۳۱ھ	۱۲۳۱ھ
۱/۱۰۱	زقت	رقت
۵/۱۰۵	کونسل ایجنسی	کونسل آف ایجنسی
۱۰/۱۱۷	۱۸۸۹ء	۱۳۸۹ھ
۱۲/〃	۱۲۸۰ھ یا ۱۲۸۱ھ	۱۸۸۰ء یا ۱۸۸۱ء
۱۲/۱۳۹	ساطھ	ساٹھ
۱۵/۱۴۲	درجہ کی	درجہ کے
۱۰/۱۵۱	دوسر	دوسرے
۲۱/۱۶۴	بارہ سو تینتاکیس	بارہ سو تینتالیس
۱۷/۱۶۵	نواب سید	نواب
۷/۱۶۹	نے تین	تین
۳۲/۱۷۱	آرد	رد
۱۳/۱۷۶	پھٹ پورہ	بھٹ پورہ
۲۰/۱۷۷	پانی	ہاتھی
۷/۱۹۸	اور مدرسہ	مدرسہ
۱۷/۲۰۱	بعد انتقال	میں انتقال ہوا
۱۶/۲۰۳	دفتر	دختر
۲۱/۲۱۴	شفاخا	شفاخانہ
۱۷/۲۱۶	عدد المہام	صدر المہام
۲۱/۲۱۸	یہ تفصیل	بہ تفصیل
۸/۲۲۱	ستاسی	سوستاسی
۱۷/۲۲۲	پہکے	پہلے
۸/۲۲۳	ردیف وار الاستاتذہ	ردیف وار اساتذہ
۸/۲۳۳	کشہیر	کشمیر
۳/۲۵۲	عثمان	عثمان

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۳/۲۷۷	حینتہ المعلّٰی	جنتہ المعلّٰی
۲۱/۲۸۵	ملاعوت	ملاغیرت
۲۰/۲۸۸	غلام حید	غلام حیدر
۸/۳۰۵	مدین	متدین
۲۱/۳۲۱	آثار الصنادید	اخبار الصنادید
۱۱/۳۲۲	کھ	کچھ
۱۵/〃	محمد نبی	محمدی
۱/۳۳۰	مستقل	منتقل
۲/۳۴۵	بخشی کے گھر	بخشی کے گھیر
۱۵/۳۵۰	الشرعین	الشرحین
۱۷/۳۵۳	اسرار واحدیث	اسرار واحدیت
۱۷/۳۷۰	سے	یہ
۱۹/۳۹۳	پھر اسپر سے	پھر اسیر سے
۵/۴۴۳	مولا	مولانا
۲/۴۴۷	کہا	کہاں
۱/۴۵۱	۱۳۸۵ھ	۱۲۸۵ھ
۵/۴۵۶	لڑکی پانچ	لڑکی کو پانچ
۱۹/۴۵۷	انتقال کے رام پور	انتقال کے بعد رام پور
۱۰/۴۵۹	پکڑ	بگڑ
۱۳/〃	اک	ایک
〃	دایم کے	دایم کو
۵/۴۶۰	سانھ	ساٹھ
۱۳/〃	کھینے...جکے	کھینے...جنکے
۱۳/۴۶۱	نواب	نواب
۱۲/۴۶۲	بر	پر
۱۰/۴۷۸	دیگر	دیکر
۵/۵۳۷	پک	یک

اضافہ

• ص ۲ محمد ابراہیم خاں کے ذکر میں یہ عبارت بڑھا دی جائے :— "۱۰ جمادی الاوّل ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۵۴ء کو انتقال ہو گیا اور مزار شاہ ولی اللہ صاحب واقع گھر ضیاء النبی میں دفن ہوئے۔ ابراہیم علی خاں بدر تسلیمی نے 'چشمۂ نور رحمت سبحان' بحوالہ مقصود احمد خاں پسر موصوف مادۂ تاریخ کہا۔

• ص ۱۴/۵ شاہ ابوسعید کے احوال میں تاریخ وفات "بارہ سو پینتالیس ہجری" ۱۲۴۵ھ دی ہے۔ صحیح سال ۱۲۵۰ھ ہے۔

مصرع تاریخ یہ درج ہے : "ستون محکم دین نبی فتاد زپا" جبکہ صحیح مصرع یہ ہے: "ستون محکم دین نبی فتادہ زپا" جس سے ۱۲۵۰ھ برآمد ہوتے ہیں (بحوالۂ علم و عمل جلد اوّل ص ۲۵۹)۔

• ص ۷ مولوی احسان حسین کے ذکر میں یہ عبارت بڑھائی جائے : "۲۴ محرم ۱۳۵۸ھ، مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء کو کلیر شریف میں انتقال کیا (بحوالۂ دبدبۂ سکندری، مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء)۔

• ص ۲۶ - میاں احمد علی شاہ احمد کے ذکر میں یہ عبارت بڑھا دی جائے : — "آپ کے دیوان کے اب تک تین نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ (۱) افضل نامہ موجودات کتب خانہ جامع العلوم فرقانیہ رامپور اس نسخہ کی ترتیب کا کام راقم الحروف وزارت ثقافت نئی دہلی کے تعاون سے کر رہا ہے۔ (۲) ناصر نامہ موجودات کتب خانہ مدرسہ سلیمانیہ چشتیہ سنی' یہ نسخہ بخط سید نظام شاہ نظام ہے۔ (۳) مثنویات احمد اس نسخہ میں بیشتر حصہ مثنویات پر مشتمل ہے اور بظاہر بخط مصنف ہے جیسا کہ خط اور حواشی سے اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دیمک خوردہ نسخہ اور دستیاب ہوا ہے جو کافی ضخیم ہے۔ لیکن ابھی اس کی دوسرے نسخوں سے مطابقت نہیں کی گئی ہے جس سے کہ صحیح اندازہ ہو کہ یہ زاید کلام ہے یا مذکورہ نسخوں میں سے کسی کی نقل ہے۔"

صاحب تذکرہ نے میاں صاحب کا سال وفات بارہ سو بیاسی درج کیا ہے۔ لیکن اصل سال وفات بارہ سو اکیاسی ہے۔ کیونکہ مزار پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس کا مادہ یہ ہے : "ذات میں ملے" ۱۲۸۱ھ

سطر ۱۳ پر یہ عبارت درج ہے : "نظام نے اپنے مکان میں دفن کیا۔" حقیقت یہ ہے کہ یہ مکان حضرت احمد کا ذاتی تھا۔ اس کی اصل ملکیت کی دستاویز موجود ہے۔

سطر ۱۴ اور ۱۵ پر یہ عبارت درج ہے۔ "میاں نظام شاہ تا حیات خود متولی مزار رہے۔ ان کے بعد حاجی تمیز علی اور ان کے بعد مولوی وزیر محمد خاں متولی ہوئے۔" لیکن سلسلۂ تولیت اصل میں یوں ہے : "(۱) خان محمد خاں ملتجی (م ۱۹۰۲ء)۔ (۲) شاہ جی محمد نور خاں (م ۱۸۹۵ء)، (۳) وزیر محمد خاں وزیر (م ۱۹۲۵ء) بحوالۂ حالات مشائخ از سردار شاہ خاں و کارروائی مقدمہ تنازعۂ تولیت مابین وزیر محمد خاں و سید سکندر شاہ

۱۹۱۲ء عدالت عالیہ رام پور محلوکہ راقم الحروف۔

• سطر ۱۷ پر یہ عبارت درج ہے "مگر اب مدت سے اس مزار پر قوالی اور رنڈیوں کا ناچ ہوتا ہے مریدوں نے سیاہ لباس کو شعار بنالیا ہے۔" اصل قصہ یوں ہے کہ ۱۹۱۰ء میں ایک آزاد فش سید سکندر شاہ نے یہ حرکات زبردستی شروع کی تھیں لیکن ۱۹۱۲ء میں عدالت عالیہ رام پور نے سید سکندر شاہ کو مقدمہ کے بعد مزار باہر کیا اور متولی مولانا وزیر محمد خاں صاحب نے ان لغویات سے مزار مبارک کو پاک وصاف کر دیا۔ حافظ احمد علی خاں شوق نے ان لغویات کے ختم ہونے کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ انھیں وزیر محمد خاں صاحب سے کچھ عداوت تھی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں دستاویزات عدالت عالیہ رام پور ۱۹۱۲ء محلوکہ راقم الحروف۔

• ص ۳۸، مولوی اشفاق احمد کے حال میں یہ عبارت بڑھادی جائے: "۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۶ء تک مدرسہ عالیہ میں مدرس رہے، ۳۰ رجنوری ۱۹۷۶ء کو رام پور میں ہی انتقال ہوا۔"

• ص ۴۹، اکبر علی خاں کے ذکر میں سال وفات ۱۳۰۲ھ تحریر ہے، جبکہ صحیح سال محرم ۱۳۰۱ھ ہے (بحوالہ تذکرہ عرشی مرتبہ ملک رام)۔

• ص ۵۲، مولوی الہداد کے ذکر میں یہ عبارت بڑھادی جائے: "آپ عہد ۱۸۲۰ء سے ۱۸۵۹ء تک مدرسہ عالیہ کے مدرس رہے۔"

• ص ۵۲، حکیم سید محمد الیاس کی تاریخ وفات ۱۱ فروری ۱۹۵۳ء (بحوالہ فہرست مخطوطات اردو رضا لائبریری رام پور جلد اول / ۱۹۱)۔

• ص ۵۵، پر تخلص انوار درج ہے، جبکہ صحیح تخلص انور ہے۔

• ص ۶۲، امیر مینائی کے ذکر کے ذیل میں ان کے فرزند اکبر کے احوال میں اضافہ کیا جائے: "منشی محمد ... تخلص صریر تھا، ان کا انتقال ۷ ستمبر ۱۹۳۳ء کو رام پور میں ہوا، اور باغ ریاں محمد عاشق صاحب واقع بلاسپور گیٹ میں دفن ہوئے۔"

• ص ۶۷، محمد امین قادری کی تاریخ وفات ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء ہے (بحوالہ انتخاب منصور مرتبہ نذر الحسن خاں)

• ص ۶۸، اولاد حسین شاداں بلگرامی کے ذکر میں اضافہ: "۱۹۴۸ء میں بعمر ۷۹ سال رامپور میں انتقال ہوا"

• ص ۸۴، ملا بہاؤالدین۔ "۱۴ محرم ۱۳۱۹ھ کو وفات رام پور میں ہی ہوئی اور محلہ مدرسہ کہنہ میں دفن ہوئے۔ مزار گنبد دار موجود ہے۔" (بحوالہ کتبہ مزار)۔

• ص ۱۱۸، ذکر مولوی سید حیدر علی میں مندرجہ ذیل تاریخ وفات تحریر کی جائے: "مورخہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۸۵۶ء۔" (بحوالہ علم وعمل جلد اول مرتبہ ایوب قادری صفحہ ۷۹)۔

• ص ۱۳۸، ذکر ریحان حسین میں تاریخ وفات وغیرہ بڑھائی جائے: "مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۵ء مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ کو انتقال ہوا، اور مولوی ارشاد حسین صاحب کے احاطہ واقع محلہ کھاری کنواں میں دفن کیے گئے۔"

○ ص ۱۴۳، مولوی رشید الغنی مجددی کا سالِ وفات یہ ہے: "۱۸۵۷ء" (بحوالہ رجسٹر وفیات رضا لائبریری، رام پور)

○ ص ۱۵۰، مولوی سراج الدین احمد خاں ولد جلال الدین احمد خاں کا سالِ وفات یہ ہے: "۱۹۱۲ء" بحوالہ فہرست مخطوطات اُردو، ص ۱۴۱)

○ ص ۱۵۴، مولوی سعید الدین محمد قلی خاں کے ذکر میں یہ عبارت بڑھائی جائے: "مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۵ء، مطابق یکم شعبان ۱۳۵۴ھ کو انتقال ہو گیا" (بحوالہ رجسٹر وفیات رضا لائبریری، رام پور)

○ ص ۱۵۸، پر مولوی سلام اللہ کی تاریخ وفات یہ ہے: "جمادی الاخریٰ ۱۲۲۹ھ" (بحوالہ تذکرہ علمائے اہلِ سنت، مرتبہ محمود احمد قادری ص ۱۰۲، ناشر خانقاہ اشرفیہ اسلام آباد ضلع مظفر پور (بہار)

○ ص ۱۵۹، سیف الدین بلخی کے ذکر میں: "غالباً تیرہ سو پانچ ہجری" کو قلم زد کر کے ۱۸۹۶ء/ ۱۳۱۳ھ بڑھایا جائے (بحوالہ رام پور اسٹیٹ گزٹ جلد ۸، شمارہ ۱۴، مورخہ ۶ اپریل ۱۸۹۶ء)

○ ص ۱۶۴، سید شاہ صاحب کے ذکر میں تاریخ وفات درج نہیں۔ میں نے ان کے بیٹے سید حسن شاہ محدث کا حال دیکھا تو اس میں لکھا ہے کہ والد کے انتقال کے وقت سید حسن شاہ محدث کی عمر کل ۹ برس کی تھی۔ سید حسن شاہ کا سالِ ولادت "غالباً ۱۲۲۶ھ" ہے اس لئے ۱۲۲۶ھ میں ۹ جوڑ دیے جائیں تو ۱۲۳۵ھ ہوتے ہیں لہٰذا سید شاہ صاحب کا سالِ وفات غالباً ۱۲۳۵ھ ہو سکتا ہے۔

○ ص ۱۶۷، رشید محمد کے حال میں ان کے اور بیٹے کی شہادت جنگ دوجوڑہ میں بتائی گئی ہے۔ جنگ "دوجوڑہ" ۱۷۹۴ء/ ۱۲۰۹ھ میں ہوئی تھی لہٰذا یہ سال بڑھا دیا جائے تاکہ سالِ وفات بآسانی معلوم ہو جائے۔

○ ص ۱۷۱، مفتی شرف الدین کا سالِ وفات یہ ہے: "۱۸۵۲ء" (بحوالہ علم و عمل جلد اول ص ۴۲)

○ ص ۱۷۲، پر شیر محمد علوی کا ذکر ہے لیکن تاریخ وفات نہیں ہے۔ مولوی عبد القادر (مؤلف وقائع عبد القادر خانی) نے انھیں دیکھا نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیر محمد وقائع کی تالیف (۱۸۲۱ء) سے کافی پہلے وفات پا چکے تھے۔

○ ص ۲۳۰، ذکر مولوی عبد الغفار خاں میں یہ عبارت بڑھا دی جائے: "۳ر اپریل ۱۹۳۰ء مطابق ۳ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ کو وفات ہوئی، اور احاطہ مزار مولوی ارشاد حسین صاحب واقع محلہ کھاری کنواں میں مولوی سلامت اللہ صاحب کے ہم پہلو دفن کیا گیا۔ (بحوالہ دبدبۂ سکندری، مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۰ء)

○ ص ۲۵۲، مولوی حکیم عبد الہادی خاں کے ذکر میں (جو ص ۲۵۲ [illegible]) آخر میں یہ عبارت بڑھا دی جائے: جس کا نام "کمیات دوائیہ" ہے۔ ان کے بیٹے مولوی عبد الواحد خاں عرف رحمٰن میاں بیٹے سے ملنے پاکستان گئے اور وہیں ۸۵ برس میں وفات پائی۔

○ ص ۲۵۳، محمد عثمان خاں قیس کے ذکر میں (جو ص ۲۵۲ سے جاری ہے) آخر میں یہ عبارت بڑھا دی جائے: "ایک کتاب فارسی میں موسیقی نام کی لکھی ہے، جو مطبع نولکشور سے ۱۸۷۴ء میں ۲۴ صفحات پر طبع ہوئی ہے۔"

• ص ۲۵۹/۹ پر عبارت نواب فردوس مکاں کے عہد میں " کو یوں پڑھا جائے: " نواب فردوس مکاں کے عہد (۱۸۵۵ء - ۱۸۶۵ء) میں "

• ص ۲۹۲ مولوی غلام حضرت خاں حاذق کی تاریخ وفات یہ لکھی جائے: " ۷ نومبر ۱۹۲۷ء کو ۱۱ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ " (بحوالہ دبدبۂ سکندری مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء "

• ص ۳۱۶/۱۵ مولوی فرخی نے سفرنامہ مرتب کر کے دو جلدوں میں مشتہر کیا " کو یوں پڑھا جائے: " سفرنامۂ سیر حامدی مرتب کر کے دو جلدوں میں مشتہر کیا "

• ص ۳۱۶، مولانا فرخی ہی کے ذیل میں یہ عبارت بڑھا دی جائے: " مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۳۱ء مطابق ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ کو رام پور میں وفات ہوئی اور احاطۂ مزار بغدادی صاحب میں دفن کیے گئے " (بحوالہ دبدبۂ سکندری مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء -

• ص ۳۱۷، مولوی فضل حق رام پوری کے ذکر میں یہ عبارت بڑھا دی جائے: " مرحوم نے ۲ فروری ۱۹۴۰ء مطابق ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ کو رام پور میں وفات پائی اور قبرستان مسجد گھیر مردان خاں، نزد مدرسہ مطلع العلوم میں تدفین ہوئی " بحوالہ دبدبۂ سکندری رام پور، مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۰ء

• ص ۳۲۴، ذکر حکیم فتح یاب خاں اخگر میں یہ عبارت بڑھائی جائے گی: " ۱۹۱۴ء یا ۱۵ء میں بمقام چنسرہ (ہوگلی) انتقال ہوا " (بحوالہ تلامذۂ غالب صفحہ ۲۷)

• ص ۳۳۸، شاہ کمال الدین کے حال میں دو سطریں لکھی گئی ہیں۔ دراصل یہ شاہ کمال الدین صاحب ہیں جن کی عرفیت بھورے میاں ہے۔ بھورے میاں کا حال صفحہ ۸۷ پر موجود ہے۔ مجمع ... سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں پر ان کا نام قلم زد کیا جائے۔

• صفحہ ۳۵۴، ملا محمد حسن کے حال میں لکھا ہے کہ " تقریباً ۶۰ سال ہوئے کہ انتقال کیا " کتاب فتح المبین مرتبہ منصور علی مراد آبادی میں ایک فتوی کی تصدیق پر ایک مہر ہے جو یوں ہے [...] ۱۲۹۹ھ کا عیسوی سنہ ۱۸۸۱ء برآمد ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ملا محمد حسن ۱۸۸۱ء تک زندہ تھے۔ کتاب فتح المبین " اصح المطابع لکھنؤ سے ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۶ء میں طبع ہوئی ہے۔

• ص ۳۶۱ مولوی محمد علی بن مولوی وزیر احمد کے ذکر میں یہ عبارت بڑھائی جائے: دنیا میں بہت نام پیدا کیا خصوصاً درس و تدریس میں۔ والد کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا کتب خانہ جامع العلوم فرقانیہ رام پور کی زینت ہے۔ آخر عمر تک مدرسہ انوار العلوم کے اہتمام و انصرام میں معروف رہے۔

افسوس کہ ۱۹۴۰ء میں انتقال ہو گیا۔ اور گویا تالاب پر بابو اسد علی خاں کی گلی دا... میں دفن ہوئے " (بحوالہ مولانا افضال الحق صاحب)

• ص ۳۶۲، محمد علی خاں اثر کے ذیل میں یہ عبارت بڑھائی جائے : "آپ ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے شاعری میں اثر تخلص تھا۔ پہلے جلیل مانک پوری اور بعدہٗ آرزو لکھنوی سے اصلاح لی۔ ۱۹۶۳ء میں وفات پائی اور گھیر نجو خاں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کی کتابوں کے نام یہ ہیں : (۱) وطن کا گیت (مطبوعہ) ؛ (۲) مقدمہ مسدس بینظیر (مطبوعہ) ؛ (۳) ارمغان بہار (مطبوعہ) ؛ (۴) تذکرۂ شعرائے رامپور (غیر مطبوعہ) ؛ (۵) ترجمہ وہب الجمال اردو (غیر مطبوعہ) — ان کے علاوہ بہت سے مضامین ماہنامہ آجکل دہلی، نیا دور لکھنو۔ اور اُردو ادب وغیرہ میں بکھرے ہوئے ہیں۔" (بحوالہ محمد علی خاں اثر از فریاد مشمولہ ماہنامہ عکس تحریر رام پور، ماہ ستمبر ۱۹۸۱ء)۔

• ص ۳۷۱، ذکر سید محمد مشتاق صاحب میں تاریخ وفات بڑھایئے : "۱۴ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ" (بحوالہ سید محمود شاہ نسیم رامپوری)۔

• ص ۳۷۸، مولوی محمد نبی خاں معجز کے ذکر میں یہ عبارت بڑھادی جائے : "موصوف نے ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء کو رام پور میں ہی انتقال کیا اور اپنے خاندانی قبرستان محلہ اصطبل قریب شتر خانہ مسجد کے برابر دفن ہوئے۔ بحوالہ ڈائری محمد علی خاں سکریٹری مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ رام پور — حضرت معجز کے کلام کا کچھ حصہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔"

• ص ۴۰۷، ذکر مولوی معوان حسین میں یہ عبارت بڑھادی جائے : "وفات ۹ جولائی ۱۹۳۳ء مطابق ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ کو ہوئی اور مولوی ارشاد حسین صاحب کے احاطۂ مزار میں ہی دفن کیا گیا، جو محلہ کھاری کنواں پر واقع ہے۔" بحوالہ دبدبۂ سکندری مورخہ ۷ اگست ۱۹۳۳ء۔

• ص ۴۱۳، ذکر مولوی نجم الغنی خاں میں یہ عبارت بڑھادی جائے : "یکم جولائی ۱۹۳۲ء کو بریلی سے رام پور آتے ہوئے اثنائے راہ میں انتقال کیا اور مزار شاہ درگاہی صاحب کے احاطہ میں دفن کیے گئے۔ مولوی رشید احمد خاں رشید نے یہ تاریخ نکالی : ؎

گفتمش مصرعۂ تاریخ رشید ٭ رفت با وصل سوئے جنت
۱۳۵۱ھ

علامہ نجم الغنی خاں، از حکیم محمد حسین خاں شفا، مطبوعہ ناظم پریس رام پور، ۱۹۷۲ء)۔

• ص ۴۳۶، "شاہ رفیع الدین دہلوی کے پوتوں میں ہیں" صحیح یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتوں میں ہیں (بحوالہ علم و عمل جلد اول صفحہ ۷۶)

• ص ۴۵۲، مولانا ہدایت اللہ خاں کے ذکر میں : "مولانا کے چلے جانے کے بعد رام پور آئے۔" اس عبارت کو یوں پڑھا جائے :- "مولانا کے چلے جانے کے بعد ۱۸۵۷ء میں رام پور آئے۔"

• ص ۵۲۸، عبدالعلی خاں کے حالات میں جو (۵۲۷ سے جاری ہے) علی برادران، شوکت علی خاں اور محمد علی خاں کا ذکر ہے۔ شوکت علی خاں کی تاریخ وفات ۲۷ نومبر ۱۹۳۸ء اور محمد علی خاں

کی وفات ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کا اضافہ کر دیا جائے۔

• ص ۵۵۸، احمد علی خاں کے حالات میں یہ اضافہ کر دیا جائے: "کہ انھوں (حافظ علی خاں شوق مؤلف تذکرہ کاملان رام پور) نے ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء، مطابق ۲ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ کو چہار شنبہ کے دن وفات پائی اور احاطہ درگاہ میاں محمد امیر شاہ صاحب واقع محلہ جھنڈا میں دفن کیے گئے۔" (بحوالہ دبدبۂ سکندری یکم جنوری ۱۹۳۴ء)۔

• ص ۳۰۶، قمر الدین جانی: م ۲۷ رمضان ۱۲۹۸ھ (کتبۂ مزار) والدہ کے برابر مسجد غیاث اللہ میں دفن ہوئے۔

• ص ۳۳۰/۱، کریم اللہ خاں کے فرزند رشید اللہ خاں نے دسمبر ۱۹۳۹ء میں وفات پائی (بحوالہ فہرست اردو، رضا لائبریری صفحہ ۳۸۳)

••

تصحیح و اضافہ

تذکرۂ کاملانِ رام پور

۲

• حکیم محمد حسین خاں شفاؔ طب، عربی، فارسی، اردو کے فاضل ہیں۔ رضا لائبریری میں کیٹلاگر ہیں اور متعدد کتابچوں اور مضامین کے مصنف ہیں۔

از

حکیم محمد حسین خاں شفاؔ

- ص ۲/۲ محمد ابراہیم صاحب عرف نوشہ خاں کے فرزند مقصود خاں ہیں جن کے مریدوں کا حلقہ وسیع ہے۔
- ص ۸/۸-۱۰ عقیدت کا قلمی دیوان اور رباعی کا ترجمہ قصیدہ رام پور سیتا رضا لائبریری میں موجود ہے۔
- ص ۸/۹ خود فاخر نے ۶۴ لکھی ہے۔ ۱۴۹/۷ ملا احمد: ان کے حالات "گلزار صابری" میں ملتے ہیں۔
- ص ۹/۱۲ یا نوے برس۔
- ص ۹/۱۶ "تحفۃ الجمال" کے مخطوطات رضا اور ندوۃ میں موجود ہیں۔
- ص ۱۰-۱ احمد خاں عبداللہ خاں کے بیٹے نہیں بھائی تھے۔
- ص ۱۲ میر عوض الحسینی ضیا تخلص م ۲۵ دسمبر ۱۹۲۹ء (بحوالہ وفیات)
- ص ۱۱-۱۲ حکیم احمد رضا لکھنوی نے بقول "اختر شاہنشاہی" ۱۸۸۴ء میں ایک اخبار احمدی کے نام سے نکالا تھا۔
- ص ۱۸/۵ صحیح ۱۲۳۹ھ۔
- ص ۲۲/۱۵ مرزا محمد جان۔
- ص ۲۹/۱۹ صحیح تاریخ وفات ۱۲۷۹ھ نہیں ۱۲۶۵ھ ہے۔
- ص ۳۰/۲ ——— ان کا ایک قلمی کتابچہ رسالہ احمدی در بیان مقامات محمدی رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔
- ص ۳۸/۱۳ تیرہ سو۔
- ص ۳۸-۳۹ مولوی اشفاق احمد نے ۱۹۷۹ء میں وفات پائی۔ آپ کی ایک تصنیف "تسہیل النحو"
- ص ۵۱/۹
- ص ۵۲ مولوی الہ داد طالب: یہ بحوالہ نزہۃ الخواطر ج ۷ طالب ملا حسن فرنگی محلی کی ایک باندی کے بطن سے تھے۔ یہ بیان رام پور کے کسی خاص طالب کی روایت پر مبنی ہے جس کا نام صاحب نزہۃ الخواطر نے نہیں لکھا۔ مکتوب مفتی رضا انصاری کا صاحب، صاحب نزہۃ الخواطر کے محتاط قلم سے بے نام جارحانہ شہادت قابل اعتبار نہیں۔
- ص ۵۲-۵۳ حکیم الیاس م ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء
- ص ۶۶/۱۶ اور بھی تصانیف ہیں۔
- ص ۶۷ مولوی سید انصار حسین: م ۲۱ ستمبر ۱۹۵۲ء در چکوال ضلع جہلم پاکستان (بحوالہ مکتوب سید محمد سالم صاحب، کندرکی)
- ص ۶۷ حکیم بایزید پر ہاتم کا مقالہ معارف اعظم گڑھ میں جون ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا ہے۔

• ص ۸۲/۴ اسعد

• ص ۸۸ مولوی جعفر علی خاں فرزند ڈاکٹر مختار علی خاں م ۸ جنوری ۱۹۸۱ء (بحوالہ عرشی صاحب) ان فرزند امتیاز علی خاں عرشی م ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء -

• ص ۹۰/۷ ایک دختر اکبری بیگم ۱۹۴۵ء تک حیات تھیں۔

• ص ۹۵ میاں آقی صاحب کا ۱۲۴۹ھ انتقال ہوگیا۔ ان کے سجادہ محمود میاں نسیم ہیں۔

• ص ۱۰۰/۱۰ حبیب احمد حسیب احمد (بحوالہ انتخاب یادگار ص۱۱۴)

• ص ۱۰۷ ناصر خاں ولد نجابت خاں۔ ان کا ذکر پھر ص ۲۰۷ پر ہے ——— ایک جگہ سے قلمزد سمجھا جائے۔

• ص ۱۱۴ حسین علی خاں شاداں: م ۷ ستمبر ۱۸۸۰ (بحوالہ تلامذۂ غالب دوسرا ایڈیشن ص۳۰۹)

• ص ۱۱۵/۱۱ مولوی حفظ اللہ اور حفظ بندہ

• ص ۱۱۹ مولوی حیدر علی م ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ

• ص ۱۲۱ - حکیم حیدر علی خاں والد حکیم سبحان علی خاں والد حکیم نزاکت علی خاں عرش محلہ کرہ جلال الدین

• ص ۱۲۲ - مولوی خلیل الرحمٰن صاحب م ۱۲۷۳ھ مصنف تکمیل الاحسان اللہ

• ص ۱۳۵ - رافت کا سال وفات ۱۲۴۹ھ ہے۔ اگر یہ ۱۲۴۰ھ میں فوت ہوئے ہوتے تو دارالعینا کیسے لکھتے جو ۱۲۴۸ھ کی تالیف ہے۔

• ص ۱۳۵/۱۴، ۱۷ - ۱۲۴۰ھ سال وفات اور ۱۲۴۸ھ سال تکمیل تفسیر میں تضاد۔ صحیح سال وفات ۱۲۴۹ھ

• ص ۱۴۷ - حکیم محمد ساجد خاں: م ۱۲۰۸ھ مدفون در قصبہ جھنجھانہ (بحوالہ الفرقان شیخ الحدیث نمبر ۱۹۸۱ء ص۳۰)

مفتی محمد سعد اللہ صاحب کی سر سید سے خط کتابت تھی ان کے بہت سے رسائل رضا لائبریری میں ہیں۔

• ص ۱۵۰/۸ - کلب علی خاں فائق کا بیان ہے کہ "ایک لڑکے حافظ نورالدین احمد صاحب تھے جو ایک عرصے تک ببیئی پور میں ملازم رہے اور ۱۹۲۹ء میں رام پور میں وفات پائی۔ احاطہ مزار شاہ میاں میں دفن ہوئے۔ ان کی ایک دختر ببیئی پور میں ہیں جن کا نام زہرہ بیگم ہے۔ سراج الدین احمد خاں کی ایک لڑکی کی شادی مولوی محمد عالم بیگ کے لڑکے مرزا محمد ہاشم بیگ صاحب سے ہوئی۔ مولوی سراج الدین صاحب اپنے نواسے مرزا محمد کاظم بیگ سے بہت محبت کرتے تھے۔ مولوی صاحب کے انتقال کے وقت ان کی عمر چار سال تھی۔ وہ انھیں اسکول بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ آج کل ماسٹر محمد کاظم صاحب بی اے بی ٹی اسی اسکول میں ریاضی کے استاد ہیں"۔ فائق صاحب کا مذکورہ بیان ۹ نومبر ۱۹۴۵ء کا ہے (کاظم صاحب اور دوسرے اہل خاندان ۱۹۵۱ء کے آس پاس پاکستان چلے گئے)

• ص ۱۵۰/۱۵ - ترجمہ فتاوائے عالمگیری کا مخطوطہ رضا لائبریری میں موجود ہے۔ چونکہ نول کشور نے ایک اور ترجمہ پہلے شائع کر دیا، اس لئے یہ رام پوری ترجمہ شائع نہ ہو سکا۔

مولوی سراج الدین، گزٹ ۱۹ مارچ ۱۹۰۰ء سے معلوم ہوتا ہے فارسی کے مدرس تھے۔

- ص ۳/۱۵۱ - ۱۲۰۸۹ھ میں بعہد نواب محمد علی خاں انتقال ہوا۔
- ص ۱۵۶ - حکیم سعید الرحمٰن خاں م ۱۹۲۹ء مدفون تکیہ فتح خاں (بحوالہ عتیق الرحمٰن خاں صاحب مرحوم جنگی)
- ص ۶/۱۵۸ - حسنات الاخیار میں نہ معلوم کس سند سے مولوی سلام اللہ صاحب کا سال وفات ۱۲۲۹ھ لکھی گئی ہے۔ مگر روزنامچہ عبد القادر خانی سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔
- ص ۱۵۸ مولوی سلام اللہ ۔۔۔ ۱۲۲۹ھ حدیقۃ الحنفیہ میں ان کا تذکرہ ہے۔
- ص ۱۰۹ - مولوی سیف الدین خان کی جگہ تقرر، شفیع الرحمٰن گزٹ ۱۶ اپریل ۱۸۹۶ء۔
- ص ۱۶۹ - مولوی شاہ علی خاں، والد مولوی رفیق صاحب متوفی ...... رفیق صاحب کے لڑکے فضل الرحمٰن صاحب ہیں۔ رفیق صاحب کی طرح مجذوب عالم ہیں۔
- ص ۱۷۰ - مفتی شرف الدین: تقسیم نامہ جائداد واقع کوچہ آتش بازاں موسوم بہ تکیہ عبد الرحمٰن خاں، زوجہ عبد الرحمٰن خاں اور ان کے برادر محمد یار کی زوجہ مسماۃ منفعت بیگم کے بارے میں ہے۔ یہ ۱۱ شعبان ۱۲۶۱ھ کا مکتوب ہے۔ اس پر مفتی شرف الدین کی مہر ہے۔ "عمدۃ العلما شرع متین مولوی شرف الدین ۱۲۵۴ھ" (کلب علی خاں فائق)
- ۱۷۱ - مولوی شرف الدین م ۱۲۶۸ھ
- ۱۸۷ - قاضی غلام رسول: دروازہ کلاں تکیہ ملکیان رام پور کی بابت ایک مقدمہ ۱۲۴۴ھ میں ہے۔ اس پر بھی ان کی مہر ۱۲۲۱ھ کی موجود ہے۔ (بحوالہ کلب علی فائق)
- ۲/۱۸۷ - [illegible]
- ۲۰۳ - مولوی عبد الرحمٰن خاں نجم الغنی کے خاندان سے ہیں۔ شاہ عبد العزیز کے نام جو خط مذکور ہے اس کی اصل سوانح نجم الغنی مخطوطہ عبد السلام کلکشن میں شامل ہے۔
- ۲۱۳ - ملا عبد الرحیم خاں کی تفصیل دیکھو راقم کا مقالہ عبد الرحیم ایک مجاہد الحسنات رامپور۔
- ۲۴۲ - مولوی عطاء اللہ خاں ایف ...: م ۳۰ نومبر ۱۹۴۸ء نماز جنازہ میاں اشرف صاحب پروفیسر دینیات علی گڑھ نے پڑھائی۔ مسجد جنوں والی خسرو باغ کے متصل قبرستان میں دفن کیا گیا (بحوالہ سید دلدار علی صاحب مولانا مرحوم)۔
- ۲۴۴ - مفتی عبد القادر صاحب کا شجرہ غلط ہے۔
- ۲۵۳ - قاری سید علی حسین۔ ان کے لڑکے حکیم سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب معالجۃ الاطفال فارسی در سنن ابن ماجہ کے دیباچہ میں والد کا نام علی حسن لکھا ہے۔
- ۲۵۷ - حکیم علی حسین خاں تاریخ وفات ۱۲۶۲ھ غلط ہے۔ ان کی کتاب میزان الادویہ ۱۲۸۱ھ کی تصنیف ہے۔
- ۳/۲۷۰ - 'اشراق الخیال' سے ۱۲۷۳ھ نہیں بنتے اگر الف لام کو بھی جوڑا جائے۔
- ۵/۲۷۶ ص ۳۳۴:

- ص ۲۷۸ ۔ 'دہلی' صحیح نہیں یہ واقعہ لکھنؤ کا ہے۔
- ص ۲۹۵ ۔ قاضی غلام رسول : دروازہ کلاں کھیر ملکیاں اسلام پور کی بابت ایک مقدمہ ۱۲۲۴ھ میں ہوا تھا اسی پر ان کی ۱۲۲۲ھ کی مہر ثبت ہے اور لکھا ہے کہ بموجب حکم خود گواہی خواہان ثبت نمودہ شد ۔ یہ بیان کلب علی خاں فائق کا ہے جنہوں نے مقدمے کے کاغذات دیکھے تھے ۔
- ص ۳۰۰/۱۲ ۔ ۱۲۰۵ھ کے بجائے غالباً ۱۲۲۵ھ (کیونکہ نائب ریاست نصر اللہ خاں کی وفات ۱۲۲۸ھ کے بعد احمد علی خاں نے اختیارات حکومت سنبھالے ۔
- ص ۳۰۰/۱۷ ۔ روزنامچہ عبد القادر کی تالیف تک زندہ تھے ۔
- ص ۳۰۵/۱۵ ۔ نور النبی کو نور الاسلام پڑھا جائے ۔
- ص ۳۱۲/۴ ۔ ۱۱۷۹ھ کو ۱۲۷۹ھ پڑھا جائے ۔
- ص ۳۲۰ ۔ سید فضل حق تحریک ۱۸۵۷ء کی اہم شخصیت ہیں ۔ ان کا ذکر غدر سے متعلق کاغذات میں کثرت سے آتا ہے ۔
- ص ۳۳۲/۷ ۔ بہ ہیچ اتفاق : سے عدد ۱۱۵۷ھ نہیں ۱۲۶۲ھ برآمد ہوتا ہے ۔
- ص ۳۳۵/۱۷ ۔
- ص ۳۳۶/۵-۶ ۔ ۱۷۰۰ء تاریخ پیدائش ۔ یہ غالباً ۱۸۰۰ء کی تصحیف ہے ۔ سال وفات ۱۸۵۴ء ہے ۔
- ص ۳۳۸ ۔ حاجی گل محمد وفا : ان کی ایک کتاب شرح مکاتبات علامی رضا لائبریری میں ہے ۔
- ص ۳۷۶ ۔ مولوی محمد یحییٰ خاں : م ۱۹۵۳ء/۱۳ رمضان ۱۳۷۲ھ، مدفون در قبرستان مسجد کمال لالہ زئی لال کنڈہ (بحوالہ عرفان علی خان صاحب نواسۂ مولانا مرحوم)
- ص ۳۷۹ ۔ حاجی منور علی محدث م ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ
- ص ۳۸۲ ۔ مولوی محمود: ان کا ذکر تاریخ فرخ آباد (قلمی) ص ۲۵۸ پر بھی ہے ۔ کچھ مدت فرخ آباد میں رہے ۔
- ص ۳۸۵ ۔ پیر جی مرتضیٰ خاں م ۲۸ محرم ۱۲۹۸ھ
- ص ۴۰۴ ۔ مولوی موسیٰ خاں، راقم نے رضا لائبریری میں ان کے قلم کا لکھا ہوا نواب حامد علی خاں کی شان میں ایک قصیدہ دیکھا ہے جس میں اپنے کو شاگرد غالب لکھا ہے ۔
- ص ۴۱۵ ۔ مولوی نصیر الدین ۔ سطر ۵ پر نور الاسلام صاحب کا شجرہ غلط ہے، صفحہ ۴۳۶ پر بھی غلط ہے ۔ عبد الحق صاحب کی اولاد سے تھے ۔
- ص ۴۲۵ ۔ مولوی نذیر احمد خاں م ۱۳۲۲ھ
- ص ۴۳۶ ۔ مولوی نور الاسلام : بقول جناب فائق صاحب ایک فتوے پر ان کی ۱۲۰۱ھ کی مہر موجود ہے ۔
- ص ۴۵۰ ۔ حکیم خواجہ محمد ہادی رضا خاں تخلص ہاہر: صحیح تاریخ پیدائش ۱۲ اکتوبر ۱۸۸۸ء م ۲۰ جون ۱۹۴۲ء در بریلی مدفون در قبرستان حیدر گنج لکھنؤ (بحوالہ تذکرۂ عزیزی مؤلفہ حکیم ظل الرحمٰن ص ۲۴۶ اور ۲۴۴)
- ص ۴۵۶ ۔ حکیم مولوی محمد یوسف خاں تخلص یوسف م ۹ ۱۳۳۹ھ = ۱۹۲۱/۲۲ء) (بحوالہ رفتیات)
- ص ۵۵۲ معظم علی م ۱۰ اگست ۱۹۴۱ء

کاملانِ رامپور کے لئے مزید مواد کے واسطے

- فہرست وفیات: (رضا لائبریری رام پور)
- تذکرۂ شعرا:- از کلیم رامپوری (مخطوطہ، رضا لائبریری)
- رام پور کا ماحول شعر و سخن: از راز یزدانی (نگار ۱۹۵۵ - ۱۹۵۸)
- رام پور کا ادبی اسکول: از کلب علی خاں فائق (معارف اکتوبر ۱۹۵۵)
- اردو شاعری کا تیسرا اسکول: از تجمل حسین خاں، کراچی
- تذکرۂ صوفیاء رام پور: از شمس الدین میلاد خواں، ۱۲۰۱ھ
  (مخطوطہ صولت لائبریری رامپور)

علما کے لئے: نزہۃ الخواطر

اطبا کے لئے: تذکرہ خاندان عزیزی از حکیم ظل الرحمٰن

شیوخ خاندان محمد علی کے لیے:

- تاریخ امروہہ: از محمود عباسی، ۱۹۳۰ء
- علم و آگہی، کراچی: محمد علی نمبر
- رسائل: حدیقۂ حامدی، تہذیب، نیرنگ، اور دہلوائے میں مضامین اور کلام
- اخبار دبدبۂ سکندری، رامپور
- تاریخ المدائح

••

جناب شاہ محمد اسمٰعیل کاکوی
خدا بخش لائبریری پٹنہ

تصحیح واستدراک

مفتاح الکنوز جلد اوّل

فن تصوّف :

صفحہ	ہینڈلسٹ نمبر	
۱۲۸	۱۲۸۱	الارشاد الیافعی، کیٹلاگ ج ۱۳، نمبر ۹۰۸ پر یہ "الارشاد والتطریز" کے نام سے مذکور ہے۔
۱۲۹	۱۲۸۴	"انفاس الخواس" کو "انفاس الخواص" پڑھا جائے۔
″	۱۲۸۷	البوارق النوریۃ : مصنّف کا نام عبدالحمید بن معین الدین بن محمد ہاشم التبریزی (۱۱ویں صدی ہجری)
″	۱۲۹۰-۱۲۹۱	تعبیر الرؤیا لمحمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ = ۷۲۸ء) اور تعبیر القادری للشیخ ابی سعید نصر بن یعقوب الدینوری (۵ویں صدی ہجری) : ان دونوں کتابوں کا تعلق تصوف سے نہیں علم تعبیر الرؤیا سے ہے۔
۱۳۲	۱۳۰۷	ذوارف اللطائف : شارح : علی بن احمد بن علی بن احمد المہائمی (م ۸۳۵ھ) سن کتابت : ۱۱۵۳، کیفیت : شرح عوارف المعارف، از نمبر ۱۳۵۰ تا نمبر ۱۳۵۲۔
″	۱۳۰۹	رسالہ فی تحقیق بیان معنی الروح : برلن کیٹلاگ نمبر ۱۷۲۲ کے حوالہ سے، اس رسالہ کا نام "التسویۃ" معلوم ہوتا ہے (لائبریری کیٹلاگ ج ۱۳، نمبر ۸۴۹)
″	۱۳۱۰	رسالۃ فی التصوف : مصنف کا نام اس طرح ہے : محمد بن سید محمد الگدائی القنوجی الرسولدار، (۱۱ویں صدی ہجری)، سن کتابت : قبل ۱۱۸۸ھ
″	۱۳۱۱	رسالۃ فی التصوف : لائبریری کیٹلاگ، جلد ۱۳ نمبر ۸۵۸ پر یہ مخطوطہ "الوصیۃ" کے نام سے مذکور ہے۔ مصنف کا پورا نام : موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی م ۶۲۰ھ = ۱۲۲۳ء
″	۱۳۱۲	رسالہ فی التصوف = (الرسالۃ فی التوکل - Lib. cat.)، مصنف : عیسیٰ بن عبدالرحیم (قاضی در احمد آباد م ۹۸۲ = Lib. cat.)، سن تصنیف ۱۰۱۵ھ
″	۱۳۱۳	رسالہ فی التصوف (= الرسالۃ فی طرق السادۃ النقشبندیۃ = Lib. cat.)، مصنف :

صفحہ ہینڈلسٹ نمبر

تاج الدین بن زکریا بن سلطان الہندی النقشبندی م ۱۰۵۰ھ = ۱۶۴۰ء۔

۱۳۳ - ۱۳۱۴ - رسالۃ فی التصوف : لائبریری کیٹلاگ جلد ۱۳، نمبر ۹۲۱ پر اس مخطوطہ کی تفصیل اس نام کے ذیل میں کی گئی ہے : "الرسالۃ فی اصطلاحات الصوفیہ" اور مصنف کا پورا نام یہ ہے : زین الدین ابو یحیٰ زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا الانصاری م ۹۲۶ھ = ۱۵۵۰ء

تعداد اوراق : ۵۰۔

〃 ۱۳۱۵ - رسالہ فی التصوف : مصنف کا صحیح نام یہ ہے : عثمان بن سند البصری، م ۱۲۵۰ھ = ۱۸۳۴ء۔ کیفیت : مشتمل بر مسائل تصوف، خصوصاً ملفوظات و نظریات شیخ خالد الشہر زوری (م ۱۲۳۱ھ = ۱۸۱۶ء) کہ مریدش عثمان بن سند البصری (م ۱۲۵۰ھ = ۱۸۳۴ء) ترتیب دادہ بخدمت مرشدش فرستاد،

〃 ۱۳۱۶ - کتاب کا صحیح نام : رسالۃ فی تعریب مکاتبات الامام الربانی : مترجم (محمد صالح آفندی)

〃 ۱۳۱۸ - الرسالۃ القشیریۃ : ۴۳۸ھ سال تصنیف ہے۔ اس مخطوطہ کی کتابت کا سال مرقوم نہیں۔ لائبریری کیٹلاگ ج ۱۳ نمبر ۸۲۸ پر یہ نسخہ مذکور ہے۔ فہرست نگار نے طرز تحریر اور کاغذ کی قدامت کی بنا پر ۵ ویں ہجری کا اندازہ کیا ہے۔

۱۳۴ - ۱۳۲۲ - زبدۃ التصوف و ارشاد سلوک التعرف ؛ مصنف : شمس الدین محمد بن ہندو شاہ بن محمد الدامغانی، کتابت : بخط مصنف (۷۷۸ھ)

〃 ۱۳۲۳ - کتاب کا پورا نام : زبدۃ الرسائل الفاروقیۃ وعمدۃ المسائل الصوفیہ۔ مترجم کا تعلق ۱۲ ویں صدی ہجری سے معلوم ہوتا ہے۔

〃 ۱۳۲۸ - شرح الاسماء الحسنٰی : یہ مخطوطہ لائبریری کی توضیحی فہرست میں علم کلام کے تحت مذکور ہے اور "الکتاب فی علم الکلام" کے نام سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (لائبریری کیٹلاگ جلد ۱۰ نمبر ۵۶۴)۔ یہ مصنف کا خود نوشتہ نسخہ ہے (۸۱۰ھ)، اس کے کسی دوسرے نسخہ کا علم نہیں۔

۱۳۵ - ۱۳۳۰ - شرح بدایۃ الہدایۃ للغزالی : شارح کا نام عبد القادر بن احمد الفاکہی (م ۹۸۲ھ = ۱۵۷۴ء) ہے۔

صفحہ ہینڈلسٹ نمبر

۱۳۵ ۱۳۳۴ ۔ شرح سلک العین: کتاب کا پورا نام "نور العین شرح سلک العین" ہے مصنف کا نام عنوان بن علی بن عطیہ الحموی (م ۹۳۶ھ) ہے، یہ عبدالقادر بن عمر بن حبیب الصفدی (م ۱۵ؔ)ؔ کے قصیدۂ تائیہ کی شرح ہے ۔

〃 ۱۳۳۶ ۔ شرح فصوص الحکم: صدر الدین القونوی (م ۶۷۳ھ) کی یہ شرح فکوک الفصوص کے نام سے موسوم ہے ۔

۱۳۶ ۱۳۳۷ ۔ شرح فصوص الحکم: شارح کا پورا نام یہ ہے: مؤید بن محمود بن صاعد بن محمد بن محمود بن محمد بن سلیمان الجندی "

〃 ۱۳۳۹ ۔ ایضاً (شرح فصوص): سال کتابت ۱۰۰۰ھ مرقوم ہے، تقریباً کی ضرورت نہیں ۔

〃 ۱۳۴۰ ۔ 〃 : ایضاً کی جگہ "مقدمہ شرح الفصوص" ہونا چاہیے، یہ قیصری کی شرح کا مقدمہ ہے

〃 ۱۳۴۴ ۔ شمس المعارف واللطائف المعارف: لطائف المعارف صحیح ہے، مصنف کا پورا نام یہ ہے: "محی الدین ابوالعباس احمد بن علی بن یوسف البونی" (م ۶۲۲ھ)

۱۳۷ ۱۳۴۷ ۔ العروۃ: مصنف کا نام "السمعانی" نہیں۔ "السمنانی" ہونا چاہیے ۔

۱۳۸ ۱۳۵۲ ۔ عوارف: اوراق کی تعداد ۲۳۹ ہے، سال کتابت ۸۸۴ھ ہے کیفیت کے تحت صوفیہ کرام کے ساتھ "گجرات" بڑھایا جائے ۔

〃 ۱۳۵۳ ۔ عین العلم: کیفیت کے ذیل میں بڑھائیں: "مختصر احیاء علوم الدین"

۱۳۵۴ ۔ غنیۃ الطالبین: کتاب کا پورا نام یہ ہے: "الغنیۃ لطالبی طریق الحق" کتابت ۱۰۱۶ھ کی ہے ۔

۱۳۹ ۱۳۶۰ ۔ ایضاً (الفتوحات المکیۃ): سال کتابت ۱۰۱۱ھ ہے ۔

۱۳۶۱ ۔ فتوح الغیب: اوراق کی تعداد ۱۲۸ سال کتابت: ۱۱۲۴ھ

〃 ۱۳۶۲ ۔ ایضاً . سال کتابت: "۱۲۷۵" ھ

〃 ۱۳۶۶ ۔ الفصول الفتحیہ: مصنف کا پورا نام (بحوالہ النور السافر): حسین بن فقیہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر بالحاج بافضل الشافعی الحضرمی، م ۹۷۹ھ

صفحہ ہینڈ لسٹ نمبر

۱۴۰ ۱۳۶۷ - قبس الانوار ... "مصنف کا نام "الندوری" نہیں "الندرومی" ہے"؛

۱۳۶۸ - قوانین حکم الاشراق ... : مصنف کا نام "النولیسی" نہیں "التونسی" ہے۔ (م - ۸۸۲ھ)
سال کتابت: ۱۰۹۷ھ۔

" ۱۳۶۹ - قوۃ القلوب ... : صحیح نام اس طرح لکھا جائے: "قوت القلوب ..."
یہ مخطوطہ الجزء الثانی پر مشتمل ہے۔ مصنف کے نام میں "المکی" کا اضافہ کریں،
ابوطالب المکی (م ۳۸۶ھ) کے نام سے شہرت ہے۔ سال کتابت ۱۰۵۷ھ ہے۔

" ۱۳۷۰ - کتاب بستان العارفین : کیفیت (تصحیح): بستان العارفین کی جگہ "کتاب البستان" ہونا چاہیئے۔

۱۴۱ ۱۳۷۴ - کتاب فی التصوف : کتاب کا نام "کتاب اللمع" ہے، مصنف کی حیثیت سے "ابونصر بشر الحافی" کا نام غلط درج ہو گیا ہے، یہ "طاؤس الفقرا ابونصر السراج" (م ۳۷۸ھ) کی تصنیف ہے۔

" ۱۳۷۵ - کتاب الکنہہ ... : یہ مخطوطہ دو رسائل پر مشتمل ہے: (۱) کتاب الکنہہ ... ق ۱-۲۱ = ۲۱، (۲) نسبۃ الخرقۃ وشروطہا، ق ۲۳-۳۰ = ۸، دونوں رسالے ابن عربی کی تصنیف ہیں۔ کاتب دونوں کا ایک ہے اور سال کتابت ۸۷۸ھ ہے۔

" ۱۳۷۶ - کتاب الوظائف : کیٹلاگ جلد نمبر ۱۳، میں فہرست نگار نے نمبر ۹۳۹ پر اس مخطوطہ کی تفصیلات پیش کی ہیں اور اسے "الترجمہ" کے عنوان سے درج کیا ہے۔ فہرست نگار کی تحقیق کی بنا پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ خواجہ محمد پارسا (م ۸۲۲ھ) کی تصنیف فصل الخطاب کا عربی ترجمہ ہے، اور "امیر بادشاہ محمد البخاری نے ۹۸۷ھ میں بمقام مکہ اس ترجمہ کو مکمل کیا ہے۔ اس مخطوطہ کا سال کتابت ۹۹۷ھ ہے۔

" ۱۳۷۷ - کشف الاسرار ... : نام: "الافقہسنی" نہیں "الاقفہسی" ہے (م ۸۰۸ھ)

۱۴۲ ۱۳۷۸ - مختصر الاحیاء : مصنف کا نام یحییٰ بن ابی الخیر بن سالم بن اسعد العمرانی (م ۵۵۸ھ) ہے

" ۱۳۸۰ - المقابسات : ابوحیان (م ۳۸۰ھ) کی یہ تصنیف بنیادی طور پر فلسفے سے تعلق رکھتی

صفحہ ہینڈلسٹ نمبر

۱۴۲ - ۱۳۸۲ - ملفوظات القادریہ : الشیخ عبدالقادر الجیلانی (م ۵۶۱ھ) کے مواعظ کا مجموعہ، یہ ملفوظ القادریہ کے نام سے موسوم ہے، یہی نام لائبریری کیٹلاگ میں۔ نیز انڈیا آفس کیٹلاگ میں ہے، برلن کیٹلاگ میں اسے "الفتح الربانی والفیض السبحانی" کے نام سے بیان کیا ہے اور کشف الظنون میں جلاء الخواطر کے نام سے ذکر کیا ہے،

" ۱۳۸۷ - نام مصنف : محمد علان کی جگہ محمد بن علان ہونا چاہیے۔

۱۴۴ - ۱۳۹۲ - وقایۃ السالک : یہ کتاب ق ۱۵۴ (الف) پر تمام ہوتی ہے، ق ۱۵۴ (ب) - ۱۵۹ پر رسالہ در تصوف بزبان فارسی ہے۔

جلد دوم

۵۱۴ - ۲۷۶۲ - روضۃ العلا کی جگہ "روضۃ العلما" ہونا چاہیے۔ مصنف نے دیباچہ میں یہی نام لکھا ہے۔

" ۲۷۶۴ - شرح کا نام "مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم" ہے۔

جلد سوم

۸۴ - ۳۰۱۱/۲ - کتاب کا پورا نام یہ ہے: "مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات" ہے اور مصنف کا نام 'الفاسی' نہیں 'الفاسی' ہے۔

" - ۳۰۱۱/۳ - کتاب کا صحیح نام 'سقانی الحب' ہے، جو قصیدہ خمریہ کے نام سے مشہور ہے،

" - ۳۰۱۱/۹ - کتابخانہ میں 'ایضاً' کی جگہ "پندنامہ" ہونا چاہیے۔

۸۶ - ۳۰۱۱/۲۲ - کتاب کا صحیح نام "عوارف المعارف" ہے۔ شہاب الدین السہروردی کے اجداد میں ایک نام 'اموریہ' لکھا ہے، صحیح نام 'عمویہ' ہے۔

۸۷-۸۸ - ۳۰۱۱/۲۹ - کتاب کا صحیح نام "مرآۃ المحققین" ہے۔

" ۳۰۱۱/۲۷ - کتاب 'ملفوظات' نہیں، 'مکتوبات بیست و ہشت' ہے۔

" ۳۰۱۱/۳۲ - خاقانی کی نعت نہیں، متفرق فارسی اشعار منقول ہیں، جو خاقانی اور دوسرے شعرا کے ہیں۔

" ۳۰۱۱ - ہینڈلسٹ نمبر ۳۰۱۱ میں الانمبروں پر بیان کردہ رسالے فارسی زبان میں ہیں:

۴، ۶ - ۱۳، ۲۰-۲۳، ۲۵-۳۳، ۳۵-۳۸، نمبر ۵ پر اُردو اشعار ہیں۔

۸۹ - ۳۰۱۲ - شرح فصوص الحکم، از عبدالرحمٰن جامی، فارسی زبان میں ہے، اسے فارسی مخطوطات کی فہرست میں منتقل کیا گیا، دیکھیں: مرآۃ العلوم ج ۳، ص ۲۳۹، ہینڈ لسٹ نمبر ۳۰۱۲۸۔

۹۰ - ۳۰۲۷ - طریقت نامہ، یہ رسالہ بزبان ترکی ہے۔ محمود بن فیض اللہ کاتب کا نام نہیں۔ سابق مالک مخطوطہ کا نام ہے۔

" - ۳۰۷۰ - عوارف المعارف، اوراق کی تعداد ۲۵۸ ہے، سطریں ۲۹ ہیں۔

" - ۳۲۲۹/۴ - منبہات ابن حجر العسقلانی: اوراق کی تعداد ۴۴ ہے

۹۱ - ۳۰۷۴/ب - فصوص الحکم الجزء الثانی: یہ فصوص الحکم نہیں ہے، ابن عربی کی ایک دوسری تصنیف "الوعار المختوم علی السر المکتوم" ہے۔

۹۲ - ۳۳۶۵ - "فصوص الحکم": یہ نسخہ ناقص الاول ہے۔

" - ۳۷۸۲ - "رسالہ النعرۃ الحسینیہ فی اباحۃ الفرائح الحکمیۃ" (تالیف سید علی بن سید دلدار علی لکھنوی) کا فن تصوف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا موضوع اباحت وحرمت فرح سازی ہے۔ اس لئے فن مناظرہ یا فقہ شیعی کے ذیل میں آنا چاہیے، نیز یہ رسالہ عربی میں نہیں، فارسی میں ہے۔ بنابریں اسے عربی مخطوطات کی فہرست سے خارج سمجھا جائے۔

" - ۳۱۴۱/۹ - جامع الطرق البرہانیۃ فی [۱] لباس خرق فرق المشائخ الصوفیۃ الربانیۃ۔ تالیف احمد محی الدین بن محمد بن احمد بن حسن بن قاسم الحسینی دلوی واسطی۔

" - ۳۰۶۲/۹ - "الرسالۃ فی التصوف" یہ رسالہ ایک مجموعہ میں شامل ہے، جو فارسی اردو رسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں عربی کا مستقل کوئی رسالہ نہیں ہے۔ مخطوطات جمعہ کے چند متفرق اوراق ہیں۔ جن میں عربی کے ساتھ فارسی اور اُردو نظم اور نثر بھی شامل ہے۔ نمبر ۶ پر ایک رسالہ فارسی میں ہے، جو شیخ عبداللہ انصاری کا ہے۔ اس بنا پر اس رسالہ کو عربی مخطوطات کی فہرست سے خارج سمجھنا چاہیے۔

●●

مجلّہ دانش

شعبۂ فارسی کشمیر یونیورسٹی، سری نگر

ڈاکٹر شمس الدین احمد کی ادارت میں فارسی تہذیب و ادبیات سے مخصوص اس معیاری رسالے کے اب تک ۲ (=۹) شمارے نکل چکے ہیں۔ ایک حصّہ فارسی زبان میں مقالات کے لئے مخصوص ہوتا ہے ایک اُردو مقالات کے لئے پہلے شمارے پر دسمبر ۱۹۶۹ء کی تاریخ ہے، اور اب تک کے آخری شمارے پر ۱۹۷۸ء۔ پرچے کے مشتملات اور معیار اس کے متقاضی ہیں کہ اسے جاری رکھا جائے۔

کشمیری شاعر: زندہ رام موبد کشمیری (امیر حسن عابدی، ۱)، محمد رضا مشتاق کشمیری (شمس الدین احمد، ۱، ۲) مشتاق کے ہمعصر شعرا (〃، ۲)، غنی کشمیری (〃، ۳-۴)۔

جدید فارسی شاعری: نادر- نادرپور (آصف نسیم، ۵)، فروغ فرخزاد (عبدالرحمٰن راہی، ۳-۴)، شاملو= بامداد در باغ آیینہ (آصف نسیم، ۵)۔

کشمیر میں فارسی زبان و ادب: چودھری خوش محمد ناظر کی فارسی شاعری (انوار احمد، ۳-۴) واژہ ہای فارسی در زبان کشمیری (شمس الدین احمد، ۲، ۳-۴، ۵/۸-۹)، امثال و حکم فارسی در کشمیر (〃، ۲)، ضرب المثلہا و اصطلاحات مردم کشمیر (شمس الدین احمد ۳-۴/۸-۹)، چگونگی ادب و فرہنگ ایران در کشمیر (〃، ۲)، نعت ہای فارسی کہ در کشمیر رواج دارد (مرغوب، ۲)، فارسی اور شنا زبان کے اعداد (مسعود ساموں ۸-۹)، چک دور میں فارسی ادب (محمد امین قادری، ۵)، کشمیر میں فارسی ادب کی کیفیت موجودہ دور تک (〃، ۵)، سیر مختصر در ادبیات فارسی کشمیر (شمس الدین احمد، ۵)۔

کشمیری متفرقات: عقاید خرافاتی کشمیریان (شمس الدین احمد، ۲)، خوش مزگیہا در زبان کشمیری (قاضی غلام محمد، ۲)، ایضاً (شمس الدین احمد ۳-۴)، شاہنامہ کا کشمیری ترجمہ (جی ایم ملک، ۸-۹)، کشمیر کی ایک عہد آفریں شخصیت: شہبیر (مرغوب نہالی، ۸-۹)، گزارش مسافرت دہلی و کشمیر (مہدی نمردی ۳-۴)

کشمیر کے ایران صغیر کہلائے جانے کے چند پہلو (مرغوب بنہالی ۸-۹)۔

مخطوطات : بہارستان شاہی در تاریخ کشمیر (ک۔ت، پنڈت)، بررسی تحلیلی از نسخہ خطی فارسی بنام تاریخ سید علی (محمد صدیق نیازمندی، ۵)۔

عمومی : روزنامہ ہا و مجلہ ہای فارسی در ہند و ایران (محمد منور مسعودی۔ ۵)، جدید فارسی نثری ادب (حسن کلام شاد، مترجمہ: محمد منور مسعودی، ۵)

شاہ ہمدان : • ان کے چار خط • ان کی ایک غزل کا تجزیہ • وہ اور تصوف • وہ اور کشمیر • ان کی تعلیمات، ساندہ قلوہ کی روشنی میں • ان کی خانقاہ • ان کی غزلہای عرفانی • احوال و آثار • ارزش و اہمیت در ذخیرۃ الملوک • نظری بہ شاہکار ہای شاہ ہمدان۔ (لکھنے والے: شمس الدین احمد، آصف نسیم، محمد امین قادری، محمد منور مسعودی، غلام رسول جان، محمد صدیق ۶)۔

●●

شادات (حیدرآباد) محمد تمکین حیدری صاحب کی ادارت میں دسمبر ۱۹۸۳ء سے یہ ماہنامہ اپنے معیار کو قائم کیے ہوئے برابر نکل رہا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے مشتملات میں کچھ قدیم تحریروں اور کچھ تراجم کے ساتھ خاصے اچھے اور ریجنل مقالات ہر اشاعت میں مل جاتے ہیں۔ خالص ادب کے ساتھ ساتھ سفرنامہ، تذکرۂ مشاہیر، تعلیم، اخلاق، مذہب، تہذیب، سائنس اور معلوماتی موضوعات پر مفید چیزیں شائع کی جاتی ہیں۔ مقالے مختصر ہوتے ہیں لیکن معیاری۔ ایک خصوصی نمبر، قومی یکجہتی نمبر کے نام سے نکلا ہے اور ایک اور خصوصی نمبر خواتین نمبر کے نام سے اور ایک 'نوجوانوں کا خصوصی نمبر' تینوں نمبر مفید ہیں — تازہ ترین نمبر خواجہ حمید الدین شاہد نمبر خصوصیت سے قابل ذکر ہے ع یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں، خواجہ صاحب پورے حیدرآباد اور اس کی تہذیب کو پاکستان میں منتقل کیے ہوئے ہیں

اخبار اردو (اسلام آباد) مدیر: ڈاکٹر وحید قریشی)۔ خوبصورت کتابت، روشن طباعت سے آراستہ، دیدہ زیب، مفید پرچہ جولائی ۱۹۸۱ء سے شائع ہو رہا ہے اور تحریک اردو زبان اور استعمال، اردو توسیع اور کبھی کبھی اردو ادبیات کے بارے میں اس میں معیاری مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ پہلا کراچی سے نکلتا تھا، اب جنوری ۱۹۸۴ء سے اسلام آباد سے نکلتا ہے۔

●

ڈاکٹر کلیم سہسرامی

مراسلات

صفیر بلگرامی اور نصر پھلواروی کے بارے میں

خدابخش لائبریری جرنل کے ۲۴/۲۵ شمارے میں "غزلیات صفیر بلگرامی کے تحت" صفیر بلبل کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخوں کا مطالعہ اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ "صفیر بلگرامی کی بیاض" کے عنوان سے "غالب نامہ" (دہلی - جولائی ۱۹۸۴ء) میں اسی قسم کا ایک مطالعہ میں نے بھی پیش کیا ہے، جس سے غزلوں کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی صفیر کے کلام کی نشاندہی کی جاسکتی ہے، میرے یہاں صفیر کے ۱۴ مخمسوں کا تذکرہ ہے اور اس میں چار مخمسوں کا۔ ۲۴ویں شمارے میں حضرت نصر پھلواروی کے کلام پر تفصیلی تبصرہ اور محاکمہ قابل تحسین ہے۔ لیکن اس کی زبان خامیوں سے خالی نہیں! صرف چند مثالیں پیش ہیں: (۱) مضمون کی پہلی اور پندرھویں سطر میں "علوم و عرفان" کی ترکیب، پہلا لفظ جمع اور دوسرا واحد ہے۔ (۲) صفحہ ۱۱۵ پر ۱۸ویں سطر میں "ذات محمدیؐ پر بے پناہ اعتماد اپنی انتہا کو پہنچ گیا"۔ "بے پناہ اعتماد" کی جگہ "انتہائی عقیدت" ہونا چاہیے۔ (۳) نظریات کے اعتبار سے "وحدۃ الوجود" کا نظریہ صوفیانہ شاعری کا ایک جزو لاینفک بن چکا ہے" (صفحہ ۱۱۹ سطر ۱)، اس جملے سے "نظریات کے اعتبار سے" اور آخر میں "بن چکا" ہٹا دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بعض تحقیقی اور ادبی مسائل کی طرف بھی توجہ نہیں دی گئی ہے۔ مثلاً ص ۱۱۶ کی آخری سطروں میں: "حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ایک نعت پر حضرت نصر کی دو تضمینیں ملتی ہیں" یہ بات اب پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ جو دیوان خواجہ معین الدین چشتی سے منسوب ہے وہ ان کا نہیں۔ اس کے اصل مصنف معین الدین واعظ مسکین ہیں۔ دوسرا قابل توجہ لفظ اس جملے میں "تضمین" کا ہے۔ ص ۱۱۷ پر حضرت معین الدین اور حضرت نصر کے جو مطلعے ایک ہی زمین اور ایک ہی قافیے ردیف میں ہیں، انھیں تضمین سے کس طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ص ۱۲۱ اور ص ۱۲۲ پر حافظ، خسرو، اور فرد کے کلام کی زمین میں حضرت نصر کا جو کلام پیش کیا گیا ہے، وہ ادبی اور فنی اعتبار سے تضمین نہیں کہا جاسکتا۔ فارسی کے فارغ التحصیل اسکالر کو تضمین کی تعریف سے واقف ہونا چاہیے۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت نصر

اور ان کے والد کا پورا نام مضمون میں کسی جگہ نہیں آیا اور نہ بتایا گیا کہ "فرد الاولیاء" کس کا خطاب ہے۔
اس جرنل کی تحقیقی حیثیت نہ ہوتی تو میں ہرگز یہ باتیں نہ لکھتا۔"

"۲۶واں اور ۲۷واں شمارہ نگار کے جدید غزلگو نمبر کی ایک مستحسن تجدید ہے۔ میرا خیال ہے
کہ اسی طرح معاصر کے قاضی عبدالودود نمبر کی تجدید اشاعت بھی ضروری ہے۔ البتہ مزید تکمیل کی خاطر
بعض موضوعات پر اضافے کی گنجائش ہے، کیونکہ ملک کے بیشتر طبقے تک یہ نمبر نہ پہنچ سکا ہے۔
شاعروں کی تصویروں اور تحریروں کی تلاش و جستجو جس قدر آپ نے کی ہے، اس کی داد نہ دینا بڑا ستم ہوگا۔

●●

origin, but we have its use in our manuscripts where it sounds as English 'S'. Another trebly dotted letter '*Sheen*' stands for undotted or *Ghair Manqut* '*Seen*', but in our manuscripts the three dots on the top are always indicated by simple strokes looking like the arithmatical 'L' or the interrogative sign (?). The letter '*Jim*', the fifth of the Arabic, sometimes called *Jim-i-Farsi or Ajami*, becomes 'J', '*Che*' in our ms. is always in the form of 'J'. The signs for letters of double dots as '*Qaf*' and '*Te*' have different signs from those of the triple dots. The case with '*Noon*' and '*Jim*' of one dot is different'He' or '*Hai Hutti*', as distinguished from '*He*' called *Mudawwar* and letter '*Ye*' are found as being used as *Izafat*, joining two nouns.

There are some very unusual way of spelling words in compounded or contracted forms '*Jun*' for '*Chun*', *Tak* for '*Ta-ki*, '*Junanj*' for '*Chunanchi*', also written as '*Junj*' '*Anj*' *Ank* stands for '*Anchi*', *Anki*, *Zirak* for '*Zirake*, *Azank* for *Azan-ki*, *Badanj* for '*Badan-chi*' '*Kachun* for *Ka-Chun*, '*Zank*' for '*Azan-ki*'. *Ank*, *Anj*, *Chunank*, *Badanj*, *Haij* and *zamank*, frequently occur.

Before we conclude with something about archaism the orthographical peculiarities of the Balkhi manuscript and also the distinctive style of writing and nature of spelling deserve some notice. The Balkhi manuscript has its own dia-critical vowel-points or (*Irab*), representing signs and symbols, substituting the dots mostly placed on the top of the letters and having in the case of *Jim* and *Num* elsewhere by other marks and symbols. The end of a piece is indicated by a flowered form resembling the arithmatical figure five, and below it, there are sometimes two or three *Mim* like strokes some unusual and archaic use of word-formation, and the way of pronouncing and reading the letters which make up the words appear to be peculiar to the manuscript. The letters and words have their specified signs or marks, often in place of dots. Some of the marks or strokes look like arithmaticals, while others are like a note of interrogation. As already remarked, the system of writing of both text and annotation is identical : the only difference being in size. The signs and symbols are of various types, curved, bent, beak-shaped, horn-like and as hook and loop. Generally speaking the manuscript is free from lapses and is accurately written by a master hand, but it is marred by omission, variation, lacuna and by worn out, torn, faded portions which have made things illegible. Specially on the edges of both sides attempts were made in late times to repair the damaged parts and supply the missing contents from the other manuscript. But this, and the fastening and paper pastings were not successful.

Traces of archaic diction and orthography, word-making are plentiful in the manuscript before us. We all know that some letters are not found in Arabic alphabets, while others do not occur in the Persian. Some as *Re-Te* (both uttered on the tips of the tongue) were unknown both to the Arabs and Persians. In very old manuscript in the period of the classic Persian, the letter '*Dal*' was converted into '*Zal*' by placing a dot on the top. In the Balkhi manuscript, there are only a few rare cases of '*Dal*', changing into 'Zal' e. g. *ustaz* for *Ustad*, '*Baz paimai* 'for ' *bad paimai*' on folio 25 & 95. The letters 'Pe' 'Che', 'ke' (*Kaf-i Farsi* sounded as 'Ghe' and confounded with '*Gaf*') do not exist either in Arabic or in Persian alphabet. The letter '*Pe*' often becomes '*be*' e. g. 'Badshah' for 'Padshah'. Strictly speaking, the trebly dotted letter '*Se*, the fourth of the Arabic alphabet does not occur in words of Persian and *Indian*

باشد که خداوند خود را به بیند اشکال العکس انه هم که بدید
برسد از محل فنا درگذشت و از مقام بقا برگذشت در سبحات
وجه محبوب سوخته گشت و قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ
هر که درین مقام بوی عبارت کند گویند ضالٌ مِنَ الضُّلَّالِ
و هر که درین حال بوی اشارت کند گویند اَعمیٰ مِنَ العُمیانِ

عزیزی گفته است   مثنوی

بس محبی که ز انا مطلق گفت   سر است جنید کو انا الحق گفت

در کشف محجوب است که روزه تن را بلا بود و دل را صفا بود و جان را
ولا بود و سر را لقا بود چون دل صفا یافت و جان ولا یافت
و سر لقا یافت بجز زبان اگر تن بلا یابد هم ازین معنی اشارت
حضرت رسالت است علیه السلام حاکیاً عَنِ اللّٰهِ تَعَالیٰ کُلُّ
عَمَلِ ابْنِ آدَمَ یُضَاعَفُ اِلیٰ سَبْعِیْنَ اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِیْ
وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ هر عملی که فرزند آدم کند با جر مضاعف
بود تا از یکی بهفتاد برسد مگر روزه که مر حق راست جل شانه
او دهد گفته الله اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یعنی
اَلصَّائِمُ لِیْ که در عرب صفت ذکر کنند و موصوف خواهند اگر
او را گفتندی که سگ این دری دولت را چه جای بودی فکیف

الذین اعنه الله بلند کر بعد حقیقت ایمان و صحت توبه مرید
باید که دایم الوضو باشد اصلاً والبته یکزمان بی وضو نباشد
اگر جنب باشد و سرما بود و آب سرد بود و بعد از وضو دو
رکعت تحیت بگزارد اصلاً والبته فوت نکند و پنج نماز
بجماعت بگزارد و چون نمازی بگزارد منتظر نمازی دیگر باشد
اَلْمُنْتَظِرُ لِلصَّلٰوةِ كَاَنَّہٗ فِی الصَّلٰوةِ و بس هر نمازی به
وردی که بر خود وظیفه کرده است یا پیر فرموده مشغول شود
چون مرید پیش از صبح بیدار شود طهارت پاک بارد دو رکعت
شکر و بگزارد و صد بار بگوید اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنَ الذُّنُوْبِ
كُلِّهَا صَغِيْرِهَا وَ كَبِيْرِهَا وَ سِرِّهَا وَ جَهْرِهَا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ
بِرَحْمَتِكَ چون هر چه دم بامداد دو رکعت سنت وقت بگزارد
در رکعت اول قل یا ایها الکافرون و در رکعت دوم سورهٔ
اخلاص بخواند که از حضرت رسالت همچنین مروی است بعد از آن
این دعا بخواند اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِيْ
بِهَا قَلْبِيْ تا آخر در قوت القلوب مکتوب است حضرت رسالت
در خواندن این دعا ملازمت نمودی و هفتاد بار بگوید استغفر
اللّٰه الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ التَّوْبَةَ

بعد از آن

Khurish" (food that remains sticking to the bottom of the pot which is not worth eating) The first two categories are quite lawful but when people start picking and chosing, they enter the sphere of superfluity.

The Sufi Muslims have been generally a set of people very liberal, catholic and broad minded in their views. They did much to soften the antipathy and antagonism between the Hindus and the Muslims. Sufism is neither a separate religion nor a dogmatic authoritatively laid down or defined creed and a sectarian faith. It is only a way of life with a uniform and distinctive mode of thought. It is called Islamic mysticism. Mysticism is a religion of heart, and as such it is not confined to Islam but is found in all religions—Judaism, Christianity, Hinduism etc. An indication of the latitudinarian attitude of the Makhdum and the Maulana, and the process of some sort of synthesis between warring religions is available in the marginal notes on folio 101a. It says that burning with a vehement longing for love, as communion with God, the Sufi mystic sometimes discards and modifies the outward modes of observance of the *Namaz*, and is not very particular in performing the formal rites of bending and prostration (*Ruku* or *Sujud*)); and they do not attribute the darkness of misguidance in religion to any people or group. In their view, there is nothing other than the One beloved (God). They think that the Jew, the Christians and Fireworshippers, have their way of attaining salvation. The great Sufi, Maruf Karkhi was so tolerant of the views of others and free from all kinds of bigotry and intolerance that when he died men of different faiths and beliefs came forward to claim him to be as their own (this reminds us of our own Kabir).

There is an interesting explanatory note on the concept of *Kufr* (Un-blief or infidelity) and mentioning its different categories : (a) survival of base qualities (*Sifat-i Zamima*); (b) turning away from God and bestowing attention on other than God; (c) ascribing the determining agency of work and course of action and profit or advantages and harms as due to other than God; (e) performance of empty rituals and devotional worship in a manner which is merely formal, imitative, ostentatious. One should realise that one can cleanse oneself in privacy of retirement and is capable of introspection and self-examination. It is then that attention is diverted from the sacred thread and the hidden idol (*Zunnar-o-but.*).

Maulana Muzaffar, who in his Maktubat has quoted as many as six *Dohras* or Bhakha couplets to illustrate some mystic point. One of them is a beautiful and easily intelligible couplet "*Sankar quan, patal pani, Lakhan Bund Bikai—Bajar paro teh Mathura Nagari Kanha payasa Jaai*". Another is "*Bat Bhali par Sankari—Nagar Bhala par dur*". A very difficult *Doha* occurs in letter no. 121 which deals with a mystic element expressed in the words "*Harki zistan danad, Murdan ham mi danad—Harki zistan na danad Murdan kai danad*".. More important for us is what we find in an elucidatory anecdote. We are told that once a fiddler (*Kamachi*) passed by the place where the Makhdum was sitting, playing upon his "*Yaktara*" (one stringed instrument) and sang the following *dohra* : "*Ekat kandhi, Bedha Bahutar, Bhar ke gain—Chinta-heen ichcha maran, tatahi Naha in*". The verse stirred the emotions of the Makhdum so much so that his eyes welled tears; perhaps he understood the implications of the verse what is difficult, obsolete and obscure for us.

Now about the marginal notes of the manuscript. One gets on folio 121b of it, an observation of the Makhdum concerning the stages leading to the paradise. "*Bayan-i-Musafat-darhai bihisht*" *Makhdum Sallamahullah Ta'ala ba zaban-i-Hindvi farmudand Junanj* (*Chunanchah*) as *jokath* (*Chaukath*) ta *jokath bi-rawad —an raftan Jokath ba jokath Pansadagan Sala rah—Farq bashad ba dar-i digar* (About the distance between the doors of the paradise, the revered master, may God the Most High, preserve him;' said in Hindi language that if one had to proceed from one door-way to another the distance in reaching the other side on the onward movement, that is the progress from one to the next involved a period of 500 years).

Earlier, on folio 60, we get a reference to *Bhat Khushka* (boiled rice without butter) and also to what was called '*Bala-i Bhat*" extra or additional (i. e. something over and above the boiled rice perhaps an appetiser a sourish victual). The Master once said that there were three categories of food—essential, needed, and superfluous (*fuzul*). It is necessary to take food such as "*Bhat—Khushka*", and there is nothing to take exception for doing so because it conduces to the strength and stability of the *nafs* (self of the person). Next comes food that is needed to enable one to perform public prayers. The food taken out of voracious greed in eating is bad. Then there is what is '*na*

and declining). Being apparently chagrined and looking gloomy at what he considered to be a bad omen, the Shah exclaimed "*la-zawal—wa mara zawal ast*' (there is no waning or declining, it is my decline and deterioration), (in my power, importance, and prosperity). Then comes a little suggestive anecdote. A certain leader of the congregational prayer had to recite the Quranic verses "*Tabbat Yada Abi Lahabin*" (may the hand of Abi Lahab be broken) and "*Iza Ja'a Nasrullahi* (when victory is from God). But being a wise-man, the Imam recited the second part in both the genuflections (*ralkat*) and omitted that about *Abi Lahab.* This must have been done to avert the wrath of the Sultan. This shows what the saintly contemporary thought of the rule.

Another long note on folio 318 tells us about the prevailing practice of *Chilla* spelt in the manuscript as Jihla. It was the Muslim Lent reminding us also of the *Kartik Ashnan*, a species of the Hindu Lent, implying a period of forty days retreat, isolation and seclusion in a cell of the mosque or the temple practising severe restraints, privacy and austerities, being cut off from family and children, and curbing all desires and passions. It was technically called *Itikaf.* The writer of the notes asked his religious guide more than once as to whether with so many worldly attachments, a man, however, assiduous he might be in prayer, could set himself sincerely and absolutely free from all except God. The reply was that only Prophets and saintly personages could fix up their heart on God alone and yet deal with the people. Generally speaking, it was difficult for all to be with *Haq* and *Khalq* (God and his creation) at one and the same time.

An interesting historical fact clearly shown and fully established, by internal evidence is the knowledge, acquaintance-ship, and use of the Hindi words and verses by both Maulana and Makhdum. It seems that the regional form of the Hindi language in Magadh which had become a sort of mixture of Magahi, Avadhi and Bhakha was coming into vogue in South Bihar. A large part of eastern U. P. was a land of Awadhi, a descendant of Ardh-Magadhi. The first known great Muslim poet of Awadhi Hindi and the author of the voluminous Prem katha called Chandayan, composed in 781 A. H. was Maulana Daud of Dalmau Nagar. He was a contemporary of Bihari

Joseph. The Khwaja used to receive daily from eager listeners, small silver coins, the six fold and ten fold *Shasgani* and *Dahgani.*

The inmates of *Khanqah,* in fact all the Sufis of the time, had long curling locks grown above and behind over the head and every one kept a comb to arrange dishevelled hairs of the head. but they had neither a soap (*Sabun*) for washing and cleaning, nor something oderous to perfume the same. They generally made use of (gill) a kind of clay which served as the washing and cleaning substance. There is a long note on folio 178a; with extension on the next page, and is important for more than one reason. The writer describing himself as "*Doagoi Zayif*" paid a visit to his *Pir,* Makhdum Sharafuddin for whom he had carried a quantity of clay which was meant to wash his hair with. After a dialogue with him the Makhdum, turning towards another person named Maulana Khwaja said, "O ! Maulana Khwaja you are also a Bihari ? What is this to which you people have become accustomed; tell me truthfully, from whom have you learned such a practice ? Why is the clay brought so often ?" The writer felt perturbed, and suspected some implication of a fault to himself. Fortunately he was soon quietened. There was gracious appearance of a smile (*Tibat*) on the Master's face. The "helpless one" (*bechara*) said that it was through the propitiousness of the Shaikh that he was able to get his food and was in a position to bring a quantity of clay. The Makhdum addressing Maulana Khwaja again said that he had seen it recorded in the discourses of Shaikh Fariduddin that when a person approached him empty-handed he was asked as to whether he could not find even a blade of green grass on the way. The Sufis were under the shade of God's protection. If they brought for them either a tray of bread or a cup of sugar or syrup that was for "*tafawul*" a pre-sage or foreloding of future event). There was no question of avarice or avidity or any mundain motive.

The worn out portions of a note has made it something unintelligible. What is clear, is a reference to Sultan Mohd. Tughlaq and gives an indication of his distinctive trait. Mohammad Shah asked one of the attendants as to what was the measure of time still left of the day. The reply was that it was the time of "*zawal*" (fading and diminishing) (the day was fading out

the animal was very much looked after, tended, fed, and fattened, and then was paraded throughout the town just before being slaughtered. Vanity and boasting *(Tafakhur)* was the motivating factor.

Similarly, *Ulma-i-Su* (evil-minded man of learned profession and *Mutasawwifin* (pseudo Sufis and other falsely seeming classes have also come in for strong condemnation. On folio 174b. we come across the marginal remark "*Ilm-i-Duniya an ast ki tu ra bar dar Salatin Umara wa Muluk burad, ya tu ra Qazi-o-Mufti kunad*" (worldly learning is that which takes you to the doors of kings, nobles and rulers or which makes you a judge or an expounder of laws) *Darwishi-Shaitan ra deed nyshashta bikar guft ai malaun chira bikar nishashtay-Uoo Guft Ulimai Duniya Amda-and-mara kar-i-na mund*" (A darwesh saw the satan sitting idle, and asked the accursed one as to why he was so sitting idle, purposeless and unemployed. He replied that the worldly-minded learned men had come forth and they had not left any work for him to do. '*Ulama-i Su Kasi Kasan-i ra goyond rui aishan janib-i-Duniya bashad wa pusht Janib-i Uqba* (Bad and false scholars or theologians are those whose face is towards this world and back is towards the world to come, that is future state of life). Something versified on the faded adge has become illegible and only this much was decipherable. Makhdum Sharafuddin is quoted on folio 17 "Now a Sufi in the full sense of the word is seldom found; those who would like to be called a Shaikh or a high priest make a show of their *mashikhat*, and are not really Sufi. Instead of Sufis, they are *mutasawwif* or *Mutashabbih*, one who sees himself and does not see God.

The age-old Katha Session of the devout Hindus for narrating the Epical or Pauranic stories of the deities had an echo among the Muslims on folio 153. We are told about one, Khawaja Hamiduddin Saudagar who also has been mentioned elsewhere in his Maktubat by Maulana Muzaffar and has been designated as '*Bazzaz*' or dealer in cloths. We are not told what led him to migrate from Bengal to Delhi. He set himself up in front of Delhi gate called *Qissa Khani Darwaza*, and for six months, every day constantly and regularly he carried on his business of telling them the Quranic Stories, particularly what has been called as *Ahsanul Qasas*, i. e. the stories of Prophet

Illiyin nihad, wa batin-i khud ra az riyazat saf gardanad" (when the sincere traveller, being moved by enthusiasms of discipleship, sets his feet from beyond the lower or earthly, and rises to the sublime and heavenly, and cleanses his heart by performing austerity), he should not babble and prattle about his upward progress.

Like most of the sufic works both the textual and the annotative portion of the contents of this manuscript emphasizes upon moral virtues, principles, standard, habits with respect to right and wrong in conduct and behaviour. Stress is laid on *Tazkiye-i-Nafs* (Purification of self) and *tasfiya-e Akhlaq* (Purifying the mind, disposition, habits and manners); so as to bear ill-will against no one. As the Sufi had no demand for *'Qasas'* (Law of retaliation, as an eye for an eye, in contradistinction with *DIYAT* (blood money) such action was called *Hadar* (caution or impunity for murdered fol. 164); On folio 173, the base and blameable qualities listed include love for wealth, longing for rank and position, malice, envy, pride and arrogance, the miserliness and things like that. Reference has also been made to *chetar chiz* (four things together) (namely *Ujb*, *Chaplusy*, *Parsa-i*, *'Adl-o-Insaf)* with the remarks that to equate the concept of self-admiration, flattering, or fawning with justice and equity was astonishing.

A close and careful study of the contents of the copious marginal annotations which run parallel, vertically, perpendicularly, horizontally, at right angles, straight up and down, and even in oblique, slanting position to the text, enables one to highlight matters essentially of spiritual nature and significance, doctrinal and ethical beliefs, experiences, and renunciatory practices of the Sufi mystics, relating to, and based on contemplation, meditation, love of, and communion with, God. Here and there we get also tit bits of information, smaller objects but of great historical and cultural interest. A few may be taken note of here, for they give us an idea of the general tendency, habit and drift of affairs, current in a period of about six centuries ago in Bihar. On folio 31 there is a reference to practice prevalen in "*Mulk-i-Bala*" (up country), to be distinguished from *Farodust* (Lower region)—a name given to Bengal by the inhabitants of the North-western lands. That before sacrificing a camel on *Id-i-Azha or Id-i-Qurban* (10th *Zulhijja*),

about *Haqq* (One Absolute Reality) and *Khalq* (phenomenal world of creation) and questions of soul or spirit, a vital, essential, and immortal entity, (thought of as separate from the body of person, having an existence of its own) and all such questions as can be perceived intuitively and without any conscious use of reasoning are beyond the understanding and comprehension of the generality of the human mind; and, therefore, both laid stress on the adage *"Takallam-an-Nas 'Ala Qadri Uqulihim"* (have such talks with the people as they have the capacity to understand them.)

Then there was a question regarding the wonder-working *Kashf-o-Karamat* (manifestation of what is marvellous and miraculous). Both Makhdum and Maulana thought that pious and inspired people, though they might be possessed of, and have the capacity for, displaying some extraordinary, excellent, and exceptional deeds, they should scrupulously avoid their open disclosure. A marginal note on Folio 123a, has the following: *"Chun Kashf-o-karamat Khwish nagah bar khalq zahir kard ura dar duniya na bayad bud, mi bayad murd. Ziraki agar uoo manad, fitna qayam shawad".* (When one suddenly makes one's secrets or miraculous affair manifest, one should cease to exist, for if he continued to remain alive in the world, disturbances and mischiefs could arise along with that. The remark ends with the words *"Lafzi Mubarak-i-Makhdum-i-Jahan"*, there is another, *"agar kasi az mashaykh Ura ba wisal-i Khudawand kashf-i-Karamat hasil shawad, bayad ki pishi kasi an ra na goyid wa kashf na kunad* (if somebody from amongst the saintly prelates thinks that because of his nearness to, or communion with, God, he has obtained the power of displaying miracles; he should not speak about anything about that before anyone, nor should he claim to practise such deeds.) On folio 62a, occurs *"An waham ki man budam andar maidan-i-abadiyat rasidam, na chuna nan bud mahaz waham bud".* It was a false and fanciful idea to indulge in by some one saying that he was in a stage or fact of being near that of arrival at the plain of oneness. This was nothing but illusion or delusion.

On folio 49b, we get the meaning of *Mokashifa* or making known something hidden or secret as a *"Rafa-i-Hijab* (drawing back the veil); *"Ruhani wa Jismani"* (spiritual and physical); *"Chun Salik-i Sadiq ba Jazba-i Iradat as tabaiyat-i Sifli Qadam ba*

and sentences, some had been mentioned by me in my first study. "*Ta tu bashi nik-o bad inja bawad. Chun tu gum gashti hama sauda bawad f. 100b* (so long as you remain here you may be called good or bad, when you are lost to yourself, you will be dubbed as a mad man). There is another on folio 109b. *Man chi shayista, am ki tura khwanam-o-danam, bakaram ham tu bibaksni ki sazowar-i tu basham* (who am I to claim myself to be so worthy as to be deserving of you, if out of your grace, you pardon me I may become worthy and deserving of you); *Dar kui kharbat chi darwish chi shah, dar rah-yagangi chi Khurshaid chi mah rukhsar-i qalandar-i chi roushan chi siyah* (in the lanes or street of the tavern it matters little that it is a *darwish* or a king. In the path of unity and concord it is of no avail to one whether it is submission or the turrets of heavenly canopy (Empyrian) there is no difference if it is the sun or the moon in what manner does it avail to you if the cheek of the Qalandar (*itinerant* Shaven-headed monk) is black or bright).

Who could understand the significance and purpose of the Makhdum's observations in the text (Maktubat-i-Sadi) better than Maulana, the interprator and annotator. Most of them were the endorsement, elucidation, comments on the statement embodied in the text. There was mutual admiration, warm attachment, high esteem and appreciation cherished by one for the other. Much more important was the awareness of the worth and value of the ideas and idiologies, and the way of thinking on deep and abstruse sufic subjects, paths and doctrines, between the two. Out of the plentiful number of letters which the Makhdum appears to have written to the Maulana who was frequently on the move through the north-west and north-east of India, and also outside the country towards South Arabia and Hijaz, only a small collection of 28 letters called *Maktubat-e Bisto-hasht* have survived. They could not be buried along the last remains of the Maulana, as had been willed by him, and was probably wished for by his *peer.* There was complete harmony in ideas, feelings, and action. This is evident from many passages with parallel meanings, if not in words, at any rate in their essential import. Many of their views and thoughts proceeded in the same direction. We may draw the reader's attention to only a few cases. Both believed that esoteric abstruse mystic doctrines, principles, tenets and many spiritual truths such as

Some of the observations comprising versified lines, *Rubais*, *Masnavis* and also pithy prose passages which all appear to have emanated from Maulana Muzaffar Balkhi are very catchy and attractive, arousing special interest e.g. *Ya-bi-rawi ham chun zanan-Rang wa bu-i peshgir. Yaki chun mardan dara'a-o-goe dar maidan figan* (you may either take to the coloured paint and the sweet-scented perfumes or you can show your grit by coming out, entering the arena as a manly person and, throw the ball) This refers to the game of *chaugan* which was played in those days by mounted horsemen, each armed with a long curved or crooked stick or club, trying to carry off the ball from the adverse party, or to force it over a certain boundary (on f.105) the learned contemporary *literati* and poet, Nakhshabi has been quoted. (*tawani bi dih bakash chize hich kas dar sakha zayan na kunad* (you can give something to somebody. Nobody suffers any loss by practising charity) "*Ta kasi az Chihar tab'a farigh-na-gardad, suhbat-i-Haq ra na-shayad. Shukhi yaksu nihad dil pesh burad: bukhl, yaksu nihad, Jawamardi pish burad, Kahili yaksu nihad, jan bar miyan bandad, kundi yoksu nihad jaldi pish burad* (f. 71b.)—(So long as one does not free oneself from these four habits or dispositions, one can not be worthy of the company of, or communion with God. One should put aside petulance and cultivate the heart; set aside avarice and evince manly generosity; remove laziness and be ready to stake one's life; abondon all dullness and take recourse to speed and swiftness.

A very charming couplet expressing the *Asharite* view of fate and predestination which is in accord with the theory of the orthodox *Sunni* schools is also worth mentioning. This was the doctrine that the determining agency of fate or destiny and all that happens was the one absolute power, and that God fore-ordained everything that is to happen, and that everything is decided or decreed beforehand (the *Mus tazilin*, had another explanation, considered by others as plausible for the course of action and the determining agency). The couplet is as follows: "*Bisiyar khastam ki niham sar bar astan, man khastam wali chi kunam chun khuda na khast* (I earnestly wished to place my head on your threshold. It was I who had a great desire, but what could I do, for God did not wish (or allow that) (f. 191, b).

One can cite many more interesting and meaningful verses-

difinite indication of personal contact, close relationship, and dialoguic, and written interchange of views and thoughts and beliefs and practices, religious and mystical.

On two or three occasions we get references to instructions issued for including something left out in the original text. On folio 23a, after two notes, concerning a discussion on the difference between *Iradat-i-Insani* and *Iradat-i-Khudawandi* at the end there is an instruction, written in red, *"dar Kitab-i-inra dakhil kunaid"* (Enter this in a book). Again we come across a long note on f. 319a, the second long note concerning *chilla*, spelled as *jehla* e.g. the 40 days of seclusion or *Itekaf*; it says that if the disciple observes *Jehla* sincerely for 40 days there was a possibility of the manifestation of things on the 40th day. But at the same time the disciple was enjoined upon to repeat *astaghfirullah* and say Oh God *Gunah-i-ma ra biposh*... the concluding words are these *"In ruba-i "Makhdum-i-Jahan Farmudand, binawees Kharij-az-Maktub ast"* (Take down; this quatrain. It is not found in the letters). The *rubai* is as follows *Chun sirr-i-aza tinat-i-abdal shawad, in Jumla-i-qil-o-qal pamal shawad; ham Khwajah-i-aql ra jigar khun gardad. Ham mufti-i-Shah ra Zuban lal shawad"* (when a saint is seized by the mysteries of eternity. All this chattering and babling will turn to naught. The head of the lord of wisdom blushes and the expounder of the Law becomes tongue-tied).

The profuse and plantiful annotation on the margin of the original text encompasses a considerable variety of matters, historical, literary, cultural, religious, ethical and mystical, and contains references to kings and rulers like Mohd. Tughlaq and Mahmood of Ghazna and his favourite, Ayaz, and also saintly personages such as Syed Jalaluddin *Bukhari of Uchah, Baba Farid of Pak-Paten*. Junaid Baghdadi, Ain-al-Quzzat Ba Yazid Bustami etc. Some common and professional people also figure like Hamiduddin Saudagar, and *ecstatic fellows, Majzoob*, Malamatis and Qalandar. There are numerous elucidatory notes on principles and problems like *Chilla, Ilm* and its kinds, *Reyazat; Saum, Sama, Ruh, Ananiyat and Tajrid, Taqlid, Tafakkur; Muhabbat, Ukhuwat, Marifat Iradat, Mukashifa, Ilm Sifli wa Ulwi, Mushahida, Qaza-o-Qadar etc*; nor have the *sectarians, Mu, 'atazila, Muattala, Mulahidas, Ibahatia*, ignored. In short, the marginal notes give much food for thoughts.

his nephew, Muiz Balkhi. Letter no. 114 is addressed to *"Farzand-i-Aziz"* *"Yar-o-ham Tariq"* *"Maulana Karimuddin Sallamahullah Ta'ala"*, and in letter no. 125 we get this descriptive manner of the addressee as *"Farzand-i-aziz* (most excellent or worthiest son) *"Qazi Zainuddin Sallamahullah Ta'ala.* Mualana Muzaffar's brother (son and his successor, Shaikh Husian Muiz Balkhi, was also a saintly Sufi, a scholar and a very good poet like his uncle. Besides a Diwan and his *Maktubat*, we have also his *Malfuzat*, named *Ganj-i-La Yakhfa*, not to be confused with *Ganj-i-La Yafna* of the renowned Makhdum Sharafuddin, compiled by an un-named person, perhaps his own son, Hasan Balkhi. There is scarcely any *Majlis* or Chapter into which the *Malfuz* is divided which is free from this invocative prayer calling upon God to preserve and grant safety and protection to *"Bandagi-i-Makhdum"* (Spiritual Master worthy of devotion and servitude). Here we get a greater saintly personality being referred to by a devotee. In some *Majlis* the compiler made use of this benedictory prayer as many as eight or nine times in respect of the saintly personage.

But there are numerous other points to give colour and fullness to the arguments concerning the antiquity of the manuscript and the contemporaniety of the writers of the text and of the annotative and explanatory notes on the margin. In the table of the contents over against, or opposite to, letter 29 on *"Taharat"* (ceremonial purification) and to, letter 52 on the subject called *"Guft-o-raft"* (speech and behaviour or sayings and actions), we get the following significant exhortation; *"Tahris dar mutali'a wa Ta'ammul in Maktub Karrat-o-Marrat"* (stimulate the interest in the study and reflections many times and oft & over this letter); *"tahris dar mutali'a in Maktub binabir-i-Kasrat-o-fawaid* (excite and spurn on the study of this letter because it has plenty of utilities). There are clear references to the spoken speeches of the venerable prelate and questions asked by his devoted disciple. *"Badahu bar Zaban-i-Mubarak-i-Makhdum-i-Jahan* (f. 125); *In Sukhan az Zaban-i-Mubarak Shunid* (f.131); spoken word; *Taqreer-i-khidmat-i-Shaikh* (f. 33b). *Badahu Banda-i-Za'eef arza dasht* (f 186); *Sawal bar Sabeel-i-Arzadasht kardah shud; Makhdum ra maniyi-in bait pursida shud* (79b); *Badagi Makhdum Astaghfirullah guftand; har bar ki az Maktub-i-dayee farigh mi shudand bad-i-an istighfar mi guftand mustaqillan* (164, 67). These provide

further elucidation and at places even slight modification. One of the strongest point concerning and favouring the view about the intimate association and contemporaneity of two saintly personages was furnished by the "*dua'aiya*" or benedictory words (*Kalima*), invoking Divine blessings which are frequently found in the marginal annotations. This was the reverential term for the saintly author of the book '*Sallamahullah Ta'ala*" (May God the most high preserve him). It was argued that such an exclamatory utterance could be an exclusive right and privilege of somebody of equal social status and relationship; that neither the compiler of the several *Malfuzat* or collection of the discourses of Makhdum Sharafudin nor any body else, however, close and most devoted he might have been to the revered Shaikh, could arrogate to themselves such intimacy or familiarity as to go beyond the forms "*Khidmat-i-Shaikh*", "*Bandagi-i-Makhdum*', "*Makhdum-i-Jahan*" and the phrases like "*Azzamahu*" (may he be highest and greatest in dignity) and "*Azzamahullah*". Such a view needs reconsideration and even partial modification because of the occurence of such expressions, particulary "*Sallamahullah Ta'ala*" in respect of others and lesser personalities in contemporary 14th and near contemporary 15th century historical or hagiological works. Now-a-days we have become accustomed to seeing a superior or an elder in age usually addressing a younger or smaller person in such a manner expressing his good will or wishing God's protection for him. Norms, mood, manner and customary usages, standard or patterns of behaviour are not all long-continued affairs, and very often they change in course of ages. It was quite natural for an equally learned and respected '*Murid*' like Maulana Muzaffar, to speak of his revered '*Pir*' in reverential terms but there could never be a question of superiority or inferiority or even of being so closely related as to be put in the form of equation. A 15th century writer, once the poet laureate and friend of Sikandar Lodi and also the author of *Siyar-ul-Arifin*, a *Tazkira* of one myatic sufis made use of the invocatory expression *Sallama-hu-Ta'ala* in respect of a sovereign of the Timurid House "*Hazrat Himayun Badashah i-Ghazi Sallamahullah*" Here a person of an inferior status refers with such terms about a person of exalted dignity. We get other suggestive illustrations and significant examples. Maulana Muzaffar was a prolific writer of letters and also a poet. The collection of his letters or *Maktubat* were compiled by

truth' springs up); *"Kar-i-deen sin'at-o-ibarat nist juz ibarat dar-o-Imarat nist"* (32a) (The affairs of the faith do not mean skill in art and speech. There is style but no edifice); *"Tadbir Kunad banda wa taqdir na danad-Tadbir ba taqdir-i-Khudawand che manad* (191b) (The man devises and deliberates, being unaware of the Divine Decree. How can the plans of man stand against the Lord's decree); *"Har ki deed zat-i khud ra-bar sai-i-tahqiq shirk warzid* (he who looked about himself and took airs, surely he practises polytheism); *"Dar do jahan aql ra hicha hich, chashm-i bina dui na-binad hich"* (124, a) (In this world and the next wisdom or power of judgement is of no account. In seeing eyes there is no dualism; *"Bar dar bashi, bihtar anrank dar bar* (f.45) (It is preferable to be at the door (like a beggar) than to be clapped in arms); *"Dunya ibarat az panj cheez ast : naqud, aruz mamalik, marakib, mawashi. In har panj cheez hijab ast""* (.38) (The world signifies cash, furniture, estates, conveyances and cattle. All these are so many veils). There are also interesting comments e. g. *'Dar bayaban-i-Hindustan ba tan barahna wa ba shikam gurisna, dawanidan asar-i-Qahr-o-gharamat ast dar nehayet"* (·8, b.) (To force men with naked body and hunger stricken belly to run in the wilderness of Hindustan is to mark the beginning of disturbance for which a serious debt will have to be paid).

The habitual skeptics and insistent questioners would not easily accept the writer's contentions that the manuscript in question provides conclusive evidence that it takes us back to the distant past of six centuries for the marginal notes are destitute of both name and date. But even among the doubting Thomases, there may be some honest and reasonable enough to keep their minds open and give a close and careful attention to the arguments put forward; though they may feel that there is still some room for further thoughts. Even the present writer of the earlier paper now realises that there is need of something more to be brought into focus. It is incumbent on all investigators in the field of historical knowledge to make a careful, patient, and painstaking study of original sources of information, so far as is possible, to uncover facts and determine truths. His statement, based on an examination of internal evidence, must be percise, definite, certain and full as far as that might be possible. In the estimation of this writer something written in the previous paper concerning the Balkhi manuscript needs

scribe wrote the copy of the main text [for] his uncle, Maulana Muzaffar Balkhi, who subsequently dictated to him his comments and observations on some pieces and passages of the text which were incorporated in another smaller handwriting here and there in the copious marginal annotations, sometimes horizontally and vertically, sometimes parallel or at right angles to the text, sometimes obliquely, slanting or slopewise, inverted and upside down, at the top, in the middle, or at the bottom; that the annotation came contemporaneously but not simultaneously; that except two or three occasions when Maulana Muzaffar spoke about his venerable guide as dead, praying and invoking the usual blessings, expressed in "*Quddisallaho Sirrahul Aziz*" that is, may his tomb be sanctified. Everywhere else in his annotations he referred to him as if he was still in existence and living; that there was proof positive that the person referred to and making a reference or directing attention to something about him, had been living in the same period. This is, moreover, quite evident from an oftquoted expression "*Sallama-hullah Ta'ala*" (may God the most high preserve him). There are more than a dozen places where this invocating prayer for the Divine safety and protection of the venerable prelate occurs. Such folios are 88b, 63a, 163a, 55b, 121b, 175b, 174a, 318b, 111b, 103a, 25b, 187a. There are also very suggestive words in many more places e. g. *Makhdum-i-Jahan, Makhdum-i-Alam, Khidmat-i-Shaikh, Bandagi-i-Makhdum* with almost double in number of the supplications for divine blessings and protection, such useful descriptive titles, appelations and epithets were in common usage then as now. Lastly, the orthographic pecularities, unusual style of writing, language, spelling, grammar and vocabulary in the marginal notes, and the archaism found therein are very suggestive indication of the hoary, ancient age of the Balkhi manuscript.

There are many pithy verses and phrases, expressions which are pregnant with meanings and sometimes look like maxims *e. g. "Kar-i-bi Ilm bar-o-bar na dihad-tukhm-i-bi maghz ham samar na dihad"* (174a) (Work without knowledge bears neither leaf nor fruit, seed without pith produces no fruit); "*Khashmo-Shahwat ba zere-paye yi dar ar Ta magar admi shawi yak bar*" (Subdue your anger and lust so that per chance you may become all at one a man); "*Chun neesti-i-tu shud Muhaqqaq Khaizad hama naara-i-anal-Haq*" (51b) (When your nullity or non-existence is confirmed, it is then that the exciting cry 'I am the

the paper, however, lay in the conclusions reached, on the basis of internal evidence, establishing the fact of the Balkhi manuscript of the Maktubat being of very high antiquity, prior in time, order and precedences to all that are, and may be available anywhere else.

Looking up across the dust of ages, and considering the changing, very often severe and stormy, climatic and weather conditions of the region, the care bestowed by generations of Balkhi family for the preservation of their precious heritage, treasured possession, and valued heirloom, and keeping it safe from harm, damage, danger of destruction or even spoiling and rotting, reflects great credit and deserve commendation.

One of the earliest and the most learned and respected figure among the Balkhis was of Maulana Muzaffar Shams, who was held in highest esteem by his spiritual guide, Makhdum Sharafuddin Ahmad Maneri who always addressed him as Maulana or Imam Muzaffar. He outlived his venerable Pir, *'Bandagi-i-Makhdum'* or *'Khidmat-Shaikh, 'Makhdum-i-Jahan'* for 21 years, and died at Aden in 803-1402 while he was on his way to Mecca, and was buried there by his nephew, adopted son and successor, the learned Shaikh Husain Muiz Balkhi who died 41 years later in Bihar town, in 844-1441.

The writer of the paper had reasons to believe that there are sufficient grounds to establish that the manuscript is a precious antique relic, a sort of souvenir; that it is, moreover, of great historic interest because of its association with three great saintly and contemporary personalities; that both the original textual and later annotative portions were in the hands of one and the same person; that the transcriber was Maulana Husain Muiz Balkhi, as is evident from a reference to his *Maktubat* on folio 124 and from a quatrain (Ruba'i) composed by him and found on 273b, to wit (that is to say) *"Qalandari wa Kharabati az Paye tu shudam. Hadith-i-'Ishq-i tu didam kih an baya'i nist;, "Husain az dar-i-himmat gada-i ku-i tu shud-kih haich saltanat-i-khushtar az gada-i nist"* (I have become a wanderer and tavern-goer in quest of you; yet, your love is not experienced simply by invocation. Husain has entered through the door of high resolve, as a beggar in your lane, for there is no royalty more joyous than that of beggary). That the learned

A Unique Study Of Maktubat-i-Sadi

—A SECOND STUDY—

The 9th issue of the Khuda Bakhsh Library Journal, published in 1979, contains a fairly long account, covering 22 printed pages, of a rare manuscript, apparently the oldest extant copy of the well-known *Maktubat-i-Sadi* (100 letters), composed sometimes in or before 746-1345, by the celebrated Sufi Saint of Firdausi Order, Makhdum Sharafuddin Ahmad Maneri, who died in 782 or 1381. The valuable manuscript belonged to Khanqah Balkhi Firdausia of Fatuha (Patna). The form and contents of the original text, and more specially of what onstituted its chief and essential feature, distinguishing it from others, and marking it off as superior and worthy of special recognition and honour—the multifarious and diversified marginal annotations—were considered, examined, analysed and evaluated. The Chief constituents or the necessary parts of the paper, focussing one's attention, included the provenanace of the work; the light thrown on such things as the worn-out conditions of the manuscript, table of contents, thick paper, turned brownish or yellowish, due to age, style of writing in clean and fair *Naskh* character, with rubrications of headings and titles of the letters, and of many apt verses and Arabic passages and lettering. The large number of the authoritative works, mostly mystic and theological, cited in the copious marginal annotations which besides such *Malfuzat* of Hazrat Sharafuddin as *Ma'adan-ul-Ma'ani* and *Bahr-ul-Ma'ani* and some other un-named ones, refer also to the works of Shaikh-ul-Islam Abdullah Ansari, the great martyr Ainul-Quzzat Hamadani (*Tamhidat*), Ahmad Ghazzali (*fusul*), Abdul Qasim Abdul Karim-al-Quraishi (*Kalimat*), Imam Zahid (*Tafsir*), Shu, abi (*Kifaya*) as *Zakhiratul-Ma'ad.* Those frequently attract one's attention, that are the oftquoted works including *Sharh-i-Ta'arruf, Nuqad-i-Ta'arruf, ...awale, Tawabe, Madarik, Adab-ul-Muridin,, Sharh-i-Adab, Minhaj ul-Abedin, Hidaya, Masabih, Mirsadul Ibad, Lawaih,* ... Hamiduddin Nagori. There are references also from *Qut-ul-Qulub, Khulusat-ul-Matlub, Risala-i-al Matlub, ...sul-us-Sanaa.* The main importance and the chief interest of

CONTENTS

Printers : Liberty Art Press, New Delhi and Patna Litho Press, Patna
Publisher : Mahboob Husain for Khuda Bakhsh Library, Patna (Phone 50:
Editor : Dr. A. R. Bedar
Annual subscription : Rs. 60.00 (Inland), 12-00 Dollars (Asian countrie..
24 Dollars (other countries) Rs. 15-00 per copy.

Khuda Bakhsh Library

JOURNAL

33-34-35

KHUDA BAKHSH ORIENTAL PUBLIC LIBRARY
PATNA-800004
1985